

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224144**

UNIVERSAL  
LIBRARY

224144





Q. 557-13-7-71-3,000.

## OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 89152 P. 2

Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.



# الفستان الكهنه

مكتبة

عائقة الحسين بن علي

# اسلام کا نظام عقائد و عبادت کیا ہے؟

اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟ اور — ان کی حقیقت کیا ہے؟  
اسلام کی زندگی کن امور سے عبارت ہے؟ اور — انکی صورت و حقیقت کیا ہے؟  
ان سب سوالوں کا مفصل جواب

اس کتاب کو

مولانا محمد منظور نعمانی مؤلف تھے



میں ملے گا

جس میں خدا کی تعظیم کے ساتھ توحید، اخلاقیات اور رسالت — ناکہ روزہ، حج، زکوٰۃ اور عبادت  
سوالوں کی خدمت و نصرت، صحت و عیادت، وکالت اور صلوات و کفایت کے لوازمات پر ایک مفصل  
روشن فانی کتاب ہے جس کی روشنی میں ہر مسلمان کو اپنی حق بات پر اطمینان ہوگا کہ اس کی حقیقت سائنس آسمانی ہے  
اور اس کے قواعد عقل و وجدان اور ایمان و سکون سے منبج ہوئے ہیں۔  
اس کتاب میں سورہ اخلاص بہت سوں کے لئے افکار و افکار کا وسیع ہوا ہے جس کو یہ صدمہ نہایت کم کیا  
گیا ہے کہ توحید و جد کے ذہن کا آدی کی پڑھ کر وہی حقیقت ہو جاتی ہے۔  
یہ کتاب ان مسائل میں صحت و صحت کے علم پر مشتمل ہے جو مسلمانوں کے لئے ایک نیا موضوع ہے جو ان کے لئے  
مسلک انسانی کی دوسری کتابوں کی طرح اس کی سائنس و صحت پر بھی ہے کہ وہی انسان اور انسانی افواج کے مسائل  
تہجدات و عبادت اور توحید کی بنیاد پر ہے جس کے ذریعہ انسانیت اور انسان کی باطنی فطرت اور انسانی فطرت  
جس کی ان کے برابر کوئی قوت نہیں۔  
جو جو سوئے ہوئے عادات دست لگے گی، ان کو دور، ان کو دور، ان کو دور و دور کے قریب ہے۔  
جس کے قریب ہوئے۔ اس پر ان کی تفسیر کاغذ — عربیہ اور اردو میں لکھی گئی ہے۔

محمد بن عبد اللہ افسترن پکری وڈ لکٹو

Checked 1978

سَآلَآلَہُ جَدِّہٖ  
غیر ممالک  
۱۵ شلنگ  
ہوائی ڈاک کے لیے مزید  
محصولہ ڈاک کا اضافہ

# دفتر افشان لکھنؤ

سَآلَآلَہُ جَدِّہٖ  
ہندستان سے ..... ۸/-  
پاکستان سے ..... ۸/۵۰  
صفحات ۵۶  
قیمت  
نی کا پی .... ۷۵ پیسے

جلد ۳۸ | بابۃ ماہ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ مطابق اپریل ۱۹۷۸ء | شمارہ ۱

نمبر شمارہ	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	عفتیق الرحمن سنہجلی	۲
۲	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۷
۳	ارشاد احکیم اللامۃ حضرت مولانا تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امرہوی	۱۹
۴	اسلام کی اساسی عبادتوں میں حج کا مقام	حضرت مولانا محمد طیب صاحب تہتم دارالعلوم دیوبند	۲۷
۵	طلب حدیث کے لیے رحلت	مولانا تقی الدین ندوی مظاہری	۳۷
۶	درس فستران	مولانا محمد منظور نعمانی	۴۴
۷	نئی مطبوعات	ع. س	۵۶

## اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ کہ آپ کی دلت خریداری ختم ہو چکی ہو۔ براہ کرم ہفتہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ اپریل تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بھجیۂ دی نی ارسال ہوگا۔ پاکستان کے خریدار ہوں۔ اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیا بلڈنگ لاہور کو بھیج کر ہمیں براہ راست اس کی اطلاع بھیج دیں۔ انھیں دی نی آپ نہیں جائے گا لہذا ۲۸ اپریل تک چندہ کی اطلاع ملنے کی ضرورت ہے جو ہمیں بھیج دیں۔ غیر خریداری ہوں۔ براہ کرم خط و کتابت ادومنی آرڈر کوں پر اپنا غیر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔ تالیف اشاعت ہوں۔ الفقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۲۸ مارچ تک کسی صاحب نے ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع ۲۸ مارچ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افشان، پکھری روڈ، لکھنؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# نگاہِ اولیں

علیق الرحمن سنبلی

خلای پروازوں کی جدوجہد میں جب سے چاند پر پہنچنے کی اہم سر ہوئی ہو، ہمارے یہاں کے اسلامی جرائد و رسائل میں متواتر ایسے مضامین شائع ہو رہے ہیں جن کا مقصد نادائق حقیقت مسلموں کی اس ذہنی پریشانی کو دور کرنا ہے کہ چاند پر پہنچ جانے کا دعویٰ اگر درست مان لیا جائے تو اس سے گویا خدا کی خدائی میں خلل پہنچتا ہو اور انسان کے لیے وہ طاقت و قدرت تسلیم ہوتی ہو جو مذہبی صلوات کی اند سے ناقابل تسلیم ہو۔

کوئی شبہ نہیں کہ یہ پریشانی بالکل نادائق اور عامیانه ذہن کی پیداوار ہو۔ نہ اسلام تو انسان کا آسمانی بلند و بزرگ تصور پیش کرتا ہے کہ اس طرح کا کوئی بھی کام نامہ اس سے بعید نہیں۔ اسلام جب انسان کو اللہ کا خلیفہ قرار دیتا ہو، تو پھر سوائے اس خاص قدرت و اختیار اور اس خاص منصب و امتیاز کے جسے اللہ نے اپنے لیے مخصوص ٹھہرا دیا ہو، وہ کون سا امکان رہ جاتا ہے جسے اس مشتبہ خاک میں خفی گننا غلط ہو؟

اللہ کے اس نائب کی قدرت محدود ضرور ہو، جس طرح ہر نائب کو دیے گئے اختیارات کی ایک حد ہی ہوتی ہو مگر ان حدود کے اندر بھی اتنی وسعت ہے کہ پوری تفصیل کے ساتھ اس کا اندازہ کسی کے بس کی بات ہی نہیں انسان تو اپنی ذات سے اللہ کا ایک معجزہ ہو، اس کے اندر امکانات کا ایک پورا عالم آباد ہو۔ اور اسی معنی میں اس کو عالم صغیر کہا گیا ہو۔ شاعر نے کہا ہے۔

گھنے اگر تو بس اک مشتبہ خاک ہے انسان  
بڑھے تو وسعت کوین میں سما نہ سکے

اس میں ایک لفظ بھی شاعری نہیں، سب حقیقت کی ترجمانی ہو۔ اگر ان جب تخلیق انسانی کے تذکرہ میں "قَدْ خَلَقْنَاهُ فَقَدِيرًا" کی تعبیر لایا ہو جس کا ترجمہ ہم اپنی زبان میں "بس اس نے ایک اندازہ ٹھہرایا" سے کرتے ہیں۔ تو اس تعبیر کا ابہام دراصل یہی بتلاتا ہے کہ صلاحیتوں کا جو بے پناہ خزانہ اپنے کہاں خلق و صنعت سے، خدا نے اس خاک کے پتلے میں رکھ دیا ہو، وہ بیان میں آنے کی چیز نہیں، بس ایک مبہم تصور ہی اس کا قائم کیا جاسکتا ہے۔

افتراض اسلامی عقاید میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی بنا پر ایک مسلمان کو انسان کی خلائی پردازوں اور ان کی کامیابی سے وحشت ہو چنانچہ اہل علم نے اس قطع پر اپنے انداز میں اسی حقیقت کو واضح کیا اور عام مسلمانوں کی تشفی کا بقدر ضرورت سامان مہیا کر دیا جو کچھ اہل علم اس وحشت کا ازالہ ایک اور ہی انداز سے کر رہے ہیں اور وہ انداز یہ ہے کہ خلائی پردازوں اور اس میں کامیابی کی پیشین گوئی تو خود قرآن میں صراحتاً موجود ہے پھر بھلا ایک مسلمان اس سے کیوں پریشان ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن کی جو آیت ایسے تمام مضامین میں گشت کر رہی ہے وہ پایہ علم کی ساتویں سورت (سورۃ الشقاق) کی یہ آیت ہے۔

فَلَا أَشْفِعُ بِالشَّفَقِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ وَالْقَبْرِ إِذَا أُنْفِثَ لَنَزْكُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ

قسم ہے شفق کی اور قسم ہے رات کی اور جو کچھ رات جمع کر لیتی ہو اس کی اور قسم ہے چاند کی جبکہ بھر جائے تم چھوڑ کر ہو گے طبق بر طبق!

کہا جا رہا ہے کہ یہ اسی خلائی دور کی پیشین گوئی ہے شفق اور چاند کے تذکرہ کے ساتھ طبق بر طبق چڑھنے کی اس سے زیادہ صحیح تشریح اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے موجودہ خلائی پردازوں کی پیشین گوئی قرار دیا جائے؟ اس تشریح میں ایک کھلی ہوئی رکاوٹ "وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ" سے پرتی تھی کہ "رات اور جو کچھ رات جمع کر لیتی ہو" اس فقرہ کا یہاں کیا جوڑ ہے؟ زیادہ ذہین لوگوں نے اس کا حل بھی نکال ہی لیا کہ رات جن چیزوں کو جمع کرتی ہو وہ ستارے ہیں۔ جو رات سے پہلے اکادم کا نظر آتے ہیں مگر رات آتے ہی آسمان جیسے ستاروں سے بھلکا ایک صاحب نے بالکل ہی غضب دھایا ہے کہ لَنَزْكُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کو خلائی پردازوں کی پیشین گوئی قرار دینے میں انھیں اس کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی کہ اوپر کے فقرہ کو اس کا قرینہ ٹھہرائیں بلکہ اوپر کے فقرہ میں ان کے نزدیک وہ وقت بیان ہوا ہے جب یہ خلائی پردازیں انسان شروع کرے گا یعنی قرآن نے نہ صرف ان پردازوں کی پیشین گوئی کر دی تھی بلکہ ان کا ٹھسک ٹھیک وقت بھی بتا دیا تھا اور وہ اس طرح کہ "شفق سے مراد سورج و انقلاب (کیونکہ سورج کا دور دورہ) وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ سے مراد اس سورج و انقلاب کی لائی ہوئی اصطلاحی اور روحانی تاریکیاں اور الْقَبْرِ إِذَا أُنْفِثَ" (ماہ کامل) سے مراد ہوا مسمیٰ کا ظہور! یعنی قرآن کہتا ہے کہ یہ خلائی سفر کا دور اس وقت شروع ہو گا جب دنیا کی ہر قوم کی لائی ہوئی تاریکیوں سے بھر جائے گی اور ان تاریکیوں کا ازالہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے ہو گا!

ان مطالب کا سراغ کہاں سے لگا ہے؟ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی خاص استعداد کی زبان ہے بحان

لہ یہ بلاشبہ کلام حق ہے جو عام طور پر ترجمین کرتے ہیں اور نہ ہی بحث مضامین میں کیا گیا ہے، ہمارے نزدیک اس کے ایک دوسرے ترجمہ کو ترجیح دے گا جس کا دعویٰ ہے کہ اسے لہر اور بھی ہو اور بعض نے اسے اختیار بھی کیا ہے۔ آگے ہم نے اس کا دوسرا ترجمہ بھی کیا ہے۔



کیا سنا سوچو کہ جو جی میں آئے اُسے قرآن کی خاص زبان اور خاص اصطلاح بتا دو گویا یہ کہنے کے بعد اس کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا کہ اس استعاراتی یا اصطلاحی مفہوم کی سند اور دلیل کیا ہو؟ نہ سہی یہ سوال کہ لفظ ہم بھی جو چاہا تھا کہ بات بن بھی رہی ہو یا نہیں؟ کیونکہ تفسیر کچھ بھی کیجیے مگر نفوذ کی ترتیب تو اپنی جگہ ہوگی اور اس ترتیب کی مدد سے جس طرح سرخ انقلاب خلائی دود سے پہلے آجانا چاہیے اسی طرح امام احمدیؒ کو بھی پہلے ہی آنا تھا۔ ان کی آمد کے بغیر یہ دود کیسے شروع ہو گیا ہو؟

افسوس ہوتا ہے کہ یہ دیکھ کر کہ کس قدر میں نے ان کی ادب سے سر پر کی باتیں آیات قرآنی کے سلسلہ میں ایسے اخبارات بھی چھاپ دیتے ہیں جن پر مسلمانوں کا ایک بڑا سنجیدہ حلقہ اعتبار کرتا ہو۔ جو بدت طبع کے یہ لایعنی مظاہرے تو سوائے اس کے کوئی استحقاق نہیں رکھتے کہ انھیں ردی کی ٹوکری کی نذر کیا جائے اور ایسے مضمون نگار حضرات سے عرض کیا جائے کہ خدا کے لیے وہ قرآن پر رحم ہی کریں، بس اپنے کرنے کا کم کیا کریں۔

خیر اب اصل سوال پر آجائے کہ کیا واقعی ”کتر کین طبعاً عن طبق“ میں خلائی پروازوں کی پیش گوئی کی گئی ہو؟ اس سلسلہ میں گزارش ہو کہ شاید ہمارے ان اہل قلم نے اُس پوری سورہ کو نہیں پڑھا جس میں یہ آیت وارد ہوئی ہو، ورنہ اس کا دہم بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ سورہ کچھ ایسی طویل نہیں مگر یہی ہوتا ہے آپ بھی پڑھ لیجیے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۚ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا	جب آسمان پھٹ جائیگا اور میں نے حکم اپنے رب
وَحَقَّتْ ۚ وَاذْ اَلْاَرْضُ مَدَدَتْ ۚ	کا اور میری اُس کے مناسب ہو اور جب زمین پھیلا
وَالْقُلُوبُ مَا فِيهَا وَخَلَّتْ ۚ وَاذِنْتَ	دی جائے گی اور کمال دے گی وہ سب جو اُس کے
لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ ۚ يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ	اندہ ہو اور رضائی مجھ سے گی اور میں نے حکم اپنے
اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَىٰ رَبِّكَ كُنْحًا	رب کا اور میری اُس کے مناسب ہو اور قیامت کا
فَلَا قِيَّةَ ۚ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابًا	دن ہوگا کہ اسے انسان تھے کسان کسان پہنچا
بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ ۚ فَسَوْفَ يُجَاسَسُ جَلَدًا	ہو اپنے رب کے پاس اور اُس کا سامنا کرنا پڑے
يُسِيرًا ۚ وَيُنْقَلَبُ اِلَىٰ اَهْلِهِ	جس کو ملے گا ایمان نہ اُس کے دہانے ہاتھ میں رہا
مَسْرُورًا ۚ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ	سے حساب لیا جائے گا آسان حساب اور اپنے گنا
كِتَابًا ۚ وَرَاٰ ظَهْرَهُ ۚ فَسَوْفَ	وہ اپنی پسینہ میں خوش ہو کر اور جس کو ملے گا ایمان
يَدْعُو نُبْرًا ۚ وَيَصْلٰى سَعِيرًا ۚ	بہیمہ کے پیچھے سے وہ پھسے گا موت اور
اِنَّهٗ كَانَ فِي اَهْلِهِ مَسْرُورًا ۚ	پڑے گا آگ میں وہ رہا تھا اپنے گھروالوں میں

إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ۚ بَلَىٰ ۚ  
إِنْ رَئَيْتَهُ كَانَ يَهْ بِصِيرَاهُ ۖ فَلَا  
أُفَيْمُ بِالشَّقِيقِ ۖ وَاللَّيْلِ وَمَا  
وَسَقِ ۖ وَالْقَمَرِ إِذَا تَسَقَىٰ ۖ  
لَتَرْكَبَنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۖ فَمَا  
لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ  
الْقُرْآنُ لَا يَسْمَعُونَ ۖ وَهُمْ يَسْمَعُونَ ۖ  
الَّذِينَ كَفَرُوا أَيْدِيَهُمْ رُفُوفٌ ۖ وَاللَّهُ  
أَعْلَمُ بِمَا يُفْعَلُونَ ۖ فَتَسْتَرْهَمُهُمْ  
بَعْدَ آبَائِهِمْ ۖ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَ  
جَعَلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرًا غَيْرَ  
مُؤْمِنِينَ ۝

نہ ختم ہونے والا

یہی سورہ ختم ہو گئی اس میں پہلے فقرہ سے لے کر ”فَلَا اقْتُم بِالشَّقِيقِ“ کے الفاظ آنے تک صاف طور سے احوال  
قیامت اور حساب کتاب کا بیان ہو رہا ہے۔ اس کے بعد آخر میں پھر ”فَتَسْتَرْهَمُهُمْ بَعْدَ آبَائِهِمْ“ سے کھلے طور پر وہی جزا و سزا کی  
بات سامنے آتی ہے۔ ایسے میں یہ خلائی پردانوں کی پیشین گوئی کہاں سے کوڑ پڑے گی؟ اس کا کیا عمل اور موقع ہے؟ پوری  
سورت میں اس بات کی یاد دہانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ انسان کو خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور اپنے اچھے بُرے  
کاموں کی جزا و پانی ہو۔ آخرا سورہ میں یہ بات اس طرح کہی گئی تھی کہ انسان کو کشتاں کشتاں اپنے رب کے پاس  
جانا اور اُس کا سامنا کرنا ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ“ پھر حساب کتاب اور  
جزا و سزا کا تفصیلی نقشہ کھینچا گیا۔ اور اس سلسلہ میں سزا پانے والوں کے متعلق کہا گیا کہ ان کے ذہن میں ہمارے  
حضورِ حاضر کی کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس ذہنیت کی تردید کے لیے اسی بات کو ”يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ“ کہا  
گئی تھی ”لَتَرْكَبَنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ“ میں نہایت تاکید کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ یہ اس آیت کی حقیقت ہے باقی  
تمام افسانہ۔ الفاظ قرآنی کے نہایت مستند شارح امام راغب اصفہانی اپنی کتاب المفردات فی غریب القرآن  
میں لکھتے ہیں

وَقَوْلُهُ لَتَرْكَبَنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۖ  
يَتَرَفَّى مِنْزَلًا عَن مِّنْزَلٍ ۖ وَذَلِكَ  
أَوَّلُ مَا يَأْتِي فِي الْقُرْآنِ مِنْ تَعْلِيلِ  
الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْعَلُونَ ۖ

اور ارشاد باری ”لَتَرْكَبَنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ“  
کا مطلب ہے کہ انسان کو منزل بہ منزل اُگے جانا ہے

یہ انسان کے اُن مختلف احوال کی طرف اشارہ ہو جن سے وہ دنیا میں گزرتا ہوا اشارہ احوال جن کی طرف کہتے "خلقکم من تراب ثم من نّٰر ابّ ثم من نّٰر طقفہ" میں اشارہ کیا گیا ہے اور آخرت کے احوال عشر و نشر حساب اور عبود صراط وغیرہ کی طرف جو جنت یا دوزخ تک پہنچنے میں ہیں اُن کی گئے۔

## کِتَابُ الْمَعَاشِرَةِ وَالْمَعَامَلَاتِ

### مَعَارِفُ الْحَدِيثِ (مُسَلَّسٌ)

#### میاں بیوی کے باہمی حقوق اور فرائض (۲)

اسی عنوان کے تحت وہ حدیثیں گزشتہ شمارہ میں پیش کی جا چکی ہیں جن میں بیویوں پر شوہروں کے حقوق بیان فرمائے گئے ہیں اور ان کو شوہروں کی فرمانبرداری اور رضا جوئی کی ترغیب دی گئی ہے۔ اب ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جن میں شوہروں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کریں، ان کو رفیقہٴ حیات اور شریکِ زندگی بنانے کے کہیں ان کی ضروریات اور راحت و رسانی کی فکر کریں، ان کی غلطیوں سے چشم پوشی اور درگزر کریں اور اگر کوئی ایسا سنگین معاملہ ہو جس میں تنبیہ و تادیب ضروری ہو تو حد ضرورت سے آگے نہ بڑھیں اور اپنے اختیارات کا بیجا استعمال نہ کریں اور ان کے بارہ میں اس خدا سے ڈریں جو سب کچھ دیکھتا ہے اور مرنے کے بعد جس کے سامنے ہر ایک کو جانا ہے۔

#### بیویوں کے حقوق اور ان کی رعایت و مدارات کی تاکید:-

عَنْ جَابِرٍ [فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ فِي قِصَّةِ حُجَّةِ الْوَدَاعِ ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خُطْبَةٍ يَوْمَ عَرَفَةَ] اَتَقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ وَانْظُرُوا اَخَدَ تَمُوَهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ وَاسْتَقْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلْوَيْطَانُ فَبُرِّئَتْكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَاِنْ فَعَلْتُمْ ذَا الْاَلِ فَاَصْرِي

صَرَبًا عَيْرُ مَبْرَحٍ وَكَهْنٌ عَلَيْنُكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔

رداءِ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں یومِ عرفہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وایت بھی دی، لوگو! اپنی بیویوں کے بارہ میں اللہ سے ڈرو، تم نے اُن کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے اور اسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس کا گھر میں آنا اور تمہارے بستر پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اُس کو اگر دہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، پس اگر وہ ایسی غلطی کریں تو اُن کو (تنبیہ و تادیب کے طور پر) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو، اور تمہارے ذمہ مناسب طریقہ پر اُن کے کھانے پینے (وغیرہ ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔

(صحیح مسلم)

اس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے با اختیار اور صاحب اختیار (نکاح) امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پروا نہ ہو کہ عورتوں پر استعالیٰ نہ کریں وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں اور یاد رکھیں کہ اُن کے اور اُن کی بیویوں کے درمیان خدا ہے، اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کیے ہوئے ضابطہ نکاح کے مطابق وہ اُن کی بیوی بنی ہیں اور اُن کے لیے حلال ہوئی ہیں، اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیر دست بنائی گئی ہیں، یعنی ان کی بیوی بن جانے کے اُن کو اللہ کی امان اور پناہ حاصل ہے۔ اگر شوہر اُن کے ساتھ ظلم و زیادتی کرے گا تو اللہ کی دی ہوئی امان کو توڑے گا اور اُس کے مجرم ہوں گے۔

”اَسْخَذْتُمُوهُنَّ بِامَانِ اللّٰهِ“ کا یہی مطلب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ نے بتایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اس کی بیوی بن جاتی ہے تو اُس کو اللہ کی ایک خاص امان حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ عورتوں کے لیے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں اُن کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی امان میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شوہروں کی بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں

آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا انھیں پسند نہ ہو بیویاں ان کو گھر میں لگانے کی اجازت نہ دیں۔  
 وَلَكُمْ عَلَيْهِمُ الْاَيُّوطينَ فَرَشَكُمْ" کا یہی مطلب ہے۔ اگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس  
 کی خلاف ورزی کریں تو مردوں کو ان کے توام اور سربراہ کی حیثیت سے حق ہے کہ اگر وہ ان کی  
 اصلاح اور تنبیہ کے لیے مناسب سمجھیں تو ان کو سزا دیں، لیکن صراحت کے ساتھ ہدایت قرآنی  
 گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو۔ "غیر مہرج" کا یہی مطلب ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہروں پر یہ خاص حق ہے کہ وہ ان کے کھانے پینے  
 وغیرہ کی ضروریات کا اپنی حیثیت اور معاشرہ کے دستور کے مطابق پوری کریں۔ اس معاملہ میں  
 بخل و کجغوسی سے کام نہ لیں۔ بالمعروف" کا یہی مطلب ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خَلْقٌ مِنْ جَنَّاتٍ وَإِنَّ أَعْوَنَ  
 شَيْءٍ فِي الْبَيْتِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبَتْ تَقِيْمُهُ كَسَرَتْهُ وَإِنْ

لے ان کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی معاشرت میں، گھروں کے اندر دور قریب کے رشتہ داروں  
 اور دوسرے قلعن داروں کے آنے جانے اور عورتوں سے بات چیت کرنے کا عام رواج تھا، حالانکہ ان  
 میں ایسے بھی ہوتے تھے جن کا گھر میں آنا اور بیوی سے بات چیت کرنا شوہر کو ناگوار اور ناپسند ہو سکتا تھا۔  
 اسی کے بارے میں اس حدیث میں عورتوں کو یہ ہدایت سنائی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوہروں کی مرضی  
 کی پابندی کریں اور ایسے کسی مرد یا عورت کو گھر میں آنے آمد پاس بیٹھ کر بات کرنے کی اجازت نہ  
 دیں جن کا آنا مانا شوہر کو ناپسند ہو۔ "الفرقن" لایوطین فَرَشَكُمْ" کا یہی مطلب ہے۔ اگے آگے اسی  
 کے بارے میں سنہرایا گیا ہے کہ اگر بیویاں اس کی خلاف ورزی کریں تو شوہروں کو بطور تنبیہ و تادیب کے  
 سزا دینے کا بھی حق ہے۔ لیکن یہ سزا سخت نہ ہو [صندبہ تغیر مہرج] جو لوگ اس کا مطلب بدکاوی  
 اور زنا سمجھتے ہیں وہ بہت غلط سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سزا تو شریعت میں سنگ ساری ہے۔

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَاحَتِي وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَاحَتِي

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کیجئے، بارہ میں چھوڑ دو صیت (خود صیت میں تم کو وصیت کرتا  
ہوں کہ اللہ کی امان ہندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی کا اور علامات کا پرتاؤ نہ کرو، ان کی  
تخلیق پہلی سے چوٹی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کچی پہلی کے اوپر ہے  
حصہ میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پہلی کو (ڈیر دیتی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے  
تو ٹوٹ جائے گی، اور اگر اُسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے (اور درست کرنے کی کوشش نہ  
کرو) ٹوٹ جائے گی، تو چھوڑ دو ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی، اس لیے بیویوں کے ساتھ بہتر  
سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں عورتوں کے بارہ میں جو فرمایا گیا ہے "اَتَّخَذَ خَلْقًا مِنْ ضَلَعٍ"  
(ان کی تخلیق اور بناوٹ پہلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور  
اس کو بطور اتنی تشبیہ بھی کہا جا سکتا ہے، ہر صورت مقصود یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت  
میں کچھ نہ کچھ کمی ہوتی ہے، جیسے کہ آدمی کی پہلو کی پہلی میں قدرتی کمی ہوتی ہے، آگے فرمایا گیا ہے  
کہ زیادہ کمی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرت اشارہ ہے کہ عورت میں کمی  
کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصہ میں ہوتا ہے جس میں سوجے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہو۔  
آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ٹیڑھی پہلی کو زور و دقت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ  
ٹوٹ جائے گی اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی  
تشد سے عورت کی مزاجی کمی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے "معناه اقبلوا وصیتی واعلموا  
فی النساء وان فی خلقھن عوجا وسوعا وھو کا الامر اللازم بمنزلة ما یقارنہ الشئ من مادۃ  
وان الانسان اذا اراد استیفاء مقاصد المنزل منها لابد ان یجا وزعن محقرات الامور و  
یکظم الغیظ فیما یجد خلاف ھواء..... ۶۱" بحوالہ البانہ ص ۱۳۵

انتراق بعد غنیمت کی نسبت ہے۔ اور اگر اصلاح کی بالکل غفلت نہ کرے گا تو وہ کبھی ہمیشہ ہے گی اور کبھی قلبی سکون بعد غنیمت کی خوشگوار سی کیفیت حاصل نہ ہو سکے گی۔ رشتہ انصاف کا خاص مقصد ہے۔ اس لیے مردوں کو چاہیے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک بعد ولادت کا برتاؤ کریں، اس طریقہ سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی۔ یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے اس پر کاربند ہو۔ "امستوصوا بالانصاف خیراً" سے اپنے کو شرمناک فرمایا اور خاتمہ کلام پر پھر فرمایا۔ "فامستوصوا بالانصاف"۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور اصلاحی کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا يَفْرَقُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا وَضَعِيَ مِنْهَا آخَرَ۔

رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایمان والا شوہر اپنی مومنہ عورت سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اس کو نفرت نہیں کوئی چاہیے، اگر اس کی کوئی عادت نا پسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔

(صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات و اطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف (تشریح) اور نا پسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے اسے میں سوچے بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت سمجھے۔ یہ مومن شوہر کی صفت ایمان کا تقاضا اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے۔ اسی صورت حال کے بارہ میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے۔

وَعَاشِرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ  
كَرِهْتُمُوهُمْ فَعَسَى أَنْ تَكُونُوا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا  
كَثِيرًا۔ (التار، ع ۲)

اور بیویوں کے ساتھ مناسب و معمول طریقہ سے کرنا کہ اگر وہ تمہیں نا پسند بھی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت غیر خوبی رکھی ہو۔



## بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ و کمال ایمان کی شرط:-

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفَهُمْ بِأَهْلِهِ.

رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاق بڑا درجہ کا ساتھ بیت اچھا ہو (اور خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا بادیہ لطف و محبت کا ہو۔

(جامع ترمذی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَخَيْرًا رُكْمًا خَيْرًا رُكْمًا لِنِسَائِهِمْ

رواہ الترمذی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں زیادہ کامل الایمان وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں اور دولتہ میں اور اللہ کا نگاہ میں، تم میں اچھے اور خیر کے تعلق سے حال وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔

(جامع ترمذی)

## بیویوں کے ساتھ رسول اللہ صلعم کا معیاری اور مثالی برتاؤ:-

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي.

رواہ الترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ عن ابی حمزہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو،

(اسی کے ساتھ فرمایا) اور میں اپنی بیوی لے کر لیے بہت اچھا ہوں۔ (جامع ترمذی، نیز مستدرک امام احمد، جامع میں ہی) حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے)

تشریح مطلب یہ ہے کہ آدمی کی اچھائی اور بھلائی کا خاص معیار اور نشانہ یہ ہے کہ اس کا بڑاؤ (تشریح) اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ آگے مسلمانوں کے واسطے اپنی اس ہدایت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی مثال بھی پیش فرمائی کہ خدا کے فضل سے میں اپنی بیویوں کے ساتھ بہت اچھا بڑاؤ کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑاؤ انتہائی دلجوئی اور دلداری کا تھا جس کی ایک دو مثالیں آگے درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَعْبُ بِالْيَنَابِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِي صَوَاحِبٌ يَلْعَبْنَ مَعِيَ فَكَانَ رَسُولُ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَنْقِمُهُنَّ مِنْهُ فَيَسْرِهُنَّ  
 إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِيَ

رواه البخاري ومسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (یعنی نکاح و رخصتی کے بعد آپ کے ہاں آجانے کے بعد بھی) گزریوں سے کھیلا کرتی تھی اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں تھیں (جو ساتھ کھیلنے کے لیے میرے پاس یہاں بھی آیا جایا کرتی تھیں)، تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ کے احترام میں کھیل چھوڑ کے) گھر کے اندر جا چھپتی، تو آپ ان کو میرے پاس بھجوا دیتے (یعنی خود فرادیتے کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ کھیلتی رہیں) چنانچہ وہ آکے پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔  
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صحیح روایات کے مطابق نو سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگئی تھیں، اور اس وقت وہ گڑیوں سے کھیلانگتی تھیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور ان کے بعد بھی اپنی اناطی و مہلت سے بیکار کیا  
(باقی اگلے صفحہ)

اور انھیں اس سے دلچسپی تھی۔ صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث میں خود حضرت عائشہ کا اپنے متعلق یہ بیان ہے ”وَرَفَقَتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ شَيْخٍ وَلَعَبْهَا مَعَهَا“ (یعنی جب اُن کی رخصتی ہوئی تو وہ نورال کی بھین اور اُن کے کھیلنے کی گڑیاں اُن کے ساتھ تھیں) صحیحین کی زیر تشریح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اس کھیل بلعد تفریحی شغل سے تہ صرت یہ کہ منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس بارہ میں ان کی اس حد تک دلداری فرماتے تھے کہ جب آپ کے تشریف لانے پر ساتھ کھیلنے والی دوسری بچیاں کھیل چھوڑ کے بھاگتیں تو آپ خود اُن کو کھیل باری رکھنے کے لیے فرمادینے کا ہر پہ کہ بیوی کی دلداری کی یہ انتہائی مثال ہے۔

بیاں بعض ذہنوں میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ  
**حضرت عائشہ کی گڑیاں اور تصویر کا مسئلہ** | جب ذی رُوح کی تصویر بنانا اور اُس کا گھر میں رکھنا جائز نہیں اور اُس پر صحیح حدیثوں میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ کو گڑیوں سے کھیلنے اور گھر میں رکھنے کی اجازت کوں دی؟ بعض شامین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ حضرت عائشہ کے گڑیوں سے کھیلنے کا یہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ کا ہو جبکہ تصویروں کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، بعد میں جب تصویروں کے بنانے اور رکھنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تو گڑیوں کے بنانے اور کھیلنے کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن اس عاجز کے نزدیک زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ گڑیاں تصویر کے حکم میں داخل ہی نہیں تھیں۔ وہ تو چودہ سو برس پہلے کی بات ہے، خود ہمارے اس زمانہ میں جبکہ سینے پر ونے کے فن نے وہ ترقی کر لی ہے جو معلوم ہے، گھروں کی چھوٹی بچیاں اپنے کھیلنے کے لیے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہ عوامی سیدہ برائیں یا پہلے شوہروں کی مطلقہ تھیں، تنہا حضرت صدیقہ وہ ہیں جن کی عمر کم تھی اس کم عمری میں یہ نکاح جن عظیم مقاصد اور مصالح کے لیے کیا گیا تھا انکی وضاحت کچھ متعلق مقالہ کی ضرورت ہو۔ اتفاقاً یہاں بھی مناسب ہو گا کہ اُن کی ایک ایسی مسئلہ کی ضرورت تھی جسکی تکمیل تربیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی جو ادا اللہ تعالیٰ نے اس کو اعلیٰ صلاحیتیں بخشی ہوں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری قوم پر راندی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے اشارہ سے اس مقصد کیلئے حضرت عائشہ کا انتخاب فرمایا تھا اور اسی لیے گویا بچپن ہی سے انکی ہی مفاہات ادا کر دی گئیں۔

جو گزایں بنا رہے ہیں ہم نے دیکھا ہے کہ تصدیقیت کے لحاظ سے وہ بھی اتنی ناقص ہوتی ہیں کہ ان پر کسی طرح بھی تصدیق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی گزریوں کے بارہ میں یہ حال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

### حضور کا حضرت عائشہ سے دور میں مقابلہ :-

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَتَجَسَّعْتُ عَلَى رِجْلِي فَلَمَّا خَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقَتْهُ فَتَبَعَنِي قَالَ هَذِهِ بَيْتُكَ السَّبْعَةُ

رداء البوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں حضور کے ساتھ تھی تو پیدل دور میں ہمارا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی اور آگے نکل گئی، اس کے بعد جب (فرہی سے) میرا جسم بھاری ہو گیا تو (اُس زمانہ میں بھی ایک دفعہ) ہمارا دور میں مقابلہ ہوا تو آپ جیت گئے اور آگے نکل گئے، اُس وقت آپ نے فرمایا یہ تمہاری اُس جیت کا جواب ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

ترجمہ (شرح) : مثال ہے اور اس میں اُن لوگوں کے لیے خاص سبق ہے جن کے نزدیک دین میں اس طرح کی تفریحات کی کوئی جگہ نہیں۔

### حضور نے حضرت عائشہ کو خود کھیل دکھایا :-

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَاللَّهِ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ عَلَى بَابِ مَحْرَبِي وَالْحَبْشَةُ يُلْعَبُونَ بِالْجُرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمُرُّنِي بِرِدَائِهِ لَأَنْظُرَ إِلَى لَعِبِهِمْ بَيْنَ أَذْيَبِهِ وَعَالِقِهِ ثُمَّ يَقُومُ مِنْ أَجْلِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفُ فَاقْدُدْ فَاقْدَرِ الْجَارِيَةَ الْحَدِيثَةَ السَّنِ الْحَرِيصَةَ

عَلَى اللَّهِ  
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں، حدیث کی قسم میں نے  
یہ نظر دیکھا ہے کہ (ایک روز) حبشی لوگ مسجد میں نیرہ ماری کا کھیل کھیل رہے تھے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ان کا کھیل دکھانے کے لیے میرے لیے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے  
حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے (جو مسجد ہی میں کھلتا تھا) میں آپ کے کاندر اور  
کان کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی، آپ میری وجہ سے مسلسل کھڑے رہے۔  
یہاں تک کہ میرا جی بھر گیا اور میں خود ہی لوٹ آئی (حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ  
سے) اندازہ کرو کہ ایک زعم اور رکھیل تماشے سے کچھ پیار رکھنے والی لڑکی کا کیا مقام تھا۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ بھی بیویوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن معاشرت اور ان کی  
دیکھ بھال کی دلدادگی کی انتہائی مثال ہے اور اس میں امت کے لیے بڑا سبق ہے۔  
عید میں لہو و لعب کی بھی گنجائش | انتہ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ  
ہے کہ یہ عید کا دن تھا جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم  
کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے، اور عید میں لہو و لعب کی بھی ایک حد تک گنجائش رکھی  
گئی ہے، کیونکہ عوامی جشن و نشاط کا یہ بھی ایک فطری تقاضا ہے۔ صحیحین اور دوسری کتبِ حدیث  
میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ مروی ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے دو بچیاں آئیں اور دف بجا بجا کر جنگِ بُعات سے  
متعلق کچھ اشعار گانے لگیں، اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آگئے انھوں نے ان بچیوں کو ڈانٹ کر کہہ دیا  
یا لہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کھول کر فرمایا: دَعَمَايَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيُّامُ عِيدٍ۔  
(ابو بکر! ان بچیوں کو چھوڑ دو یعنی جو کہہ رہی ہیں کہ نے دو یہ عید کا دن ہے، مطلب یہی تھا  
کہ عید میں اس طرح کے لہو و لعب کی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے۔) (غرض زیرِ تشریح)

حدیث میں جیشیوں کے جس کھیل کا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اُس کھیل کو دیکھنے کا جو ذکر ہے اُس کے بارہ میں ایک بات تو یہ ملحوظ رہنی چاہیے کہ وہ عید کا دن تھا اور عید میں اس طرح کی تفریحات کی ایک حد تک گنجائش ہے۔

یہ ایک بامقصد اور تربیتی کھیل تھا اسی لیے علاوہ ازیں نیزہ بازی کا یہ کھیل ایک بامقصد کھیل تھا ہونہ جنگ کی فیصلہ دہ تربیت کا بھی ایک ذریعہ تھا، غالباً اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضورؐ نے بھی اس میں دلچسپی لی

علیہ وسلم نے خود بھی اس سے دلچسپی لی، صحیحین کی اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کھلاڑیوں کو ”دُونُكُمْ يَا بَنِي آدْنَ“ کہہ کر ایک طرح کی داد بھی دیتے تھے۔ اور اسی واقعہ سے متعلق صحیحین کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کھلاڑی جیشیوں کو جو مسجد میں اپنا کھیل دکھا رہے تھے مسجد سے بھاگ دینا چاہا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ”دَعْنَهُمْ“ یعنی انھیں کھیلنے دو، اور ان کھلاڑیوں سے فرمایا ”أَمْنَا يَا بَنِي آدْنَ“ یعنی تم بے خوف اور مطمئن ہو کر کھیلو!۔

اس حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ یہ جیشی لوگ حضرت پروردہ کا سوال عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے یقیناً غیر محرم اور اجنبی تھے، پھر انھوں نے ان کا کھیل کیوں دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دکھایا؟۔

بعض شارحین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ واقعہ اُس ابتدائی زمانہ کا ہے جب پروردہ کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن روایات کی روشنی میں یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوئی ہے البتہ میں حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ششہ کا ہے جبکہ حبشہ کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور حجاب کا حکم یقیناً اُس سے پہلے آچکا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ کی زیر تشریح حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ

جس وقت وہ یہ کھیل دیکھ رہی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے اپنی چادر مبارک کا پردہ کر دیا تھا، اگر یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہوتا تو اس کی ضرورت نہ ہوتی۔ دوسری بات اس سوال کے جواب میں یہ کہی گئی ہے کہ چونکہ اس کا قطعاً کوئی خطرہ نہیں تھا کہ ان عشیوں کا کھیل دیکھنے کی وجہ سے حضرت صدیقہ کے دل میں کوئی بُرا خیال اور دوسرے پیدا ہو اس لیے ان کے لیے یہ دیکھنا جائز تھا، اور جب بھی کسی عورت کے لیے ایسی صورت ہو کہ وہ فتنہ اور فساد سے مامون و محفوظ ہو تو اس کے لیے اجنبی کو دیکھنا ناجائز نہیں ہوگا۔ امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب النکاح میں اسی حدیث پر باب النظر الی الحبش و نحوہ من غیر ریبۃ کا ترجمہ الباب قائم کر کے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور بلاشبہ یہی جواب زیادہ قطعی بحث ہے۔ واللہ اعلم۔

## بقیۃ ارشادات حکیم الامتہ

کیا جو ترکستان کو جہاد ہو

(بہت سے) متعمین اور منتظین کی ظاہری حالت سے یہی پتہ چلتا ہو کہ مسلمانوں سے عزت و جہاد مقصود ہو، کیونکہ مدرسہ نہ رہا تو اہتمام اور حکومت جاتی رہے گی۔ جب مدرسے کا اجراء اشاعت دین اور رضائے خدا و رسول کے لیے ہو تو اس سے آگے قدم نہ بڑھانا چاہیے۔ حق غالب رہتا ہو کیونکہ اُس کی شان ہو۔ اَلْحَقُّ یَعْلُو وَ لَا یَعْلُو دُخٰی غالب ہوتا ہو مغلوب نہیں ہوتا۔ دل میں یہ پختہ نیت کہ لو کہ جب تک یہ کام محدود و شرعیہ کے تحت میں رہو گا تو اس کام کو کر کے اور جس دن ایسا نہ رہا اسی دن چھوڑ دیں گے۔۔۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قلمی گرامی نام مکاتیب رشیدیہ کے آخر میں درج ہو جس کو مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا دیوبند رحمۃ اللہ علیہما کے نام۔ جبکہ وہ مخالفین کی وجہ سے کچھ پریشان تھے۔ تحریر فرمایا تھا اُس میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ میرے عزیز و اہل قریب پریشان ہوتے ہو، مدرسہ مقصود نہیں۔ رضامندی حق جل و علا مقصود ہو اور اُس کے بہت طرق ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک مدرسہ بھی ہو اگر مدرسہ نہ ہو کیے جہاد اور اگر نہ ہو کسی اور جگہ بیٹھ کر کام کر لینا۔

# اِرشادِ اَحکِمِ الْاَمَّةِ حَضِرِ مَوْلَانَا تَهَانَوِيؒ

علماء و طلباء، اصحابِ دس و اربابِ اس کے لیے لمحہ فکر یہ

تلخیص — از مولانا نسیم احمد فریدی امرتسری

فرمایا کہ — ایک شخص نے مولانا مہتمم قاسم صاحب زانا کو توئی، رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ (کیا) مولوی تھے؟ فرمایا کہ (وہ تو) مولوی اگر تھے۔ اشارہ اللہ کیا انھیں جواب دے۔

فرمایا کہ — حضرت مولانا گنگوہیؒ جس وقت نابینا ہو گئے تو میں کبھی دیکھے ہی چکے سے جا کر انہیں بیٹھا بلکہ جب گیارہ تو بعد سلام یہ کہہ دیا کہ اشرف علی آیا درویش چلنے لگا تو کہہ دیا کہ اشرف علی رخصت چاہتا ہو۔ ویسے چپکے سے جا کر بیٹھنے میں تجسس کی مشابہت ہو۔ تشبہ با تجسس ہو۔ آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے نہ فرمانا چاہیں اور حضرتؒ فرماتے لگیں —

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب کسی مسئلے کی تقریر کو ختم فرماتے اور کوئی دوبارہ دریافت کرتا تو فرماتے کہ اس سے (یعنی مجھ سے) دریافت کر لو یہ سمجھ گئے ہیں۔ (بعض لوگوں کو اس سے ناگواری ہوتی کہ سب باتیں یہ ہی سمجھ جاتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھتا۔ اس وجہ سے دوبارہ کوئی پوچھتا ہی نہ تھا۔ میں نے بہت چاہا کہ ایسا نہ فرمایا کریں۔ لوگوں کو اس سے بھی حرج نہ ہوتا، مگر چونکہ یہ کہنا بھی خلافِ ادب تھا۔ اچھے عرض نہ کر سکا۔

فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اشرفی الشیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مدرسے



تھے تہم نے عرض کیا کہ حضرت! ضرورت ہوتی ہو مایں میں چندے کی اور چندہ مانگنے میں ذلت ہو تو کیا صورت کی جائے؟ فرمایا کہ غریبوں سے مانگو کچھ ذلت نہیں (ہوگی) اور مالدار اول تو بے چارے تنگ ہوتے ہیں۔ پانچ سو کی آمدنی ہو اور چھ سو کا خرچ ہو۔ یہ تو رحم کے قابل ہیں۔

فرمایا کہ دیوبند کے بڑے جلسے کے زمانے میں ایک شخص نے مدرسے میں ایک گھوڑا دیا تھا۔ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے اس کو ایک مقام پر بھیج دیا تھا کہ اس کو فروخت کر دیں۔ اُس مقام سے ایک شخص اُس گھوڑے کے متعلق ایک (دستی) خط لایا تھا۔ اُس زمانے میں جلسے کا اہتمام ہو رہا تھا۔ ہتھم صاحب نے خط کا جواب دے کر اُس کو رخصت کر دیا۔ مولانا دیوبندیؒ نے ہتھم صاحب سے پوچھا کہ اس خط کے لانے والے کو کھانا بھی کھلادیا تھا؟ ہتھم صاحب نے فرمایا کہ حضرت! کھانا تو ہجوم اشغال میں نہیں کھلایا، پیسے دے دیے ہیں کہ کچھ لے کر کھائے گا۔ فرمایا یہ کافی نہیں غریب آدمی پیسے خرچ نہیں کرتا۔ گھر کو باز نہ کرے جاتا ہو۔ اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ شخص کس راستہ سے گیا ہو؟ پتہ لگا کر فلاں شرک کو گیا ہو مولانا ادھر ہی تشریف لے گئے اور اُس کو واپس کر کے کھانا کھلا کر پھر انست کیا۔ فرمایا کہ مولانا دیوبندیؒ اچھے خوش حال گھرانے کے تھے۔ جوانی میں نہایت پر تکلف کپڑا پہنتے تھے مگر میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ حال ہو گیا کہ بالکل معمولی لباس پہننے لگے۔ میں جب دیوبند جایا کرتا تھا تو مجھے یاد نہیں کہ مولانا سے ملنے کی ابتداء میں نے کبھی کی ہو

جب ارادہ کرتا کہ زرا سانس لے کر حاضر ہوں گا۔ میں بھٹ مولانا تشریف لے آئے۔ فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ (ناتوی) رحمۃ اللہ علیہ کی مہربانی کے بیج کے برابر بھوٹی تھی لوگوں نے کہا کہ ذرا بڑی مہربنا لیجئے۔ مولانا نے فرمایا کیا ہوگا۔ یہ بھوٹی سی ہی ایسی ہو کہ اول اس کو تلاش کرتے ہیں جہاں یہ نہ ہو بڑی بڑی نہریں..... بیکار بھی جاتی ہیں۔

فرمایا کہ۔ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اس پر فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ ہمارے سلسلے میں زیادہ تر طلباء (علماء) اور غرباء ہی کا مجمع ہے۔

فرمایا کہ حاجی محمد عابد (دیوبندیؒ) ہمارے بزرگوں کے رفقاء میں سے ہیں۔ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحبؒ اُن کی ایک حکایت بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ طالب علمی کے زمانے میں میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کیونکہ اُس وقت وہ مہم مدد سے کے تھے۔ اُسی

وقت ایک ڈپٹی بھی حضرت حاجی محمد عابد کے پاس آئے تھے اس وقت حاجی صاحب اپنی جگہ سے اٹھ چکے تھے اس لیے اُن سے کھڑے ہی کھڑے کچھ معمولی گفتگو کر کے اُن کو رخصت کر دیا پھر میں گیا تو لوٹ کر اپنی جگہ بیٹھنے لگے میں نے عرض کیا اس کی حاجت نہیں میں دے دے ہی (کھڑے کھڑے) گفتگو کروں گا۔ فرمایا تم نے اپنے آپ کو ڈپٹی ٹکسر صاحب پر قیاس کر لیا ہو گا؟ کہاں وہ دنیا دار اور کہاں تم نائب رسول۔

فرمایا کہ۔ ہمارے مولانا محمد یعقوبؒ ماہنامہ امتحان نہ لیتے تھے۔ جب ہینڈنٹم ہوتا تو پرچہ امتحان کا دنگا کر بلا امتحان ہی سب کے نمبر لکھ دیتے تھے۔ ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت بلا امتحان ہی نمبر لکھ دیتے ہیں۔ فرمایا مجھے سب کی لیاقت معلوم ہے۔ اگر کہو تو لاؤ سب کا امتحان بھی لے لوں۔ مگر یاد رکھو کہ اس سے کم ہی نمبر آئیں گے۔

فرمایا کہ۔ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے سبق پڑھانے کے اندر آئندہ کثرت سے جہادی ہو جاتا تھے۔ ایک دفعہ ہم نے حاکم مولانا سے شنوی شروع کریں تو ہتیم صاحب نے فرمایا کہ انھیں مدینہ میں بیٹھنے دو گے یا نہیں؟ اگر شنوی پڑھانے لگے تو جنگلوں کو نکل جائیں گے۔ اگ بھر کا اٹھے گی۔ فرمایا کہ۔ مولانا محمد یعقوبؒ کے صاحبزادے مولوی علاء الدین صاحب نے میرے ساتھ پڑھا ہے اور میرے ساتھ اُن کی دستار بندی ہوئی ہے اگر زندہ ہوتے تو مولانا کے جانشین ہوتے امتحان میں اُن کے نمبر لکھتے کم تھے۔ لوگ یہ چاہتے تھے کہ چونکہ یہ مولانا کے صاحبزادے ہیں اس لیے دستار بندی میں مجھ سے اُن کی دینی مولوی علاء الدین کی تقدیم ہو جائے۔ اس پر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے جس کا استحقاق ہو اسی کی تقدیم ہوگی۔

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے صاحبزادے مولوی علاء الدین کا انتقال خاص بقرعہ کے روز ہوا ہے۔ نماز سے پہلے اُن کی بہت غیر حالت تھی جب نماز کا وقت آیا تو مولانا یہ کہہ کر کہ اُمیر کے پڑنے اور خاتمہ پھر کرے! نماز میں پہنچ گئے۔ نماز میں دیر نہ کی حالانکہ مولانا کی وجاہت ایسی تھی کہ اگر کتنی ہی دیر فرماتے تب بھی لوگوں کو گراں نہ ہوتا بلکہ ایسا نہیں کیا وقت پر پہنچے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ فقہ کی بات یہ ہو کہ خطبے کو خفیہ کرے اور نماز کو طویل یعنی بے غایت خطبے کے طویل کرے۔

فرمایا کہ۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے اطلاع کی کہ حضرت یہاں (خانقاہ امدادیہ میں) مدد سے کسی صورت ہو گئی ہو و عافرا دیکھے گا۔ مولانا نے فرمایا اچھا ہو بھائی مگر خوشی تو اُس وقت ہو گی جب یہاں اشر علیہ کے واسطے کچھ جمع ہو جائیں گے۔

فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شنوی کا درس ہو رہا تھا اور جلسہ عجیب ہوش و خموش سے پُر تھا۔ اُس روز حضرت نے پکار کر یوں دُعا فرمائی۔ اے اشر ہم لوگوں کو کبھی ذرہ محبت عطا فرما۔۔۔۔۔ پھر دوسرے جلسے میں فرمایا کہ بھائی ذرے سے زیادہ کا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب شنوی پڑھاتے تو خوب زور و شور سے تقریر فرماتے اور جب درس ختم ہو جاتا تو سر کچر کر بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ اے بھائی شربت بنا لو سر زیادہ پس یہ حالت تھی (جو اس شعر میں بیان کی گئی ہے)۔

ہر چند بیرختہ دین نا تو اں شدم ہر گہ نظر بسوئے تو کہ دم جو اں شدم  
یعنی میں اگرچہ بڑھا اور بہت نا تو اں ہو گیا ہوں لیکن جب تیری جانب نظر ڈالتا ہوں تو جو اں ہو جاتا ہوں۔ بڑھاپے میں قوت روحانی بڑھ جاتی ہے جو کیفیت کہ بڑھاپے میں باقی رہتی ہو وہ روحانی ہو اور جو بڑھاپے میں زائل ہو جائے تو سمجھو کہ نقصانی تھی۔۔۔۔۔

فرمایا کہ جس وقت دیوبند کے مدد سے میں شورش ہوئی ہو تو اُس زمانے میں مولوی ہضر حسین صاحب (محدث دیوبند) نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک بزرگ موٹر میں سوار آ رہے ہیں اور انھوں نے میرے پاس آکر موٹر ٹھہرایا۔ اور وہ بزرگ مشابہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب اپنہدی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اُن سے (یعنی مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی جہتہم دارالعلوم دیوبند سے) کہہ دینا گھبرائیں نہیں سب خیریت رہو گی۔

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب دحمۃ اللہ علیہ کے قطب الدین ایک صاحبزادے تھے اُن کی شادی لکھنؤ ہوئی تھی اور ولیمہ اذیتہ میں ہوا تھا۔ مولانا نے اُس دلیچے میں پلاؤ ذرہ بہت اچھا بکھوایا تھا۔ کھانے میں ذرا دیر ہو گئی تھی جمعہ کا دن تھا۔ گاؤں والے بھی۔۔۔۔۔ آئے تھے تو مولانا نے فرمایا کہ پہلے ان گاؤں کے آدمیوں کو کھلا دو کیونکہ ان کو دردہ جانا ہو گھر کے آدمی پھر کھالیں گے جب

اُن کو کھانے بٹھایا تو چاروں طرف زردی کی مانگ ہونے لگی۔ مولانا پریشان ہوئے کیونکہ زردی بہ نسبت پلاؤ کے تھوڑا بچتا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس کی خبر ہوئی تو مولانا فوراً (مجلس طعام میں) تشریف لائے اور مجمع میں آکر فرمانے لگے کہ یہ پلاؤ بھی کھانے ہلکے واسطے پکا ہو اور زردی انداز سے پکا ہو۔ اور کھلانے والوں کو حکم دیا کہ اب پلاؤ دو اور زردی نہ دو۔ بس سب دم بخود ہو گئے پھر کسی نے (زردی) نہ مانگا اور کام صُن دینا کے ساتھ انجام کو پہنچ گیا۔ اس پر فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ کے اندر شانِ انتظام بڑی تھی.....

فرمایا کہ ایک مرتبہ دیوبند کے ایک پہلوان نے باہر کے کسی پہلوان کو پچھاڑ دیا تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی خوشی ہوئی اور فرمایا ہم بھی اس پہلوان اور اُس کے کرب کو دیکھیں گے جہاں فوراً الحق کی بیٹھک میں اُسے بلایا اور اُس کے کرب دیکھے۔

فرمایا کہ۔ ہمارے حضرات، خلوتِ عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے.... مولانا محمود حسن صاحب دیوبندؒ اور مولانا خلیلی احمد صاحب سہارنپورؒ نے بھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی البتہ مولانا (شاہ عبدالرحیم) راہپوری رحمۃ اللہ علیہ پر یہ نسبت دوسرے حضرات کے قدرے اس کا غلبہ تھا باقی بقدرِ ضرورت خلوت سب حضرات کا معمول تھا۔ چنانچہ مولانا گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھوڑی دیر حجرہ بند کر کے اُس میں بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے مولانا گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ سب الگ ہو کر ایک گوشے میں بیٹھ جاؤں۔ مولانا نے تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا نہیں اس سے شہرت ہوتی ہے۔

فرمایا کہ۔ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے عرض کیا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ قیامت کے دن جب جنت نہ بھرنے کی شکایت کرے گی تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا اور اُسے بلاغی جنت میں داخل کرے گا تو یہ لوگ تو بڑے مزے میں ہوں گے فرمایا انھیں کیا حالِ حرزہ ہو گا وہ راحت کا کیا لطف اٹھائیں گے جو راحت بعدِ کلفت کے ہو اُس میں لذت ہوتی ہے۔ جنت میں آرام اور چین ہم کو ہو گا جو مختلف شدائد و آلام اور مصائب و ذواکب بھیلے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ جب (مفتی) مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندؒ یہاں آنے لگے تو ایک صاحب نے اُن سے کہا کہ درسیات کو چھوڑ کہ کہاں وقت ضائع کرنے جاتے ہو؟ میں نے یہ سُن کر اُن سے

پوچھا کہ بھائی سچ کہنا یہاں اگر تمہارے علوم درسیہ میں کچھ اضافہ ہوا یا نہیں؟ انھوں نے کہا بہت کچھ ہوا میں نے کہا کہ میں معترض کا یہی جواب ہو۔

ایک صاحب اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئے اور (مددِ خانقاہ کے) ایک (سن رسیدہ) معلم صاحب کے زیادہ مارنے پٹینے کی شکایت کی۔ اُس پر اُن (معلم صاحب) کو بلایا گیا اور شرعی شہادت کے بعد حضرت نے اُن سے فرمایا کہ جب تم کو مارنے سے منع کر دیا ہو پھر تم نے خلاف کیوں کیا؟ اس کا انھوں نے کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ حضرت نے اُن کو اپنے پاس سے اٹھا دیا اور فرمایا تمہارا فیصلہ متمم صاحب کے آنے پر ہوگا۔ متمم صاحب باہر گئے ہوئے تھے، طلباء اسے مارنے کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ جس لڑکے نے یہ کہہ دیا تھا کہ ”پھٹی کا دقت ہو گیا“ اتنی سی بات پر اُس کو بھجوا دیا.... فرمایا کہ یہ تو جنوں ہو کہ خدا سی بات پر اس قدر سزا.... وہ معلم ابھی مجلس ہی میں تھے کہ حضرت نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا تم کو یہاں پہننے کی تو اجازت ہو لیکن جب تک یہاں ہو میرے سامنے نہ پڑو اور طلباء سے فرمایا کہ تم ان کے پاس نہ پڑو۔ — مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس دقت متمم فیصلہ نہ کرنے کا راز یہ ہو کہ حدیثوں میں غصّہ کے وقت فیصلہ کرنے کی ممانعت آئی ہو اس لیے ایسے امور میں غصّہ کے وقت کبھی فیصلہ نہیں کرنا۔ بعد غصّہ دور ہو جانے کے جب تک تین تین چار چار مرتبہ غور نہیں کر لیتا.... اُس وقت تک سزا نہیں دیتا۔ پھر ان معلم کو اپنے پاس سے اٹھا کر ایک دوسرے معلم کو جو کہ نو عمر تھے بلایا جب وہ آگئے تو اُن سے فرمایا کہ معلوم ہوا کہ تم بھی بچوں کو مارتے ہو اس کا صحیح اور معقول جواب دو تا دیلات کہ ہرگز نہ مانوں گا یہ بتلاؤ کہ جب میں نے منع کر دیا ہو تو پھر کیوں مارتے پٹتے ہو۔ یہ شرارت، نفس کی ہوا یا نہیں؟ انھوں نے اقرار کیا ہاں بے شک شرارت، نفس کی ہو.... پھر فرمایا کہ قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ خدا کی قسم اب کسی بچے کو نہ ماروں گا اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو کام پھوڑ دو ہم اپنا انتظام خود کر لیں گے میں نے تمہارے واقعات گھر پر بچوں کو بلا کر زد و کوب کرنے اور ایسی مار پیٹ کرنے کے جس سے وہ بچے بے ہوش ہو گئے، سُنئے ہیں تم کو اس قدر مارنے کا کیا حق ہو؟.... تمہارے ذمے پڑھانا ہو، علم آجنانا تھوڑا ہی ہو، فقہار نے اس کو خوب سبھا ہو۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عقیدہ اجارہ میں یہ کہے کہ اتنا صاحب کتاب مجھے آجائے تو یہ دون کا تو یہ اجارہ، باطل ہو اور اگر یہ کہہ کہ سکھاؤ پڑھاؤ خواہ آئے خواہ نہ آئے تو یہ جائز ہو کیونکہ اُستاد کے اختیار میں سکھانا پڑھانا ہو، آجنانا نہیں

ہی۔۔۔۔۔ تم ایسے لڑکوں کی حالت لکھ کر متھم صاحب کو دیدو، وہ اگر مصلحت سمجھیں گے، اُن کے ماں باپ کو اطلاع کر کے خارج کر دیں گے، تم ماں باپ کا کام اپنے ذمے کیوں لیتے ہو اُن کو اگر پڑھانا ہوگا تو اپنے لڑکوں کا مزاج آپ درست کر دیں گے۔ دیکھو انگریزی مدارس میں ماں نے کا قاعدہ بالکل نہیں ہو۔ دنیا دار تو حقیقت کو سمجھیں اور دیندار طبقہ نہ سمجھے۔ ادراہ جو جریرہ تعلیم کا قاعدہ کل آیا ہو۔ دینی مکتب سے بُعد ہو رہا ہو۔ اس سختی سے تو بچے اور اُچھاٹ ہوں گے اور دینی تعلیم کو چھوڑ دیں گے ایسے وقت تو نہایت شفقت سے کام لینا چاہیے۔۔۔۔۔

فرمایا کہ۔۔۔۔۔ آج کل چندوں کا فساد اس قدر ہو گیا ہے کہ لوگ ان چندوں کی مصلحت سے راہِ حق کو چھوڑ کر راہِ باطل اختیار کرنے لگے۔ ایک قادی صاحب نے جو کہ ایک دینی مدرسہ میں مدرس ہیں جب ضادِ صحیح پڑھنا شروع کیا تو عوام تو بدظن ہو ہی گئے تھے تعجب یہ ہے کہ علماء مدرسہ نے بھی اُن کو محض عوام کی خاطر سے کہ اُن کی دُشمنیت سے چندہ کم نہ ہو جائے۔ ردِ کا کہ کیا پڑھتے ہو چار بزرگوں نے کبھی اس طرح نہیں پڑھا۔ یہ کیا دہیات بات ہے بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں کیا ہمارے بزرگ غلط پڑھتے تھے؟۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب تو کبھی امامت ہی نہ کرتے تھے اُن کا توپس نے سُنا نہیں۔ ہاں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا پڑھنا سُنا ہے۔ بہت صحیح پڑھتے تھے اور قادی بھی تھے اور حضرت مولانا گنگوہی کی قرأت کو میں نے بھی سُنا ہے اور مزید تقویت کے لیے ایک ماہر قادی سے پوچھا کبھی کہ تم نے حضرت کا پڑھنا سُنا ہے؟ کہا ہاں میں نے دو مرتبہ حضرت کے ساتھ دود کیا ہے۔ حضرت نہایت صحیح پڑھتے تھے اور حروف، مخارج سے نکالتے تھے۔ غرضیکہ اس دینی مدرسہ کے اُن قادی صاحب نے مجھے لکھا کہ لوگ میرے پیچھے ناز نہیں پڑھتے (اور علماء مدرسہ بھی میرا ساتھ نہیں دیتے پھر میں کیا کروں؟) میں نے لکھا کہ اگر اہل مدرسہ کو مذاق سمجھتے ہو تو غلط پڑھو اور اگر خدا کو مذاق سمجھتے ہو تو صحیح پڑھو۔ بس چند دن میں سب ٹھیک ہو گئے۔۔۔۔۔ اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فلاں۔ (صحیح) کام سے مدرسہ کے چندے میں کمی ہو جائے گی۔ عوام بدظن ہو جائیں گے۔ فلاں رئیس صاحب چندہ بند کر دیں گے چاہے خدا اور رسول کے احکام کی کتنی ہی نافرمانی ہو جائے مگر عوام کے خلاف نہ ہو۔

ترجمہ نہ دے گی کہ کعبہ اے اعرابی۔۔۔۔۔ کیں رہہ کہ تو میری بدترکستان است

(یعنی میں دُریا ہوں کہ اے دیہاتی تو کعبہ کو نہیں پہنچ سکے گا اس لیے کہ جو راستہ تو نے اختیار کیا ہے وہ غلط ہے)

## مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ایک نئی شاہکار تصنیف

### ارکان اربعہ

”کتاب کا موضوع اسلام کے چاروں مشہور و معروف ارکان صلوٰۃ و صوم و زکوٰۃ و حج ہیں ماحکماً ہمیں ان کے احکام کے ساتھ ساتھ ان کے عقلی مضامین کی اہمیت اور دوسری امتوں کے عبادی طور پر قبول سے موازنہ و مقابلہ کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح کتاب ایک ہی وقت میں فقہ اور کلام اور اصول دین سب کی پوری پوری روشنی ڈالتی ہے۔ مصنف کی تمام کتابوں میں یہ کتاب شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور اس لائق تحسین کتاب پر ہمارے مسلمانان اسلام کا مطالعہ سے محروم نہ رہے۔“

(مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی — معارف)

”مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے .... اس علم (اسرار و حکم) کا احیاء ہی نہیں کیا بلکہ اسے اور گئے بڑھایا ہے۔ اس کتاب میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج، چاروں عبادات کے اسرار و حکم اس وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ ان کا کوئی ایک فرض، لیکن شرط وغیرہ ایسا نہیں جو جن کی حکمت مولانا نے نہ بیان کی ہو۔“ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی — برہان، قابل مصنف نے اپنی اس بے حد قابل قبول کتاب میں ارکان اربعہ کی شرعی حقیقت کو یوں بیان کیا کہ اہمیت اور ان کے مقاصد و اسرار سے سمجھ کی بجائے اور علماء و ائمہ نے جو کچھ اس موضوع پر لکھا ہے اس کو اپنے سامنے رکھا ہے۔ بلکہ ان کے اکثر جہازیں اس کتاب میں نقل بھی کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ خود مولانا کے احکامات اور فہم و بصیرت نے ان علماء کا قلوب میں چار چاند لگا دیے ہیں۔“

(مولانا سید احمد عروج قادری — ندوی)

کتابت اعلیٰ، طباعت روشن، جلد مع گرد پوش ۸/-

### ایک اور نئی کتاب

## مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام

(ادشس تبریز خاں رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام)

- مسلم ممالک میں پرسنل لا کا ارتقاء، پرسنل لا کی شرعی حیثیت، تبدیلی کے حدود
- نکاح و طلاق، دخل، وراثت اور اوقاف کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کی تشریح
- اسلام اور دوسرے مذاہب و تہذیبیں مثلاً یونان، رومن، ایپالہ، عرب، جلالیت، ہندو مت، جہودیت، مسیحیت
- عیسائیت میں عورتوں سے متعلق قوانین کا تنقیدی جائزہ
- اسلام میں عورت کی حیثیت پر تاریخ کی روشنی میں ایک مفصل تبصیر ..... اور خلیفہ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مدظلہ کے بصیرت افزا مقدمہ کے ساتھ

کتابت و طباعت عمدہ - مع ڈسٹ کور - 5/-

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اِسْلَام کی چار اَسَاسی عِبَادَتوں میں

حَجَّ کا مَقَام

اَزْ حَضَرَتْ مَوْلَانَا مُحَمَّد طَیِّبٌ صَا. مُهْتَمِّمٌ دَارُ الْعِلْمِ دُوْبَنْدِ ظَلَمَہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

(یہ مضمون ایام حج سے چند ہی روز پہلے لکھا گیا ہے، اس کا بہت مختصر خلاصہ حج کے دن ریڈیو سے

نشر بھی ہو چکا ہے پہلی تہ گزشتہ ماہ ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے۔ یہ دوسری اور آخری قسط ہے۔)

عقل پر چونکہ نظام عالم کا دار و مدار رکھا گیا ہے اور عقل ہی دین کے لحاظ سے مدار تکلیف بھی ہے اور ساتھ ہی وہ جبلت بھی ہے جو انسان میں پیدا نشی طور پر تخلیق کی گئی ہے۔ اس لیے ولادت سے لیکر موت تک انسان میں عقل ہمہ وقتی طور پر قائم رہتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُس پر طفولیت اور شباب کے اوقات آتے ہیں اور وہ ناتواں اور توانا ہوتی ہے لیکن انسان میں جاگزیں ہمہ وقتی رہتی ہے اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا کہ انسان عقل و شعور سے خالی محض ہو بغرض عقل و شعور انسانیت کے ساتھ ہمہ وقتی درجہ بدرجہ لازم ملزوم رکھے گئے ہیں تاکہ نظام زندگی عقل نہ ہونے پائے اور ظاہر ہے کہ نماز کی بنیاد عقل و ادب اور عقل و شعور کی تسکین پر تھی جو انسان میں ایک خلقی غریزہ اور ستمہر جبلت ہے کہ کسی وقت بھی خود سے زائل نہیں ہوتی اس لیے نماز بھی عمر بھر کے لیے دوامی بلکہ ہمہ وقتی رکھی گئی ہے کہ ولادت سے لے کر موت تک زندگی کے کسی طور پر بھی انسان سے الگ نہ ہو، ولادت کے بعد تو متصلًا اذان و تکبیر سے سجدے کے کانوں کو آشنا بنا کر گویا



نماز کے لیے آتے تیار کیا جاتا ہے اور پھر قدرے پوش آتے ہیں ساتویں برس کی عمر سے نماز کی تاکید کی جاتی ہے اور دسویں برس کی عمر سے اس بارہ میں اس پر سختی بھی کی جاتی ہے تاکہ نماز کی عادت پڑ جائے اور پھر سن پلوں کو پہنچتے ہی نماز اس پر فرض کر دی جاتی ہے اور نہ صرف سالانہ یا ماہانہ یا ہفتہ وار بلکہ روزانہ اور وہ بھی دن اور رات کے دونوں ہی حصوں میں یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے پانچ وقت روزانہ فریضہ بنا کر اور پھر ان پانچ فرائض کے ساتھ قبل و بعد کی کتیں سنت بنا کر پھر روزانہ دن اور رات کے نوافل الگ ہیں کہیں تہجد، کہیں اشراق، کہیں چاشت، کہیں فیض الزوال، کہیں صلوٰۃ الاولادین، اور کہیں صلوٰۃ التواہین پھر غیر موقت نمازیں الگ ہیں کہیں سجدہ شکر جو بذیل نوافل ہی ادا ہوتے ہیں اور کہیں صلوٰۃ فرغ کہ کسی بھی خطبہ اور مصیبت کے وقت نماز کی طرف رجوع کیا جائے جو حضور اقدس کی عادت کریمہ تھی کہیں صلوٰۃ توبہ جو معاصی مٹانے کے لیے رکھی گئی ہے اور کہیں صلوٰۃ حاجت جو مرادیں مانگنے کے لیے ہے کہیں صلوٰۃ استسقاء اور کہیں صلوٰۃ خسوف و کسوف، اور پھر اوپر سے کثرت نوافل کی ترغیب الگ ہے جو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں۔ دن کی نوافل چار چار رکعت کے ساتھ اور رات کی دو دو رکعت کے ساتھ اور آخر کار موت کے بعد بھی نماز ہی پر انسانی زندگی کے معاملات ختم کیے گئے ہیں جس کا نام صلوٰۃ جنازہ ہے غرض جیسے ولادت سے لیکر موت تک عقل کا احاطہ وسیع ہے کہ وہ کسی وقت بھی انسانی جبلت سے باہر نہیں ہوتی ایسے ہی اس عقل پر مبنی شدہ عبادت (یعنی نماز) کا دائرہ بھی ہمد سے لے کر آخر تک وسیع رکھا گیا ہے کہ زندگی میں کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتی، بخلاف محبت کے کہ وہ اگرچہ جلتی ہے اول تو خود منش اشعور نہیں مثل مشہور ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے پھر اس کا ظہور کسی بیرونی علاقہ پر موقوف ہے اگر کوئی محبوب ہی نہ ہو یا اس کا علم و شعور نہ ہو تو محبت کا ظہور بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ ہمیشہ اور ہمہ وقت یکساں نہیں رہتی بلکہ اس میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے کہیں اس میں خوش اور دلورم ہوتا ہے اور کہیں سکون، کسی وقت یہ خوش مستی دے خودی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور کہیں صفت انس و ہوا نیست ہی کے درجہ میں رہ جاتا ہے کسی وقت عاشق جان سپاری کے جذبہ بلکہ بار بار مرنے کی آرزو سے لذت پانے لگتا ہے اور کہیں اس پر سرد مہری پھا جاتی ہے اور گم سا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات خود محبت ہی سے مبتدل بہ عداوت ہو جاتی ہے اور محسوس نہیں ہوتا کہ یہ دہری

محبت والا انسان ہو جواب سے پہلے تھا۔ بالخصوص مستی و دیوانگی اور محبت و بے خودی کی ایسی گھڑیاں تو خال خال ہی آتی ہیں۔ ظاہر ہو کہ حج کی بنیاد و مطلق محبت یا افس پر نہیں بلکہ عشق کے انتہائی درجہ پر ہو اور شوق کی بھی انتہائی منزل سے متعلق ہو کہ اُس کے بعد شوق محبوب کا کوئی درجہ باقی نہ رہے جسے جان سپاری کی آرزو کہتے ہیں ورنہ آدمی پوری زندگی کی ساری راحتوں اور ساری لذتوں کو خیر باد کہہ کر گھر و عزیز و اقرباء اور تمام تعلقات سے بیگانہ بن کر کوچہ محبوب میں جان تک فدا کر دینے کے لیے کیسے تیار ہو سکتا ہو اور ظاہر ہو کہ ایسا انتہائی شوق جان نثاری کہ اُس کے بعد شوق کا کوئی درجہ باقی نہ رہے۔ عمر بھر میں ایک ہی بار آ سکتا ہو ورنہ اگر کوئی درجہ شوق بھر بھی ایسا باقی رہ جائے جس کا عاشق کو انتظار ہو تو اُسے انتہائی شوق نہیں کہہ سکتے وہ تو ابتدائی یا درمیانی درجہ ہوگا اب خواہ شوق کا یہ درجہ ابتدا ہی میں آجائے یا درمیان اور آخر میں آئے ہو گا ایک ہی اس کی کسی ہی مثال ہو جیسے کون سی اُمور میں یومن کی موت کا مقام ہو کہ شوق تھا و اب اور وصال محبوب کی تربت میں یومن اپنی جان ہی ملک الموت کے حوالہ کر دیتا ہو اور اُس کی روح اس تربت میں اسی طرح جگمگ سے بہہ کر نکل جاتی ہو جیسے پانی بھری مشک کا منہ کھول کر اسے اُٹا دیا جائے اور پانی کا ایک ایک قطرہ غرغرا کر نکل جائے اور ظاہر ہو کہ یہ انتہائی مقام انتہا ہو عمر میں ایک ہی مرتبہ آتا ہو یعنی موت تک ہی بار آتی ہو بار بار نہیں آتی کیونکہ عشق کا یہ انتہائی مقام بھی ایک ہی بار کا ہو بار بار کا نہیں ورنہ اسے انتہائی نہ کہا جائے۔

ٹھیک اسی طرح تشریحی امور میں شوق و محبت کا یہ انتہائی مقام کہ سختی محبوب فدا کے نفس کے لیے آدمی مضطر ہو جائے، ایک ہی ہو سکتا ہو اور ایک ہی بار آ سکتا ہو ورنہ اسے انتہائی اور آخری کیوں کہا جائے؟ اور حکم حج کا قلع و علق و محبت کے اسی مقام سے ہو تو حج لازم بھی عمر میں ایک ہی بار آ سکتا تھا بار بار نہیں۔ اس لیے حج عمر میں ایک ہی بار فرض کیا گیا نہ کہ ماہانہ یا سالانہ، البتہ چونکہ یہ محبت جس سے حج کا قلع و علق ہو عقلی ہو طبعی نہیں جس میں ارادہ اختیار کو دخل نہ ہو اس لیے کہ یہ انتہائی مقام محبت ایک ہی ہو اور ایک ہی بار آئے لیکن ارادہ اختیار سے اس کی نقل ضرور آتا ہی جاسکتی ہو جو بالکل اُس کے مشابہ تھا اس لیے حج فرض کے بعد حج نقل کی اجازت بھی دی گئی ہو کہ وہ نقل حج ہو۔ اصل حج نہیں اسی لیے اس پر ثواب اور درجات کے وہ نتائج مرتب نہیں ہوتے جو حج فرض پر ہوتے ہیں کیونکہ جیسے حج فرض کے بعد یہ بار بار کا شوق پہلے انتہائی شوق کی نقل

اور اس کا مثل ہو عین نہیں کہ وہ تو ایک ہی ہو اور ایک ہی باد کا ہو ایسے ہی باد بار کا جج فرض کی نقل ہو بعینہ وہ نہیں کہ وہ تو ایک ہی ہو اور ایک ہی باد آسکتا تھا بار بار نہیں کیونکہ اس کا منشا بھی انتہائی شوق و جذبہ جان فدا کی بھنے کی وجہ سے ایک ہی ہو اور ایک ہی دفعہ آسکتا ہو ورنہ وہ انتہائی باقی نہ ہو جبکہ شے کی انتہا ایک ہی ہوتی ہو متعدد نہیں ہوتی۔

ہر حال نماز کا منشا عقل و خرد ہو اور عقل انسان میں ہمہ وقتی ہو۔ یہ نہیں ہوتا کہ آج آدمی عقل مند ہو اور کل کو بے وقوف ہو جائے تو نماز بھی ہمہ وقتی ہو اور اس کی تسمیں پوری عمر کو گھیرے ہوئے ہیں اور جج کا منشا اور انتہا عشق و فدایت ہو اور عشق میں اتنا چرھاؤ کہ

گئے برطاوم اعلىٰ نشینم گئے برنشت پائے خود نہ بنیم  
اور اس کا آخری منشا فدا ہے نفس تھا اور اس کی ساعتیں انتہائی ہونے کی وجہ سے عمر میں ایک ہی بار آتی ہیں اس لیے جج بھی عمر بھر میں ایک ہی بار فرض ہو بار بار نہیں!

ہر حال نماز اور جج کے اس تجزیہ و تقابل سے کہ ایک عقلی عبادت ہو اور ایک عشقی، ایک بار بار فرض کی گئی ہو اور ایک صرف ایک بار، ایک کا سرچشمہ عقل و ادب ہو جس سے شائستہ افعال کا ظہور ہوتا ہو اور ایک کا عشق و فدایت ہو جس سے ترک نفس اور ترک مآلوفات نفس کا ظہور ہوتا ہو، یہ صاف روشن ہو جاتا ہو کہ جج ترک کا مجموعہ ہو جس میں اول سے لے کر آخر تک ترک ہی ترک کی گرم باز آری رہتی ہو۔ ترک وطن، ترک شہریت، ترک قبائل، ترک لذات، ترک شہوات، ترک زینت و نفس پروری، ترک خودی و خود داری، ترک لباس اور بیکہ آرائی، ترک اثاث و شوکت آرائی، ترک خود بینی و خود نمائی وغیرہ کہ یہ سب مجموعہ ترک ہیں اور قسم افعال نہیں اور اگر جج میں کوئی فعل بھی ہو تو وہ ان ہی ترک کے ضمن میں ان ہی کی تکمیل کے لیے دکھائی دے جو تابع ترک ہو۔ خود اصل نہیں، کیونکہ جج جبکہ عشقی عبادت ہو اور عشق میں عاشق کا اصل مقام ترک ہی ہو کہ اُسے محبوب کے مقابلہ میں اپنے نفس کی پرولہ نہیں رہتی چہ جائیکہ نفس کے مرغوبات کی آمد و ہور نہ وہ عاشق نہ ہو حتیٰ کہ اُسے سب سے زیادہ مرغوب وصال محبوب ہوتا ہو جس کے لیے وہ طبعاً ان ترک کی راہ چلتا ہو لیکن اگر محبوب کی خواہش ترک وصال کی ہو تو وہ خیال وصال کو بھی ترک کر دینے کو سوجان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہو بقول فارسی شاعر کے

میل سے سوئے وصال میں اوسوئے فراق  
ترک کار خود گر فتم تا پر آید کار دوست

اور قبولِ عوبی ستار کے

أَرِيدُ دَصَالَهُ وَ يُؤَيِّدُهُ هَجْرِي

فَأَشْرُكُ مَا أَرِيدُ لِعَايِرَتِي

ہر حال عاشق کی پہلی اور آخری مراد مرضی محبوب میں مستغرق ہو کر اپنا اور اپنی مرغوبات کا ترک اور انھیں فنا کر دینا ہو نہ کہ فعل اور ان کا باقی رکھنا یہ خلافِ نماز کے کہ وہ ترک کے بجائے افعال کا مجموعہ ہو تو قدرِ متانت کا چال ڈھال میں احتیاء کرنا یمن اور لباس میں صفائی ستھرائی کی پوری سعی کرنا، آغازِ نماز میں ہاتھ کاٹوں تک لیجا کر دنیا و مافیہا سے دست برداری دینا، قیام کے فعل میں دست بستگی کا فعل انجام دینا، ہاتھ باندھ کر اپنی وفاداری کا عملی اقرار کرنا، آنکھ نیچی رکھ کر ادب و تعظیم کے ساتھ اپنی حیاد و انحصار کا ثبوت دینا، رکوع میں ٹھیک کر اپنی پستی اور بیچ میگزری کھولنا، سجدہ میں گر کر اپنی ذلت و خواری اور محکومی و غلامی کو نمایاں کرنا، دعاء و الحاح میں دل کے ساتھ زبان کو بھی متحرک رکھنا، غرض قیام و قعود و رکوع و سجود و عار و درہ و تلاوت کلام معبود اور اس کی ثناء و لامحدود و غیرہ سب افعال ہی افعال ہیں جو عبدیت کے جذبات نمایاں کرنے کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ ترک نہیں ہیں کہ چپ چاپ رہ کر ان سے باز رہا جاتا ہو، کیونکہ دانشمند محکوم کا کام ہی اپنے حاکم کو راضی کرنے کے لیے سہ وقت مستعدی سے مرضی محبوب کے افعال بجالانا ہو نہ کہ اپنے کسی خیال میں غرق ہو کر ڈیوٹی سے غافل ہو جانا۔

اندرونِ رومی تراش دی تراش تا دمِ آخر دے فارغِ مباحث

اور اگر اس عبادت میں کوئی ترک بھی رکھا گیا ہو تو وہ ان ہی افعال کے ضمن میں ان ہی کی تقویت و تکمیل کے لیے ہو جو تاریخِ افعال ہو خود اصل نہیں، پس نماز مجموعہ افعال ہو جو خدمتِ کار کا کام ہو کہ سہ وقت حرکت و عمل میں مستعد رہو اور حج مجموعہ ترک ہو جو عاشق بے لڑا کا کام ہو کہ سہ وقت ترک خودی و خود نمائی میں رہو نہ کہ اثباتِ خودی و خودداری میں غرق ہو۔

غور اس پر کیا جائے کہ نماز کے ان مشقت طلب افعال میں وجوہ میں پانچ مرتبہ

بطورِ فریضہ اور رات دن میں بیجا سوں مرتبہ حسب استطاعت وقوت بطورِ نفل کے رکھے گئے ہیں، سب بڑا نفع دنیا اور دنیوی لذات اور سامانِ عیش و نشاط ہو کہ اُن ہی سے انتقالِ امر میں سستی اور کاہلی راہ پاتی ہو اور آدمی ان تن آسانیوں اور عیش کو شیبوں میں پھنس کر حاضری دربار کے قابل نہیں رہتا اور ان ساری عیش پسندیوں کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ یا لفاظ و دیگر دنیا کا معظم ترین حصہ مال و دولت ہو جو اس عبادت میں رکاوٹ بننا ہو چنانچہ عامۃً امراء اور دولتمند ہی نمازوں میں سستی اور ساجدگی حاضری میں غفلت دکھاتے ہیں، غریب و اکثر و بیشتر اس دلدل میں پھنسے ہوئے نہیں ہیں بقول علامہ اقبال مرحوم

جہاں کے ہوتے ہیں ساجد میں صفِ آرا تو غریب  
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب  
اُمرافشہٗ دولت میں ہیں غافل ہم سے  
زندہ ہے ملت بیضا غریبا کے دم سے

اس لیے ضرورت تھی کہ زرد مال کے افراط سے بچانے کے لیے اس گنجینہٗ زرد پر کوئی بریک لگایا جائے اور اُس کی یہ آہنی گرفت کچھ ڈھیلی کی جائے تاکہ قیدش و عیش کو شہی کے ان جذبات کے معتدل ہونے سے اس فریضہ نماز کی ادائیگی اور پابندی کے لیے راستہ ہموار ہو اس لیے شریعت نے فریضہ زکوٰۃ اُس کی ساتھ صدقات و اجبہ، صدقات نافلہ، خیر خیرات، صلہ رحمی، لوطا یا دہرایا مقور کیے اور نہ صرف نقد زور ہی میں بلکہ زمین اور کھیت کی پیداوار میں بھی حتیٰ کہ جان و دل اور مویشیوں تک میں حسب شرائط و حدود مصارف رکھے جس سے آدمی اس زرد مال کو اپنے سے کھوسکے تاکہ ایک طرف تو اُس میں افراط نہ کاوہہ استقامت اور اُس کے سبب سے تن آسانی اور راحت طلبی کی وہ بے تحاشا بھوک باقی نہ رہو جو نماز جیسی عظیم عبادت کی طرف دوڑنے میں پیر کی زنجیر اور سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی تھی، اور دوسری طرف آدمی عوام سے اپنے کو مافوق نہ سمجھنے لگے جس سے عوام کی صف میں مساویانہ انداز سے کھڑا ہونے سے اُسے عار لاحق ہو پس زکوٰۃ حقیقاً نماز کی تہیہ اور اُس کا راستہ ہموار کرنے کے لیے مؤثر سبب اور اس سب سے بڑی رکاوٹ کا وضعیہ ثابت ہوتی جو اس لیے یہ نتیجہ آسانی نکل آتا ہو کہ اس جہانی عبادت (نماز) کے لیے یہ مالی عبادت (زکوٰۃ) وسیلہ

اور تابع کی حیثیت رکھتی ہو خود بذاتہ اصل نہیں گو فریضہ ہونے میں نماز ہی کے ہم پلہ ہو جیسے وضو نماز کے لیے ایک مفتاح اور کنجی کی حیثیت رکھتی ہو جو نماز کے تابع ہو خود بذاتہ اصل نہیں گو فریضہ ہونے میں اُس سے کم نہیں کہ فریضہ کا مقصد بھی فرض ہی ہوتا ہو، پس فرضیت میں یہ وسیلہ اور مقصود برابر ہیں مگر مقصد اور وسیلہ کے فرق سے دونوں الگ الگ ہیں۔

ادھر حج چونکہ مجبوعہ تہرک تھا اس لیے اگر سارے مرغوبات نفس کے تہرک کا سارا بوجھ آدمی پر بیکدم ڈال دیا جاتا تو طبعاً وہ اُسے برداشت نہ کر سکتا اس لیے ضرورت تھی کہ حج سے پہلے اُس کے متصل کچھ ابتدائی اور روزمرہ کے تہرک کی اُسے مشق کرائی جاتی تاکہ دھاتہائی اظہیر معمولی تہرک برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا اور ظاہر ہو کہ روزمرہ کی مرغوبات نفس میں جن کی محبت میں گرفتار ہو کر آدمی محبت خداوندی اور اُس کے پاک گھر کی کوچہ زور دی کی لذت سے نا آشنا اور محروم رہتا ہو، ہمہ وقتی مرغوب و محبوب کھانا پینا اور شہوانی لذات ہیں۔ اس لیے شریعت نے ہر سال ایک مہینے رمضان کے روزے فرض کیے تاکہ ایک ماہ تک دن میں کھانا پینا اور جنسی لذات ترک کئے اور رات میں نیند کی شہوت کو خیر باد کہہ کر وہ آگے کے اہم تہرک کے قابل بن سکے پھر دن بھر کے ان تہرک کے ضمن میں ذکر رب الانام اور رات کے ترک نوم کے ضمن میں تہجد و سجود تہجد میں تلاوت کلام ملک اعلام رکھے گئے جن میں لگے رہنے سے محبوب حقیقی کے یہاں حاضر باشی کے وقت محبوب کو پکارنے اور لبیک کہنے کی زبان میں صلاحیت ابھر آئے جسے ان لذات کے شغف نے دبا رکھا تھا اُس کی ساتھ ہی پھر رمضان مبارک میں جب نصف چلہ یعنی بیٹی دن کی فاتحہ مستی سے ان شہوات بطن اور شہوات فرج یعنی کھانے پینے اور بیوی باندی کی رغبت سے اک گونہ کنارہ کشی میسر آگئی تو آخر عشرہ میں اعتکاف کی سنت رکھ دی گئی اور تہلادیا گیا کہ محبوب حقیقی کی طرف دوڑنے کے لیے خود نوش اور بیوی باندی کا ترک کرنا کافی نہیں بلکہ گھر باہر چھوڑ کر خدا کے گھر (مسجد) میں شب و روز قیام کرنا بھی بہ تقاضائے عشق ضروری ہوتا کہ گھر باہر کے تعلق سے بھی ایک گونہ یکسوئی اور بیگانگی میسر آجائے۔

اور جو نہی رمضان میں ان ابتدائی تہرک پر بندہ کو قدرت ہو گئی اور وہ آئندہ کے بُرے تہرک کے لیے ذی استعداد بن گیا تو رمضان ختم ہوتے ہی شوال سے اظہار حج شروع ہو جاتے

ہیں گویا خدائی اعلان ہو جاتا ہو کہ اُس محبوب حقیقی کی محبت میں کھانا، پینا، جنسی لذات اور گھر باہر کی لذات کا ترک کر دینا کافی نہیں کہ یہ صرف تمہید تھی بلکہ کوچہ محبوب کی حاضری کے لیے شہر اور وطن کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے کہ ان لذات میں رہتے ہوئے دیا رب محبوب کی حاضری اور شاہدہ جمالِ فیض نہیں ہو سکتا، اس سے صفات واضح ہو کہ روزہ و اعتکاف و تحقیقِ حج کی تمہید تاکلان ابتدا ترک کی شوق سے انتہائی ترک کی استعداد پیدا ہو جائے بغرض مجموعہ ترک کی عبادت (مع) کے لیے تمہیدی عبادت بھی ترک کی ہو سکتی تھی تو وہ فرض کی گئی جس کا نام روزہ ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے مجموعہ افعال کی عبادت (نماز) کے لیے تمہیدی عبادت بھی فعلی ہی رکھی گئی تھی جس کا نام زکوٰۃ ہو کیونکہ فعلِ فعل کی عبادت ڈال سکتا ہو اور ترک ترک کی یہ نہیں ہو سکتا کہ فعل سے ترک فعل کی عبادت پڑ جائے اور ترک فعل سے فعل کی، اس لیے نماز کا مقدمہ زکوٰۃ ہو اور حج کا مقدمہ روزہ ہو جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اسلام کی چار اساسی عبادتوں میں دو عبادتیں نماز اور حج اصل ہیں اور دو عبادتیں زکوٰۃ اور روزہ ان کے تابع اور ان تک پہنچانے کا وسیلہ ہیں گو بلحاظِ فرضیت اور رکنِ اسلام ہونے کے چاروں اصل اور مقصود ہیں، اس لیے کہا جاسکتا ہو کہ انسان کی مدہانیت کی جو ہر ترقی کی تکمیل حقیقتاً ان ہی دو اساسی عبادتوں نماز اور حج میں مضمر ہو جبکہ ان کے ساتھ یہ دو تمہیدی عبادتیں زکوٰۃ اور صیام بھی لگی رہیں لیکن ان دو اصل عبادتوں نماز اور حج میں حج کو دیکھا جائے تو اس میں نماز بھی بدستور قائم رہتی ہو بلکہ اپنے مراتب و کیفیات کے لحاظ سے بدرجہا بڑھ جاتی ہو کہ حرمِ النبی میں ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہو جاتی ہو اور خود طوافِ بیت کے بعد دو گناہ طوافِ کعبہ واجب ہو جو نماز ہو جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ نہ صرف حج کا زمانہ ہی نماز سے خالی نہیں بلکہ عین حج بھی نماز سے خالی نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نماز حج کے لوازم میں ہو اس لیے حج جہانِ عشق کا مقام رکھتا ہو وہاں عقل کے مقام کو بھی ہاتھ سے نہیں جملنے دیتا۔ ادھر جنایاتِ احرام میں جگہ جگہ کفارے اور صدقات بھی حج کا جز ہیں جو زکوٰۃ کا موضوع ہیں جس سے واضح ہوتا ہو کہ حج زکوٰۃ و صدقات سے بھی خالی نہیں اور زکوٰۃ کی روح بھی اسی سماوی ہوئی ہو، ادھر حج کے اصلی اور بنیادی رکنِ دو توف عرفة کے دن کا روزہ بھی حسب استطاعت مطلوب ہو جو رمضان کا موضوع ہو جس سے نمایاں ہوتا ہو کہ حج کی عبادت صیام سے بھی طالی نہیں

بلکہ روزہ بھی اُس کا ایک جزو ہو پس حج جامع صلوٰۃ و صیام و زکوٰۃ ثابت ہوتا ہوا اندرین صورت جبکہ حج کی عبادت نماز روزہ اور زکوٰۃ و صدقات کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہو اُسے اگر اس جامعیت کی بنیاد پر دوسری عبادات کے مقابلہ میں من کل الوجوہ نہ سہی تو بڑی حد تک ایک ممتاز فضیلت کا حامل سمجھا جائے تو بعید از قیاس نہیں پس اس سے زیادہ حج کی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ جامع عبادات اور جامع عشق و عقل ہے جو انسان کے دو بنیادی عنصر ہیں۔

حج کی ایک یہ خصوصیت بھی قابل غور ہو جو اور عبادتوں میں اس طرح نمایاں نہیں کہ وہ ایام حج یعنی اٹھویں ذی الحجہ سے تیرھویں ذی الحجہ تک کے پانچ دنوں میں حج کے ذریعہ سے امتنیوں کو نبیوں کی زندگی سے ہمکنار کر دیا جاتا ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا طغرائے امتیاز کمالِ مذہب و فطانت اور دنیا کے لذات و خواہشات سے بے تعلقی ہو۔ وہ مساکین اور غرباد میں ملے جاتے ہیں، اہل بدن پر حملہ یعنی ایک لنگی اور ایک چادر اُن کا غالب لباس ہو۔ گھر باہر سے فارغ القلب و زمین نہ جاؤاد نہ زرد نہ مال بیوی بچے بھی ہوں تو قلب اُن سے یکسو، اُن سے محبت بھی ہو تو لُحْبَةُ اللَّهِ نہ لُحْبَةُ النَّفْس۔ ہر وقت محبت حق میں سرشار ہر بندگی بجالانے پر بھی شرمسار نہ فخر نہ غرور نہ سخی نہ جذبہ تفوق، زبان پر ہر وقت ذکر الہی، دل میں ہر وقت محبت خداوندی، ہاتھ پر ہر وقت مجاہدہ و ریاضت اور طاعت و بندگی میں مصروف، انہماک لذات سے کوسوں دور ہوائے نفس سے کلیتہً نفور و کوع و سجود اور ہمہ دینی عبادت و ذکر سے معمور و خرواہا خلاق اور خدمتِ خلق سے مسرور، لوگوں کی اڑی گڑی پر صبر و تحمل، نہ انتقام نہ بدلہ نہ گریہ شوق اور بکاء و خون کی لکھن، ہر وقت سفر و وطن اور خلوت و اجتماع، زیادتِ علم و معرفت کی ہمہ وقت دھن وغیرہ وغیرہ کیا حج کے پانچ دنوں میں یہی صورت ایک عازم حج کی نہیں ہوتی کہ وطن سے دور بیوی بچوں سے مہجور، شوقِ عشق میں نہ بیوی یاد، نہ بچوں کا دھیان، نہ زائد از ضرورت زرد و مال نہ سامانِ راحت و لذت، غریبانہ اور مسافرانہ زندگی، نہ بد و فنا سے گزربسر، مسکینوں جیسا لباس، ایک لنگی اور ایک چادر، عمومی مساوات کا رنگ و دھنگ نہ کوئی ادب و نچا، نہ کوئی نیچا، بادشاہ و گداسب ایک رنگ، اور ایک لباس میں طبوس، نہ ذہیت نہ ٹیپ ٹاپ، نہ کوٹھی کا غرور نہ بلندنگ کا فخر نہ ماتحتوں پر فوقیت کا پھل، نہ غریبوں



کی تحقیر، خلان طبع ساتھیوں اور ہم سفروں کی اڑی کر ٹی پر قفل، محبت الہی میں غرق، وقتِ قلب اور گریہ و بکاء، محبت الہی میں استغراق، زبان پر ذکر و تلبیہ، ہاتھ پر طاعت و خدمت میں مصروف، مسائلِ حج کی ہمہ وقت جستجو اور پوچھ پانچہ اور زیادہ علم کا شوق، وعظ و تذکیر سے استفادہ کا ہمہ وقتی جذبہ وغیرہ غرض جو زندگی انہار کو دی جاتی ہے وہی ان پانچ دنوں میں درجہ بدرجہ آیتوں کو بھی نصیب کر دی جاتی ہے اور یہ سمجھو ادیا جاتا ہے کہ نبیوں جیسی پاک زندگی جو نہ بد و فساد سے بھرپور اخوت و مساوات سے معمور اور وطن و مکان اور مرغوبات نفس سے دور رہ کر اگر پانچ دن بسر کی جاتی ممکن ہے جبکہ قلب کا جذبہ عشق بیدار ہو تو عمر کے دوسرے حصوں میں بھی بسر کی جاتی ممکن ہے اگر جذبہ عشق کو سونے نہ دیا جائے اور دینی حرکات سے اُسے جگایا جاتا رہے جیسا کہ ان دنوں میں اُسے بیدار رکھا جاتا ہے، تاکہ یہ کہنے کا کسی کو موقع نہ ملے کہ یہ زندگی صرف نصیبِ خواص ہے۔ عوام کے لیے یہ زندگی ناممکن ہے، اگر یہ دس سو سہ صحیح ہو تا تو ان پانچ دن میں بھی یہ زندگی ناممکن ہوتی، اسی لیے حج کے بارہ میں فرمایا گیا کہ انسان حج کر کے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج اس کی ماں نے اُسے جنا ہے، جیسے وہ معصوم اور بے لوث پیدا ہوتا ہے، اس طرح حاجی بھی حج کے بعد ایسا ہی پاک اور معصوم صفت بن جاتا ہے، اس سے انظار کیا جائے کہ حج کی فضیلت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ امتی کی زندگی کو نبی کی زندگی میں ڈھال دیتا ہے اور عمر بسر کے لیے ایسی زندگی کا امکان نمایاں کر دیتا ہے، جسے غفلتِ شعاع لوگ ناممکن جاننے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

BOMBAY, ANDHRA TRANSPORT CO.

TRANSPORT CONTRACTORS

113 BHANDARI STREET (CHAKLA)

BOMBAY - 3

# طلبِ حدیث کے لیے رحلت

مَوْلَانَا تَقِيُّ الدِّينِ نَدَوِی مَظَاهِرِی شَيْخِ الْحَدِيثِ  
دارالعلوم فلاح دارین ترکیب سورت، گجرات

رحلت وہ مقدس سفر ہے، جو علمِ دین کی تحصیل کے لیے کیا جاتا تھا، مسلمانوں کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰت والتسلیم کی تعلیمات سے جو خصوصی تعلق رہا ہے، اس کی بنا پر علمِ حدیث کی حفاظت و صیانت کے لیے تمام ممکن ذرائع و اسباب کو اختیار کیا گیا۔ اس کا اندازہ صحابہ و تابعین اور بعد کے علماء و محدثین کے علمی اسفار سے بھی کیا جاسکتا ہے، کہ ان کے نزدیک علمِ حدیث کی طلب میں براعظموں اور سمندروں کو پار کر لینا معمولی بات تھی، یہاں تک کہ اس لفظ رحلت میں ایک شانِ تقدس پیدا ہو گئی، حضرت ابراہیم بن ادھم جو اپنے زمانے کے کبار اولیاءِ اشر میں تھے، فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَدْفَعُ الْبَلَاءَ عَنْ  
اِنَّ اللّٰهَ يَدْفَعُ الْبَلَاءَ عَنْ

هَذِهِ الْاُمَّةَ بِرَحَلَةِ اصْحَابِ  
سے اس اُمت کی بلاؤں کو دور فرماتا

الحدیثؑ

رہتا ہے۔

قرآن و حدیث میں بھی اس مبارک سفر کی تاکید و ترغیب بیان کی گئی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا  
اور ایسا تو ممکن نہیں ہے کہ کبھی

كَافَّةً فَلَوْلَا نَفْعٌ مِنْ كُلِّ فَرْقَةٍ      سلمان نکل گئے ہوں، پھر کیوں نہ نکلیں انہی  
طائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ      ہر جماعت میں سے چند لوگ تاکہ دین میں  
لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ      سمجھ پیدا کریں، اور ڈرائیں اپنی قوم کو  
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝      جب لوٹ آئیں ان کی جانب تاکہ وہ

بچے رہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع۔ ۱۰  
جو شخص طلب علم میں نکلا، اس وہ اللہ کے  
راتے ہیں ہے، جب تک واپس نہ آئے۔

آپ کا ارشاد ہے۔ "من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله له به طريقاً  
إلى الجنة" ۱۱ جو شخص علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کرے گا، حق تعالیٰ اس کے لیے جنت  
کا راستہ آسان کرے گا۔

عبدالنبیؑ میں مدینہ منورہ میں دروازے کے قبال اپنے نامندوں کو بارگاہ رسالت میں سلام  
کے احکام معلوم کرنے کے لیے بھیجتے تھے تاکہ یہ واپس جا کر تعلیم و ارشاد کی خدمت انجام دیں۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں اس سفر کی ترغیب و تحریص کے لیے تین تراجم قائم فرمائے

ہیں۔ باب ما ذکر فی ذہاب موسیٰ فی البعۃ ۱۲ اور اس باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

واقعہ کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اتنے بڑے اور عظیم القدر پیغمبر ہیں، انہوں نے بھی تحصیل علم کی خاطر

ہر طرح کی صعوبتوں اور مشقتوں کو برداشت کیا، یہاں تک کہ اس کے لیے بحری سفر بھی اختیار فرمایا۔

دوسرا ترجمہ باب الخروج فی طلب العلم ۱۳ منعقد کیا ہے اور اس ترجمہ میں ذکر فرماتے ہیں۔

ورحل جابر بن عبد اللہ مسیرۃ      حضرت جابر بن عبد اللہ نے حضرت

شہرانی عبد اللہ بن انیس      عبد اللہ بن انیس سے ایک حدیث

فی حدیث واحد ۱۴      سننے کے لیے سفر کیا۔

اور میرا باب ہے، باب الرحلة فی المسئلة التاذه ہنگامی مسئلہ پیش آجائے تو اس کے لیے سفر کرنا، امام داری نے بھی اپنی سنن میں ترجمہ قائم فرمایا ہے باب الرحلة فی طلب العلم والعناء یعنی طلب علم کی غرض سے سفر کرنا اور اس میں مشقت برداشت کرنا، علامہ خطیب بغدادی کی الرحلة پر مستقل تصنیف ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دو صحابہؓ میں ہمیں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ صرف ایک حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے بعض صحابہؓ کرام نے دور دراز کا سفر اختیار کیا، امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام احمد ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک صاحب کے متعلق اطلاع ملی کہ انھوں نے آنحضرتؐ کی ایک حدیث سنی ہو، میں نے اُسے اُن سے براہ راست حاصل کرنے کے لیے اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور اُس پر کچادہ کس کر ایک ماہ تک چلتا رہا، اور لگ بھگ شام پہنچا جہاں ان صحابی (عبداللہ بن انیس) کا قیام تھا، اُن کے مکان پہنچ کر اطلاع کرائی کہ دروازہ پر جابرؓ کھڑا ہے، انھوں نے سننے کے ساتھ پوچھا جابر بن عبد اللہؓ؟ کہا جی ہاں! وہ فوراً باہر آگئے، اور گئے، پھر میں نے پوچھا کہ مجھے آپ کے پاس ایک حدیث کی اطلاع ملی تھی، میں ڈرا کہ کہیں موت آجائے، اور اس حدیث مبارک کے سننے سے محروم رہ جاؤں، یہ سن کر حضرت عبداللہؓ بن انیس نے وہ حدیث بیان کر دی، وہ حدیث آخرت میں قصاص سے متعلق تھی ۵

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا ہے۔ ایک حدیث انھوں نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی تھی، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس میں کچھ تردد پیدا ہوا، اس حدیث کے سننے کے وقت حضرت عقبہ بن عامرؓ صحابی دربار رسالت میں موجود تھے، لیکن وہ مصر میں قیام پذیر ہو گئے تھے، سن کر حیرت ہوتی ہے کہ صرف ایک حدیث میں معمولی تردد کو دور کرنے کے لیے حضرت ابو ایوبؓ مصر روانہ

ہوتے ہیں اور عقبہ بن عامر کے پاس پہنچ کر فرماتے ہیں، مجھ سے اس حدیث کو بیان کر دو جو تم نے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مومن کی پردہ پوشی کے متعلق سنی ہے اس حدیث کو براہ راست سننے  
والوں میں میرے اور تمہارے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا، حضرت عقبہ بن عامر اس حدیث کو ان کے  
سامنے دہراتے ہیں "من ستر مومنا فی الدنیا علی خزیۃ ستر اللہ یوم القیامۃ"  
حضرت ابو ایوبؓ یہ سنتے ہی فوراً اپنی سواری کی طرف پلٹے، اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے،  
واپسی میں اتنی جلدی کی کہ حضرت مسلمہؓ (دالی مصر) نے جو ذرا ان کو بھیجا تھا، وہ بھی عرش  
مصر میں ان کو ملا، ۱۰

امام دارمی نے اپنی سنن میں عبداللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے، کہ ایک صحابی سفر کے  
حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس مصر پہنچے، اس وقت وہ اپنی اونٹنی کو چارہ  
کھلا رہے تھے، ان کو دیکھ کر فرمایا مرحبا! صحابی مذکور نے حضرت فضالہؓ سے کہا، السلام  
ذاثرا میں آپ کی زیارت کے لیے نہیں آیا ہوں، بلکہ میں نے اور آپ نے ایک حدیث رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے حافلہ میں ہوگی، حضرت فضالہؓ  
نے پوچھا وہ کون سی حدیث ہے؟ صحابی مذکور نے کہا کذا و کذا، جس میں یہ یہ ہے۔  
یہ عہد صحابہؓ کے چند واقعات ہم نے نقل کیے ہیں، دو تابعین و تبع تابعین میں اس  
سلسلے کو بہت ترقی ہوئی۔

"حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ آپ سے علم حاصل کرنے اور حدیثیں سن لینے کے  
باد جود مدینہ منورہ کا (کوئٹہ) سے رُخ کرتے تھے، اور وہاں جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم  
حاصل کرتے تھے، اور حدیثیں لکھتے تھے ۱۱  
کثیر بن قیس تابعی فرماتے ہیں۔

"میں دمشق میں حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، دفعۃً ایک شخص نے  
اُن سے اگر عرض کیا، ابوالدرداءؓ! میں مدینۃ الرسولؐ سے چل کر آپ کے پاس آیا ہوں اور

کسی دنیوی حاجت و ضرورت سے نہیں آیا ہوں، ایک حدیث کے لیے آیا ہوں، معلوم ہوا کہ آپ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں، حضرت ابوالدرداءؓ نے جب یہ سنا تو فضیلتِ علم کے بارے میں پہلے ایک حدیث اس شخص کو سنائی، پھر جس حدیث کو سُنے کے لیے سفر کیا تھا اس کو سنایا۔ ۱۵

خطیب بغدادی نے ابوالعالیہ کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ وہ فرماتے تھے کہ ”ہم بصرہ میں بعض صحابہ کرام سے روایات (بالواسطہ) سنتے، مگر جب تک مدینہ منورہ جا کر خود ان کی زبان سے نہ سُن لیتے ہمیں چین نہ آتا۔ ۱۶

حضرت سعید بن مسیب جلیل القدر تابعی ہیں، فرماتے ہیں، کہ میں نے ایک حدیث کی طلب و تلاش میں کئی کئی رات اور دن کا سفر کیا ہے۔ ۱۷

حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے کہ ”اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم کھنے والا کسی جگہ موجود ہے تو میں ضرور اس کے پاس سفر کر کے جاؤں گا۔ ۱۸ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ عامر شعبی نے ایک بار ایک حدیث بیان کی، اور پھر سائل سے (جو غراسان کا رہنے والا تھا) کہنے لگے کہ ہم نے تمہیں مفت میں بتا دیا ہو، ورنہ اس سے بھی کم کے لیے تو مدینہ منورہ کا سفر کیا جاتا تھا۔ ۱۹

خطیب بغدادی نے بھی عبداللہ بن مسعود سے جو کبار تابعین میں سے ہیں، نقل کیا ہے، ”مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، دل میں خدشہ آیا کہ ہمیں خدا نخواستہ ان کا انتقال ہو گیا تو براہِ راست ان سے وہ حدیث نہ سن سکوں گا۔ بس فوراً ہی سفر شروع کر دیا اور انکی خدمت میں عراق پہنچ کر دم لیا۔ ۲۰

اگر حدیث کے تذکروں میں اس کی بکثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں:

۱۵ جامع ترمذی ۹/۲۶۶ سنن دارمی ص ۳۵۷ سنن ترمذی ۳۵۷ سنن ترمذی ۳۵۷ سنن ترمذی ۳۵۷ سنن ترمذی ۳۵۷

۱۶ فتح الباری ص ۱۶

۱۷ صحیح بخاری ۲/۲۶۶ فتح الباری ص ۱۶

مسلمانوں کے عہدِ مروج میں محدثین کرام خصوصیت سے جن ممالک اور شہروں کی طرف رحلت کرتے تھے، علامہ ذہبی نے ان ملکوں اور شہروں کے بیان میں مستقل ایک رسالہ تحریر کیا جو جس کا نام ”الامصار ذوات الآثار“ یعنی ”حدیثوں کے شہر“ رکھلے۔ یہ پورا رسالہ حافظ سخاوی نے ”الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاريخ“ میں نقل کر دیا ہے۔  
 اس زمانہ میں جو محدث طلب علم میں اسفار سے گھبراتا تھا وہ طعن و ظلمت کا نشانہ بنتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے خلف بن ایوب سے جو بلخ میں تھے، اگر ایک مسئلہ دیکھ لیا، وہ کہنے لگے مجھے تو معلوم نہیں، سائل نے کہا پھر کسی ایسے شخص کا پتہ بتا دیجئے جسے یہ مسئلہ معلوم ہو، فرمایا ایسے تو حسن بن زیاد ہیں، جو کوفہ میں ہیں، اس پر سائل نے کہا کوفہ تو بہت دور ہے، خلف نے فرمایا ”من همہ الدین فالكوفة اليه قریبة“ جسے دین کی فکر ہو اس کے لیے کوفہ قریب ہے۔

امام سبئی بن معین جو ناقد فن ہیں فرماتے ہیں، جو محدث اپنے ہی شہر میں حدیثیں لکھا کرے اور سفر نہ کرے اس میں تم کبھی بھلائی محسوس نہ کرو گے۔ ائمہ اربعہ میں امام مالک کے سوا کہ انہوں نے مدینہ منورہ سے باہر طلب علم کے لیے قدم نہیں نکالا کیونکہ مدینہ اس زمانہ میں جو علم و فن کا مرکز تھا، دور دراز سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھانے وہاں آتے تھے، اور بقیہ ائمہ نے دور دراز کا سفر اختیار کیا اور اس راستے کی مشقتوں اور صعوبتوں کو برداشت کیا، ائمہ و محدثین کرام اور علماء و سلف کی علمی رحلتوں کے حالات پر مددِ عقل افزائی حیران رہ جاتی ہے، کہ اس زمانہ میں جب آمد و رفت کی نہایت تیز رفتار سواریاں تھیں اور نہ ہی سفر کی موجودہ سہولتیں، ان حضرات نے حفاظتِ حدیث اور تحصیلِ علم کی خاطر اس طح بھر دو کر ایک کر ڈالا، کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام عالمِ اسلامی ایک شہر میں تبدیل ہو گیا ہے۔

محدثین کرام کے ان علمی اسفار کا اعتراف اسلام کے دشمنوں اور مستشرقین یورپینے

بھی کیا ہے، چنانچہ مشہور مشرق گو لڈ زیہر (GOLD ZIHER) جس نے علم حدیث پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں وہ بھی اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہے کہ ”جن ائمہ حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے علم حدیث کے لیے چار چار مرتبہ مشرق و مغرب کا سفر کیا، وہ میری نگاہ میں نہ دروازہ قیاس ہے، اور نہ ہی اس میں مبالغہ ہے لہٰذا نظر و ہمت کو بلند کیجیے کہ ہمارے اسلاف نے کس محنت و جانفشانی کے ساتھ دین و سنت کے سرمایہ کی حفاظت کی اور اس سے مسائل کا استنباط و استخراج کیا، تاکہ اللہ کی محبت عالم پر تمام ہو۔“

لے علوم احادیث و منطق ص ۵۵

### بقیہ درس قرآن

ربکم علیکم.... الی قولہ لعلمکم تقون لے کر لعلمکم تقون تک  
یوں تو قرآن مجید کا ہر حکم واجب العمل ہے لیکن ان آیتوں میں جو ہدایتیں اللہ تعالیٰ کی وصیت کے عنوان سے دی گئی ہیں ان کی یقیناً خاص اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو توفیق دے گا انھی پابندی اور پیروی کا خصوصیت پہنچا کر دیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

## پھول کی طرح تروتازہ

اگر جلدی امراض یا فسادِ خون کی شکایت ہو تو چہرہ پر مژدہ نظر آتا ہے

## خون صفا



پھوٹے پھنسی خارش اور داسے نجات دے  
گزیم اوچیرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے

دواخانہ طبیکالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



## درس قرآن — مرکز والی مسجد

۸۔ فروری سنہ (یکشنبہ)

- دینِ حق کی بنیادی اور ابدی ہدایات
- انسانوں کیلئے انکے رب کی مقرر کی ہوئی صراطِ مستقیم
- بندوں کو ان کے پروردگار کی وصیت

۲

[۸۔ فروری کو سورہ الانعام کے ۱۷ دین اور اٹھارہ رکوع کا درس ہوا تھا یہ دونوں رکوع اور ان کا ترجمہ گذشتہ اشاعت میں قارئین پڑھ چکے ہیں۔ لیکن صفحات میں گنہائش نہ ہونے کی وجہ سے تشریح اور تفسیر صرف ۱۷ دین رکوع کی شائع ہو سکی تھی۔ اٹھارہ دین رکوع کی تشریح و تفسیر ناظرین آج کی صحبت میں ملاحظہ فرمائیں۔

سلسلہ کلام کے استحضار کے لیے یہ یاد کر لیا جائے کہ ۱۷ دین رکوع سے پہلے قریباً ۱۲ آیتوں میں مشرکین عرب کی اس گمراہی کا ذکر کیا گیا تھا کہ انھوں نے بہت سی اُن حلال طیب چیزوں کو جھٹیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے، خواہ مخواہ حرام ٹھہرایا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ایک پوری شریعت اُگھڑی ہے اور اس کو بالکل بے دلیل اور بے سند اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو جویم عظیم ہے۔ اس کے بعد ۱۷ دین رکوع میں ان کی اسی گمراہی اور اس مجرمانہ حرکت پر زیادہ تفصیل کے ساتھ

تیسرہ فرمایا گیا اور اس بارے میں جو کچھ وہ کہتے تھے اُس کی بھرپور مدد ترید فرمائی گئی۔  
 — اس سب کے بعد اٹھارہویں رکوع میں جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے قُلْ  
 تَعَالُوا اِنَّا اَتَلْنٰ مَا حَرَّمَ عَلٰیكُمْ وَرَبُّكُمْ — اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ ان مشرکوں سے کہیے کہ تم نے جن چیزوں کو خواہ مخواہ اور بغیر  
 کسی سند کے حرام قرار دے رکھا ہے، اس کی حقیقت تو تم کو بتا دی گئی اور تمہیں معلوم  
 ہو گیا کہ یہ سب بے اصل جاہلانہ خیالات و خرافات اور شیطانی تسویلات ہیں۔ اب  
 آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے پروردگار نے واقعہ کن کن باتوں کو حرام قرار دیا ہے  
 اور اپنے بندوں کے لیے اس کی بنیادی وصیتیں اور ہدایتیں کیا ہیں جو پیغمبروں کے ذریعہ  
 ہمیشہ دی جاتی رہی ہیں۔

الغرض اس اٹھارہویں رکوع میں اللہ تعالیٰ کی ان بنیادی اور دائمی ہدایات  
 کو بیان فرمایا گیا ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ ہر دور میں انسانوں کو دی جاتی رہی ہیں  
 اور آخر میں فرمایا گیا ہے کہ یہی بندوں کے لیے ان کے رب کی خاص وصیتیں اور اہم  
 مفروضہ کی ہوئی صراطِ مستقیم ہے جس کی پیروی کرنی چاہیے۔  
 اس تمہیدی نوٹ کے بعد اس کا وہ حصہ ملاحظہ فرمایا جائے جو گزشتہ شمارہ میں  
 شائع ہونے سے رہ گیا تھا۔  
 ارشاد ہے :-

قُلْ تَعَالُوا اَتْلُوْا مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلٰیكُمْ اِلَّا تَشْرِیْکُوْا بِہٖ  
 شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ مِّمَّنْ  
 اِمْلَاقٌ ۚ نَّحْنُ نَّرْزُقُکُمْ وَاٰتَاہُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا  
 ظَهَرَ مِنْہَا وَمَا بَطَّنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ ۚ اِلَّا  
 بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِکُمْ وَصَّاکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر اپنی قوم کے اُن لوگوں سے کہیے جنہوں نے اللہ کی پیدا  
 کی ہوئی بہت سی حلال طیب چیزوں کو حرام بنا لیا ہے اور ایک پوری شریعت گھڑ لی

ہے اور بغیر دلیل اور سند کے اس کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان سے کہیے کہ آؤ مجھ سے سنو، میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے پروردگار نے فی الواقع کن کن باتوں کو حرام قرار دیا ہے، اور تمہارے لیے اہل بیت کی عبادتوں کے لیے اس کی بنیادی ہدایتیں کیا ہیں؟ — سنو سب اہم اور مقدم ہدایت اُس کی یہ ہے کہ لَا تَشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا یعنی اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں، نہ اُس کے حقوق میں۔ یہ اللہ کی وہ ہدایت اور وہ حکم ہے جو ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو سب سے پہلے پہنچایا ہے۔

اس کے بعد دوسرے نمبر کی اس کی ہدایت یہ ہے کہ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرو، ان کی فرمانبرداری اور خدمت کرتے رہو۔ قرآن پاک میں اود تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں خالق کے بعد مخلوق پر سب سے بڑا حق ماں باپ ہی کا بتایا گیا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدائش کا اور پھر پرورش کا سید بنا دیا۔ قرآن مجید میں جا بجا اسی طرح اللہ کی عبادت اور توحید کی ہدایت کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر اس سے بھی زیادہ وضاحت فرمائی گئی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَقَضَىٰ رَبِّيَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتَهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا  
إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكُبَرَ  
أَحْذَرُهُمَا أَوْ يَكِلَاهُمَا فَلَا  
ثَقَلُ لَهُمَا آتٍ وَلَا يَنْهَرُهُمَا  
وَقُلْ لَهُمَا قَوْلَا كَرِيمًا وَ اجْفُضْ  
لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ  
وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَا  
نِي صَغِيرًا

مطلب یہ ہے کہ تمہارے رب کا قطعی حکم ہو کہ اے سو کسی کی عبادت نہ کرو۔ صرف اسی کی عبادت اور پرستش کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک ہی تمہارے سامنے بوڑھے ہو جائیں، تو درنظر ہر تمہارے لیے بوجھ بن جائیں، تب بھی اس کی پوری احتیاط کرو کہ ان کے لیے کوئی تازیانہ اور ناگوار بات نہ بولے نہ نکالو اور ان کے سامنے اپنے کو ادب

سے جھکائے رکھو اور اس علی برتاؤ کے  
 علاوہ ان کے حق میں خدا سے دعا بھی  
 کرو کہ اسے افتدیان پر اپنی رحمت فرما جس  
 طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور  
 پرورش کیا تھا۔

تو شرک سے پرہیز اور تو حید پر قائم رہنے کی پہلی ہدایت کے بعد دوسری ہدایت یہ دی گئی  
 کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کے خدمت گزار اور فرمانبردار بن کے رہو و  
 بِالْهَادِیْنِ احْسَنَ اَسْ کے بعد تیسری ہدایت یہ فرمائی گئی وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ مِنْ  
 اِمْلَاقٍ یعنی منقلسی کی وجہ سے اپنے بچوں بچوں کو ہلاک نہ کرو۔

عروں میں انتہائی درجہ کی جو گمراہیاں رائج تھیں ان میں سے ایک یہ شغافت بھی تھی  
 کہ بعض غریب اور نادار لوگ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کو اس خیال سے کہ خود ہمارے کھانے کو  
 تو بے نہیں انھیں کہاں سے کھلائیں گے خود اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیتے تھے۔ اللہ کی پناہ!  
 یہ وہ شغافت ہے جو بیٹریوں، چیتوں، اور سانپوں بھوڑوں میں بھی نہیں تھی۔

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ بعض دوسرے اسباب اور خیالات  
 کی بنا پر بھی بیچا ہے مصوم بچوں کو ختم کیا جاتا تھا، مثلاً خاص خاص تہوں اور دیوتاؤں کے بھینٹ  
 اور چڑھا کے طور پر ان کو قربان کر دیا جاتا تھا۔ اسی سورہ انعام میں کچھ ہی پہلے یہ آیت  
 كُذِّبَتْ عَنْ اَيُّهَا لَكِ نَفْسٌ لِّكَ تَبَرُّنَ الْمَشْرِكِينَ قَتَلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاءُ وَهُمْ  
 لَيُرَدُّوهُمْ وَلَيُلْجِسُوْا عَلَيْهِمْ ذُنُوبَهُمْ اِس آیت میں بچوں کے اسی قتل کا ذکر ہے  
 جو یہ مشرکین اپنے مشرکانہ خیالات تو بہات کی بنا پر تہوں کے بھینٹ اور چڑھا کے لیے بچوں  
 کو قربان کر دیتے تھے اور اپنی جہالت و بدبختی سے اس کو نیکی سمجھتے تھے اور اس سے بڑی  
 برکتوں کی امید رکھتے تھے۔

ایک تیسری شکل قتل اولاد کی بعض خاص قبیلوں اور طبقوں میں یہ بھی رائج تھی کہ  
 صرف بیچاری لڑکیوں کو ان کے جاہل و ظالم باپ اس خیال سے ختم کر دیتے تھے کہ اگر یہ

زندہ رہیں گی تو کسی کے ساتھ شادی ہوگی، پھر وہ بہار ادا مہ بنے گا۔ اس کو وہ جاہل اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے تھے۔ اور اس سے بچنے کے لیے بیماری لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے سورہ تکویر میں غالباً اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے **وَإِذَا النُّفُوسُ سُئِلَتْ يَا أَيُّ الذَّنْبِ قُتِلْتُ** مطلب یہ ہے کہ اُس دن کو یاد کرو اور اس منظر کا ذرا خیال کرو جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت برپا ہوگی اور جس معصوم بچی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا گیا تھا اُس سے پوچھا جائے گا کہ اُس معصوم بچی! بتا کہ تجھے کس جرم میں زندہ زمین میں گاڑا گیا تھا۔ جن لوگوں کو عربی زبان کا کچھ ذوق ہو وہ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس سوال میں کتنا جلال و غضب بھرا ہوا ہے۔ اور اس ظلم کے کرنے والوں کے لیے کتنے شدید عذاب کی اس میں آگاہی ہے۔

تو قرآن مجید سے بھی اور عربوں کی تاریخ سے بھی قتلِ اولاد کی ان تین شکلوں کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے پہلی صورت یعنی بچے کے کھانے پینے اور پردوش کے اقتصادی اور معاشی بوجھ سے بچنے کے لیے اسکو ختم کر دینے کا رواج نسبتاً زیادہ تھا اور یہ غالباً دنیا کی اور قوموں میں بھی رائج ہے اور آج کل بھی اشتعال میں کبھی کبھی اس طرح کے واقعات کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ غالباً اسی لیے اس کی ممانعت کو بنیادی ہدایات میں شامل کیا گیا ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس ظلم و شقاقیت کی جڑ بنیاد دراصل یہ جاہلانہ اور گمراہانہ نظریہ ہے کہ اپنے بچوں کے رازق اور روزی رساں ہم ہیں۔ اور جب ہمارے پاس روزی کا سامان نہیں تو پھر ان بچوں کو کہاں سے کھلائیں گے؟ اس لیے وہ ان کو پیدا ہوتے ہی ختم کر دینا آسان سمجھتے تھے۔ اسی لیے قرآن پاک میں اس کی ممانعت کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ **لَنْ نَرْزُقَكُمْ وَإِنَّا أَهْمُكُمْ** روزق اور روزی دینے والے تو ہم ہیں۔ تمہاری پردوش بھی ہمارے ہی روزق سے ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ اسی طرح ان بچوں کی پردوش بھی ہمارے ہی روزق سے ہوگی۔

عرب کے ان ان پڑھ مشرکوں نے اقتصادی و معاشی مسئلہ کا حل یہ سمجھا تھا کہ پیدا ہونے والے بچوں کو جیسے نہ دو، پیدا ہونے کے ساتھ ہی ان کو ختم کر دو، ہمارے زمانہ کے بڑے فکے خدا شناسوں نے یہ توفی یا نفع حل نکالا ہے کہ بچوں کو پیدا ہی نہ ہونے دو۔ اس کے لیے

حکومتیں مضبوط بناتی ہیں اور ان پر کروڑوں بلکہ اربوں روپیہ خرچ کرتی ہیں لیکن اس کی بھی بڑ بیاہ یہی گمراہی ہے کہ رزق اور روزی کا مسئلہ اللہ کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ اپنے ہاتھوں میں سمجھا جاتا ہو۔ قرآن مجید کی یہ آیت ان حکومتوں کو بھی یہ پکار کر کہہ رہی ہے۔ لَحْنُ نَزْرُكُمْ وَإِنَّا هُمْ۔ اگر آدمی سمجھنا چاہے تو کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے برابر اس کا تجربہ ہو رہا ہے کہ اللہ نے انسان کو وہ عقل فکری دی ہے جس سے وہ ان تدبیروں کو سوچ سکتا ہے اور وہ آلات ایجاد کر سکتا ہے جن کے ذریعے ضروریات بڑھنے کے ساتھ زمین سے پیداوار بڑھاتے چلے جائیں۔ اور زمین میں وہ صلاحیت رکھی ہے کہ جو پیداوار اس سے ہوتی ہے اس پر دسوں بیوں گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا اور زمین میں اتنی ہی پیداوار ہوا کرتی جتنی اب سے دو چار سو برس پہلے ہوتی تھی تو ہمیں اور آپ کو کھانے کے لیے ایک دانہ بھی نہ ملتا۔

یہاں تک تین بنیادی ہدایتیں ہوئیں۔ چوتھی ہدایت یہ فرمائی گئی کہ وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ فواحش فاحشہ کی جمع ہے، فاحشہ اس فعل کو کہتے ہیں جو انسانی شرم حیا کے باگھل خلافت ہو، جیسے زنا کاری اور اس کے قبیل کی چیزیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ زنا اور اس جیسی دوسری گندی اور شرمناک باتوں کے پاس نہ جاؤ۔ کسی چیز سے الگ اور دور رہنے کی تاکید کرنی ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اس سے دور رہی دور رہو۔ حقیقتاً وہ خبیث افعال جنہیں فواحش کہا گیا ہے ایسے ہی گندے اور ناپاک ہیں کہ اللہ کے بندہ کو ان سے دور رہی رہنا چاہیے۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ کا مطلب یہ ہے کہ ان بد فعلیوں سے بھی بچو اور دور رہو جن کا فاحشہ اور بے حیائی والا عمل ہونا بالکل علانیہ اور کھلا ہوا ہو، اور ان بد فعلیوں سے بھی دور رہو جن کی حیثیت کچھ ڈھکی چھپی ہو۔ جیسے آنکھ کی بد فعلی، لم تھ کی بد فعلی، زبان کی بد فعلی، ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں ان اعضاء کا زنا بتلایا ہے۔ یہ چوتھی ہدایت ہوئی۔

پانچویں ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ وَلَا تَقْسُوا أَنْفُسَ الْبَنِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آدمی کو پیدا کیا اور اس کی جان کو قابل احترام قرار دیا ہے۔ لہذا جب تک وہ کوئی ایسا جرم نہ کرے جس کی وجہ سے اس کا خون بہانا اور ہلاک کیا جانا خدا کے

قانون کی رو سے درست نہ ہو جائے، اس کو قتل نہ کیا جائے۔ حاصل یہ کہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی بھی آدمی کا قتل کرنا قطعاً حرام ہے۔

اللہ کے قانون میں تین جرم ایسے ہیں جن کی سزا قتل ہے۔ ایک تو ناحق قتل کی سزا قتل ہو یعنی اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کو قصداً ناحق قتل کرے تو قصاص میں اس کو قتل کیا جائے گا۔ دوسرے کسی شادی شدہ کا زنا کرنا ایسا جرم ہے کہ شریعت اسلام میں اس کی سزا سنگسار ہے۔ جو قتل کی بھی انتہائی اذیت ناک شکل ہے۔ تیسرے ارتداد یعنی اللہ کا دین اسلام قبول کر کے پھر اُس سے غداری کرنا اور کفر اختیار کر لینا، ایسا شخص بھی خدا کے قانون کی رو سے واجب القتل ہو جاتا ہے۔ لیکن ان سزاؤں کا اختیار بھی صرف حاکم اسلام کو ہے۔ عوام میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان مجرموں کو بھی قتل کر سکیں اگر وہ ایسا کریں گے تو خود مجرم ہوں گے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اس آیت ”لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْإِبْرَاطِقِ“ میں جو قتل ناحق کو حرام قرار دیا گیا ہے تو یہ صرف مسلمانوں ہی کے حق میں نہیں ہے بلکہ جس طرح کسی مسلمان کا ناحق قتل حرام اور سنگین گناہ ہے اسی طرح غیر مسلم کا قتل بھی حرام اور ایسا ہی سنگین گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے ”مَنْ قَتَلَ مَعَاهِدًا لَمْ يَزَحْ رَاحِئَةَ الْجَنَّةِ“ یعنی جو کوئی کسی غیر مسلم معاہدہ کو ناحق قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا، معاہدہ ہر وہ غیر مسلم ہے جو مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدہ کی بنیاد پر رہتا ہو، خواہ وہ معاہدہ انفرادی ہو یا اجتماعی اور خواہ حکومت اسلامی ہو یا غیر اسلامی، مثلاً ہم اپنے ملک میں غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہیں تو ہم سب کا ایک اجتماعی غیر رسمی معاہدہ ہے اور ہم سب ایک دوسرے کے لیے معاہدہ ہیں، اور اس لیے ناحق کسی غیر مسلم کا خون بہانا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کو قتل کرنا۔

یہاں تک پانچ ہدایتیں فرمائی گئیں۔ شرک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ اور دل نہ دکھاؤ۔ غریب اور افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ زنا جیسی بد فعلیوں سے دور رہو۔ کسی آدمی کا خون نہ بہاؤ۔

جب تک وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہ کرے جس کی وجہ سے اس کا قتل کیا جانا ضروری ہو جائے۔ یہ پانچوں ہدایتیں ایسی ہیں کہ انسانی عقل بدھی اور فطری طور پر خود بھی ان کو ضروری سمجھتی ہے۔ اسی لیے ان ہدایتوں کے بعد متضاد فرمایا گیا ہے ”ذَٰلِکُمْ وَصَّاکُمْ بِهِ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُونَ“ کہ تمہیں یہ ہدایتیں دی گئی ہیں، تمہیں چاہیے کہ اپنی عقلوں سے کام لو اور سوچو سمجھو کہ یہ باتیں کس قدر معقول ہیں اور ان میں تمہارے لیے کتنی خیر اور بھلائی ہے۔

ان پانچ کے بعد چار ہدایتیں اس کے بعد والی آیت میں دی گئی ہیں۔ ارشاد ہو  
وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا  
الْكَيْلَ ۚ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا تَكْلَفُ نَفْسًا وَلَا وِسْطًا ۚ وَأِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا  
وَلَوْ كَانَ ذَا أَقْرَبَ ۚ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِکُمْ وَصَّاکُمْ بِهِ لَعَلَّکُمْ تَتَذَكَّرُونَ

ان میں پہلی ہدایت کا تعلق خاص طور سے ان لوگوں سے ہے جو کسی کے انتقال کے بعد اُس کے یتیم بچوں کے مال و جائیداد کی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہوتے ہیں، انہیں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، یعنی اس میں کوئی نقص نہ کرو، ہاں نیک نیتی سے اور یتیموں کی خیر خواہی پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا تصرف کر سکتے ہو جس میں بھلائی ہو۔ اُس کے فرمایا ”حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ“ یعنی یہ ہدایت اور تاکید اُس وقت تک کے لیے ہے جب تک کہ وہ یتیم اُس عمر تک نہ پہنچ جائے جس کے لیے وہ اپنے مالی معاملات خود دیکھ بھال سکے۔

برا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی آدمی کا انتقال ہو گیا اُس نے چھوٹے بچے چھوٹے اور ان کے لیے مال و جائیداد بھی چھوڑی ایسی صورت میں قریبی اعزہ ہی جائیداد اور مال اور کاروبار کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اب اگر ان کی نیت خراب ہو یا یتیموں کی جائیداد اور مال و کاروبار کے سلسلہ میں وہ غفلت برتیں اور ذمہ داری کا جو حق ہے وہ ادا نہ کریں تو اس کا انجام یہی ہو گا کہ بچے یتیم بچوں کا اثاثہ برباد ہو جائے گا۔ اسی لیے اس آیت میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جو شخص یتیموں کے مال و جائیداد کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہو اس کو بہت احتیاط کا دل دینا چاہیے اور ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ اپنا فرض اس وقت تک ادا کرنا چاہیے جبکہ وہ بچے اپنا کام خود سنبھالنے کے قابل ہو جائیں، وہ یتیموں کے مال و جائیداد میں کوئی ایسا نقص



نہ کریں جو بہتر نہ ہو اور جس میں تیبوں کی بھلائی نہ ہو۔ سورہ نساء کے شروع میں وہ آیت گزر چکی ہے جس میں ایسے لوگوں کو جو بدینہ اور بددیانتی سے تیبوں کے مال میں تصرف کریں جہنم کے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے "إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا" (جو لوگ ظالمانہ طور پر اور ناجائز طریقوں سے تیبوں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں اور وہ دوزخ کی آگ میں جلیں گے)۔

دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے۔ "وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ" مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت اور کسی کو اس کا حق ادا کرنے کے وقت پوری یا تیزاری سے کام لو، بے ایمانی اور دھوکہ بازی بالکل نہ ہو۔ اسی کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے "لَا تَكْفُلُ نَفْسًا إِلَّا سَوْسَةً" اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا حکم اور اس کا مطالبہ بس یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے اس کی پوری کوشش کرو کہ کسی کی حق تکلفی تم سے نہ ہو، اگر بالفرض بھول چوک ہو چلے تو تم سے مواخذہ نہ ہوگا۔

یہ ناپ تول میں بددیانتی بھی اُن سنگین گناہوں میں سے ہے جن پر قرآن مجید میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد ہے "وَيَلْبِسُ ظُلُفَيْنِ الَّذِينَ إِذْ أَكْتَلُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ" (وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْ زَوَّضُوهُمْ يُخْسِرُونَ) (الْأَيْظُنْ أَوْلِيَاءُ أَهْمُ مَبْعُوثُونَ لِيُعْزِمَ عَظِيمٌ) (يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے بڑی خرابی ہے اور بڑا غصہ کہ عذاب ہے جو ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں جب دوسروں سے ناپ کر لیتے ہیں تو بھر پور لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو بے ایمانی سے کم دیتے ہیں۔ کیا انھیں اس کا خیال نہیں ہے کہ وہ قیامت کے اس عظیم دن میں جب سب لوگ خدا کے حضور میں پیش ہوں گے وہ بھی زندہ کیے جائیں گے اور خدا کی عدالت میں ان کی بھی پیشی ہوگی۔

اس کے بعد تیسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے "وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْبُدُوا وَلَا كُفْرًا" (ذُوقُوا) مطلب یہ ہے کہ جب کسی معاملہ میں تمہیں فیصلہ دینا ہو یا کو اپنی دینی ہو تو حق و انصاف کی بات

کہو، اگرچہ معاملہ کا کوئی فریق تھا مگر عزیز قریب ہی کیوں نہ ہو۔ تم اس کے نفع نقصان اور رضامندی اور ناراضگی کی بالکل پروا نہ کرو۔ اسی طرح رشوت وغیرہ مالی منفعت کی وجہ سے بے انصافی نہ کرو، بلکہ وہی کو جو دیانت داری سے حق و انصاف کا تقاضا ہو۔

جو حق اور آخری ہدایت جو سب سے زیادہ جامع ہے یہ فرمائی گئی ہے "وَلْيَعْبُدُوا اللَّهَ اَوْحُوا" یعنی اللہ کا عہد پورا کرو۔ اس سے مراد بظاہر وہ عہد و میثاق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں کے ذریعہ بندوں سے لیا جاتا رہا ہے، مثلاً یہ کہ اُس کی عبادت و فرمانبرداری کریں، اُس کی مقرر کی ہوئی شریعت اور صراطِ مستقیم پر چلیں، اُس کے نبیوں کی پیروی کریں۔ انبیاء علیہم السلام جو ایمان کی دعوت دیتے ہیں وہ دراصل اسی عہد و میثاق کی دہرائی دیتے ہیں، اور جو شخص ان کی دعوت پر ایمان لاتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و میثاق کرتا ہے۔ "يَعْبُدُوا اللَّهَ اَوْحُوا" میں اسی عہد و میثاق کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اسی لیے میں نے عرض کیا کہ یہ جامع ترین ہدایت ہے، اور اس کی دعوت میں وہ سب جہانز عہد و معاہدے بھی آگئے جو بندے آپس میں کرتے ہیں اور جن کے پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ یہی ہدایت سورہ بنی اسرائیل میں ان الفاظ میں دی گئی ہے۔

وَاَوْحُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ

كَانَ عَمْدًا مَسْئُولًا

اپنے عہد معاہدوں کو پورا کرو۔ ان کے

بائے میں آخرت میں تم سے باز پرس ہوگی۔

پہلی پانچ ہدایتوں کے بعد یہ چار ہدایتیں اور ہوئیں۔ تمیموں کے مال کے بائے میں بہت محتاط رہو۔ ناپ تول میں پوری دیانت داری سے کام لو۔ گواہی میں اور اسی طرح فیصلہ میں کسی کی طرف ذرا داری نہ کرو بلکہ خدا لگتی کہو۔ اللہ کے عہد و میثاق کو پورا کرو۔

ان چاروں ہدایتوں کا تعلق زیادہ تر اُن دنیوی معاملات سے ہے جن میں اکثر لوگوں سے لغزش ہوتی ہے۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی اُن احکام اور ہدایات کو اور آخرت میں اللہ کے سامنے حاضری اور حساب اور دلوں کی جزاسن کو یاد کرے اور یاد رکھے۔ اسی لیے ان چار ہدایتوں کے بعد فرمایا گیا ہے "ذَالِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ" مطلب یہ ہے

کہ تمہیں یہ ہدایتیں دی گئی ہیں۔ چاہیے کہ ان کو یاد رکھو، نصیحت حاصل کرو اور عمل کرو۔  
اس کے بعد آخر میں فرمایا گیلے

وَاِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا الْمَثَلِ  
فَتَعْرِقَ بِكُمْ عَنْ مَسْبِلِهِ ؕ ذَا لِكُمْ وَضْعُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اس کا تعلق اوپر کے پورے مضمون سے ہے مطلب یہ ہے کہ جو توبہ بنیادی ہدایتیں یہاں  
ایک خاص ترتیب کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی صراطِ مستقیم جو یہی اللہ تعالیٰ  
کی رضا اور نجات و فلاح کا راستہ ہے، اللہ کے سب پیغمبروں نے اپنی قوموں اور اُمتوں کو اسکی  
دعوت اور تعلیم دی تھی، تم بھی اس کی پیروی کرو۔ اس کے علاوہ جو دوسرے راستے اور طریقے  
بکمال لیے گئے ہیں وہ خدا کے مقرر کیے ہوئے راستے نہیں ہیں، ان پر چلو گے تو اللہ کی صراطِ  
مستقیم سے ہٹ جاؤ گے اور جو منزل مقصود ہے یعنی اللہ کی رضا اور نجات و فلاح اس سے  
محروم ہو جاؤ گے۔ آخر میں فرمایا گیا ہے ”ذَا لِكُمْ وَضْعُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ مطلب  
یہ ہے کہ اللہ نے اس صراطِ مستقیم کی وصیت اور نصیحت تم کو اس لیے کی ہے کہ اس پر چل کر تمہاری  
زندگی تھوڑے دانی ہو جائے اور پھر تم اس کے غضب اور عذاب سے بچ جاؤ اور اس کی رضا اور  
جنت پاؤ جو اس کے متقی بندوں کا حصہ اور نصیب ہے۔

ان آیتوں کے سلسلہ میں ایک وضاحت اور ضروری ہے۔ سلسلہ کلام ان الفاظ سے شروع ہوا  
”قُلْ تَعَالَوْا اَنْتُمْ وَاٰلُكُمْ عَلٰی سِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ“ (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو اؤ میں تمہیں  
سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے) ان الفاظ سے سمجھا جاتا ہے کہ آگے وہ چیزیں ذکر  
کی جائیں گی جنہیں اللہ نے بندوں کے لیے حرام قرار دیا ہے لیکن جو نو ہدایتیں اس کے بعد  
ذکر فرمائی گئی ہیں ان میں سے کچھ منفی ہیں اور کچھ مثبت ہیں، مثلاً فرمایا گیا شرک نہ کرو، اولاد کو  
قتل نہ کرو، فواحش کے پاس نہ جاؤ، کسی کو ناحق قتل نہ کرو، یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، یہ  
پانچ ہدایتیں منفی ہیں اور ممانعت کی صورت میں کی گئی ہیں جن سے معلوم ہو گیا کہ یہ پانچ  
باتیں حرام ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ باقی چار ہدایتیں ایجابی شکل میں دی گئی ہیں، یعنی چار  
کاموں کے کرنے کا حکم تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے والدین کے ساتھ حسن سلوک

کرد۔ ناپ تول پوری کرو، عدل و انصاف کی بات کرو، خدا کا عہد پورا کرو، — طرز بیان کے اس فرق میں خاص حکمت یہ ہے کہ جن پانچ چیزوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے ان میں شریعت کا اصل مقصد اور مطالبہ بھی ہے کہ یہ کام نہ کیے جائیں، اس لیے ان کے لیے ممانعت کا عنوان اختیار فرمایا گیا اور اس طرح ان کا حرام ہونا معلوم ہو گیا، اور جن چار باتوں کا مثبت انداز میں حکم دیا گیا ہے وہاں اصل مطلوب ان کاموں کا کرنا ہے۔ اگرچہ اسی مثبت حکم سے ان اعمال کی جانب مخالفت کی حرمت بھی معلوم ہو گئی، کیونکہ جس چیز کے بارے میں شریعت کا حکم ہو گا کہ یہ واجب و فرض ہے تو اس کی ضد اور جانب مخالفت کا حرام ہونا خود بخود معلوم ہو جائے گا، مثلاً والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے تو اس کا لازمی اور بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بدسلوکی اور ایذا رسانی حرام ہے، اسی طرح ناپ تول صحیح اور پوری کرنا فرض قرار دیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس میں بددیانتی اور کجی حرام ہو گئی، علیٰ ہذا عدل و انصاف کی بات کہنا اور عہد کا پورا کرنا جب فرض و واجب کر دیا گیا تو اس کی ضد اور جانب مخالفت یعنی بے انصافی اور بددیانتی اور عہد شکنی کی حرمت معلوم ہو گئی۔

یہ نو ہدایتیں جو سورہ انعام کی ان آیتوں میں دی گئی ہیں ان کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی وصیت فرمایا گیا ہے اور مکرر یہ کہ فرمایا گیا ہے ذٰلِکُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ "یہ تمہارے رب کی وصیت ہے، یہ تمہارے پروردگار کی وصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کو قرآن مجید کے علم میں خاص امتیاز حاصل تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے اس امتیاز کی توثیق فرمائی تھی تفسیر ابن کثیر میں ان کے بارہ میں روایت ذکر کی گئی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔

من اراد ان ينظر الى وصية	جو کوئی یہ چاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
رسول الله صلى الله عليه وسلم	وسلم کا وہ وصیت نامہ دیکھے جس پر آپ
التي عليها خاتمه خليفه هؤلاء	کی ہر گئی ہوئی ہے وہ سورہ انعام کی
الآيات "قل تعالوا امل ما حم"	یہ آیتیں پڑھے۔۔۔ قل تعالوا

(باقی صفحہ پر)

# نئی مطبوعات

عسکرائم (ہفتہ وار) ایڈیٹر عیش محمدی  
 ریشہ کلمے ادارت! ڈاکٹر محمد آصف قدوائی، حفیظ نعمانی، محسن عثمانی۔  
 سائز: ۲۰x۳۰ سالانہ چندہ پندرہ روپے، غیر مالک سے ایک پونڈ  
 پتہ: باغ گوئنگے نواب، امین آباد، لکھنؤ۔

باغ گوئنگے نواب لکھنؤ کی جس عمارت سے ۶۲ سالہ میں ہفتہ وار ندائے ملت طلوع ہوا تھا، اگست ۱۹۶۹ء سے یہی عمارت ہفتہ وار عزم کا مطلع بن گئی ہو۔ اور جو قلم ندائے ملت کی صورت گری کیا کرتے تھے وہ سب ایک نئے عزم اور نئے دلوں کے ساتھ اس نئے چراغ کو اپنا خون جگر دیتے نظر آ رہے ہیں۔  
 چھ مہینے سے کچھ اوپر اس نئے اخبار کی اشاعت کو ہو گئے ہیں۔ اور اتنی مدت کوئی قابلِ اعتماد رائے ظاہر کرنے کے لیے کم نہیں ہو۔ اب ملک کی اشاعتوں میں بہت کم ایسی ہوں گی جو یہ تاثر نہ دیتی ہوں کہ ایک بڑا وسیع اضافہ اور دو صحافت میں ہوا ہے۔ ملک کی سیاست سے گہری واقفیت ہم پہنچانے اور سیاسی نظریہ پر کرنے میں مسلمانوں کے کسی دوسرے اخبار کا نام مشکل ہی سے اس اخبار کے ساتھ لیا جاسکتا ہو۔ اور مسلمانوں میں سیاسی نظریہ پر ناوقت کی جیسی ضرورت ہو اُسے بیان کی حاجت نہیں۔ اس خاص موضوع کے علاوہ ملک کے اعلیٰ مفاد اور مسلمانوں کے نقطہ نظر سے حالات اور اُن کی رفتار پر بے لاگ تبصرے، بیرونی دنیا خصوصاً اسلامی دنیا کے جائزے اور متنوع معلومات کا وہ سب ہی سامان جس کی توقع ایک معیاری ہفتہ وار سے کرنی چاہیے عزم کے صفحات میں بڑے سلیقے اور قریب سے ملتا ہے۔

امید ہے کہ مسلم صحافت میں معیار اور دیدہ وری کی جستجو کرنے والوں کی سرپرستی سے یہ اخبار محروم نہیں رہے گا اور جس فائدہ مستی کے ساتھ محض عزم کے بنی پر چند دیوانوں نے یہ قدم اٹھایا ہو انھیں ناقدی کا شاک نہیں ہونا پڑے گا۔



پشکوان کے  
عمدہ تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میں برائڈ  
صاف کیا ہوا مونگ بھلی کا تیل  
۳۰۲.۱ رو ۵۵۵ کلو

عمدہ وناستی  
۳۰۲.۰ رو ۱۶۵ کلو

ستلوا، ستل کا تیل  
۳۰۲ رو ۵۵۵ کلو

ہیٹلڈ غالص ناریل کا تیل  
۳۰۶ رو ۱۶۵ کلو

کوکو جار

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل

۳۰۶ رو ۵۵۵ کلو

امی سلاڈ تیل

۳۰۶ رو ۵۵۵ کلو

اسمڈ میلز، بیسی

دالہ/سسا  
Osmania University Library,  
HYDERABAD 7. (A.P.)

# افسانہ گوشت لکھنؤ

مکتبہ

عیتق البرہن بن بھائی



# نگاہِ اوّل

محمد منظر نعمانی

حدیث کی کتابوں میں ایک باب ہوتا ہے باب تَغْيِيرِ النَّاسِ "اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جن میں آپ نے امت کو اس سے خبر دلوا کیا ہے کہ بعد کے زمانہ میں تمہارے اعتقادات، رجحانات اور اعمال و اخلاق اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بہت تبدیلیاں آئیں گی۔ اور وہ بہت بڑی تبدیلیاں ہوں گی۔ ان احادیث کا اصل مقصد و مدعا یہ ہے کہ اللہ کے بندے ہوشیار اور چرکتے رہیں اور ان تبدیلیوں سے اپنی حفاظت اور بچاؤ کی فکر کرتے رہیں۔ اسی لیے امت کے مصلحین اور محافظین بھی ہریشہ مسلمانوں کو یہ حدیثیں یاد دلاتے رہے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق وہ تبدیلیاں اتنی تھیں کہ ان میں اور ان کا سلسلہ برابر جاری ہو۔ اس کا سب سے زیادہ احساس اُن لوگوں کو ہوا اور سب سے زیادہ انھیں کا دل دریا جنہوں نے اہل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے فیض یافتہ صحابہ کرام خاص کر اہل بیت کو دیکھا تھا اور پھر بعد کے مسلمانوں کو بھی دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور خدام حضرت انس رضی اللہ عنہ جو ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حضور کے بعد طویل عمر پائی اور پہلی صدی کے آخری حصہ تک اس دنیا میں رہے۔ وہ اپنے دور کے مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے۔

لو ان س جلا اذ ساك السلف	اگر کوئی ایسا آدمی جس نے امت کے سابقین اور لوگوں کو
الاول ثم بعث اليوم ما عرف	پایا اور دیکھا تھا، آج اپنی قبر سے اٹھا کر تمہارا اس
من الاسلام شيئاً... الا هذه	دنیا میں سمجھا جائے تو اسلامی زندگی کی خصوصیات میں
الصلاة	اس نماز کے سوا کچھ بھی نہ پہچانے گا۔ کیونکہ باقی سب

چیزوں میں فرق پڑ چکا ہے)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دوسرے مشہور صحابی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ جنہوں نے

آٹھویں شام میں سکونت اختیار فرمائی تھی اپنے علاقہ کے اُن مسلمانوں سے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار کو نہیں پایا تھا، فرمایا کرتے تھے۔

لو خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم  
عليكم ما عرفت شيئاً مما كان عليه  
هو واصحابه الا الصلوة  
اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں شریعت میں  
اور تمہارا حال دیکھیں، تو حیران حال میں آپ کو آپ کے  
اصحاب سے کچھ بھی نماز کے سوا نہ پہچانیں گے۔

پھر دوسری صدی ہجری میں اسی علاقہ شام کے محدث و فقیہ امام اوزاعیؒ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ  
کا یہ وہ بھرا مقول اپنے زمانہ کے لوگوں کے سامنے نقل کر کے فرمایا کرتے تھے۔

فكيف لو كان اليوم  
دیکھتے، تو ان کے احساس کا کیا حال ہوتا —  
اگر ابوالدرداء آج ہوتے، تو اس وقت کی حالت

پھر امام اوزاعیؒ کے شاگرد عیسیٰ بن یونس جب اپنے حلقہ میں امام اوزاعیؒ سے یہ دعابت نقل کرتے تو  
حسرت کے ساتھ فرماتے:۔

فكيف لو ادرك الا وذا عي هذا  
الزمان  
اگر ہمارے شیخ اوزاعی ہمارے اس زمانہ کو دیکھتے  
تو ان کا احساس کیا ہوتا!

عہد نبویؐ کے بعد پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جس تیز رفتاری سے عام مسلمانوں کی دینی زندگی میں تغیر و  
اعطاط ہو رہا تھا، اُس کا کچھ اندازہ حضرت انسؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، امام اوزاعیؒ اور اُن کے شاگرد عیسیٰ بن یونسؒ کے  
ان دروہرے کلمات سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد سے اب تک ۱۲ صدیاں گزر چکی ہیں اور تغیر و اعطاط  
کا یہ عمل برابر جاری ہے، لیکن اسی کے ساتھ امت کے مصلحین و مجددین اور علمائے ربانین جو دین کی امانت کے  
امین و محافظ ہیں قرن اول سے اب تک اپنے اپنے دائروں میں برابر اس کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے جو صراطِ مستقیم مقرر فرما گئے تھے اور زندگی کا جو لائحہ عمل اور دستور لگائے تھے  
مسلمان اُس پر ثابت و قائم رہیں۔ امت محمدیہؐ میں جس درجہ میں بھی دین سے تعلق، علم و عمل اور آخرت کی  
فکر ہم آج بھی دیکھ لیں، یہ عالم مرآب میں سب اُن ہی وارثانِ انبیاءؑ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر دور کے مصلحین و مجددین وہ علمائے ربانی تھے جنہوں نے علم نبویؐ کی میراث کو  
اُس کے شرائط و لوازم کے ساتھ اپنے اوپر کے طبقہ سے حاصل کیا تھا اور اپنے ظاہر و باطن کو اسی کے رنگ میں رنگ

لیا تھا۔ اس تعلیم و تعلم اور افادہ و استفادہ کے طریقے اور اس کے وسائل زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ بدلتے رہے۔ لیکن اصل حقیقت کا تسلسل اور تواتر، قریب یکساں رہا۔ یہاں تک کہ اب سے کچھ اوپر ایک صدی پہلے ہمارے ملک میں علم نبویؐ کے اس تسلسل اور تواتر کو برقرار رکھنے ہی کے لیے دینی مدارس کا وہ نظام شروع ہوا جو ہمارے سامنے ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے اس دور کے علمائے دین صد فی صد اسی کی پیداوار ہیں اور بظاہر دیکھ کر نبویؐ کے اس تواتر و تسلسل کا اب ان مدارس ہی پر انحصار ہے۔ لیکن تغیر و انحراف کے عمل نے خود ان کو کہاں پہنچا دیا ہے؟ اور دین کو اور دین والی اُمت کو جس طرح کے علمائے ربانی اور دانشور ایسا کی ضرورت ہے، ان کی پیداوار کا اب ان مدارس میں کیا تناسب ہے؟ اور ان کے حال کو دیکھ کر متعجب کے بارے میں ان سے کیا امید کی جا سکتی ہے؟۔ یہ وہ سوالات ہیں جن پر ہمارے ان مدارس کے ذمہ داروں، اساتذہ اور منتظمین کو دوسرے تمام مسائل سے زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

راقم سطحوں کی طر قمری حساب سے پچھٹھ سے متجاوز ہو چکی ہے۔ پچاس سال سے اس عاجز کا ان مدارس سے فکری تعلق ہے۔ میں تو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور ہر واقعہ جانتا ہے کہ ہمارے اکثر مدارس خاص کر بڑے اور مرکزی مدارس میں اگرچہ اس مدت میں بظاہر بڑی ترقیاں ہوئی ہیں۔ لاکھوں کی لاگت سے تیار کرنے والی شاندار عمارتوں کا اضافہ ہوا ہے۔ اساتذہ اور طلباء کی تعداد بھی دو گنی چو گنی ہو گئی ہے۔ اسی تناسب پر ہر سال کے فارغین کے شمار میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ بحث بھی اتنا آگے بڑھ گیا ہے جس کا ان مدارس کے قائم کرنے والے ہمارے اساتذہ کو وہم و گمان بھی نہ ہو گا (مثالی کے طور پر صرف دارالعلوم دیوبند کے بارے میں عرض کر رہا ہوں کہ میرے زمانہ طلباء علمی میں اس کا بجٹ ایک لاکھ سے کم رہتا تھا۔ اب سو لاکھ سے متجاوز ہو چکا ہے) اور بلاشبہ ایک لحاظ سے یہ ترقیاں قابلِ شکر اور لائقِ فخر ہیں۔ لیکن ہر حساب بصیرت اور واقعہ حالی دیکھ کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ جس نسبت سے یہ عددی اور ادائی و ظاہری ترقیاں ہوئی ہیں اُس سے بھی بڑی نسبت سے ان کی روح میں انحطاط ہوا ہے۔ **حالی اللہ المشکلی۔**

## کِتَابُ الْمَعَاشِقَةِ وَالْمَعَامَلَاتِ

## مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

(مُسْتَسْلَس)

## ہمسایوں کے حقوق

انسان کا اپنے اہل باب، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے اور اس کی خوشگواہی اور ناخوشگواہی کا زندگی کے عین سکون پر اور اخلاق کے بناء و بناؤ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و ہدایت میں ہمسائی اور پڑوسی کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام و رعایت کا بڑی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ اس کو جزو ایمان اور داخلہ جنت کی شرط اور اللہ و رسول کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھئے!۔

پڑوسی کے بارہ میں حضرت جبریل کی مسلسل وصیت اور تاکید:-

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورَثُنِي

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابی عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے خاص قاصد، جبریل پڑوسی کے حق کے بارہ میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اسکو

دارث قرار دیں گے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ اکرام و رعایت کا رویہ رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل مصلیٰ ایسے تاکیدیں احکام لاتے رہے کہ مجھے خیال ہو کہ شاید اس کو دارث بھی بنا دیا جائے گا، یعنی حکم آجائے گا کہ کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ، اُس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے دارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد بصرت ایک واقعہ کا بیان نہیں، بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کے لیے یہ ایک نہایت مؤثر اور طبع ترین عنوان ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ اللہ و رسول کی محبت کی شرط اور اس کا معیار:-

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي قُرَادٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَعَمِلَ أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلَى هَذَا؟ قَالُوا حُبُّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ يُحِبَّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَلْيَصْدُقْ حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا أُمِّنَ وَلْيُعْسِرْ جَوَارَ مَنْ جَاوَزَ.

رواہ ابیہنقی فی شعب الایمان

عبدالرحمن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہ آپ کے وضو کا استعمال پانی لے لے کر اپنے پرٹنے لگے حضور نے اُن سے فرمایا کہ تمہارے لیے اس کا کیا باعث اور محرک ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ بس اللہ و رسول کی محبت!۔۔۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی یہ خوشی اور پیامت ہو کہ اس کو اللہ و رسول کی محبت نصیب ہو یا کہ اس سے اللہ و رسول کو محبت ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے۔ بات کہ توجہ دے، جب کوئی امانت اُس کے سپرد کی جائے تو امانت داری کے ساتھ اس کو ادا کرے۔ اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے۔

(شعب الایمان للبیهقی)

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ لازمہ ایمان :-

عَنْ أَبِي شَرِيْحٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَوْنَايَ وَابْصَرْتُ عَيْنَايَ جِئْتُ  
تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللّٰهِ وَ  
الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا  
اَوْ لِيَصْمُتْ

رداء البخاری و سلم

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا اور جب وقت آپ یہ فرما رہے تھے اُس  
وقت میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ  
اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُس کے لیے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام  
کا معاملہ کرے، اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ اپنے  
ہمان کا اکرام کرے، اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ  
اچھی بات بولے یا بچر چپ رہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

[یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔]

وہ آدمی مومن اور جنتی نہیں جسکے پڑوسی اُس سے مامون اور بخوف نہ ہوں :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ قِيلَ مَنْ يَا  
رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارَهُ بَوَائِقِهِ۔

رداء البخاری و سلم



بائے بغیر جنت میں نہ جاسکے گا۔

(تشریح) ان دو حدیثوں سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت میں ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تائید اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کے لیے آخری تعبیر ہی ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والا مومن نہیں، یا یہ کہ وہ جنت میں نہ جاسکے گا۔ انیس ہے کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی اور درسی حلقوں میں اب کلامی بحثوں اور علمی موٹو گانیوں کا موضوع بن کر رہ گئی ہیں، شاذ و نادر ہی اللہ کے مہذب بندے ہوں گے جو یہ حدیثیں پڑھ کر اور سن کر زندگی کے اس شعبہ کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائیں گا۔ حضور کے ان ارشادات کا مقصد و مدعا یہی ہے۔ یہ حدیثیں پڑھنے اور سننے کے بعد بھی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ کو بہتر اور خوش گوار بنانے کی فکر نہ کرنا بلاشبہ بڑی ثقافت اور بدعتی کی نشانی ہے۔

اسی سلسلہ معارف الحدیث کی پہلی جلد کتاب الاایمان میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ اس طرح کی حدیثیں جن میں کسی علمی یا احسناتی تفسیر اور کوتاہی کی بنا پر ایمان کی نفی کی گئی ہے یا جنت میں نہ جاسکنے کی وعید دی گئی ہے ان کا مدعا اور مطلب کیا ہوتا ہے اور شریعت میں ایسے لوگوں کا حکم کیا ہے۔

وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کے سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمَّنَ رَجُلٌ مِنْ بَنَاتِ شَبْعَانَ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهِ۔

رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (اور وہ میری جماعت میں نہیں ہے) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو اپنے ملکر رہے سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔ (مسند بزار و معجم کبیر للطبرانی)



رہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں امام بخاری نے اوسا فقرہ میں اور یہ بھی نے  
 شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور حاکم نے مستدرک میں ان کے  
 علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کیا ہے۔

(ف) انوس ہم مسلمانوں کے طرز عمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات میں اتنا  
 بعد از فاعلہ ہو گیا ہے کہ کسی نادانف کو اس بات کا یقین کرنا مشکل ہے کہ تعلیم اور ہدایت مسلمانوں کے  
 پیغمبر کی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں اعلان فرمادیا ہے کہ جو شخص  
 اپنے پڑوسیوں کے بھوک پیاس کے مسکوں اور اسی طرح کی دوسری ضرورتوں سے بے فکر اور بے نیاز  
 ہو کر زندگی گزارے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا اور اس نے میری بات بالکل نہیں مانی اور وہ میرا  
 نہیں ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان تمام حدیثوں میں مسلم اور غیر مسلم پڑوسی کی کوئی  
 تخصیص نہیں کی گئی ہے، بلکہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ یہ سارے حقوق  
 غیر مسلم پڑوسیوں کے بھی ہیں۔

## ہمسائیگی کے بعض متعین حقوق :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے بعض متعین حقوق کی نشان دہی بھی فرمائی ہے  
 ان سے اس باب میں شریعت کا اصولی نقطہ نظر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ حَبِشَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ حَقُّ الْجَارِ أَنْ مَرَضَ عُدَّتُهُ وَإِنْ مَاتَ شَيْعَتُهُ وَإِنْ  
 اسْتَقْرَضَكَ أَخْرَضْتَهُ وَإِنْ أَعْوَرَ سَتَرْتَهُ وَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ  
 هَنَأْتَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ عَزَّيْتَهُ وَلَا تَرْفَعُ بِنَاكَ  
 فَوْقَ بِنَاكِ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيحَ وَلَا تَوْذِيهِ بِرِيحٍ قَدْ رَكَ إِلَّا  
 أَنْ تَعْرِفَ لَهُ مِنْهُ ۖ رواه الطبرانی في الكبير

معاذ بن حبیبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ارشاد فرمایا، پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور

خبر گیری کرو، اور اگر انتقال کر جائے تو اُس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ (اور دفن کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کے لیے) قرض مانگے تو (بشرط استطاعت) اس کو قرض دو، اور اگر وہ کوئی بُرا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو اور اگر اُسے کوئی نعمت ملے تو اُس کو مبارکباد دو، اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو۔ اور اپنی عمارت اُس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اُس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور (جب تمھارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ تمھاری ہانڈی کی ہمک اُس کے لیے زور اُس کے بچوں کے لیے) باعثِ ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی ہمک اُس کے گھر تک نہ جائے) الا یہ کہ اُس میں سے بخور اُسا کچھ اُس کے گھر ہی بھیج دو (اس صورت میں کھانے کی ہمک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں) (معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) اس حدیث میں ہمایوں کے جو متین حقوق بیان کیے گئے ہیں ان میں سے آخری دو خاص طور سے قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اُس کا لحاظ رکھو اور اس کی دیواریں اس طرح نہ اٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اور دوسرے یہ کہ گھر میں جب کوئی اچھی مرغوب چیز پکے تو اس کو نہ بھولو کہ ہانڈی کی ہمک پڑوسی کے گھر تک جائے گی، اور اُس کے یا اُس کے بچوں کے دل میں اُس کی طلب اور طمع پیدا ہوگی جو ان کے لیے باعثِ ایذا ہوگی، اس لیے یا تو اپنے پر لازم کرو کہ اُس کھانے میں سے کچھ تم پڑوسی کے گھر بھیج دو گے یا پھر اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی ہمک پڑوسی کے گھر تک نہ جائے جو ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔ بول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو ہدایتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بائے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ نے ضروری قرار دیا ہے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابن عدی نے "کامل" میں اور حنبل نے "مکرم الاخلاق" میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے بھی روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے۔

وَاِنْ اَشْتَرَيْتَ فَاَكْهَفَةً فَاهْدِلْہَا  
فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَادْخُلْہَا سِرًّا  
اور اگر تم کوئی بھین بھلا خرید کر لاؤ تو اس  
میں سے پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو، اور

وَلَا يَخْرُجُ بِهَا وَكَذَلِكَ لِيُحْيِيَ بَيْنَهُمَا  
وَلَدُهُ  
اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کے لاؤ کہ پڑوس  
دالوں کو خبر نہ ہو اور اس کی بھی احتیاط کر دو کہ  
تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لے کر گھر سے باہر نہ نکلے  
کہ پڑوسی کے بچے کے دل میں اُسے دیکھ کے طعن

پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ اُمت کو توفیق دے کہ وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایتوں کی قدر و قیمت کو  
سمجھیں اور اپنی زندگی کا معمول بنا کر ان کی بیش بہا برکات کا دُنیا ہی میں تجربہ کریں۔  
عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذَا طَبَخَ أَحَدُكُمْ قِدْرًا فَلْيَكْثِرْ مَرْقَمَهَا شَرًّا لِّبَنَائِلِ جَارِهِ  
مِنْهَا۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد  
فرمایا جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اُسے چاہیے کہ شور بہ زیادہ  
کرے، پھر اُس میں سے کچھ پڑوسی کو بھی بھیج دے۔ (معجم اوسط للطبرانی)  
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت قریب قریب ان ہی الفاظ میں جامع ترمذی  
وغیرہ میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔)

پڑوسی کی تین قسمیں، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے:-

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيْرَانُ ثَلَاثَةٌ  
فَجَارُهُ حَقٌّ وَاحِدٌ وَهُوَ أَدْنَى الْحَيْرَانِ حَقًّا وَجَارُ لَهُ حَقَّانِ وَجَارُ  
لَهُ ثَلَاثَةُ حُقُوقٍ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ حَقٌّ وَاحِدٌ فَجَارُ مُشْرِكٍ لَا رَحْمَ  
لَهُ، لَهُ حَقُّ الْجَوَارِ، وَأَمَّا الَّذِي لَهُ حَقَّانِ فَجَارُ مُسْلِمٍ لَهُ حَقُّ الْإِسْلَامِ  
وَحَقُّ الْجَوَارِ، وَأَمَّا الَّذِي لَهُ ثَلَاثَةُ حُقُوقٍ فَجَارُ مُسْلِمٍ دُونَ رَحِمِ  
لَهُ حَقُّ الْإِسْلَامِ وَحَقُّ الْجَوَارِ وَحَقُّ الرَّحِمِ

رواہ البزار فی المسند وابو نعیم فی الحلیہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پڑوسی تین قسم کے اور تین درجے کے ہوتے ہیں، ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو، اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے، اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہوں، اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہوں تو ایک حق والا وہ شرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو (تو اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے) اور دو حق والا وہ پڑوسی ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم (یعنی دینی بھائی) بھی ہو، اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوگا اور دوسرا پڑوسی ہونے کی وجہ سے، اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی بھی ہو، اور مسلم بھی ہو اور رشتہ داری بھی ہو، تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا، دوسرا حق پڑوسی ہونے کا اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔ (منہ بزار، حلیہ ابی نعیم)

اس حدیث میں صراحت اور وضاحت فرمادی گئی ہے کہ پڑوسیوں کے جو حقوق قرآن و تشریح حدیث میں بیان فرمائے گئے اور ان کے اکرام اور رعایت و حسن سلوک کی جو تاکید فرمائی گئی ہیں ان میں غیر مسلم پڑوسی بھی شامل ہیں اور ان کے بھی وہ سب حقوق ہیں — صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے یہی سمجھا تھا۔ جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھر بکری بیچ ہوئی وہ تشریف لائے تو انھوں نے گھر والوں سے کہا

أَهْدَيْتُمْ لِحِبَارِنَا الْيَهُودِيَّ أَهْدَيْتُمْ  
لِحِبَارِنَا الْيَهُودِيَّ؟ مِمَّ عُنْتُ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ  
مَا ذَاكَ حَبْرَيْتُكَ يُؤْصِيَنِي بِالْحِبَارِ  
حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّكَ سَيُؤْتِيَنِي  
تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لیے  
بھی گوشت کا پیڑ بھینجا؟ تم لوگوں نے  
ہمارے یہودی پڑوسی کے لیے بھی بھینجا، میں  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ  
فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک  
کے بارہ میں مجھے حیرت مل (اللہ تعالیٰ کی  
طرح سے) برابر دیت اور تاکید کرتے

ہے۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ کچھ  
دارش بھی قرائت دیں گے۔

انوس ہے کہ عہد نبویؐ سے جتنا بعد ہوتا گیا اُمت آپؐ کی تعلیمات اور ہدایات سے اسی قدر دور  
ہوتی چلی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے بارے میں جو وصیت اور تاکید اُمت  
کو فرمائی تھی اگر صحابہ کرام کے بعد بھی اس پر اُمت کا عمل رہا ہوتا تو یقیناً آج دنیا کا نقشہ کچھ او  
ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کی  
قدر و قیمت سمجھیں اور اس کو اپنا دستور العمل بنائیں۔

**تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پڑوسی کا حق ہے:-**

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات یہاں تک  
درج ہوئے اُن کا زیادہ تر تعلق زندگی کے معاملات میں اُن کے ساتھ اکرام و رعایت کے برتاؤ اور  
حُسن سلوک سے تھا۔ آخر میں آپؐ کا ایک وہ ارشاد بھی پڑھیے جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ  
اگر کسی کے پڑوس میں بیچارے ایسے لوگ رہتے ہوں جو دینی تعلیم و تربیت اور اپنی علمی اور اخلاقی  
حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اُن کی تعلیم و تربیت اور اُن کے  
سُرخار و اصلاح کی فکر و کوشش کریں، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو مجرم اور سزا کے مستحق  
ہوں گے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ابْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا  
يُفْقَهُونَ حَيْرَانَهُمْ وَلَا يَعْلَمُونَهُمْ وَلَا يَعْطُونَهُمْ وَلَا يَأْمُرُونَهُمْ وَلَا  
يَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يَعْلَمُونَ مِنْ حَيْرَانَهُمْ وَلَا يَفْقَهُونَ  
وَلَا يَعْطُونَ وَاللَّهِ لَيَعْلَنَّ قَوْمٌ حَيْرَانَهُمْ وَيَفْقَهُونَهُمْ وَيَعْطُونَهُمْ  
وَيَأْمُرُونَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَعْلَمَنَّ قَوْمٌ مِنْ حَيْرَانِهِمْ وَيَفْقَهُونَ وَ  
يَعْطُونَ أَوْ لَا عَاجِلَتَهُمْ بِالْعُقُوبَةِ فِي الدُّنْيَا

رداء ابن راھویہ والبخاری فی الوجدان وابن السکین ابن مندہ

علیقہ بن عبد الرحمن بن ابزی نے اپنے والد عبد الرحمن کے واسطے سے اپنے دادا ابزی  
خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن  
(اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا، کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو اور کیا حال ہے  
اُن کا (جنہیں اللہ نے علم و تفقہ کی دولت سے نوازا ہے اور اُن کے پُر دس میں ایسے  
پہماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اُس کی سمجھ بوجھ نہیں ہے) وہ اپنے ان  
پُر دسیوں کو دین سکھانے اور اُن میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے  
ہیں، نہ اُن کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا  
کرتے ہیں۔ اور کیا ہو گیا ہے ان بے علم اور پہماندہ لوگوں کو کہ وہ اپنے پُر دسیوں سے  
دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی تسکیر نہیں کرتے، نہ ان سے نصیحت لیتے  
ہیں۔۔۔۔۔ خدا کی قسم! (دین کا علم اور اُس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ  
وہ اپنے (نادانگہ اور پہماندہ) پُر دسیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ اُن میں  
پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وعظ و نصیحت (کے ذریعہ ان کی اصلاح) کریں اور انہیں  
نیک کاموں کی تائید اور بُرے کاموں سے منع کریں۔۔۔۔۔ اور اسی طرح ان کے نادانگہ  
اور پہماندہ پُر دسیوں کو چاہیے کہ وہ خود طالب بن کر اپنے پُر دسیوں سے دین کا علم و فہم  
حاصل کریں اور ان سے نصیحت لیں۔۔۔۔۔ یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا اپنا فرض  
ادا نہیں کریں گے) تو میں ان کو دُنیا ہی میں سخت سزا دلاؤں گا۔

(مسند اسحاق بن راھویہ، کتاب الوجدان للبخاری، مصنف ابن السکین، ابن مندہ)

(تشریح) یہ حدیث کنز العمال جلد پنجم میں "حق الجار" کے زیر عنوان اسی طرح مذکور ہے جس طرح  
یہاں درج کی گئی ہے۔ لیکن دوسری جگہ اسی کنز العمال میں حضور کا یہی خطاب  
قریب قریب انہی الفاظ میں اس اضافہ کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا  
روئے سخن اس خطاب میں ابو موسیٰ اشعری اور ابوالکاشم اشعری کی قوم اشعریین کی طرف تھا، اِس  
قوم کے افراد عام طور سے دین کے علم اور تفقہ سے بہرہ مند تھے۔ لیکن ان ہی کے علاقہ میں اور

ان کے پڑوس میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جو اس لحاظ سے بہت پسماندہ تھے، نہ ان کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور نہ خود ان میں اس کی طلب اور فکر تھی۔ اس لحاظ سے یہ دونوں طبقے تصور وار تھے، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق ان کو نامزد کیے بغیر اپنے اس خطاب میں ان دونوں پر عتاب فرمایا تھا، اس روایت میں آگے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب اشعریین کو یہ معلوم ہوا کہ اس خطاب میں حضور کے عتاب کا روئے سخن ہماری طرف تھا تو ان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے حضور سے یہ وعدہ کیا کہ ہم انشاء اللہ ایک سال کے اندر اندر ان آبادیوں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر علاقہ کے ان لوگوں کو جو دین کا علم نہ رکھتے تھے ان کا ذمہ دار قرار دیا کہ وہ اپنے اس پڑوس کے نادانوں کو دین کی تعلیم دیں اور تبلیغ اور اصلاح نصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں، اور اسی طرح نادانوں کو ان کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے اہل علم اور اہل دین سے تعلیم اور تربیت و اصلاح کا رابطہ رکھیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو اُمت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور اللہ و رسول سے وہ بے تعلقی نہ ہوتی جس میں اُمت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے۔ بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اصلاحی اور تنبیہی کارنامہ یہی ہے کہ اُمت میں تعلیم اور تعلم کے اس عمومی غیر رسمی نظام کو بھر سے جاری اور قائم کیا جائے جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے جن کو اس کی توفیق ملے۔

اعلیٰ کاغذ پر آئٹ کی دیدہ زیب طباعت

اختری بہشتی زیور عکسی (مع جدید جواشی)

جس میں وسیع انداز میں ایک جامع کے تحت فقہ و فتاویٰ سے مراد اور جواشی کا کافی ثانی امنا ذکر کیا ہوا ایک علاحدہ نظر ثانی صورت و اشکات کے تحت اصناف و ترجیح و راجع بعض مسائل کے تحت مناسبت و اشکات، اس کے علاوہ اور بہت سے ضروری امور کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ قیمت دو جلدوں میں ۱۶/-

کتاب خانہ الفتن، پکھری روڈ، لکھنؤ

# اُرشاداتِ حکیمِ الامتِ حضرت مولانا تھانویؒ

## علما، طلباء، اربابِ اہتمام اور اصحابِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ

تلخیص — از مولانا نسیم احمد فریدی امر وہی

== قسط (۸) ==

فرمایا کہ ایک مولوی صاحب جو اچھے مناظر اور اچھے عالم ہیں لیکن لباس اکثر انگریزی ٹاپنٹے ہیں۔ اُن کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ اب میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ جو کپڑے اس قسم کے میرے پاس ہیں اُن کے علاوہ ان جیسے اور نہیں بناؤں گا اور مجھے نصیحت فرمائیے۔ میں نے لکھا ہے کہ اگر کچھ لکھنا بھی تو یہی لکھتا ہوں تم نے تہیہ کر لیا ہے۔ فرمایا آگے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ اس پر میں نے اُن کو لکھا ہے کہ ناراض تو نہیں ہوں۔ ہاں زیادہ راضی ہونے کو جی نہیں چاہتا ہے اب الحمد للہ تم نے زیادہ راضی ہونے کے اسباب شروع کر دیے ہیں۔

فرمایا کہ۔ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ نے تہودنٹ ذبح فرمائے تہہ لیسٹھ تو اپنے دست مبارک سے، باقی حضرت علیؓ کے دست مبارک سے ذبح ہوئے تو اُس وقت اونٹوں کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک بڑھ بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتا تھا کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ذبح فرمائیں۔ اس موقع پر بعض بزرگوں نے دامیر



خسر و کلا یہ شعر لکھا جو جس کے لیے اس جگہ سے بہتر دوسری جگہ چہاں ہونے کا کوئی موقع نہیں ہے۔  
 ہمد آہواں نسر اسر خود نہادہ بر کف ..... بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد  
 دمعہی جنگل کے تمام بہن فراق و شوق کے ساتھ اس امید پر اپنے سر تیلیوں پر رکھے ہوئے ہیں کہ آپ  
 کسی روز شکار کو اکٹیں گے۔

فرمایا کہ مولوی سلیمان صاحب دہلوی اردی مرحوم، ایک مرتبہ وعظ کہہ رہے تھے مشنوی ابھی  
 پڑھتے تھے۔ بڑے خوش طبع تھے۔ .... کہ آواز ابھی تھی۔ مجلس وعظ میں .... علماء سے مخاطب  
 ہو کر انھوں نے کہا کہ تم لوگ اتنی دیر سے بیٹھے ہو تمہارا کوئی آنسو کبھی ٹپکا ہو اگر یہاں صوفیہ کا  
 مجمع ہوتا تو وہ اب تک کتنی مرتبہ روتے۔ .... اس پر حضرت حکیم الامتہ نے ارشاد فرمایا کہ  
 واقعی نرم مولویوں کا تول بھی نہیں روتا۔

فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے ذہنی حدیث میں حضرت اُبی بن کعب  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب سے فرمایا  
 کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کہ سورہ لم یکن تمہیں سناؤں تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا  
 اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہو؟ فرمایا ہاں تمہارا نام لیا ہو تو اس پر آپ (حضرت اُبی بن کعب رضی  
 اللہ عنہ) نے لگے۔ ایک طالب علم نے حضرت مولانا سے کہا کہ یہ تو خوشی کی بات تھی رونے کی کیا بات  
 ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ جانتا تو کیا جانے کیسی خوشی کیسا رنج ہوتا ہو۔ ہمارے حضرت حاجی  
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر شرح فرمائی ہو کہ رونا کبھی خوشی سے ہوتا ہو کبھی رنج  
 سے کبھی گرم بازار کی عشق سے ہوتا ہو۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونے کی  
 حقیقت، حضرت کے ارشاد سے بخوبی واضح ہو گئی میں اور آسان کہ کے کہتا ہوں کہ محبت  
 کے جوش میں بھی رونا آتا ہو۔

فرمایا کہ۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب کسی مضمون پر تقریر فرماتے  
 اور کوئی شبہ پیش کرتا تو فرماتے کہ یہ مدرسہ نہیں ہو۔ یہ کام کرنے کے ہیں کہ کے دیکھو حضرت حاجی  
 صاحب کا یہ ارشاد نقل کر کے فرمایا کہ مدرسین کو قیل و قال کی عادت ہوتی ہو اور عارفین کو  
 اس سے انقباض ہوتا ہو جو کام میں مشغول ہوتا ہو اس پر حقیقت، منکشف ہو جاتی ہے۔

عارفین کی حالت عوام کی طرح نہیں ہوتی اُن کو اطمینان ہوتا رہا چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں حقائق میں تردد نہ تھا اس لیے سوال و جواب سے تنگ ہوتے تھے۔ جیسے اگر کوئی کسی سے کہے کہ آفتاب نکل آیا اب بجائے اس کے کہ وہ اُس کا منہ ہو اُس سے مباحثہ شروع کر دے تو اُس کو کس قدر ناگوار ہوگا.....۔۔۔۔۔

فرمایا کہ۔ خدا کے سوا کسی پر نظر کیوں رکھی جائے، اسی واسطے قرآن مجید میں، فرمایا گیا ہو۔ وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالدَّرَجٰتِ۔ (زمین و آسمان کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں)۔۔۔۔۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے کچھ اذکار تعلیم فرمادیجئے جس سے میری اصلاح ہو جائے فرمایا اصلاح تو معالجاتِ نفس سے ہوتی ہو۔ اذکار تو مثل مفرحات و مقویات کے ہوتے ہیں جس طرح مقویات و مفرحات کے نسخے تو کتابوں میں دیکھ کر بھی بنا سکتا ہو مگر طبیب کی ضرورت ہو پرتی ہو تو وہ معالجات کے اندر پڑتی ہو۔ جیسے سرخ، مسکتہ اور نفیس وغیرہ (کا علاج)۔۔۔۔۔ اور اوراد و اشغال تو کتابوں میں بھی درج ہیں مگر شیخ کی جو ضرورت پڑتی ہو تو وہ معالجاتِ نفس کے اندر پڑتی ہو۔ جیسے تکبر، حسد، کینہ، ریا وغیرہ وغیرہ کا علاج کہ اس کے لیے اہر طیب، روحانی کی شدید ضرورت ہو معالجاتِ نفس بھی گو بعض کتابوں میں درج ہیں مگر اُن سے بغیر کسی کامل کی رہنمائی اور تلقین کے کام نہیں چل سکتا۔۔۔۔۔ رہو و ظائف تو وہ اُس پر راتیں شاق نہیں گزرتے وہ تو ایک تھوڑے سے وقت میں.... بیٹھ کر پورے کر لیتا ہو۔ اب اگر کسی کے اندر عجب و ریا کامرض ہو تو کیا وہ نفس و ظیفوں سے چلا جائے گا۔ و ظائف تو بعض تقویت و برکت کے لیے ہیں۔ اگر کوئی سرمایہ ذیقِ النفس کا مرئیض، حکیم سے کہے کہ حضور مجھے تو خمیرہ کا دُرُبانِ عنبری لکھ دیجئے تو اُس سے یہی تو کہا جائے گا کہ بھائی تجھ کو امرائش سے شفا ہو جائے گی تو اس وقت دماغ کے لیے دیں گے ابھی اس کا وقت نہیں ہو۔۔۔۔۔

فرمایا کہ۔ بعض لوگ مولویوں سے کہتے ہیں کہ ”ہندوستان میں سودِ حلال کرو کیونکہ گواہام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہو سکتا ہے امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ حرمی سے سود لینے کے بوازیں ہو۔ امام ابویوسفؒ کا قول کوئی جہت بھی نہیں۔“ میں کہہ کر تاجوں جیہاں آپ کو امام صاحبؒ

کے تمام قولوں میں ہی ایک قول پسند آیا جو۔ امام صاحب کا قول نماز میں 'روزے میں' داڑھی میں  
تخت نہیں ہو بس سود میں حجت ہو۔

فرمایا کہ۔ جس شخص سے تعلیم ذکر و شغل کا تعلق ہو اُس سے ایسے مسائل فقہیہ نہ دریافت  
کے جن میں قیل و قال ہو۔ اس طریق میں یہ قیل و قال بہت مُضر ہو۔ اُغنیاء (بے وقوفوں) کو  
کون سمجھائے؟ یہ ذوقی امر ہو میں تو ایسی باتیں اُنھیں کی مصلحت سے کہتا ہوں۔ (ہنس کر فرمایا،  
..... اور میرے ذمے یہ نہیں کہ مصلحت کی وجہ بھی بتاؤں۔ اتنا بتا دینا کافی ہو کہ یہ خلاف مصلحت  
ہو میں نے احباب کو لکھ دیا ہو کہ باطنی حالات کے ساتھ مسائل فقہیہ نہ لکھا کرو۔ ایک .....  
سندھی مجھ سے اکثر مسائل فقہیہ پوچھا کرتے تھے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مجھے ذکر و شغل سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا  
میں نے کہا کہ تم مجھ سے مسائل فقہیہ نہ پوچھا کرو۔ اور میں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ مولانا خلیل  
احمد صاحب (محرمات سہارنپوری) کو اس فن (فقہ) میں زیادہ مہارت ہو تم اُن سے پوچھا کرو۔  
چنانچہ جس دن سے اُنھوں نے ایسے سوالات (مجھ سے کرنے) بند کیے اُسی دن سے فائدہ ہونا شروع  
ہو گیا۔ میرا تو مشاہدہ ہو مگر اب بتلائیے کہ دوسروں کو کس طرح سمجھاؤں؟

فرمایا کہ۔ بعض مواقع پر معاشرت اور معاملات (بعض) زبندوں کے اچھے ہیں اور اہل علم  
کے خراب ہیں۔ ایک فقہ صورت میرے ایک دوست سے دس روپے مانگ کر لے گئے تھے جب  
تقاضا کیا تو کہا ہاں دیدوں گا پھر تقاضا کیا تو کہا ہاں دیدوں گا پھر تقاضا کیا تو کہہ دیا کہ آپ کے پاس  
میری کوئی تحریر ہو؟ (جس سے یہ ثابت ہو کہ میں نے آپ سے روپے لیے ہیں۔ یہ کہہ کر اُنھوں  
نے تقاضے سے روک دیا اور گویا ادائیگی کا انکار کر دیا،

فرمایا کہ۔ آج کل جو تحریری امتحان رائج ہو میں تو اُس کا مخالف ہوں۔ اس میں طلباء پر بڑی  
مشقت دگرانی پڑتی ہو۔ امتحان سے مقصود تو استعداد کا دیکھنا ہو موطالب علمی کے زمانے میں اس  
تعداد استعداد کا دیکھنا کافی ہو کہ اس کتاب کو یہ اچھی طرح سمجھ بھی گیا یا نہیں؟ یہ کہ کتاب دیکھ کر امتحان  
دینے سے سہی معلوم ہو سکتی ہو۔ باقی رہا حفظ ہونا یہ پڑھنے پڑھانے سے خود ہو جاتا ہو بلکہ طالب علمی  
کے زمانہ کا حفظ کیا ہو اور رٹا ہو انشومن و سبق (یاد بھی نہیں رہتا اور دماغ مغت میں خراب  
ہو جاتا ہو۔ میرے یہاں کانپور میں ہمیشہ تقریری امتحان ہوتا تھا اور شروع و حواشی دیکھ کر جواب

دیئے کی اجازت تھی جس سے سب طلباء رُوحاً دیتے تھے۔ بس اس قدر دیکھ لے کہ اس مقام کو یہ طالب علم مطالعے سے یا حواشی و شرح کی اعانت سے حاصل بھی کر سکتا ہو یا نہیں؟ — (۲) سے زیادہ بکھیرا ہو۔ اس رائے کو میں نے دوسرے مدارس میں بھی پیش کیا، مانتے تو ہیں عمل میں نہیں لاتے۔

جب یہاں کوئی اہل مدارس سے آتا ہو اور نصیحت کی فرمائش کرتا ہو تو میں اُسی چیز کا ذکر کرتا ہوں جس کی اُس میں کوتاہی ہو جیسے چندہ وغیرہ کا کہ صحیح طریقے سے کرنا چاہیے، مگر عمل کوئی نہیں کرتا اس لیے اب جی نہیں چاہتا کہ اُن سے کچھ کہوں، — معلوم ہوتا ہو..... کہ (لوگوں کو) اپنی حالت کے بدلنے کی مطلق فکر نہیں ہو۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ قاری محی الدین (محی الاسلام) سے (جو پانی پت کے رئیس تھے اور سب سے) میں سارا قرآن تہ ارجح میں پڑھ لیتے تھے، میں نے کچھ قرآن سننے کی خواہش ظاہر کی اُنھوں نے بڑی خوشی سے پڑھا مجھے اُن کا پڑھنا بہت پسند آیا اور بڑا جی خوش ہوا کیونکہ مجھے تکلف پڑھا قاری عبداللہ صاحب مکی کا پڑھنا بھی مجھ کو بے حد پسند تھا کیونکہ وہ مجھے تکلف پڑھتے تھے۔ وہ میرے استاد بھی ہیں۔ اُنھوں نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ قرآن شریف میں کسی لہجے کا قصد نہ رکھنا چاہیے۔ مخارج و صفات کی رعایت کرنا چاہیے اسی سے جو لہجہ پیدا ہو گا وہ خالص ہو گا۔

فرمایا کہ — ایک فلسفی نے لکھا ہو کہ پہلے میں دہری تھا۔ صرتِ مشنوی کی برکت سے مسلمان ہوا اور میں مشنوی کو اچھی طرح سمجھا بھی نہیں ہوں۔ — دیکھیے ہم تو (مشنوی کے) معتقد ہیں مگر یہ شخص تو معتقد بھی نہ تھا۔ (داعی) مشنوی میں بڑی برکت ہو اور کیوں نہ ہو وہ فیضِ کماں کا ہو؟

نیا دردم از خانہ چیزے نکست      تو دادی ہمہ چیز من چہیز نست  
(میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا میری سب چیزیں تو نے ہی عطا کی ہیں تو ہی اُن کا مالک ہے)  
ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ — اس زمانے کو کیا پوچھتے ہو خدا کی پناہ میرے گھر میں ایک صاحبِ خودیاد تھے وظائف، اشراق، چاشت سب ادا کرتے تھے اور وظائف کے ہی درمیان شہوت کی بھی (اشارۃ) گفتگو ہوا کہ اتنی تھی اور چونکہ پیر نے وظیفے میں بولنے کو منع کر دیا تھا اس لیے صرتِ اشارے سے بتا دیا کرتے تھے کبھی دو انگلیاں اٹھا دیں کہ دوسو لوں گا کبھی تین اٹھا دیں

کہ تین سو لوں کا اور پھر متصلے کا کو نہ اُٹھادیتے تھے۔ ظالم چاشت پڑھ کر کئی سو روپے لے کر اُٹھتا تھا۔ ایک دفعہ روڈ کی میں یہ طیفہ ہوا کہ ایک صاحب نے مجھ سے دعوت کی مجلس میں دریافت کیا کہ یہ حکایت (جو آپ نے کسی وعظ کی مجلس میں سنا ہی ہو) کس شخص کی ہو؟ میں نے کہا کہ آپ کو اس کے پوچھنے کا کوئی حق نہیں ہو۔ اُس نے کہا کہ میں اعتراض کے لیے نہیں پوچھتا ہوں بلکہ بلکہ اس لیے پوچھتا ہوں کہ میرے والد بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اگر یہ اُن کی ہی نسبت کہا گیا ہے تو میں درخواست کروں گا کہ اُن کے لیے مغفرت کی دعا کیجئے میں نے کہا مجھے مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کے کیا فائدہ ہو؟ میرا اُن کا اس تہذیب سے بڑا دل خوش ہوا۔ اور اندر اس قدر شرمندہ ہوا کہ دیاں بیٹھا مشکل ہو گیا۔ کھانا کھاتے ہی فوراً چلا آیا اسی طرح ایک وعظ میں میں نے ایک انگریزی خاں پر سڑکی حکایت بیان کی تھی کہ ایک صاحب زادے ولایت سے پڑھ کے آئے تھے وہ جب اپنے باپ سے ملے تو کہا دل بڑھاتا تم اچھا تو جو۔ اور اتفاق سے وہ دونوں باپ بیٹے اُس وعظ میں موجود تھے اور اس واقعے کے جاننے والے لوگ وعظ ہی سے جان دونوں کی طنز دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے اور وہ بھی لوگوں کو ہنسا دیکھ کر ہنس رہے تھے مگر عجیب بات یہ تھی کہ دونوں صاحب بڑی محبت سے مجھ سے ملے جب میں موٹر سے اُتر ا تھا مجھ کو لینے آئے تھے اور بعد کو سوار کرنے بھی آئے۔ ذرا برا نہیں مانا۔ سب سے زیادہ کہ ام آفتدیل نے کیا بڑے شرف سے تھے۔ مگر اس واقعہ کو مجھ سے لوگوں نے بعد میں کہا اور اگر مجھے مجلس وعظ میں معلوم ہو جاتا تو موٹر تک آنا دشوار ہو جاتا مجھے بڑی شرم آئی۔ ....

فرمایا کہ۔ ایک شخص کا خط آیا کہ اور اُس میں بیعت کی درخواست کی ہو اور آپ جنگی پر حُر ہیں۔ جنگی پر جو رسیدیں ہوتی ہیں اُس کی روٹی پر ایک طرف کاٹ کر وہ خط لکھا ہو میں نے جواب میں لکھا کہ جس کے قلب میں دین کی یہ وقعت ہو وہ قابلِ خطاب نہیں ہو۔ بھلا کلکٹر کو تو ایسے کاغذ پر درخواست دے دیں؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ دین کو کس قدر گھٹیا سمجھتے ہیں۔ پھر احباب کہتے ہیں کہ سختی کرتے ہیں۔ بھلا ایسے الائقوں کے ساتھ اور کیا معاملہ کیا جائے۔ میں اپنے احباب ہی سے مشورہ لیتا ہوں۔ جواب دیں۔

فرمایا کہ۔ جس کا دماغ کمزور ہوتا ہو میں اُسے قرآن حفظ کرنے سے منع کر دیتا ہوں

ایسا شخص تو کچھ غریب پڑھنے کے بعد حفظ شروع کرے تو قواعد معلوم ہونے کی وجہ سے حفظ آسان ہو جاتا ہو۔۔۔۔۔ بعض اہل مدارس طلباء اسے ایسی ہی سختی کرتے ہیں کہ جس سے وہ بیکار ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ بعض کاغذ حفظ کرتے ہیں بھلا یہ بھی حفظ کرانے کی چیز ہو۔ اگر حفظ ہی کا شوق تو پڑھنا شروع کر لیں۔۔۔۔۔

فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ یہ جو آیت ہے۔۔۔۔۔  
 اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَابِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَاجَّ الْبَيْتَ اَوْ عَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ  
 اَنْ يَّطُوفَ بِهِمَا۔۔۔۔۔ تو فلا جناح سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اگر کوئی شخص کسی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہی شبہ میں کہ فرمایا بَشَرًا قُلْتُ يَا بَنِي اَبِي جَهْلٍ۔۔۔۔۔  
 اگر یہ مراد ہوتی (کہ سعی نہ کی جائے تو کوئی گناہ نہیں) تو اِنَّ لَا يَطُوفُ بِهِمَا فرمایا جاتا۔۔۔۔۔  
 اس لیے اب عدم وجوب پر استدلال صحیح نہیں رہا۔ یہ سوال کہ اس طرح کیوں تعبیر فرمایا گیا تو کہتے  
 یہ ہو کہ مشرکین اُس کے کرنے میں حرج سمجھتے تھے یہ اُن کا رد ہو۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) اس  
 جواب کو ایک تائید نے سنا تو فرمایا اِنَّكَ اَلَيْسَ بِمُحْتَمِلٍ۔ یعنی یہ ہو علم۔ کہ ذرا سی بات سے  
 گتھی سلج گئی۔ اے یہ شبہ کہ یہ آیت اگر عدم وجوب پر دلالت نہیں کرتی تو وجوب پر بھی دلالت  
 نہیں کرتی اس کا جواب یہ ہو کہ سعی کا وجوب۔ حدیث اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكَ السَّعْيَ۔۔۔۔۔  
 سے ثابت ہو۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انکو ابھی اُکبر علی مرحوم کو تو پچاس تہذیب افسوس ہو کہ اے مجھے والد صاحب  
 نے عربی نہ پڑھائی اور مجھے الحمد للہ ابھی یہ افسوس نہ ہوا کہ اے مجھے والد صاحب نے انگریزی نہ پڑھائی۔  
 فرمایا کہ۔ فلاں فلسفی صاحب نے لکھا ہو کہ امداد المشتاق بھی جس باب کی سمجھتا تھا

عہ بے شک صفا اور مردہ منجد یادگار (دین) خداوندی میں سو سو شخصوں کے بیت اللہ کا (اُس کا) ٹھہر کرے  
 اُس پر ذرا بھی گناہ نہیں صفا اور مردہ کے درمیان آمد و رفت کرنے میں جس کا نام سعی ہو۔  
 عہ اے عزیز تو نے بغیر سوچے ہوئے غلط سوال کیا۔  
 سہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو واجب قرار دیا ہے۔

وہی ہی نکلی اور مکتوباتِ معقونی سے میرے بہت سے شبہات رفع ہو گئے۔ واقعی شہادتِ اپنے لوگوں کی معتبر ہے کہ جنہوں نے فلسفے کا رنگ بھی دیکھا ہو۔ ہم لوگ تو پہلے ہی سے بزرگوں کی جویوں میں رہے ہیں۔ ہمیں قدر ہی کیا ہو؟

ہر کہ اوامد اداں خرد اداں دہد گوہرے طفلے بقوصناں دہد  
(یعنی جو سستا سودا خریدتا ہو سستا ہی بیچتا ہو۔ ایک بچہ ایک ہونی کو ایک روٹی کے عوض دے دیتا ہو)۔

فرمایا جس زمانے میں، میں نے تفسیر بیان القرآن لکھی تو ایک جنٹ انگریز نے نہایت اشتیاق کے ساتھ ملاقات کی اور پوچھا کہ اس تفسیر پر تم کو کس قدر روپیہ ملا؟ میں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ اُس نے کہا اس کے لکھنے سے پھر کیا فائدہ ہوا؟ میں نے کہا دنیا میں تو یہ کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو نفع ہو گا اور آخرت میں یہ کہ مالکِ حقیقی خوش ہوں گے پھر وہ خاموش ہو گیا۔  
فرمایا کہ۔ آدمی کو چاہیے کہ خدا سے صحیح تعلق پیدا کرے پھر اُمّتِ تعالیٰ بڑے بڑے مشکبروں اور فرعونوں کی گردنیں اُس کے سامنے ٹھکا دیت ہیں۔  
فرمایا کہ۔ دنیا کے لباس میں دنیا حاصل کرنا اتنا مضر نہیں جتنا کہ دین کے پردے میں دنیا حاصل کرنا مضر ہو۔

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے میرے سامنے دریافت کیا کہ حیض کے زمانے میں جو نازیں (عورتوں کی) قضا ہوتی ہیں اُن کی تو قضا نہیں اور جو روزے ہوتے ہیں اُن کی قضا ہو؟ اس کی کیا وجہ ہو؟ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر (اس حکم کو) نہ مانو گے تو سر پر اتنے جوتے لگیں گے جو بال بھی نہ رہیں۔ جب تک تعلیم سادہ رہی لوگوں کے ایمان قوی رہا اور جب سے یہ نئی روشنی شروع ہوئی تو لوگوں کے ایمان ضعیف ہو گئے۔ ہر بات میں درخواستِ خواہ المذکر کیف (چلایا جاتا ہو)۔ لوگوں کے قلوب سے خدا اور رسول کی عظمت اُٹھ گئی۔ مونی بات ہے کہ جب ہم نے خدا کو خدا اور رسول کو رسول مان لیا تو اُن کے احکام میں چوں و چرا کیسی؟ (علمی حیثیت سے کوئی جامع اور ماہر شریعت احکام کے لمبات و علل بیان کرے تو کچھ مضائقہ نہیں البتہ عوام کے لیے چوں چرا مضر ہوگی)۔

فرمایا کہ۔ ایک مرتبہ مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے جلسہ دستار بندی میں مددِ جامع معلوم کا پور بلوایا۔ آپ تشریف لے گئے میں نے دعوے کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا میرے بیان سے لوگ خوش نہ ہوں گے اور اس میں میرا تو کچھ نہ جائے گا تمہاری ہی اہانت ہوگی کہ اُن کے اُستاد ایسے ہیں۔۔۔ غرضیکہ بڑی دقت کے بعد منظور فرمایا۔ مولانا کا علم اور علماء کا مجمع خوب طبیعت کھلی ہوئی تھی۔ مضامین عالیہ (بیان) ہو رہے تھے کہ اتنے میں (مولانا) مولوی لطف اللہ صاحب علیگڑھ تشریف لے آئے اُن کو دیکھتے ہی ایک دم بیٹھ گئے۔ (مولانا) مولوی خراسن صاحب (گنگوہی) نے دوسرے وقت دریافت کیا دعوے کیوں بند کر دیا تھا؟۔ فرمایا کہ اس وقت (مولانا علیگڑھ) کی آمد کے وقت مجھے خیال ہوا کہ اب دقت ہو مضامین کا یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہو تو اس طرح دعوے میں خلوص نہ رہا اس لیے میں نے (دعویٰ) قطع کر دیا۔

فرمایا کہ۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی مراد آباد کے جلسے میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے دعوے کے لیے اصرار کیا۔ مولانا نے عند فرما دیا کہ مجھے عادت نہیں ہو سکتی لوگوں نے نہ مانا آخر مولانا کھڑے ہوئے اور حدیثِ خفیہ واجدٌ اشدُّ علی الشیطن من الہ عابد۔ پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ ایک عالم شیطان پر شہرِ عابدوں سے زیادہ بھاری ہو۔ وہاں ایک مشہور عالم تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہو اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آئے تو اس کو دعوے کا جناح نہ بنیں۔ بس مولانا فوراً ہی بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے دعوے کی لیاقت (اور عادت) نہیں ہو مگر ان لوگوں نے نہ مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی یعنی آپ کی شہادت۔ پھر حضرت مولانا نے اُن بزرگ سے بطور استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہو؟ تاکہ آئندہ اُس سے بچوں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اُقل (زیادہ بھاری) کا نہیں آتا بلکہ اضر کا آتا ہو۔ مولانا نے فی الفور فرمایا کہ حدیثِ وحی میں ہو اَحْیَانًا یَاتِنِی مِثْلَ صَلَصلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّ عَلَیَّ کیا یہاں بھی اضر (زیادہ مضر) کے معنی ہیں؟ وہ مقررِ عام دم بخود ہو گئے۔۔۔

عہدِ تلمیذ حضرت قاسم العلوم والمعارف و محشی الوداد  
عہدِ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
کبھی مجھ کو وحی آتی جو سن کر آوازِ جبرسن کے اور وحی کی یہ سمجھ بہت زیادہ بھاری ہوتی تھی۔



## مکتبہ حضرت سید شاہ علم اللہ علیہ السلام

از قلم: محمد محسنی ایڈیٹر۔ البعث الاسلامی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بصیرت افروز مقدمہ کے ساتھ حضرت سید احمد شہید رائے بریلی کے جلالی اور حمد عالمگیر کے ممتاز شیخ وقت اور عارت باللہ حضرت سید شاہ علم اللہ علیہ السلام کے صفات و کمالات اور اخلاق عالیہ کا پراثر اور ایمان افروز تذکرہ اور ان کے بالکل فرزند اور خلفاء کے فخر حالات و غلامی ایک عظیم شخصیت کا تعارف جو ابھی تک پردہ گستاخی میں ہے۔

ذریعہ طبع: مکتبہ اسلام، ۳۷ گولن روڈ، لکھنؤ (پ)

## میرا میڈیکل اردو

یعنی علم الادویہ ڈاکٹری (چودھوان ایڈیشن) از حکیم مظفر حسین اعوان دڈاکٹر اختر حسین اعوان یہ ایک ایسی جدید اور مستبر کتاب ہے جو ہر ایک اردو طالب حکیم، عی، ڈاکٹر، جراح، بنیٹری، انجکٹر، فیسٹ، ایکسٹرنل کو ضرور اپنے اپنے پاس رکھنی چاہیے۔ اس میں ڈاکٹری ادویہ کی اہمیت، تاثیر و استعمال، مقدار، شرکاء اور تجربہ شدہ نجات بہ ترتیب کتابی سائز، صفات، ۹۲۰ جلد ڈسٹ کور، کاغذ و طباعت نہایت عمدہ انگیز ہارن تھی کھلے گئے ہیں۔ قیمت اٹھارہ روپے

ملنے کا پتہ: خورشید بک ڈپو۔ متصل ڈاک خانہ امین آباد، لکھنؤ۔ ۱

## پھول کی طرح تروتازہ

اگر جلدی امراض یا فساد خون کی شکایت ہو تو چہرہ پر مژدہ نظر آتا ہے

## خون صفا



پھوٹے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے سبب جسم اور چہرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے

دواخانہ طبی کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

# مولانا کرامت علی جوہر کی حجتہ علیہ

— اور —

## اُن کا ترجمہ شامل ترمذی

(از مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی، ناظم جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ)

سید احمد شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک دعوت و جہاد کے فیض سے چند برسوں کے اندر کتاب و سنت کے احیاء و اتباع کا جتنا رواج اور چہاں ہندوستان و پاکستان کے گوشہ گوشہ میں ہوا، اتنا پہچاننا اس سے پہلے صدیوں میں نہیں ہوا تھا۔ یہ کہنا شاید مبالعہ نہ ہو کہ آج یہاں قال اللہ و قال الرسول کی جگہ اور ابھی سنائی دیتی ہو، اگر تاریخی سرِ سرخ لگایا جائے تو اس کا سرِ رشتہ خانوادہ دلی الہی یا سید صاحب کے سلسلہ طلبائے ناب سے ضرور مل جائے گا۔ سید صاحب کی تحریک دعوت و جہاد کا غلغلہ گو چند برسوں رہا۔ اور وہ آپ کی اور حضرت اسماعیل شہید دہلوی اور آپ کے دوسرے نقباء کی شہادت کے بعد مدہم پڑ گیا مگر دلوں اور دماغوں میں اس نے جو نقوش چھوڑے تھے وہ آج بھی جزیرہ عالم پر ثبت ہیں۔ اس تحریک کے ذریعہ ایمان و یقین، علم و عمل، اتباع سنت اور احیائے دین کے جو چشمہائے فیض آج سے ڈیڑھ پونے دو سو برس پہلے جاری ہوئے تھے، اُن کے سوتے آج بھی خشک نہیں ہوئے ہیں، اور انشاء اللہ قیامت تک وہ اسی آب و تاب سے رواں دواں لگیں گے۔ ان چشمہائے یمن و سعادت کے سوتے جن بزرگوں کے فیض نظر اور بے پناہ جود و ہمد سے خشک نہیں ہونے پائے، ان میں ایک مولانا کرامت علی جوہر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی ہیں، مولانا نے

جو دین و علمی نگاروں میں پھوڑی ہیں، ان میں ایک شمالی ترمذی کا ترجمہ بھی ہو، یہ ترجمہ نہ صرف دینی نقطہ نظر سے اہم ہو بلکہ اردو نشر کی تاریخ میں بھی اس کا ایک اہم مقام ہونا چاہیے تھا۔ مگر اردو ادب کی تاریخ کا یہ افسوس ناک پہلو ہو کہ اس کی تاریخ لکھنے والوں نے چند شعر سوزوں کرنے والوں اور چند مضامین لکھنے والوں کو تو اردو ادب کی تاریخ میں نمایاں مقام دیا ہو، مگر بے شمار علماء و صوفیہ اور خاص طور پر سید صاحب کے سلسلہ کی اردو کی خدمات کو نظر انداز کر دیا گیا ہو، حالانکہ واقعہ یہ ہو کہ نوڈلٹ ولیم کالج سے لے کر دلی کالج کے قیام بلکہ غالب کے عہد تک اردو ادب کا جتنا ذخیرہ ان اداروں اور بیسیوں مصنفین نے مل کر فراہم کیا، اس سے کئی گنا زیادہ اردو نشر کا ذخیرہ سید صاحب کے سلسلہ کے دو چار بزرگوں مثلاً مولانا اسماعیل شہید، مولانا خرم علی بلوئی، مولانا سخاوت علی جو پوری اور مولانا کریمت علی جو پوری نے فراہم کیا، اول الذکر مصنفین کی کتابیں اگر نہ اردو ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی تو ان علماء کی اردو کتابیں لاکھوں کی تعداد میں بھیس اور بکس، پہلے گروہ نے اگر اردو کی آواز کچھ خواص تک پہنچائی تو ان پوریا فیشنوں نے اس کی آواز سے ہندوستان کے بچے بچے کے کان کو آگیا کر دیا۔ اس دعوت کا یہ بھی ایک فیض تھا کہ اس تحریک کے نتیجے میں عیسائیوں، آریوں اور سکھوں، اہل بدعت اور دوسرے بہت سے گروہوں نے اپنے عقائد کی تبلیغ اور عوام کے دل کو جہاد اور جذبہ دعوت و اصلاح کو سر د کرنے کے لیے موافقت و مخالفت میں بے شمار کتابیں لکھیں، اور سب نے اردو ہی کو اپنا ذریعہ تقریر و تحریر بنایا، اس طرح ہزاروں رسالوں، کتابوں اور مضامین کا انبار لگ گیا، مگر تاریخ ادب اردو کے مصنفین نے اس سلسلہ کی خدمات کو تلاش کرنے کی بہت کم زحمت گوارا کی، سید حامد حسن صاحب قادری نے صرف اتنا لکھ کر اپنا فرض انجام دیا کہ

”مولوی سید احمد بریلوی نے اردو میں کوئی کتاب نہیں لکھی، فارسی میں تنبیہ الغافلین لکھی ہو جس کا اردو ترجمہ مولوی عبدالمنیر نے ہنگلی (کلکتہ) سے شائع کیا، مولوی اسماعیل دہلوی نے کئی کتابیں عقائد کے متعلق اردو میں لکھیں، جن میں تقویت الایمان بہت مشہور ہو، اس زمانہ میں مولوی سید احمد بریلوی صاحب کے مریدوں نے بہت سی کتابیں تبلیغ و اشاعت کی غرض سے لکھیں، مثلاً ترغیب جہاد، ہدایۃ المؤمنین، فیحۃ المسلمین وغیرہ، یہ کتابیں اردو کی ترقی کے سلسلہ میں شامل ہیں، مولوی اسماعیل کی تقویت الایمان بہت صاف و سلیس زبان میں ہو، تاریخ و داستان اللہ دہلوی“

”بنگال میں اردو کے مصنف نے مولانا کو امت علی کو اردو کا شیعہ ہی لکھا ہے، مگر ان کے ذکر میں اتنا لکھا کافی سمجھا ہے کہ ”مسترقی بنگال میں اردو زبان کے شیعہ اسی مولوی کرامت علی صاحب سے مذہبی اصلاحی موضوعات پر بیشتر مفید کتابیں لکھیں۔“ (ص ۲۹) ان کی کتابوں کی مخصوص اتنی حیثیت کہ ”لہو دلی ترقی کے سلسلہ میں شامل ہیں۔“ قرار دیتا ایک تاریخی ظلم ہے، اور اس تاریخی ظلم کے جہاں دوسرے اسباب ہیں ان میں ایک بڑا سبب یہ سمجھا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ، انگریزوں کے عہد میں مرتب ہوئی، جمہا گو سید صاحبہ دران کے سلسلہ کے دینی و علمی کا ناموں سے شدید بغض و عناد تھا، اور ان کے نقشہ ہائے دوام کو مٹانے میں انھیں لذت ملتی تھی، ملک میں اس وقت انگریزوں سے جو عام ذہنی مروجیت پھائی ہوئی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو کی سادہ ترقی کا سہرا انگریزوں اور ان کے قائم کردہ یا ان کے ہم نوا اداروں اور اشخاص کے سر باندھ دیا گیا، اور انفرادی و اجتماعی طور پر علماء اور مصلحین نے اردو کی جو خدمات انجام دیں، وہ نظر انداز ہو گئیں، خاص طور پر سید صاحب کی تحریک اور ان کے کا ناموں کے بارے میں برسوں ہر طرف سنا ما پھرایا، اب ہمیں کہیں اس کا ذکر آنے لگا ہے، مولانا خرم علی کی رضیحة المسلمین اور ان کی وہ نظم جو انھوں نے کتاب کے آخر میں عورتوں اور بچوں کو یاد کرنے کے لیے لکھی تھی، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

خدا فرما چکا قرآن کے اندر

مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر

یہ ایک زمانہ میں بچہ بچہ کی زبان پر تھا، مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقویۃ الایمان اور مولانا سلطان احمد کی تذکیر الانحوان ایک مدت تک خاص دھام ہر شخص کے مطالعہ میں رہتی تھی، مولانا سخاوت علی کی راہ نجات اور مولانا کرامت علی کی مفتاح الجنبہ ہمارے بچپن تک گھر گھر میں پڑھی اور سمجھی جاتی تھی۔ یہ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں پھیں اور شائع ہوئیں یہ جملہ معترضہ بیچ میں اس لیے لانا پڑا، کہ مولانا کا ترجمہ شامل ترجمہ کی دینی حیثیت کے ساتھ اردو ادب کا بھی شاہکار ہے، مگر افسوس ہے کہ کسی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ اعتنا نہیں کیا گیا۔

یہاں مختصر مولانا کے حالات زندگی لکھے جاتے ہیں، پھر اس کتاب کے قوافل کے سلسلہ میں کچھ باتیں عرض کی جائیں گی۔

**مولانا کا نام اور مولد و مسکن** | مولانا کا اصل نام علی تھا، مگر عام طور پر ان کی زندگی ہی میں لوگ انھیں مولانا کر امت علی کہنے لگے تھے۔ خود انھوں نے اپنا کتبوں کے شروع میں لکھا ہے: ”خاکسار علی خضفی جو پوری مشہور کر امت علی (مفتاح ص ۷۶) یہ لقب عوام نے مولانا کی ان ذندہ کرامتوں کی وجہ سے عطا کیا۔ جو دعوت و اصلاح کے سلسلہ میں ان سے روزانہ صادر ہوتی رہتی تھیں۔ مولانا کے پوتے مولانا عبدالباطن صاحب مظلانا کی سوانح میں لکھتے ہیں:

”آپ کا نام علی تھا، آپ سے کجرت کراتوں کا صیود ہوا، اسی وجہ سے کہ لفظ ”کر امت“ آپ کے نام کا جز بن گیا۔“ (ص ۴۲)

مولانا کا مولد اور مسکن شہر جو پورہ کا مشہور محلہ ملا ٹولہ ہے، جہاں اب بھی مولانا کے خاندان کے لوگ موجود ہیں، ”شاہیر جو پورہ“ میں ہے کہ اس محلہ کا نام اسی خاندان کی سکونت کی نسبت سے پڑا ہے۔ مولانا کی ولادت ۱۸ محرم الحرام ۱۲۱۵ھ کو ہوئی، ”شاہیر جو پورہ“ میں ہے۔

اسلام کر امتش بمعہ سلاطین اسلام	سلاطین اسلام کے عہد میں ان کے اسلاف
خطیب جامع و عیدین بودند بایں وجہ	گرام جامع مسجد اود عیدین کے امام تھے اس وجہ
جائے سکونتش ملا ٹولہ مشہور شد۔	سے ان کی رہائش گاہ کا نام ملا ٹولہ پڑ گیا۔

مولانا کا سلسلہ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ مولانا اپنے والدین کی تنہا اولاد تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت جو پورہ ہی میں ہوئی۔ سب سے پہلے اپنے والد مولانا ابراہیم صاحب سے بسم اللہ کی، اور فارسی اور ابتدائی عربی کی تکمیل کے بعد دوسرے اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا عبدالباطن صاحب لکھتے ہیں۔

علم دینیہ مولانا قدرت اللہ دد لوی مرحوم سے، علم حدیث مولانا احمد اللہ تاجی سے، علم مقولات مولانا احمد علی چریا کوٹی سے، علم تجرید قرآن تاجی سید ابراہیم مدنی اور قادی سید محمد

۱۔ اس وقت عام طور پر علماء اور خاص طبع پر ائمہ مساجد کو ملا کے لفظ سے یاد کیا جاتا تھا۔

اسکندریہ سے علماء و علماء حاصل کیا (ص ۱۳)

مولانا نے سماعت قرآن پاک کی سند بھی مولانا احمد الشافعی شے فی تہیٰ جن کا سلسلہ مشہور قلمی قرآن صحابی حضرت ابی بن کعب تک پہنچا ہو،

مثلاً میر جو پور میں شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسماعیل شہید سے بھی ان کے علمی استفادہ کا ذکر ہو۔

مولانا اگر امت علی جملہ علوم معقول و منقول اذ

علمائے عصر اکتساب نمودند از خوان علوم مولانا

شاہ عبدالعزیز دہلوی مولانا اسماعیل دہلوی

انھوں نے شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسماعیل شہید

کے خوان علم سے بھی کسب فیض کیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید احمد شہید صاحب کی خدمت میں جانے سے پہلے بھی مولانا

نے دلی کا سفر کیا تھا۔

مولانا کی تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ انکو تمام ہی دینی علوم میں دہک تھا، مگر اہل

تذکرہ فقہ اور قرأت میں ان کی خصوصی دستگاہ کا تذکرہ خاص طور پر کرتے ہیں، مثلاً میر جو پور میں ہو۔

فاما مسائل فقہ از بس مستحضر بود قاری

ہفت قرأت بود کلام مجید و اسب

آواز خوش و بہ سخن پرورد خداوندی خواندند

و فتیکہ جہت حصول سعادت رجب و عمرہ

در زیارت نبوی رفتہ بود بیکہ مغفلہ و ایمان

آہن عاشق نمودے (ص ۱۲۹)

شمالی ترمذی اور مشکوٰۃ کے ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فن حدیث اور عربی ادب میں ان کو

خاص دستگاہ حاصل تھی، خواہ اس طور پر شمالی نبوی کا ہر فقرہ اپنی معنویت کے ساتھ عربی ادب کا بھی

شاہکار ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن الفاظ میں آپ کے حلیہ مبارک اور سیرت و شمائل کی

لے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماعت قرآن کی سند کا بھی رواج تھا۔

قصویر کشی کی ہو، اس سے بہتر الفاظ کا انتخاب ممکن نہیں ہو، اس لیے اس کی معنویت کو مخرج کیے بغیر، کسی دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کرنا آسان کام نہیں تھا، پھر علمی و ادبی ترجمہ اردو تتر میں اس وقت ہوا ہو، جب اردو شرقہ کہانی اور میر اس کی پہلا درویش سے آگے نہیں بڑھی تھی، یہ ترجمہ پہلی بار ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں شائع ہوا۔

مولانا خط نستعلیق اور خط نسخ دونوں کے بہترین خطاط تھے، ان کو اس میں اتنی مہارت تھی کہ ایک چاول پر پوری سورہہ اسلحہ لکھ دیتے تھے۔

بریک دانہ برج یا نچو سورہہ قل ہوا قدر ہماہ نوشتے (ص ۱۳۶)

مولانا نے فن سپہ گری اور نبوت کی بھی مشق کی تھی، اس سلسلہ میں ان کے بہت سے واقعات منقول ہیں، کچھ واقعات کا ذکر آئے گا۔

مولانا کے علم و فضل پر تمام لوگوں کا اتفاق ہو، صاحب ”تذکرہ علمائے ہند“ نے ان کو کثیر التصانیف لکھا ہو، مشاہیر جوہور کے مصنف نے انھیں از علمائے ناموران ذات بابر کا تشہیر سرمایہ ناز و افتخار جوہور بود وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہو، ان کی تصانیف سے بھی ان کے علم و فضل کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہو۔

مگر مولانا کی حیات پر سعادت کا دائرہ فضل و کمال اس سے بھی آگے تھا، ایک طرف **باطنی فیض** | وہ علم و فن میں تمام علمائے عصر کے ہم عنان تھے، تو دوسری طرف زہد و اتقا، اتباع سنت اور دعوت و عزیمت کی پُر خارا دلیوں سے نہ صرف گزرتے تھے، بلکہ ان صفات ملکوتی میں انھیں لایک ممتاز مقام حاصل تھا، اور یہ سب اثر تھا، سید صاحب کے فیض نظر کا۔  
 و فیض وافر از مولانا سید احمد شہید اندوختند۔ (ص ۱۲۵)

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے سید صاحب سے ان کی بیعت کا دو فقرے میں ذکر کیا ہو۔  
 دم پرید سید احمد بریلوی  
 سید صاحب کے مرید تھے۔

مزید تفصیل مولانا عبد الباقی صاحب کے بیان سے معلوم ہوتی ہو، وہ لکھتے ہیں۔

”مولانا کی عمر بھی اٹھارہ سال کی تھی کہ ترکیب نفس کے خیال نے زور پکڑا، اس کے لیے دلی جانے

کا ارادہ تھا، مگر سید احمد شہید کی شہرت ہوئی، وہ وطن سے قریب بھی تھے، اس لیے ان کی خدمت

میں رائے بریلی پہنچے۔ وہاں علما کی ایک جماعت جن میں مولانا اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبداللہ جیسے سرآمد روزگار علما بھی موجود تھے، ان کی علمی صحبت میں آجی رہا، اور حضرت سید صاحبؒ کا طبعی استفادہ بھی کیا مولانا جن ذوق و شوق سے سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ نے پہلی ہی ملاقات میں بیعت کر لی، اور ایک ہفتہ میں مقامات سلوک طے کر دینے کے بعد فرمایا کہ ہر اہیت کے کام میں لگ جاؤ سید صاحب نے جو خلافت نامہ مولانا کو عطا کیا ہے، وہ اب بھی اس خاندان میں محفوظ ہے۔

رہنم کو اس کا نوٹو مولانا عبدالباطن صاحبؒ نے بھیجا ہے، جس کی عبارت اتنے باریک فارسی خط میں ہے کہ پڑھی نہیں جاتی اس پر تادم شیخ خلافت ۱۳۱۶ھ درج ہے۔

خود مولانا نے سید صاحب سے اپنی عقیدت اور شہنشاہی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

”جب دین میں ظن طبع کے زناد ظاہر ہوتے ہیں تب ائمہ نقلے دین کے تازہ کرنے کے واسطے ایک شخص کو پیدا کرتا ہے اور اس کے اخوان اور مددگار بہت سے ہوتے ہیں سو اس وقت کے مجدد صاحب طریقہ حضرت امیر المومنین سید احمد قدس سرہ ہوئے اور انھوں نے دین کو تازہ کیا۔ (نور علی نور)

اسی طرح اپنی متعدد کتابوں میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

مولانا بھی کچھ دنوں اور قیام کرنا چاہتے تھے، مگر سید صاحب نے فرمایا تھا کہ ہر اہیت کے کام میں لگ جاؤ اس لیے دالہ بھی کا قصد کر لیا، لیکن ان کے ذوق و شوق کو محسوس کر کے سید صاحب نے پھر فرمایا کہ

”کام تو خدا کی رحمت سے ہو گیا، اور بہت جلد ہو گیا، اب بہ حیثیت مہمان دو چار روز اور

بھی ٹھہر کر دیکھ بھال کرو۔“

مولانا نے یہاں اٹھارہ دن قیام کیا، اس دوران میں کئی واقعے پیش آئے جن میں ایک سبب واقعہ مولانا نے خود اپنی کتاب نور علی نور میں نقل کیا ہے۔

ایک روز اس عاجز مسکین نے حضرت عالم ربانی مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ آپ جو اس قدر میاں صاحب سے اعتقاد رکھتے ہیں، اور دوپے پیسے کپڑے وغیرہ دنیاوی نے عام ہل چال میں حضرت سید صاحب کو لوگ میاں صاحب اور میر صاحب کہتے تھے



چیزوں کو بھڑکے میاں صاحب کی صحبت اختیار کیے ہیں اور آپ کے بدن پر جو کچھ اس کے سوا آپ کے پاس کہیں کچھ بھی نہیں اور آپ جب میاں صاحب کے رد و بدعات کرتے ہیں تو ترساں اور لڑائی رہا کرتے ہیں تو مگر آپ ہم سے سچ بیان کیجئے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا پایا بھو اپنا حال ایسا بنایا تب مولانا مغفور نے فرمایا کہ افشا اللہ تعالیٰ میں سچ بیان کروں گا، سنو! میرا یہ حال تھا کہ میں سلوک الی اللہ اور مشاہدہ حاصل ہونے کا بڑا مشتاق تھا تب میں نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز خجندیہ سرہ سے عرض کیا کہ کچھ کو آپ سلوک الی اللہ کی تعلیم کیجئے اور اس کے قبل میں بہت سے ہندی اور دلاستی مرشدوں سے توجہ لے چکا تھا، مگر میرا مقصود حاصل نہ ہوا تھا۔ تب آپ نے مجھ کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کے پاس بھیجا۔ وہاں بھی چند روز توجہ لیتا رہا، مگر میرا مقصود حاصل نہ ہوا، تب میں نے حضرت مولانا سے پھر عرض کیا کہ یہ خدام حضور کی توجہ کا محتاج ہو۔ اور حضور در سب مقام میں بھیجئے ہیں، ہم کو آپ خود تعلیم کیجئے، تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ کیا میں بہت بد بھادو کر رہا ہوں اور تجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں یہ مقصد تمہارا میرا محمد صاحب (سید صاحب) کو شاہ عبدالعزیز صاحب میر صاحب کہا کرتے تھے اسے حاصل ہوگا، اتم ان سے بیعت کرو، تب اس جناب کا فرمایا مجھ کو بہت شاق گزارا اور میں ناراض ہو کے چپ رہا، پھر کئی بار اور بھی عرض کیا، وہی جواب پایا آخر کو بعد چند روز کے یہ واقعہ در پیش ہوا کہ میں اور حضرت میاں صاحب اور میاں محمد اسماعیل مدرسہ کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے، ایک شب کو بعد عشاء کے جب ہم تینوں شخص پلنگ پر سوئے تب میاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا! مجھ کو حضرت ربنا علیہ السلام نے اپنے فضل و کرم سے بطور الہام کے خبر دیا ہے کہ فلا فی تاریخ فلا نے سفر میں توجہ دے گا اور فلا نے مقام میں یہ ہوگا، فلا نے مقام میں وہ ہوگا، اور اس قدر لوگ حریہ ہوں گے، و علی ذلک اقصایاں سب باتیں بیان کیں پھر دوسرے روز بھی ایسی ہی عجیب و غریب باتیں بیان کیں۔ اس طرح سے کئی روز تک کچھ معظّمہ کے سفر اور جہاد کے سفر اور جہاد کے واقعات کا بیان بالتفصیل تمام فرمایا، تب ہم نے اور میاں محمد اسماعیل نے مشورہ کیا، کہ اگر یہ سب باتیں سچ بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں، ان سے کچھ فیض لینا بہت ضروری ہے، سو اُد کسی بات میں ان کا امتحان کریں، تب میاں محمد اسماعیل نے کہا کہ آپ ہم سے بڑے ہیں، آپ ہی تجویز کریں

کسی بات میں امتحان کیجئے، آخر کو جب پہر رات کو میاں صاحب نے پکارا کہ بولانا، تب ہم نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی بزرگی میں کچھ شبہ نہیں، مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ! کچھ ہم کو عنایت کیجئے تب فرمایا کہ مولانا! کیا مانگتے ہو، تب ہم نے کہا کہ حضرت! ہم یہی مانگتے ہیں، کہ جیسی نماز صحابہ کرام ادا کرتے تھے، ویسی ہی دور رکعت ہم سے ادا ہو، یہ کہا اور میاں صاحب یکبارگی خاموش ہو گئے اور اس روز سچر کچھ نہ بولے، تب ہم لوگوں نے جانا کہ نقطہ یہ زبانی باتیں تھیں، اصل باتوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں، مگر ہمیشہ کی دوستی اور صحبت کی مریت سے ہم لوگ کچھ نہ بولے کہ اب شرم دلانا کیا ضرور اور چپ کسے سو رہے، پھر اسی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت میاں صاحب نے پکارا مولانا! اس پکالنے سے میرے بدن کے رنگے کھڑے ہو گئے، میں نے جواب میں کہا حضرت! تب فرمایا کہ جاؤ اس وقت افتر کے واسطے وضو کرو، تب پھر میرے بدن کے رنگے کھڑے ہو گئے، میں نے کہا کہ بہت خوب دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا مولانا! اس میں پھر کے حضرت کے پاس حاضر ہوا، فرمایا تم نے خوب سمجھا، میں نے کہا کہ افتر کے واسطے وضو کرو، پھر میں نے کہا بہت خوب اور چلا، دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا، اسی طرح تین بار کہا، میری بارہا کے میں وضو کرنے لگا، تو ایسا حضور دل اور حق سبحانہ کے خوف سے میں نے ادب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی نہ کیا تھا، پھر وضو کر کے حضرت کے حضور میں حاضر ہوا، فرمایا جاؤ، افتر ربہ نظائیں کے واسطے اس وقت دور رکعت نماز پڑھو، تب میرے بدن کے رنگے کھڑے ہو گئے، اور نماز کے واسطے چلا، دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور میں حضور میں حاضر ہوا، فرمایا تم نے خوب سمجھا، یا نہیں میں نے کہا کہ جاؤ اس وقت افتر ربہ اعلیٰ کے واسطے دور رکعت نماز پڑھو، میں نے کہا بہت خوب اور نماز کے واسطے چلا، پھر میری بار پکارا اور دیا ہی سمجھا دیا، تب میں نے ایک گوشہ میں نماز شروع کی، تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ایسا شاہدہ جلال میں غرق ہوا کہ ہوش باقی نہ رہا، اور اس قدر روایا کہ آسنو سے دائمی تر ہو گئی، اور اس قدر نماز میں غرق ہو گیا، کہ دنیا کی یاد مطلق باقی نہ رہی، اور نہایت خوف اور لذت کے ساتھ میں نے دور رکعت نماز پڑھی، جب دور رکعت پڑھا تو خیال کیا کہ میں نے سورہ فاتحہ نہ پڑھا تھا۔ پھر سلام پھیر کے دوبارہ دوسری بار دور رکعت کی نیت کیا، پھر جب پڑھ چکا، تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورہ ضم نہ کیا تھا، پھر شروع کیا۔

اسی طرح ہر ایک ایک واجب کے ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کے دہراتا تھا۔  
 دلائل علم سو رکعت یا زیادہ یا کم پڑھا ہوگا کہ صبح صادق کا قریب ہوا پھر آخر کو ناچار ہو کے سلام  
 پھیرا اور بہت شرمندہ ہوا کہ میری استعداد اس طرح کی ناقص ہو کہ دو رکعت پوری بھی حضور  
 دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور اتنے بڑے کامل شخص کو میں نے آزمایا اب اگر وہ پوچھیں کہ تم نے  
 دو رکعت اشر کے واسطے پڑھا تو میں کیا جواب دوں گا، میں تو حضور دل کے ساتھ جیسا کہ حق  
 نماز پڑھنے کا ہو، ویسا دو رکعت بھی نہ پڑھ سکا، اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہو گیا اور  
 اپنے قصور کا معترف ہو کے اشر سبحان کے خون سے استغفر اشر استغفر اشر کہنا شروع کیا جب  
 اذان ہوئی تب مجھ کو ہوش ہوا اور یاد پڑا کہ صحابہ کرام کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت  
 کرتے اور کھلی رات کو استغفار کرتے تھے۔ ان کی شان میں اشر تعالیٰ نے فرمایا ایا المستغفرین  
 بالاسماء اور سو نیا بلاشبہ یہ بڑے کامل مرشد ہیں کہ ان کے کلام سے میرا مقصد پورا ہوا اور  
 جو نعمت مدت و رات کی محنت میں حاصل نہ ہوئی تھی سو ان کے ایک دم کے فرمانے سے حاصل  
 ہوئی پھر میں مسجد میں گیا اور قبل نماز فجر کے میں نے حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا اور صبح  
 کی نماز کے بعد حجر اسماعیل سے میں نے رات کا پورا قصہ بیان کیا چونکہ وہ مجھ کو صادق جانتے تھے  
 انھوں نے کئی حضرت میاں سے بیعت کیا پھر میں وں کو حضرت شاہ عبدالعزیز کے پاس گیا اور  
 رات کا قصہ بیان کیا اور اپنے بیعت کرنے کا بیان کیا آپ نے فرمایا اگر اشر باؤگ اشر خوب کیا  
 میاں میں تم سے اس واسطے کہا کہ اتنا کیا کیوں میاں باقم نے میر صاحب کا کمال دیکھا تب میں  
 نے عرض کیا کہ حضرت میں نے بہت درویشوں کی خدمت کی اور بہت طریقوں کے موافق میں  
 نے شغل اور مراقبہ کیا میرا مقصد کبھی حاصل نہ ہوا حضرت سید صاحب نے ایک بات زبان سے  
 کہدی اور میں اپنا دلی مقصد پا گیا حضرت ابیہ کون سا طریقہ کہلاتا؟ تب فرمایا کہ میاں ایسے  
 لوگ کسی طریقہ کے محتاج نہیں ہوتے ایسے لوگ جو زبان سے ہیں وہی طریقہ ہو ایسے لوگ  
 خود صاحب طریقہ ہوتے ہیں اور ایسے لوگ طریقہ کھاتے ہیں حضرت مولانا کے فرمانے سے  
 اور بھی زیادہ مجھ کو حضرت میاں صاحب کے مرشد صاحب طریقہ ہونے کا یقین ہوا اور میرا  
 اعتقاد اور بھی زیادہ ہوا اس سبب سے میں میاں صاحب کی غلامی میں حاضر ہوں اور

ان کی غلامی کے قابل بھی نہیں اپنے تئیں نہیں پاتا۔

حضرت سید صاحب کی یہ روشی کرامت تھی کہ مولانا جو پوری کو ان کے شوق جہاد کے باعث بنگال روانہ کر دیا۔ اگر ایمان نہ ہوتا تو خدا ہی ہتر جانتا کہ بنگال داکٹر سام جیسے ایک خطہ لکھا انجام ہوتا۔ سوانح احمدی مصنف مولوی محمد عیسیٰ صاحب کے صفحہ ۱۲۱ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا کرامت علی مرحوم سید صاحب کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور قبل معرکہ بالاکوٹ حضرت سید صاحب نے مولانا کو ہدایت خلق اور شاعت دین کی غرض سے ہندوستان روانہ کر دیا۔ دانشور اعظم تحقیق الحال بالاکوٹ کی نامی حضرت سید صاحب پر مشکف ہو چکی تھی اس لیے حضرت سید صاحب نے مولانا سے وہی خدمت لینے چاہی جو ان کی ذات کے ساتھ مخصوص و مقدر ہو چکی تھی۔

جو لوگ حضرت سید صاحب کی تحریک کو ناکامی سے تعبیر کرتے ہیں وہ اگر صرف علمائے صادق پور مولانا کرامت علی صاحب جو نبوی کی تبلیغی سائنس پر ایک الگ نظر ڈال لیں تو شاید وہ اپنی رائے واپس لینے پر مجبور ہوں گے۔ آگے ذکر آئے گا کہ مولانا کی وجہ سے صوبہ بنگال جو عہد خلیہ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ نہ بن سکا تھا وہ محض مولانا کرامت علی کی کوششوں سے اکثریت کا صوبہ بن گیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولانا اسامی شہید کی محبت علمی نے ان کو اگر علم و فضل سے آراستہ کیا تو سید صاحب کے فیضِ باطنی سے ان میں نہ بہ وقار و عظمت و روح و تقویٰ ایشاد قرآنی اور دعوت دین اور احیائے سنت کا وہ پر شور جذبہ پیدا ہوا کہ انہوں نے جو پور کی مسند درس و افتاء اور امامت و خطابت اور ذاتی عزت و جہالت سب کو خیر باد کہہ کر بنگال کے گانوں گانوں کی خاک جھانسی اور قال اللہ قال الرسول کی سہانے پروردگار اہل بنگال کے کانوں سے آواز کر ان کے دل کی گہرائیوں تک پہنچایا، اور اسی راہِ غریب سے یہ سارے کام کرتے ہوئے جان جہاں آخرت کے سہرے کی آفتاب اور زین الملادول شہداء پروردگار صوبہ بنگال کے مقام رنگ پور میں مولانا کی وفات ہوئی۔ صاحب شاہ میر جو پور سے نور الدین احمدی کے نام سے ان کی آمد و رفت بہرہ رحمت سامع انور یاد رکھی ہو دو سرق آریخ و وفات خباب کرامت علی جنتی سے نکلتی ہو۔

اب ہم مولانا کے عادات و خصائل اور ان کی تبلیغی کوششوں کی تھوڑی تفصیل کہتے ہیں  
**عادات و خصائل** مولانا کی ذات نہاد و اتقا اور بذل و جوہر میں اسلاف کا نمونہ تھی، افسوس ہو کہ  
 مولانا کے اخلاق و عادات کے بارے میں تذکرہ علمائے ہند اور مشاہیر  
 جوہر میں دو دو چار چار فقروں سے زیادہ نہیں ملے، مگر ان محفل بیانات سے کبھی کسی قد ان کے  
 مرتبہ کی بلندی کی نشاندہی ضرور ہوتی ہے تذکرہ علمائے ہند میں جو۔

مشرع و متورع بودند شریعت کے پابند اور حدود و جہ پر ہمیز گاہ تھے۔  
 مشاہیر جوہر میں ہے۔

مولانا مرد میدان مذہب و تقویٰ صاحب مولانا زہد و تقویٰ کے مرد میدان اور بڑے  
 بذل و ہمت و سیر خیم بودند ہر کہ اندوہ و الو العزم فیاض اور سیر خیم تھے ان کے پاس  
 فتوح آمد بر صاحبان فقر و دسا کی جو غدیں اور بہ لایا آتے تھے وہ سب غرباء  
 تقسیم کر دے۔ دسا کی پر صوف کہتے تھے۔

مولانا کے عادات و خصائل اور معمولات کو مولانا عبد الباقی نے تفصیل سے لکھا ہے جس کا  
 کچھ خلاصہ یہ ہے۔

”حضرت مولانا کے مزاج میں حرامت اسلامی اور جوش الہیانی نے درجہ کا تھا، آپ  
 حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے، بعد تہجد صبح تک آپ ذکر خدا میں مشغول  
 رہا کرتے تھے۔ صبح کے بعد اشراق تک آپ مع اپنے مریدین کے مراقبہ کرتے۔ آپ کے حلقہ میں  
 بہت لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ اس کے بعد طلباء کو قرآن شریف یا تجوید و قرأت پڑھایا کرتے تھے، اس  
 کے بعد جائے بی کہ تصانیف کے شغل میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اور کھانا کھانے کے بعد دوپہر کو  
 آپ قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ ظہر کی نماز موافق مذہب حنفی کے اول وقت میں اور عشا کی نماز کچھ تاخیر کے  
 بعد لگاتے تھے، اور آپ ہمیشہ نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں جا کر ادا فرمایا کرتے تھے اور عشا کے  
 بعد کھانا کھا کر کتابوں کی تصنیف و کتب بینی میں مصروف رہا کرتے، آپ رات کو بہت کم سوتے  
 تھے اور تھوڑی دیر استراحت فرما کر تہجد کی نماز کے واسطے بیدار ہوا کرتے تھے۔ اور آپ اکثر با وضو  
 رہا کرتے تھے۔ آپ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پابند تھے۔ یہاں تک کہ سواک

قبل وضو بیچ وقفہ کیا کرتے اور پابند کوفہ تھے۔ غلام ہمیشہ باز دھتے تھے۔ پاجامہ او بچا پہنتے تھے۔ ہندو کا استعمال کبھی نہیں کیا۔ ہاتھوں میں ہر وقت تسبیح رکھتے۔ اور پڑھتے تھے۔ آپ کو پالہ سے بہت شوق تھا۔ اور حقہ سے نفرت تھی، اور حقہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ اور بعد مغرب کجا آپ طلباء کو قرأت مشق کرتے۔ اور علم قرأت میں آپ کے ہزاروں شاگرد تھے۔ آپ سات قرأتوں کے ساتھ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ ابتدائے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں کو پڑھاتے۔ اس کے بعد علم توحید اور اس کے بعد تعلیم ذکر و مراقبہ آپ کی خود کمال بہت مختصر تھی۔ اٹھ کھانے میں کوئی تکلف نہ تھا، قناعت ایسی تھی کہ جو کچھ سامنے آتا، شکر بھیج کر کھا لیتے۔ آموں سے آپ کو شوق تھا، اتھر کی بڑی بھجیا صاحبہ فرماتی تھیں کہ آم کی فصل میں آپ کے واسطے آم کئی نظام رہتا، جسے آپ کھانا کھانے کے بعد نوش فرماتے، جب فصل ختم ہونے والی ہوتی تو آم کا حلوہ گرم پینے کی آفریز سے تیار کیا جاتا، آپ اسے کچھ روز تک کھاتے، آپ کی ہر سیر علیٰ حقہ پوری کھدا ہوا تھا۔ آپ اپنے دام کو اپنی قصائیفت میں یوں لکھا کرتے۔

خاکسار علی بن پوری حضرت بہار علی بن پوری

آپ کی روش تحریر عربی کی مثل محمد حیدر کے سادی اور سلیس، عام فہم و خواص پر مبنی ہوا کرتی تھی، چنانچہ نسیم الحرمین، براہین قاطعہ، میلاد خیر الممیین وغیرہ دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ مولانا نے اپنی ادبی اور معنوی دونوں یادگاریں چھوڑی ہیں۔

مولانا کے کل ۱۴ اولادیں ہوئیں، ۷ لڑکے اور ۷ لڑکیاں، وفات کے وقت بڑے اولاد | صاحبزادے مولانا کی زندگی میں وفات پا گئے تھے، بقیہ وفات کے وقت موجود تھے۔ بڑے صاحبزادے کا نام حافظہ عبداللہ تھا۔ مولانا کے بعد ان کے اہل خانہ میں سے ایک نہ تک دعوت و تبلیغ کو اپنا شعار بنائے رکھا، آج بھی اس خاندان میں مولانا عبداللہ صاحب حیات ہیں جو اپنی خاکساری اور تواضع میں آپ اپنی مثال ہیں۔

(باقی)

## خاص رعایتی اعلان

# مِرْقَاةُ الْمَفَاتِيحِ شَرْحُ مَشْكَاتِ الْمَصَابِيحِ (عربی)

مبلغ سیر روپے میں قسط وار ایک ایک جلد حاصل کریں۔

معارف پوسٹ (ڈاک) و پبلنگ معاف  
مکمل کتاب ۵ جلدوں میں طبع ہوگی۔ ہر جلد علیحدہ علیحدہ مجلد

## جزء اول تیار ہے

آج ہی ہمیں شہر کے بڑے بڑے منی آرڈر روادہ کر کے جزء اول فرمائیں گے۔

اشتراک (ممبر شپ) کی ضرورت نہیں صرف جتنے بولیں وہاں کے مکمل کے حصہ دار بن جائیں۔  
بقیہ جلدیں بھی تالی، فائنٹ، رابع، خاندان، بھی وہی طرح ہیں جس طرح جزء اول کے خریدنے والے طبع ہونے پہلے ہیں گے۔

یہ خاص رعایتی ہے اور نسخہ پوری ہو جانے پر بند کی جائے گی

اور مبلغ میں کوئی فرق نہ ہوگا اور ہر جلد کے جلد اول بھی حاصل کریں

اور بقیہ جلدوں کے بھی مقدار میں خاص بقیہ جلدوں میں طبع ہونے پر اطلاع دی جائے گی۔

میں آرڈر کوچہ پر کتاب کا نام (مِرْقَاةُ الْمَفَاتِيحِ الجزء الاول مععارف) ضرور تحریر کریں۔

میں آرڈر کوچہ پر کتاب کا نام (مِرْقَاةُ الْمَفَاتِيحِ الجزء الاول مععارف) ضرور تحریر کریں۔

مِرْقَاةُ الْمَفَاتِيحِ کا ہر جلد ۱۰۰ (ایک سو) روپے کے قلیل عرصے میں تمام ہو گیا اور شائقین کے  
لگ بھگ ۱۰۰ (ایک سو) روپے کے لیے اور ہر جلد کے جلد اول میں طبع کرنا شروع کر دیے اور

## جزء اولی شائع ہو چکا ہے

## اس استثنائی رعایتی اعلان سے فوراً فائدہ اٹھائیں

اور نہ اس نامور و نایاب کتاب شائع ہوتی ہے نہ اس قدر رعایتی ہدیہ پر مل سکتی ہے۔

آپ بھی خیر اور خیر اور خیر عطا کر اسے، دینین غلام و طالبین علوم عربیہ سے بھی

بیش جتنی روپے کے منی آرڈر ارسال کریں گے یہ بھی

## دینی و علمی خدمت ہے

نوز کے ۸ صفحات مفت طلب فرمائیں پوری کتاب ایسے ہی مفید عمدہ کاغذ پر طبع ہوگی۔ انشاء اللہ۔

## جزء اول تیار ہے

اور ایسی سفید عمدہ کاغذ پر طبع ہوا ہے، جلد بھی بہترین رنگین کی ہے۔

MOLVI SURTI'S SONS

ابنائے مولوی سورتی  
۱۳۲-۱۳۲ جاملی محلہ ممبئی نمبر

132,134, JAMLI MOHALLA BOMBAY-3

# پاکستان کا المیہ

[ناظم دارالمصنفین جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب کے قلم سے ان کا سفر نامہ  
پاکستان معارف میں شائع ہو رہا ہے۔ چند اوراق میں شرقی پاکستان کے انصار و مہاجرین  
کے باہمی تعلقات کا بھی تذکرہ ہے۔ ان اوراق کے مطالعہ میں ناظرین افغانستان بھی شریک

ہوں  
ادارہ

میں پہلی بار ڈھاکہ ۱۹۵۱ء میں آیا تھا، اُس وقت یہ شہر بہت زیادہ ترقی یافتہ نہ تھا، کلکتہ کے  
مقابلہ میں یہ محض ایک قصبہ معلوم ہوتا تھا، دوسری بار ۱۹۶۲ء میں آیا تو اس کی شکل بہت بدل گئی تھی۔  
اب ۱۹۶۹ء میں آیا تو اس کی بہت سی ٹرکوں پر کلکتہ جی جیسی رونق اور چل پھل پائی۔ موتی بھیل،  
جنگ ایونیو، اسٹیڈیم، دھان منڈی، گلشن اور نیو بنگلان میں تو بہت سی خوبصورت عمارتیں بن گئی  
ہیں، ایک روز اپنے چھوٹے چچا جناب سید صلاح الدین صاحب کے ساتھ ہائی کورٹ چلا گیا، اس کی  
نئی عمارت بہت شاندار ہے، لیکن پلننگ کی کمی محسوس ہوئی، عمارت کا پورا فرش موزیک کا ہے، یہاں کی  
نئی عمارتوں میں موزیک کی بڑی فراوانی دکھی، چیف جسٹس کے کورٹ کے اندر گیا، بڑا وسیع ہال تھا، جو  
ہر طرح آراستہ تھا، دکلاؤں اور جھونکوں کا لباس وہی تھا جو بھارت کے ہائی کورٹ میں ہے۔ عمارت کے  
بیچ میں وسیع لان تھا، اس کی گھاس اچھی نہ تھی، مونتھے بکثرت تھے، لیکن مالہوں نے اس کو کاٹ کر  
برابر کر رکھا تھا جس سے دیکھنے میں پورا لان بھلا معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے دن ڈھاکہ ہائی کورٹ کے  
جسٹس محمود حسین صاحب کے یہاں جانے کا اتفاق ہوا، وہ اپنی سفید لمبی ڈاڑھی میں بہت متشرب  
معلوم ہوئے۔ سلٹ کے رہنے والے ہیں، اُردو صاف اور اچھی بولتے ہیں، باتیں شروع ہوئیں تو میں نے  
کہا کہ آپ کے ہاں ہائی کورٹ کی عمارت خوبصورت اور شاندار ہے، کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ



جیسا اس کا ظاہر ہے ویسا اس کا باطن بھی ہو جائے۔ گفتگو چل چلی تو بوسے کے مسلمانوں کا بھی عجیب حال ہے۔ حافظ شیرازی کی موت ہوئی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ کا فر مراد، اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے سے انکار کیا۔ لیکن ان کے دیوان سے خال نکالی گئی تو یہ شعر نکلا۔

قدم درخشاں مرا از جنازہ حافظ کہ اگرچہ غرقِ گناہ ست می رود بہشت  
پیرکت لگے کچھ مسلمان مولانا دم کو بھی مسلمان نہیں سمجھتے ہیں، خدا ایسے مسلمانوں پر اپنا فضل  
رکھے۔

جمعہ کے روز دھاک کی مشہور مسجد بیت المکرم میں نماز پڑھنے گیا، جو یہاں کی جامع مسجد  
ہو، بالکل ہی نئے طرز کی سمنزلہ علامت ہو، ہر منزل پر جماعت کھڑی ہوتی ہو۔ اس میں دہلی کی جامع مسجد کی  
طرح لمبا صحن نہیں ہو۔ اور نہ گنبد ہو۔ دھوپ سے بچنے کے لیے اس میں شامیانہ ڈالنے کی ضرورت نہیں  
ہوتی بیچ میں ایک بڑا ہال ہو، وہیں امام صاحب کی امامت کی جگہ بنی ہوئی ہو۔ اس کے اوپر اور  
نیچے کے حصوں میں دوکانیں ہیں جن سے کافی آمدنی ہوتی ہوگی، اس کا ایک کتب خانہ بھی ہے، تمام فرائض  
موزیک کا ہے۔ امام صاحب کے لیے ایک علیحدہ کمرہ بھی ہے جہاں ان سے لوگ فیوضِ دبرکت حاصل کرنے  
کے لیے جمع ہوتے ہیں، موجودہ امام صاحب کا اسم گرامی مولانا عظیم الاحسان ہے، پہلے ان کا وطن بہار  
شریف ضلع پٹنہ تھا، میں ۱۹۴۷ء میں پٹنہ میں ایک بڑا پرنٹنگ کارہا تھا تو میرے ایک محترم عزیز  
جناب سید محمد امین صاحب نے ان سے میرے لیے دعائیں کرا لی تھیں، اس لیے میں ان سے جذبہ  
ممنونیت کے ساتھ ملا، وہ دانا مصنفین سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے بڑی خندہ پیشانی سے ملے،  
دیر تک گفتگو ہوتی رہی، انھوں نے بتایا کہ اردو اور ہنگلہ میں ان کی تقریباً انسی کتابیں شائع ہو چکی ہیں،  
جمعہ کی نماز کا وقت آیا تو اپنے حجرہ سے باہر نکلے، ایک عصابہ بردار مرصع عصا لیے ان کے آگے آگے  
چلا، وہ سب سے مصافحہ کرتے ہوئے منبر تک پہنچے، خطبہ کچھ تحت اللفظ اور کچھ فرائض کے ساتھ پڑھا،  
ان کے پڑھنے کا انداز اچھا اور موثر تھا، مگر لاڈلا سپیکر اچھا نہ تھا، اس لیے آواز کبھی کبھی نا صاف ہو  
جاتی تھی، مقتدی دس ہزار سے کم نہ رہے ہوں گے۔

اسی روز شام کو خبر ملی کہ بنگالیوں اور اردو بولنے والے مہاجرین میں تناؤ پیدا ہو گیا ہے،  
دونوں کے تعلقات خراب ہو رہے ہیں، اردو بولنے والے مہاجرین کا مطالبہ یہ تھا کہ آئینہ انتخاب

کے لیے دو مہینے کے لیے نئے فارم اردو میں بھی مہیا کیے جائیں۔ چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے اعلان ہوا کہ مشرقی پاکستان میں بنگالی کے علاوہ اردو میں فارم دینے سے انتظامیہ کی مشکلات بڑھ جائیں گی اور دو بولنے والے مہاجر دوں نے حکومت کے خلاف احتجاج کرنے کی خاطر ڈھاکہ میں محمد پورا اور میر پور کے علاقوں میں دکانیں بند کر دیں اور کہیں کہیں یہ بھگڑا اور اصل مہاجر دوں اور حکومت کے درمیان تھا لیکن بنگالیوں اور اردو بولنے والے مہاجر دوں کے بھگڑنے کی شکل میں تبدیل ہو گیا، گھر سے باہر نکلتا مشکل ہو گیا۔ ۲ نومبر سے کئی روز تک خاص خاص اوقات میں کوئی لگا رہا، ۳ نومبر کی صبح کو اخبار ملتا تو اس میں یہ خبر تھی کہ سچے آدمی ہلاک ہوئے، یہ خبر پڑھ کر بڑا دکھ ہوا کہ جب پاکستان میں مسلمان مسلمان سے لڑ کر ہلاک ہوتے ہیں تو پھر ہندوستان میں اگر ہندو مسلمان لڑتے ہیں تو وہاں کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ طرح طرح کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں، بنگالیوں اور غیر بنگالیوں دونوں کی زبان پر تھا کہ ان کے آدمی زیادہ مارے گئے، مجھ کو کوئی سب سے کبھی سنا ہے نہیں پڑا تھا، ہر طرف ہو کر عالم چھایا تھا، فوجی ٹرک گزرتا تو اس کی صرف آواز کانوں میں پڑتی۔ ۲ نومبر سے مرو بہت تک فضا بڑی مکھڑ رہی، اخبار دوں میں مارننگ نیوز اور پاکستان آئین دوں کا لب دلجمہ صلح کل تھا، لیڈروں کے بیانات میں بھی امن و امان کا پیغام ہوتا، بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کے ملے جلے جلسوں بھی ہوئے اور مسلمان بھائی بھائی کے نعرے لگائے گئے، پاکستان آباد کے اڈیر عبدالسلام صاحب کا ایک اچھا مضمون بھی شائع ہوا، جس میں انھوں نے اس بھگڑے کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا، بنگالیوں اور غیر بنگالیوں دونوں پر الزامات عائد کیے، اردو بولنے والے مہاجر دوں کو مخاطب کر کے لکھا کہ یہ اپنے کلچر کے احساس برتری میں مبتلا ہیں، اور بنگالیوں کی طرف روئے سخن کر کے لکھا کہ ان میں تنگ نظری آگئی ہے۔ اردو بولنے والے مہاجر دوں سے اپیل کی کہ وہ احساس برتری کو چھوڑ کر بنگلہ زبان ضرور سیکھیں، بنگالیوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اردو زبان ضرور سیکھیں، کیونکہ اردو زبان بھی ان کے کلچر کا ایک ضروری حصہ ہے۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان کے لوگ اردو سیکھیں بغیر مشرقی پاکستان کو عظیم تر نہیں بنا سکتے۔ پاکستان آئین دوں میں وہاں کے مشہور رہنما حمید الحق چودھری صاحب کا بھی ایک مضمون شائع ہوا، جس میں انھوں نے مشرقی پاکستان کے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ قصاص محض اس لیے ہوا کہ ان میں واداری و طینت اور عزت نفس وغیرہ کا فقدان ہو گیا ہے، لیکن ایک بنگالی اخبار پورا بودیش کا لب دلجمہ

اچھا نہ تھا، اس کے ایک مضمون کا اردو ترجمہ مہاجرین کے اخبار ہمدانی آواز میں چھپا، اس میں یہ لکھا گیا تھا کہ مہاجرین کو مشرقی پاکستان میں جگہ دے کر ان پر بڑا احسان کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کو بنگالیوں کے سامنے جھکا رہنا چاہیے، اردو اپنے لائے ہوئے کلچر کو خیر باد کہہ کر بنگالیوں میں ضم ہو جائیں، پاکستان آبدوز کے ایک ایڈیٹوریل سے بھی یہ معلوم ہوا کہ کچھ اشتہارات ایسے بھی بنگالی زبان میں چھپے جن میں بنگالیوں کو یہ تلقین کی گئی تھی کہ وہ اردو بولنے والوں کو بالکل ختم کر دیں، پھر ایسے اشتہارات بھی تقسیم کئے گئے جن میں بنگالی جاگو اردو بہاری بھاگو کا بھی نعرہ بلند کیا گیا، وہاں کے ایک انگریزی ہفتہ وار اخبار دی پوپل کے ایک مضمون کو بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا، جس میں فساد کی ساری ذمہ داری مہاجرین پر ڈال دی گئی تھی، اس کے مضمون نگار کو شکایت تھی کہ ان کو حکومت نے مجبوراً اند میر پور میں اجتماعی طور پر سبکدستی غلطی کی ان کو منتشر رکھنا چاہیے تھا، تاکہ وہ بنگالیوں میں رشتہ و فتنہ ضم ہو جائے مضمون نگار نے یہ بھی لکھا کہ مہاجرین کو سبکدستی پر بڑا اقتصادی بار پڑ رہا ہے، اور ان کو کمزور دوسرے مہاجرین کی خاطر یکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ مضمون مہاجرین کیلئے بڑا تلخ تھا، بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کی اس اعصابی جنگ میں کچھ مہاجرین کے حوصلے پست ہو گئے ہیں، اردو سمجھنے لگے ہیں کہ ان کا مستقبل مشرقی بنگال میں تادیک ہے، لیکن کچھ مہاجرین ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان چھوڑ کر تو یہاں آئے، اب یہاں سے کہاں جائیں، ان کے جذبات کی ترجمانی کرنے کے لیے ان کی ایک تنظیم بھی قائم ہے، اس کا ایک کنفرنس ۳۱ اکتوبر کو رنگاپور میں ہوا تھا جس میں یہ مطالبے کیے گئے تھے۔ (۱) مشرقی پاکستان کے اردو بولنے والے طلبہ کے لیے ذریعہ تعلیم اردو ہو، دھاکہ یونیورسٹی کی طرح چارنگام اردو راج شاہی یونیورسٹیوں میں بھی اردو کے شعبے قائم کیے جائیں۔ (۲) پالی ٹکنک، ٹیکنیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں مہاجرین کے بچوں کے لیے نشستیں مخصوص کر دی جائیں (۳) ایسے مقامات پر جہاں مہاجرین کی کثیر آبادی ہے، مثلاً میرپور، مچھ پور، امیتوڑ، خالص پور، بونر پار، اور بکر ادغیرہ میں پرائمری سے لے کر کالج تک تعلیم اردو میں ہو، سید پور کے ٹیکنیکل ہائی اسکول میں اردو کو بھی مساوی حیثیت دی جائے (۴) ریڈیو اردو سیلی ڈیٹن میں بنگلہ کے ساتھ اردو کو مساوی حیثیت دی جائے (۵) فوج، پولیس، عدلیہ، انتظامیہ اور دوسری ملازمتوں میں مہاجر امیڈ اردو

کے لیے کوئی مخصوص کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اخبار میں ان تجویزوں کو پڑھ کر مجھ کو ایسا محسوس ہوا کہ میں پاکستان کا کوئی اخبار نہیں پڑھ رہا ہوں بلکہ ۱۹۴۷ء سے پہلے کے ہندوستان کے کسی مسلم اخبار کا مطالعہ کر رہا ہوں، ایک روز مہاجرین کے آرگن ہماری آواز کے نامہ نگار حفیظ الحق سے ملاقات ہوئی توہ بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کے بھگدوں پر دیر تک تبصرہ کرتے رہے۔ ان کی گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ پاکستان کی صورت حال اس لیے بگڑتی چلی جا رہی ہے کہ قائد اعظم نے پاکستان کے بنیادی تصورات کے ساتھ جو نہ رہی و اخلاقی، قومی اور وطنی فضائیاں کی تھیں وہ ان کے بعد قائم نہ رہ سکی، اسی لئے وہ ایک بہت ہی سلیجے والے دور اندیش بنگالی سلمان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا تو وہ بھی کہنے لگے، ہمارے سامنے قومی سیرت دھڑکنے کا جو اعلیٰ تصور ہونا چاہیے، وہ ابھی تک نہیں پیدا کیا جا سکا ہے۔ یہ اعلیٰ تصور کسی شمالی نمونہ کے کردار رکھنے والے رہنما ہی کے ذریعہ ساری قوم کے سامنے آ سکتا ہے، لیکن اس وقت ہماری رہنمائی نشوونما اخباروں کی لمبی لمبی سرخیوں اور جلسے جلوس کے نعروں سے ہو رہی ہے، وہ یہ بھی کہنے لگے کہ اس وقت ہم صرف دنیاوی منفعت اور مادی فوائد کے حصول میں لگے ہوئے ہیں، فیکٹریوں، کارخانوں، محکموں اور عمارتوں کی توسیع کا مطالبہ تو جاری ہے، مگر کسی کو ذاتی اخلاق و سیرت کو سنوارنے کے لیے کچھ کہیے تو وہ سننے کے لیے تیار نہیں، یہ مادی فوائد کی ہوس معلوم نہیں ہم کو کہاں لے جائے گی۔

بہت سے تعلیم یافتہ بنگالیوں سے ملنے کا موقع ملا جن میں ایک ریٹائرڈ امین۔ پی تھے۔ کچھ سکریٹریٹ کے ملازمین اور کچھ ہائی کورٹ کے دکلر تھے، ان کی گفتگو کا رنگ کچھ اور تھا، ان سب کو شکایت تھی کہ مغربی پاکستان والوں نے ان کے ساتھ بڑی بے انصافی کی ہے۔ بلکہ ظلم کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے، ہوس چوس کر اپنے یہاں غیر معمولی ترقی کر لی ہے۔ مشرقی پاکستان زرمبادلہ زیادہ حاصل کرتا ہے، لیکن ان کی ساری آمدنی کا نوے فی صد حصہ مغربی پاکستان میں خرچ ہوتا رہتا ہے، اگر اچھا اور اسلام آباد کی ترقی ان ہی کے روپے سے ہوئی ہے۔ ملازمتوں میں ان کی آبادی کے تناسب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے۔ فوج میں ان کو جگہ نہیں دی جاتی، انگریزوں کے زمانے کی طرح وہ مغربی پاکستان کے محض محکوم ہیں۔ یہ کیسی بے انصافی ہے کہ ان کی آبادی تو اکثریت میں ہے

لیکن اکثریت اقلیت کے ماتحت ہو گئی ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہیے۔ اس لیے سارے سرکاری دفاتر ترقی کے دار السلطنت کو بھی مشرقی پاکستان ہی میں رہنا چاہیے۔ ان شکایتوں میں بڑی لمبی ہوتی تھی، اتفاق سے ان ہی دنوں لاہور کے ایک ہفتہ وار سالہ ”زندگی“ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، اسکے سرورق پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اس کی اشاعت ۴۲ ہزار ۵۰۰ اس کے مدیر اعلیٰ ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی، مدیر مسئول الطاف حسین قریشی اور مدیر مجیب الرحمن شامی ہیں، اس میں ایک ایسا مضمون نظر سے گزرا جس میں مشرقی پاکستان کی بہت سی غلط فہمیاں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اس کی تردید کی گئی تھی کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کے مقابلہ میں .... زرمبادلہ زیادہ حاصل کرتا ہے، مثلاً اس میں ۶۳۔۶۴ لاکھ ٹک کے برآمد کے اعداد و شمار دیے گئے تھے، اس کے بیان کے مطابق ۶۳۔۶۴ میں مشرقی پاکستان سے ایک ارب ۲۲ کروڑ اور مغربی پاکستان سے ایک ارب ۷ کروڑ کی برآمد ہوئی، لیکن مغربی پاکستان کی برآمد کی کمی کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ یہ اپنا مال باہر بیچنے کے بجائے مشرقی پاکستان کو بھی سپلائی کرتا ہے۔ مثلاً ۶۳۔۶۴ میں مشرقی پاکستان نے مغربی پاکستان کو ۶ کروڑ ۱۹ لاکھ کا مال بھیجا تو مغربی پاکستان نے مشرقی پاکستان کو ۸ کروڑ ۱۵ لاکھ کا مال بھیجا۔ درآمد میں بھی مغربی پاکستان مشرقی پاکستان سے بڑھا ہوا ہے۔ مثلاً ۶۳۔۶۴ میں مشرقی پاکستان نے ایک ارب ۴۵ کروڑ کا مال درآمد کیا تو مغربی پاکستان نے ۱۲ ارب ۸ کروڑ کا مال درآمد کیا، پھر اس مضمون میں یہ بھی تھا کہ مرکزی حکومت زرمبادلہ مشرقی پاکستان میں زیادہ خرچ کر رہی ہے۔ مثلاً ۶۳۔۶۵ میں یہ زرمبادلہ مشرقی پاکستان میں ۲۹ کروڑ ۲۰ لاکھ خرچ ہوئے، اس کے مقابلہ میں مغربی پاکستان میں ۴ کروڑ ۱۵ لاکھ خرچ کیے گئے، میں نے ایک روز ایک سنجیدہ بنگالی مسلمان سے اس مضمون کے اعداد و شمار کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ قابل اعتماد نہیں، یہ محض اخباری پردہ پگینڈا ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ ہمارا برونی زرمبادلہ اب تو ہر سال کم ہوتا جائے گا، اس لیے کہ مغربی پاکستان تیزی سے ہر شعبہ میں ترقی کر رہا ہے، اور ہم بہت پچھڑے جا رہے ہیں، تعلیم یافتہ مہاجرین کا بھی خیال تھا کہ دھاکہ اور مشرقی پاکستان میں پہلے سے ضرورت زیادہ ترقی ہوئی ہے، پھر بھی مرکزی حکومت نے بہت سی باتوں میں اس علاقہ کو کافی نظر انداز کیا ہے، جس سے مشرقی پاکستان

دلوں کا اشتعال بڑی حد تک درست ہے۔ مگر مرکزی حکومت کے ایک بہت بڑے افسر سے بات ہوئی تو وہ یہ کہتے تھے کہ مشرقی پاکستان میں ترقیاتی پروگرام کے لیے جو روپے مقرر کئے گئے ہیں وہ اس عجلت اور مستعدی سے خرچ نہیں کیے جاتے جس طرح پاکستان کے مغربی حصہ میں آئے ہیں۔ ان گفتگوؤں کو سن کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر غلط فہمیاں دور ہوتی رہیں تو پھر بہت سی شرکائیں خود بخود درخ ہو جائیں، پاکستان مسلمانوں کی بڑی قربانیوں کے بعد بنا ہے۔ بعد ازاں کے بعد ان کو پھر سے ایک ملک ملی ہے، جس پر ان کو حکومت کرنے کا موقع ملا۔ ان کی سلطنت ایک زمانہ میں کشمیر سے اورا کان تک پھیل گئی تھی، لیکن وہ کھو بیٹھے، آخر ان کے زوال کے کیا اسباب ہوئے، حال اور مستقبل کو سنوارنے کے لیے ماضی سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسلمان ۱۲۵۰ء سے ۱۵۵۰ء تک ہندوستان کے اندر قطب مینار، تخت طاؤس اور تاج محل تو ضرور بناتے رہے۔ لیکن انھوں نے کوئی ایسا مضبوط صانع، تو انا اور صحت مند معاشرہ نہیں بنایا جو ان کو ہر حال میں سنوارے اور سنبھالے رکھتا، اسی لیے وہ منتشر اور پر اگندہ ہو کر سب کچھ کھو بیٹھے، ماضی کے اس دردناک پہلو سے بہت کچھ سبق حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ جتنی ہے کہ معاشرہ اچھا ہوتا ہے تو سیاست بھی اچھی رہتی ہے۔ معاشرہ بگڑا ہوا ہو تو سیاست بھی بگڑی رہتی ہے۔ ارباب فکر کی تعلیم ہے کہ اچھے معاشرہ کے لیے پاک ضمیر، بلند خیال اور لطیف ذوق کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب قوم کی اصلی روح میں پاکیزگی بھی ہو، اقبال نے بھی کہا ہے۔

وچ نہ روح میں پاکیزگی تو ہو ناپسید ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

**BOMBAY, ANDHRA TRANSPORT CO.**

**TRANSPORT CONTRACTORS.**

**113- BHANDARI STREET (CHAKLA).**

**BOMBAY - 3.**

**دار**

- آنکھوں کی تمام بیماریوں کا دشمن
- بنیانی کا محافظ
- اسے روز کا معمول بنائیے تو نگاہ انشا اللہ
- آخر تک قائم رہے گی
- دس زجف لگتا نہیں بلکہ ٹھنڈا کر دے
- فرحت پہنچاتا ہے
- سہجے کیا تھوہار چستی کی میانی سلامتی
- بھی طلب فرمائیے

اگر پیانہ کی دھن  
بچے سوئی  
اچھی  
۳۶ دواؤں کا  
رکب

ایک تورا پتہ لکھو  
جسے  
چھوڑا تھوہار چستی  
اگر کھانا خراب ہو  
اگر کھانا خراب ہو  
اگر کھانا خراب ہو

دار الفیض حمایتی - دہلی دہلی

## النبی الخاتم

مولانا سید مناظر حسن گیلانی کا ایک عظیم شاہکار جس میں سادہ  
چار بیوضات کے تحت سیرت نبوی کے پہلوؤں سے سخت کی گئی اور  
ان میں سے تقریباً تین سو بیوضات کا تعلق ان چار بیوضات سے ہے جو  
النبی الخاتم صلعم کی پاک زندگی میں سیرت کے مختلف پہلوؤں کے متعلق ہیں  
کتاب سیرت کے کتاب میں سخت نہیں کی گئی۔  
ہر سہ لکھ کا دیریز بائیں رائیں آٹھ طباعت اصلی کاغذ قیمت ۲/۵۰

## خطبات مدارس

حیات نبوی کے مختلف پہلوؤں پر علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات جو مرحوم  
کے علم تحقیق کا پورا پورا ثبوت ہے۔ قیمت صرف ۲/-

## رحمت عالم

علامہ سید سلیمان ندوی کے یہ کتاب سیرت کے موضوع پر نہایت ہی نکار  
زبان میں خاص طور پر طلباء کے لیے لکھی ہے۔ قیمت ۱/۵۰

## بینیبر عالم

اس حضرت صلعم کی حیات طیبہ پر ایک نئی مستند ناظرانہ کتاب  
از مولانا عبد الصمد رسانی۔ قیمت صرف ۶/۵۰

## خلفاء راشدین

سیرت خلفاء راشدین پر حضرت مولانا عبد الشکور قادری کی عظیم  
تفصیل جو مسلمانوں کے دلوں میں حضرت صحابہ اور انھیں صحابہ و خلفاء  
راشدین کی محبت و عظمت اور حسن عقیدت پیدا کرتی ہو اور ضمناً ان میں  
اس وجہ کے تمام اہم تاویخ و افہامات بھی سامنے آجائے ہیں اور ان  
کے صحیح اسباب بھی معلوم ہو جائے ہیں۔ قیمت صرف ۲/۵۰

## دنیا میں اسلام کی ترقی و ترقی

حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کی مشہور و معروف  
تصنیف۔ قیمت ۶/-

## صدیق اکبر

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی  
مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے الفاہاروق کے بعد، دوزبان میں  
سیرت صدیق اکبر کا جو خلاصہ ہے جو تا تھا اس کو اس کتاب نے  
کے ساتھ پور کر دیا ہے۔ ندوۃ المصنفین کی شائع کردہ ہے۔  
قیمت صرف ۶/-

## الفاہاروق

اس کتاب میں حضرت عمرؓ کے مفصل سوانح حیات عادات  
وخصائل علمی کمالات ان کے عہد کے تمام ملکی اور مالی اور فوجی  
اشتغالات اور ان کے مجتہدانہ و مصرانہ کارناموں کو نہایت  
شرح و مبسط اور دلچسپ و دلکش انداز کے ساتھ و بیکلام لایا گیا ہے  
قیمت صرف ۶/-

## سیرت عائشہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی اور  
اخلاق و عادات کی تفصیل اور ان کے علوم و مجتہدات پر بحث و  
تبصرہ۔ قیمت صرف ۶/-

## سیرت عمر بن عبد العزیز

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے مفصل سوانح  
زندگی اور ان کے عہد کے مجددانہ کارنامے۔ قیمت صرف ۲/-

## سیرۃ النعمان

امام اعظمؒ کے سوانح حیات ان کے فقہی خصوصیات اور ان  
کے شاگردوں کے حالات پر ایک جہات اور بصیرت افروز کتاب  
مولفہ علامہ شبلی نعمانی۔ قیمت ۲/۵۰

## الغزالی

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی سوانح عمری علامہ شبلی نعمانی نے نظم ہے ۵/-

کتاب خانہ الفتیان کچری روڈ لکھنؤ



پسکوان کے  
عصہ تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میں براڈ  
صاف کیا ہوا۔ ونگ پیل کا تیل  
۲۰۱ اور ۲۰۵ کا کیم

عصہ وناستی  
۲۰۱ اور ۲۰۵ کا کیم

سیٹولا، پتل کا تیل  
۲۰۱ اور ۲۰۵ کا کیم

۱۱ کائنات خالص ناریل کا تیل  
۲۰۱ اور ۲۰۵ کا کیم

کو کو جہا

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل

۲۰۱ اور ۲۰۵ کا کیم

امی سلاڈ تیل

۲۰۱ اور ۲۰۵ کا کیم

عصہ تیل

# الفوائد المكشوفة

مكتبة

عتيق الرحمن بن سبغاتي

# قرآن کا پیغام سمجھنے کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کیجئے

## قصص القرآن

(از مولانا حفص الرحمن مرحوم)

اہم سابقہ کے سلسلے میں قرآن کے مہمانانہ پرانے عجیب و غریب احادیث اور علوم عمرانی کی مدد سے تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور ان واقعات کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر ایک پورا کتاب خانہ ہے۔ قیمت مکمل چار روپے غیر مجلد ..... ۲۸/-

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی  
قیمت ۱/-

## فہم قرآن

قرآن مجید کے آسان سمجھنے کے کیا معنی ہیں؟ قرآن کو صحیح طور پر سمجھنا کی علوم و شرائط پر موقوف ہے؟ اس سلسلہ میں احادیث نبویہ کا کیا مقام ہے؟ یہ اس کتاب کے خاص مضامین ہیں۔ ۲/-

## لغات القرآن

تمام قرآنی الفاظ کی نہایت جامع اور مفصل دیکھنری! الفاظ کے معانی متعین کرنے میں جہاں علمی بحث اور تاریخی تشریح کی ضرورت پڑی ہے، اس کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ خاص طور پر بابائے علم کے لیے بڑے کام کی ہے۔ بڑے سائز کی چھ جلدوں میں مکمل قیمت مکمل ایک روپے غیر مجلد ..... ۳۳/-

## قرآن اور تعمیر سیرت

ظہر و نسیات کے ماہر جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کی ایک نہایت قابل قدر کتاب جو تعمیر سیرت و کردار سازی کے جامع نقطہ نظر سے قرآن کی بعض اہم تعلیمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ متعدد مقالوں پر مشتمل ہے۔ قیمت صرف ..... ۱/-

## القول الکبیر (اردو)

تفسیر قرآن کے اصول و معیار حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بے نظیر مقالہ، دریا بکھرنے کی مثال، فارسی سے اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۱/-

## تفسیر امجدی جلد اول

اس تفسیر کی افادیت اور خصوصیات کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ ممکن نظر ثانی اور بحکرت اضافات کے ساتھ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ یہ جلد سورہ فاتحہ، بقرہ، آل عمران کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ بڑے سائز کے... صفحات مضبوط جلد، قیمت جلد - ۱۸/ (باقی جلدیں زیر طبع)

## مولانا عبد الماجد صاحب دہلوی کے

## چند تفسیری رسالے

جو ان کے وسیع اور گہرے مطالعہ کا بخیر ہیں۔

## قرآنی شخصیتیں

قرآن میں آئل سے آخر تک جن شخصیتوں کا ذکر آیا ہے ان کے بارہ میں مختصر تحقیقی معلومات۔ قیمت صرف ۲/۲۵

## حیوانات قرآنی

قرآن مجید میں جن حیوانات کا تذکرہ آیا ہے ان کے بارے میں تحقیقی معلومات۔ قیمت صرف ۲/-

بعض قرآنی مسائل اور قصص پر چند تحقیقی  
تصنیف کے مقالہ کا مجموعہ قیمت - ۲/-

قرآن مجید کی بہت سی آیات سے شریعت انبیاء علیہم السلام کا اشارات قیمت - ۲/۲۵

از علامہ سید سلیمان ندوی  
قرآن پاک میں جن مقامات اور مشرکوں کے

نام لگے ہیں ان پر مفصلہ جزئیاتی مباحث۔ دو جلدوں میں مکمل قیمت مکمل ..... ۱۰/۵۰

قرآن کریم کے مطالعہ میں اس مختصر مقالہ سے بڑی رہنمائی ملے گی جاسکتی ہے خواہر

تعلیمی ادارہ ملکہ کوٹہ لکھا گیا ہے۔ قیمت صرف ۱/-

کتب خانہ الفتن، پٹنہ، بھارت

سَلَا لَآئِهٖ جَنَدَهٗ

ہندوستان سے ..... ۸/۰

پاکستان سے ..... ۸/۵

ضمانت ۵۶ صفحات

قیمت فی کاپی ..... ۷۰ روپے

# دفتر لکھنؤ

سَلَا لَآئِهٖ جَنَدَهٗ

غیر مالک سے

۵ اشک

ہوائی ڈاک کے لیے مزید

موصول ڈاک کا اضافہ

جلد ۳۱ | بابۃ ماہ بیج الاول ۱۳۹۰ھ مطابق جون ۱۹۷۱ء | شمارہ ۳

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولیں	عشق الرحمن پٹھانی	۲
۲	حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کا اصل	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۰
۳	معارف الحدیث	" " "	۱۶
۴	یک دو ساعت صحیحۃً باہل دل	مولانا سید محمد ثانی حسنی	۲۴
۵	حضرت عمرؓ کی معاشرتی اصلاح	مولانا محمد تقی امینی	۳۵
۶	مولانا کرامت علی چونیوری اور ان کا ترجمہ شائیں ترمذی	مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی	۴۳

## اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا دوبارہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ جون تک آجائے ورنہ اگلا پرچہ بعینہٗ دی بی اور سال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ اُسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج کر ہمیں براہ راست اسکی اطلاع بھیجیں۔

افہیں دی بی اینس کیا جائے گا لہذا ۲۸ جون تک چندہ کی اطلاع نہ ملنے کی صورت میں ہم مجبور ہوں گے کہ رسالہ بھیجا بند کر دیں۔

غیر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت اور سی آئی ڈی کوپن پر اپنا غیر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے۔

تالیخ اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر تالیخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ۲۸ تالیخ تک آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر لکھنؤ، پتھرری روڈ، لکھنؤ

(ہوائی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر ایڈیٹر دپو پراٹر نے توپریپس میں چھپوا کر دفتر الفرقان، پتھرری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# نگاہِ اولیں

از ————— عتیق الرحمن منہجلی

مئی کے دوسرے ہفتہ میں ہمارا شرٹ کے مسلمانوں پر جو قیامت گزری ہے قدرتی طور سے توقع کی جائے گی کہ اس دفعہ کا ادارہ اسی سانچہ پر نکلے گا اور فادات کے موضوع پر کوئی کام کی بات سامنے لانے کی کوشش کی جائے گی۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ باتیں بہت ہو چکیں، لکھنے اور کہنے کے لیے اب کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ جو کچھ رہ گیا ہے — اور تمام تر وہ ہی گیا ہے — وہ صحیح قسم کی علیٰ حد و جہد ہے۔ اپنے گرد پیش کے انسانوں کی طرف سے کوئی واقعہ بار بار پیش آئے تو وہ خود ہی بتانے لگتا ہے کہ کیونکر پیش آ رہا ہے اور اسے روکنے کے لیے ہماری طرف سے صحیح تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ فادات کا واقعہ جس کی تکرار کا اب کوئی شمار نہیں رہ گیا ہے اور ملک کا کوئی خطہ نہیں جہاں کے مسلمانوں کو اس کا کم و بیش تجربہ نہ ہو چکا ہو، اگر اس پر بھی اپنے اسباب ہم پر واضح کرنے اور جدوجہد کی صحیح سمت اور شکل پر مطلق کرنے کے لیے کافی نہیں ہے تو پھر کسی تحریری اور تقریری رہنمائی سے بھی یہ کام انجام نہیں پاسکتا! اس لیے ہم ہمارا شرٹ کے اس دلدوز سانچہ کے سلسلہ میں بس مظلوم خاندانوں کے حق میں دُعا اور دلی ہمدردیوں کے اظہار پر اکتفا کرتے ہوئے اس سانچہ کے آغاز والے دن ہی کے، ایک ایسے واقعہ کو آج کی صحبت کا موضوع بناتے ہیں، جس پر لکھنا شاید کچھ کام آئے۔

ہماری کے اخبارات میں پارلیمنٹ کی کارروائی کے سلسلہ کی یہ خبر شائع ہوئی ہے اور مصدق ہو چکی ہے کہ ایک جن نگلی ممبر نے مسلم پرسنل لائیں اصلاحات، خصوصاً عورتوں کے حقوق سے متعلق اصلاحات کا جائزہ لے جانے کے لیے ایک کمیشن مقرر کرنے کی تجویز وزارتِ قانون کے سامنے پیش کی، جس پر کچھ بحث و مباحثہ کے بعد وزیرِ قانون نے اعلان کیا کہ وہ اس تجویز پر غور کریں گے۔

ہمارے سامنے یہ سمجھنے کی تو کوئی گنجائش نہیں کہ ان صفحات میں کچھ لکھنے کی رسائی ایوانِ حکومت

یہ عام ممبران پارلیمنٹ تک بھی ہو جائے گی۔ لیکن اس کی توقع کی جا سکتی ہے کہ حکمران کانگریس سے تعلق رکھنے والے اور دوسرے مسلم ممبران میں سے کسی کی نظر ان سطروں پر پڑے اور ان میں کوئی کام کی بات ان حضرات کو نظر آئے تو پھر یہ اس حجت تک اس کے پہنچنے کا ذریعہ نہیں، جہاں براہ راست یہ نہیں پہنچ سکتا۔

ایک جن نگلی ممبر کے بارے میں تو کسی تعجب کا سوال ہی نہیں کہ اسے مسلمان عورتوں کی "بہمدی" میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ اٹھاتے ہوئے اس بات کی شرم کیوں نہیں آئی کہ یہ وہی مسلمان عورت ہے جو ملک کے طول و عرض میں آخری درجہ کی بے رحمی کے ساتھ ماری اور کاٹی جا رہی ہے جو ان کی آن میں اپنے شوہر، باپ، بھائی، بیٹوں اور گھر سے محروم کر دی جاتی ہے، جس کے شیر خوار بچے اس کی گود سے چھین کر آگ میں پھینک دیے جاتے ہیں جس کی آبرو ان وحشی غولوں کے رحم و کرم پر ہے جو ہر جگہ ہر وقت نمودار ہو سکتے ہیں اور جس کا حال زار کسی بھی پہلو سے سننے اور دیکھنے کے لیے پتھر کا جگر چاہیئے۔ ٹھیک ہے ایک جن نگلی کو اس میں شرم کی بات ہی نہ تھی۔ کیونکہ اس کی نظر میں تو یہ ہندوستان کا خنزیر ہے، اس کی قوم کے احساس خودی کی نمود ہے۔ اور اس نمود میں اس کی جماعت کا سب سے بڑا ہاتھ ہے، مگر کیا اندر حکومت کے ایک وزیر کے لیے بھی یہ شرانے کی بات نہ تھی کہ جس عورت کے ان عام شہری حقوق کا تحفظ کرنے میں حکومت کی ناکامی نہیں ہے پروای تمام حدود سے گزر چکی ہے جن کا تحفظ مسلمہ طور پر اسی کی آخری ذمہ داری ہے، اُسی عورت کے ان حقوق کے لیے سرگرم ہونے کی تجویز پر توجہ کا اظہار کیا جائے جن کے بارے میں حکومت یہ دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں کہ ان کے معاملے میں اس کو براہ راست مداخلت کا حق ہے۔ جن کے بارے میں یہ بھی مسلم نہیں کہ ان کا مبنیہ عدم تحفظ حقیقت بھی ہے۔ اور جن کے بارے میں یہ کہنے کی جرأت تو اس عدم تحفظ کو حقیقت ماننے والا بھی کوئی شخص نہیں کر سکتا کہ اس سے بھی کچھ اسی درجہ کی مصیبت مسلمان عورت پر آئی ہوئی ہے جس درجہ کی مصیبت میں اسے فادات نے ڈال رکھا ہے! کتنا ہی بڑا چڑھا کہ اس پرسنل لا کی "مصیبت" کو بیان کرتے ہیں مگر کون ہے جو فادات کی مصیبت کے مقابلہ میں اس کا نام لینے کی جرأت کر سکے؟

میں برس سے زیادہ ہو گئے، یہ فادات بڑھتے اور بھیا نک سے بھیا نک ہی ہوتے چلے جاتے

ہیں۔ پہلے بڑے پیمانے کے فادات خاصے خاصے دفعوں سے ہوتے تھے۔ اب سال میں کئی کئی فادات ایسے ہو رہے ہیں جو پچھلے بڑے فادات کا ریکارڈ توڑ دیتے ہیں۔ اور تو اور خود ملک کے صدر کی نظر میں ان کی غارت گری اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ ”جنگی سطح پر اس کا مقابلہ ہونا چاہیے“ مگر ایک قانون بھی آج تک ایسا نہیں بنا جس سے بربریت کا یہ کھیل لوگوں کے لیے کچھ مشکل اور تنگنا ہی ہو جائے، کوئی شخص کیفر کردار کو نہیں پہنچاتا کسی ایک کا گلا قانون کے ہاتھ میں نہیں آتا جبکہ مقابلہ کتنے ہی معمولی مسائل کے لیے دستور میں تک ہو گئی ہیں اور غیر تنگامی مسائل تک کے لیے آرڈی نینس کا اختیار کام میں لے آیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی موت و زبیت کے مسئلہ میں اس بے فکری اور پہلو تہی کا مظاہرہ کرنے والی حکومت مسلمان عورتوں کو ان کے مردوں کی زیادتیوں سے بچانے کی کسی تحریک پر غور و خوض ہی کی مستعدی کا بھی اظہار کرتی نظر آئے تو یہ ان دنوں پر تلک پاشی کے مترادف ہے جو اصل فرائض سے پہلو تہی نے ڈال رکھے ہیں۔

فادات کا زخم کھلنے اور سرایا فریاد نظر آنے والی ان عورتوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے جن کے حالات اذیت کی چشم دید گواہی میں خود حکومت ہند کی سربراہ مسز گاندھی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اپنے اس دردِ حکومت میں بھی اور اس سے پہلے بھی ان عورتوں کے دل و دماغ جگہ جگہ ان کی فطرت سے گزر رہے ہیں۔ انھوں نے خود اپنی زبان سے انھیں اپنی بتائیں ہے۔ اور زبانِ حال سے فریاد کی ہے کہ ان کے تحفظ کے لیے کچھ ہونا چاہیے! — ایک مسز گاندھی کیا ان کے کئی ایک وزراء اور نگلیں گے جو مسلمان عورت کے اس حالی زار کے معنی شاد ہیں، پارٹی کے کتنے ممبران اور پارلیمنٹ کے دوسرے اداکار نگلیں گے جنھوں نے جگہ جگہ مناظر دیکھے اور فریاد کی ہے! لیکن وہ کتنی مسلمان عورتیں ہیں جو اپنے پرسن لاکھ کے غلات فریاد لے کر ذریعہ عظم کی خدمت میں باریاب ہوئی ہوں؟ کسی دوسرے وزیر سے فریاد کی ہو؟ کسی ممبر پارلیمنٹ کا دامن پکڑا ہو؟ خدا را اس مصیبت سے نجات دلائیے، ملک کا انگریزی پرسن جو سلم پرسن لایس تبدیلی کا بڑا حامی ہے اسی کے اوراق میں دھونڈئیے کہ کوئی قابل ذکر واقعہ اس طرح کا ملتا ہے؟ جبکہ اول الذکر نوعیت کے جتنے واقعات چاہیے آپ کو اسی پرسن میں مل جائیں گے۔ اور بعض جگہ فوٹوؤں کے ساتھ مل جائیں گے! — پھر جس سالہ میں مسلمان عورتوں کے انہو کے انہو سرایا فریاد بننے والوں سے ہر راستہ پرل ہے ہیں۔ اور اس میں فریاد ہی سلمہ طور سے حکومت کا اولین فریضہ بھی ہے۔ وہاں تو حکومت سچ سچ کا کوئی ایک قدم بھی آج تک نہ

ہلاکی، مگر مسلم پرنس لا کا معاملہ جس میں شکایت کا کوئی قابل ذکر ریکارڈ تک نہیں ہے اور نہ ہی حکومت پر دعویٰ کر سکتی ہے کہ یہ اس کے دائرہ مداخلت کی چیز ہے، اس میں 'فرض شناسی' دکھانے کے لیے ایک جن سنگھی ممبر کی تجویز بھی قابل اعتنا قرار دی جاتی ہے!

بہت صاف صاف بات ہو کہ ہندوستان میں جو کوئی بھی مسلمان عورت سے بہرہ روی کا دعویٰ کرتا ہو اُسے سب سے پہلے فسادات کی اس مصیبت کے خلاف کھڑا ہونا چاہیے جو آزادی کے بعد سے لاتعداد مسلمان عورتوں کی زندگی کو جہنم بنا چکی ہے یا سرے سے زندگی ہی چھین چکی ہے اور جس کا سلسلہ ہر آنے والے دن میں خوفناک سے خوفناک ہوتا چلا جا رہا ہے جب تک یہ عظیم اور ہمہ گیر مصیبت ہندوستان کی مسلمان عورت کے سرے نہیں ٹپتی اُس وقت تک مسلم معاشرہ میں عورت کی مظلومیت کے خلاف حکومت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا کوئی شخص ہو یا اسے شرفِ توجہ بخشنے والی حکومت، دونوں میں سے کسی کو بھی یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ یہ فعل کسی ادنیٰ اخلوص پر بھی محمول کیا جائے گا، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے سٹراٹگیسٹوں نے قومی کچھتی کونسل کی تنظیمی کمیٹی کے جلسہ میں کتنی سچی بات کہی ہے کہ

”پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو پر اپورا تحفظ نصیب ہو۔ اُس کے بعد یہ صحیح ہوگا کہ ہم

اُن کی فردہ واریت سے لڑنے لگائیں۔“ عہ

مسلم پرنس لا کی مبنیہ خرابیوں کے خلاف جنگ کے سلسلہ میں یہ بات یقیناً اس سے بھی زیادہ صحیح ہے!

مرکزی وزیر قانون نے جہاں ہیں یہ شکایت کا موقع دیا ہو وہاں ایک بات بہت شکر گزاری کے قابل بھی اُن کی زبان سے نکلی ہے اور اُسے ہماری تلخ کامی میں ضائع نہیں ہو جانا چاہیے۔ سٹراٹگیسٹ رگپتا (جن سنگھی ممبر) کی مذکورہ بالا تجویز کو وزیر قانون نے قابل غور تو قرار دے دیا مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ دستور کے دہما اصولوں کی جس دفعہ (۴۴) کی بنیاد پر مسلم پرنس لا میں تبدیلی کا مسئلہ اٹھایا جاتا ہے اُس دفعہ کے ساتھ بنیادی حقوق والے باب کی دفعہ ۲ کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ تمام فرقوں کے وہ مذہبی حقوق جو انھیں دستور کے نفاذ کے وقت حاصل ہیں برقرار رکھے جائیں گے۔



مسلمانوں کا کہنا ہے کہ ان کا پرنس لائیک مذہبی قانون ہے۔ یہ اگر واقعہ ہے تو پھر مسلم پرنس لا میں مداخلت بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوگی۔

حکومت کی طرف سے یہ اطمینان تو مسلمانوں کو بہت بار دلایا گیا تھا کہ ان کی مرضی کے بغیر ان کا پرنس لائیک نہیں بدلا جائے گا۔ لیکن یہ بات کسی آئینی بنیاد کے حوالے سے نہیں کہی جاتی تھی، جس کے معنی یہ بھی ہو سکتے تھے اور قرآن سے اس کی تائید بھی ہوتی تھی کہ یہ توقف صرف سیاسی مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے، جو بالکل ناقابل اعتبار چیز ہے۔ یہ اس دفعہ پہلی بار ہو رہا ہے کہ حکومت کی طرف سے اور وہ بھی پارلیمنٹ کے اندر اس آئینی دہلی کی اہمیت تسلیم کی گئی ہے جسے مسلمان اس معاملہ میں تسلیم کیے جانے پر برابر زور دے رہے تھے۔ رہا یہ مسئلہ کہ مسلم پرنس لائیک حیثیت ایک مذہبی قانون کی ہے یا نہیں تو اس معاملہ میں کسی ایسی بحث کی گنجائش نہیں ہے جو حل کے اہم بات بس اتنی ہی تھی کہ ہمارے سیکولر حکمران دستور کے رہنما اصولوں کی دفعہ ۴۴ کے حوالے سے یہ بات آئینی طور پر فیصل شدہ نہ قرار دیں کہ پرنس لائیک کا تعلق مذہب سے نہیں ہے اس لیے پارلیمنٹ کا یہ ریکارڈ ہمارے بہت کام کا ہے، اسے ہم کو اپنے مقدمہ کی سب میں شامل کر لینا چاہیے۔

انوس اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے بھی کچھ لوگ اس کے کوشاں ہیں کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ مسلم پرنس لا کی کچھ اصلاح گراہی جائے۔ اس سلسلہ میں ایک باقاعدہ مسودہ قانون پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی غرض سے مرتب کیا گیا ہے جو آج کل اخبارات میں زیر بحث بھی ہو۔ اس کے مرتب سپریم کورٹ میں پرنس لائیک کے ایک سٹراڈانیال لطیفی ایڈوکیٹ ہیں جنہوں نے اس قسم کی خدمات کے لیے اپنے کچھ ہم خیالوں کے ساتھ ایک مسلم ترقی پسند گروپ ”دہلی میں بنا رکھا ہے۔ اس مسودہ قانون کی تمہید میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں تجویز کردہ ”اصلاحات“ کی منظوری سے تمام ہندوستانیوں کے لیے ایک ہی سولی کوڈ کی اس منزل کا راستہ ہموار ہوگا جسکی ہدایت دستور کے رہنما اصولوں میں حکومت کو دی گئی ہے۔

ان مسلمانوں کو داد دینے کے لیے الفاظ ہمیں نہیں مل رہے ہیں جو کیاں سولی کوڈ کے معنی اب بھی نہیں سمجھ رہے ہیں جبکہ اس کی سب سے بڑی علمبردار جن نگاہ بن گئی ہے۔ اور یا اگر سمجھ رہے ہیں تو گویا مسلمانوں کی فلاح وہ اسی منزل میں دیکھتے ہیں جس منزل پر جن نگاہ انہیں دیکھنا چاہتی ہے۔ جن نگاہ کا نقطہ نظر یہ تو ہو ہی

کہ یکساں سول کوڈ بن جانے اور مسلمانوں کا جد گانہ پرنسپل لائحہ عمل ہو جانے سے اُن کے ملی تشخص کا کام ہی رفتہ رفتہ تمام ہو جائے گا، لیکن فوری طور پر جو فائدہ وہ اس نعرہ بازی میں دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کی جتنی جتنی مزاحمت اور مخالفت مسلمانوں کی طرف سے ہوگی اُس سے یہ تاثر جس کی فی الجملہ فضا پہلے ہی سے بنی ہوئی ہے اور بھی موثر سپاہ نہ پڑ دیا جاسکے گا کہ مسلمان علیحدگی پسند اور خود میں ہیں۔ اور یہی ان فداوت کی جڑ ہے جس کا انھیں سید شکر کوہ ہے ایہ فائدہ اس شکل میں کتنا زیادہ نہ بڑھ جائے گا جبکہ کچھ مسلمان کھلانے والے بھی جن نگاہ کے ہم آواز ہو جائیں اور جب اُن کی بھی مخالفت مسلم رائے عامہ کی طرف سے کی جائے تو جن نگاہ کو اور بڑھ کر کہنے کا موقع ملے کہ مسلمانوں کی اکثریت سے علیحدگی پسندی کا یہ عالم ہے کہ خود اُن کے دانشور بھی یکساں سول کوڈ کی حمایت کریں تب بھی وہ اس پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں؟ پس اگر یکساں سول کوڈ کی بابت تھوڑی دیر کو مان بھی لیا جائے کہ اس کی طرف بڑھنے میں مسلمانوں کی فلاح ہے تب بھی حالات کے اس نقشے میں جو لوگ مسلمانوں کی عام رائے کو اپنے حق میں کیے بغیر ایک ترمیمی بل لے کر پارلیمنٹ میں پہنچ جانا چاہتے ہیں وہ سوائے اس کے کس تبصرہ کے مستحق ہیں کہ نادانستہ ہی اسی جن نگاہ کے کھیل کو تقویت پہنچا رہے ہیں!

یہ اس سلسلہ کا وہ پہلو تھا جس پر اس بات کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ جو ترمیمات اس مسودہ قانون کے ذریعہ مسلم پرنسپل لائیں جا رہی گئی ہیں وہ بالکل بجا اور قابل قبول ہی ہوں۔ لیکن اس پہلو سے بھی جب ہم غور کرنے چلتے ہیں تو ایک ایسی فیصلہ کن بات سامنے آجاتی ہے جس کے بعد مسودہ کی دفات پر کسی تفصیلی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ان دفات پر متعدد تنقیدی اخبارات میں نکلنے کے بعد صاحب مسودہ مسٹر دانیال طیفی نے ۱۹ مئی کے ہندوستان ٹائمز میں ایک مضمون اپنے مسودہ کی حمایت میں سپرد قلم کیا ہے اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں :-

..... مسلمانوں کے زیادہ سوچنے سمجھنے والے طبقے میں یہ حقیقت روز بروز تسلیم شدہ بنتی جا رہی ہے کہ مسلم پرنسپل لائیں بعض تبدیلیاں وقت کی فوری ضرورت ہیں۔ ایک طرف بڑے شہروں کی زندگی میں روایاتی پابندیوں کے خاتمہ نے غیر ذمہ دار اور نافرمانی شناس مردوں کے لیے اُن کے معاشرتی فرائض سے پہلو ہٹا کر دی ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ قانون کی گرفت کو زیادہ سخت کیا جائے۔ دوسری طرف جو رتوں میں تعلیم کی ترقی نے اُن کے اندر مردوں کی اُن زیادتیوں پر سر جھکانے کا مادہ کم کر دیا،

جنہیں ان کی امیں اور نانی دادیں برداشت کرتی آئی تھیں خصوصاً جو عورتیں گھر سے باہر کی سرگرمیاں بھی رکھتی ہیں ان کے حق میں تو یہ مسئلہ بالکل حقیقی ہے اور ایسی عورتوں کی تعداد میں اب روزمرہ اضافہ ہو رہا ہے۔

لطیفی صاحب کے مسودہ قانون پر تفصیلی تبصرہ کرنے والوں میں سے ایک صاحب نے (جو خدا کے فضل سے قدیم نہیں جدید ہی تعلیم یافتہ اور نسلی سوسائٹی ہی کے آدمی ہیں) لکھا تھا کہ مسلم پرنسپل لاکے بائے میں لطیفی صاحب کا تصور اصلاح بری طرح "عورت زدہ" ہے۔ یہ تبصرہ مسودہ کی روشنی میں ہر محبت سے جستا گرا ب مذکورہ بالا اقتباس نے تو جس میں ان تبدیلی شدہ حالات کی وضاحت کی گئی ہے جن کی بنا پر مسلم پرنسپل لاکے میں لطیفی صاحب کی تجویز کردہ اصلاحات کی ضرورت ہے، اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ دیکھا یا کہ محض "عورت" نہیں ترقی پزیر عورت اس مسودہ پر سوار ہے۔ یہ وضاحت سامنے آنے پر گویا لطیفی صاحب کا اپنا اقرار سامنے آجاتا ہے کہ ان کی مطلوبہ اصلاحات کے پیچھے بنیادی مسئلہ اس نئی "مسلمان عورت" کا ہے جو "منع انجمن" بن کر رہنا چاہتی ہو۔ وہ اس عورت کے مفاد کا تحفظ چاہتے ہیں جو شوہر پرست بیوی کے بجائے پبلک پینڈلٹی "فننے اور آؤٹ سائڈ کیریئر" (OUTSIDE CAREER) بنانے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ اور یہی وہ فیصلہ کن نقطہ ہے جس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ جن ترمیمات کا مقصد یہ ہودہ اسلامی نقطہ نظر سے درست ہو ہی نہیں سکتیں!

عورت کے حقوق کا تحفظ کرنے اور مرد کی زیادتیوں سے اسے بچانے کے لیے مسلم پرنسپل لاکے میں کسی زانہ کے تغیرات کے تحت کچھ قانونی دفعات بڑھانے کی معقولیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بات کسی حال میں بھی معقول نہیں ٹھہرائی جاسکتی کہ عورت کے "حقوق" اور مرد کی "زیادتیوں" کا پیمانہ اسلام کی روشنی کے بجائے ہم اپنی مرضی سے طے کر لیں۔ عورت کے لیے جس آزادی کے حقوق اور عوامی مساوی حیثیت لطیفی صاحب مسلم پرنسپل لاکے میں تسلیم کرنا چاہتے ہیں، کیا وہ قرآن و حدیث سے کوئی دلیل لا سکتے ہیں جس سے یہ آزادی اور یہ مساوات قابل تسلیم نہ ہو؟ ایک آدھ جگہ اس مسودہ قانون میں قرآن کا حوالہ بھی ہمیں ملتا ہے، پھر کیا بات ہو کہ جس ماڈرن عورت کا مسئلہ خاص طور پر ان کے دل کا محرک ہو۔ اسکے مطلوبہ خاص حقوق اور حیثیت کا تحفظ کرنے والی تہاویز ہمیں ہم کو قرآن و حدیث کا کوئی حوالہ نہیں ملتا! کیا اس کا سبب بجز اسکے کچھ اور ہے کہ ان بنیادی حمایت قرآن و حدیث میں تلاش کرنی بہ سود سمجھی گئی! — مسلم پرنسپل لاکے میں ترمیم کے لیے

پیش کیے گئے جس مسودہ قانون کا حال یہ ہو کہ اس میں اسلامی شریعت کے دلائل سے استدلال ہی کو ضروری نہ سمجھا گیا ہو، اُس کی تجاویز اگر خلاف شریعت نہ بھی ہوں تب بھی وہ قابل رد ہو۔ چہ جائیکہ تجاویز اور مقصد تجاویز دونوں اسلامی تعلیمات سے ٹکرا رہے ہوں۔

لطیفی صاحب کا ترمیمی بل پڑھنے کے بعد اس بارے میں کچھ زیادہ شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ پرنسپل کے معاملات میں قرآن و حدیث کو نہ بنانے کا اصول نہیں مانتے بلکہ انہوں نے یہ کہ وہ یہ بات کمال کر نہیں کتے حالانکہ ترقی پسندی تو بڑی جرأت مندی کی علامت ہو۔ اس کا آغاز ہی حقیقت میں کچھ جرأتوں سے ہوا ہے۔ پھر لطیفی صاحب اور ان کے ساتھی کیسے ترقی پزیر ہیں جو جرأت سے اپنا موقف ظاہر کرنے کے بجائے دھوکے کا کھیل کھیل رہے ہیں وہ بڑے چرٹے حقوق اور حیثیت کا سبز باغ دکھا کر مسلمان عورت کو اپنی حمایت میں لینا چاہتے ہیں حالانکہ جرأت کی بات یہ بھی کہ وہ اپنا بنیادی موقف بھی سامنے لاتے اور پھر دیکھتے کہ اس چارہ پر کتنی مسلمان عورتیں ان کے ساتھ آتی ہیں۔

**حرف آخر**۔ مسلمانوں کے جن نگھی ہر بان ہوں یا ترقی پسند مسلمان وہ اپنی اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے سد باب کے لیے جو سب سے زیادہ بھروسہ کے قابل تدبیر ہو گئی ہو وہ صرف ایک ہو کہ حکومت ہند جب اپنی پالیسی یہ بیان کرتی ہے جس کا حال جن نگھی ممبر کی مذکورہ بالا تجویز پر وزیر قانون نے بھی دیا تھا، کہ کسی فرد کا پرنسپل لا اُس کی متفقہ خواہش کے بغیر نہیں بدلا جائے گا، تو اور کچھ نہیں اس پالیسی ہی کو ایک ترمیم کے طور پر دستور کے رہنما اصولوں کی دفعہ ۴۴ میں شامل کرنے کا مطالبہ حکومت سے کیا جائے۔ اس کام کی اولین ذمہ داری مسلم لیگ پارلیمنٹ، خصوصاً حکمران پارٹی کے ممبران پر عائد ہوتی ہے۔ انھیں اس سلسلہ پر غور کر کے فوری طور سے کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔ اور ان کے علاوہ مسلم تنظیموں پر اس سلسلہ میں جس حد تک ذمہ داری عائد ہوتی ہو انھیں اُس کی طرف اسی اہمیت کے ساتھ توجہ دینی چاہیے۔ یہ آئے دن احتجاج اور بحث مباحثہ کہاں تک کیا جائے۔ کوئی مثبت قدم اٹھا کر بھی دیکھنا چاہیے۔

# حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کا وصال

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطَهَّرَةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ (۲۱ مئی ۱۹۷۱ء) بمقامِ شہیدانہ کی شہداء میں مولانا اعلیٰ میاں کے نام مولانا محمد عمران خان صاحب کا بھوپال سے آیا ہوا تاجپنجا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ ”فیوس“ حضرت صاحب کا وصال ہو گیا۔“

یہ بھوپال کے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی (علیہ الرحمۃ) کے وصال کی اطلاع تھی چونکہ کسی خلافت کی کوئی اطلاع پہلے سے نہیں تھی اس لیے کوئی دن تک انتظار رہا کہ کچھ تفصیل کسی ذریعہ سے معلوم ہو لیکن کہیں سے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ پانچویں دن خود مولانا محمد عمران خان صاحب لکھنؤ تشریف لائے تو موصوفوں ہی سے تفصیل معلوم ہوئی۔ عام دستور کے مطابق اپنے آثارات کے اظہار سے بہتر اور ناظرین کے لیے زیادہ مفید یہی معلوم ہوا کہ اذواق و وفات کی وہ تفصیل ہی نذر ناظرین افضلین کر دی جائے جو مولانا محمد عمران خان صاحب سے معلوم ہوئی ہے۔

اگرچہ حضرت علیہ الرحمۃ کی عمر قمری حساب سے قریباً ۷۰ سال اور شمسی حساب سے قریباً ۸۰ سال تھی اور جسمانی طول و پربت لاغزادہ نحیف تھے لیکن ضعف پیری کا کوئی خاص اثر نہیں تھا، روحانی قوت نے جسم کو بھی چاق و چست بنا رکھا تھا۔ علاوہ اپنے خاص اشغال و اَدِراد اور معمولات کے جن میں دن رات کے اذواق کا بڑا حصہ مصروف رہتا تھا۔ مجلس میں گفتگوں مسلسل تقویر فرماتے تھے۔ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی کے مرتب کیے ہوئے حضرت کے مجلسی ملفوظات جو ”الفرقان“ میں گزشتہ تین سالوں سے شائع ہوتے رہے ہیں، ان میں بھی مولانا موصوفوں نے حضرت کی اس غیر معمولی کیفیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ادھر کی مینے سے عام رخصت گفتگو دوں میں مسلسل اس کا اظہار فرماتے تھے کہ مجھے نوٹس لُچکا ہو جانے کا دقت بہت قریب آگیا ہو بلکہ فرماتے تھے کہ زندگی کا دقت ختم ہو چکا ہو، میں اب موت میں چل رہا ہوں۔ گزشتہ مینے میں مولانا اعلیٰ میاں بعض انتہا کے ساتھ ایک دن کے لیے بھوپال حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے حضرت علیہ الرحمۃ کی مجلس میں یہ سولہ ماہ کی آخری حاضری تھی، اس مجلس کے ملفوظات مولانا موصوفوں نے حضرت کے وصال سے صرف ہفتہ عشرہ پہلے الفرقان

میں اشاعت کے لیے دیے تھے پچنانچہ وہ اس شمارہ میں شائع ہو رہی ہیں۔ اس کے آخری ملفوظ میں بھی پوری صراحت کے ساتھ حضرت نے اپنے بارے میں یہی اطلاع دی تھی۔ اور بھی مختلف ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس آخری دور میں اس احساسِ یقین کا اتنا غلبہ تھا کہ قریب قریب ہر مجلس میں اس کا اظہار فرماتے تھے۔

مولانا محمد عمران خان صاحب نے بتایا قریباً دو مہینے پہلے حضرت کی طبیعت چند روز کچھ ناساز رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں پر کچھ درم ہو گیا تھا۔ جو علاج سے جاتا رہا تھا لیکن اس کے بعد سے جسمانی ضعف بہت بڑھ گیا تھا۔ ہمارے کے بغیر اُنھ میٹھ نہیں سکتے تھے۔ مگر نماز بالکل اُسی طرح پڑھتے تھے جس طرح ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ دیکھنے والے کو اس میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا تھا۔ البتہ سجدہ شریف نہیں لے جاسکتے تھے۔ گھر ہی پر جماعت ہوتی تھی۔ اس شدید ضعف کے زمانے میں بھی معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ بے خوابی کی شکایت ہو گئی تھی اس لیے رات کو نیند بہت دیر سے آتی تھی لیکن ہمیشہ کے معمول کے مطابق تہجد کے لیے اپنے وقت پڑاٹھ جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو وقت سونے کا ہو اس وقت تو نیند نہیں آتی۔ اور جو وقت سونے کا نہیں جاگنے کا ہو اس وقت آتی ہو تو میں اس کو پاس نہیں آنے دیتا۔

روزانہ کا معمول تھا کہ فجر کے بعد اشراق تک مصلیٰ ہی پر اذکار اور اسی مشغول رہتے۔ اشراق پڑھ کے خانقاہ تشریف لے آتے۔ اور کسی کو ساتھ بٹھا کے پہلے قرآن مجید کے ہم پارے سُنا تے، سننے والے صاحبِ اگر حافظ ہوتے تب بھی حضرت کے حکم کے مطابق قرآن مجید میں دیکھ کے سنتے۔ اس کے بعد گویا مجلس شروع ہو جاتی سب سے پہلے ایک دو رکوع کے بعد قرآن مجید تلاوت فرما کر اس کا ترجمہ سُنا تے۔ اس کے لیے مولانا فتح محمد صاحب جالندھری مرحوم کا ترجمہ سامنے رہتا۔ اسی سے پڑھ کر سُنا تے۔ اس کے بعد کسی اور تفسیر سے (اکثر احسن التفسیر سے جو اردو کی بہت اچھی تفسیر میں سے ہے) کچھ پڑھ کر سُنا تے اور اس ترجمہ اور تفسیر کے سلسلہ میں کچھ ذہن پرورد ہوتا۔ اس کو درمیان میں فرماتے جاتے۔ اس کے بعد حدیث کی کتاب (زیادہ تر مشکوٰۃ شریف) سے کوئی دوسرے صاحبِ پہلے حدیث کا عربی متن پڑھتے اور حضرت کتاب ہی سے اُس کا ترجمہ جو پڑھ کر سُنا تے۔ اس سب کے بعد وہ ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں سے کوئی مکتوب پڑھ کر سُنا تے اور کوئی دوسرے صاحبِ مکتوبات کے مملووعہ اور ترجمہ سے اس کا ترجمہ پڑھ کر سُنا تے اور حضرت کو جو کچھ فرمانا ہوتا وہ فرماتے۔ پھر حاضرینِ مجلس کے احوال اور ان کی سطح کا لحاظ فرماتے ہوئے اُس طرح کے حقائق و معارف بیان فرماتے جس کا نمونہ ”یک دو ساعت صحبتے با اہل دل“ کے زیرِ عنوان مولانا علی میاں کے مرتب کردہ ملفوظات میں ناظرینِ انفرقان پڑھتے سہے۔ ہیں اور جبکہ عرض کیا گیا اس کی آخری قسط زیرِ نظر شمارہ ہی میں شائع ہو رہی ہو۔ یہ سب روزمرہ کا معمول تھا اور بس یہی حضرت کی مجلس تھی۔ اکثر اہل بیتِ یہ سلسلہ ختم ہوتا تھا۔ اتوار کے دن

حاضرین کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی تھی اس آخری دو مہینے چار چار سو اور پانچ پانچ سو تک پہنچ جاتی تھی اس دن ارشادات سلسلہ بہت طویل ہو جاتا اور مجلس کبھی کبھی بارہ بجے کے بعد ختم ہوتی۔

آخری اتوار (۱۰ مئی سنہ ۱۳۸۷ء) کو مجلس اور زیادہ طویل ہوئی اور اس دن بار بار اس کا اظہار فرمایا کہ میرا وقت بالکل قریب آگیا ہو اس سلسلہ میں ایک خاص دالمانہ کیفیت کے ساتھ عادتِ رومی کے یہ اشعار بھی پڑھے۔

ابنِ چہ خوش باشد کہ سوائے شہِ دم      دامنِ درگاہ آں بیچوں شوم  
وقت آمد کمرِ جہانِ بیکسی      پائے کو بان سوئے بامِ اوری

اس کے بعد پیرا درنگل کو کبھی بالکل اپنے معمول کے مطابق مجلس ہوئی۔۔۔ بدھ کے دن بھی (جو حضرت کے وصال کا دن ہے) روزمرہ کی طرح بس ہوئی بلکہ اس صبح کو قرآن مجید روزمرہ کے معمول سے بہت زیادہ قریب دو گنا سنا یا۔ دوسرے معمولات ترجمہ قرآن، تفسیر حدیث شریف میں بھی کچھ زیادتی رہی۔ اور حضرت کی بارہ بجے کے بعد خاتما ہونے کا اظہار کرانہ تر شریف لے گئے۔ بہت خفیف سا کھانا تناول فرمایا۔

گھر میں ایک الماری ہو جس میں حضرت اپنی کچھ خاص پندیدہ چیزیں محفوظ رکھتے تھے اور وہ ہمیشہ بند رہتی تھی سب سے چھوٹی صاحبزادی صاحبہ کو بلایا اور وہ الماری کھلائی اُن سے فرمایا جو چیزیں تم ان میں سے لینا چاہو لے لو اُنھوں نے کچھ چیزیں نکال لیں اور معمول کے مطابق الماری کو بند کرنا چاہا مگر فرمایا اب اس کو بند نہ کرو کھلی رہے دو۔

پھر صاحبزادے سعید مریاں اور سیاں صاحبہ اس صحن سے کچھ باتیں فرمائے تھے پھر قلیو لکی نیت سے لیٹ گئے دو دھائی بجے کے قریب اُنھ کی نظر کی نماز اور فرمائی اور پھر لیٹ گئے۔ یہاں تک کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا طبیعت پر گھبراہٹ ہے پھر اُنھ کی غسل خانہ تشریف لے گئے۔ وہاں پھر آگیا، چھوٹی صاحبزادی کو احساس ہو گیا، وہ ادا اُن کی دالہ پر پڑیں وہاں سے اُنھا کو لایا گیا اور لٹا دیا گیا۔ اس وقت عثمانی کی یہی کیفیت تھی قریب اُس منٹ میں موش آگیا۔ ڈاکٹر قریشی صاحب کو بلایا گیا تھا وہ فوراً پہنچ گئے حضرت نے اُن سے فرمایا کچھ نہیں بس چلا آگیا تھا۔ اس کے بعد کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ لیکن مٹا نہیں جاسکا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ بڑے صاحبزادے صاحب نے صرف یہ آیت سنی دکھائی

مِنْ ذَاتِهِ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِنَّهَا كُفْرٌ... الآية۔ اسی حالت میں پیٹ میں یا سینہ میں کیف شروع ہوئی۔ شدتِ کرب کی وجہ سے بار بار اُنھانے کو اور لٹانے کو فرماتے۔ ڈاکٹر قریشی صاحب نے انگلیں تیار کیا اور عرض کیا کہ اسے لگوا لیجئے، انشاء اللہ ابھی سکون ہو جائے گا۔ فرمایا کہ اچھا لگا دیجئے۔ اور پھر کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے صاحبزادے اور صاحبزادیاں اور اہلِ محترمہ قریب تھیں، فرمایا کہ تم سب کلمہ شریف پڑھو، کلمہ شہادت پڑھو، نین شریف پڑھو، صاحبزادے محمد سعید صاحب نے نین شریف شروع کر دی۔ دوسرے حضرات کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھنے لگے۔

فرمایا اب میں رخصت ہو رہا ہوں گھٹنوں تک جان گل چکی ہے۔ پھر کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے جو نائیں جاسکا، تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اب ہاتھوں کی جان گل چکی ہے۔ پھر موجودین کو مخاطب کر کے فرمایا تم سب گواہ رہنا اور پھر بلند آواز سے ایک دفعہ کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر قریب ایک منٹ کے بعد بلند آواز سے فرمایا، السلام علیکم۔ اور صبح

و اصل بحث ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

بڑی صاحبزادی صاحبہ ناگپور میں تھیں اُن کو ٹیلیفون سے اطلاع دی گئی، وہ اُسی وقت بھوپال کے لیے روانہ ہو گئیں۔ اُن کے انتظار کی وجہ سے تدفین میں تاخیر کی گئی۔ اور جمعرات کے دن ۴ بجے سر پر جنازہ خانقاہ سے اُٹھ سکا۔ جنازہ میں شریک ہونے والوں کا اندازہ پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک کیا گیا ہے۔ جنازہ کی نماز صاحبزادگان کے اصرار سے مولانا محمد عمران خاں صاحب نے پڑھائی اور عصر و مغرب کے درمیان تدفین عمل میں آئی۔

اس حادثہ سے حضرت کے اعزاء و متعلقین اور محبین و سرشدین کا تاثر اور غمزدہ ہونا بالکل فطری بات ہے لیکن حق یہ ہے کہ حضرت تو اپنی مراد کو پہنچ گئے جسکے لیے روحِ موصدہ سے شقائق اور عینیں تھیں۔ حضرت کا ایک محفوظ جوالہ قرآن میں اب سے بہت پہلے شائع ہوا تھا، اُس کا اقتباس آج پھر پڑھ لیا جائے۔

ایک سلسلہ کلام میں ”حیات طیبہ“ اور دُنیا و آخرت کی زندگی کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

”مجھے تعجب ہوتا ہے جب کوئی بڑھاپے کی شکایت کرتا ہے اور بڑے درد و حسرت سے کہتا ہے کہ اب

مرزا ہی باقی ہے، وہ لڑکوں اور جوانوں کو رشک و حسرت سے دیکھتا ہے کہ کبھی میں بھی ایسا ہی تھا۔

اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی کسان خوشی خوشی کھیتی کرے جب غلہ کاٹنے کا وقت آئے تو رنجیدہ اور

ایس ہو، حالانکہ یہ ساری محنت و منت اسی دن کے لیے تھی۔۔۔۔۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو اللہ کی

لغات کا شائق ہو اللہ بھی اُس کی ملاقات کا شائق ہوتا ہے ”مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ

لِقَائَهُ۔۔۔۔۔ حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بندے کے لیے خدا کی طرف سے

سلام و پیام آتا ہے۔“

اسی سلسلہ کلام میں پتھرہ میں بند کیا گیا کہ یہ حال بیان فرما کر کہ وہ اُرنے والی میناؤں کی آواز

سن کر پتھرہ میں بڑی بیباکی سے پتھر پھڑپھڑایا کرتی تھی۔۔۔۔۔ فرمایا کہ

”میں یہی حالت روح کی ہے جب وہ اوپر کی آوازیں سنتی ہے اور اُس کے کان میں صدا آتی ہو

”يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اِرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي

و ادْخُلِي جَنَّتِي“ تو وہ بھی پتھر پھڑپھڑاتی ہے اور اس کا دل بھی چاہتا ہے کہ پتھرہ کی تیلیاں توڑ کر وہ

بھی اپنے آشیانے کی طرف پرواز کرے اور اپنے محبوبوں میں جاوے۔“



(ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوبؒ ص ۶۵-۶۹ (زیر طبع)

ایک دوسرے لفظ میں مومن کی موت کی یہ حقیقت بیان کرتے ہوئے کہ وہ دراصل وطن اصلی عالم آخرت اور اللہ تعالیٰ کے مقام قرب و رضا کی طرف منتقلی کا نام ہے — ارشاد فرمایا۔

”میں تو جب کسی بندہ خدا کے متعلق سنتا ہوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا تو میرا مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے اور کبھی خیال آتا ہے کہ اس کے گھر مٹھائی بھیجوں۔“

(کئے رعایت معیتہ بالہ دل منہ (زیر طبع)

ہم — حضرت کے صاحبزادگان، صاحبزادیوں اور اہلیہ محترمہ اور تمام محبین و مسترشدین کی خدمت میں حضرت کی یہ دو ملفوظ بطور تعزیت پیش کرتے ہیں — اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے، درجے بلند فرمائے اور اسلاف کو ان کی اصل دولت کا وارث بنائے۔  
اللہ غفور رحیم شکوہ۔

محمد منظور نعمانی

۲۳ مئی ۱۹۳۵ء، ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء

# پھول کی طرح تروتازہ

اگر جلدی امراض یا فساد خون کی شکایت ہو تو چہرہ پر مزمہ نظر آتا ہے

## خون صفا

پھوٹے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے  
گزہم اوچھڑے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے

دوا خانہ طبیکہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ




# ”یک دُوعَاتُ صَحْبَةِ بَابِلِ دِل“

## (کتابی شکل میں)

گزشتہ تین سالوں میں (یعنی ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹) حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ کے ملفوظات کی جو قطعیں الفرقان میں شائع ہوئی ہیں ان کو پڑھ کر اللہ کے بہت سے غلصہ بندوں نے ملفوظات کے مرتب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں کو بھی لکھا اور دفتر الفرقان کو بھی کہ ان تمام ملفوظات کو کچھ اطوار پر کتابی شکل میں ضرور شائع کیا جائے۔ مولانا موصوت نے گزشتہ رمضان مبارک میں اس کا ارادہ فرمایا، جو اقطعیں الفرقان میں شائع ہو چکی تھیں ان پر نظر ثانی فرما کر ہر ملفوظ پر ایسا عنوان بھی قائم کیا جس میں حتی الوسع ملفوظ کی پوری روح آجائے۔ اس کے بعد گزشتہ ذیقعد (جنوری) میں مولانا نے پھر جو پال کا سفر کیا اور پورا ایک ہفتہ صاحب ملفوظات کے درمحلہ بھی پر مقیم رہے اور وہاں کی مجلسوں کے ملفوظات خاص اہتمام سے قلمبند فرمائے اور چونکہ کتابی اشاعت کا فیصلہ کیا جا چکا تھا اس لیے ان کو الفرقان میں شائع کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ پھر قریباً پچاس صفحے کا خود مولانا نے مقدمہ بھی لکھا جس میں صاحب ملفوظات (حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ) کے نہایت سبق آموز سوانح حیات کے علاوہ حضرت کے والد ماجد حضرت شاہ ابوالحسن مجددیؒ اور دادا حضرت شاہ خلیفہ احمد مجددیؒ اور پردادا حضرت شاہ رؤف احمد مجددیؒ کا تذکرہ بھی بقدر کافی آگیا جو نیز تالیف کی روشنی میں دکھایا گیا ہو کہ سلطنت مغلیہ کے سقوط کے بعد ہندوستان کی اسلامی ریاستوں میں مجددی سلسلہ کے شائع کا قیام محض اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ دین کی حفاظت اور امت کی اصلاح و تربیت کیلئے دراصل ایک شایع نظام تھا۔ چونکہ کئی مہینے پہلے سے صاحب ملفوظات (علیہ السلام) کے ارشادات سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا سے رخصتی کا وقت قریب ہے۔ اس لیے مولانا علی میاں کی بھی اور دادا کے بھی انتہائی خواہش اور کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے یہ جلد سے جلد شائع ہو جائے لیکن اللہ کی مشیت کا فیصلہ یہی تھا کہ وہ حضرت کے وصال کے بعد ہی شائع ہو، ابھی کتابت ہو رہی تھی ۲۴ صفحے کی کتابت ہو چکی تھی کہ ۱۳ مئی ۱۳۹۰ء (۲۰ مئی ۱۹۷۱ء) کو حضرت وصال بخون ہو گئے۔ کچھ کتابت اب بھی باقی ہے لیکن طبعات شروع کرادی گئی ہو۔ اگر کوئی غیر معمولی حادثہ پیش نہ آگیا تو امید ہو کہ انشاء اللہ مہینے سو مہینے میں کتاب تیار ہو جائے گی اور الفرقان کی آئندہ اشاعت میں اس کی تیاری کی اطلاع دی جا سکے گی۔ منہاجت کا اندازہ قریباً چار سو صفحات کا ہے۔

ادارہ الفرقان اللہ تعالیٰ کے اس انعام و احسان کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہو کہ ان ملفوظات کو جو حضرت علیہ السلام کے فیوض کا محفوظ خزانہ اور آپ کے باقیات صالحات ہیں پہلے الفرقان کے ذریعہ ہزاروں بندوں تک پہنچانے کی کوشش ہوئی اور اب کتابی شکل میں بھی ان کی اشاعت کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ اللہم لاک الحمد المجدد

# مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

(مُسَلْسَل)

## کمزور اور حاجتمند طبقوں کے حقوق

یہاں تک جن طبقوں کے حقوق کا بیان کیا گیا ہے سب وہ تھے جن سے آدمی کا کوئی خاص تعلق اور واسطہ ہوتا ہے خواہ نسلی اور خونی رشتہ ہو یا ازدواجی رابطہ، یا ہمسائیگی اور پڑوس کا تعلق، یا عارضی اور وقتی تنگدستی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ان کے علاوہ تمام کمزور طبقوں اور ہر طرح کے حاجتمندوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت ریزوں اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے، اور آپؐ نے اپنے پیروں کو ان کی خدمت و خبر گیری اور ہمدردی و معاونت کی تلقین و تاکید فرمائی ہے اور اس کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے۔ ان سب طبقوں سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!

مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت و سرپرستی:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْإِسَاءَةُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْمُسْكِينِ وَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ  
أَحْسَبُهُ قَالَ كَالْعَائِمِ لَا يَفْقَهُ وَكَالضَّائِمِ لَا يُقْطَرُ —

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بیچارے بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجتمند کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک) اور اجر و ثواب میں (راہ خدا میں) ہمارے بندہ کے مثل ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ۔۔۔ اس قائم اللیل (یعنی شب بیدار) بندہ کی طرح ہے جو (عبادت اور شب خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو، اور اُس قائم اللہ ہر بندہ کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد و جان بازی (تشریح) بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندہ کا یہ حال کہ اس کی راتیں عبادت میں کشتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، بڑا ہی قابل رشک حال ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام ان لوگوں کا بھی ہے جو کبھی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی لاوارث عورت کی خدمت و اعانت کے لیے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں، جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبر گیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کریں۔ بلاشبہ وہ بندے بڑے محروم ہیں جو اس حدیث کے علم میں آجائے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم رہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُمَا وَلِغَيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَ أَشَارَ بِالسِّيَابَةِ وَالْوُسْطَى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا .

رواہ البخاری

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ

(صحیح بخاری)

کر کے بتلایا اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔

(تشریح) بیچ والی انگلی اس طرح اٹھا کر ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا، بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اور اُس مرد مومن کے مقام میں ہوگا جو اللہ کے لیے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو، جیسے پوتا یا بھتیجہ وغیرہ) یا پراپا ہو یعنی جس کے ساتھ رشتہ دار کا وغیرہ کا کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ان تحقیقوں پر یقین نصیب فرمائے اور وہ سعادت میرے فرمائے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں ترغیب دی ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ  
أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ قَدْ عَمِلَ ذَنْبًا لَا يُعْفَرُ

رداء الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے جس بندہ نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچہ کو لے لیا اور اپنے کھانے پینے میں شریک کر لیا تو اللہ تعالیٰ اُس کو ضرور بالضرور جنت میں داخل کرے گا۔ ————— الایہ کہ اُس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جو ناقابل معافی ہو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے صراحت معلوم ہو کہ یتیم کی کفالت و پرورش پر داخلہ جنت کی قطعی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کسی ایسے سخت گناہ کا مرتکب نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناقابل معافی ہو (جیسے شرک و کفر اور خون ناحق وغیرہ) دراصل یہ شرط اس طرح کی تمام تبشیری حدیثوں میں ملحوظ ہوتی ہے۔ اگرچہ الفاظ میں مذکور نہ ہو، بہر حال اس طرح کی تمام تربیتی اور تبشیری حدیثوں میں بطور قاعدہ کلیہ کے اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ مَسَّحَ رَأْسَ يَتِيمٍ لَمْ يَمْسُحْهُ إِلَّا اللَّهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ  
يَمْرُ عَلَيْهِ هَابِدَةٌ حَسَنَاتٌ وَمَنْ أَحْسَنَ إِلَى يَتِيمَةٍ أَوْ يَتِيمَةٍ عِنْدَهُ  
كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَفَرْنِ بَيْنِ اصْبَعَيْهِ.

رواہ احمد و الترمذی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرت اللہ کے لیے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا تو ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہوں گی اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا (کہ ان دو انگلیوں کی طرح بالکل پاس پاس ہوں گے)

(مسند احمد، جامع ترمذی)

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک پر جو (تشریح) روح پرور ثبات اس حدیث میں سنائی گئی ہے وہ اس شرط کے ساتھ شرط ہے کہ یہ حسن سلوک خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس کو بھی قاعدہ کلیہ کی طرح اس طرح کی تمام تر غیبی اور تبشیری حدیثوں میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسِنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ  
بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ — رواہ ابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کے گھرانوں میں بہترین وہ گھرانہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔ (مسند ابن ماجہ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا شَكَاَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَسْوَةَ قَلْبِهِ قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ وَأَطْعِمِ الْمُسْكِينِ — رواه احمد  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے اپنی قسوت قلبی اور سخت دلی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر ہاتھ پیرا کر،  
ہاتھ پھیر کر اور مسکینوں کا جتمدن کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

(تشریح) اعمال میں جو دل کی درد مندی اور تڑپ کے جذبہ سے صادر ہوتے ہیں، لیکن اگر کسی کا دل  
درد مندی اور جذبہ تڑپ سے خالی ہو اور اُس کے بجائے اس میں قسوت ہو تو اُس کا علاج یہ ہے کہ  
وہ عزم اور قوت ارادی سے کام لے کر یہ اعمال کرے، انشاء اللہ اُس کے دل کی قسوت درد مندی سے  
بدل جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی طریق علاج کی طرف رہنمائی  
فرمائی ہے۔

### محتاجوں، بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت :-

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو  
الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ إِلَى أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ  
فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ  
كُرْبَاتِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَمَنْ سَدَّ مُسْلِمًا سَبْعَ سُرُرٍ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
— رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لیے) نہ تو خود اُس پر ظلم و زیادتی کرے  
نہ دوسروں کا ظلم و ستم کرنے کے لیے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کی  
حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کی حاجت روا کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی تکلیف  
اور مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے اُس کی کسی

مہیت کو دور کرے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اکی  
پردہ داری کرے گا (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ  
نَفَسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ  
كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا  
وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ  
فِي أَعْوُنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي أَعْوُنِ أَخِيهِ — رواه أبو داود والترمذی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا اللہ تعالیٰ (اُس کے عوض) قیامت  
کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اُس کو نجات دے گا، اور جو قرض خواہ اپنے کسی تنگ  
دست مقروض کو اپنے قرضے کی وصولی کے سلسلہ میں سہولت دے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو  
دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ  
دنیا اور آخرت میں اُس کی پردہ پوشی کرے گا، اور جو کوئی بندہ جب تک اپنے کسی بھائی  
کی امداد و اعانت کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرتا رہے گا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا مُسْلِمٍ  
كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُريِّ كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ خَضِرِ الْجَنَّةِ وَ أَيُّمَا مُسْلِمٍ  
أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ ثَمَارِ الْجَنَّةِ وَ أَيُّمَا مُسْلِمٍ  
سَقَا مُسْلِمًا عَلَى ظَمَأٍ سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ۔

رواہ ابو داؤد و الترمذی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے  
سبز چوڑے عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے



اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی (یا کوئی مشروب) پلائے اللہ تعالیٰ اُس کو نہایت نفیس (جنت کی) شراب بطور پلائے گا جس پر غیبی مہر لگی ہوگی۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعَمُوا الْجَائِعَ وَعَوَّدُوا الْمَرِيضَ وَفَكَّوْا الْعَانِي

رواہ البخاری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر لو (اور دیکھ بھال کرو) اور اسیروں کو قیدوں کو رہائی دلانے کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) کرانے کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔ "عیادت" کے متعلق یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورہ میں عیادت کا مطلب صرف بیمار پر یعنی مریض کا حال دریافت کرنا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اور بیمار پر ہی اور خبر گیری کے علاوہ تیمارداری بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے اس لیے اس حدیث میں مریضوں کی عیادت کا جو حکم دیا گیا ہے اُس کا مطلب صرف بیمار پر ہی نہیں ہے بلکہ تیمارداری اور حسبِ استطاعت دوا علاج کی فکر بھی اس میں شامل ہے۔ اسی طرح قیدیوں کو رہا کرنے کا جو حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے اُس کے بارے میں بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس سے وہی اسیرانِ بلا مراد ہیں جو ناحق قید میں رکھے گئے ہوں یا کم از کم ان کے رہا ہو جانے سے خیر کی امید ہو، بلاشبہ ایسے گرفتارانِ بلا کا رہا کرانا اور ان کو آزادی دلانا بڑا کارِ ثواب ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُوذُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فَلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدَّهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدَّه لَوْجَدْتَنِي عِنْدَهُ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطَعَمْتَكَ فَلَمْ تُطِعْ عَنِّي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ

اِسْتَطَعَمَكَ عَبْدِي فَلَانَ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اطْعَمْتَهُ  
لَوَجَدْتَ ذَالِكَ عِنْدِي، يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَيْتَكَ فَلَمْ تُسْقِنِي قَالَ  
يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقَيْتَكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِي  
فَلَانَ فَلَمْ تُسْقِهِ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذَالِكَ عِنْدِي

رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرزند آدم سے فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں بیمار  
پڑا تھا تو نے میری خبر نہیں لی، بندہ عرض کرے گا کہ میرے مالک اور پروردگار میں کیسے  
تیری بیمار داری یا بیمار پڑی کر سکتا تھا تو رب العالمین ہے (بیماری کا تجھ سے کیا واسطہ  
اور تیری بارگاہ میں اس کا کہاں گزرا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے علم نہیں ہوا تھا کہ  
میرے ملاں بندہ بیمار پڑا تھا، تو نے اس کی عیادت نہیں کی اور خبر نہیں لی، کیا تجھے معلوم نہیں  
تھا کہ اگر تو اس کی خبر لیتا اور بیمار داری کرتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا۔ اے ابن آدم  
میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا (خداوند! میں  
تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا تھا تو رب العالمین ہے (تجھے کھانے سے کیا واسطہ) اللہ تعالیٰ  
فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے ملاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو  
کھانا نہیں دیا، کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس  
پالیتا۔ اے ابن آدم میں نے پیئے کے لیے تجھ سے (پانی مانگا تھا، تو نے مجھے نہیں  
پلایا، بندہ عرض کرے گا میں تجھے کیسے پلاتا تو رب العالمین ہے (تجھے پینے سے کیا واسطہ)  
اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے ملاں بندہ نے تجھ سے پیئے کے لیے مانگا تھا تو نے اس کو نہیں

(صحیح مسلم)

پلایا، میں اگر تو اس کو پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔  
اس حدیث میں جس توڑ اور غیر معمولی انداز میں کس پیرس بیماروں کی عیادت و بیمار داری اور جو کون یا سوں کو کھانے  
(شستر) پلانے کی ترغیب دی گئی ہے اس میں غور کرنے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت میں  
ان معاشرتی اعمال اور اجتماعت مندوں کی خدمت و اعانت کی کتنی اہمیت ہے اور ان کا درجہ کتنا بلند ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ جو کسی  
بیمار کی خدمت و عیادت کرے گا وہ خدا کو اس کے پاس پائے گا اور اُسے خدا مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تو حق عطا فرمائے۔

# یک دُعا عَرَّتْ صُحْبَتَ بَابِلِ دِلْ

## لفوظاتِ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحبِ مجددی امنت بک کا تہم

مُرتَبَّۃُ مَوْلٰوِ سَيِّدِ مُحَمَّد ثَانِی الْحَسَنِیؒ

۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۷۱ء بروز یکشنبہ ۱۰ بجے صبح۔  
 حسب معمول اتوار کو خانقاہ مجددیہ میں عمومی مجلس ہوئی۔ اتوار ہونے کی وجہ سے  
 خانقاہ حاضرین سے بھری ہوئی تھی، ہر طبقہ اور درجہ کے لوگ تھے۔ حسب ذیل حضرات  
 قابل ذکر ہیں۔ مولانا محمد عمران خاں صاحب، مولوی محمد نعمان صاحب، محمد ثانی، نواب  
 سید ظہور الحسن صاحب، سید معشوق علی صاحب، مولوی مجرم رضوی صاحب، ناظر کتب خانہ  
 دارالعلوم ندوۃ العلماء ایوب پور صاحب تاجر (کویت)

فرمایا لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پانی دم کر کے دے دیجئے، میں کہتا ہوں کہ میں خود ہی دم  
 علم اور عمل | کرو اللہ نے تم کو بھی علم دے رکھا ہے میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے۔ دم کا پانی  
 دھکنے کی مثال ایسی ہے کہ دیوار میں ایک چوڑھا (بورڈ) لگا ہے آپ اس کو پڑھنا جانتے ہیں مگر خود نہیں پڑھتے

لے بھیو! کیا اس مغوی بولانا علی میاں کی طبیعت معطل رہی اس لیے اس سفر کی مجلس وہ قلمبند نہیں کر سکے، اتوار ۲۰ محرم، کی یہ  
 مجلس مولانا کے اچھے سے اُن کے عزیز مولوی محمد ثانی صاحب نے مرتب کی تھی۔ (ادارہ ۵)

اور مجھ سے کہتے ہیں ذرا اس کو پڑھ دیجئے، میں کہتا ہوں میں ذرا خود پور پڑھ کر نظر ڈالوں اور خود پڑھ لو، اس کو دیکھ سکتے ہو، اس کو پڑھ سکتے ہو، پھر میرے محتاج ہو، حالانکہ وہ تمھارے سامنے ہے، مگر ادھر کوئی توجہ نہیں کرتا۔

فرمایا آدمی جس ماحول میں رہتا ہو عموماً اُس میں رنگ جاتا ہے اس کا ذہن اور دل و دماغ اسی ماحول کا اثر میں چلتا ہے اور سامے اعضا، اس سے انوس ہو جاتے ہیں وہ جب دوسرے ماحول میں جاتا ہے تو بڑی رغبت محسوس کرتا ہے اور نگاہیں دگھٹتی ہوتی ہیں، حضرت مجددِ مہم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک چمڑا پکانے والے کا لڑکا چمڑے دار ماحول سے اتنا متاثر تھا کہ ایک بار وہ عطری دکان سے گزرا تو غطر کی خوشبو کا تحمل نہ ہو سکا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا، حبیب باپ نے پرانے چمڑے کو گھلایا تو ہوش آیا، یہی حال آج کے گندے ماحول کا ہے کہ اس ماحول میں پرورش پانے والا اچھے اور صالح ماحول میں گھٹن جو س کرتا ہے اور وہ ماحول اُس کے ذہن و دماغ پر بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

فطرت صحیحہ غالب بنتی ہے۔ انسان کی فطرت صحیح ہوتی ہو ماحول اس فطرت کو بدلتا ہے، گردہ فطرت غالب آجاتی ہے جیسے قطب نما ہو تب ہے، تم میں سمت میں اس کو دکھو گے قطب نما کی سوئی قطب کی طرف مڑ جائے گی، تم گھماتے جاؤ مگر سوئی اپنے مرکز ہی کی طرف جاتے گی، میری خانقاہ میں ایک دیہاتی آیا، میں نے اُس سے پوچھا تمھارے یہاں بارش ہوتی، اُس نے بے تکلف جواب دیا ہم نے خدا کے کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں سب کچھ کرتے ہیں تو بارش بھی خدا نے روک دی اور کہہ دیا کہ سب کچھ تم لوگ کرتے ہو تو بارش بھی برسا لے دیکھئے اُن دیہاتی کی فطرت صحیح تھی اس کا ذہن ادھر ہی گیا اور ایسا جواب دیا۔

کبھی عادت فطرت بن جاتی ہے حقیقت حال یہ ہے کہ فطرت تو اپنے صحیح راستہ پر جا رہی ہے اس کو تکلف غلط راستہ پڑا لاجائے اور غلط کاموں کا عادی بنایا جاتا ہے، حیدرآباد میں ایک رئیس نے ہتھکنی خریدی تھی وہ ہتھکنی کسی تماشہ والے کی تھی اُس کو عادت تھی کہ ایک پتھر پر چاروں پاؤں سمیٹ کر بیٹھتی تھی حالانکہ اُس کا بیٹھا باعث تکلیف تھا اور وہ یہ عمل بے تکلف کرتی تھی لیکن اس طرح بیٹھنا اُس کی عادت میں داخل ہو چکا تھا، اسی طرح اور عادتوں کا حال ہے کہ وہ عادت بنتے بنتے فطرت ہو جاتی ہیں اور اُن عادتوں کو کھوڑنا

انگوار ہوتا ہے۔ عادتوں کو چھوڑنا ایسا ہے جیسے کانٹوں پر چادر ڈال کر کھینچنا۔

لوگ فطرت کو برا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو فطرت کے بڑے ہیں۔ یہ بات ماحول سے لڑنا چاہیے | انہیں ہے فطرت سب کی صحیح ہے ماحول خراب ہے۔ اس خراب ماحول

میں رہ کر فطرت کی طرف ٹُخ کرنا ہے، صحابہ کرام کی فطرت صحیح تھی ماحول خراب تھا، انھوں نے غم اور یقین سے اس خراب ماحول میں اپنے ٹُخ کو فطرت سمیٹنے کی طرف کیا اور ماحول کا مقابلہ کیا۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرا تبادلو ایسی جگہ ہو گیا ہے جہاں کا ماحول بہت خراب ہے۔ میں نے کہا ماحول خراب ہے تو کیا تمھاری فطرت تو صحیح ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے لاؤ مٹھائی کھلاؤ، معاف نہ کرو، بہت اچھی جگہ تمھاری بدلی ہوئی، تم کو تو وہ ماحول نصیب ہوا جو صحابہ کرام کو نصیب ہوا تھا صحابہ کرام نے اسی ماحول میں کام کیا اور ماحول کو بدلاتم بھی صحابہ کے نقش قدم پر چلو غلط ماحول میں کام نہ کرو۔ کھاؤ، اگر پیروں کے گھر میں پیدا ہو کر اس میں رہو تو کیا کمال ہے۔

جو دل با خدا بست تو خلوت نشینی

بہت سے تو ایسے ہیں کہ گھر میں ہر وقت اللہ و رسول کا تذکرہ سنتے ہیں اچھے لوگوں کی گود میں پرورش پاتے ہیں، صالح ماحول میں زندگی گزارتے ہیں مگر دوسرے غلط ماحول کی طرف ڈھلک جاتے ہیں کیونکہ ان کے رجحانات غلط ماحول کی طرف ہوتے ہیں۔

نماز کا پرزہ یا بالکمانی | زبانی میں نے بار بار عرض کیا جو کہ انسان میں ایک بال کمانی ہے مگر کسی نے یہ نہ پوچھا کہ انسان کی بال کمانی کیا ہوتی ہے؟ جس طرح بڑی بڑی

مشینری میں ایک چھوٹا اور نازک پرزہ ہوتا ہے اس نازک پرزے کے سہارے پوری مشین چلتی ہے اگر وہ پرزہ خراب ہو یا کسی مشین کی بال کمانی میں تنکا اڑ جائے تو پوری مشین رک جاتی ہے، اسی طرح انسان کی بال کمانی یا نازک پرزہ اس کا دل ہے جس میں اس نازک پرزہ یا بال کمانی کو صاف رکھو اور اپنی جگہ پر رکھو سارا جسم اپنی جگہ کام کرے گا، خدا کی محبت و خوف کی دولت ملے گی۔ یاد رکھو کہ جن کی نظر خدا کی عظمت و طاقت پر رہتی ہے وہ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے نہ کسی دنیاوی ہیبت سے مرعوب ہوتے ہیں، مقدس مشین ہے دیکھو دگواہ حاضر میں ایک خدا سے ڈرنے والا کبھی نہ گھبرائے گا کیونکہ

اس کو خدا پر بھروسہ ہے جو لوگ حاکموں کے سامنے جانے کپکپاتے ہیں ان کے دل میں حاکموں کی ہیبت ہوتی ہے۔ حاکموں کی ہیبت خدا کی عظمت کے احساس سے محروم کر دیتی ہے۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے میرے ایک مٹنے والے ہیں۔ ماشاء اللہ شہر پر پردا ڈھلے، شروع شروع لوگوں نے کہا کہ بایں صورت تم انجینئرنگ کیسے پڑھو گے؟ مگر وہ خدا سے ڈرنے والے کسی اور سے نہ ڈبے اور داروہی رکھے رہے خدا کی عظمت کو دل میں بٹھایا، انجینئرنگ پاس کی، اب ماشاء اللہ پڑے انجی چلاتے ہیں۔ ماحول خراب ہے مگر خود صورت سیرۃ نیک ہیں۔ مجھ سے وظیفہ پوچھا میں نے کہا اللہ پر بھروسہ رکھنا تمہارا وظیفہ ہو جس اپنے نازک پرزہ (دلی) کو ٹھیک رکھو، سارا کام بنتا جائے گا۔

**مقصد حقیقی** فرمایا فراہیم صاحب نے مجھ سے کہا نہ میرے بچہ کا تبادلہ ایسی جگہ ہو اسے جہاں کامیابی بہت خراب ہے۔ میں نے پوچھا خواہ کیا ملتی ہے؟ بولے ڈیڑھ سو امیس نے کہا کہ اگر ڈیڑھ سو ملے لیگیں اور ماحول خراب رہے اور ساری تکالیف باقی رہیں تو دعا کر دوں؟ کہنے لگے حضرت یہ تو بددعا ہوئی، جن کی نظر آخر دی اچھ پر ہوتی ہے۔ وہ دولت و ثروت کے طالب نہیں ہوتے وہ خدا کی خوشی کو ملح نظر بناتے ہیں۔ میں کبھی ہی حیات الصعاب میں پڑھ رہا تھا کہ ایک صحابی نے حضور سے اس کی اجازت طلب کی کہ اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں حضور نے فرمایا کہ تم کو تواری قوم شہید کر ڈالے گی، عرض کیا مجھ کو اجازت مرحمت فرمادیجئے، اس میں میرے دل کو راست ہو گئی، اجازت مل گئی وہ گئے کسی نے نیزا پھینکا، وہ آنکھ میں لگا، ان کے قبیلہ نے بدلہ لینا چاہا، فرمایا بدلہ مت لو، یہ کیوں کہ سا؟ اس لیے کہ ان کو ہزاروں کا یقین تھا اس لیے دنیا کی دولت، عزت، زندگی کی راحت ان کی نگاہوں میں نہیں تھی۔

علت غامی اگر پیش نظر رہے تو کوئی تکلیف تکلیف نہیں رہتی بلکہ تکلیف بھی راحت بن جاتی ہے۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے میری بی بی علی گڑھ میں پڑھتی ہے۔ غذا خراب ہے مگر برداشت کر رہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ چونکہ علت غامی (تعلیم) پیش نظر ہے اور وہ ٹھیک ہے اس لیے اس تکلیف کو خوشی سے برداشت کر رہی ہے۔

## عارضی چمک دمک یا دامی سکون

ظاہر ہے نہ بجایا کردہ خارجی عزت، ظاہری حسن و جمال، ترقی دولت و ثروت کا کیا اعتبار یہ دیکھو نتیجہ کیا ہے۔ اگر نتیجہ خراب ہے تو یہ چمک دمک حسن و جمال عزت و دولت راحت نہیں تکلیف ہو۔ اس کی مثال ایسی ہو نہایت

اچھا مکان ہے۔ دیواریں خوبصورت، چھت بلند، نرم نرم بستر، بلند مسہری، گاد تکیے لگے ہوئے، پلنگ پوش پڑا ہوا، ہر طرح کا آرام، آرائش و زیبائش، خدام خدمت کے لیے تیار۔ میاں صاحبہ تشریف لائے مسہری پر لیٹے اور سو گئے اور ان کا نوکر سامنے زمین پر بے بستر، بے تکیہ کے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھٹکوں، پسوؤں اور پھروں نے میاں کو ستایا، ان کی آنکھ کھلی، گردن بدلتے لگے۔ بے چین دے تڑا بستر پر پہلو بدلنے لگے، اب کوئی غم گسار نہیں اور نوکر صاحب آرام سے فرش پر خڑے رہے ہیں وہاں نہ پھر تھے نہ کھٹکس نہ پسو اب تم بتاؤ کس کو آرام ملا، میاں کو یا نوکر کو۔ نرم بستر ادھی مسہری، بجلی کے منگھے راحت کا سامان نے یادہ فرش خاکی۔؟ انبیائے کرام بھی بتاتے ہیں کہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی آرام دہ ہو اور چمک دمک رکھنے والی ہو اس میں پھر ہیں کھٹکس ہیں، پسو ہیں جس طرح ایک سونے والے کو نیند اور آرام مقصود ہے۔ نرم بستر نہیں وہ آرام کو ترجیح دے گا چاہے وہ زمین پر ملے یا بے بستر اور بے مکان کے حال ہو۔ اسی طرح آخری آرام و راحت اجر و ثواب مقصود ہے چاہے وہ فاقوں سے حاصل ہو یا دنیاوی مشقتوں سے علت غائی دایمی آرام ہے۔

## جزا کے یقین پر ہر مشکل آسان

دنیا والوں کو دیکھو کہ وہ دولت و ثروت حاصل کرنے کے لیے مشکل سے مشکل کام کرتے ہیں، ان کے لیے دولت کی امید میں مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتا ہے اور ناممکن سے ناممکن عمل ممکن بن جاتا ہے بس امید چاہیے اگر کسی کو دولت یا کسی قسم کے فائدہ کی امید ہوتی ہے تو سارے اعذار اور موانع ختم ہو جاتے ہیں اور قوت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ میں کو روٹی گیا۔ میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں نہ پیروں میں طاقت نہ دل میں ہمت۔ سخت گرمی کا موسم دوپہر کا وقت لو چل، ابھی تھی منہ کو ٹھنڈا دینے والی گرم ہوا۔ نواب

صاحب نے مجھ سے کہا آپ اس وقت اسٹیشن پیدل چلے جائیں، میں یہ سن کر گھبر گیا، اسٹیشن جانا اور مجھ جیسے معذور کے لیے اس دوپہر میں محال اگر نہیں تو بہاؤ ضرور ہے۔ نواب صاحب میری نگاہوں میں مجھوتہ تھے مگر ان کے حکم سے میں بدول ہو گیا۔ میری معذوری کا لحاظ نواب صاحب نہیں کرتے اور اس دوپہر میں اسٹیشن جانے کو کہہ رہے ہیں، نواب صاحب کے یہاں کا کھانا جو بہت قیمتی اور مرغی تھا میرے لیے نہ ہر معلوم ہونے لگا، میں نے سوچا میں خواہ مخواہ یہاں آیا ہوں سو کبھی ردی، چٹنی گھر میں جو بھی بھی تھی اس بلا میں تو گرفتار نہ ہوتا۔ نواب صاحب پھر آئے اور بولے کیسے جائیں گے آپ؟ یہ کہہ کر نواب صاحب اندر چلے گئے، میں نے منت مانی اے خدا اگر اس سے پھٹکا رائل گیا تو میں تیری جناب میں ایک بچہ انجی کر دوں گا۔ مجھ کو اس سے نجات دیدے۔ نواب صاحب پھر آئے اور کہا اگر آپ نہیں جاتے تو میں فلاں شخص کو بھیجتا ہوں۔ اگر آپ جاتے تو آپ کا فائدہ ہو جاتا۔ ۱۵ ہزار روپیہ آپ کو مل جاتا، خیر کسی کہہ دیتا ہوں، ۱۵ ہزار کا نام سن کر میرے ختم میں لہر دوڑ گئی، ۱۵ ہزار کتنے زیادہ ہیں صرف اسٹیشن جانے پر ملیں گے کتنا سستا سودا ہے۔ اب خون دوڑنے لگا، ۱۵ ہزار کے سامنے معذوری ختم ہو گئی، جسم میں قوت آگئی، بجلی دوڑنے لگی، بے ساختہ منہ سے نکلا نواب صاحب میں جاسکتا ہوں،

میں پوچھتا ہوں کہ ذرا سی دیر میں کیفیت کیوں بدلی، معذوری کیوں ختم ہو گئی، اس لیے کہ ۱۵ ہزار کی اُمید ہو گئی، جزا کا یقین ہو گیا۔ ایک بڑا فائدہ سامنے آ گیا۔

**دنیا یا آخرت** فرمایا آخرت کی مثال دنیا بھی صحیح نہیں دے تو بے مثال اور بے مثل ہے۔ اس کی مثال کیا صرف سمجھانے کے لیے عرض کر رہا ہوں۔ حضرت مجدد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس

عالم کا ایک تادہ بھی اس عالم میں آجائے تو سارا عالم روشن ہو جائے تو ان دونوں میں کیا مناسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مردہ صفت کے احیاء پر سوشیدوں کا ثواب بتایا ہے لیکن پہلے یقین مردہ ہے نہ اجر و ثواب کا یقین ہے۔ نہ خدا کے وعدوں کا، اس لیے اسلام کی باتیں ناممکنات سی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ہم نے ممکنات کے دائرہ میں قدم ہی نہیں رکھا، بس ہم دنیا کی ممکنات کے اندر پڑے ہیں۔ اسی لیے اسلام کا چھوڑنا جیسے دھواؤ، ناز، سنیتیں تک ہم پر بھاری ہیں بس ہمارے نظر نیادی نوآمد اور ظاہری ٹیپ ٹاپ پر ہے۔ قرآن نے کیا خوب فرمایا۔

یعلمون ظاہر آمن الحیۃ الدنیا جانتے ہیں اور پردہ دنیا کے چھلے کو اور وہ لوگ آخرت



وہم عن الآخرة ہم غافلون ہ کی خبر نہیں رکھتے۔

دنیا کو محبت سے دیکھنا اور اس کو رغبت آخرت کا حجاب بن جاتی ہے اور دنیا سبز باغ معلوم ہونے لگتی ہے مگر پھر کیا انجام ہوتا ہے فنا اور صرف فنا انجام قبر ہے اور قبر ایک حسرت کردہ۔

عبرت و حسرت جہاد اور قبرستان والوں سے پوچھو، دولت سے کھیلنے والے اور عیش و تنعم میں زندگی گزارنے والے خاک کا پیوند ہیں تم کو یہ شہر خوشاں بتائے گا۔

کم تر کو امن جنات و عبود و زروع بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور  
و مقام کریم و نعمۃ کا فانیہا گھر خاصہ اور آرام گاہاں جن میں باتیں بنایا  
فاکھین کذا لاک و اور شاہا قوما کرتے تھے۔ یوں ہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا

آخرین۔ ہم نے ایک دوسری قوم کے۔

کہو گے قبر والے کب بولتے ہیں میں کہتا ہوں قبر والے زبان حال سے نہیں زبان قال سے بولتے ہیں۔ سننے کی طاقت ہونی چاہیے صلاحیت اور مناسبت ہونی چاہیے جس طرح اس دنیا میں دودر در از علانہ کی بات آپ سیلفون اور لاسلکی سے سنتے ہیں مگر کب جب آپ ریسور یا آکر سماعت اپنے کانوں سے لگاتے ہیں۔ اسی طرح قبر والوں کی بولی سننے کے لیے بھی ایک ریسور کی ضرورت ہے اور وہ ہے قرآن کریم۔ اس کے ذریعہ سنو تو سن سکو گے قبر والے کہہ رہے ہیں اور پکار پکار کہہ رہے ہیں۔

یا ویلئی قد کنا فی غفلۃ من ہائے کم بختی ہمارے ہم بے خبر ہے اس سے بلکہ  
ہذا ابل کنا ظالمین۔ ہم تھے گنہگار۔

کیا کہوں قبر والے اپنی چھانی کوٹ رہے ہیں۔ ماتم کر رہے ہیں۔ اس غم میں کہ دنیا کی زندگی برباد کی اور دنیا کے عارضی عیش و تنعم میں پڑ کر خدا فراموش بن بیٹھے اور آخرت کا عیش بھول گئے یہ قول ان لوگوں کا ہوگا جو کافر ہوں گے اور قیامت میں کہیں گے۔ کہاں گیا وہ ترک و احتشام دہ عزت و ترقی وہ مال و دولت وہ آرام و راحت ہو دنیا میں ہم کو حاصل تھا "من لم یذق لم یدر" (جس نے چکھا نہیں وہ کیا جانے)

بچے کی فطرت الدین گاہے تہیں فرمایا سچو اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر ماں باپ کی حرکتوں اور افغان  
سیسہ سے فطرت سخ ہو جاتی ہے۔ ابھی چند دن کی بات ہو ایک

معصوم سا بچہ کھیں رہا تھا میں نے نوبت سے اس سے پوچھا بیٹے کیا پڑھتے ہو۔ اس نے ایسا غلط اور بیہودہ جواب دیا کہ میں بہت ہو کر رہ گیا میرے دل پر بیٹے بچکونے ڈنک مار دیا میں نے کہا جہاد عسائیر اوسے جہاد تم نے ایسا زہر دیا کہ اس کا تریاق مشکل ہے۔ یہ تمہارا تصور نہیں تمہاری تو فطرت صحیح تھی۔ تمہارے باپ نے تمہاری فطرت بگاڑی بچپن ہی سے تم کو خراب کر دیا ایسے ہی بچے قیامت میں کہیں گے۔  
ربنا انا اطلعنا ساداتنا وکبرائنا اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا انا اپنے سرداروں  
فاصلونا السبیل۔ کا اور اپنے بڑوں کا پس انھوں نے بھٹکا دیا ہم  
کو راہ سے۔

دہ بچے اپنے مریضوں کی شکایت کریں گے کہ انھوں ہماری زندگی برباد کی۔  
**حرکت میں برکت** فرمایا ہم غریب لوگ تھے گر کے چادل کھاتے تھے اب خدا نے وسعت دی تو  
قسم قسم کے کھانے کھاتے ہیں، ان قسم قسم کے لذیذ کھانوں کے آگے دہ گڑ  
کے چادل بھول گئے۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی، پہلے میٹھے تیل کے دیے ٹہاتے تھے۔ اسی میں  
سارا کام ہوتا تھا۔ لوگ رہتے تھے، کھاتے تھے، پڑھتے لکھتے تھے اور اس میں خوش تھے سمجھتے تھے  
بڑی نعمت ہے۔ امراء اور بادشاہوں کے یہاں ۵۰۵۰ پرانے جلتے تھے سمعیں روشن ہوتی تھیں ان کو  
تیل کی کیا کمی تھی۔ بالدار لوگ تھے۔ پھر دنیا نے ترقی کی تیل کے بجائے بجلی آئی۔ دستی اور فرشی پنکھوں کے  
بجائے بجلی کے پنکھے ہو گئے۔ یہ اس لیے ہوئے کہ دنیا والوں نے فکر تدبیر سے کام لیا۔ تیل کے چراغوں  
کو کافی نہیں سمجھا خدا نے عقل و تدبیر کی جو دولت انسان کو دی جو اس سے کام لیا گیا اور دیکھتے دیکھتے  
ترقی ہوتی گئی۔ اسی طرح ہم کو بھی اپنی موجودہ زندگی پر قناعت نہ کرنی چاہیے، اس کو بہتر بنانے کی فکر  
کرنی چاہیے۔ آخرت والی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے میں تدبیر سے کام لینا چاہیے۔ خدا کا فرمان ہو۔

من کان یرید حرث الآخرة جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی زیادہ کریں گے  
نزدله فی حرثه ومن کا یرید ہم اس کے واسطے اس کی کھیتی اور جو کوئی  
حرث الدنيا فوته منها وماله چاہتا ہو دنیا کی کھیتی سکودیں گے ہم کچھ اس  
فی الآخرة من نصیب۔ میں سے اور اس کے لیے نہیں آخرت میں کچھ

خدا نے ایمان کی بزرگ نشانی ہم کو دی ہے بیشک یہ بڑی روشنی ہے مگر اس روشنی میں اضافہ کی کوشش کرنی چاہیے جس طرح دیے سے لیمپ ہوئے لیمپ سے ترقی کر کے بجلیاں ہوئیں اور انسان اس سے آگے سوچ رہا ہے اسی طرح ہم کو ایمان کی روشنی کو بڑھانا چاہیے۔ آج جس طرح بجلی کی روشنی میں دیے اور لیمپ کی روشنی اندھیری لگتی ہے۔ اسی طرح آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کے آگے دنیا کی راحتیں بیچ معلوم ہونگی۔

دنیا کے معاملہ میں ہم ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ ہمارا دماغ چلتا رہتا ہے مگر دین کے معاملہ میں قناعت پسند ہیں۔ ترقی کی کوئی پرواہ نہیں، یہ فطرت انسانی ہے کہ ایک ترقی کے بعد دوسری ترقی کو سوچتا ہے۔ دین میں بھی یہی ہونا چاہیے۔ اسی کا نام عبادت ہے۔ ہم روزہ رکھتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ یہ سب ٹھیک ہیں مگر ان نمازوں میں، ان روزوں میں روح پیدا کریں۔ انہوں سے کہ نماز پڑھنے والے نمازوں سے بیگانے ہیں، نہ روح کا پاس نہ ارکان کا خیال، نہ بہت ٹھیک نہ دل سے صحیح رُخ پر سجدہ کرتے ہیں تو پاؤں قبلہ سے بے رُخ۔

فرمایا ادب ادا بنی چیز ہے۔ کہنے کا انداز ہونا چاہیے۔ ایک بات کئی انداز سے کہی جاتی ہے | ادب کیا ہے | ایک کا اثر کچھ ہوتا ہے دوسری کا کچھ۔ جیسے آپ کسی کی دعوت کریں پہلے کھانے والوں سے آپ نہیں میاں جلدی کیا اور دوسروں کے لیے بلکہ تھوڑا۔ تم دیہ نگار ہے ہو آپ کے اس جملہ سے مہمان اکھر رہا ہے گا اور وہ تو رسم اور بلاؤ تو رسم اور بلاؤ نہ معلوم ہو گا بلکہ نہ ہو گا، اگر یہ کہا جائے کہ ہر کھانا زیادہ اچھا ہو گا اس طرز کے کھانے سے تو غلط نہ ہو گا۔

طریقہ تو یہ ہے ابھی تشریف رکھیے اور نوش فرمائیے۔ اسی طرح سے آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور خیال اس طرز کا ہو کہ میں نماز ختم کروں اور فلاں کام شروع کروں تو یہ نماز کی بے ادبی ہے۔ اور ایسا ہی جیسے ایک معزز مہمان سے کہا جائے کہ جلدی کھانے سے فارغ ہوئیے تاکہ جگہ خالی ہو دوسرے مہمان بیٹھیں۔

دنیا کا حرج | معاملہ بالکل اُٹا کر دیا گیا ہے۔ نماز باطنی جلدی پڑھتے ہیں۔ دُعا میں گور لگاتے ہیں بحال انہی نماز دُعا کی جامع ہے وہ خود دعا ہے۔ نوافل کا بڑا اہتمام فراموش کا خیال کم ہے۔ حالانکہ نوافل بارات میں اور فرائض دوہرا ہیں تو کہتا ہوں کہ اگر کسی نے وظیفہ بھی نہیں پڑھا اور نماز کو قاعدہ کے ساتھ ادا کیا تو سب دعا اور وظیفے پوسے

ہو گئے۔ کہتے: افسوس کی بات ہے کہ ہزاروں میں ایک کو بھی نماز کے احکام اور اہل کان یاد نہیں اور دنیا بھر کی معلومات پوچھ بیچ، صبح ہوئی اخبار کی تلاش ہوئی۔ امریکہ میں کیا ہو رہا ہے۔ روس میں کیا ہو رہا ہے۔ میرے محلہ میں ایک شخص مسجد کے سامنے رہتا تھا مضبوط ہسپتال نام کا مسلمان نماز ایک وقت کی نہیں پڑھتا تھا مگر اخبار کا کثیر اٹھا بس اسی میں اس کی زندگی تمام ہو گئی۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔ بات یہ ہے کہ دماغوں میں دنیا کی زندگی کا کچرا بھرا ہے اور سڑا ہوا ہے۔ عطر لگانے اور خوشبو میں بسانے سے کام نہیں چلے گا وہ کچرا نکال دیا جائے اور بدبو دور کر دی جائے۔ خوشبو تو فطری ہے۔ عجب بات ہے لوگوں کے لیے یہ آسان ہے کہ پانی میں کھڑے گھنٹوں و نیلف پڑھیں مگر یہ کہو کہ اپنا حال بدلو، دماغوں سے کچرا نکالو۔ بُرے خیالات سے دل پاک کر دو تو یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

**ادب و لحاظ** فرمایا خدا نے ہم کو ادب سکھایا ہے اور سب سے بڑا ادب اللہ و رسول کے آگے سر جھکا دینا ہے۔ قرآن نے صحابہ کرام کو خطاب کر کے کہا

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ نہ اونچی کر دو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر۔

کتنا معرکہ آرا لحاظ ہے۔ کتنا عظیم المرتبت ادب ہے۔ دیکھو مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک کے آگے اپنی آواز پیست رکھنا، یہ حکم وقتی نہ تھا صرف صحابہ کرام کو نہ تھا بلکہ پوری امت کو ہے قیامت تک ہے۔ یہ قرآنی آواز آج بھی اسی طرح کر رہی ہے جس طرح اپنے زلزل کے وقت سنائی دی تھی، آج یہ آواز ہم کو بتا رہی ہے کہ حضور کے کسی حکم کے آگے اپنی مصلحت نہ ڈھونڈنا، دین میں علل مت تلاش کرنا۔ بے چون و چرا حکم رسول کو ماننا اور نہ تمہاری آواز حضور کی آواز پر بلند ہو جائے گی اور اس کا نتیجہ ہوگا ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون۔ کہ اکارت ہو جائیں تمہاری اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

صحابہ کرام نے اس ادب کو سیکھ لیا تھا اور وہ آوازوں کو حضور کی آواز کے آگے اتنی پیست رکھتے تھے کہ گویا مجلس میں ہیں نہیں۔ ظاہر ابھی اور باطن ابھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے حالات بدل جاتے تھے یہی وجہ تھی کہ مخالف آتے تھے، زہر میں بھی تلووار لاتے تھے اور سر قلموں پر ڈال دیتے تھے۔ ان کے قصے پڑھو اور دیکھو صحابہ کے قصے نہیں وہ تو ایسے ہیں جیسے ہمارے کان ناک زبان یعنی وہ تمام اعضاء جن پر ہماری زندگی کا انحصار ہے۔ کل ہی میں حیاتِ صحابہ نہیں دیکھ رہا تھا کہ جب مشرکین مکہ کو بدر

میں شکست ہوئی تو رنج و غم کی فضا چھا گئی، عمیر نے صفوان سے مشورہ کیا کہ اگر قرض اور بیوی بچوں کا خیال نہ ہو تو (غزوہ بائٹر) میں جا کر کام کام کر دیتا۔ صفوان نے ان کاموں کی ذمہ داری لی عمیر کو اذہر میں بھا کر مدینہ چلا۔ حضور اپنی مجلس میں رونق افروز تھے۔ حضرت عمرؓ نے عمیر کو اس حال میں آتے دیکھا تو خدمت میں عرض کیا کہ خدا کا دشمن آ رہا ہو، حکم ہو تو آگے بڑھ کر قتل کر دوں۔ ارشاد ہوا آتا ہے تو آنے دو، وہ قریب آیا تو فرمایا کس ارادے سے آئے ہو۔ کہنے لگا اپنے بیٹے کو پھر آنے ارشاد فرمایا اور وہ جو صفوان سے تنہائی میں مشورہ کر رہے تھے وہ کیا تھا، عمیر کا دل بدل گیا فوراً مسلمان ہو گئے، یہ کیوں ہوا دن کا ارادہ کیوں بدلا۔ قاتل سے شیدائی کیوں بن گئے۔ حالات میں یکجہوم تغیر کیسے ہوا قرآن میں ڈھونڈو اور تلاش کر دے گا میں تو یہی کہتے کہتے مہجراؤں گا کہ اپنے جسم کے نازک پرزے کو درست کر دو اور اس کی حفاظت کر دے صحتاً نے صحت بالکافی درست کر لی تھی اور اس میں جو تنکا آگیا تھا وہ نکال دیا تھا عمیر نے بھی آخر وہ تنکا نکال دیا تو حالت بدل گئی اور فطرت صحیحہ لوٹ آئی ساری مشنری جو غلط چل رہی تھی صحیح چلنے لگی۔

**شوق لقاء مولیٰ** | میرا تو حال یہ ہے کہ میرے قدم تو موت میں پڑ رہے ہیں اور میرا رخ اب اُدھر ہی ہے۔ مجھے اب کوئی تمنا اور آرزو نہیں بس ایک ہی تمنا ہے۔

اسی تمنا میں عمر گزری کہ یا رہم سے تو آئے گا

نہ ہم نے جانا کہ وصل کیا ہے نہ ہم یہ سمجھے وصال کیا ہو

خدا مجھے حیات نصیب کرے میں تو موت کے در سے میں داخل ہو کر اسی سے مانوس ہو چکا ہوں

مکن گریہ بر گور مقبول اوست

برو خرمن کن کہ مقبول اوست

میں ایک مرتبہ بہت کمزور ہو گیا تھا اور جسم سے خون مفقود ہو گیا تھا سارے احباب و مخلص دوست

اس پر متفق تھے کہ خون چڑھایا جائے۔ میں نے کہا جس کو جینے کی تمنا ہو وہ خون چڑھائے۔ میرا حال

تو یہ ہے "اللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ" اللہ تعالیٰ کے شوقِ لقاء میں جو قدم اٹھاؤں پر تو خوش ہونا چاہیے۔

# حضرت سید کی معاشرتی اصلاح

(از مولانا محمد تقی امینی، ناظم سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

ہر جماعت اور حکومت معاشرتی اصلاح کی علمبردار ہو لیکن اس کا دائرہ چند بے خط خیروں کی اصلاح سے آگے نہیں بڑھتا۔ ذیل میں معاشرتی اصلاح کے لیے حضرت عمرؓ کی کوششیں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اس کے بنیادی غور و خیال نمایاں ہوں۔

حضرت عمرؓ مسلم گھرانوں اور خاندانوں کا ہمیشہ جہانمہ لیتے رہے اگر ان میں تدبیر منبر کی عقل و درزی یا کسی کی حق تلفی دکھی تو فوراً اس کی اصلاح فرمائی مثلاً

(۱) نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی شادی میں تاخیر نہ ہونے دی۔

زواج اولاد کے اذابلغوا ولا تمہاری اولاد جب بالغ ہو جائے تو ان کا کالج

تھوڑا سا مہم نہ کر دو۔ ان کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھاؤ۔

(۲) حسب و نسب اور شرافت کے مصنوعی بتوں کو توڑ کر نئے معیار کی تاکید کی چنانچہ فرمایا

حسب المرء دینہ و اصلہ مرد کا حسب اس کا دین ہو۔ نسب اس کی عقل

عقلہ و مروتہ خلقہ ہے جو اور شرافت اور اکا خلق ہو۔

ایک اور روایت میں ہے۔

الحسب المال ہے حسب مال ہو۔

غالباً یہ فرق اشخاص کے حالات کے لحاظ سے ہے۔

(۳) جو بصورت عورت کا بد صورت مرد کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا۔

لا تَنْكِحُوا الْمَرْءَةَ الرَّجُلَ الْقَبِيحَ الْفَقِيرَ  
فَاِنَّهُنَّ يَحِبُّبْنَ لَانَفْسِهِنَّ مَا  
تَحِبُّنَ لَانَفْسِكُمْ

بد صورت اور بڑے مرد سے عورت کا نکاح  
نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہ عورتیں  
اپنی نفس پسند کرتی ہیں۔

(۴) مہر کی زیادتی سے رد کا اور عام حالات کے لیے مہر کی ایک حد مقرر کی۔

لَا تَغْلُوا فِي مَوَارِئِ النِّسَاءِ فَاتَّخَذُوا  
كَأَنَّهُنَّ مَكْرَمَةٌ فِي الدُّنْيَا أَوْ  
تَقْوَى عِنْدَ اللَّهِ لَكَانَ أَحَقُّكُمْ  
بِهَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عورتوں کا زیادہ حق نہ کرو مگر اس میں زیادتی  
شرافت ہوئی یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بات  
بدنی داس کے سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ  
بہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

دہ عورتوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا اور ان کا حق تاملی پر سختی کا رد بھی کا حکم دیا  
چنانچہ ایک شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق دے کر اپنا سب مال لڑکوں میں تقسیم کر دیا جب اس کی  
اطلاع حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عورتوں کو رجوع کرو اور مال کی تقسیم منسوخ کر دو ورنہ میں انکو  
وارث بنادوں گا اور تمہاری قبر پر سنگساری کروں گا۔

(۶) عورت کے مصنوعی حسن و جمال اور زیب و زینت کے جہاں میں پھنسنے سے منع کیا چنانچہ فرمایا

إِذَا تَمَلُّونَ الْمَرْءَ وَشَعْرَهَا فَقَدْ تَمَّ  
حُسْنُهَا

جب عورت کا رنگ اور اس کے بال ٹھیک  
ہوں تو اس کا حسن پورا ہو۔

(۷) گھر کی زندگی میں مرد کے لیے زیادہ باوقار اور صفہ بند رہنا پسند نہ کیا۔

إِنِّي أَحِبُّ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ فِي  
أَهْلِهِ كَالصَّبِيِّ فَإِذَا حَقَّ عَلَيْهِ  
كَانَ رَجُلًا

مجھے یہ بات پسند ہے کہ مرد اپنے اہل و عیال میں  
بچہ کے مثل رہے اور جب اس کے پاس سفر ہو  
لائی جائے تو مرد ہو جائے۔

(۸) اخلاق و کردار کی درستگی کے لیے ہر اس اقدام سے دریغ نہ کیا جس سے عورتوں اور مردوں کے خیالات و جذبات صاف ستھرے رہ سکیں اگرچہ ظاہر نظر میں کسی کی حق تلفی ہوتی ہو۔  
ایک مرتبہ خواتین آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ مدینہ میں سب سے زیادہ حسین و جمیل کون شخص ہو؟ ایک خاتون نے کہا کہ اپنا وہ ”شغال“ یہ لقب تھا، سب سے زیادہ حسین و جمیل ہے۔ یہ گفتگو رات کو خواتین کی ایک نشست میں ہو رہی تھی جس کو حضرت عمرؓ نے گشت میں خود ہی سُن لیا تھا۔ دوسرے دن ”شغال صاحب“ کا پتہ لگایا گیا جو نہایت حسین و جمیل اور مردانہ پاکیزگی سے آراستہ تھے۔ دیکھتے ہی سر کے بال منڈوا دیے اور کچڑی باندھنے کا حکم دیا لیکن اس ظالم کا کھانا دُھسن اور بڑھ گیا۔

بالآخر ”شغال“ کو فوجی وردی پہنا دی گئی اور شیشہ گری و عشوہ طرازی سے کمال کر خادہ شگافی و جفا طلبی کی زندگی کی طرف سے تہ کیا گیا۔  
(۹) اسی طرح رات کو گشت کے وقت ایک عورت کو یہ شعر پڑھتے سنا۔

الاسبیل الی خم فاشربہ      کیا شراب دستیاب ہونے کی کوئی صورت نہیں؟  
ام لا سبیل الی نصر بن حجاج      کیا نصر بن حجاج سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں؟

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نصر بن حجاج نہایت خوبصورت آدمی جو جس کو عورتیں حسرت و اکڑد کی نگاہ سے دیکھتی ہیں آپ نے بلا کر اس کے سر کے بال منڈوا دیے لیکن اس کے بعد وہ اور زیادہ خوبصورت نظر آنے لگا بالآخر کچھ رقم دے کر اس کو جلا وطن کر دیا۔

(۱۰) عورتوں اور مردوں کے مخلوط اجتماع پر پابندی لگائی اور ایسے واقعات پر سزا دی۔

ضرب عمر بن الخطاب رجلا و نساء      حضرت عمرؓ نے ان مردوں اور عورتوں کو سزا دی جو حوض پر جمع ہو گئے تھے۔

(۱۱) باندی کو زرق برق لباس پہن کر باہر نکلنے اور فتنہ انگیزی کرنے سے منع کیا۔

لے ابو بکر و فاروق اعظم بارہواں باب از ذکر اطہر السنین ۲۰۰۰ الطرق الحکمیہ فیصل و مسلک اصحابہ ص ۱۷۰ از آلہ النخاع مقصد دوم گشت حضرت عمرؓ ۳۰۰۰ از آلہ النخاع مقصد دوم سیاست فاروق اعظم ص ۹۰۔



ایک باندہ کی کو اس حالت میں دیکھ کر اپنی بیٹی حفصہؓ سے فرمایا  
المرار جاریۃ اخیک تجوس کیا میں نے تیرے بھائی کی باندہ کو نہیں دیکھا  
الناس۔ کہ لوگوں کو دیکھتی پھرتی ہو۔

اور پھر اس پر سخت نکیر کی۔

(۱۲) فوجی خدمات پر مامور شوہروں کو چار ماہ سے زیادہ باہر رہنے سے روک دیا۔  
صورت یہ ہوئی کہ حسب دستور رات کو گشت کردہ جو تھے ایک گھر سے عورت کے ایسے اشعار  
پڑھنے کی آواز آئی جن میں شہوانی جذبات کا اظہار تھا۔ عورتوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ  
رواۃ تک شوہر کی جدائی برداشت ہو سکتی ہو۔ تیسرے ماہ قوت برداشت میں کمی آجاتی ہے  
اور جو تھے ماہ جذبات کی ہیجان انگیزی شباب پر ہوتی ہو۔

اس تحقیق کے بعد افسران کو لکھ کر بھیجا کہ کسی شخص کو چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رکھا جائے  
(۱۳) بیوی کے حقوق کی پامالی کی وجہ سے زیادہ عبادت کرنے سے منع کر دیا جس کی صورت  
یہ ہوئی کہ کوٹ بن سعد حضرت عمرؓ کے پاس تشریف فرما تھے کہ ایک عورت نے آکر کہا۔

مارایت قطر رجلا افضل من میں نے کوئی مرد اپنے شوہر سے زیادہ افضل  
زوجی انہ لیبیت لیلۃ قائمہ و یظل نہیں دیکھا۔ وہ شب بیداری کرتے اور دن  
نہارہ صائمًا فی الیوم الحار میں روزہ رکھتا ہو۔ گرمی کے دنوں میں بھی  
ما یفطر۔ افطار نہیں کرتا۔

شوہر کی تشریف بیوی کی زبان سے سُن کر حضرت عمرؓ خوش ہوئے اور کہا

مثلاث اثنی بالخیر تیری ہی جیسی عورت سے یہ توقع ہو سکتی ہو

وہ ”غریب“ حیا کی وجہ سے زیادہ نہ کہہ سکی اور اٹھ کر جانے لگی۔ کوٹ بن سعد نے  
حضرت عمرؓ سے کہا کہ یہ عورت آپ سے بد کے لیے آئی تھی آپ نے اس کی کوئی مدد نہ کی اس پر  
حضرت عمرؓ نے بلا کر صورت حال کی وضاحت چاہی اور کہا۔ ”کعب کا خیال ہو کہ تو اپنے  
شوہر کی شکایت کر رہی ہو“ اُس نے جواب دیا۔

اجل انی امرأۃ مثابة وانی جہاں میں ایک جوان عورت ہوں اور

ابتغی ما یتبعی النساء۔ وہی چاہتی ہوں جو دوسری عورتیں چاہتی ہیں۔  
 حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کو بلا بھیجا اور یہ مقدمہ کعب کے حوالہ کر دیا اور انھوں نے یہ فیصلہ دیا۔  
 فانی ارئى لها يوماً من اربعة۔ اس عورت کے لیے ہر چوتھا دن مخصوص ہوگا  
 ایام کانت لزوجها اربع لسنوة۔ گویا چار عورتیں ہیں اور چوتھے دن اس کی باری  
 فاذا المریکن غیرها فانی۔ آتی جو اب جبکہ چار نہیں ہیں تو تین دن  
 اقضى له ثلثة ایام ولیلہا یتعبد۔ رات عبادت کے لیے ہیں اور ایک دن رات  
 فیہن ولہا یوم ولیلۃ لہ۔ عورت کے لیے ہو۔

کعب نے اس فیصلہ میں قرآن حکیم کی اُس آیت سے استدلال کیا جس میں وقت ضرورت چار  
 تک سے شادی کرنے کی اجازت ہو۔

(۱۴) کتابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت کر دی چنانچہ حضرت خلیفہؓ نے ایک یہود  
 سے نکاح کر لیا تو اس کی اطلاع پر علیحدگی کا حکم دیا۔ اس پر خلیفہؓ نے پوچھا کہ کیا وہ حرام ہو، حضرت  
 عمرؓ نے جواب دیا کہ میں حرام تو نہیں کہتا ہوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ بدکار عورتوں کے حال  
 میں پھنس جاؤ گے۔

امام محمدؒ نے اس واقعہ کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا جواب ان الفاظ میں بیان کیا ہو۔

فانی اخاف ان یقتدی باب۔ میں ڈرتا ہوں کہ دوسرے مسلمان تمہاری پیروی  
 المسلمون فیغتاروا النساء۔ کریں گے اور ذمہ (کتابیہ) عورتوں کے حال  
 اهل الذمة لجمالهن۔ کا دھبہ سے مسلم عورتوں پر ان کو ترجیح دیں گے  
 وکنی بذلک فتنة للنساء۔ یہ بات بڑی آسانی سے مسلم عورتوں کے لیے فتنہ  
 المسلمین۔ بن سکتی ہو۔

(۱۵) اہل ملاقات میں معاشرتی امتیازات ختم کیے اور صورت یہ اختیار کی کہ دوسرا کو نالای حیثیت

۱۔ الاستیعاب از الذمۃ الخفاء مقصد دوم سیاست فاروق اعظمؓ لہ احکام القرآن للبحاص باب تزوج الکتابیات  
 ج ۲ ص ۳۲۴ کتاب الآثار باب تزوج الیہودینہ والنصرانیہ۔



(۲) باریک کپڑ نہ پہنیں۔

(۳) میدہ کی زدنی نہ کھائیں۔

(۴) لوگوں کی حاجتوں سے اپنے دوداڑے بند نہ کریں۔

(۵) بیماروں کی بیمار پسی کے لیے جایا کریں۔

اگر کوئی افسران باتوں کی خلاف ورزی کرتا تو اس کو سخت سزا دیتے یا معطل کر دیتے تھے۔  
(۲۰) افسر اعلیٰ کے تقویٰ کے وقت اس کے پاس جس قدر مالی اسباب ہوتا اس کی نصف قیمت تیار کر کے دفتر میں محفوظ رکھتے۔ اگر معمولی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تو اس سے مواخذہ کرتے تھے۔

کان عمر بن الخطاب بکتاب اموال  
عالمہ اذا ولاہم شریقا سمعہما  
زاد علی ذلک  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو حاکم اعلیٰ بناتے تو اس کے اموال کی قیمت تیار کرتے پھر جو اس سے زیادہ ہوتا اس میں سے عمام کا حصہ نکالتے۔

(۲۱) اپنی کتاب سودی کا رد باہر کرتے تھے۔ ان کے ذبح خانے شہر سے ہٹانے کا حکم دیا تاکہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ مسلمان اس کو جائز سمجھتے ہیں چنانچہ فرمایا۔

ان الله تبارک وتعالیٰ قد اغناانا  
بالمسلمین  
اللہ نے ہم کو مسلمانوں کی وجہ سے ان سے بے نیاز کر دیا جو۔

(۲۲) دعوت کے کھانے میں خدام کو شریک کرنے کی تاکید کی اور خلاف ورزی کی صورت میں دعوت سے بغیر کھائے واپس آگئے چنانچہ رد و سوا کہ کی ایک دعوت میں خدام کھانے میں شریک نہ تھے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا

مالی ادری خدا امکم لایا کلون  
مواکم اترعون  
صاحب خانہ نے جواب دیا۔

واکنا انت اتر علیہم  
اس پر حضرت عمرؓ سخت ناراض تھے اور خادموں کو کھانے کا حکم دیا اور خود بغیر کھائے واپس آگئے۔  
فقد الخیام یا کلون ولم یأکل امیر المؤمنین  
خادم بیٹھ کر کھانے لگے اور امیر المؤمنین نے نہیں کھایا۔  
عرض اس قسم کی بہت سی اصطلاحات ہیں جن سے معاشرتی اصلاح کا پتہ چلتا جو۔



**سُنکارا**  
خاندان بھر کے لیے  
تیزی سے ساتھ  
توانائی بخشنے والا

جڑی بوٹیوں اور دوائیوں سے بھرپور مرکب

تذکرہ حضرت شاہ علم الشرائع بریلوی

از قلم: محمد امجد الحسنی

مولانا امجد الحسنی علی ندوی کے بصیرت افروز مقدمہ کے ساتھ  
حضرت ریاض شہید رائے بریلوی کے مددِ اعلیٰ اور عمدہ عالمگیری کے ممتاز شیخ وقت اور عارفانہ حضرت شاہ علم الشرائع رائے بریلوی  
کے صفات و کمالات اور اخلاق عالیہ کا پراثر اور ایمان افروز تذکرہ اور ان کے باکمال فرزندوں اور خلفاء کے مختصر حالات زندگی  
ایک عظیم شخصیت کا تعارف جو ابھی تک پردہ گہرائی میں ہی رہا۔۔۔۔۔

ناشر: مکتبہ اسلام، ۳۷ گولڈ روڈ، لکھنؤ (یو پی)

**BOMBAY, ANDHRA TRANSPORT CO.**  
**TRANSPORT CONTRACTORS**  
**113. BHANDARI STREET (CHAKLA)**  
**BOMBAY-3**

# مولانا کریمت علی جوہری رحمۃ اللہ علیہ

## اور ان کا ترجمہ شمائل ترمذی

(از مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی ناظم جامعۃ المرشاد، اعظم گڑھ)

(۲)

**دعوت و تبلیغ کا کام** ہندوستان کے علماء و صوفیہ نے دعوت و تبلیغ کے خصوصی کام کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھا، اور ان کے فیض سے پورے ملک میں اسلام اپنی اصلی حالت میں زندہ رہا، مگر یہ بھی ایک واقعہ ہو کہ مغل حکومت کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ پورے ملک میں اور خصوصیت سے مسلمانوں میں جو دینی اور اخلاقی زوال پیدا ہو رہا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ دعوت و تبلیغ کے کام کو زیادہ سے زیادہ عمومیت دی جائے، اور اسے خاتما ہوں اور مدرسوں سے نکال کر بازاروں اور گلی کوچوں تک پہنچایا جائے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی مختلف کتابوں میں اس طرف توجہ دلائی، اور اس خانوادہ نے اس کو کسی قدر عملی جامہ پہنانے کی کوشش بھی کی مگر حقیقت یہ سعادت اسی خانوادہ کے تربیت یافتہ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اس خانوادہ کے چشم و چراغ حضرت مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی صاحب بدھانوی کے حصہ میں آئی جنہوں نے دعوت و تبلیغ کی ایسی مشعل جلائی کہ اس کی روشنی سے پورا ملک منور ہو گیا اور چند برسوں میں توحید خالص کا غلغلہ اور قال اللہ قال الرسول کی آواز مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک پہنچ گئی، سید صاحب اور ان کے رفقاء خاص کی شہادت کے بعد گو تحریک جہاد کی ہمارے ہی تو قدم سے کم ہو گئی، مگر دعوت و تبلیغ کی جو سمیع انھوں نے جلائی تھی، انشاء اللہ اس کی کوئی تابانی قیامت تک باقی رہے گی۔ اور اس کی ایک تابندہ یادگار مولانا کریمت علی صاحب جوہری ہیں۔

مولانا کریم علی صاحب جو پوری میں دعوت و تبلیغ کا جذبہ عشوائی شباب ہی سے موجود تھا، مگر سید صاحب کی خدمت سے واپسی کے بعد اس جذبہ میں نہ صرف تیزی آئی، بلکہ انہوں نے اس کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی اور اسی کے ہر پہ ان کی دعوت و تبلیغ کی سرگرمیوں کے بارے میں ان کے معاشرہ تذکرہ نویسوں نے اپنی عادت کے مطابق محض چند جملے لکھے ہیں، مگر دوسرے ذرائع سے جو معلومات ملی سکی ہیں، ان سے ان کے کاموں کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہو، تذکرہ علماء ہند کے مصنف نے لکھا ہے۔

مشرع، متودع، داعی، کثیر التواضع و	شریعت کے انتہائی پابند، بڑے متقی اور افظ
برایت خلق بغایت کوشید خصوصاً مردم مالک	تھے اپنی تصانیف اور درس و تدریس کی
بگارا از دستبغض شدند دران دینہ طریق اسلام	بہت یادگاریں چھوڑ گئے ہیں، اور خلافت کی
ازین در بکثرت اونو پشایو ع یافت	ہدایت میں بہت کوششیں کیں، بنگال کے
	ڈاکٹروں آدمی ان سے تفسیل ہوئے اور
	اس دیار میں ان کی برکت و سعادت سے
	اسلام کی ثواب اشاعت ہوئی۔

مشاہیر جو پور کے مسکنات نے قید سے اور تفصیل کی ہے۔

ہمت شیوع و بنا اسلام بر عقائد برایت اسلامیات	اسلام کی اشاعت میں انہوں نے پورے جذبہ
مکرمت و جہت بستہ مدام احویات درین شغل	پر مکرہت بلند تھی اور پھر پوری زندگی اس کا عظیم
سنگ گذراید۔	عظیم میں صرف کر دی

زیادہ حصہ عمر از دور سیاحتی بلاد شرقیہ بظفت دسر	عمر عظیم کا زیادہ حصہ ملک کے مشرقی حصہ میں گزر
بلندی بسر شد و مال دیار باعث شیوع و ترقی	کیا اور بڑی عظمت و عزت حاصل کی دیار شرق
اسلام ابن ذات نعمتات شد۔	میں اسلام کی اشاعت و ترقی میں انکی ذات ختم تھی۔

مولانا کی تبلیغی سرگرمیاں دو حصوں میں منقسم ہیں، ایک کا تعلق جو پور اور اس کے گرد و نواح سے ہے، اور دوسرے کا تعلق بنگال اور آسام کے بعض علاقوں سے ہے، جو پور اور گرد و نواح میں آپ کے اصلاح و تبلیغ کا دائرہ زیادہ تر مسلمانوں تک محدود رہا، مگر بنگال میں مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ آپ نے غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کا جو وسیع کام کیا ہو، وہ کام کوئی حکومت بھی نہ کر سکی، افسوس ہے کہ ان کے کاموں کو

ہندوستانی مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ میں وہ مقام نہ مل سکا، جو انہیں ملنا چاہیے تھا۔ ہندوستان کی دعوت و تبلیغ کی تاریخ میں بے شمار ایسی شخصیتیں ملیں گی جن کے کارنامے صفحہ ورقطاس پر بالکل ہی نہیں آسکے ہیں بلکہ اس راہ میں ہزاروں ایسے مردان کا نام لیں گے جن کے نام سے بھی ہم واقف نہیں ہیں اور جن لوگوں کے نام یا کارنامے تاریخ کے صفحات میں آگئے ہیں، ان میں بھی بیشتر تعداد ایسی ہو کہ ان کے جتنے کارنامے ہمارے سامنے آسکے ہیں، ان سے کئی گنا کارنامے ہمارے علم میں نہیں آسکے ہیں، یہ ان کی بے نفسی اور اخلاص تھا کہ انہوں نے اپنی شخصیت کو شاگرد خدا کے دین کو زندہ کیا تھا، ہندوستان میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے آج بھی ان کے خاموش مرقہ کار میں بڑی بصیرتیں پوشیدہ ہیں۔

پہلے ہم جو پورہ اور اس کے گرد و نواح میں مولانا کی اصلاحی کوششوں کا ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد مشرقی ہند میں ان کی دعوت و تبلیغ کی جو تفصیلات ہیں مل سکی ہیں، ان کی وضاحت کریں گے مولانا نے تقریباً اپنی عمر کا دو تہائی حصہ جنگل میں بسر کیا، مگر جنگل جہان سے پیٹے اور پھر دو میان میں جب جب جو پورہ واپسی ہوتی، آپ اصلاح حال کی فکر میں رہتے، جو پورہ جو ایک زمانہ میں علماء و صلحا کا مرکز رہ چکا ہو اور مشرق کا شہرہ آفاق کہا جاتا تھا جس سرزمین میں لا محمود جو پوری اور نہ جہانے اور کتنے سرکردہ علماء گزر چکے ہیں، جہاں جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے ایک وقت کی کئی سو علماء و صلحا کی پانکیاں جاتی تھیں، وہاں کی دینی حالت یہ تھی کہ ابراہیم شرقی کی بنیادی ہوئی شاندار جامع مسجد میں جمعہ تک نہیں ہوتا تھا، وہاں دن کے وقت اذان کہنے کو نحوست سمجھا جاتا تھا، دینی احکام کی جگہ بے شمار بدعتوں اور رسم و رواج نے لے لی تھی، نہ صرف جو پورہ بلکہ اس کے قریبی اضلاع اعظم گڑھ، سلطان پور وغیرہ کا بھی یہی حال تھا، یہاں یہ بات بھی قیامی ذکر ہو کہ مولانا جسم و چہرے کے اعتبار سے بھی تو ہی میسکل تھے، اور انہوں نے فن سپہ گری بھی سیکھا تھا، چنانچہ انہوں نے دعوت و تبلیغ میں اپنی جسمانی طاقت اور فن سپہ گری دونوں سے کام لیا، مولانا نے اس دیار میں جو اصلاحی کام کیے ان کی ایک انگلی سی جھلک ذیل کے بیانات و واقعات سے معلوم ہوگی، یہ معلومات اور بیانات مولانا کی بعض تصنیفات اور ان کے پوتے مولانا عبدالباطن صاحب کی بعض کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

مولانا کے اندر دعوت و اصلاح کا جذبہ عنفوان شباب ہی سے تھا، حضرت سید صاحب کی خدمت سے واپس آکر تو بالکل اسی کے ہو رہے، محلہ محلہ جہاں نماز روزہ کی تاکید کرتے، لوگوں میں جو



جماعت اور دعات رواج پا گئی تھیں۔ ان کے خلاف دغظ کہتے تھے بعض محلوں میں اذان و جماعت شروع کرنا کی تو لوگ کہتے تھے یہ دن کے وقت اذان کیسی؟ مولانا عبد الباقی صاحب لکھتے ہیں۔

مولانا اپنے مرشد سید صاحب رخصت ہو کر اپنے وطن جو پور تشریف لائے، چونکہ آپ تبلیغ اور ہدایت خلق کا سلسلہ پہلے ہی سے جاری فرما چکے تھے۔ اب جو پور آکر اس کام میں اور بھی سرگرم عمل ہو گئے، اور محلہ محلہ اور گھر گھر پھرتے، نماز روزہ پردہ اور دیگر احکام اسلام کی تلقین و تاکید فرماتے۔ اس جو پور میں دن کو اذان نہ ہوتی صبح رشام کو طلوع وغروب کی پہچان کی غرض سے بطور رسم اذان ہو کر تھی، آپ نے اس جہان نامہ رسم کی اصلاح کی اور بڑی کوششوں سے پانچوں وقت اذان و جماعت مسجد میں جاری کرادی، غیر اشد کے نام پر نیتیں ماننا اور دیگر مشرکانہ رسوم میں لوگ بکثرت مبتلا تھے۔ شادی و غمی کے موقع پر ہندوانہ رسوم برتنے جاتے تھے۔ ان سب برائیوں اور معصیتوں سے لوگوں کو دغظ و نصیحت کے ذریعہ باز رکھا۔ عوام بھی مولانا کی جدوجہد دیکھ کر متاثر ہوتے، اور مطیع و فرمانبردار بن جاتے اس علت کے ساتھ مولانا کی یہ کامیابی حضرت سید صاحب کی برکت کے سبب تھی۔

مسلمانان جو پور کے دینی تحریک اور ان کے دین پر ثابت قدم رہنے کے خیال سے مولانا کے جامع مسجد جو پور میں بعد نماز جمعہ دغظ کا سلسلہ قائم کیا کہ ہر ہفتہ دین کی باتیں سننے سے لوگوں کی استقامت میں بڑی ہوگی بعد نماز جمعہ دغظ و نصیحت کا جو سلسلہ قائم فرمایا تھا وہ ہمیشہ کا معمول ہو گیا۔ اور اس سے اہل جو پور کو بہت کچھ فائدہ ہوا یہی سبب ہے کہ جو پور کے عوام دینی سمجھ میں بہت غنیمت ہیں (سوانح مولانا اکرامت علیؒ) خود مولانا اکرامت علی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب زاد التقویٰ میں جو پور کی دینی حالت کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے۔

اور سجدوں کا حال یہ تھا کہ لوگ ناچ کر داتے اور ہندوؤں کی بارات اتنی اور شراب پیتے

تھے۔ (زاد التقویٰ)

دہاں کی جامع مسجد کی جو حالت تھی اس کو اس دور کے ایک مشہور شاعر منشی عبد الحمید صاحب داغ نے نظم کر دیا، جس کے چند اشعار ہیں۔

جو مشہور کعبہ کے حالات ہیں      تھی اس سے بھی کچھ اس کی حالت ردی  
میشی یہاں باز دھتے تھے کان      دہاں تو بتوں ہی کی بھر مار تھی

یہاں لید و گوبر کا انبساط تھا وہاں تو صفائی تھی ہر طرح کی  
وہاں تھا نہ اس طرح فسق و فجور عبادت ہی تھی گو بتوں ہی کی تھی  
یہاں برخلات اس کے اندھیر تھا برے کاموں کی سارے مرکز یہ تھی

وہ مسجد جو حضرت سلطان الادیاء، عیسیٰ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اشارے سے شاہ ابراہیم  
شرقی نے تعمیر کی تھی جس میں خود شیخ نماز پنجگانہ ادا کرتے تھے جس میں علماء کی ۹ سو پانچیاں نماز جمعہ  
کے لیے کیا کرتی تھیں اس کا یہ حال تھا تو دوسری مسجدوں کی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے مولانا ابوبکر  
اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح یہ جامع مسجد پھر سے آباد ہو جائے۔ اہل بدعت جن کے لیے دن کی اذان  
تک نامائوس تھی اس میں جمعہ جماعت کو کب برداشت کر سکتے تھے بجز مولانا نے خدا کے اعتماد پر ایمیں دوبارہ  
جمعہ قائم کر دیا پہلا جمعہ جب آپ نے اس میں ادا کیا تو صحن پانچ آدمی شریک تھے ایک مولانا کے چچا شیخ  
امیر اللہ صاحب اور علمہ کے تین اور غلص آدمی مولانا کے پوتے مولانا ابوالبشر صاحب راوی ہیں کہ اس زمانہ میں  
مولانا کے اتنے دشمن ہو گئے تھے کہ ان کی جان کو بھی خطرہ تھا چنانچہ آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی مگر  
اللہ نے محفوظ رکھا ایک بار کا واقعہ مولانا خود بیان کرتے ہیں کہ

ایک بار میں منشی امام بخش صاحبؒ میں ہونپور کے مکان کے قریب سے گزر رہا تھا مجھ کو جاتے ہوئے  
ایک بوڑھی عورت نے دور سے دیکھ لیا اور وہ اس وقت ہانڈی لے کر دھوئے نکلتی تھی جب وہ  
میر پاس پہنچی تو ہانڈی کھینچ کر کھینک ماری کہ یہ دہ نیا مولوی ہے جس نے دن کو اذان دلائی ہے (۲۲)  
اس فقیر نے دین جاری کرنے میں جس قدر کوشش کی ہے اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور اپنی جان بھیلی پر  
لکھ کر ملک بھڑانا اور تران شریف لکھ کر اد تجارت کر کے اپنا خرچ چلاتا تھا یہاں تک کہ سفر سے آکر سواری کا  
خرچ قرض لے کے ادا کرتا تھا اور جس مقام میں جاتا تھا وہاں اکثر مقام میں جان کا خوف رہتا تھا اور فقیر  
اُس وقت ہتھیار بند رہتا تھا۔ (اطمینان قلب)

مولانا کو دعوت و تبلیغ کے جرم میں کئی بار قتل کرنے کی سازش کی گئی مگر وہ اپنے فنی سپہ گری سے ہر بار بچ نکلتے  
مولانا مرحوم نے جو سنیتیں زندہ کیں خدا کا شکر ہے کہ بڑی حد تک وہ آج تک جاری ہیں ہونپور جو ایک  
دو صدی پہلے ہندو عربیہ کا سب سے بڑا مرکز اور شیراز مشرق کہا جاتا تھا وہاں اب علم دین کے اعتبار سے  
ہر طرف سناٹا تھا مولانا نے علم دین کی اشاعت کے لیے مدرسہ خفیفہ اور مدرسہ القرآن جاری کیے اول الذکر

کے سب سے پہلے مدرس مولانا عبدالحی صاحب کے والد محترم مولانا عبدالحلیم صاحب ہوئے۔ خود مولانا عبدالحی صاحب کی حفظ قرآن کی تعلیم ہمیں شروع ہوئی۔ خدا کے فضل سے یہ دونوں مدرسے جاری ہیں اور ایک سال سے ان میں نئی روح آگئی ہے۔ (ص ۳۵)

جو پورے ذراچی میں کام کرنے کے بعد سید صاحب کے ارشاد کے مطابق بنگال تشریف لے گئے، اور جب تک آپ بقید حیات رہے وہاں دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے۔

بنگال و آسام میں | مولانا نے ۵۷ سال کی عمر پائی جس میں سے تقریباً ۱۵ سال بنگال و آسام اور دعوت و تبلیغ کا کام | ان کے قرب و جوار میں دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہوئے گزرے، مولانا کے

بعض بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا قدم جزائر ہند تک بھی گیا جو اس درمیان میں ایک دو بار جو پورہ بھی گئے اور مگر وہاں زیادہ مدت تک قیام نہ رہ سکا۔ مولانا نے اصلاح و تبلیغ کا جو وسیع کام اس دیا میں کیا، اس کی پوری تفصیل ہمارے سامنے نہیں آسکی مگر بعض تذکرہ نگاروں اور بعض دوسرے بیانات سے اس کا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہو، شاہیر جو پورہ میں ہے۔

در ملک بنگالہ کچھ دھرم و ملت گرفتہ	بنگال میں لاکھوں آدمی مولانا کے حلقہ ارادت
ایشانہ شاہد چمک قرینہ دلہ باقی بودے کہ	میں داخل ہیں کوئی شہر اور کوئی بستی باقی نہ ہوگی
دراں مریدان مستفیضان فیض نامدے۔	جہاں مولانا کے ارادت مند اور فیض یافتہ نہ

(ص ۳۶) ہیں۔

بزرگہ علمائے ہند کے مصنف کا بیان اور پھر آچکا ہے جو چند جگہ اور ملاحظہ فرمائیں۔

در ہر امت خلافتی بغایت می کو شیر خصوصاً	مخلوق کی ہر امت میں حدود و جہ کو نشان رہتے تھے
مردم محاکم بنگالہ (وہ مستفیض شدہ دران	شعبہ ہند سے بنگال کے لوگ بہت زیادہ ان
دیہات و قبائل اسلام ازین و برکت ادو خوب شیعہ	سے مستفیض ہوئے، اس دیا میں ان کی برکت سے

یافتہ (ص ۴۱) اسلام کی غور و اشاعت ہوئی۔

ان کتب و باتوں کی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کے ہاتھ پر تقریباً ایک کروڑ آدمیوں نے اسلام قبول کیا یعنی مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت دلا ناہن کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے اس روایت میں ممکن ہے کہ کچھ مبالغہ ہو، مگر یہ تو واضح ہے کہ مشرقی (باقی اگلے صفحہ)

مولانا نے دو درجن سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں، مگر ان کی الشہیت و کس نفسی تھی کہ اپنی ان ساری حمید کا کسی کتاب میں مفصل ذکر نہیں کیا ہو، جا بجا دو چار جملے لکھ جاتے ہیں، جن سے کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

فقیر کا تو حال یہ ہے کہ ہندوستان سے کلکتہ اور چانگام اور سندھ تک اور دھاک سے سلطنت تک سارے شہر اور گاؤں ہیں جو دیر شرفی میں ہیں ہمیشہ سیر کرتا اور دین کی محافظت کرتا پھرتا ہوں۔ اسی کلمہ میں پچاس برس سے زیادہ مدت گزر گئی۔ (دراودا لہریدین)

مولانا پہلی بار ۱۲۵۷ھ میں جو پور سے کلکتہ روانہ ہوئے اس سفر کی مختصر روداد سنیں۔

**کلکتہ روانگی** | اوپر ذکر آچکا ہے کہ شوق کے باوجود حضرت سید احمد شہید نے جس طرح مولانا محمد علی راہپوری اور مولانا دلائی علی صاحب عظیم آبادی کو تحریک جہاد کی شرکت سے روک کر مومک بالاکوٹ سے پہلے ہی دعوت و تبلیغ کے کام کے لیے ہندوستان کے مختلف خطوں میں روانہ فرمادیا تھا، اسی طرح مولانا کرامت علی صاحب کو اپنے یہاں مختصر قیام کے بعد واپس کر دیا اور ان کے لیے مشرقی ہند کا خطہ منتخب کیا، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ ہدایت کے کام میں لگ جاؤ، مرشد کی ہدایت کے مطابق مولانا نے کچھ دن جو پور اور اس کے نواح میں اصلاح کا کام کر کے بنگال و آسام کا قصد کیا، جو پور سے روانہ ہوئے تو پہلی منزل کلکتہ ہوئی، جو پور سے کلکتہ پہنچنے میں تقریباً ایک ماہ لگ گئے، کلکتہ میں حضرت سید صاحب کے متعدد خطباء (بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) بنگال کو مسلمان صوبہ بنانے میں مولانا کی کوششوں کو براہِ داخل ہے۔ الحاج محمد ابراہیم خاں ایم۔ اے اپنی کتاب ”سوانح حیات خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھتے ہیں ”زوال سلطنت اسلامیہ کے باوجود مملکت اس کے بعد اس کثرت سے مسلمان ہونا شروع ہوئے کہ مشرقی بنگال پورا پورا مسلمان ہو چکا ہو۔ یہ کوشش صرف جو پور کے ایک بزرگ کی تعمی جھنوں نے تھوڑے ہی دنوں میں ایک کروڑ سے زیادہ غیر مسلموں کو مسلمان بنادیا، آپ کا نام نامی مولوی کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا، جسے مولانا عبدالباقی صاحب،

لے ہزار ہند کے جزیروں میں ایک جزیرہ

مولانا کے اہل خانہ اور ان خود مولانا کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا مع اہل و عیال روانہ ہوئے اور ہمیشہ اہل و عیال ساتھ رہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اس سے پہلے اس دیار کا سفر کبھی نہ تھے۔ درنہ ایک اجنبی جگہ مولانا اہل و عیال سفر کرنا ظاہری طور پر کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا، گو کہ اللہ والوں کا معاملہ بالکل جدا ہوتا ہے۔

دستور میں شلّا مولانا دجیہہ محدث مدرس اول مدرسہ عالیہ مولانا حافظ جمال الدین صاحب 'مولانا قاضی عبدالباری موجود تھے' مولانا کی آمد سے ان حضرات کو بیدار ہوئی کسی دن کلکتہ میں مولانا کا واسطہ ہوتا رہا، جس کا عوام و خواص پر بڑا اچھا اثر ہوا، پھر ہمیں سے مولانا کے مشرقی بنگال کے تبلیغی دوسرے کام پر دگر آم بنا، مشرقی بنگال و آسام میں مولانا کے دروہوں اور ان کے کاموں کی تفصیلات بہت طویل ہیں۔ مولانا عبدالباق صاحب کی زبانی مختصر درود اور درج ذیل ہے۔

حضرت مولانا نے کلکتہ سے فارغ ہو کر بنگال و آسام کا دروہ بذریعہ بوٹ شریع کیا، اس وقت دہلی دہانہ کی سہولتیں جو اب ہیں، نہ تھیں، سفر میں ہزاروں طرح کی دشواریاں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، ہر مشکل و آزمائش کا مقابلہ مردانہ دادر کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دشمنان دین اور مخالفین شریعت کہیں کہیں راہ میں روئے بن کر آئے۔ سید صاحب کی دعا و خواص اور مولانا کے خلوص نیت کی برکت نے تبلیغی رفتار میں کہیں رکاوٹ اور تزلزل پیدا نہ ہونے دیا، رفتہ رفتہ دشمن دوست اور مخالف شریعت پابند شریعت ہو گئے، مولانا کا صبح و شام کا مشغلہ رد شرک و بدعت تھا، جس کو تقریر و تحریر سے ظاہر فرماتے رہے، اسی طرح اداکان دین اور احکام شریعت کو ضبط کے ساتھ لوگوں کو سمجھاتے اور اسی کا پابند کرنے کی کوشش کرتے، جس جگہ مسجد نہ ہوتی، وہاں مسجد بنانے میں جدوجہد فرماتے، جس جگہ مدرسہ یا مکتب کی ضرورت سمجھتے وہاں مدرسہ و مکتب قائم کرتے، تاکہ لوگوں میں دینی ترقی کی بنیاد مستحکم ہو اور ہدایت و تبلیغ کی جڑ مضبوط اور دیرپا ہو، جس کا ذریعہ دینی علم اور مدرسہ ہو۔

حضرت مولانا کا سارا وقت اور سارا سال دروہ و سیاحت میں صرف ہوتا تھا | **سفری مدرسہ** اس لیے ضرورت وقت کی بنا پر اپنے ہمراہ سفری مدرسہ قائم کیا، جس میں مقامی باشندوں کو تعلیم و تدریس کے ذریعہ پابند عمل و عقائد بنا کر اور احکام شریعت سے خوب واقف کرانے کے علاوہ جو ان میں علما و کلمۃ اللہ اور دعوت حق کے لیے بھیجتے، اس سفری مدرسہ کے اخراجات و نیز طلباء کے مصارف و خوراک کے بارے میں مولانا خود کفیل ہوتے، چونکہ آپ بوٹ سے دیہاتی سفر کرتے اور اہل دیہات بھی ہمراہ ہوتے، اس لیے ایک بوٹ مدرسہ کے لیے بھی مخصوص تھا، جس پر ظاہری تعلیم و درستی اعمال و عقاید کے علاوہ روحانی تعلیم، تزکیہ نفس، درستی اخلاق و اخلاص اور ذکر اذکار کا طریقہ اور مقامات سلوک کی بھی تعلیم ہوتی تھی، اس سفری مدرسہ سے جو حضرات فارغ ہو

کر نکلے۔ وہ خود ایک زبردست مبلغ ثابت ہوئے۔ ان صحبت یافتہ مبلغوں نے بنگال کے گوشہ گوشہ میں مولانا کی ہدایت کے مطابق اور ان کے بتائے ہوئے دستور العمل کے موافق دین اسلام کی بہت ٹھوس خدمات انجام دیں جس کا مبارک اثر آج تک باقی ہو۔

یوں تو مولانا نے پورے بنگال اور آسام میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا مگر چند ضلع آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا خاص مرکز رہے ہیں، ڈھاکہ، تھیں سنگھ، رنگ پور، دنیاج پور، فرید پور، بریال، آسام میں گوال پاڑہ، کامروپ، دھوبڑی وغیرہ خاص طور پر نوکھالی میں مولانا کا کام سب سے زیادہ تھا، مولانا عبدالباقی صاحب اپنے سفر کے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”آخر نے متعدد بار اضلاع بنگال، ڈھاکہ، تھیں سنگھ، رنگپور، دنیاج پور، پنہ، فرید پور، بریال تیرہ، و اضلاع آسام میں گوال پاڑہ، کامروپ، دھوبڑی کے دیہاتوں کی سیاحت کی، تو ہر جگہ مولانا کی اصلاح و تبلیغ کا اثر پایا، بہت سے مقامات پر دوران سیاحت میں اس کو گناہ دیا، تو لوگوں نے بتایا کہ اس اطراف میں فلاں بزرگ کو مولانا کر امت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا تھا، ان بزرگ سے دیں کو بہت ہدایت ہوئی، خاص طور پر نوکھالی کا پورا ضلع مولانا کے حلقہ اثر میں تھا، نوکھالی میں سید صاحب کے ایک خلیفہ حضرت مولانا امام الدین صاحب پہلے سے موجود تھے، اور ان ہی کے ایما سے مولانا نے نوکھالی کو اپنے کام کا خاص مرکز بنایا۔ اس کی کچھ تفصیل مولانا کے پوتے کی زبانی سنئے۔

پھر نوکھالی کی طرف بہ تحریک اپنے پیر بھائی دلی کاسی شیخ طریقت حضرت مولانا امام الدین صاحب مرحوم سودا راہمی جو اہل خلیفہ سید صاحب ہیں تشریف لے گئے، نوکھالی پہنچنے پر حضرت مولانا جو نبوری سے باشندگان نوکھالی بڑی عقیدت و محبت سے پیش آئے۔ اور جلد مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور صحیح معنوں میں نمونہ انصار بن گئے، ادیش پرورد مولانا پر نشانہ ہونے لگے، اور مولانا کی خدمت گزاردی کو سرمایہ آخرت شمار کرنے لگے، مولانا ان لوگوں کے حسن اخلاق سے بہت خوش ہوئے، آپ کی قلبی مسرت اور دُعا کا اثر آج تک نوکھالی اور اس کے سارے ضلع میں باقی ہے چنانچہ آج بھی باشندگان ضلع نوکھالی بہ نسبت اور اضلاع کے پابند شریعت اور اسلامی لباس کے شید ہیں، اس ضلع میں بکثرت مدرسے، نمازیوں سے آباد مسجدیں آپ کو گاد گادوں میں ملیں گی غریب سے غریب گھرانہ بھی پردہ شریعی کا پابند نہ گا۔

ایک مکان سے دوسرے مکان میں جانے کے لیے پالکی اور کشتی کے علاوہ برقعہ کا ردول ہو بغیر سب سے تو چار در تھپتری کو استعمال میں لاتا ہے، نو اکھالی ضلع میں غسل کرنے کے لیے تالاب بنے ہوئے ہیں، عورتوں کے غسل کے لیے یہ انتظام دیکھ کر دل بہت خوش ہوا، کہ ان کو بے پردگی سے بچانے اور پردہ قائم رکھنے کے لیے بانس کی ٹیکی لانی کشادہ سرنگ بناتے ہیں جس کا تعلق زمانہ مکان سے تالاب تک ہوتا ہو۔ عورتیں اسی سرنگ کے اندر سے تے کھٹ تالاب میں آکر غسل کرتی ہیں، کہیں سے سامنا نہیں پڑتا، دین کی اہمیت اور محبت نے اس مشکل کام کو کتنا آراہم دہ اور آسان بنادیا، مسلمانان نو اکھالی کا یہ طریقہ نمونہ عمل ہو اس ضلع کے بچے بچہ تک اسلام علیکم جیسی بڑی سنت کے پابند ہیں، علماء و فضلا و اولیاء کی تعداد بھی اس ضلع میں نسبتہ اور اضلاع کے بہت زیادہ ہو، بنگال و آسام کے اضلاع میں اکثر نو اکھالی کے مبلغین و مدرسین دینی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور حضرت مولانا کی ہدایت کی توسیع میں لگے ہوئے ہیں۔

احقر نے متعدد بار اضلاع بنگال اور اضلاع آسام کے دیہاتوں میں سیاحت کی، تو سب جگہ نو اکھالی کے مولوی صاحبان کو دینی خدمت میں تنہی و انہماک سے کام کرتے ہوئے پایا، دیہاتوں میں ان لوگوں نے مدرسے، مکتب قائم کیے، مسجدوں میں جمعہ و جماعت سے رفتی بخشی، بچوں کو قرآن پاک اور ضروری مسائل دینیہ سے واقف کرایا، قرأت کی مشق کرائی، یہ سب حضرت مولانا کی تعلیم و دعا کی برکت کا اثر ہو۔ اس ضلع میں سمندر کے وسط میں ایک جزیرہ ہے، جس کا نام سندھپ ہو جس زمانہ میں احقر کا سندھپ جانا ہوا تھا تو معلوم ہوا کہ اس جزیرہ میں علماء موجود ہیں، اسی جزیرہ میں والد محترم مولانا حافظ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، اس جزیرہ کے علماء اور ان کی علمی ترقی، عوام اور ان کی اخلاقی ترقی وہمان نو اندی کا کچھ حال حضرت والد مرحوم نے اپنے عربی کے ایک رسالہ ”المجلۃ الادیب لاجلۃ السندھپ“ میں تحریر فرمایا ہے، جو لائق دید ہے۔

اس زمانہ میں بنگال میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے کے لیے کشتی کا استعمال ناگزیر تھا مولانا کے ساتھ اہل و عیال اور طلبائے علوم و دینیہ کا بھی ایک جم غفیر رہتا تھا، ان سب کے لیے کشتی کا انتظام کرنا پڑتا تھا، اس پر مولانا کو سیکڑوں روپے روزانہ خرچ کرنے پڑتے تھے، جس کی وجہ سے بسا اوقات مقروض ہو جاتے تھے، اور کبھی کبھی سخت عسرت اور تنگدستی کا سامنا ہوجاتا تھا، مگر جبکہ مولانا نے اپنی کتابوں میں ان وقتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

اب کی بار سفر میں چند روز کچھ تکالیف ظاہری ایسی ہوئی تھیں کہ بعض ہمراہیوں کو کچھ دسواں آگیا تھا، مگر ہم کو اللہ تعالیٰ نے استقامت کے ساتھ رکھا تھا۔ (مراد المریدین) دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اس فقیر کے ساتھ کئی بوٹے تھے، اور ایک سو دس ہزار روز کا خرچ ہے اور بعض مقام سے لوگ دعوت کر کے فقیر کو لے گئے، اور دس روز میں ہزار روپیہ خرچ کرنا پڑا، اور ان لوگوں نے نہ سمجھا، اور فقیر مقروض ہو گیا (۱۱)

مولانا نے بنگال و آسام میں کتنی دقتوں اور مشکلات سے دعوت دین کا کام انجام دیا، اس کی پوری تفصیل تو ہمارے سامنے نہیں ہے، مگر مولانا کے پوتے مولانا کے سوانح کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

جس وقت مولانا کی تشریف آوری بنگال میں ہوئی تو آپ نے دیکھا اور سن کہ بہت سے مقاموں میں اسلام صرف نام کا رہ گیا ہے، اور وہاں تبلیغ کی سخت ضرورت ہے، اس وقت مولانا نے ان مقامات کا دورہ خصوصیت کے ساتھ فرمایا، اور جو مشکلات پیش آئیں ان سب کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے ہدایت فرماتے، دھڑکتے، اور احکام شریعت بتلاتے رہتے، سخت سے سخت تکلیف نے بھی آپ کو اپنے ارادہ و عزم سے ہٹنے نہ دیا، مصائب و مشکلات کے پہاڑ نے آپ سے ٹکرائی، مگر آپ کے قدم ہمیشہ ثابت قدم رہے، بلکہ دین کے لیے سر فرشتہ نہ رفتار اور بھی تیز تر ہو گئی، مولانا کے پرانے خدام سے سن گئی کہ بعض مقاموں میں مولانا کو سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں کہیں کہیں فائدے کرنے پڑے، کسی مقام پر صرف کدو جوش دے کر، فائدہ تو لگایا، ایک مقام پر کئی دن تک صرف کدو باں کر گزری گئی، حضرت مولانا اور ان کے مخلص ہمراہیوں کو ان حالات میں بیکار و خردی کا شکار ہوا، بعض جگہ دشمنان دین اور خلاف شرع پیروں نے مولانا کو ہلاک کرنے کی ناپاک کوشش کی، آپ بطور احتیاط اطلاع دین کے شرع محفوظ رہنے کیلئے بوٹ کو ساحل دریا سے دور لے کر لے کر تھے اور بنگلہ ترحمان کے ذریعہ بنگلہ بان میں مسائل دینیہ کو لے کر جلاتے، ہمارا اور پابند رسوم عوام ان دینی احکام اور مسائل کو نئی بات اور اپنی رسومات اور اپنے عقیدے کے خلاف تصور کر کے دشمنی اور ایذا رسانی کے لیے کمربستہ ہو جاتے، اور کنارہ دریا سے بوٹ پر پتھر اور ڈھیلے مارتے، طرح طرح کی ایذا پہنچانے کی کوشش کرتے، اسی طرح کے واقعے مولانا کو سفر بنگال میں متعدد مقاموں میں پیش آئے رہے، جب اہل



ساحل دہلی و دکن و سی باتوں کو دور سے سنتے اور مولانا کے استقلال اور اسلامی جاہ و جلال کو دیکھتے تو یہ سمجھ کر کہ یہ شخص بے غرض ہم لوگوں کو ایسی ہی باتوں کی تعلیم کرتا ہے، جس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اور خیر خواہی ہے۔ ایک ایک دودھ کر کے بوٹ پر آتے اور توبہ کر کے داخل بیعت ہوتے اور تابع خزان شریعت بن جاتے۔ اس وقت مولانا نے اصلاح کا صرف ایک ہی پہلو پیش نظر رکھا تھا کہ لوگوں کو نرمی کے ساتھ سمجھا کر شرک سے توبہ کراتے۔ کلمہ پڑھوا کر منتے، اور اس کی تصحیح فرماتے، اس کے معنی سمجھاتے اور دستگی اعتقاد کی پوری کوشش فرماتے، کہ دین کی بنیاد اسی پر قائم ہے۔ اسی طرح ارکان اربعہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر بیعت لیتے، اور اس پر پابندی کا اقرار لیتے۔ جب اس قدر اصلاح و ہدایت ہو چکی تو پھر رسومات ہمساتہ اور بدعتوں کی تردید کرنا سنت کی حقیقی شاہراہ پر لا کر کھڑا کرتے۔ اس مقام پر پہنچ کر، وہ صحیح العقیدہ اور پختہ مسلمان بن جاتا۔

اسی سلسلہ میں ہدایت میں آپ کا گزر ایک ایسی بستی میں ہوا۔ جہاں ایک مسلمان زمیندار بڑا فاضل اور عالموں کا دشمن رہتا تھا۔ اس نے بعض عالموں کو بے قصور مردا لا تھا۔ جب اُس کو آپ کے پہنچنے کی خبر ہوئی، تو اس نے مولانا کو بلوایا۔ اس وقت عقیدہ میں کرام چ گیا۔ اور اکثر لوگ مولانا کو یہ مشورہ دینے لگے کہ کسی صورت سے اس کے آدمی کو مال و یا جائے اور موقع پا کر کسی وقت یہاں سے چلے جائے، لیکن مولانا کچھ بھی ہراساں نہ ہوئے، اور ان لوگوں کو قسلی و تشفی دے کر، اس زمیندار کے مکان پر تشریف لے گئے، وہ زمیندار مولانا کی کو زمین پر بھی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرتا۔ آپ کو دیکھتے ہی ایک کرسی بیٹھنے کو دی، آپ سے خدا کی خدمت پر کھرا شروع کر دیا، مولانا ہر چند اس کو سمجھاتے اور بہت نرمی کے ساتھ دلائل عقلی و نقلی بیان فرماتے، لیکن وہ سمجھ کر بھی نہیں سمجھتا تھا پھر کہنے لگا کہ آپ کی ان تقریروں سے اگر میں نہ سمجھوں تو آپ کیا کیجئے گا آپ نے فرمایا کہ ایک بار دم بازمین بار سمجھاؤں گا، تب اُس نے کہا اگر جب بھی نہ سمجھوں اُس وقت آپ نے مہمان سے تلوار کھینچ لی، اور فرمایا کہ اس سے تم کو سمجھاؤں گا، مولانا کے اس جوش اسلام اور ہرارت ایمانی کو دیکھ کر وہ ڈر گیا، اور کہنے لگا کہ میں نے اس مسئلہ کو کئی مولویوں سے اور بھی دریافت کیا، لیکن وہ لوگ میری ایسی کہنے اور حضور حضور کہنے لگے، تب میں نے غصہ ہو کر ان کے قتل کا حکم دیا، ان کے سے دین کی بربادی ہوتی ہے، بے شک آپ سچے ہادی ہیں، آپ کی ذات سے دین اسلام کی تازگی اور رونق ہوگی، پھر اُس زمیندار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سچا معتقد ہو گیا۔

## اعلانِ حق اور بعض باطل عقیدوں کی اصلاح

مولانا ابتدا میں بدعت دروسومات کے بارے میں زیادہ سخت انداز اختیار نہ فرماتے، مگر جو لوگ کسی درجہ میں مولانا سے مانوس ہو جاتے تھے، ان کو بدعات دروسومات سے غمزدہ روکتے، آپ کی ان اصلاحی کوششوں کا دائرہ بڑھتا ہی جاتا رہتا، اہل بدعت اور دوسرے لوگوں نے آپ کی مخالفت کرنی شروع کر دی، اسی کے ساتھ انگریزوں اور ان کے ہم نوا علمائے سید صاحب اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ کو اور ان کی تحریک دعوت و بہاد کو پورے ہندوستان میں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا جس کا اثر ننگال کے بہلاؤ میں بھی تھا جب ان مخالفین کو معلوم ہوا کہ مولانا جو پیوری بھی اسی سلسلہ طوائفِ ناب کی ایک ذریعہ گری ہیں، تو ان کی مخالفت اور بڑھ گئی، روزانہ سید صاحب اور مولانا اسماعیل شہید کے بارے میں اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان اور صراطِ مستقیم کے بارے میں مولانا سے استفسار کرتے، ایک طرف مولانا کی اصلاحی کوششوں کی مخالفت تھی ہی اور سید صاحب کی نسبت نے اس مخالفت کو دواقتہ کر دیا، مگر مولانا نے ایک دن کے لیے بھی بدانتہ سے کام نہیں لیا، بلکہ نہایت صفائی سے جواب دیا، بلکہ بعض سوالوں کے جواب میں پورا پورا رسالہ لکھ ڈالا۔ ”ذخیرہ کرامت“ ”قاصح المبتدعین“ اور ”استقامت“ وغیرہ اسی سلسلہ کی کتابیں ہیں۔ اس میں سب سے پیش پیش کوئی مخلص الرحمن نام کا ایک آدمی تھا جو کلمہ میں اپنا نام شامل کر کے اپنے ماننے والوں سے بیعت لیتا تھا، کئی بار مناظرہ سے اسے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا، اسی طرح میلادِ موسیٰ، فاتحہ رسمید وغیرہ کے بارے میں لوگ آپ سے استفسار کرتے اور اُلجھتے رہے مگر آپ ان تمام حجت کے طور پر ان مسائل پر گفتگو فرماتے اور اپنے کام میں لگے رہتے۔

بنگال میں ایک فرقہ منکرینِ جمعہ کا پیدا ہو گیا تھا جو اپنے کو لاجمعہ کہتا تھا۔ اس کا سرگرمہ مولوی عبدالجبار نامی ایک شخص تھا مولانا نے گو اپنے دلائل سے اس کے سرگرمہ عبدالجبار کو خاموش کر دیا تھا۔ اور اس نے مولانا کے ہاتھ پر توبہ کی مگر پھر بھی وہ اپنی سازشوں سے باز نہیں آیا اور مولانا کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ڈالیں مگر بفضلِ نعتائے آپ کے مخلصانہ کام کو نقصان نہیں پہنچا اور ان تمام اہل مکرمہ کی کھائی پڑی۔

**خر خر**

سوسے چاندی کے دوتے  
سچے موتی  
آدھ  
۲۹ دواؤں کا  
مرکب

آنکھوں کی تمام بیماریوں کا دشمن  
- بنیادی کا محافظ  
- اسے روز کا معمول بنائیے تو نگاہ انشا اللہ  
- آہستہ عزم تک قائم رہے گی۔  
- دس ذبعت لگتا نہیں بلکہ ٹھنڈک اور  
- فرحت ہو جاتا ہے۔  
- سرسے کے ساتھ ہماری سبھی کی بیماریاں  
- سبھی طلب فرمائیے۔

ایک تولہ: چھ روپے  
دوا کی طرح دھائی روپے  
چھ ماشہ: تین روپے  
کونسی بھی تین روپے کیساتھ طلب کیے بغیر خر خر سنا  
تمام حضرات  
شیراز کراچی  
طلب  
سرین

دار الفیض حافی۔ دیوبند (پنجاب)

## النبی الحسن انتم

مولانا سید مناظر الحسن گیلانی کا ایک عظیم شاہکار جس میں سارے چار سو عہدوں کی تحت سیرت نبوی کے ہیولوں پر بحث کی گئی ہے اور ان میں سے تقریباً تین سو عہدوں کی تعلق ان جدید نظریات سے ہو جن سے الہی افاقہ مسلم کی پاک زندگی و مقدس سیرت کے تعلق ہیولوں کے تعلق اس کتاب سے پہلے کسی کتاب میں بحث نہیں کی گئی ہے۔ ہر رنگ کا ذریعہ پرنٹنگ، رنگین آفس طبعات، اعلیٰ کاغذ قیمت ۶/۵۰

## خطبات مدراس

حیات نبوی کے مختلف ہیولوں پر علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات جو مروجہ علم و تحقیق کا بچہ و بڑا ہیں۔ قیمت صرف ۶/۲۰

## رحمت عالم

علامہ سید سلیمان ندوی نے یہ کتاب سیرت کے موضوع پر نہایت ہی کسان زبان میں خاص طور پر طلبہ کے لیے لکھی ہے۔ قیمت ۱/۷۵

## سینیم عالم

آنحضرت مسلم کی حیات طیبہ پر ایک نئی مشنڈ فلمز کا کتاب از مولانا عبدالصمد رحمانی۔ قیمت صرف ۶/۷۵

## خلفاء راشدین

سیرت خلفاء راشدین پر حضرت مولانا عبدالمکرم قادری کی عظیم تصنیف جو مسلمانوں کے دلوں میں حضرت صحابہ اہل باطن و باہر کی عظیم خلفاء راشدین کی محبت و عظمت اور حقیقت پیدا کرتی ہے اور مسلمانوں میں اس میں ان دور کے تمام اہم تاریخی واقعات بھی سامنے آجاتے ہیں اور ان کے صحیح رہنما بھی معلوم ہوجاتے ہیں۔ قیمت صرف ۶/۵۰

## دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کی مشہور و معروف تصنیف قیمت ۶/-

## صدق اکبر

از مولانا سید احمد اکبر آبادی  
مولانا نبی لغمانی مرحوم کے الفاظ حق کے بعد اور زبان میں سیرت صدیق اکبر کا جو خلاصہ جس جوا تھا اس کو اس کتاب نے لکھا ہے پر گرویدار ہو۔ نذرانہ مصنفین کی شاکہ کو دہے ہے۔  
قیمت صرف ۸/-

## الفاروق

اس کتاب میں حضرت عمرؓ کے مفصل سوانح حیات عادات و خصائل، علمی کمالات، ان کے عہد کے تمام ملکی اور مالی اور فوجی اضطرابات اور ان کے مجتہدانہ و مبصرانہ کارناموں کو نہایت شرح و بسط اور دلچسپ و دلکش انداز کے ساتھ زیر نظر لایا گیا ہے (از مولانا شبلی نعمانی)  
قیمت صرف ۶/-

## سیرت عائشہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی احمد و اضطرابات و عادات کی تفصیل اور ان کے علوم و مجتہدات پر بحث و تبصرہ..... قیمت صرف ۷/-

## سیرت عمر بن عبد العزیز

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے مفصل سوانح زندگی اور ان کے عہد کے مجددانہ کارنامے۔ قیمت صرف ۶/۲۰

## سیرۃ النعمان

امام عظیمؓ کے سوانح حیات ان کے فقہ کی خصوصیات اور ان کے شاگردوں کے حالات پر ایک جامع اور بصیرت افروز کتاب۔  
مولفہ علامہ شبلی نعمانی..... قیمت ۳/۵۰

## الغفر الی

تجدد اسلام امام غزالیؒ کی سوانح عمری علامہ شبلی نعمانی کے نظم ہے۔ ۵/-

کتب خانہ الفتیان، پکھری روڈ، لکھنؤ

پسکوان کے  
عصده تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برائڈ  
صاف کیا ہوا مونگ چلی کا تیل  
۳۰۰۱ اور ۵۰۵۵ کیکو

عصده وناستی  
۳۰۰۱ اور ۱۶۵۵ کیکو

ستلولا، ستل کا تیل  
۳۰۰۱ اور ۵۰۵۵ کیکو

بھائی عالص ناریل کا تیل  
۳۰۰۱ اور ۵۰۵۵ کیکو

کوکو جابر

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل  
۳۰۰۱ اور ۵۰۵۵ کیکو

امی سلاڈ تیل

۳۰۰۱ اور ۵۰۵۵ کیکو

ہمسد میلز، بیہی

الفستان الكهنه

مكتبة

عتيق الرب من سجن

قیمت فی کاپی ۵ روپے

الفن

ہوا ہی ڈاک کے لیے مزید پھیلنا  
کا اضافہ

جلد ۳۸ باب ماہ ذی الحجۃ الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق جولائی ۱۹۷۰ء شمارہ ۴۵

فہرستہ	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	عتیق الرحمن سمبلی	۲
۲	معارف الہدیریت	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۳
۳	ارشاد علیکم اللہ حضرت مولانا تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امرہی	۲۴
۴	مولانا کریمت علی چمنپوریؒ	مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی	۳۴
۵	درس مسترآن	مولانا محمد منظور نعمانی	۴۲
۶	نئی مطبوعات	ع۔ بس	۵۱

○ اگر اس امر میں سرخ نشان ہے تو

**تالیخ اشاعت :-** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں رواج کر دیا جاتا ہے، اگر ہر تالیخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اس کی اطلاع ہر تالیخ تک آجانی چاہیے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افستین، کچہری روڈ، لکھنؤ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# نگاہِ اولیں

از ————— عتیق الرحمن سنبلی

ایک معاصر نے فسادات کے سلسلہ میں ایک بہت ہی قابلِ غور پہلو کی نشاندہی کی ہے جس کا حق ہے کہ ملت کے زیادہ سے زیادہ افراد تک اُسے پہونچانے میں حصہ لیا جائے معاصر نے لکھا ہے: ”..... موجودہ فرقہ وارانہ بلوؤں کو دیکھئے تو ایک بڑی عبرت انگیز حقیقت سامنے آئے گی۔ یہ بوسے زیادہ تر اُن مقامات پر ہو رہے ہیں جہاں مسلمان اقتصادی اعتبار سے اچھی حالت میں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلوائیوں کو کسی نے حکم دیا ہو کہ مسلمانوں کی اقتصادیات کو کچل ڈالو۔“

مگر کاشانہ اقتصادیات کو بنانا ظاہر کرتا ہے کہ ہم سے کوئی اقتصادی غلطی ہو رہی ہے۔ اس نقطہ نظر سے غور کیجئے تو اس حقیقت تک پہونچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ ہمارے خوشحال لوگ دینی معاملات میں جو سب سے بڑی اقتصادی غلطی کر رہے ہیں وہ یہ کہ اپنے اموال میں سے خدا کا حق ادا نہیں کرتے۔ نماز و روزہ اب بھی مسلمانوں میں کافی پایا جاتا ہے۔ شراب اور مٹو سے اجتناب کرنے والے بھی بے شمار ہیں مگر ایسے لوگ ایک فی صدی سے بھی کم ہیں جو صاحبِ نصاب ہونے کے بعد باقاعدہ شرعی طریقہ پر اپنی زکوٰۃ نکالتے ہوں۔

..... اگر مسلمان اس فریضہ کو باقاعدہ شرعی طور پر ادا کرنے لگیں تو قرآن کی بنیاد پر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ صورتِ حال (اقتصادی مار) ختم ہو جائے گی اور بلوائیوں کے لیے ان کے مال حرام ہو جائیں گے جو آج ان کے لیے اس طرح مُباح کر دیے گئے ہیں گویا ان کا کوئی دالی وارث ہی نہیں۔“



حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس دُنیا کو بے دالی وارث اور اس میں متحرک طاقتوں کو بے ہمار نہیں سمجھتے بلکہ ایک عزیز و حکیم ہستی کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کے اذن و ارادے کے بغیر یہاں تپہ بھی نہیں ہٹتا اور جس کا کوئی اذن و ارادہ بلند ترین درجے کے حکیمانہ مقاصد سے خالی نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ اُن کے لیے یہ سمجھنے کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ ان فسادات میں اس مالک کائنات کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے یا اس کا کوئی مقصد اس میں کام نہیں کر رہا ہے۔ ان فسادات کے کچھ قابلِ غور پہلوؤں پر نظر ڈالے تو ایک طرح سے یہ حقیقت آنکھوں سے دکھائی دینے لگے گی کہ یہ بس خدا کا ارادہ اور اُس کی مشیت ہی ہے کہ فسادات کا سلسلہ مٹنے میں نہیں آتا۔

(۱) حضرت آدم کے فرزند آنکھ کان، دل و جگر، گوش و ہوش، عقل و خرد اور علم و نظر کی نعمتوں سے کم و بیش سرفراز ہوتے ہوئے، ابھی خاصی ایک تعداد میں تھوڑے نہ بہت۔ دس اور بیس سال سے اپنے ہی ابنائے جنس بلکہ برادرانِ وطن کے ایک طبقے کے خلاف اس ظلم و بربریت کا منصوبہ چلا رہے ہوں جس کے مناظر سے پتھروں کے جگر خراش ہو سکتے ہیں، دھرتی کا قراہ جاسکتا ہے اور کائنات سکتہ میں آ سکتی ہو۔ لیکن ان ابنائے آدم کی نہ آنکھ ان جگر خراش مناظر پر اپنا کام کرتی ہے، نہ کان حق ادا کرتے ہیں بلی جگر جیسے پتھر کے ہو گئے ہوں اور عقل و خرد پر گویا پتھر پڑ گئے ہوں۔ لَہُم قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَہُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِہَا وَلَہُمْ اُذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِہَا اُولٰٓئِكَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ہُمْ اَضَلُّ کی جیتی جاگتی تصویر!

(۲) علیٰ ہذا اس پڑھے لکھے اسکیم ساز اور شر آفریں طبقے کا آلہ کار جو ابنائے آدم بنتے ہیں وہ سب کے سب بھی کوئی اُجداد و دشتی نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر، انجینئر اور اچھے اچھے خاندانوں کے طالب علم تک اس بربریت میں حصہ لے رہے ہیں۔ اور حصہ بھی کیسا؟ کہ نہ پڑوسی کی تمیز نہ دوست کی تفریق، نہ ساتھی کا لحاظ اور نہ ہم سب کا پاس! پڑوسی کی گردن پر بھی چھرا چل رہا ہے، اس کے بھائی بچے بھی فوج ہو رہے ہیں، اس کا مکان بھی لوٹا جا رہا ہے، دوست اور ساتھی کے ساتھ بھی یہی سب ہو رہا ہے،

عہ اُن کے دل میں مگر اُن سے سمجھتے نہیں، اور اُن کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر اُن سے سنتے نہیں۔ لوگ بالکل چار پائی کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے۔

ہم جماعت دہم سبق بھی ایک غیر واضحی کی طرح نشانہ منتہم ہے!

(۳) اور آگے بڑھیے۔ لگ بھگ پچاس کور کی قوم ہے جس سے یہ دونوں (ایکیم ساز اور اکہ کار) طبقے تعلق رکھتے ہیں! کیسے کیسے! چھ لوگ اس انسانی سمندر میں نہ ہوں گے اور ان اچھوں کی تعداد کم سے کم بھی ہوگی تب بھی کیا اتنی نہ ہوگی کہ وہ اگر اثر انداز ہونے کا ارادہ کر لے تو اس بربریت کو جہاں رہنے کی راہ دہل سکے، مگر یہ اچھے، نیک دل اور فرض شناس و باصلاحیت لوگ اپنوں ہی میں کے کچھ لوگوں کے اہتوں انسانیت کی اس تاراجی اور بے گناہوں کی بربادی کے اس سلسل اور ہوشربا عالم میں بھی، جبکہ ضمیر اور احساس فرض کی دنیائے وبالہ ہو جانی چاہیے، کسی طرف سے بھی اٹھتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ سوچ کی کوئی جنبش نہیں، کوئی حرکت نہیں، جیسے ان کی بھی آنکھیں نہیں ہیں جو کچھ دیکھیں، کان نہیں ہیں جو کچھ سُنیں، دل نہیں ہیں جو درد سے تڑپیں، عقلیں نہیں ہیں جو اس کا انجام سوچیں اور ضمیر پر موت کی فیند ہے، جس سے اثر پذیری کا سوال ہی نہیں!

سوچئے کہ یہ غیر فطری حالت کسی انسانی آبادی پر اتنی طویل مدت بغیر اس کے طاری رہ سکتی ہے کہ قلب و نظر، سمع و بصر اور احساس و ادراک کے خالق و مالک ہی نے اسے طاری کر رکھا ہو؟ درہ اتنی بڑی مدت میں تو اولاً تنقوٹ سے بہت لوگ خود ایکیم ساز اور سرخشمہ فساد طبقے ہی میں سے نکل آئے چاہئے تھے جنہیں ان کا ضمیر لامتناہی اور تلافی نافات کی خواہش ان کے اندر ابھرتی — چلئے نہ ہو اسی اس طبقہ میں کوئی رد عمل، بہت چھٹے ہوئے قسمی القلب یہ لوگ تھے، بہت سوچ سمجھ کر اور دلوں کو بالکل پتھر کر کے اور پھر ٹھوک بجا کے یہ کام انہوں نے شروع کیا تھا۔ مگر ان کے اکر کار طبقے کا تو یہ حال ہونا چاہیے تھا۔ یہ سب کے سب تربیت یافتہ بھی مان لیے جائیں تب بھی جس بڑی تعداد میں ان کا ہجوم ہوتا ہے اس میں کچے اور پکتے سب ہی طرح کے ہونا لازم ہیں۔ کچھ نہیں تو کچے عنصر ہی میں یہ رد عمل کسی وقت ہونا تھا، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اس طبقہ میں بہت برا عنصر بالکل غیر تربیت یافتہ عوام کا ہوتا ہے جو محض اشتعال انگیز نفروں سے شریک کار کر لیے جاتے ہیں۔ مگر اس پر بھی کوئی قابل ذکر مثال سامنے نہیں آتی کہ فلاں بلوے میں حصہ لینے والے اتنے آدمیوں نے اس بلوے کے لرزہ خیز نتائج پر مذمت کا اظہار کیا۔ اور ان ہیما نہ افعال سے فطری نفرت ان میں جاگ اٹھی!

اچھا کوئی توجیہ اس اذکار طبقہ کے لیے بھی ایسی کر لیجئے جس کے سہارے آپ یہ ماننے سے بچ سکیں کہ اس انتہائی خلافت فطرت حال پر قائم رہنے میں ارادہ خداوندی کا کوئی دخل نہیں ہے لیکن اس تیسرے طبقے کو کیا کہیے گا جو کم و بیش پچاس کروڑ آبادی کے نیک دل، نیک نفس اور فرض شناس و باصلاحیت افراد سے مل کر بنتا ہے؟ انھیں انسانیت کی یہ جامہ درمی ناپند ہے۔ بربریت کے اس عریاں رقص پر ان کے اندر نفرت پائی جاتی ہے، ان کا دل بے گناہوں کے اس سلسل قتل عام پر طول اور انہوں کی ان حرکتوں پر شرمسار ہے۔ خمیر کو ٹھو کے بھی لگتے ہیں۔ مگر قدم جنبش میں نہیں آتے، ہاتھوں کو حرکت کوئی نہیں ہوتی، ادائے فرض کے لیے کمر باندھا ایسا لگتا ہے جیسے اس کی صلاحیت ہی نہ ہو۔ گویا اٹھنا چاہتے ہیں مگر اٹھ نہیں سکتے۔ قدم بڑھانے کی خواہش ہے مگر بڑھانہیں سکتے۔ ہاتھوں کو توتلے ہیں مگر ہلانہیں سکتے!

سارے ملک کا سرسے ہم میں سے کسی نے نہیں کیا، مگر بس ایک مثال اس صورت حال کو شاہد کی سطح پر لے آنے کے لیے کافی ہے۔ ملک کے وزیر داخلہ سٹرجون قریب سے جاننے والوں کی شہادت کے مطابق ایک نیک اور نرم خور انسان ہیں، عملی صلاحیت کے لیے اس سے بڑا سرٹیفیکٹ کیا چاہیے کہ اتنی بڑی مملکت کے وزیر داخلہ میں اور ایک نازک ترین وقت میں وزارت دفاع کو سنبھالنے کا قرضہ انھیں کے نام نکل چکا ہے۔ تازہ ترین فادات (بھیمڑی وغیرہ) کے سلسلہ میں ان کی نیک دلی اور نرم خوئی بھی اس طور پر شاہدہ میں آچکی ہے کہ ان فادات کے مظلوموں کا حال پارلیمنٹ میں بیان کرتے ہوئے وہ سچ بچ رو پڑے۔ ایک مظلوم کا خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے انھوں نے اپنے لہو زائز کان الفاظ میں اظہار کیا کہ اس کا جو چہرہ میں نے دیکھا ہے وہ ہمیشہ ہی میرا بھیجا کرتا رہے گا۔ مگر ایک اس دل کا کوئی جو فرض شناسی اور صلاحیت عمل میں بھی منتخب ہے، پھر وزارت داخلہ کے جیسے اختیارات بھی لے حاصل ہیں، وزیر اعظم کے پورے تعاون کی بھی توقع (کم از کم اس معاملہ میں تقاضائے فرض پورا کرنے کے لیے) اسے بلا کسی شک و شبہ کے ہونی چاہیے، اسی کے دور وزارت میں ان اندوہناک فادات کو دہ ترقی ہوتی ہے کہ کمیت و کیفیت ہر دو اعتبار سے پچھلے تمام ریکارڈز کو دہ کر رہ جاتے ہیں اور اس تین چار برس کے پورے عرصہ میں اس کے احساس فرض کا یہ حال رہتا ہے کہ کوئی قدم اٹھانا تو کیا اوپر ذکر

کیے گئے جیسے تاثرات بھی اس کی زبان پر جب آتے ہیں جب خاص اُس کے گھر میں اور اُس کے معتدلوں کے انتظام میں ایک رسوا کن فساد جنم لیتا ہے۔

اس ایک مثال کی روشنی میں دیکھ لیجئے کہ کیا عجیب و غریب حال اکثریت کے اس طبقے کا ہے جسے بہر حال ان انسانیت کش بلوڑوں کے خلاف ٹرپ کر اٹھ کھڑا ہو جانا چاہیے تھا۔ ایسا طبقہ موجود ہے۔ اور ناگزیر ہے کہ ہو۔ اور اتنی بڑی تعداد پر مشتمل ہو معنی تعداد کو بچاس کر در انسانوں کی ایک آبادی لازماً چاہنا ہے۔ اس طبقہ میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کی بنا پر اسے میدان میں آنا چاہیے اور پھر لازماً ٹوٹو بھی ہونا چاہیے۔ لیکن وہ نہیں میدان میں آتا، نہیں اس کی فطرت اُسے اٹھانے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ تو وہ کیا چیز ہے جو اس کے عمل فطرت کے راستہ میں رکاوٹ بن گئی ہے؟ کس نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے ہیں؟ کون اس کے ضمیر اور تعاضلات ضمیر کے بیچ میں کھڑا ہو گیا ہے؟ کوئی چیز ہو جس کا نام ارادہ الہی کے سوا یہاں لے لیجئے؟

یہ ایک معنہ ہمارے ارباب فکر کے لیے بنا ہوا ہے کہ آدمیوں کے اتنے بڑے سمندر میں، ریشیوں اور مٹینوں کی سرزمین میں، ست اور امنسا کے دہس میں کوئی ٹوٹر حرکت اس بربریت اور وحشت کے خلاف نہیں ہوتی، گنتی کے کچھ لوگ بھی نہیں اٹھتے کہ ہمارے ہوتے ہوئے یہ سب نہیں ہوگا، پورا ملک ایک شمشان گھاٹ بنا ہوا ہے، جہاں بدردوحوں کے قص کو تخلیق کرنے والا کوئی نہیں! — یہ معنہ ”اُسی وقت تک معنہ ہے اور معنہ ہی رہے گا جب تک اس پر داغ سوزی میں اس عالم کے سب سے بڑے عامل اور (FACTOR) ارادہ الہی کی طرف ذہن نہ جائے۔ جو اس عامل کا قائل نہیں وہ کوئی ایک توجیہ بھی ایسی نہیں لاسکتا جو اس معاملہ میں تخیل سے نجات دے اور تعجب کی خلش دل و دماغ سے مٹ جائے۔ اور اس عامل کی کار فرمائی ان لیجئے تو پھر کسی حیرت و استعجاب کا سوال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ اس میں یہی طاقت و قدرت ہے کہ جو اور کسی طرح نہ ہو سکتا ہو وہ اُس کے ایک یا سہ ہو جائے۔

پس یہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے وہ ارادہ الہی کی کار فرمائی سے ہو رہا ہے اور اس کا ثبوت خود اس سلسلہ واقعات ہی کے اُن قابل غور پہلوؤں میں موجود ہے جو بالکل قدرتی طور سے

ہماری توجہ چاہتے ہیں۔ اور پر کی تمام گفتگو کا بس ہی خلاصہ ہے، ایہ گفتگو اس سے مختصر عبارت میں بھی کی جاسکتی تھی، مگر کچھ فائدہ مند سمجھ کر ذرا تفصیلی پیرایہ بیان اختیار کیا گیا۔

وہ کون سی حکمت ہے جو اس املاہ الہی کے پیچھے کام کر رہی ہے؟ کیا مقصد بارگاہِ الہی کا اس صورتِ حال سے ہے جو مسلمانوں کے حق میں یہاں پیدا کر دی گئی ہے؟ کوئی نہیں ہے جو غیب کے ان اسرار سے پردہ اٹھا سکے اور کہہ سکے کہ یہ اس بنا پر ہو رہا ہے اور اس مقصد سے ہو رہا ہے۔ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ یہ کیوں اور کس مقصد سے ہے؟ لیکن اس نے اپنی سنت و عادت اور بندوں کے ساتھ معاشرت کے آئین و قانون کا جو بیان اب سے چودہ سو برس پہلے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نازل فرمادیا ہے، اسکی تصدیق اور اس پر ایمان کا تقاضہ ہم سے یہ ہے کہ جب اس طرح کے حالات میں ہم اپنے آپ کو پاؤں، اور اپنے اندر وہ احوال بھی ہم دیکھتے ہوں جن کی بنا پر ایسے حالات میں گرفتار کر دینا خدا نے اپنی سنت اور اپنا قانون بتایا اور اہم سابقہ میں اس کی مثالوں سے ہمیں روشناس کرایا ہے تو انتہائی خوف اور خشیت کے ساتھ یہ سمجھیں کہ ہمارے لیے باہر کے یہ ناسازگاہ اور اذیت ناک حالات اپنے اندر کے انہی احوال کا نتیجہ ہیں۔

اہلِ کفر کے مظالم کا تختہ مشق انبیاء علیہم السلام اور ان کے اصحاب و انصار بھی بنے ہیں، صحابین کی جماعتیں بھی ایسے وقت سے گزری ہیں، اور دل ہلا دینے والے ستم ان پر ہوئے ہیں۔ اور یہ سب تذکرے بھی قرآنِ پاک ہی میں موجود ہیں۔ لیکن یہ بڑی غور فرمایا ہوگی کہ ہم خود کو ان پر قیاس کرنے لگیں۔ وہ سراپا اطاعت ہم سراپا عصیان، وہ محکم موعظت ہم سراپا غفلت۔ ان سے کسی کا جھگڑا اس لیے نہیں تھا کہ کچھ حقوق چاہتے ہیں، کسی کو ان کے باعزت وجود سے سیر نہیں تھا، ان کے کاروبار، کھیت اور باغ نہیں تھے جو لوگوں سے دیکھ نہ جلتے ہوں۔ ان سے عداوت اس لیے تھی کہ توحید کی دعوت دیتے اور شرک کو غلط ٹھہراتے ہیں، ان ہوم در و ارج میں خدا کی ناراضگی بتاتے ہیں جن کے یہ شہناپشت سے خوگر ہیں اور ان نا انصافیوں اور غلط کاریوں کی مذمت کرتے ہیں جن کی لذت اور عادت معاشرہ کی سنسن میں سمائی ہوئی ہے۔ اور جہاں مظلومین کی مصیبت یہ ہو رہا ہے اس کا سوال ہی کیونکر ہوگا کہ ان پر ہونے والا ظلم عتابِ الہی کا عکس

اور اس کی گرفت کا ظہور ہے وہاں تو مخالفوں کو ظلم و جبر کی آزادی اور قوت دیے جانے کا ایک ہی مطلب ہوگا کہ حق اور صداقت کی قوت دُنیا کو دیکھنے کا موقع ملے کہ کیسے کیسے مظالم ٹوٹنے پر بھی وہ ایک انچ سمجھوتہ باطل سے نہیں کرتا! اور ساتھ نہیں حق کا دامن تھام لینے والوں کی آزمائش ہو کہ وہ کہاں تک ثابت قدمی دکھاتے ہیں اور کیا قربانی خدا کی راہ میں پیش کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ یہی قانون ابتلا و آزمائش ہے جس کا اعلان مومنین کے اس گروہ کے معاملہ میں قرآن مجید میں ایک جگہ یوں فرمایا گیا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ  
وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ  
وَالْأَنفُسِ الْقَرَّاتِ ۖ وَبَشِيرٍ  
الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا  
أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا  
لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں  
اور پیارا داروں کے نقصان سے تمھاری آزمائش  
کریں گے۔ تو ان صبر کرنے والوں کو خدا کی خوشخبری  
کی بشارت ملے گی کہ جب کوئی مصیبت اُن پر آئے  
تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں اور اسی کی  
طرح لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ  
وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ  
خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ  
الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزِلُوا  
حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ  
آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُوا اللَّهَ (البقرہ ۲۶۰)

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ وہی بہشت میں داخل ہو جاؤ گے  
جبکہ انہی تمکو پہلے لوگوں کی سی شکلیں تو پیش آئی ہی  
نہیں اُن کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں  
اور وہ صعوبتوں میں مبتلا ہلادیے گئے یہاں تک کہ  
پیغمبر اور مومن لوگ جو اُن کے ساتھ تھے سب پکڑ پکڑے  
کہ کب خدا کی مدد آئے گی۔

کیا ہم بھی انہی اوصاف کے مالک ہیں جن کے ساتھ مخالفین کو مظالم کی چھوٹ خدا کی ناراضگی اور  
عقاب کا منظر نہیں قرار دی جا سکتی بلکہ غایت رضامندی کے ساتھ اس قانون آزمائش کا نتیجہ ہوتی ہے  
جسے علی لا کر پروردگار دیکھتا ہے کہ اہل ایمان کس درجہ اپنے رب سے وفاداری میں پختہ ہیں اور دُنیا  
کو یہ دیکھنے کا موقع دیتا ہے کہ اُن کے رسولوں کے پیغام میں کسی ٹھوس صداقت ہے جو بڑے بڑے  
ظلم و جبر کے آگے بھی اپنے ایک ایک جزو پر مصر رہتی ہے؟ یقیناً ہم ایسا نہیں کہہ سکیں گے یقیناً ہم بھی

غلط فہمی کا ثبوت اپنے ہی حال کے بارے میں نہیں دیں گے! ہماری زندگی گناہوں میں غرق ہے ہم پر ایمان کے ابتدائی تعاضے پورے کرنے والے بھی کم سے کم تر ہو چکے ہیں۔ کوئی ایک شعبہ زندگی کو نہیں جس کے بارے میں ہم اطمینان کر سکیں کہ اتنے میں تو ہم پورے مومن و مسلم ہیں۔ قوم کی مجموعی حالت کے نقشے میں ہمارا عمل ہمارے دعویٰ ایمان کی تکذیب کر رہا ہے۔ ہم اگھ بھگہ پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں یہ حدیث نبوی مکمل طور پر صادق ہوتی ہوئی نظر آتی ہے کہ ”تم ہر وہ ڈھنگ اختیار کرو گے جو تم سے پہلی امتیں (اپنے دورِ فساد میں) اختیار کر چکی تھیں“ اور اس حال میں جب کہ ایمان تو ہم کو ایمان کفر کے مظالم سے سابقہ پیش آئے ایمان کی جواز کے وہ تائی جہلے اور اس طرح تائی جہلے جیسے شادی جہلے گی، ظالموں کے دل اپنے ظلم پر نرم ہونے کے بجائے اور سخت ہی ہوتے چلے جائیں اور انسانیت و مسکویت کی کوئی اپیل ان پر کارگر نہ ہو سکے تو اس مسلمان قوم کی کم سے کم سعادت یہ ہے کہ اس صورت حال کو اپنے رب کے اس تافان گرفت پر محمول کرے جس کا ذکر بنی اسرائیل کے تذکرے میں قرآن مجید جگہ جگہ کرتا ہے اور جو یہی ہے کہ اپنے آپ کو صاحب ایمان کہنے والے اور پیغمبروں سے اپنا رشتہ بنانے والے لوگ جب اپنے عمل سے اس دعوے کی تکذیب کرنے لگتے ہیں، تو پروردگار اپنی حکمت کے مطابق مختلف شکلوں میں ان کی گرفت اسی دنیا میں کرتا ہے، اور اس میں وقت کے یہ ترین کافروں کے ہاتھوں ذلت و بربادی بھی شامل ہے۔

آج کسی پر دجی تو بے شک نہیں آ رہی ہے کہ ہندوستان کی موجودہ صورت حال ہماری دینی غفلتوں اور مہیستوں پر سنز کی ایک شکل ہے، مگر چودہ سو برس پہلے جو دجی آچکی ہے اور ہمارا سرمایہ ایمان ہے وہ یہ تقاضہ ہم سے کرنے کے لیے کافی ہے کہ پردہ غیب میں ان حالات کا منشا جو بھی کچھ ہو ہم ہی سمجھیں کہ یہ ہمارے اعمال کی سنز اور سنجل جانے کے لیے تنبیہ ہے۔ کسی خاص عمل کی اپنی طرف سے متنبیہ کر دینے کا حق بھی کوئی شخص نہیں رکھتا کہ اس کی بنا پر عقاب الہی کو حرکت ہوئی ہے، لیکن ایک خاص عمل جس کی دین میں بڑی اہمیت ہے، ایمان اور کفر کے درمیان اولین خطا کھینچنے والی چیزوں میں اُسے دکھا گیا ہے اور وہ بھی ان چیزوں میں ہے جن میں غفلت اور نافرمانی بہت وسیع پیمانے پر ہمارے اندر آگئی ہے، تو

عین ایمان کا تقاضا ہے کہ سب سے پہلے نظرائی کی طرف جائے۔ یہ ایک خاص چیز کو اپنی طرف سے متعین کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی اولیت اور اہمیت کو ظاہر کرنا ہے کہ توبہ و انابت کا عمل یہاں سے شروع ہونا چاہیے۔

زکوٰۃ کی اہمیت دین میں ایسی ہی ہے کہ کوئی اور کو تاہی ہم سے مذہبی ہو رہی ہوتی تو تنہا اسی کے معاملہ میں کو تاہی پر ہمارا یہ سمجھنا حق ہوتا کہ ہمیں اس کی پاداش میں بچڑا گیا ہے۔ ایسے اہم فریضہ میں کو تاہی بلکہ لا پرواہی کا جو عالم ہے بظاہر کسی دوسرے اس درجہ کے فریضہ میں یہ نوبت نہیں پہنچی ہے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابندی نہیں بلکہ حج کا شرف حاصل کرنے والوں میں کتنے ایسے صاحب نصاب ملتے ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی سے آشنا نہیں، ایسے عالم میں جب ایک مومن یہ بھی دیکھے کہ خاص طور پر وہ مقامات مسلم کش بلوچوں کا ہند بن رہے ہیں جہاں مسلمان اقتصادی طور سے مضبوط اور خوشحال ہیں تب تو لامحالہ اس کا ذہن اس طرف جانا ہی چاہیے کہ اس عذاب میں بڑا دخل زکوٰۃ سے لا پرواہی کا ہے۔ یہ اقتصادی مار اس لیے دی جا رہی ہے کہ ہم مال کی محبت میں خدا کے حق کو فراموش کر رہے ہیں۔

بہر حال قطعی طور پر توبہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہماری کون سی خطائیاں کون کون سی خطائیں اس بات کا موجب ہیں کہ اس نوعیت کے حالات ہم پر مسلط کر دیے جائیں۔ لیکن اتنی بات میں کسی شبہ کی گنجائش قرآن وحدیث کی روشنی میں نہیں نکلتی کہ یہ ہماری کچھ خطائیں اور غفلتیں ہی ہیں جنہوں نے ان ہوشربا حالات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ہم نے کوئی دعوت رشد و ہدایت نہیں بلند کر رکھی ہے کہ اس پر حوالہ بگڑا تھا جو ہم تو اس کے برعکس قدم قدم پر اس ماحول سے سمجھوتہ کر رہے ہیں۔ اسلامی قومیت کے بجائے ہندوستانی قومیت کو ہم نے تسلیم کر لیا، ایک قوم سے ایک فرقہ بن جانے پر ہم رضی ہو گئے ہیں۔ اسلام کی عالمگیریت کے بہت سے مضمرات سے ہم تیزی کرتے ہیں۔ اور اسلامی اخوت میں وہ معنہ پائے جانے کا اعلان بھی ہماری طرف سے ہو رہا ہے جس کو یہ ماحول پسند نہیں کرتا۔ ہم میں سے جن لوگوں کا کہنا تھا کہ سیکولرزم ہر حالت میں شرک ہے اور اُس کو کسی تاویل کے ذریعہ شریعت سے خالی دکھانا محض فریب کاری یا سادگی ہے، وہ بھی بالآخر ایک تاویل کے ذریعہ اسے گوارا کیے جانے کا سرٹیفکیٹ دے چکے ہیں۔ ہم سے سوال ہوتا ہے کہ کافر کسے کہتے ہیں تو یہاں ہمارا جواب دینے کی جرأت ہمارے اچھے اچھے نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم السلام کے طرز پر بے لاگ دعوت توحید سے ہمارے اہل دعوت کتراتے ہیں۔ اور اسکولوں میں اپنے بچوں کو دی جانے والی شرک بھری تعلیم پر ایک نئی ہمارا وہ عمل دنیا نے نہیں دیکھا



جو ہمارے دین و ایمان کا تقاضہ تھا پھر اس حال میں یہ تو نہیں سوچا جاسکتا کہ خدا ہمارے دین و ایمان کی بختگی دیکھ رہا ہے، جیسے کہ ہم سے پہلے بھی پتہ کاروں کو بڑے بڑے مصائب کے ذریعہ آزمایا گیا ہے یہاں تو اپنی یہ کمزوری اور ساتھ ساتھ ان دینی احکام میں بھی مجبوری اعتبار سے پوری قوم کی کوتاہی اور نافرمانی دیکھتے ہوئے جن سے ہمیں کوئی ردک نہیں رہا ہے، یہی ماننا پڑے گا کہ قانون ابتلاء کے مصائب نہیں قانون گرفت کے مصائب ہیں جن کا ہم شکار ہیں اور اس بنا پر ان مصائب کا ازالہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہم اپنا حال بدل کر خدا سے رحم و کرم کے طلب گار ہوں۔

مصائب و آفات کے ازالہ کی اسبابی تدابیر برحق۔ خدا کا فیصلہ بھی بدلے گا تو اس کی عام عادت و سنت کے مطابق اس بدلے ہوئے فیصلہ کا ظہور بھی اسباب ہی کی راہ سے ہوگا۔ خالی تو بہ تلا کرنے سے حالات بدل جانے کی امید کسی کے لیے بھی صحیح نہیں۔ لیکن تدبیر بھی کام دیتی ہے جب تقدیر سازگار ہو۔ تقدیر ساز نہیں کر رہی ہے تو تدبیر کا کارگر ہونا تو درکنہ تکمیل تک پہنچنا بھی اس کے لیے ممکن نہیں، ایک کام جو عام قانونِ فطرت کے مطابق آسانی سے ہو جانا چاہیے تقدیر کی ناسازی کے ساتھ وہ جوئے شیر لانے کا مصداق ہو جاتا ہے اور یہی چیز ہے جس کا ہم اپنی تدبیروں میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم سب محسوس کرتے ہیں اور شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں ہمارا اتحاد و اتفاق کسی بھی تدبیر کی کامیابی کے لیے شرطِ اول ہے، مگر اس احساس اور خواہش کے باوجود یہ کام اس درجہ مشکل بنا ہوا ہے جیسے اس کی ضرورت ہی کا احساس نہ ہو۔ ہر کام کے لیے پیسہ چاہیے اور ہم میں پیسے والے بھی موجود ہیں جن کا ذاتی تحفظ بھی اپنی ملت کے منظم، مضبوط اور با اثر ہونے پر موقوف ہے، مگر ان کے دل نہیں کھلتے کہ ملت کی تنظیم و تعمیر پر ان کی دولت صرف ہو۔ ملت کا مفاد چاہتا ہے کہ جامعیت اور گردہاں مصلحتیں اس پر قربان کر دی جائیں، مگر ہماری جماعتیں جو سب کی سب ملت کے مفاد پر یکہ کلہ ٹھکتی ہیں یہ حوصلہ ان میں سے ایک کو بھی نصیب نہیں کہ اپنے مصالح پر بھی ملت کے مفاد کو مقدم کر دیں۔ غرض تدبیری میدان کے وہ قدم بھی ہم سے نہیں اٹھ رہے ہیں جو بالکل ہمارے اختیارات کے بھی ہیں اور کسی شخص کو ان کی ضرورت سے انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کا کیا مطلب ہے سوائے اس کے کہ تقدیر راستہ رد کے کھڑی ہے؟ اور پھر اس کا کیا علاج بجز اس کے ہے کہ خدا کو راضی کیا جائے جس کے حکم کا نام تقدیر ہے۔

وہ قوم بڑی خوش قسمت ہے جسے اپنی تقدیر کے قانون کا علم ہو کہ کن اعمال سے تقدیر موافق یا مخالف

ہوتی ہے۔ لیکن پھر وہی قوم سب سے زیادہ بد قسمت ہو اگر وہ اس علم سے ناگاہ نہ بنیں اٹھاتی اور تقدیر کی نافرمانی نہ کرتی۔  
ابا با اپنے عمل میں دیکھتے ہوئے بھی ان تبرید کی طرف نہیں آتی جن سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ بلکہ صرف ان  
تبریدوں کے لیے جان گھلاتی رہتی ہو جن کا برے کارنامہ تقدیر کی مخالفت کے ساتھ ممکن نہیں۔

ہم جیسے سخت ترین حالات میں ہیں کہ فی الواقع کوئی ایک مکمل تدبیر الہیم بھی کسی دماغ کی سطح پر ایسی نہیں  
اُبھرتی کہ حالات کی تمام سیدھی گول کو ذہن میں رکھتے ہوئے عالم فکر و نظری میں ہم اس الہیم کو راہ نجات ٹھہرا سکیں  
لیسے سخت حالات میں ایک خدا نا آشنا قوم کے لیے تو یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہو کہ وہ محض دنیاوی تدبیر ہی کے اندر  
گھومتی یا اپنے دماغ کو گھماتی ہے۔ کیونکہ اسکے پاس کوئی اور نیا وادی اور کوئی اور دلی دکار ساز بھی نہیں لیکن  
جس قوم کا ایمان کیا ہے حامی و ناصر اور ایسے لمبا و مادی پر ہو جسکی قدرت میں ہر سیدھی کا حل اور ہر سختی کا علاج  
ہے اور جس کی نصرت ہر بڑی سے بڑی رکاوٹ اور مزاحمت کو کاٹ سکتی ہو وہ بھی ایسے شخصیت و قوت میں سب سے پہلے  
دوڑ کر اس سر پادشہ و قدرت کے پاؤں نہ پکڑے تو اس سے زیادہ بے نصیب کون ہو؟ مسلمان جو ایک ایسے ہی عالمی  
و ناصر کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کی رضا جوئی کا طریق بھی جانتے ہیں وہ اگر اپنے ان حالات میں دوسری کسی قوم کی طرح بس  
اسی باتی تدبیروں ہی کا لاگ لگاتے رہیں اور یہ عالمی کے سوا کوئی حاصل نہ پا کر لگی اپنے اس ناصر و کار ساز معبود کی مدد  
لینے کے لیے نہ دوڑیں تو اس کا مطلب یہ رہا تو میں سے ایک کے سوا کیا ہو گا کہ یا تو ایمان کے دعوے میں کوئی حقیقت  
نہیں رہ گئی ہے اور یا انھیں شیعہ کی نجات مطلوب ہی نہیں ہے۔

فلاح انیس طارق بن زیاد نے اپنی کشتیاں جلا دینے کے بعد اپنی فوج سے کہا تھا کہ

البحرین ورائکم والعدو امامکم ولیس تمہارے پیچھے سمندر اور سامنے دشمن ہو اور خدا کی قسم صدق

لکم واللہ الا الصدق والصبر اور صبر کے سوا اب کوئی ذریعہ نجات تمہارے پاس نہیں ہو۔

اکھل ہی حال میں ہندوستانی مسلمانوں کا ہو نہم نے بھی سچ بچ اپنے ہاتھ سے اپنی کشتیاں جلائی ہیں۔ خواہ ہم میں سے بعض  
اسی نا بکھی سے ایسے نہ سمجھتے ہوں۔ اور پھر سامنے جو کچھ ہو وہ سب کے سامنے ہو یہاں بھی اصل تدبیر کے لیے یہ باتی تنا  
تنگ و نامراد گار ہو کہ صرف و صبر کی پشت پناہی سے ہی وہ کوئی اثر دکھا سکتی ہو، اور صدق و صبر کا اولین مصداق  
کیا ہو؟ خدا پر ایمان میں سہاوی اور اس کے احکام پر مضبوطی! صغ  
یہی ہے رختِ سنرا اپنے کارواں کے لیے

غہ اقبال کے مصرع میں تھرن کے ساتھ۔

# مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

(سلسلہ)

## غلاموں اور زبردستوں کے بارے میں آیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو عرب میں بلکہ قریب قریب اس پوری دنیا میں جس کی تاریخ معلوم ہے غلاموں کا طبقہ موجود تھا، فاتح قومیں مفتوح قوموں کے افراد کو غلام بنالیتی تھیں، پھر وہ ان کی ملکیت ہو جاتے تھے، ان سے جانوروں کی طرح محنت و مشقت کے کام لیے جاتے تھے اور ان کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو غلاموں کو آزاد کرنے کو بہت سے گناہوں کا کفارہ اور بہت بڑا کارِ ثواب قرار دیا اور طرح طرح سے اس کی ترغیب دی، دوسری طرف ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے، ان پر محنت و مشقت کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، ان کے طعام و لباس جیسی بنیادی ضرورتوں کا مناسب انتظام کیا جائے، بلکہ حکم دیا کہ جو گھر میں کھایا جائے وہی ان کو کھلایا جائے، جیسا کپڑا خود پہنا جائے ویسا ہی ان کو پہنایا جائے، ان کے معاملہ میں خدا کے محاسبہ اور مواخذہ سے ڈرا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان ہدایات اور تعلیمات نے غلاموں کی دنیا ہی بدل دی، پھر قرآن میں سے ہزاروں اُمت کے آئمہ اور پیشوا تک ہوئے، ہزاروں حکومت کے بڑے سے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، ان کی حکومتیں تک قائم ہوئیں، یہ سب اس ہدایت و تعلیم ہی کے نتائج تھے جو از انیت

کے اس مظلوم ذاتا تو ان طبقہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو دئی تھی اور پھر ساری دُنیا اس سے متاثر ہوئی۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

### غلاموں کے بنیادی حقوق :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعُلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يَكْفُفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ

رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طعام اور لباس غلام کا حق ہے اور یہ بھی اس کا حق ہے کہ اسے ایسے سخت کام کی تکلیف نہ دی جائے جس کا وہ مستحق نہ ہو سکے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ طعام و لباس غلام کا حق ہے، آقا کی یہ ذمہ داری (تشریح) ہے کہ اس کا یہ حق ادا ہو، اسے ضرورت بھر کھانا اور کپڑا دیا جائے۔

آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہو گا کہ اسے وہی کھانا کھلایا جائے جو گھر میں کھایا جائے وہی لباس پہنایا جائے جو خود پہنا جائے — یہ بھی فرمایا گیا کہ اس پر کام کا سبب بوجھ نہ ڈالا جائے اتنا ہی کام لیا جائے جتنا وہ کر سکے۔ یہ گویا غلاموں کے بنیادی حقوق ہیں۔

یہ غلام تھائے بھائی ہیں ان سے برا درانہ سلوک کیا جائے :-

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يَكْفُفْهُ مِنَ الْعَلِّ مَا يَغْلِبُهُ إِنَّ كَفْفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعْنِهِ عَلَيْهِ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ یہ بیچا ہے غلام، تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارا زیر دست (محکم) بنا دیا ہے، تو اللہ جس کے زیر دست (اور تخت حکم) اُس کے کسی بھائی کو کرنے تو اس کو چاہیے کہ اس کو وہ کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہ پھنٹا ہے جو خود پھنٹتا ہے، اور اس کو ایسے کام کا مکلف نہ کرے جو اس کے لیے بہت بھاری ہو۔ اور اگر ایسے کام کا مکلف کرے تو پھر اس کام میں خود اُس کی مدد کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث میں ہر غلام کو اُس کے آقا کا بھائی بتایا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے (تشریح) تحت میں کر دیا ہے۔ اس تعبیر میں اس مظلوم طبقہ کے ساتھ حسن سلوک کی جتنی موثر اپیل ہے وہ ظاہر ہے۔ غلام اور آقا کو بھائی غالباً اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ دونوں بہر حال آدم و حوا کی اولاد ہیں۔

بنی آدم اعضاء یکدیگر ند کہ در آفرینش زیک جو ہر اند  
پھر اسی تعلق اور درشتہ کی بنیاد پر فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارا غلام اور خادم تمہارا بھائی ہے تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ ہونا چاہیے جو بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے، اسے وہی کھلایا اور پہنایا جائے جو خود کھایا اور پہنایا جائے۔

غلام یا نوکر جو کھانا بنائے اُس میں سے اُس کو ضرور کھلایا جائے :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَنَعَ لِرَاحِدِكُمْ خَادِمَهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ بِهِ وَقَدْ دَلِيَ حَرًّا وَ دُخَانَهُ فَلْيَقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْيَأْكُلْ فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ مُشْفُوهاً فَلْيَلَا فَلْيَضَعْ فِي يَدِهِ مِنْهُ أَكْلَةً أَوْ اُكْلَتَيْنِ \_\_\_\_\_ رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کرے پھر وہ اس کے پاس لے کر آئے اور اُس نے اُس کے کالنے اور بنانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہو تو آقا کو چلیے کہ کھانا تیار کرنے والے اس خادم کو بھی کھانے میں اپنے ساتھ

بٹاٹے اور وہ بھی کھائے۔ پس اگر رکھی، وہ کھانا ٹھوڑا ہو (جو دونوں کے لیے کافی نہ ہو سکے)، تو آقا کو چاہیے کہ اس کھانے میں سے دو ایک لقمے ہی اس خام کوٹے سے۔

(صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جن گھروں میں غلام یا باندیاں ہوتی تھیں (تشریح) کھانے پکانے جیسے خدمت کے کام انہی سے لیے جاتے تھے، ان کے بارے میں اپنے ہدایت فرمائی کہ جب وہ کھانا پکا کے لائیں تو ان کو اپنے کھانے میں شریک کر لو اور ساتھ بٹھا کر کھلاؤ، اور جب کھانا کم ہو، اس کی گنجائش نہ ہو تب بھی ان کو اس میں سے کچھ حصہ ضرور دو، کیونکہ انہوں نے اس کے پکانے میں گرجی اور دھوئیں کی تکلیف برداشت کی ہے۔ ہمارے زمانہ میں اسی بنیاد پر ہی حکم کھانا پکانے والے نوکر دوں اور نوکرانیوں کے لیے ہو گا۔

غلاموں کی غلطیوں قصوروں کو معاف کیا جائے :-

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمْ نَعْفُو عَنْ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَّتْ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةَ قَالَ أَعْفُوا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً

رواہ ابو داؤد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اپنے خادم اور غلام کی غلطیاں کس حد تک ہمیں معاف کر دینا چاہئیں؟۔ آپ نے سکوت فرمایا (اور کوئی جواب نہیں دیا)، اس شخص نے دوبارہ آپ کی خدمت میں ہی عرض کیا۔ آپ پھر خاموش رہے۔ اور جواب میں کچھ نہیں فرمایا۔ پھر جب تیسری دفعہ اس نے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا، ہر روز ستر دفعہ۔ (سنن ابی داؤد)

پہلی اور دوسری دفعہ جو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار فرمائی اس کی وجہ (تشریح) غالباً یہ تھی کہ آپ نے سوال کرنے والے صاحب کو اپنی خاموشی سے یہ تاثر دینا چاہا کہ

کہ یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں ہے، اپنے زیر دست خادم اور غلام کا قصور معاف کر دینا تو ایک نیکی ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہوتی ہے اس لیے جہاں تک ہو سکے معاف ہی کیا جائے لیکن جب دو دفعہ کے بعد تیسری دفعہ بھی اُن صاحب نے پوچھا تو آپ نے فرمایا ”کُلُّ یَوْمٍ سَبْعِینَ مَرَّةً“ یعنی اگر بالفرض ہر روز صبح سے شام تک ستر قصور کرے تب بھی اُسے معاف ہی کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہاں ”سبعین“ سے ستر کا خاص عدد مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا زیر دست غلام یا نوکر بار بار غلطی اور قصور کرے تو انتقام نہ لو، معاف ہی کر دو۔

اس عاجز کے نزدیک معافی کے اس حکم کا مطلب یہی ہے کہ اس کو انتقاماً سزا نہ دی جائے، لیکن اگر اصلاح و تادیب کے لیے کچھ سزائیں مناسب سمجھی جائے تو اس کا پورا حق ہے اور اس حق کا استعمال کرنا اس ہدایت کے خلاف نہ ہوگا بلکہ بعض اوقات اس کے حق میں ہی بہتر ہوگا۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوا أَمْوَاءَكُمْ عَلَى كَسْرِ إِنْاءِكُمْ فَإِنَّ لَهَا أَجَالًا كَأَجَالِ الْكُهْ

رداء الدلمی

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ، اپنی باندیوں کو برتن توڑ دینے پر سزا نہ دیا کرو اس لیے کہ برتنودا کی بھی عمر یا مقررہ میں تمہاری عمروں کی طرح۔

(منہ الفردوس للدمی)

گھروں میں کام کرنے والی باندیوں اور نوکرانیوں سے اور اسی طرح غلاموں اور نوکرانوں (نشریح) سے برتن ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے اور ان بیچاروں کی پٹائی ہوتی تھی، اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس طرح وقت پورا ہونے پر آدمی مر جاتا ہے اسی طرح وقت پورا ہونے پر برتن ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اس لیے ان بیچاروں سے انتقام لینا اور مارنا پیٹنا بہت ہی غلط بات ہے، (ہاں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اصلاح و تادیب کی نیت سے مناسب تنبیہ اور سزائیں کی جاسکتی ہیں)

غلام پر ظلم کرنے والے سے قیامت میں بدلہ لیا جائے گا:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوكَهُ ظَلَمًا أُقِيدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔

رداء البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اپنے غلام کو ناحق مارے گا قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا۔  
(شعب الایمان للبیہقی)

غلام پر ظلم کا کفارہ:-

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ  
مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدُّ الْكُرْبَايَةِ أَوْ لَطَمَهُ فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يُعْتِقَهُ

رداء مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جس کسی نے اپنے غلام کو کسی ایسے جرم پر سزا دی جو اس نے نہیں کیا تھا یا اس کو طمانچہ مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کرے۔  
یعنی اگر ایسا نہیں کرے گا تو خدا کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا، (صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي مُسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا بِي فَهَمِمْتُ  
مِنْ خَلْفِي صَوْتًا أَعْلَمُهُ أَبَا مُسْعُودٍ لِلَّهِ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ  
فَالْتَفَتْتُ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا  
رَسُولَ اللَّهِ هُوَ خَرٌّ لَوْ جَبَّ اللَّهُ فَقَالَ أَمَا لَوْلَمْ تَفْعَلْ لَلْفُتْحَةِ

رداء مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا، میں نے پیچھے سے آواز سنی (کوئی کہہ رہا تھا) کہ اے ابو مسعود! تجھے معلوم رہنا چاہیے (اور اس بات سے غافل نہ رہنا چاہیے) کہ اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت اور قابو حاصل ہے جتنا تجھے اس بیچارے غلام پر ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ



فرمانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اس کو آزاد کر دیا، اب یہ (میری طرف سے) اللہ کے لیے آزاد ہے، آپ نے ارشاد فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم یہ نہ کرتے (یعنی اس غلام کو اللہ کے لیے آزاد نہ کرتے) تو "تَفَحَّتْ النَّارُ" (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں جلا ڈالتی)۔ یا فرمایا "لَمَسَتْ النَّارُ" (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی) (صحیح مسلم)

(تشریح) اگر اللہ از یوم آخرت پر ایمان ہو تو ظلم و زیادتی اور ہر قسم کے گناہوں سے بچانے کے لیے بہترین تدبیر یہی ہے کہ اللہ کی پکڑ اور آخرت کے مواخذہ و محاسبہ کو یاد دلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایمان نصیب فرمائے۔

### غلاموں کے بارہ میں حضور کی آخری وصیت :-

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ آخِرُ كَلَامٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ، الصَّلَاةُ وَالْتَّقْوَا اللَّهُ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔۔۔۔۔۔ رواہ ابوداؤد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وفات سے پہلے) جو آخری کلام فرمایا وہ یہ تھا "الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ وَالْتَّقْوَا اللَّهُ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ" (یعنی نماز کی پابندی کرو، نماز کا پورا اہتمام کرو، اور اپنے غلاموں زیر دستوں کے بارہ میں خدا سے ڈرو) (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دُنیا سے اور اُمت سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو خاص طور سے دو باتوں کی تاکید اور وصیت فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ نماز کا پورا اہتمام کیا جائے اس میں غفلت اور کوتاہی نہ ہو یہ سب اہم فریضہ اور بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے۔ دوسری یہ کہ غلاموں باندیوں کے ساتھ برتاؤ میں اُس خداوند ذوالجلال سے ڈرا جائے جس کی عدالت میں ہر ایک کی پیشی ہوگی اور ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلایا جائے گا۔ غلاموں زیر دستوں کے لیے یہ بات کتنے شرف کی ہے کہ

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُنیا سے جاتے وقت سب سے آخری وصیت اللہ کے حق کے ساتھ اُن کے حق کی ادائیگی اور اُن کے ساتھ خُشن سلوک کی فرمائی۔ اور اس حدیث کے مطابق سب سے آخری لفظ آپ کی زبان مبارک سے جوا دہرا وہ یہ تھا ”وَأَتَقُوا اللَّهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری میں بھی مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری کلمہ آپ کی زبان مبارک سے یہ ادا ہوا تھا ”اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْاَعْلٰی“ (اے اللہ مجھے رفیقِ اعلیٰ کی طرف اُٹھالے) شارحین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ اُمت سے مخاطب ہو کر آپ نے وصیت کے طور پر آخری بات تو وہ فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہوئی ہے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف مخاطب ہو کر آخری کلمہ وہ فرمایا تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نقل فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

**آقاؤں کی خیر خواہی اور فدائاری کے بارے میں غلاموں کو ہدایت :-**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح غلاموں کے حقوق اور اُن کے ساتھ خُشن سلوک کے بارے میں آقاؤں کو ہدایت دیں اسی طرح غلاموں کو بھی آپ نے نصیحت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ جس کے زیر دست ہیں اُن کے ساتھ خیر خواہی اور فدائاری کا رویہ رکھیں، آپ نے کسی غلام کی بڑی خوش نصیبی اور کامیابی یہ بتائی کہ وہ اپنے خالق پر درود گار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا وفادار و فرمانبردار ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
نِعْمًا لِلْعَمَلُولِ أَنْ يَتَوَقَّاهُ اللَّهُ بِحَسَنِ عِبَادَةِ رَبِّهِ وَطَاعَةِ سَيِّدِهِ  
نِعْمًا لَهُ \_\_\_\_\_ رواه البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی غلام اور ملوک کے لیے بڑی اچھی اور کامیابی کی بات ہے کہ اللہ اس کو ایسی حالت میں اُٹھائے کہ وہ اپنے پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا فرمانبردار ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَاحْتَسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ فَلَهُ أَجْرُهُ  
مَرَّتَيْنِ \_\_\_\_\_ رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا کوئی غلام جب اپنے سید و آقا کی خیر خواہی اور وفاداری کرے اور خدا کی  
عبادت بھی اچھی طرح کرے تو وہ دہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔

(صحیح مسلم و صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ ہر فرد اور ہر  
(تشریح) طبقہ کو آپ ترغیب دیتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ وہ دوسرے کا حق ادا کرے اور  
حق کے ادا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھے۔ سیدوں اور آقاؤں کو آپ نے ہدایت فرمائی کہ وہ غلاموں  
زیر دستوں کے بارے میں غلطی سے ڈریں، ان کے حقوق ادا کریں ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں ان کو  
اپنا بھائی سمجھیں اور ایک فرد خاندان کی طرح رکھیں۔ اور غلاموں ملکوں کو ہدایت فرمائی اور  
ترغیب دی کہ وہ سیدوں آقاؤں کے خیر خواہ اور وفادار ہو کر رہیں۔

ہماری اس دنیا کے سائے شرف و فاد کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے  
سے منکر یا کم از کم بے پروا ہے اور اپنا حق دوسرے سے وصول کرنے بلکہ چھیننے کے لیے ہر کوشش اور  
جبر و زور کو صحیح سمجھتا ہے اسی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے، اور اُس وقت تک یہ دنیا امن و سکون  
سے محروم رہے گی جب تک کہ حق لینے اور چھیننے کے بجائے حق ادا کرنے پر زور نہ دیا جائے گا۔ اگر  
عقل و بصیرت سے محرومی نہ ہو تو مسئلہ بالکل بدیہی ہے۔

## بڑوں اور چھوٹوں کے باہمی برتاؤ کے بارے میں ہدایت

ہر معاشرہ اور سماج میں کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ ان کے چھوٹے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے بڑوں کے چھوٹوں کے ساتھ اور چھوٹوں کے بڑوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی ہدایت  
فرمائی ہیں، اگر ان کا اتباع کیا جائے تو معاشرہ میں وہ خوشگوار اور روحانی سرور و سکون

رہے جو انسانیت کے لیے نعمتِ غلطی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہاں بھی پڑھ لی جائیں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا \_\_\_\_\_ رواه الترمذی والبدادؤد

عمر بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ نہ کرے اور بڑوں کی عزت کا خیال نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ شَيْخٌ يُرِيدُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ أَنْ يُوسِعُوا لَهُ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِرْ كَبِيرَنَا \_\_\_\_\_ رواه الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے بزرگ آئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنا چاہتے تھے، لوگوں نے جو اس وقت حاضر تھے، ان کے لیے گنجائش پیدا کرنے میں دیر کی (یعنی ایسا نہیں کیا کہ ان کے بڑھاپے کے احترام میں جلدی سے ان کو راستے لے دیتے اور جگہ خالی کر دیتے) تو حضورؐ نے فرمایا کہ جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ سے وابستگی (تشریح) چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بڑوں کے ساتھ ادب و احترام کا برتاؤ رکھے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، اور جو ایسا نہ کرے اس کو حق نہیں ہے کہ وہ حضورؐ کی طرف اور آپؐ کی خاص جماعت کی طرف اپنی نسبت کرے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جامع ترمذی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَمَ  
شَابٌ شَيْخًا مِنْ أَجْلِ سِنِّهِ إِلَّا قِيَصَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ سِنِّهِ مِنْ  
مُكْرَمَتِهِ \_\_\_\_\_ رواه الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انشاء فرمایا جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اُس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب و احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کرے گا جو اُس وقت اُس کا ادب و احترام کریں گے۔ (جامع ترمذی)

اوپر جو دو حدیثیں درج ہوئی ہیں اُن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بڑوں کے ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم میں کیا درجہ ہے اور اُس میں غفلت اور کوتاہی کتنا سنگین جرم ہے — اللَّهُمَّ احْفَظْنَا — اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب و احترام اور اُن کی خدمت و نیکی ہے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور اصل جزا و ثواب کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔

## پھول کی طرح تر و تازہ

اگر جلدی امراض یا فسادِ خون کی شکایت ہو تو چہرہ پر مردہ نظر آتا ہے

## خون صفا

پھولے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے  
کر جسم اور چہرے کو پھول کی طرح تر و تازہ رکھتا ہے

دواخانہ طبیہ کلج، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



# اَرشَادِ اَیِّمُ اللّٰہِ حَیْثُ مَوْلَانَا تَہَاذِیْ

عُلَمَاءُ وَطَلَبَاءُ، اَرَبَابُ اَنْتِہَامِ وَاَصْحَابُ اَسْ کے لیے لمحہ شکر یہ

تَلخیصُ ————— از مولانا نسیم احمد فریدی (امروہی)

(ماخوذ از افاضات حصہ نہم جسد دوم)

==== (۹) قسط ====

(شیخ الہند) حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض عجیب و غریب واقعات تواریخ اور حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ ان کی غایت حُسن عقیدت کی روایات سن کر فرمایا — کہ یہ سب اثر اُسی نسبتِ باطنی کلمہ ہے جو کسی کو بھی نظر نہیں آتی — میں تو اس کی مثال (گھڑی) کی بالی کمانی سے دیا کرتا ہوں کہ وہ بھی اس قدر باریک ہوتی ہے کہ اس کا نظر آنا بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن جتنے بڑے بڑے ہیں سب اسی پر چلتے ہیں — پھر اپنے دلچرا کا بر کے تیز کرے فرا کر فرمایا — کہ وہ حضرات تو منعمِ عظیم جن پر انعام ہوا، تھے ہی مگر ان کی زیارت کرنے والا اس لیے منعم علیہ ہے کہ خود ان کی زیارت ایک بڑی اور مستقل نعمت تھی جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو نصیب فرمادی.....

ایک خادم کے خلاف مزاج بعض بیجا تکلفات سے متاثر ہو کر فرمایا — اے بھائی ہم ایک پیغمبر کے غلام ہیں ہمیں جو سکھایا گیا ہے تو اُلا، فعلاً، حالاً، بس اُسی کے مطابق ہم کو عمل کرنا چاہیے۔ حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تکلفات ہمیں نہیں سکھائے جن کو کچھ اہل ادب اور عظیم سمجھا جاتا ہو یہ سب مجہولیت ہے۔

..... اور یہ ساری خرابی اسی کی ہے کہ لوگ حدود سے نکل گئے۔ جب حدود ہی سے نکل گئے تو پس پھر کوئی حد نہیں معلوم نہیں کہاں تک پہنچیں۔ اب جو شخص شامت زدہ اس کا انتظام کرے وہ بدنام، بدخلق، بد مزاج۔ پھر ایک لمبا سانس لیا اور بے اختیار منہ سے نکلا اللہ اکثر سنت کے ترک کرنے سے بڑی ظلمت پیدا ہوتی ہو کہ وظیفہ اور ذکر و شغل بھی اُس کا تدارک نہیں کر سکتے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اُمت کی خدمت اور اُن کے دین کی حفاظت کرنا چاہیے۔ اپنی شہرت میں کیا رکھا ہو..... اُمت کی حفاظت وہ (اہم، چہیز ہو کہ اُس کے مقابلے میں اپنے عزیزوں کی بھی پرداہ نہ کرنی چاہیے۔ چاہے کوئی کتنا ہی محبوب ہو۔ وہ اگر ہمارا محبوب ہو تو دین اُس سے زیادہ محبوب ہو، تو بڑے محبوب کا لحاظ (زیادہ کرنا) چاہئیے یا چھوٹے محبوب کا؟

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ کچھ پتہ نہیں کہ خاتمہ کس حال پر ہوگا، بس انٹرنیٹ کی پناہ ڈھونڈنے اور دعووں کو مٹانا ہے۔ ایک بڑے فاضل یہاں آئے اور مجھ سے کہا کہ کچھ نصیحت کیجئے، میں نے کہا کہ آپ تو خود عالم ہیں آپ کو کیا نصیحت کر دوں۔ انھوں نے پھر اصرار کیا۔ میں نے کہا مجھے تو بس ایک ہی سبق یاد ہو اُسی کو دہرائے دیتا ہوں وہ یہ کہ اپنے کو مٹانا چاہیے۔ اس کا اُن پر اتنا اثر ہوا کہ رونے لگے۔ پھر فرمایا کہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی کمالات اور انتہائی محبوبیت کے باوجود فرماتے ہیں "لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ إِنَّا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى" یعنی مجھ کو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور یہ نہ کہو کہ میں اُن سے بہتر ہوں۔ تو دیکھیے باوجود یقینی فضل ہونے کے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مجھے یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہو۔ اسی سلسلے میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت سنائی جو مولانا خراجی صاحب گنگوہی نے بیان کی تھی کہ جب بخاری کے درس میں یہ حدیث آئی تو شاگردوں نے اشکال پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت یونس علیہ السلام سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے یقیناً افضل تھے پھر آپ نے اس کی نہی کیوں فرمائی، حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ یہی تو افضل ہونے کی دلیل ہو جو افضل ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو افضل نہیں سمجھا کرتے وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ میں افضل نہیں۔ شاگردوں نے پھر اشکال کیا، حضرت مولانا نے پھر سمجھایا لیکن طلبہ نے پھر عرض کیا کہ حضرت ابھی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر مولانا نے دوسری قوت سے کام لینا چاہا فرمایا اچھا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم مجھے کیا سمجھتے ہو اپنے سے افضل

یا کتر؟ سب نے عرض کیا کہ حضرت! چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ہماری حقیقت یہی کیا جو حضرت کے سامنے۔ پھر فرمایا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا بھوٹا؟ عرض کیا بالکل سچا، پھر فرمایا اگر میں کسی بات کو قسم کھا کر کہوں پھر تم مجھے سچا سمجھو گے یا کیسا؟ کہا تب تو اور بھی زیادہ آپ کی بات کا یقین کریں گے۔ جب ان سب باتوں کا اقرار کر چکے تو پھر فرمایا کہ اب میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تم میں سے ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں۔ بس یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس تڑپ گئی۔ سب بیتاب ہو گئے لوٹنے لگے۔ .... اور مولانا چپکے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ درس وغیرہ ختم ہو گیا۔ اگلے دن جب پھر سبق شروع ہوا تو فرمایا کہ کو بھائی اب بھی اُس حدیث میں کچھ شبہ ہے؟ سب نے بالاتفاق عرض کیا کہ حضرت! ہاں کوئی شبہ نہیں رہا۔ پھر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے یہ تصرف کے قصد سے نہیں کیا ہمارے حضرات اس کا قصد نہیں کیا کرتے مگر ہر شے میں ایک خاصیت ہو۔ صدق میں خاصیت ہو کہ اذ دل خیزد بدل ریزد۔

حضرت حکیم الامتؒ نے ایک بار ایک خادم کو تنبیہ فرمائی جنہوں نے ایک ہی ہاتھ میں ایک دینی کتاب اور دُجڑا ب دو نوں اس طرح لے رکھیں تھیں کہ دُجڑا اب کتاب سے مس ہوتی تھی۔ فرمایا کہ آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا۔ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ کا ارشاد ہو کہ یہ جو بعض طلبہ بائیں ہاتھ میں کتب دینیہ اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذہوم ہو کیونکہ خلاف ادب ہو اور صورتہٴ فوقیت دینا ہو جو توں کو کتب دینیہ پر۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے تو بے نظیر و نادر عالم اور ان کی تنخواہ صرف چالیس روپے ماہوار تھی جو آج ایک نیا اور معمولی مدرسہ بھی مشکل سے قبول کرے گا۔ اب تو اتنی تنخواہ کو کوئی خاطر میں بھی نہیں لاتا اور وہاں اس کی بھی بڑی قدر تھی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ حضرات اپنے کو صاحب کمال سمجھتے تھے۔ .... چونکہ مولانا کا کتبہ بہت بڑا تھا اس لیے خرچ میں بہت تنگی ہوتی تھی۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مثنوی نے (اشعار میں) تکلفات کا زیادہ اتہام کیا ہے اور اسی کا اہل عرب اچھا نہیں کہتے۔ کہتے ہیں کہ اس کے کلام میں عجبت ہو عربیت نہیں۔ عربیت میں تو سادگی ہوتی ہے تکلف نہیں ہوتا۔ اس پر یاد آئے کہ قاری عبدالرحمن صاحب (محدث) پانی پتی اپنے صاحبزادے



قاری عبدالعلیم صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس کو قرأت میں اجمحیت سے تو نکال دیا ہے مگر یہ عربیت میں ابھی نہیں آیا۔ وہ خود بھی ایسا سادہ پڑھتے تھے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ قاری ہیں۔ حالانکہ قاری صاحب دہلوی اپنی قرأت میں کامل تھے۔ انھوں نے اس کمال کو اکتساب سے اس طرح بھی حاصل کیا تھا کہ جب حج گئے تو راستے میں کسی چٹان پر بیٹھ جلتے تھے اور وہاں جو بدوؤں کے بچے کھیلتے ہوتے اور آپس میں بولتے ان کے مخارج کو بہت غور کے ساتھ سنتے اور دیکھتے کہ کس حرف کو کس طرح ادا کرتے ہیں تو اس طرح انھوں نے اس کمال کا اکتساب کیا تھا اور اسی کمال کی بنا پر — باوجودیکہ ان کے صاحبزائے بھی بڑے ماہر قاری تھے — یہ فرمایا کہ اجمحیت سے تو میں نے نکال دیا ہے لیکن عربیت میں ابھی نہ لاسکا۔

فرمایا کہ اکبر حسین صاحب (اکبر راج اور ناظر حسین صاحب راجپوری دکن کی قابلیت جو حکام میں مسلم تھی وہ عربی ہی کی بدولت تھی — چنانچہ دکن صاحب نے تو خود کہا کہ یہ جو دکن میں میری نظر ایسی رسا ہو یہ شخص ہوا یہ پڑھنے کی برکت ہو — پھر فرمایا کہ عربی کے طالب علموں کو اپنی ہی دولت کی خبریں یہ بھی فرمایا کہ اگر کتب درسیہ سیکھ کر پڑھیں تو بڑی قابلیت پیدا ہو — مگر اکثر طالب علم سمجھ کر نہیں پڑھتے۔

پھر فرمایا کہ قابلیت نے نصاب سے نہیں پیدا ہوتی۔ دیوبند کے تحریم نصاب سے نصیب ہوتی ہو... —

فرمایا کہ جب میں کانپور میں تھا تو وہ وقت ایسا تھا کہ وہاں کے مختلف علما میں باوجود اختلاف شرب کے اتنی تہذیب تھی کہ اگر کوئی شخص کسی مولوی کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو وہ کہہ دیتا تھا کہ فلاں مولوی صاحب کے پاس جا کر پوچھو یہاں تک کہ ایک شخص نے تنگ آکر ایک مولوی صاحب سے کہا کہ بس جی جب کوئی مولوی مسئلہ نہیں بتاؤ دوسرے ہی سے پوچھنے کو کہہ دیتا ہے تو اب میں پادری صاحب سے جا کر مسئلہ پوچھوں گا۔ جب میں نے یہ رنگ دیکھا کہ لوگ پریشان ہوتے ہیں بالخصوص ردیت ہلال کے متعلق جس کے فیصلے کی فوری ضرورت ہو تو میں نے مختلف علماء سے مل کر اور ضرورت ظاہر کئے کہ ان کی رضامندی لے کر مولوی محمد عادل صاحب کو جو سب سے زیادہ بڑے محدث تھے... امیر ہلال غور کر دیا اور اس کا اعلان کر دیا کہ ہلال کے متعلق جس کو جو کچھ پوچھنا ہو وہ انھیں سے جا کر پوچھے۔ اگر علماء کو بھی کچھ اختلاف ہو تو وہ بھی براہ راست انھیں کے پاس جا کر ان سے گفتگو کر کے خیارات طے کر لیں، غرض ہلال کے بارے میں انھیں کا قول، قول فیصل قرار دیا جائے تاکہ عوام میں تو تشویش نہ ہو، جس کے بہت بڑے نتائج مشاہدے میں آچکے تھے تو وہ وقت ایسا تھا کہ باوجود اختلاف مسلک کے سب علماء کو اس بات

پر متفق کیا جاسکا، آج کل ایسے اختلافات کے ہوتے ہوئے بھلا سب کا متفق کر لینا کہاں ممکن ہو؟  
 فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے یہاں حدیث کا درس ہو رہا تھا جب یہ حدیث اُنکی  
 ”من صلی رکعتین لا یحی حث فیہما نفسہ غفرلہ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ“  
 یعنی اگر کوئی شخص دو رکعتیں ایسی پڑھے جن میں حدیث النفس نہ ہو یعنی کوئی خیال نہ لائے تو اس کے گزشتہ  
 سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس پر ایک طالب علم نے یہ سوال کیا کہ کیا ایسی نماز ممکن ہے؟ اس کا ضابطہ  
 کا جواب تو اور ہے جس کا حاصل یہ ہو کہ خطرات کا آنا یہاں مراد نہیں بلکہ لانا مراد ہے۔ ارادہ اعتیادی  
 فعل ہو لیکن مولاناؒ نے ایک حکیمانہ جواب ارشاد فرمایا کہ میاں کبھی تم نے ایسی نماز پڑھنے کا ارادہ بھی کیا  
 تھا۔ جب نہیں کیا تو یہ سوال قبل از وقت ہو۔ جب ایسی نماز پڑھنے کی کوشش کرو اور دشواری پیش  
 آئے تب یہ سوال کرنا۔ پہلے کر کے دیکھو پھر ممکن ہونے اور ناممکن ہونے کو پوچھنا۔ غرض لوگ اپنی  
 اصلاح کا ارادہ ہی نہیں کرتے در نہ اصلاح کوئی ایسی چیز نہیں جو نہ ہو سکے۔ قصد سے اللہ تعالیٰ  
 سب آسان فرمادیتے ہیں۔ اور اصلاح معاشرت جس کا ذکر اس سلسلہ گفتگو کے آغاز میں تھا  
 اُس کے آسان ہونے کا ایک معین طریقہ یہ ہو کہ یوں غور کرے کہ جیسا معاملہ میں اس شخص سے کر رہا ہوں  
 اگر میرے ساتھ لوگ ایسا ہی معاملہ کریں تو مجھے تکلیف ہوگی یا نہیں؟ اور میں ایسی حالت میں کیا چاہوں گا  
 پس اگر صحیح ذوق ہو گا۔ تو اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ امر تکلیف دہ ہو یا نہیں؟.....

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں میں للہیت تھی اور اپنے بزرگوں کی اسی صفت پر  
 نظر کرنے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق دی۔ اور سب چیزوں کی کمی تو معاف بھی ہو سکتی ہو لیکن للہیت  
 کی کمی معاف نہیں ہوتی، اس سے درگزر نہیں کیا جاتا یعنی کمال میں اس کا شرط ہونا نظر انداز نہیں ہوتا۔  
 اگر کسی میں یہ چیز کم ہو تو یوں کہیے کہ اُس میں بہت کمی ہے۔ وہاں تو نہ تقریر کو کوئی پوچھتا ہے نہ تحریر کو  
 کوئی پوچھتا ہے نہ اوراد کو کوئی پوچھتا ہے۔ بس اصل چیز یہ ہے۔ اس کا جب غلبہ ہوتا ہو تو اس کا نام فنا  
 ہو۔ صوفیہ نے تو اس کا نام فنا رکھا اور اہل ظاہر کی اصطلاح میں اس کو للہیت اور اخلاص کہتے ہیں۔  
 صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا چیز زیادہ تھی۔ یہی للہیت اور خلوص در نہ کیا وہ سارے حضرات اصطلاحی  
 عالم تھے یا اُن حضرات سے عمل میں کوئی کوتاہی کبھی ہوتی ہی نہ تھی؟ مگر اسی للہیت اور اخلاص کی وجہ  
 سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک فرماتے ہیں اگر نصف دُیر اصحابی اللہ کی راہ میں دے

تو وہ غیر صحابی کے اُحد بہار کی برابر خرچ کرنے سے بھی افضل ہو۔ تو بات کیا ہو؟ یہ سو کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب نہایت مخلص اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں تیار تھے یہی اُمت میں کسی اُمت کو یہ باتیں (علی وجہ الاتم) نصیب نہیں ہوئیں۔ بلکہ اور لوگ تو بکثرت اپنے انبیاء سے اُمتی ہو کر بھی قیل و قال کرتے رہے اور یہاں اللہ اکبر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہیں کی۔

اپنے معمولات کے متعلق فرمایا کہ بضدِ رت عیسا جیسا تجربہ ہوتا گیا۔ تو اعداء و اباطخیز کرنا گیا اکثر سلطنت کا قانون بھی جیسا سخت بنایا جاتا ہو جب رعایا بد عنوانیاں کرتی ہو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کے نصاب سے فلسفے کی بعض کتابوں کو نام کے تعین کے ساتھ خارج کر دیا تھا کیونکہ حضرت اُن کو مضرت دین سمجھتے تھے کسی نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی شکایت کی کہ مولانا گنگوہی نے ان کتابوں کو حرام کر دیا تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت نے حرام نہیں کیا بلکہ تمہاری طبیعتوں نے حرام کیا ہو۔ خود تمہاری طبیعتوں ہی میں کجی ہو اس لیے یہ کتابیں مضرت دین ہو جاتی ہیں در نہ اگر طبیعت سلیم ہو تو یہ کتابیں بھی بھلے مضرت دین ہونے کے معین دین ہو جائیں۔

فرمایا۔ جب میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں تھا تو اُس زمانے میں ایک متمول دوڑ میں کانپور آئے۔ وہاں کے جتنے مدرسے تھے اُن سب کے متہم اور مدرسین اپنے اپنے طلبہ کو لے کر چندے کی غرض سے اُن رئیس کے استقبال کے لیے اسٹیشن پہنچے۔ مجھ سے بھی کہا گیا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں تو اپنے مدرسے سے ایک چڑیا کے بجائے کو بھی نہ جانے دوں گا میرے نزدیک مال سے زیادہ عزت ہو اور اس صورت میں عزت تو یقیناً برباد ہوگی اور مال کا ملنا محض تھکنے ہو۔ ممکن ہو کہ لی جائے اور ممکن ہو کہ نہ لے لے اور دوسری صورت میں عزت تو یقیناً محفوظ ہو چاہے مال لے چاہے نہ لے۔ غرض میں نے تو اپنے مدرسے میں سے کسی کو نہیں جانے دیا۔ دوسرے مدرسے والے گئے اور اپنی اپنی ضرورتیں ظاہر کیں لیکن انھوں نے سب کی درخواستیں سن کر کہا کہ میں نے سنا جو کہ یہاں ایک مدرسہ جامع العلوم بھی ہو اور اُس کا کوئی ذمہ دار نہیں اُس کے لیے میں دو تئو روپے سال مقرر کرتا ہوں۔ لیجئے اور سب کو تو جواب دیدیا اور ہمارے مدرسے کے لیے دو تئو روپے سال مقرر کر دیے پھر دو تئو روپے سال برابر آتے رہے۔۔۔۔۔

فرمایا کہ ایک بار حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے حجرے میں اپنے ایک شاگرد کے پاس تشریف لائے جن کے پاس چار پائی نہ تھی۔ مولانا اُن کے لیے خود بہ نفس نفیس گھر سے

چارپائی اٹھا کر لائے۔ ابھی لایا رہے تھے کہ اتفاق سے اُن شاگرد نے دیکھ لیا دوڑ کر چارپائی اٹھانے لگے۔ مولانا نے فوراً چارپائی چھوڑ دی اور فرمایا کہ تو تم خود ہی اس چارپائی کو لے جاؤ۔ یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ میں طالب علمی کے ختم تک اس خیال میں رہا کہ دنیا بھر کے علماء اسی شان کے ہوتے ہوں گے لیکن جب بارہ نکلا تو دیکھا اور کسی جگہ یہ رنگ ہی نہیں۔ اُس وقت اپنے حضراتِ اساتذہ کی قدر ہوئی کہ اسٹرکچر۔ یہ حضرات اپنی کہیں نظیر نہیں رکھتے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں کے اندر اوروں سے زیادہ سلطنت کرنے کی صفات موجود ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف، ازحم وغیرہ مگر میں کمی یہ ہے کہ اُن میں نظم نہیں اور نظم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اُن میں اتفاق اور اتحاد نہیں اور اتحاد و اتفاق کی بڑی ضرورت حاجی صاحبؒ نے عجیب فرمائی جس کی تمام عقلا و ذما کو بھی خبر نہیں فرماتے تھے کہ اتفاق کی بڑی توضیح ہو۔ اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر اتفاق کی کوئی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ نا اتفاقی اُسی سے تو پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہو اور اُس سے بڑھنا چاہتا ہو۔ سبحان اللہ کیا حقیقت ظاہر فرمائی ہے۔ اس پر ایک صاحب نے استفسار کیا کہ تو اضع کیونکر پیدا ہو؟

فرمایا کہ تو اضع اختیاری چیز ہے۔ دوسروں کے ساتھ تو اضع کا بڑا ذرا کرے خواہ نفس کو ناگوار ہو پس اسی سے تو اضع کی صفت پیدا ہو جائے گی اگر صفت بھی نہ پیدا ہو صورت عمل ہی تو اضع کے خلاف نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ اب تو یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا تسلیم کر لینے میں عار آتی ہو اور جب تک کسی کو بڑا تسلیم نہ کر لیا جائے مرکزِ مروت جو نظم کے لیے ضروری ہو قائم نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ یہ کہ تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ سب سے اول چیز تصوف میں تو اضع ہی کی تعلیم ہے جس کو اصطلاح میں فنا کہتے ہیں۔ عموماً تو تصوف میں فنا سب سے آخر مقام سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت سب سے اول مقام بھی فنا ہی ہے۔ اور سب سے آخر مقام بھی فنا ہی ہے کیونکہ فنا کے بھی درجات ہوتے ہیں باقی بدون فنا کے تو اس طریق میں کوئی شخص ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ لاکھ دھنیے پڑھے، لاکھ تسبیح پھرے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حجرِ دل میں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا میدان میں آنا چاہیے میں کہتا ہوں کہ حجر ہی میں بیٹھنے سے میدان کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ریڈیو حجر ہے ہی میں رکھا جاتا ہے۔ پھر وہی پر سے تقریریں نشر کی جاتی ہیں جن سے تمام عالم میں ہل چل پڑ جاتی ہے۔

اسی سلسلہ گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ بدون تواضع کے امیر کی اطاعت بھی نہیں ہو سکتی اور حکومت کے لیے اطاعت امیر لابدی ہو۔ مسلمانوں میں اس وقت بڑی کمی ایسی اطاعت کی ہو۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے تو ترجیح الراجح کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے کہ جس کو جو غلطی میری تصانیف میں ملے اُس سے مجھے مطلع کر دے تاکہ اگر مجھے اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے تو اُس سے بلا اعلان رجوع کروں چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں لغزش ہوئی ہو اُس کا دل کھول کر بہت فرارضی سے اقرار کیا ہوا اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے تاکہ جو قول جس کے حوالہ لگے وہ اُس کی اختیار کرے میں نے ہمیشہ یہی کیا کہ خواہ مخواہ اپنے قول کو نباہا نہیں۔ یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہو دیسے تو یہ خصلت اپنے سب سے اکابر میں تھی لیکن حبیب الرحمن صاحب مولانا میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں دیکھا نہ تھا۔ دورانِ درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لیے ہوئے جا پہنچے اور بے تکلف کہا کہ مولانا! یہ مقام میری کچھ میں نہیں آیا۔ ذرا اس کی تقریر تو کر دیجئے۔ چنانچہ بعد تقریر کے واپس آکر طلبہ کے سامنے اُن کو دہرا دیتے اور فرماتے کہ (فلاں) مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہو۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی، مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس ہی میں رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرن ایک ہی بار نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ کہہ کر جوش کے ساتھ بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔

حضرت مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ جن کی بڑی شان ہوتی ہو وہ کہیں ایسی باتوں سے گھٹتی ہو۔ اگر کسی کی ایک من شان ہو اور اس میں سے ایک تولہ گھٹ جائے تو اس کو اس کمی کی کیا پرواہ ہوگی؟ ہاں جس کی ایک پھٹانک ہی شان ہو اس میں اگر آدمی چھٹانک جاتی رہا تو اُس کے پاس پھر آدمی چھٹانک ہی رہ جائے گی۔۔۔۔۔ اکابر اپنی غلطیوں کے اقرار سے کبھی نہیں شرمائے۔ جھٹ بھی یہی شرماتے ہیں۔

فرمایا کہ۔ مجھے سب سے زیادہ محبت صوفیہ سے ہو پھر فقہاء سے پھر محدثین سے یہ ترتیب تو محبت میں ہو۔ بانی عظمت، سومیرے قلب میں سب سے زیادہ عظمت، علماء (اور محدثین) کی ہو بالخصوص فقہاء کی۔ اور محبت مجھے صوفیہ سے زیادہ ہو اُن کی طرف دل کو کشش، علماء سے

زیادہ ہے۔۔۔۔۔

فرمایا کہ حضرت امیر بن خلیلؑ اتنے بڑے عالم اور امام تھے لیکن پھر بھی حضرت بشیر عافیؒ کی خدمت میں جو اُمّی تھے جایا کرتے تھے۔ اسی نے اعتراض بھی کیا کہ آپ عالم ہو کر غیر عالم کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ فرمایا ہم تو عالم ہیں کتاب کے اور وہ عالم ہیں صاحب کتاب کے۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل مال کو مال پر اور اہل جاہ کو جاہ پر ناز ہوتا ہو۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تو جاہ کا نام کمال دہی رکھا ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا کسی کے متعلق دہم اور خیال ہو گیا کہ یہ صاحب کمال ہو بس اس کا نام جاہ ہو۔ یہ جاہ شخص دوسروں کے دہم اور خیال پر مبنی ہو۔ ذرا اُن کا خیال بدلا اور پھر کچھ بھی نہیں۔ بخلاف بزرگانِ دین کی جاہ کے کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے کو مٹا یا کچھ بڑھتے ہی چلے گئے۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اب پیر کا بھی اتنا ادب نہیں جتنا غیر متعلق بزرگوں کا پہلے تھا۔ اور آج (بعض) شیوخ کہ وہ بات سمجھتے ہیں جو پہلے دنیا داروں کو حاصل تھی۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دُعا پڑھنا نافع چیز ہے اور یہ دین میں اس قدر اہم خدمت ہو کہ انبیاءِ عظیم السلام کا اصل کام ہی تھا۔ دس دُعا دس دُعا وغیرہ۔ سب اسی کے مقدمے میں۔ اب آج کل علما نے تو اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اس لیے جاہلوں کے ہاتھ میں یہ کام چلا گیا۔ اور انھوں نے بزرگوں کو گمراہ کیا۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خود عمل نہ کرے تو کہنے میں قوت نہیں ہوتی اس لیے اثر کم ہوتا ہو۔۔۔۔۔ جو شخص خود تقویٰ اختیار کرنا ہو اُس کے کہنے کا زیادہ اثر ہوتا ہو بہ نسبت اُس کے جو غیر متقی ہو۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دو جملوں میں جو اثر ہوتا تھا وہ دوسرے داغظوں کی لمبی لمبی تقریروں میں بھی نہ ہوتا تھا جو اثر اُن کے اس جملے میں ہوتا تھا کہ ”خدا سے دُرو۔“ وہ دوسروں کے سالہا سال کے دُعا دُعا میں نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض بزرگوں میں اتنی شفقت ہوتی ہو کہ مخلوق کی اصلاح کی

خاطر احياناً اپنے معمولات میں بھی وہ تغیر و تبدل کر دیتے ہیں چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شفقت و اخلاق کی یہ حالت تھی کہ بعد نماز فجر لوگ گھیر لیتے آپ مجمع کی طرف رخ کیے دیویر تک بیٹھ رہتے یہاں تک کہ بعض دن تو اشراق اور اوراد و وظائف سب سوختہ ہو جاتے تھے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ میں چونکہ شانِ انتظام غالب تھی اس لیے، جہاں کسی معمول کا وقت آیا بس بلا کچھ کئے اٹھ کر چل دیے کسی سے عذر و معذرت بھی تو نہیں کرتے تھے۔ عشاء کے بعد جب سونے کا وقت آجاتا تو حاضرین سے بے تکلف فرما دیتے کہ جاؤ بھائی اگر ام کر داب میں سوؤں گا۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ایک دفعہ نظر کی نماز پڑھ کر جوش اُٹھا اور خلانِ وقت حضرت کی خدمت میں جا پہنچا۔ حالانکہ دوسروں کی راحت کا خیال رکھنا میرا ہر طبعی ہولیکن اس وقت حضرت، کچھ ایسے یاد آئے کہ میں خدمت میں حاضر ہو گیا اور حضرت کی تکلیف کا کچھ خیال ہی نہیں ہوا۔ اُن دنوں حضرت کے پاس کوئی نہیں تھا۔ حجرے میں تنہا بیٹھ ہوئے تھے اور سینے پر شمشوی شریف کھلی ہوئی رکھی تھی۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا اُٹھ بیٹھ اور بڑی بشارت سے پوچھی کہ اس وقت کیسے آئے میں نے عرض کیا کہ معاف کیجئے اس وقت صبح کا صبح ہوا اور خلوت میں فرق آیا۔ فرمایا نہیں نہیں کچھ حرج نہیں ہوا۔ خلوت اذخیار نہ از یار۔ (خلوت، غیروں سے ہوتی ہو دوستوں سے نہیں ہوتی)۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت بے اختیار دھاضری کو اُچھا اُٹھایا اس لیے بے وقت حاضر ہو گیا..... طالبین پر حضرت کی بڑی شفقت تھی۔ اسی وجہ سے حضرت سے بہت نفع ہوا۔ حلقہ شیرازی نے ایسے ہی بزرگوں کے متعلق کہا ہو

بندہ پیر خیر ابا تم کہ نطفش دائم است  
زانکہ نطفہ شیخ و راہ گاہ ہست و گاہ نیست

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل عوامِ داغظین کا بیان صاف اور پورا نہیں ہوتا۔ مبہم، مبہم اور ناتمام ہوتا جو جس سے بڑی بڑی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہی نعمتوں میں سے ایک نعمت قوتِ بیان یا کہ بھی خاص طور سے ذکر فرمایا جو چنانچہ سورہ الرحمن میں ارشاد ہو "خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بیان (اور تقریر) بھی ایک بڑی نعمت ہو اور اس کے خاص آداب ہیں جو کچھ کہنا ہو ان آداب کے تحت میں کہنا چاہیے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے کو بڑا گھنا سب سے بڑی دلیلِ خرابی و باغی ہو۔ بالخصوص دوسرے بزرگوں کے ہوتے ہوئے۔

# مولانا کریمت علی جوہر پوری رحمۃ اللہ علیہ

— اَوَر —

## اُن کا ترجمہ شامل ترمذی

(از مولانا حبیب اللہ صاحب ترمذی، ناظم جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ)

(۳)

مولانا کے تبلیغی کاموں کی

کامیابی کے اسباب

مولانا جوہر پوری کے تبلیغی کاموں کی اوپر جو تفصیل بیان کی گئی ہے اُن پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اصلاح و تبلیغ کا اتنا عظیم کام جو پوری ایک جماعت بلکہ ایک حکومت کے کرنے کا تھا وہ محض اُن کی ذات کے ذریعہ کیسے انجام پا گیا۔ ہنگال کے مسلمانوں کی اصلاح کا جو کام اپنے انجام دیا وہ بجائے خود بہت حسرت رائیگز ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ صوبہ ہنگال و آسام کے غیر مسلموں میں آپ نے وہ کامیابی حاصل کی جو دعوت و تبلیغ کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ صوبہ ہنگال جو خلیفہ ملت کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ نہ بن سکا اور جس کو عام طور پر جہنم پر از نعمت کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اُس کو مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ اور اہل ایمان کے ذریعہ جنت پر از نعمت کا نمونہ بنانے میں مولانا کی تبلیغی کوششوں کا بہت زیادہ دخل ہے، مگر انہوں نے کہ انگریزوں کو یہ صاحب کے عمل کے زنگوں سے جو بغض و عناد تھا اور ان سے جو عام مرعوبیت بھائی ہوئی تھی اس کے نتیجہ میں بہت کم لوگوں نے اُن کے سلسلۃ الذہب کی دینی خدمات کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ اب کیسے کہیں



ذکر آنے لگا۔ ہوا پر ذکر آچکا ہو کہ مولانا کے ہاتھوں پر بنگال و آسام کے لاکھوں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا جس کا اعتراف حال کے بہت سے تاریخ نویسوں نے بھی کیا ہو، الحاح، محراب، خاں ایم۔ اے اپنی کتاب سوانح خواجہ معین الدین چشتی میں لکھتے ہیں۔

”زوال سلطنت اسلامیہ کے باوجود بلکہ اس کے بعد اس کثرت سے مسلمان ہونا شروع ہوئے ہیں کہ مشرقی بنگال پورا پورا مسلمان ہو چکا ہو۔ یہ کوشش صرف ہون پور کے ایک بزرگ کی تھی جنھوں نے تھوڑے ہی دنوں میں ایک کروڑ سے زیادہ غیر مسلموں کو مسلمان بنادیا۔ آپ کا نام نامی مولانا ہوں گا کہ امت علی صاحبؒ تھا۔“

سیرت سید احمد شہید کے مصنف لکھتے ہیں :-

”صرف نووی کہ امت علی صاحبؒ جو نووی کی کوششوں سے جو آپ کے (سید صاحب)؟

کے مشہور خلیفہ تھے، بنگال میں لاکھوں آدمی شرف باسلام ہوئے“ سیرت سید احمد شہید

مختصر ایسا ان داخلی اور خارجی اسباب کی قدر سے تفصیل کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا جو جن کی بنا پر مولانا کی سعی دعوت و تبلیغ سعی مشکور ثابت ہوئی۔ توفیق الہی کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے ان اسباب کو اختیار کیے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔

## اخلاص و لہیت

دعوت و تبلیغ کی راہ کا سب سے قیمتی زاد راہ اخلاص و لہیت ہے اور خدا تعالیٰ نے اس دولت سے مولانا کو پورے طور پر نوازا تھا، مولانا جو نویر

کے ممتاز خاندان کے فرد تھے۔ ان کی پرورش بڑی ناز و نعمت میں ہوئی تھی، خاندانی دجا بہت کی وجہ سے عوام سے رابطہ کی ذمہ داری کم ہی آتی تھی مگر ان کا اخلاص اور غایت درجہ کی لہیت ہی تھی کہ اس عیش و آرام کو چھوڑ کر بنگال اور آسام کے دور دراز مقامات کی خاک، پھانی اور سارے اعزاز و اکرام کو بالائے طاق رکھ کر اور ہزار ہا مشقتیں اور زحمات اٹھا کر دین حق کی ”صدائے غریب“ کو بنگال و آسام کے جاہل عوام کے لیے مانوس بنادیا اور پھر اس صدائے دل نواز کو ان کے کانوں سے آواز کر دلوں کی گہرائی تک پہنچادیا مولانا کی لہیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہو کہ جب وہ مرجع خلائق بن چکے تھے۔ اسی اثنا میں بنگال میں ایک عربی قادی آگئے مولانا پہلے سے تجوید قرأت سے واقف تھے مگر ان کے سامنے ان کے تلمذ تہہ کر کے ان سے سبقاً سبقاً تجوید قرأت کے شعبہ کی تکمیل کی اور پھر اس فن میں کئی کتابیں لکھیں، مولانا

کے کچھ اقوال ہم آخر میں نقل کریں گے جس سے ان کے زہد، اتقا اور اخلاص و دلالت کا اندازہ ہوگا۔

(۲) دوسری چیز جو مولانا کے کاموں میں معنوی سہارا بنی وہ تھی حضرت سید صاحبؒ کی دعائے خاص۔ مولانا جو پوری حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سید صاحبؒ نے چند ہی دن میں ان کی دعوتی صلاحیت کا اندازہ فرمایا اور شوقِ جہاد کے باوجود ان کو دو ہفتہ بعد یہ دعا اور حکم دے کر رخصت فرمادیا کہ ”خدا کی رحمت سے کام ہو گیا اور بہت جلد ہو گیا۔ اب ہدایت کے کام میں لگ جاؤ۔“ چنانچہ اس دعا اور حکم کا یہ اثر ہوا کہ مولانا اس کے بعد اسی کے ہو رہے۔ مولانا نے دعوت و تبلیغ کے لیے بنگال و آسام کے غربت گردہ کا انتخاب حضرت سید صاحبؒ کے حکم ہی سے کیا تھا۔

(۳) ان معنوی اسباب کے ساتھ مولانا نے اس راہ میں جو غیر معمولی محنت، مجاہدہ اور استقامت کا ثبوت دیا جو اس سے اسلام کی یا اندازہ ہو جاتی تھی اور یہی وجہ ہو کہ شہیدِ مولانا کے باوجود ان کو کام کسی آن بھئی کر کا نہیں۔ مولانا نے خود اپنی محنت و مشقت اور مجاہدہ کے واقعات بہت کم نقل کیے ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں میں ضمناً جو اشارات مل جاتے ہیں ان سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ ایک جگہ سفر کی تکالیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اب کی بار سفر میں چند روز کچھ ظاہری تکالیف ایسی ہوتی تھیں کہ بعض ہمارے بیوں کو کچھ سواں

آگیا مگر ہم کو اللہ نے استقامت کے ساتھ رکھا تھا۔“

ادھر ذکر آچکا ہو کہ بے اوقات کئی کئی دن ایلے کدو پر پورا قافلہ گزر کر رہتا تھا۔

مولانا کے سفر کے سارے اخراجات ان کے متوسلین برداشت کرتے تھے مگر بے اوقات قرض کی قوت بھی آجاتی تھی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”اس فقیر کے ساتھ کئی بوٹ ہیں اور ایک سو روپے روزانہ کا خرچ ہو اور بعضے مقام

پر لوگ دعوت دے کر فقیر کو لے گئے مگر ان لوگوں نے نہ سمجھا اور فقیر مقرر ہو گیا۔“

دورانِ سفر میں آپ پر کاموں کا کتنا ہجوم رہتا تھا اس کا اندازہ مولانا کے پوتے مولانا عبدالباقی صاحب کے بیان سے ہوتا ہو وہ لکھتے ہیں۔

”مولانا کو یہ سلسلہ تبلیغ ایک وقت میں بہت سے کام ایک ساتھ انجام دینے پڑتے تھے

مثلاً عام مسلمانوں کو حفظ و نصیحت کے ذریعہ باعمل مسلمان بنانا، بے شرع فقیروں، باغی بیروں

کا استیصال، وحدت وجودی عقیدہ والوں کا دُعا رجمی گروہ کی بدعتیگی کی روک تھام اور ان کے عقائد کے بطلان میں رسائل کچھ کرنا، ضروریات دین کی کتابوں کی تالیف، تصنیف، استفادوں کا جواب، غلط اور گمراہ کن فتاویٰ اور رسالوں کا رد لکھنا، طالبین کو ذکر و اذکار اور سلوک کی تعلیم دینا، فنِ تصوف میں کتابوں کی تالیف و اشاعت، طلباء کو تجویزِ قرآن کی تعلیم، مبلغین کو خاص ہدایت کے ساتھ بنگال و آسام کے گوشوں میں روانہ کرنا، اور ان کی نگرانی بھی کرنا، جس جگہ ضرورت محسوس ہوئی وہاں مسجد، مدرسہ قائم کرنا، اور اس کی کفالت کے لیے لوگوں کو مستعد کرنا، خود اپنے قافلہ کی جس میں عورتیں اور بچے، طلباء، اہلکار، ترجمان، ملازم، خدام ہوتے ان لوگوں کی یکہ خیال اور ان کے حقوق و راحت کا خیال کرنا، خود اپنے معمولات باطنی کو پابندی سے ادا کرنا، مغرضیکہ مولانا ایک ایسے مردِ مجاہد تھے کہ جن کے جسم کا ہر عضو غور و خوض دین و خلق کے لیے وقف تھا، اوٹھل مشین کام کر رہا تھا۔ دل دماغ اور کل اعضاء و جوارح اپنے اپنے فرائض میں مشغول تھے جس کام کی انجام دہی کے واسطے ایک دفتر و عملہ کی ضرورت تھی اس کو وہ فنِ تنہا انجام دے رہے تھے اور اپنے خزانہ کو کل سے تمام کثیر اخراجات کے خود ہی کیس تھے۔

(۴) مولانا اپنے کاموں میں جن وجوہ سے کامیابی ہوئی ان میں ایک بڑا سبب اُن کا اعتدال و توازن اور سادہ انداز بیان تھا۔ مولانا نے جس وقت اپنا کام شروع کیا اس وقت بنگال میں نہ جانے کتنے فتنے سر اٹھائے ہوئے تھے مگر مولانا ان فتنوں سے ہمیشہ صرفِ نظر کر کے اپنے کام میں مشغول رہتے۔ البتہ جہاں ناگزیر ہو جاتا وہاں اپنا جذبان کھولتے اور قلم کو حرکت دیتے۔ چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں جو اہلِ باطل کے رد میں کتابیں لکھیں ہیں وہ انتہائی مجبوری کی بنا پر چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”جس گمراہ کرنے والے نے ہزاروں آدمی کے دین کو برباد کر دیا اور سینکڑوں ملک کو بغیر خزانہ کی گناہ کے دفن کر دیا سو بوجہِ حکمِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کا ذکر ہم نام لیکے کر دیتے ہیں تاکہ لوگ اس کے فساد سے محفوظ رہیں۔ وہ حکم یہ جو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم لوگ باز رہتے ہو پکار کے ذکر کرنے سے معنی ایمان نہ کرو بلکہ بیان کرو ناجبر کو اس کے عیب کے ساتھ جو اس میں جو تا کبر پزیر کریں لوگ اس ناجبر سے۔“

مولانا نے ہمیشہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ سے گریز کیا مگر با اوقات اس کی ضرورت پیش آتی تو

مناظرہ بھی کر لیا کرتے تھے مگر ان کو خدا نے جو دعوت و تبلیغ کا ایک فطری اور سادہ انداز بیان دیا تھا زیادہ تر وہ اسی سے کام لیتے تھے ان کے سادہ انداز بیان کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔  
 اوپر ذکر کیا کہ جو کہ بنگال میں ایک گروہ منکرین جمعہ کا پیدا ہو گیا تھا وہ اسے دار الحرب کہہ کر جمعہ کا انکار کرتا تھا اور مولانا کا شدید مخالف تھا۔ بولنا ان کے ایک مرکز میں ایک بار نماز جمعہ اور فرامی اور پھر یہ تقریر کی۔

”خواہ مخواہ لوگ ہم کو کہتے ہیں کہ ہم نئی بات ایجاد کرتے ہیں۔ ہماری نئی بات یہی ہے کہ ہم نماز کا حکم دیتے ہیں اور جمعہ قائم کرتے ہیں اور جو لوگ اس ملک میں جمعہ کو بالکل ناجائز بتلاتے ہیں۔ ہند اور بنگال کو دار الحرب کہہ کر جمعہ کی فرضیت کے منکر ہیں اور جمعہ پڑھنے سے زبردستی لوگوں کو روکتے ہیں ان سے ہم مناظرہ کرتے اور نماز جمعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اب تم لوگ بتلاؤ کہ یہ سچ کس نے بنایا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ شجاع بادشاہ نے بنوایا ہے؟ پوچھا کہ کس واسطے بنوایا؟ کہا نماز کے لیے پھر فرمایا کتنے روز ہوئے اس مسجد کو بنے ہوئے؟ عرض کیا گیا کہ سینکڑوں برس گزر گئے، تو فرمایا کہ ممبر مسجد میں کس لیے بنایا ہے؟ کہا گیا خطبہ پڑھنے کے لیے، فرمایا خطبہ کب پڑھتے ہیں؟ کہا گیا جمعہ کو۔ فرمایا کہ تو معلوم ہوا کہ یہ مسجد قدیم ہے اور ممبر بھی قدیم ہے اور جمعہ کا چرچا اور رواج بھی قدیم کی صورت پنج میں لوگوں کی سستی سے جمعہ کی نماز متروک ہو گئی تھی جس کو ہم پھر جمادی کرتے ہیں اور قدیم بات کو یاد دلاتے ہیں۔ پھر فرمایا دیکھو وہی سینکڑوں برس کی بات کو پھر ہم جمادی اور تازہ کر رہے ہیں اور بھولے ہوئے مسائل کو یاد دلارہے ہیں۔ ہماری بات نئی نہیں بلکہ پرانی اور قدیم ہے۔“

۵۵۔ مولانا کی دعوتی اور تبلیغی کامیابی پر اس حقیقت سے اور زیادہ حیرت ہوتی ہے کہ مولانا بنگلہ زبان سے واقف نہیں تھے پھر بھی بنگالیوں میں ان کو یہ کامیابی کیسے ہوئی۔ اس کمی کو دور کرنے کے لیے مولانا نے دو طریقے اختیار کیے۔ ایک تو اس دیار میں اردو کو رواج دیا اور لوگوں کو اس سے مانوس کیا اور اپنی کتابوں کے ذریعہ ان کی اصلاح کی۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی اردو اور بنگالی کی شدید عصیت کے باوجود بنگالیوں کی دینی مجلسیں اردو زبان ہی میں ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ بہت سے بنگالی علما کو اردو زبان سکھا کر اپنی ترجیح پر مابہرہ کیا اور بہت سے لوگوں کو در دراز مقامات پر تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ چنانچہ آج بھی مولانا کے بہت سے خلفاء کے نام اہل بنگال کی زبان پر ہیں۔ ان خلفاء کے ناموں کی تفصیل آگے آئے گی جو مولانا کی ترجیحی

کے فرائض انجام دیتے تھے یہی حضرات غالباً غیر مسلموں کو مولانا کے قریب لاکر ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنے۔

(۶) مولانا کے دعوتی کاموں میں ایک اور خارجی چیز تعاون ثابت ہوئی وہ تھی مولانا کے والد محترم کا جذبہ ایشاد و قربانی مولانا جس وقت بنگال روانہ ہوئے تو صاحب اہل دعیاں ہو چکے تھے مولانا کے والد مولانا ابو ابراہیم شیخ امام بخش باحیات تھے اور عمر رسیدہ ہو چکے تھے مگر جب مولانا نے حضرت سید صاحب کے ارشاد کے مطابق دعوت و تبلیغ کی غرض سے بنگال داسام کے سفر کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے شفقت پدری کے باوجود ان کو ایک دن بھی اس سے نہیں رد کا اور جہانے کے بعد ۱۸ برس تک ان کی واپسی نہیں ہوئی ادھر اہل خاندان برابر مولانا کے والد صاحب پر زور ڈال رہے تھے کہ ان کو جو نیور واپس بلانے کے لیے خط لکھیں مگر ان کے والد صاحب ہمیشہ اس کو ناتے رہے یہاں تک کہ ۱۸ برس کے بعد وہ خود واپس ہوئے تو وہ بچہ خوش ہوئے مگر ان کی واپسی کی خوشی ان کو کس حیثیت سے ہوئی اس کا اندازہ ان کے ان تاثرات سے ہوتا ہے جو انھوں نے ان کی واپسی پر ظاہر کیے۔

ان کے والد نے اہل خاندان اور حاضرین سے (جو اس وقت ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے) مخاطب ہو کر فرمایا۔

بعض لوگوں کو تعجب تھا کہ حضرت سید صاحب نے اول ہی ہفتہ گزر جانے پر مولوی صاحب سے (مولانا کے امت صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہہ دیا کہ ”ہدایت کے کام میں لگ جاؤ“ پھر اٹھارہ یوم کے بعد اجازت و خلافت بھی عطا فرما کر نصرت فرمادیا اور پھر جہاد میں جاتے وقت ان کو صوبہ بنگال کی تبلیغ کا کام سپرد فرمایا اور ان کے ارشاد کے موافق کابل بند ہوئے۔ اب بتلاؤ کہ یہ ان کا سفر کتنے دن کا ہوا اور کتنے دنوں کے بعد واپس ہو کر حاضرین سے ملے؟ سبہوں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا پورے اٹھارہ برس کے بعد تشریف لائے اور خدا کے فضل و کرم سے عیال و اطفال کی ایک جماعت ماثرا اشرار کے آئے مولانا کے والد مرحوم نے فرمایا اب دیکھو حضرت سید صاحب کے فیوض و برکات کا اثر کہ ان کی صحبت کا ایک ایک دن ایک سال کی تبلیغی قوت رکھتا ہے جو شاہد ہے جو تمام احباب و مخلصین مجھ سے فرمائش کرتے تھے کہ تم مولوی صاحب کو لکھو کہ مدرس گزرتی گزرتی جا رہی ہیں۔ آپ جو نیور والوں کو بھول گئے۔ اطراف و جوانب کے مریدین امید دیاں کے عالم میں منتظر ہیں مگر میں نے کبھی

اُن کے سفر کے انقطاع کا حکم نہیں لکھا۔

ان تاثرات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے والد کے اندر دعوت و احیائے دین کا کتنا بے پایاں جذبہ موجود تھا کہ دین کے لیے اپنے محبوب لخت جگر کی مفارقت انھوں نے ایک دو دن نہیں بلکہ پورے اٹھارہ سال برداشت کی اور پھر تھوڑے دن کے بعد انھیں پھر رخصت کر دیا اور اسی زمانہ مفارقت میں داعی اہل کولیک کہا۔ انشراح پر جموں کی بادش کر۔

(۷) اس سلسلہ میں سید صاحب کے وہ خلفاء جو کلکتہ اور جگن دیگرہ میں موجود تھے وہ بھی مولانا کے کالوں میں بے حد معاون ہوئے۔ ان میں حسب ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا حافظ جمال الدین صاحب، محضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدرس ادل مدرسہ عالیہ قاضی

عبدالباری صاحب وغیرہ۔

ان حضرات نے مولانا کے کالوں میں پورا تعاون کیا اور ان کو ہر طرح کی مدد بہم پہنچائی۔  
(۸) اس کام میں مولانا کے سیکرٹریوں علامہ اور متوسلین بھی شریک تھے جن کے ناموں کی تفصیل باوجود کوشش نہ مل سکی۔ مولانا کے اہل خانہ ان میں اُن کے تقریباً ۶۰-۷۰ خلفاء و متوسلین کے نام محفوظ ہیں اُن میں چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا انوار اشرف صاحب مصنف شوارق مکیہ۔ یہ چانگام کے رہنے والے تھے، اور مولانا کے خلیفہ خاص تھے، اور آپ کے شریک کار۔

۲۔ مولانا سید محمد شاہ محدث رام پوری، ریاست رام پور کے سابق قاضی مولانا حامد شاہ صاحب کے یہ والد ماجد تھے۔ اور مولانا کے کالوں میں برابر شریک رہے۔ رام پور کے علاوہ بنگال کے علاقہ چائیا اور ناگور وغیرہ کے لوگوں کو ان سے بہت فیض پہنچا۔

۳۔ مولانا عبدالعزیز صاحب، یہ ضلع فرید پور کے مقام طفت گنج کے رہنے والے تھے، یہ مولانا کے ترجمان خاص تھے۔ مولانا کی اردو تحریروں کا بنگلہ زبان میں ترجمہ بھی کرتے تھے۔ خود بھی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

۴۔ منشی نعمت اللہ صاحب، احمد پور یا نبا کے رہنے والے تھے۔ آپ نے مولانا کے ارشاد کے مطابق بگڑہ، رنگت چور، سران گنج اور گوکندہ وغیرہ میں زبردست تبلیغی کام کیا، نوکندہ میں آپ

نے ایک بڑی مسجد تعمیر کرائی تو ۲۰۔۲۵ میل سے لوگ اس میں جمعہ ادا کرنے آتے تھے۔

(۵) قاری محمد جاوید صاحب، یہ سلٹ کے رہنے والے تھے، اور مولانا کے خاص جہاں شادوں میں تھے۔ یہ آسام کے ایک اونچے خاندان کے چشمہ چرواغ تھے۔ ان کے صاحبزادے شمس العلماء ابو نصر صاحب آسام کے وزیر تعلیم رہ چکے ہیں۔

(۶) مولانا احسن اللہ صاحب اور منشی حاجی عبد الرحیم صاحب دونوں حضرات مولانا کے بوٹ کے گشتی مدرسہ کے فیض یافتہ تھے۔ اول الذکر بڑے جید عالم تھے، اور ان کے بعد بھی ان کے خاندانوں میں مدتوں علم دین اور دعوت دین کا چرچا رہا۔

۷۔ ان کے علاوہ مولانا فیض اللہ صاحب ڈاکھالی، مولانا الہی بخش صاحب فتادی و دام اللہ بن مولانا عبدالقادر صاحب مصنف خلاصۃ المسائل وغیرہ۔ مولانا کے ان خلفائے تبلیغ و اصلاح میں مولانا کا پورا تعاون بھی کیا اور خود بھی پورے پورے علاقہ میں زبردست دعوتی و اصلاحی کام کیا۔

۸۔ مولانا کے خلفاء و متوسلین کے ساتھ ان کے اہل خاندان اور خاص طور پر ان کے دو صاحبزادگان نے مولانا کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی بڑا زبردست و اصلاحی کام کیا، ایک مولانا احمد نظام احمد صاحب توفی ۱۳۶۲ھ دوسرے مولانا عبداللہ صاحب توفی ۱۳۶۲ھ ہیں۔ مولانا حافظ احمد صاحب کی ولادت کلکتہ میں مولانا کے آٹھ قیام ہی میں ہوئی، عظیم فضل، زہد و تقویٰ اور تبلیغ و دعوت میں مولانا کے نقش ثانی تھے اور ان اوصاف اور خدمات کی وجہ سے عوام میں حرد و رجہ مقبول تھے۔ ان کے عقیدتمندوں میں ہندو، مسلمان اور عیسائی سب شامل تھے۔ ان کے کاموں اور درودوں کی خبریں کلکتہ اور بنگال کے سارے اخبارات جلی سرخیوں سے شائع کرتے تھے ایک بار کلکتہ میں مولانا کے گرد دعا کرنے والوں کا غیر معمولی مجمع ہوا، اور مولانا نے ہزاروں کو پانی میں کالادیرہ دم کر کے دیدیا، جس سے نہ جانے کتنے مریض شفا یاب ہوئے۔ ایک شاعر نے اس پر یہ شعر کہا صر

دکھایا اثر کالی زیرہ نے جب پرستش گئے بھول کالی کی سب

مولانا احمد صاحب کا انتقال ڈھاکہ میں ہوا، اور وہیں چوک والی مسجد میں آپ کا مزار ہے۔ مولانا کے دوسرے صاحبزادے مولانا عبداللہ صاحب دعوت و تبلیغ کے ساتھ متعدد اہم کتابوں کے مصنف بھی ہیں جن میں بعض کتابیں عربی زبان میں ہیں، آپ کا انتقال کلکتہ میں ہوا اور انک تلہ میں آپ کا مزار ہے۔ ان کے خاندان کے بہت سے حضرات آج تک تبلیغ و اصلاح کا کام جاری کیے ہوئے ہیں۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ کچھ خارجی اسباب جو مولانا کے دعوت و تبلیغ کے کام میں معاون ثابت ہوئے دائرہ علم بالاصواب۔

(باقی)

## دَرسِ قرآن

مرکزِ والی مسجد - ۱۲ جون ۱۹۷۱ء

مولانا محمد منظور نعمانی

# ”نبی اُمّی“ کے مبعوث ہو جانے کے بعد

## اُن پر ایمان اور اُن کی شریعت کی پیروی نجات و فلاح کی شرط ہے

حمد و صلوات، اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَحْدُثُ لَهُ مَا يَكْتُوبُ أَفَعَيْنَدَهُمْ  
فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَحِيلَ لَهُمُ  
الطِّبَابُ وَيَحْرِمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي  
كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ  
الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (الاعراف ع ۱۹)

جو لوگ پیروی کرتے ہیں (خدا کے) اُس پیغمبر کی جو نبی اُمّی ہے جبکہ وہ لکھا جاتا ہے میں اپنے ان  
تورات اور انجیل میں جو ابھی پسندیدہ باتوں اور نیک کاموں کی ان کو ہدایت کرتا ہے اور بری باتوں  
اور نا پسندیدہ کاموں سے ان کو منع کرتا ہے اور انھیں پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتا ہے اور  
خراب گند چیزوں کو ان کے لیے حرام ٹھہراتا ہے اور اُن کے پیچھے (جہاں کے نیچے وہ بے ہوئے تھے)  
اور وہ بندشیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے ان سے دور کرتا ہے۔

پس جو لوگ اس نبی اُمّی پیغمبر پر ایمان لائے اور انکی تائید و حمایت کی اور (اسکے پیغمبرانہ مشن میں)  
اسکے مددگار ہوئے اور اُس فہم ہدایت کی انھوں نے پیروی اختیار کی جو (خدا کی طرف سے) اس پیغمبر پر نازل کیا  
ہے تو یہی لوگ فلاح یاب اور بابرار ہیں۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷)



## تفسیر و تشریح

یہ سورہ اہران کے ۱۹ دیں رکوع کی آخری آیت ہو۔ اس سے اوپر کی آیاتوں میں جو پچھلے ہفتہ زیر دروس تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ اور ان کی ایک اہم دعا کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جواب کا ذکر کیا گیا تھا۔ واقعہ یہ ذکر کیا گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل میں سے ستر نامزدے منتخب کر کے اپنے ساتھ مقررہ وقت پر اُس مقام پر گئے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ ان نامزدوں کو ساتھ لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت دی جائے اس کو یہ لوگ بھی ممکن حد تک دیکھ اور سن سکیں۔ پھر خود ان کے دلوں میں اطمینان و یقین پیدا ہو اور ان کے شہادت دینے اور بتانے سے قوم کے عوام میں بھی اطمینان و یقین پیدا ہو۔ لیکن ہوا یہ کہ بنی اسرائیل کے ان نامزدوں نے خدا کی قدرت کی کھلی نشانیاں بھی دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو جو ہدایت دی گئیں اُس کو بھی سنا لیکن مزاج کے فساد اور شرارت و سرکشی کی وجہ سے، یہ سب کچھ دیکھنے، سننے کے بعد بھی کہا کہ ہم اُس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ خدا کو کھلم کھلا ہم اپنی بہن سے نہ دیکھ لیں۔ (کُنْ تُوْمِنَ لَاکَ حَتّٰی تَرٰی اللّٰہَ جَہْرَۃً)

ان کی اس گستاخی پر خدا کا جلال ظاہر ہوا۔ نیچے سے ”رجفہ“ یعنی سخت ہولناک بھونچال آیا اور اوپر سے ”صاعقہ“ یعنی بجلی کا ایسا کرکڑا ہوا جس سے دل پھٹ جائیں۔ اُس سے یہ سب لوگ مُردوں کی طرح گر پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام نے گرا کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ خداوند اے مالک و ممتاز ہو۔ تجھے ہم سب کو ہلاک کر ڈالنے کا بھی پورا حق ہو۔ اور تو چاہتا تو میری قوم کے ان گستاخوں کی گستاخی سے پہلے اور اس جرم کے بغیر ہی انھیں اور ان کے ساتھ مجھے بھی ختم کر سکتا تھا۔ کوئی تیرے فیصلہ کو رد نہیں سکتا تھا (رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَکْتَهُمْ مِنْ قَبْلِ وَاٰتِیَی)۔ لیکن تو نے ہمارے بہت سے قصور و ادواتا ہیوں کے باوجود ہمیں ہلاک نہیں کیا بلکہ ہمیں برابر انعامات سے نوازتا رہا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہو کہ میری قوم کے ان جاہلوں بے وقوفوں کی ایک جاہلانہ اور احمقانہ حرکت کی وجہ سے آج تو ہم سب کو ہلاک کر دے۔ یعنی یہ بات تیری شان کریمی سے بعید ہو۔ اس لیے مجھے یقین ہو کہ یہ جو تیری طرف سے جلال کا ظہور ہوا ہے یہ ہمارے لیے بس ایک آزمائش اور غیبیہ ہو۔ رَاٰهُمْ لَمَّا فَعَلَ الشُّعْرَاءُ مِثْلَٰنِ هٰذَا اِلَّا فِتْنَتُکَ فِضْلٌ بِهَآ مِنْ نِّسْآءِ

وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ط — اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ان تصور واردوں کے لیے بلکہ ان کے ساتھ پوری قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ التجا کی۔

أَنْتَ وَلِيِّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ه وَكُتِبَ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ط

یعنی خداوند اے تو ہمارا ولی اور کارساز ہو۔ پس ہم کو بخش دے اور رحم فرما۔ تو سب سے اچھا بخشے والا ہو اور لکھ دے ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی اہم تیری طرف رجوع ہو گئے ہیں یعنی ہم نے سب طرف سے لکھو ہو کہ تیری طرف رخ کر لیا ہو اور تیری بندگی اور فرمانبرداری کا ارادہ کر لیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جواب میں فرمایا گیا۔

عَدَايَ أَصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط هَآءَا كُتِبَهَا لِلَّذِينَ يُتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ه

مطلب یہ ہو کہ میرے ہاں عذاب بھی ہو اور رحمت بھی لیکن عذاب سب کے لیے نہیں ہو۔ یہاں تک کہ سارے مجرموں اور گنہگاروں کے لیے بھی نہیں ہو۔ بلکہ صرف ان مجرموں کے لیے جو جن کو میں عذاب دینے ہی کا فیصلہ کروں۔ یعنی جو اپنے سنگین جرموں کی وجہ سے معافی کے قابل ہی نہ ہوں بلکہ میری رحمت ہر چیز کو محیط ہو۔ کوئی شے نہیں ہو جسے میری رحمت سے کچھ نہ کچھ حصہ نہ مل رہا ہو، لیکن اے موسیٰ! جس رحمت خاصہ کی تم نے استدعا کی ہو کہ دنیا میں بھی حسنہ یعنی میرا فضل خاص ہو اور اسی طرح آخرت میں بھی مخصوص رحمت و کرم ہو تو یہ پیر کسی خاص نسل یا کسی خاص طبقہ کے لیے مخصوص نہیں ہو اور نہ مخصوص کی جا سکتی ہو بلکہ یہ ان بندوں کا حصہ ہو جن میں بنیادی طور پر تین صفات ہوں ایک یہ کہ ان میں تقویٰ اور پرهیزگاری ہو یعنی وہ سب بری باتوں اور برے کاموں سے بچنے اور پرهیز کرنے کا اہتمام کرتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ زکوٰۃ دیتے ہوں۔ جو اکثر دنیا والوں کے لیے سب سے مشکل کام ہوتا ہو اور تیسرے یہ کہ ہمدردی ساری آیتوں پر ایمان لائے ہوں یعنی ہمارے سارے فرمانوں اور حکموں کو دل و جان سے ماننے ہوں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کا جواب ہوا جس کا حاصل یہ ہوا

کہ ہماری رحمت کا یہ خاص درجہ کہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہمارا خصوصی فضل و انعام ہو۔ یہ ان دُعا دار اور اطاعت شعار بندوں کے لیے طے شدہ ہو جو زندگی میں تقویٰ کا طریقہ اختیار کریں اور اپنی دولت اور کمائی اشرکِ رضا کے واسطے قربان کریں اور اشرک کے تمام فرامین اور احکام کو مانیں، تو قوم بنی اسرائیل میں سے جو لوگ رحمت الہی کا یہ خاص درجہ حاصل کرنا چاہیں وہ اپنے اندر یہ تین باتیں پیدا کریں، انکو یہ درجہ مل جائے گا۔

اس کے بعد رکوع کی یہ آخری آیت ہو جو میں نے اس وقت آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہو۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الَّذِيْ اَلَمَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمُ فِي التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيْلِ..... الآية

بہت سے مفسرین کی رائے یہ ہو کہ اوپر والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی استدعا کا جو جواب دیا ہو، یہ کہتے بھی اسی کا جُز ہو اور اس میں رحمت الہی کا خاص درجہ پانے والوں کی چوتھی صفت یہ بیان کی گئی ہو کہ وہ بنی امتی (یعنی آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیں اور انکی پیروی کریں لیکن میرے نزدیک دوسرے مفسرین کی یہ رائے قابلِ ترجیح ہو کہ اس آیت میں ایک دوسرے مستقل اہم اعلان کیا گیا ہو۔ اور اس کے مخاطب موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بنی اسرائیل یعنی وہ یہود و نصاریٰ اس کے خصوصی مخاطب ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا پیغمبر مانتے تھے اور اپنے کو خدا کی خاص رحمت اور اس کے خصوصی فضل و انعام کا مستحق سمجھتے تھے، تو اس آیت میں دراصل انھیں کو بتایا گیا ہے کہ اب جبکہ خدا کی طرف سے وہ ”الرَّسُوْلُ“ اور ”الَّذِيْ“ (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہو گئے جن کا ذکر تمہاری مقدس، الہامی کتابوں تورات و انجیل میں موجود ہے اور ایسا تفصیلی ذکر موجود ہے کہ گویا وہ خود ہو ہو اس میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں ان مقدس کتابوں کے صفحات میں ان کو دیکھ رہی ہیں اور پارہی ہیں۔

”وَلَا يَجِدُوْهُ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيْلِ“ — تو اب ان کے مبعوث ہو جانے کے بعد دنیا اور آخرت میں فلاح و کامیابی کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و انعام کے لیے یہ بھی لازمی شرط ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے اور جو نور ہدایت اور شریعت وہ لے کر آئے ہیں اُس کا اتباع کیا جائے اور راہِ خدا کی ہدایت کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیا جائے کیونکہ اس دور میں وہی خدا کے

رسول اور خدا کی مرضی کے نام نہ دے ہیں اور اب خدا کی رحمت اور رضامندی ان کی پیروی سے وابستہ ہی ہے اس دور میں جو ان پر ایمان نہیں لائے گا اور ان کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی نہیں کرے گا وہ فلاح و نجات سے محروم رہے گا۔ میرے نزدیک اس آیت کا یہی پیغام ہے اور اس کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ایک اہم منشور اور اعلان کی ہے۔

اب ذرا اس آیت کے الفاظ پر کسی قدر تفصیل سے غور کر لیا جائے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو صفیں بیان کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے کہا گیا ہے الرَّسُولُ النَّبِيُّ۔ پیغمبروں کو دو حیثیتیں حاصل ہوتی ہیں، یا یوں کہا جائے کہ ان کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام بندوں کو پہنچاتے ہیں، اس لحاظ سے ان کو رسول کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور عالم آخرت اور عالم غیب کی بہت سی باتوں کا اور ہدایت و احکام کا علم وحی و الہام کے ذریعہ ان کو عطا فرماتا ہے، اس لحاظ سے ان کو نبی کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں حیثیتوں کو ظاہر کرنے کے لیے الرَّسُولُ بھی کہا گیا ہے اور النَّبِيُّ بھی، تیسری صفت الْأَخْيَرُ بیان کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وراثتِ خاندانی یعنی ٹھکانے کے لحاظ سے آپ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، اس لیے آپ کے علوم کسی اُستاد اور کسی کتاب سے حاصل کیے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے ہیں۔ چوتھی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ "الَّذِي يَخُودُ وَنَهَ مَكْتُوبًا" عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ ان کو اپنی الہامی کتابوں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہو کہ یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ ان کا نام لکھا ہوا پاتے ہیں یا ان کا علیہ اور سر پایا ان کے اخلاق و عادات یا ان کی کوئی اور خاص بات لکھی ہوئی پاتے ہیں بلکہ فرمایا گیا ہے "يَخُودُ وَنَهَ مَكْتُوبًا" عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ، یعنی خود آپ کو لکھا ہوا پاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کتابوں میں آپ کا ایاں مکمل تذکرہ ہے کہ گویا ان کے صفحات میں خود ہو ہو آپ لکھے ہوئے ہیں، اور ان کے پڑھنے والے یہودی و نصیریٰ اپنی کھلی آنکھوں ان کتابوں میں آپ کو دیکھتے ہیں۔ اس سے ایک یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگرچہ تورات و انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی تشریف ہو چکی تھی جس کا ذکر خود قرآن مجید میں

جا بجا کیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود تورات اور انجیل حضور کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ پڑھتے تھے ان میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا صاف اور مکمل تذکرہ موجود تھا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ”يُحَدِّثُ عَنْهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ“ لیکن ہمارے اس زمانہ میں تورات و انجیل کے نام کی جو دو کتابیں پائی جاتی ہیں ان میں اگرچہ ایسی عبارتیں موجود ہیں جن کے مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں لیکن وہ ایسی روشن اور کھلی ہوئی نہیں ہیں جن کی بنا پر کہا جاسکے کہ آپ خود تورات و انجیل میں لکھے ہوئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ گزشتہ ۱۳-۱۴ صدیوں میں بھی تورات و انجیل میں بہت کچھ تحریف اور تبدیلی ہوئی ہے۔

یہاں ایک بات اور بھی قابل غور ہے، اس آیت میں بالاعلان یہ دعویٰ کیا گیا ہے اور خاص طور سے یہود و نصاریٰ کو سنایا گیا ہے اور گویا ان کو چیلنج کیا گیا ہے کہ تمہاری مقدس کتابوں تورات و انجیل میں ”الرَّسُولُ النَّبِيُّ الْأَوْحَىٰ“ (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لکھے ہوئے ہیں اور تم ان کتابوں میں ان کو لکھا ہوا پاتے ہو۔ اگر بالفرض قرآن کا یہ دعویٰ واقعہ کے مطابق نہ ہوتا یا اس میں کچھ بھی کچاں ہوتا تو اس زمانہ کے یہود و نصاریٰ یقیناً اس کی تردید اور تکذیب کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتِ نبوت اور قرآن مجید کے خلاف یہ ان کی خاص دلیل ہوتی اور اس میں بڑا وزن ہوتا لیکن تاریخ میں کہیں اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ اس دور کے یہود و نصاریٰ نے اس قسم کی کوئی بات کہی ہو اور قرآن پاک کے اس دعوے کی تردید و تکذیب میں آواز اٹھائی ہو۔ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو یہ بڑی فیصلہ کن بات ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ہماری حدیث کی کتابوں میں متعدد ایسی روایتیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اہل کتاب کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویریں تک موجود تھیں۔ حافظ ابن کثیر نے جو محدث بھی ہیں اپنی تفسیر میں کئی روایتیں حدیث کی مختلف کتابوں سے سند کے ساتھ نقل کی ہیں۔ اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو یہی کہا جائے گا کہ قدیم آسمانی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اتنی تفصیل کے ساتھ کیا گیا تھا اور اتنی وضاحت کے ساتھ آپ کا سراپا بیان کیا تھا کہ اس کی روشنی میں آپ کی تصویریں تک بنائی گئی تھیں اور صیحا کہ میں نے عرض کیا قرآن پاک کی اس آیت کے الفاظ ”يُحَدِّثُ عَنْهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ“ سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس سورہ اعراف سے پہلی

سورۃ "الانعام" میں یہ آیت گزر چکی ہے "الَّذِينَ آمَنُوا هُمْ أَكْثَرُ عِلْمًا يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ  
 أَبْنَاءَهُمْ" یعنی اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بچوں کو  
 پہچانتے ہیں۔ یہ آیت بھی یہی بتاتی ہے کہ اگلی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ یہی  
 تفصیل سے کیا گیا تھا کہ اس کی روشنی میں ان کتابوں کے پڑھنے والے اور خاص کر بنی اسرائیل کے اہل کتاب  
 علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے پہچانتے تھے جیسے دیکھے بھلے آدمی کو پہچانا جاتا ہے بلکہ جس طرح  
 ایک باپ اپنے بیٹے کو پہچان لیتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی موجودگی میں اور ان کی کتابوں اور ان کے علماء کی موجودگی میں قرآن مجید کا یہ دعویٰ  
 خود اس کی دلیل ہے کہ حقیقت یہی تھی۔

میں آیت کے الفاظ "يَجِدُوهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ" کی وضاحت  
 کر رہا تھا۔ بات بہت طویل ہو گئی میں نے عرض کیا تھا کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو  
 صفات بیان کی گئی ہیں۔ ایک "الرسول" دوسری "النبی" تیسری "الأمی" اور چوتھی یہ کہ "اہل کتاب  
 ان کو تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں"۔ ان چاروں کی تشریح ہو چکی ہے۔ ان کے بعد پانچویں اور  
 چھٹی صفت یہ بیان کی گئی ہے "يَا مَرْهُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ" یعنی رسول ان لوگوں کو  
 معروف کی ہدایت کرتا ہے اور منکر سے منع کرتا ہے۔ معروف ان سب اعمال و اخلاق کو کہا جاتا ہے جن کو انسان  
 کی سلیم فطرت پسند کرے۔ اور جنہی وجہ سے آدمی کو تعریف اور تحسین کے لائق سمجھا جائے اور منکر اس کے برعکس  
 ان رذیل اور قبیح اعمال و اخلاق کو کہا جاتا ہے جن سے فطرت سلیم انکار اور نفرت کرے۔ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ہدایات کو تفصیل سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ جن اعمال و اخلاق  
 کی آپ نے ہدایت فرمائی ہے وہ شریف انسانوں کے نزدیک معروف اور پسندیدہ ہیں اور ان کو نیکی سمجھا جاتا ہے  
 اور جن کاموں سے آپ نے منع فرمایا ہے وہ منکر اور ناپسندیدہ ہیں اور ان کو گراں دار کی بات سمجھا جاتا ہے۔  
 پھر سواویہ اور آٹھویں صفت یہ بیان کی گئی ہے "يُحْيِي لَهُمُ الْآيَاتِ وَيُحْذِرُهُمُ الْخَبَائِثَ"  
 یعنی وہ رسول نبی امی دنیا کی تمام نفس اور پاکیزہ چیزوں کو انسان کے لیے حلال ٹھہراتا ہے اور گندمی خراب  
 چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور سب کے آخر میں نوں صفت یہ بیان کی گئی ہے "يَضَعُ عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ  
 وَآثْقَهُمُ الْيَوْمَ كَالَّذِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ" مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر خاص کر بنی اسرائیل پر ان کی شرارت و سرکشی

کی وجہ سے اگلی شریعتوں میں جو بعض سخت احکام عائد کیے گئے تھے جو بہت ہی مشکل اور بھاری تھے۔ یہ رسول نبی اُمّی ان کی منسوخی کا اعلان کر کے ان سے نجات دیتا ہے اور وہ بوجھ اتارتا ہے جس کے تلے وہ دبے ہوئے تھے۔ سورہ الانعام میں گز بچکا ہے کہ بعض چیزیں جو فی نفسہ حلال طیبہ تھیں، بنی اسرائیل پر ان کی مشرارت و سرکشی کی وجہ سے حرام کر دی گئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کی منسوخی کا اعلان کیا اور ساری دنیا کے لیے ان چیزوں کو حلال کر دیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ اگر کپڑے میں کہیں ناپاکی لگ جائے تو وہ حصہ کاٹ کر پھینک دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سخت حکم کی منسوخی کا اعلان فرمایا اور بتلایا کہ صرف دھو دینے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔ میں نے صرف دو مثالیں دی ہیں، بنی اسرائیل کی شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے احکام کا مقابلہ کر کے ایسی بہت سی مثالیں معلوم کی جا سکتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ توثیقات بیان کرنے کے بعد فرمایا گلیہ  
 خَالِذِينَ اٰمَنُوْا بِهِ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ  
 مَعَهُ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

مطلب یہ ہے کہ اب جو لوگ اس نبی اُمّی رسول پر ایمان لائیں، یعنی جو ان کو خدا کا رسول اور نبی مانیں اور منکرین و مخالفین کے مقابلہ میں ان کی تائید و حمایت کریں اور ان کی پیروی نہ ہم میں ان کا ساتھ دیں اور مدد کریں اور جو نوید ہدایت ان کے ساتھ آتا رہا گلیہ یعنی قرآن مجید اور وہ دستور شریعت جو قرآن ہی میں ہے اس کی پیروی کریں اور اس کو اپنا دستور زندگی بنالیں وہی فلاحیاب اور کامیاب ہوں گے اور دنیا و آخرت میں وہی خدا کی رضا و رحمت کے مستحق ہوں گے۔

آیت کا اصل مقصد اور پیغام دراصل یہی ہے جو اس کے اس آخری حصہ میں ہے، اس سے پہلے جو کچھ فرمایا گیا تھا وہ دراصل اسی کی تہیہ تھی اور اس میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا گیا تھا۔ اور اتنا تفصیلی تعارف اسی لیے کرایا گیا تھا کہ آپ کے بارہ میں اتنا اہم اور غیر معمولی اعلان کیا جانا تھا یعنی یہ کہ آپ کے مبعوث ہو جانے کے بعد نجات و فلاح کے مستحق وہی ہوں گے جو آپ پر ایمان لائیں اور آپ پر نازل کی ہوئی مقدس کتاب قرآن مجید اور اس کی شریعت کی پیروی کریں۔ ہمارا ایمان ہے اور قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغمبر تھے جنہیں خدا کی ہدایت کا

شرع بھی حاصل ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات نازل فرمائی تھی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغمبر اور کلمۃ اللہ تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑے غیر معمولی قسم کے معجزات عطا فرمائے تھے اور انجیل ان پر نازل کی گئی تھی اور اپنے اپنے دؤر میں ان پر ایمان لانا اور ان کی لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کی پیروی کرنا نجات و فلاح کے لیے بلکہ اللہ تعالیٰ کا قرب خصوصی حاصل کرنے کے لیے بھی کافی تھا۔

لیکن قرآن مجید کی اس آیت میں (اور بہت سی دوسری آیتوں میں بھی) اعلان فرما دیا گیا ہے کہ خدا کے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے بعد ان پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت کو اختیار کیے بغیر کوئی شخص فلاح و نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ خداوندی فیصلہ اور مشورہ ہے اور اسی کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث پاک میں یہاں تک ارشاد فرمایا ”تو کان مومن حیا“ مَا وَسِعَتْهُ إِلَّا اتِّبَاعِي“ یعنی اگر آج اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری شریعت کی پیروی لازم ہوتی۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي  
مَنْ هَذِهِ الْأُمَّةُ يَهُودِي وَلَا نَصْرَانِي  
تُحْمَرُّ مَوْتٌ وَلَمْ يَمُوتْ بِالَّذِي أَرْسَلْتَنِي  
إِلَّا كَانُ مِنَ اصْحَابِ النَّارِ۔

اور شریعت اللہ کی طرف سے میں لایا ہوں اس پر  
وہ ایمان نہ لائے اور اس کو قبول نہ کرے تو وہ ہل

ناز میں سے ہوگا۔ اور نجات و فلاح سے محروم ہے گا۔

بہر حال یہ مسئلہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کو قبول کرنا نجات و فلاح کی شرط ہے، اسلام کے ان بنیادی مسائل میں سے ہے جن کو قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ اس میں کسی دوسری رائے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝



# نئی مطبوعات

از ڈاکٹر محمد نجات انٹر صدیقی  
غیر سودی بینک کاری | صفحات ۳۲۴۔ سائز ۲۰×۳۰۔ مجلد قیمت ۲/۱۷  
ناشر: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ دہلی ۷

جدید معاشیات میں بینکنگ کے نظام کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ نظام ستر پانچ سو میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایسے میں اگر کوئی اسلامی ملک اپنی معاشیات کو سود سے پاک کرنا چاہے تو اس کی کیا سبیل ہو، جبکہ بینکنگ کا نظام قائم رکھے بغیر موجودہ دور میں ایک ترقی یافتہ معیشت کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہو۔ دقت کے اس اہم ترین سوال کے ماتحت اسلامی دنیا کے بہت سے مفکرین بینکنگ کا ایک ایسا نظام تجویز کرنے میں اپنی علمی اور فکری صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں جس میں سود کا عنصر نہ ہو۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے استاذ معاشیات ڈاکٹر نجات انٹر صدیقی کی یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور جہاں تک ہمارا علم ہو اب تک کی تمام کوششوں میں اس کا درجہ بلند ہے۔

بینکنگ کا نظام جو معاشرہ کو معاشی سہولت بہم پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ اصل سودی کاروبار کے ذریعہ اُس کی دولت گھسیٹنے کے لیے وجود میں آیا تھا اور اسی ذہن سے اُس کا تانا بانا تیار ہوا ہے، اُس میں ایسی اصلاحی تجاویز کا بیڑا اٹھانا جن کے ذریعہ اس کاروبار میں سے سود کا عنصر مٹل جانے پر بھی وہ ایک منفعت بخش کاروبار رہ سکے، ایک ایسی فکری جرأت مندی اور مجتہدانہ طبیعت کا ثبوت ہے جس پر ہر وہ شخص مسرور ہوگا، جسے عالم اسلام میں اس جنس کی بے حد ضرورت ملے گی۔

کم پائی کا احساس ہے۔ بینک کاری کے مسائل اور معاشیات میں اُس کے کردار سے ہمیں فنی واقفیت نہیں چنانچہ زیر تبصرہ کتاب کے بعض مباحث کو سمجھنا بھی ہمارے لیے وقت طلب ہے۔ لیکن مجموعی طور پر مصنف کے اندازِ کلام میں جو وضاحت و خود اظہارِ نظر آتی ہے اور غیر سودی بینک کاری کے لیے اُن کا

پیش کردہ خاکہ بادی النظر میں جس طرح ایک نہایت جامع اور قابل فہم و قابل عمل تجویز ہونے کا تاثر دیتا ہو اُس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ اپنے موضوع پر پوری طرح حادی اور اُس میں ایک صاحب بصیرت کا مقام رکھتے ہیں۔

غیر سودی بینکنگ کے لیے مرتب کردہ اس عملی خاکہ کی بنیاد اسلامی شریعت کے اصول مضامین و شرکت پر رکھی گئی ہو، جو اس مسئلہ پر اسلامی منہج سے سوچنے والوں کی اب تک ایک متفقہ سی رائے ہو۔ لیکن ان اصولوں کی وضاحت اور بینکنگ کے پس منظر میں ان پر غور و خوض کے لیے ”شرکت اور مضاربہ کے شرعی اصول“ کے نام سے مصنف نے ایک پوری کتاب الگ سے لکھی ہو۔ جو ہمارے پاس نہیں آئی ہو۔ مگر اُس کا مطالعہ زیر تبصرہ کتاب سے پہلے کیا جانا قدرتی طور پر ضروری ہے۔ اس معروف کے بعد کہ کتاب کا موضوع ہمارے لیے اجنبی ہو اس میں کسی جگہ انگلی رکھنے کا حق ہمیں نہیں رہ جاتا۔ لیکن ایک خلش کو خاطر کرنے کے لیے ڈرتے ڈرتے اتنا کہنا ہو کہ مصنف جب اس کے حامی ہیں کہ عام حالات میں ایک اسلامی نظام حکومت بینکوں کو نجی ملکیت ہی کے زمرہ میں رکھے گا تو نجی ملکیت دے بینکوں سے جو چند افراد اور خاندانوں کی معاشی اجارہ داری وجود میں آتی ہو۔ اُس کا سد باب کس طرح کیا جائے گا؟ ہو سکتا ہو اس سوال کا جواب کتاب میں کہیں موجود ہو مگر ہمارے ذہن کی گرفت میں وہ نہیں آ سکا۔ یہ بھی ہو سکتا ہو کہ ”شرکت و مضاربہ کے شرعی اصول“ میں اس کا جواب مل جاتا ہو مگر یہ کتاب ہمارے مطالعہ میں نہیں آئی ہو۔

از سید جلال الدین عمری

اسلام کی دعوت | سائز: ۲۰x۳۰ کتابت و طباعت متوسط قیمت - ۲/۱۶

ناشر: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ دہلی۔ ۶

کتاب کے نام سے خیال ہوتا ہو کہ دعوت اسلامی کی ماہیت و حقیقت سے اس میں بحث کی گئی ہو گی۔ لیکن ایسا نہیں ہو، بلکہ ملت اسلامیہ کے لیے کار دعوت کی اہمیت، دعوت کا طریقہ و منہج، اس کے آداب و شرائط اُس کے مختلف دائرے اور داعی کے لیے ضروری اوصاف اس کتاب کا موضوع ہو۔

کتاب میں اس بات کی صراحت تو کہیں نہیں ہو کہ یہ جماعت اسلامی سے متعلق افراد کی تربیت و تہذیبی کے لیے لکھی گئی ہو، مگر واقعی نوعیت یہی ہو یعنی اس کا مخاطب خاص طور پر ایسے افراد سے ہو جو فزیفہ دعوتِ ہدیٰ کی انجام دہی کے لیے ایک جماعت سے وابستہ ہو چکے ہیں اور اس روشنی میں کتاب کو دیکھتے ہوئے یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہو کہ جو احوال و اوصاف ایک نو مومن کی زندگی میں داعی بن کر کھڑے ہونے سے پہلے آجہانے چاہئیں، بلکہ جن کے بغیر اس کا تصور بھی ممکن نہیں کہ کوئی شخص حقیقتہً دعوتِ اسلامی کا پورا ٹھکانے کے لیے کسی پکار پر لبیک کہے گا، مثلاً نماز کا اہتمام، تعلق باشر، فکر آخرت اور کمال اتباعِ شریعت ان اوصاف کی اہمیت بھی ان اہل دعوت کو اس طرح بتائی گئی ہو جیسے وہ ان کی اہمیت سے آشنا ہی نہ ہوں! یہ باتیں اگر بے ضرورت طور پر کتاب میں آئی ہوں تو بے محل و عطا سے کہنا پڑے گا اور اگر واقعہ میں یہ حال ان اہل دعوت کا ہو، تو وہ تصور دعوتِ قابلِ اصلاح ہو جس کے ماتحت ایک شخص اسلام کے بنیادی اوصاف سے خالی ہوتے ہوئے داعی اسلام بن جائے۔

جماعت اسلامی نے اپنی دعوتی جدوجہد میں شرکت کے لیے اصلاً جس اپیل پر لوگوں کو بلایا تھا وہ یہ تھی کہ دنیا کا اجتماعی نظام باطل کے ہاتھوں سے چھین کر اسلام کے ہاتھ میں آجائے، اس جذبہ سے کسی دعوتی جدوجہد میں شریک ہونے والے ان لوگوں کی ایک تعداد جن کی دینی زندگی کا آغازیں اسی دعوت پر لبیک کہنے سے ہوا ہو، نفسیاتی طور پر ضرور ایسی ہوگی جس کا سارا ذوق بس باطل پر تنقید کرنے اور مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں اپنے جتنے کو غالب کرنے کی معرکہ کوششوں میں سمٹا ہوا ہو، اور باقی دینی اعمال و اوصاف سے اُس کا تعلق بس ایک عام مسلمان کی طرح رسمی انداز ہی کا ہو۔ جماعت کے ذمہ داروں کی یہ کوشش بہت قابلِ تین ہو کہ ایسے افراد کی اصلاح ہو مگر اس کے لیے بہت صاف طور پر اُن کا دعوتی جذبہ اور تصور دعوت درست کرنے کی ضرورت ہو جسے یہ کتاب پورا نہیں کرتی۔ (اس کے علاوہ مقاصد میں کتاب خاص حرکت کا مباحثہ) یہ کتاب اپنے مخاطب داعیوں میں اسلام کے مطلوب اوصاف اس طرح کی نمائش کے ذریعہ پیدا کرنا چاہتا ہے کہ

”اسلام کی دعوت کا مطلب محض یہ نہیں ہو کہ انسانوں کے درمیان اس کے حق و صداقت

کا اعلان کر دیا جائے، بلکہ اپنے مزاج کے لحاظ سے یہ ایک زبردست انقلابی کوشش ہو۔ اسلام چاہتا ہو کہ وہ انسانوں کے تمام خود ساختہ دنیوں پر غالب آجائے اور سب اُس کے تابع و

و محکوم بن کر رہیں۔ جو شخص خارج کی دنیا میں اسلام کا یہ مطلوبہ انقلاب برپا کرنا چاہو، پہلے اُسے اپنے اندر کی دنیا میں اسی نوعیت کا انقلاب برپا کرنا ہوگا، ورنہ باہر کی دنیا میں اس کی کوشش کامیاب نہ ہوگی۔ (ص ۵)

یہ ”دعوت اور اتباع“ کے عنوان سے گفتگو کا ایک ٹکڑا ہے اور بالکل یہی انداز نہائش دعوت اولہ تعلق بالشر، دعوت اور فکر آخرت، دعوت اور نماز وغیرہ کی گفتگو میں ملتا ہے۔ لیکن اگر اسلام کی دعوت کو ”ایک زبردست انقلابی کوشش“ ”ایک بہت بڑا جہاد“ اور ”اقامت دین کا کام“ وغیرہ سمجھ کر اسیں لگنے سے تعلق بالشر، فکر آخرت اور ذوق نماز وغیرہ کی کیفیات پیدا ہو جائیں گے تو اسلام کی دعوت کے یہ معنی تو مصنف کے مخاطب لوگ پہلے ہی سے سمجھ چکے ہوتے تھے۔ جو بات دعوت اسلامی کے اس تصور سے پہلے نہ پیدا ہو سکی ہو وہ اسی تصور کی تجدید سے پیدا ہو جانے کی امید کیونکر صحیح ہوگی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں دعوت سے پہلے پیدا ہونے کی ہیں۔ دعوت کے کام سے ان میں ترقی ہو سکتی ہے، بلکہ لازماً ہونا چاہیے، لیکن جو شخص ان باتوں کے بغیر اسلام کا ”داعی“ اور خارج کی دنیا میں اُس کی اقامت کا ”ساعی“ بن گیا ہو، سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کے اندر وہ چیز ہی نہیں ہو جس سے یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ باتیں اسلام کے اس تصور سے پیدا ہوتی ہیں کہ وہ خدا کے سامنے خود کو جھکا دینے اور سہمہ دم اس کو اپنے پر نگراں اور ہر ضرورت میں مرجع و مدد ی سمجھتے ہوئے ہر آن اس کی طرف متوجہ اور اس کی رضا جوئی میں سرگرم رہنے کا نام ہے۔ اس تصور کے ساتھ آدمی اسلام کو اپنا دین بنانے کے لیے پسند کرے گا تو لازماً اُس کے ایک ایک حکم کو اپنے اوپر نافذ کرے گا، ایسے اعمال (نماز وغیرہ) کی طرف ایک عجیب ذوق سے لپکے گا جنہیں دربار خداوندی میں حاضری کے ہم معنی اور غایت قرب کا مصداق بتایا گیا ہے۔ اور ہر اُس بات سے بچے گا جو وہ کسی ہی من پسند ہو جس کے لیے بتا دیا گیا ہو کہ وہ آخرت میں خدا کی ناراضگی بن کر سامنے آئے گی۔ یہ شخص اسلام کی دعوت اور خارج کی دنیا میں اس کی اقامت کے لیے بھی خدا کے حکم کے بموجب ساعی ہوگا مگر صرف باطل طاقتوں کو مٹا دینے کے جذبے سے نہیں بلکہ اصلاً اُس جذبے سے کہ خدا کی ہدایت کا نور عام ہو، اُس کے بندے اپنے مالک کی رضا جوئی کی طرف آئیں، اُسکی رحمتوں اور نوازشوں سے حصہ پائیں اور عقاب میں گرفتار ہونے سے بچ جائیں۔ اس جذبہ سے دعوت کا کام بالکل فطری طور سے انسان کے تعلق بالشر کو بڑھانے والا ایک عمل بن جاتا ہے۔ فکر آخرت

دو چند ہو جاتی ہو۔ کامل سے کامل تر تابد کا ذوق ابھرتا ہو اور اس میدان میں کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ خدا کی مدد ہی کو سمجھتے ہوئے یہ آدمی ناز حبیب اعمال کی طرف کچھ اور بھیجے بے قراری کے ساتھ متوجہ ہوتا ہو تاکہ خدا سے استغانت کے لیے عرض معروض کر سکے اور ایک نئی روح اور نئی طاقت اُسے اس کا بڑے عظیم کے لیے سیر کرے۔ یہ ہو اسلام کی دعوت کا وہ تصور جو داعی میں اسلام کے تمام مطلوبہ اوصاف دو چند کرتا ہو۔ اور یہ ہو اسلام کا وہ تصور جس سے اُس کی دعوت کے سلسلہ میں آدمی کا یہ ذہن بتا ہو۔ اس کے بجائے اگر اصلاً ایک اجتماعی نظام کی حیثیت سے اسلام کو دیکھا جائے اور اُس کی دعوت کا مطلب بس اس نظام کو دنیا کے دوسرے نظاموں پر غالب کر دینے کی ایک زبردست انقلابی کوشش سمجھا جائے تو پھر وہ اس کا ہی گویا نادر ہو جس سے تعلق بالشر کا جذبہ ابھرتا ہو ناز حبیبی عال کا ذوق پیدا ہوتا ہو اور دعوت کے علاوہ دیگر احکام دین کے کامل اتباع کی بھی حقیقی فکر دل میں آتی ہو۔ یہ تصور بڑی بڑی قربانیاں آدمی سے کر سکتا ہو مگر جو کام انقلابی کوشش اور اسکے ناگزیر مراحل کے ذمہ میں نہیں آتے انہی طرف التفات یہ کہاں سے مل سکتا ہو۔ بات کچھ باریک بینی کا شے سمجھا جائے!

## استدراک

الفتان بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق مارچ ۱۳۹۰ء کے عنوان ”نئی مطبوعات“ کے تحت تبصروں میں حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب لاچوری کے فتاویٰ جلد دوم میں منقولہ ایک حدیث میں، ایک لفظ (علیٰ حرب) کے ترجمہ سے اختلاف ظاہر کیا گیا تھا۔ مولانا نے اس پر ہمیں تحریر فرمایا کہ سنن ابی داؤد میں جہاں یہ حدیث آئی ہے وہاں بین السطور میں اس لفظ کے وہی معنی بتائے گئے ہیں جو ترجمہ میں انھوں نے اختیار فرمائے ہیں نیز بذیل الجود شرح ابی داؤد میں بھی یہی تشریح ہے۔ تبصرہ نگار حضرت مولانا کا مشکوٰۃ ہو کہ زمانہ طالب علمی سے ذہن میں پڑی ہوئی ایک غلط فہمی اُن کی توجہ کی بدولت دور ہو گئی۔ فخر اہم اللہ خیر الخیراء۔

## ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب محدویؒ

مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ پیش لفظ از مولانا محمد منظور نعمانی، مدیر الفتان  
 بیجا کر الفتان کے گزشتہ شمارہ میں اعلان کیا گیا تھا تیاری کے آخری مرحلہ میں ہو، امید ہو کہ انتشار شدہ  
 جولائی کے دوسرے ہفتہ میں تیار ہو جائے گی اور تیسرے ہفتہ میں طالبین کو روانگی شروع کی جائے گی۔  
 قریباً چار سو صفحات، کاغذ اعلیٰ، مجلد قیمت پانچ روپے۔

مینبر کتب خانہ الفتان، پچھری روڈ، لکھنؤ



تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ رائے بریلوی  
 از تلمذ: محمد احسنی  
 ایڈیٹر "البعث الاسلامی"  
 مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بصیرت افروز مقدمہ کے ساتھ

حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی کے جدِ اعلیٰ اور مجددِ عالمگیر کے تلامذہ و شاگردوں اور عارفانہ خدمتِ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی کے صفات و کمالات اور اخلاق عالیہ کا پورا پورا بیان افروز تذکرہ اور ان کے ہمالیہ فرزندوں اور خلفاء کے مختصر حالات زندگی ایک عظیم شخصیت کا تعارف جو ابھی تک پردہ کستائی میں ہے۔۔۔

ناشر: مکتبہ اسلام، ۳۷، گوئن روڈ، لکھنؤ (یو۔ پی)

BOMBAY, ANDHRA TRANSPORT.CO.

TRANSPORT CONTRACTOR

113 BHANDARI STREET [CHAKLA]

BOMBAY-3

پیٹ کے سبھاری پن اور سینہ کی جلن میں

جلد آرام کے لیے

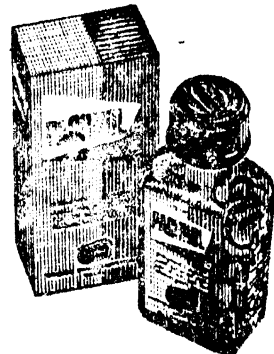
پیچنول



پیٹ میں درد، بعض کھٹن دکھیں، اجمارا،  
 جلن، تپشی، بھوک کی کمی اور کھانے کے بعد  
 طبیعت میں کمی وغیرہ، ان سب شکایاتوں پر

پیچنول  
 مفید ہے

ہمدرد



پشکوان کے  
عصده تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میٹ براڈ  
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل  
۳۰.۶۱ روپے ۵۰ گرام

عصده وناستی  
۳۰.۶۰ روپے ۱۶.۵۰ گرام

ستلوا، ریل کا تیل  
۳۰.۶ روپے ۵۰ گرام

بلا غصہ ناریل کا تیل  
۳۰.۶ روپے ۱۶.۵۰ گرام

کوکو جابر

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل  
۳۰.۶ روپے ۵۰ گرام

امی بسلا لیل

۳۰.۶ روپے ۵۰ گرام

اسند میلز بیسی



الفردوس المكنون

مكتبة

عشق الحسين بن علي

## مطبوعات ادارہ اشاعت دنیات (دہلی)

۶/-	تعلیمی نصاب چری و پلاسکسہ ۱۱ سادہ
۷/-	تفصیل صدقات مجلد چری
۱۰/-	حیات الصحابہ اول تا سوم مجلد چری
۱۲/-	حیات الصحابہ چارم تا ہفتم
۱۲/-	حیات الصحابہ ہشتم تا دہم
۱/۵۰	امت مسلمہ کی باتیں
۱/-	رسول اللہ کی صاحبزادیاں
۱/۰	مسلم خواتین کے میسر سبق
۱/۵۰	اورکان اسلام اردو
۲/۲۵	انگریزی
۳/۵۰	تسلیم کیا ہے؟
۳/۵۰	مرنے کے بعد کیا ہو گا؟
۳/۵۰	حالات شجاع کا مدخلہ
۱/۰	حضرت شیخ کی آپ بیتی
۰/۲۰	مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل
۰/۵۰	کسب حلال
۰/۸۰	جنت کا مکث
۰/۵۵	والدین کے حقوق
۱/۵۰	مہمان خواندہ
۱/۲۵	رسول اللہ کی دعائیں
۱/۵۰	رسول اللہ کی چشمن گوئیاں
۰/۶۰	چھ باتیں اردو ۵۰/- ہندی ۶۰/- انگریزی ۶۰/-
۰/۵۰	منہن و تقبول دعائیں
۰/۵۰	اکرام المسکین
۳/-	مضامین حج عکسی

## مطبوعات دینی بک ڈپو (دہلی)

۳/۵۰	جنت کی کنجی
۲/۵۰	دوزخ کا کھٹکا
۵/-	موت کا جھٹکا
۱/۸۰	خدا کی باتیں ۲/۸۰ ایمان کی باتیں
۱/۲۰	رسول کی باتیں ۲/۲۰ ناز کی باتیں
۱/۵۰	پردہ کی باتیں ۳/۱ قرآن کی باتیں
۲/-	دین کی باتیں ۳/۸۰ حج کی باتیں
۱/۵۰	خدا کے چند علماء
۱/۳۰	علماء حق اور ان کی دستائیں
۱/۵۰	اسلام کی بہادر بیگیاں
۱/۳۰	ایٹ انڈیا کبھی اور باغی علماء
۱/۰	اسلام میں عورت کا مقام
۱/۸۰	رسول اللہ کے تین سو معجزات
۵/۵۰	مواظع حسنہ کامل
۱/۵۰	ہفت سیرہ
۱/۸۰	امت کی باتیں
۱/۰	جنت کی ضمانت
۶/۷۵	پیغمبر عالم
۰/۸۰	تعلیم الدین ۲۰۰ اصلاح الرسوم
۳۷۰	قرآن مجید ترجمہ تفسیر پلانہ احمد سید فیض آفت
۱/۶۰	اعمال قرآنی شریعہ
۲/۵۰	فاطمہ کا چاند
۱/۳۰	وفات النبی
۶۸۰	کاتب احمد سید

مصلحت کیلئے: کتب خانہ الفقہاء کچری روڈ لکھنؤ

سَلَاةَ جَنَدَہ

ہندستان سے ..... ۸/-  
پاکستان سے ..... ۸/۵۰  
ضمائم ۵۷ صفحات  
قیمت  
فی کاپی ..... ۵۰ پیسے

# الفستان

سَلَاةَ جَنَدَہ

غیر مالک سے  
۱۵ شلنگ  
ہوائی ڈاک کے لیے  
مزید حصول ڈاک کا اضافہ

جلد ۳۱ بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ مطابق اگست ۱۹۷۰ء شمارہ ۵

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہِ ادلیں	عقیق الرحمن سنہلی	۲
۲	حضرت حاجی عبدالغفور صاحب دھپوئی کا وصال	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۲
۳	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۴
۴	ارشادات حکیم الامت حضرت تھانوی	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	۳۰
۵	مولانا کریمت علی چونیوری اور ان کا ترجمہ شمائل ترمذی	مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی	۳۶
۶	نئی مطبوعات	ع. س.	۵۰

## اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

تو اس کا مطلب یہ کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہو براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیے یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیے چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۰ رگت تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ ضائع ہو دیں ارسال ہوگا۔

پاکستانی خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح تبلیغ و نشر تعلیم بلڈنگ لاہور کو بھیج کر ہمیں براہ راست اسکی اطلاع بھی دیں بعض دی بی اب نہیں جاسکے گا لہذا ۳۰ رگت تک چندہ کی اطلاع نہ ملنے کی صورت میں ہم مجبور ہوں گے کہ رسالہ بھیجنا بند کر دیں۔

نمبر خریداری :- براہ کرم خدا کتابت اور می آرڈر کو پین پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے جو پتہ کی کچٹ پر لکھا رہتا ہے۔

تالیخ اشاعت :- القرآن ہر ہفت روزہ کی حدیث کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ہفتہ تالیخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اسکی اطلاع ۸۰ تالیخ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

## دفتر الفستان، کچھری روڈ، لکھنؤ

(ہوائی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر ایڈیٹر و پراپرٹیز ٹریڈر پریس میں چھپو اگر دفتر الفستان کچھری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# بنگاہِ اولیں

محترم علماء اور رہنمایانِ دین کی خدمت میں

از ——— عتیق الرحمن سنہ ۱۳۸۱ھ

کسی بھی تھوڑے بہت پڑھے لکھے اور سمجھدار مسلمان سے پوچھیے کہ کیا موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کوئی بات ہو سکتی ہے کہ یہاں کا نظام حکومت سیکولر رہے؟ یقین ہے کہ جواب نفی ہی میں ہوگا اور تسلیم کیا جائے گا کہ حالات کے موجودہ نکتے میں مسلمانانِ ہند کا مفاد حکومت کی اسی شکل میں ہے۔

یہ کوئی مجرد قیاس اور اندازے ہی کی بات نہیں ہے، تجربہ بھی یہی دکھا رہا ہے کہ کسی مکتب فکر کا بھی ہندوستانی مسلمان اس معاملہ میں کسی دوسری رائے کا اظہار نہیں کرتا، جس کسی کو بھی اظہار خیال کے مواقع حاصل ہیں یا حاصل ہو جاتے ہیں وہ موجودہ امکانات میں مسلمانوں کے لحاظ سے سب سے اچھی شکل اسی کو مانتا ہے کہ نظام حکومت سیکولر اور جمہوری رہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم میں سے بہت سے لوگ بالکلہ بیشتر کا ایک بڑا عجیب رویہ یہ ہے کہ سیکولر حکومت جس سیکولر ذہن (یعنی نظریہ سیکولزم) سے پیدا ہوتی ہے اسے قابلِ نفرت و مذمت خیال کیا جاتا ہے، اس نظریہ کے داعیوں کو ہم خدا کے باغیوں کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کی دعوت کو اسلامی دعوت کا حریف قرار دیتے ہیں اور کسی طرح یہ بات گوارا نہیں ہے کہ کوئی مسلمان بحیثیت ایک نظریہ کے ہندوستان کی حد تک بھی ان کی دعوت سے ہم بیگانگی کا اظہار کرے۔

اس میں کلام نہیں کہ سیکولر حکومت کا نظریہ اسلامی نظریہ سیاست سے جو نہیں کھاتا۔ سیاست میں اسلامی نقطہ نظر کی بات کی جائے گی تو لامحالہ اس نظریہ کو بھی غیر اسلامی نظریوں کی صف میں شمار کرنا ہوگا۔ مگر ہماری سمجھ میں جو بات اب تک نہیں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں یا ایسی ہی کسی اور جگہ محض سیکولرزم کی بنیاد پر ملے ہوئے حقوق اور اس سے پیدا ہونے والے فوائد کو تو ہم پسند کریں اور جہاں ضرورت ہو سیکولرزم ہی کے حوالے سے ہم ان کے لیے لڑیں بھی۔ حتیٰ کہ اس سیکولرزم کے علمبرداروں سے اس بات کی خواہش بھی کریں کہ جو غیر مسلم گروہ یہاں حکومت کے سیکولرزم کو تباہ کرنا چاہے اس کے خلاف وہ شمشیر برہنہ بن جائیں، لیکن خود مسلمانوں کو سیکولرزم کے تصور سے نفرت دلائی جائے اور وہ سب باتیں جن کا ذکر ابھی ہم نے اوپر کیا ہے۔ یہ تضاد ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

حکومت کا سیکولرزم اگر اسلامی نقطہ نظر سے ہر جگہ اور ہر حال میں مذمت و نفرت کا مستحق ہے اور کسی موقع پر بھی گنجائش نہیں ہے کہ کھلے دل سے اس کی حمایت کی جاسکے؟ تو پھر اس کا کوئی پھل ہمیں میٹھا نہیں معلوم ہونا چاہیے! اس کا دیا ہوا کوئی فائدہ منظور نہیں کیا جانا چاہیے! اس کے خوان کرم سے ملے ہوئے حقوق لے کر منونیت کا فلاں کسی طرح اپنی گردن میں نہیں ڈالنا چاہیے! مذکورہ شکل میں تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے اسلام میں حرام ٹھہرائے گئے کسی طریقہ کا ذبیحہ ہم بلاضطرار کے کھانے لگیں!

لیکن ہم نہ صرف اس غیر اسلامی ”ذبیحہ“ سے بغیر حالت اضطرار متمتع ہو رہے ہیں بلکہ اصرار ہے کہ اس ذبیحہ سے حصہ ملنا بند نہیں ہونا چاہیے۔ ہر وقت شکوہ و شکایت اور احتجاج دریا دے کہ از روئے سیکولرزم ہمیں فلاں چیز ملنا تھی، مگر نہیں مل رہی ہے۔ ملازمتیں اس تناسب سے ملنا تھیں مگر اہل اختیار نے حق ماری یہ کمر باندھ لی ہے۔ بچوں کو تعلیم کی فلاں سہولتیں لازم تھیں جو تعصب کی نذر ہو رہی ہیں۔ اردو زبان کو یہ درجہ اور یہ مقام دیا جاتا تھا جس میں سر اسر دھاندلی حائل ہو گئی تھی۔ حکمران پارٹی یا دوسری کوئی پارٹی جو اپنے تئیں سیکولرزم کا دعویٰ کرے الیکشن کے لیے امیدواروں کا انتخاب کرتی ہے تو ہم جانتے ہیں کہ اس میں مسلم نمائندگی کا تناسب کیا ہے۔ اور کسی کی شکل میں

شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارا پورا حق کیوں نہیں ملا۔ الیکشن کے بعد حکومت بنانے والی پارٹی کے ذریعوں کی فہرست پر ہماری نظر جاتی ہے کہ اس میں ہمارے کتنے ہیں اور کس کس مرتبے کے ہیں۔ اور ایک بار پھر شکایت کا دفتر کھلتا ہے کہ تعداد حق کے مطابق نہیں ہے اور فلاں کو فلاں غیر مسلم سے بہتر درجہ ملنا چاہیے تھا مگر اسے کمتر دکھا گیا! یہ سب شکایتیں اور مطالبے سیکولرزم ہی کی دہائی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہی سیکولرزم جس کا قائل ہونا ہمارے نزدیک کم سے کم سیاسی لادینیت کے مساوی ہے۔ اور جس کے قیام و بقا کی جدوجہد میں کہیں بھی حصہ لینے کو لادینیت کی گاڑی کھینچنے سے کمتر ہم نہیں سمجھتے۔

اس عجیب و غریب ادیبہ کا تجزیہ اگر ہم کریں تو بات یوں نکلتی ہے کہ کسی ملک میں سیکولرزم کو اس حکومت بنایا جائے، اس کی تائید تو ہم نہیں کر سکتے۔ اس اساس پر نظام حکومت قائم ہو جائے تو اس کی بقا اور اس کے استحکام کے لیے مثبت جدوجہد میں بھی ہم شریک نہیں ہو سکتے لیکن اگر ہم اقلیت میں ہیں تو اس نظام کو قائم ضرور رہنا چاہیے۔ اور جن لوگوں نے اسے قائم کیا ہے وہ اگر اس کے بقا و استحکام کی کوششوں میں لاپرواہی برتیں یا اس پر ٹھیک ٹھیک عمل درآمد میں کوتاہی کریں (جس کا مطلب ہے اقلیتوں کو دیے گئے حقوق پر آج اتنا اور اکثریت کا اپنے حدود سے بڑھ جانا) تو اسے ہم معاف نہیں کریں گے۔ جو کچھ ہمارے بس میں ہوگا اس کے مطابق کوئی کسر ہم اس میں نہیں اٹھا رکھیں گے کہ ارباب حکومت اپنے غنیمتہ نظریہ پر ٹھیک ٹھیک عمل کریں اور ہمارے لیے مانے ہوئے حقوق پورے پورے ہمیں ملتے رہیں۔

اس تجزیہ پر ذرا اور تجزیاتی عمل کیجیے، تو ہمارا ذہن یہ سامنے آئے گا کہ سیکولرزم پر عمل درآمد کا مطلب تو یہ ہے کہ اقلیت کو دیے گئے حقوق کا تحفظ کیا جائے لہذا اس کے لیے جدوجہد میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن خود سیکولرزم کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو سیاسی اور اجتماعی معاملات سے بے دخل کر دیا جائے۔ پس اس کی بنیاد پر کہیں کا نظام حکومت قائم ہونے یا قائم ہو چکا ہو تو اس کے مستحکم رہنے میں دھچپی لینا کھلی، بوٹی کفر و نازی ہے اور یہ کام ایک مسلمان کیسے کر سکتا ہے؟ قطع نظر اس سے کہ منطبق ہے کسی؟ ذرا اس کے نتیجہ پر غور کیجیے تو وہ یہ نکلتا ہے کہ سیکولرزم



پورے کیا مسلمانوں کا دل کبھی اس پورے عرصے میں اس کام کے لیے کھلا؟ انھوں نے کانگریس کی تنظیم سے کبھی ایسی دل چسپی لی جیسی اُسے سو فی صدی یا نوے فی صدی ..... ووٹ دینے والوں کو لینے چاہیے تھی؟ اس عجیب غریب رویہ کی تہ میں، کہ ووٹ تو سو فی صدی مگر شرکت دو فی صدی بھی نہیں، سوائے اس کے کیا چیز تھی کہ سیکولرزم کے کاردار میں شرکت حلق سے نہیں اترتی؟ یہ تو جی چاہتا ہے کہ اکثریت کے کچھ لوگ سیکولرزم کا جھنڈا بلند کیے ان لوگوں کو دبائے رہیں جو خالص ہندو حکومت کے خواہاں ہیں۔ اور اس مقصد کے لیے ووٹ بھی حاضر اور ضرورت ہو تو ووٹ بھی حاضر، مگر ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی سیکولرزم کا جھنڈا اٹھائیں اور داعی بن جائیں کہ سیکولرزم ہی ہندوستان جیسے ملک کے لیے صحیح طرز حکومت ہے، یہ اپنے اس عقیدے سے انحراف ہے کہ دنیا میں سب اچھا اور مبارک نظام حکومت اسلام کا نظام حکومت ہے۔

اس ساری گفتگو کا مقصد نقطہ دو نکتوں پر سنجیدگی سے سوچنے اور فیصلہ کرنے کی دعوت دینا ہے۔  
۱۔ یہ کہ جب سلمان بنی جنھیں سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ ملک کا نظام حکومت سیکولر ہو کھلے دل سے سیکولرزم کے حامی اور اس کے لیے جدوجہد کرنے والے نہ ہوں گے، تو کس سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس پر اپنی جان دے گا؟ اور کیسے ممکن ہے کہ مسلمانوں کی شرکت کے بغیر نہ صرف سیکولرزم کا جھنڈا یہاں بلند رہے بلکہ وہ سیکولرزم ان کے ڈھب کا بھی ہو؟

۲۔ سیکولرزم کے لیے جدوجہد اور اس کے علمبردار غیر مسلموں کے ساتھ شرکت (بشرطیکہ ہندوستان میں سیکولرزم کے لیے غیر مسلموں کی علمبرداری لادبی بھی نہیں جائے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں)، اگر کسی حال بھی اسلام میں جائز نہیں تو سیکولرزم کے نام پر الیکشن لڑنے والوں کو ووٹ دینا کیسے جائز ہے؟ اور علیٰ ہذا یہ کیسے جائز ہے کہ سیکولرزم کے نام پر حقوق مانگے جائیں یا اگر ملے ہوئے ہیں تو ان میں علمی کوتاہی پر سیکولرزم ہی کی دہائی دی جائے، سیکولرزم

عہ جیسا کہ آگے چل کر واضح ہو جائے گا کہ اس تحریر میں مسلمانوں کے "جس رویہ سے بحث کی گئی ہے وہ اصلاً دینی نقطہ نظر سے سوچنے والے بلکہ دینی رہنمائی کرنے والے مسلم خواص کی اکثریت کا رویہ ہے، متبعاً وہ علماء عام مسلمانوں کا اس میں شرکت کی وجہ سے اسے مسلمانوں کا رویہ کہنے میں مضائقہ نہیں سمجھا گیا۔



ہی کی سند سے اُن کے لیے لڑا جائے ؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے، اس کا جواب یہی طور سے سوائے نفی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ سیکولرزم کی جدوجہد میں مسلمانوں کی شرکت کے بعد بھی نتائج ان کی مرضی کے نہ نکلیں مگر یہ امکان کوئی دیوتا ہی سوچ سکتا ہے کہ وہ تو معاملہ سے بے تعلق رہیں اور دوسرے لوگ ان کی مرضی کا سیکولرزم یہاں قائم کرالیں دوسرے سوال کے بارے میں ہماری رائے (اگر وہ کسی شمار قطار میں ہو) اوپر کی گفتگو کے انداز ہی سے ظاہر ہے اور اس میں بھی ہمیں کسی طویل کلام کی بڑی ضرورت نظر نہیں آتی۔ مگر اس معاملہ میں یہی مباحث کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا جیسی سوال ۷ کے معاملہ میں ہم سمجھ رہے ہیں۔ اس لیے قدرے وضاحت (خصوصاً ابتدائی پہلو سے) کر دینی ہے تاکہ دوسرے حضرات اسی پر عملی وجہ البصیرت غور فرما سکیں۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں سیکولر حکومت قائم کرنے یا اسے برقرار رکھنے کی جدوجہد عملی الاطلاق حرام ہے تو یہ بات بھی حرام ہوگی کہ سیکولرزم کی بنیاد پر کوئی حق اس نظام حکومت میں مانگا جائے یا جو حقوق صرف سیکولرزم کی بنیاد پر ہی ملے ہوئے ہیں بغیر حالت اضطراب کے اور رفع اضطراب کی حد سے بڑھ کر ان سے فائدہ اٹھایا جائے یا ان تسلیم شدہ حقوق کا فائدہ ہمیں نہیں پہنچے دیا جا رہا ہے تو سیکولرزم ہی کے حوالے سے اس شرعی عمل کے خلاف احتجاج کیا جائے۔ یہ سب باتیں بھی اس لیے حرام ہونی چاہئیں کہ ان سب ہی میں سیکولر حکومت پر رضامندی کا اظہار ہے اور بہ زبان حال یہ تسلیم کرنے کا انداز ان میں پایا جاتا ہے کہ سیکولرزم کے اصول پر بھی دستور سازی اور قانون سازی جائز ہے۔ عملی انداز یہ بات بھی مفروضہ صورت میں حرام ہونی چاہیے کہ اپنے مفادات کے معاملہ میں ہم ایسی حکومت پر زور ڈالیں کہ وہ سچائی اور مضبوطی کے ساتھ سیکولرزم پر قائم رہے۔ کیوں کہ سیکولرزم کی تائید اور تاکید میں ایسا کوئی فرق نہیں نکلتا جو ان دونوں کا حکم الگ الگ کر دے۔ مسلمانوں کے جائز مفادات کی خاطر اگر یہ بات جائز نہیں ہے کہ ملک میں سیکولر حکومت قائم ہونے یا اس کے برقرار رہنے کی قولی یا عملی تائید ہم کریں تو یہ بات بھی ہرگز کسی مفاد سے جائز نہیں ہوتی کہ جو لوگ ایسی حکومت قائم کیے ہوئے ہیں ان سے مضبوطی کے ساتھ اس اصول حکومت پر جے رہنے کی فرمائش ہم کریں۔

یہ کھنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ ان باتوں میں ہمارا مقصد سیکولرزم سے رضامندی یا اس کی بقا سے

دل چاہی بالکل نہیں ہے، ہمیں تو بس ان حقوق سے سروکار ہے جو حکومتِ وقت نے مان رکھے ہیں یا اپنی  
 بدینہ پالیسی کی رو سے اسے ماننے چاہئیں۔ اس پالیسی کی اساس وہ سیکولرزم کو بتاتی ہے، اس لیے ہم  
 سیکولرزم کا نام ان حقوق کے سلسلے میں لیتے ہیں، گویا اسی کے قول سے اس پر حجت قائم کرتے ہیں۔ نہ یہ  
 کہ سیکولرزم سے رضامندی کا اظہار ہم کرتے ہوں اور چاہتے ہوں کہ وہ باقی رہے! — منطقی ہم نے کچھ  
 لوگوں کو استعمال کرتے دیکھا ہے مگر ہماری نظر میں یہ صداقت سے اتنی دور ہے کہ ایک ذرا سی جرح کے آگے  
 بھی نہیں ٹھہر پاتی۔ پوچھیے کہ اگر کل سے یہاں سیکولر جمہوریت کے خاتمہ کا امکان ہمارے سامنے آئے تو  
 کیا اس پر رضامندی کا اظہار کرنے کے لیے ہم تیار ہیں؟ کوئی ذرا سا بھی ذی شعور جس کی سلامتی پوشش  
 حواس بھی مشکوک نہ ہو، اگر اس پر ہاں کہنے والا نکل آئے تو تنہا ہمارے لیے ہی نہیں شاید دنیا بھر  
 کے ذی شعور مسلمانوں کے لیے ایک دریافت ہوگی۔ ہمیں تو ذرا سا بھی تامل یہ کہنے میں نہیں ہے کہ اس طرح  
 کا کوئی امکان اگر سچ محسوس ہونے لگے تو ایسے ایسے لوگ اس سیکولر جمہوریت کی عمر بڑھانے میں کوشاں  
 نظر آسکتے ہیں جن کے بارے میں تصور بھی آج مشکل ہے۔ ہمارے سامنے کی بات ہے کہ جب تک یہاں  
 سیکولرزم کے لیے واقعی معنی میں خطرہ بننے والی کوئی طاقت نہیں تھی تو ان دنوں کچھ لوگ یہاں تک سیکولرزم  
 سے بیزاری کی باتیں کرتے تھے کہ ایک ہندو حکومت جو واقعی مذہبی بنیاد پر قائم ہو ہمارے لیے سیکولر حکومت  
 سے زیادہ قابل قبول ہے۔ مگر جو نئی سیاست کے میدان میں کچھ ایسے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے کہ سیکولرزم  
 کا مستقبل خطرہ میں ہے اور ہندو حکومت کا خواب دیکھنے والے لوگ اچھی خاصی طاقت کی پوزیشن میں آ رہے  
 ہیں تو یہ مکالمے دھیمے ہوتے ہوئے اب ایسے غائب ہوئے ہیں کہ کہیں سننے میں نہیں آتے۔ اب ان  
 کی جگہ سیکولر جمہوری طاقتوں کی حمایت کی باتیں ہیں۔ اور جب کوئی کامیابی ان طاقتوں کو بخلافوں کے  
 مقابلے میں حاصل ہوتی ہے تو اطمینان کا سانس لیا جاتا ہے کہ ابھی بات ان کے قابو میں ہے۔ اسی  
 طرح یہ سخن طرازیوں بھی بس اسی دم تک ہیں جب تک سیکولرزم کی شکست کا مسئلہ سامنے نہیں آتا۔  
 یہ مسئلہ سامنے رکھ کر پوچھیے کہ آج اس شکست پر رضامندی کا اظہار کرنے کو آپ تیار ہیں تو معلوم ہو جائے  
 گا کہ کتنی سچائی اس بات میں تھی کہ ہم سیکولرزم پر راضی تو ہرگز نہیں ہیں، اپنے حقوق کے سلسلے میں اس  
 کا حوالہ بس سیکولر سٹوں کے قول ہی سے ان پر حجت قائم کرنے کے لیے دیتے ہیں۔

ہماری گزارش یہ ہے کہ حقائق سے آنکھیں ملا کر بات کیجیے۔ ریت میں سر چھپالینے کو آندھی سے بچاؤ سمجھنا مشترک کوزیب دیتا ہے تو دیتا ہو، عاقل انسان کو زیب نہیں دیتا۔ علیٰ ہذا اگر کڑے شوق رکھتے ہوئے گلگلوں سے پرہیز فرمانا اگر کوئی سمجھداری کی علامت نہیں ہے تو ٹکٹکے پسند کرتے ہوئے گڑے سے ترغ دیکھنا بھی کوئی معقول بات نہیں ہے۔ یا تو سیکولرزم کو منع اس کے منافع مہمور دیکھیے اور کیجیے کہ اس کے منافع کو قبول کرنے کا بھی وہی حکم ہے جو خود اس پر صا د کر دینے کا۔ جیسے کسی حرام طریقہ پر کیے ہوئے ذبیحہ کا بھی وہی حکم ہے جو اس فعل ذبح کا کہ بدو ن اضطرا اور زائد از حد اضطرا اس کے گوشت سے استفادہ کی اجازت نہیں۔ چنانچہ اضطرا والی ضرورت سے آگے نکل کر سیکولرزم کے از خود عطا کیے ہوئے حقوق کو بھی ہاتھ مت لگائیے، چہ جائیکہ اس کے نام پر اپنی طرف سے کچھ مانگا جائے اور لڑائی کی جائے کہ از دے سیکولرزم یہ ہمارا حق ہے یا اپنے مفاد کے لیے چاہا جائے کہ فی الحال یہاں سیکولرزم برقرار رہے یا یہ پوزیشن اگر منظور نہیں ہے تو پھر مسئلہ کے اس پہلو کو واضح کیجیے کہ آیا وہ دین ہے جو یہاں اصل اور اسکے شرعہ کے درمیان تفریق کر رہا ہے یا ہمارے اپنے ذوق و طبیعت کی بات ہے؟ دین ہے تو وہ دینی سراسمے آئی چاہیے جو اس دعوے کو ثابت کر دے۔ ورنہ دینی نظائر سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ تفریق محض ذوق و طبیعت کا شاخسانہ ہے یعنی یا تو سیکولرزم علیٰ کلی حال کی تحریم غلو فی الدین کا نتیجہ ہے۔ یا اس کے معینہ ثمرات کی تحلیل اور ان ثمرات کے لیے اس کی بقا کی خواہش میں غیر شرعی توسع سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور ان میں سے پہلی صورت میں بلاوجہ دنیا کا اور دوسری میں کھلا ہوا آخرت کا خسارہ ہے۔

اُخروی خسارہ کے لیے کسی تشریح کی حاجت نہیں اور نہ اس کی تفصیل بیان کی جاسکتی ہے دینی خسارہ کی بات اوپر اسکی ہے یہاں ایک منضبط انداز میں اس کو ہم پھر سامنے رکھتے ہیں۔

۱۔ ہم میں کوئی شخص اس میں اختلاف کرنے والا آج نہیں ہے کہ بحالات موجودہ جو ممکن صورتیں ہندوستان میں حکومت کی ہو سکتی ہیں ان میں مسلمانوں کے لحاظ سے سب سے بہتر یا غنیمت سیکولر جمہوریت ہی کا نظام ہے۔

۲۔ مختلف اسباب سے (خصوصاً قیام پاکستان کے سبب سے) مسلمانوں میں کو سب سے زیادہ حضرت ہے کہ یہاں کا نظام حکومت سیکولر جمہوریت ہو۔

۳۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جس کی ضرورت ہو وہی اس کے لیے سچی لگن سے کام کر سکتا ہے اور اسی کی محنت و کوشش سے یہ ممکن ہے کہ ضرورت کا خفہ پوری ہو۔

۴۔ سیکولر جمہوریت کا قیام تو یہاں غیر رسمی طور پر حصولِ آزادی کے ساتھ ہی ہو گیا تھا، دو ایک مہرے کے بعد رسمیت بھی مکمل ہو گئیں۔ مگر عملی طور پر جو یہ صحیح معنی میں آج بھی قائم نہیں ہے اور دن بدن اس میں کھوکھلا پن بڑھ رہا ہے تو منجملہ دو سبب کے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے لیے کسی براہِ راست اور مثبت جدوجہد سے مسلمانوں کی تقویٰ باہمی تعلق کو اس میں بڑا دخل ہے۔ آج بھی جب کہ وقت بہت گزر چکا اور معاملات کا پیچھے ہٹنا ہی اگر کوئی شکل اس بات کی ہے کہ یہاں کے سیکولرزم کا حال ٹھیک ہو بلکہ فی الحال تو جو اس کے لینے کے دینے پڑ رہے، انھیں سے نجات ملے، تو سب سے زیادہ امید آفریں شکل یہی ہے کہ مسلمان اس تن نیم جان میں جاننا تازہ ڈالنے کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اس کے بغیر گویا یہ فوشہ دیوار ہے کہ سیکولرزم اور جمہوریت کا یہ برا بھلا مرکب بھی باقی نہیں رہے گا۔ جسے ہم دوسرے امکانات کے مقابلہ میں بہر حال غنیمت جانتے ہیں۔ اور نہ بھی جانتے ہوں تو حقیقت یہی ہے۔

پس سیکولرزم کی کھلے دل سے تائید اور اس کے لیے صحیح معنی میں جدوجہد سے اجتناب ایک ایسا رویہ ہے جو بھت کا فی نقصان ہمیں اب تک پہنچا چکا ہے اور یہی رویہ اگر برقرار رہا تو یہ نقصان اپنی انتہا کو پہنچ کر رہے گا۔ لہذا اگر یہ معلوم ہو کہ دین ہم سے اس رویہ کا تقاضا ہندوستان جیسے ملک میں نہیں کرتا تو اب یہ رویہ ترک ہونا چاہیے اور مزید نقصان سے بچنے کے لیے وہ رویہ اختیار کیا جانا چاہیے جس سے یہاں کی سیکولر جمہوریت صحیح معنی میں سیکولر جمہوریت بنے اور اس کے استحکام میں ترقی ہو۔

لیکن اگر اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیکولرزم کی تائید اور اس کے بقا اور استحکام کی جدوجہد میں شرکت کسی بھی حال میں جائز نہیں تو پھر اس بات پر غور ہونا چاہیے کہ اس محرم شرعی سے فائدہ اٹھانا وہ ان فائدوں کے لیے یہ چاہنا کہ سیکولرزم یہاں فی الحال باقی ہی رہے بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں سیکولر جمہوریت کے علمبرداروں کی کسی نہ کسی ڈھنگ سے تائید بھی کرنا کیونکر جائز ہوگا؟ اس معاملہ میں کوئی شرعی سند ملتا ہے آجائے تو خیر، در نہ صاف بات یہ ہے کہ اس رویہ کو اضطراب کی بہت واضح حدود میں محدود کر کے باقی سے تاب ہو جانا چاہیے ہاں ایک شکل ہماری سمجھ میں آتی ہے جس میں استفادے کو اضطراب سے منع کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ وہ دوسرے ہول شریعت سے حد بندی کا محل ہوگا اور اس میں کانی تجاؤ کش مل جائے گی نہ شکل یہ ہے کہ سیکولرزم

کے کھلے حریف بن کر کھڑے ہوں۔ سیکولزم کا یہاں ہر داعی ہمیں اپنا مخالف جانے اور علانیہ "اتابکل عہد متکفر و متاعبدون من دین اللہ" کی ابراہیمی سنت پر عمل کر کے گھردوں سے لے کے ایوان حکومت تک کلہو حق کی سر بلندی کا جھنڈا اٹھالیں۔ یہ شکل معاملہ کی پوری نوعیت کو بدل دے گی۔ اب یہاں ملے ہوئے کسی حق سے استفادہ یا اس پر اصرار سیکولزم سے رضامندی کا مفہوم لازماً نہیں دے گا کہ فی نفسہ جائز استفادہ یا اصرار بھی اس عارض سے حرام ہو جائے بلکہ انھیں حقوق سے استفادہ یا ان کا مطالبہ حرام ہو گا جن سے استفادہ کچھ ایسے قاعدوں اور ضابطوں کا پلہ بند ہو کہ ان کی بجا آوری میں سیکولر حکومت کی مخالفت کا کردار قائم نہ ہو سکے۔ مثلاً پارلیمنٹ یا اسمبلی کی ممبری اور اس کے لیے الیکشن کی امید داری جس میں قانون کی رو سے دستور ہند سے فاداری کا حلف لینا شرط ہے۔

تو یہ ہے وہ واحد شکل جہیں ہم ملک کے سیکولر نظام حکومت کو شرعاً ایک ناقابل شرکت اور ناقابل تائید نظام سمجھتے ہوئے بھی اس کے دیے ہوئے حقوق اور اس کے پیدا کیے ہوئے مواقع سے استفادہ اور ان پر بصرہ کی کافی گنجائش اور دے شریعت پاسکتے ہیں۔ لیکن کھلی اور کلی مخالفت اور اس کے خطرات کو قبول کرنے کی مزاحمت ہمت دکھائے بغیر یہ استفادہ یا اصرار حد اضطراب سے آگے کوئی جواز نہیں رکھتا

اس تحریر کا مقصد کوئی فیصلہ دینا اور کسی پہلو کی تصویب یا تغلیط کرنا نہیں ہے، جیسا کہ تحریر کی مجموعی نوعیت سے بھی ظاہر ہے۔ اور صاحب تحریر کی یحیثیت بھی نہیں۔ مقصد ملت کے علما اور ماہرین کتاب سنت کو متوجہ کرنا ہے کہ اس مسئلہ کو صاف کریں۔ راقم کی نظر میں (اگرچہ صاحب نظری کا دعویٰ کرنے کے لائق وہ نہیں) موجودہ رویہ جس کا اصل تعلق (نیشنلسٹ کہلانے والے علما کو چھوڑ کر) بیشتر علما و رہنمایان دین ہی سے نیز مٹھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک خاص جماعت سے ہے جو کتاب و سنت کو رہنما بنانے کی داعی ہے کسی طرح بھی قابل اطمینان نہیں۔

اگر معاملہ صرف کسی طبقہ یا کسی خاص جماعت اور گروہ کا ہوتا تو اسے موضوع بحث بنانے کی ضرورت (باقی صلاہ پر)

عہ واضح رہے کہ اضطراب شرعی مراد ہے۔ وہ "اضطراب" نہیں جو ہمارے زمانے کے بعض لوگوں نے ایجاد کر دیا ہے اور جس کی وسعتوں میں ہر احساس ضرورت سما جاتا ہے چاہے شریعت کی نگاہ میں وہ کیا ہی معتبر بلکہ مردود بھی ہو۔

## حضرت حاجی عبدالغفور صاحب جو دھپوری کا وصال

محمد منظور نعمانی

اب سے ٹھیک دس سال پہلے الفتان کی جون اور جولائی ۱۹۶۰ء کی دو اشاعتوں میں اس ناچیز نے ایک مضمون بعنوان — اللہ کا ایک بندہ — حضرت حاجی عبدالغفور صاحب جو دھپوری کے متعلق لکھا تھا، خوب یاد ہو کہ اُس وقت اُس کا خاص محرک یہ ہوا تھا کہ قریباً ۲۵ سالہ ربط و تعلق کی وجہ سے میں حضرت مدوح کی نہایت سبق آموز اور عبرت انگیز زندگی اور غیر معمولی بلکہ بحیر العقول حالات سے خاصہ واقف اور بہت زیادہ متاثر تھا اور اُن کے وجود کو اکثر کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی اور اسلام کا معجزہ سمجھتا تھا۔ اسی کے ساتھ میں محسوس کرتا تھا کہ اُن کو بہت سے وہ لوگ نہیں جانتے جو اگر جان لیں تو بہت فائدہ اٹھائیں اور بہت کچھ حاصل کر لیں۔

حضرت حاجی صاحب کی عمر اُس وقت انسانی سے متجاوز ہو چکی تھی، خلقی اور جسمانی حیثیت سے بہت لاغر و نحیف اور بظاہر بہت ضعیف سے تھے اس لیے قیاس اور اندازہ یہ تھا کہ دنیا سے ان کی انہستی کا وقت اب زیادہ دور نہ ہوگا، اسی بنا پر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اُن بڑے میاں کے چلے جانے کے بعد ان کے حالات لکھے گئے تو بہت سوں کو بڑی حسرت ہوگی کہ ہمارے زمانہ میں اللہ کا ایک ایسا بندہ موجود تھا اور ہمیں خبر نہ تھی اگر پتہ ہوتا تو ان کی برکات سے متبع ہوتے۔ — الغرض اس خیال اور نیت سے اُس وقت میں نے وہ حالات الفتان میں لکھے تھے۔

بہت سے لوگوں کو اُس مضمون ہی سے حضرت کا پتہ لگا، بعض اصحاب توفیق نے اُسے پڑھ کے حضرت کی خدمت میں حاضری اور زیارت و استفادہ کے لیے جو دھپور کا سفر کیا، بعضوں نے خط کتابت سے رابطہ قائم کیا۔ — پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُس کے بعد بھی پورے دس سال تک حضرت مدوح کو اس دنیا میں رکھا۔ — ادھر کافی عرصہ سے خطوط سے اطلاع مل رہی تھی کہ ضعف بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہ ناچیز

حاضری کا ارادہ بھی کر رہا تھا کہ ۲۷ جولائی کی شام کو حضرت کے صاحبزادگان کی طرف سے لکھا ہوا خط ملا کہ ۲۲ اور ۲۳ جولائی کی درمیانی رات میں تین بجکر پچیس منٹ پر حضرت کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ  
اَللّٰہُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہٗ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنّہٗ وَاکْرِمْ نَزْلَہٗ وَاجْعَلِ الْجَنَّةَ مَثْوَاہٗ

اس گمشدہ بندہ پر اسکے رب کریم کے بے حد و حساب احسانات میں سے سے ایک عظیم احسان یہ بھی ہو کہ اس تھوڑی سی زندگی میں اُس نے بہت سے مقبول بندوں تک پہنچایا، اپنے دل کو ان کی محبت و عظمت اور بغیر کسی استحقاق کے ان کی نظر عنایت و شفقت نصیب ہوئی۔ لیکن حضرت حاجی عبدالغفور صاحب کو صرف ایک باخدا بندہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اُس کی صفتِ ہریت درحمت کا ایک معجزہ جانا۔

وہ ایک نہایت غریب سیلی گھرانے میں پیدا ہوئے، جہاں نہ دنیا تھی نہ دین، اتنا ہی غربت کی دھج سے بالکل بچپن ہی سے محنت مزدوری شروع کی، بیلوں، بھینسوں کا گو بڑ تک بننا، گیارہ سال کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے۔ پھر اس محنت مزدوری ہی کے زمانہ میں اور اسی کو وسیلہ بنا کر محنت خداوندی نے دل میں ایسا دینی رجحان پیدا کیا کہ پیسے بچا کر اچھی دینی اصلاحی کتابیں منگواتے اور چونکہ خود پڑھے لکھے نہیں تھے اس لیے دوسروں کی خوشامد کر کے اُن سے پڑھوا کے سُنتے، پھر اپنے ہی طور پر محنت کر کے اتنی حروفِ شناسی بھی حاصل کر لی کہ وہ کتابیں خود پڑھنے لگے۔ اسی دور میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینی و دنیوی برکات و ترقیات کی موسلا دھار بارشوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ دُنیا میں تو ۵۰۰ پیسے پانے والے ایک غریب مزدور سے ترقی کر کے بڑے اور بہت بڑے ٹھیکیدار ہو گئے، اس راستہ سے اللہ تعالیٰ نے لاکھوں عطا فرمائے اور لاکھوں ہی اپنے ہاتھوں سے اُن راہوں میں خرچ کیے جن میں خرچ کرنا کابرِ ثواب اپنی آخرت کے لیے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کا وسیلہ سمجھا۔ اور اسی کے ساتھ دینی درد و مصافی ترقی اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ہوتی رہی یہاں تک کہ حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے مجاز ہوئے اب سے کوئی ۲۵-۳۰ سال پہلے قلب میں شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو سرمایہ جہاد و غیرہ دی ہو وہ سب آئندہ دارت ہونے والے اصحابِ حقوق کو دے کے یا راہِ خدا میں صرف کر کے بالکل اُس طرح خالی ہاتھ ہو جاؤں جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا کیا گیا تھا کہ کچھ بھی ملکیت میں نہ تھا، اور آئندہ زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے مطابق مسکین و دلی گزاردوں اور اسی حال میں اس دنیا سے اپنے رب کے پاس جاؤں

اللهم احیی مسکیناً وامتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرة المساکین) پناہ خواہی کیا اور سب کچھ اپنی ملکیت سے نکال کے بالکل فقیر بنے اور اپنی بنائی ہوئی مسجد کے ایک چھوٹے سے حجرہ میں رہائش اختیار فرمائی۔ دین کی روح اور ایمان کا نقطہ کمال اخلاص و احسان ہو اور یہ وہ چیز ہو جس کا صحیح علم دراصل علم بذات الصدوق ہو تا ہو لیکن جس حد تک کوئی بشر کسی بندہ کے بارے میں اپنے ادراک و احساس اور انداز کی بنا پر کچھ کہہ سکتا ہو یہ عاجز عرض کرتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحب کے قریب رہ کے گویا آنکھوں سے نظر آتا تھا کہ اُن کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاکنا، کھانا پینا، لینا دینا حتیٰ کہ ہنسنا بولنا اور خاموش رہنا بھی اللہ کے لیے اور صرف اللہ کے لیے ہے۔

ابھی اوپر عرض کیا ہوں کہ لکھے پڑھے بالکل نہیں تھے جب اللہ نے دینی ذوق نصیب فرمایا تو اتنی حرف شناسی سیکھ لی تھی کہ اردو کی دینی کتابیں کسی طرح پڑھ لیتے تھے گفتگو میں بعض الفاظ بھی صحیح ادا نہیں ہوتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب کو حکمت اور تفقہ کی وہ دولت عطا ہوئی تھی کہ کم جیسے کتاب خوان بھی حضرت کی باتوں سے علم حاصل کرتے تھے کم از کم اس عاجز نے عارفِ رومی کے اس شعر کا کوئی مصداق اور نمونہ اُن جیسا دوسرا نہیں دیکھا

بینی اندر خود علوم انبیا  
بے کتاب دے بے معید و اوستا

یہ سب چیزیں تفصیل سے اُس مضمون میں لکھی جا چکی ہیں جو الفت بن اب سے دس سال پہلے لکھا گیا تھا۔ اگر اللہ نے توفیق دی تو حضرت حاجی صاحب کی زندگی سے متعلق مزید معلومات کا اضافہ کر کے ایک مختصر سوانح حیات کی حیثیت سے اُس کو کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا جائے گا۔

حضرت مرحوم ایک وسیع علاقہ کے لیے بجائے خود ایک دینی مرکز اور سیارہ ہدایت تھے اب وہ اس دنیا سے اٹھا لیے گئے، اللہ تعالیٰ حضرت کے صاحبزادوں کو اور اس علاقہ کے اُن سب حضرات کو جھوٹا نے حضرت کی صحبت و تربیت سے تعلق بانٹ کر اور فکر آخرت کی دولت پائی، توفیق دے کہ وہ حضرت کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خدمتِ دین اور خیر کے اُن سب کاموں اور سلسلوں کے باقی اور جاری رہنے کا ذریعہ بنیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حضرت مرحوم کو وسیلہ بنایا تھا۔ یہی ان پر حضرت کا خاص حق ہو اور یہی اُن کے لیے دینی و ایمانی ترقی اور کامیابی کی خاص راہ ہو۔



## اپنے پاکستانی خریداروں سے چند ضروری باتیں

۱۔ ایک سال سے اوپر ہو گیا ہندوستان پاکستان کے درمیان اخبارات کی آمد و رفت حکومت پاکستان نے قطعی طور پر بند کر رکھی ہے۔ پاکستانی رسائل کی آمد بھی یکٹہ بند ہو۔ البتہ ہندوستانی رسائل کے بارے میں بات صاف نہیں ہو کہ احکام کیا ہیں۔ افغانستان کا تجربہ یہ ہو کہ شروع میں کئی مہینے تک کراچی میں غائبانہ کوئی پرچہ نہیں پہنچا، دوسرے مقامات پر عام طور سے پہنچتے تھے پھر کراچی میں بھی دوسرے مقامات کی طرح پہنچنے لگا۔ ادباً کسی بھی جگہ سے اس نوعیت کی شکایات ہمارے پاس نہیں ہیں جن سے یہ معلوم ہو کہ وہاں رسالہ پہنچنا یک قلم موقوف ہو۔ لیکن ایسا محال ہوتا ہو کہ پاکستانی محکمہ ڈاک کے یکسٹم کے کارکنوں کے ذہن اس معاملہ میں صاف یقیناً نہیں ہیں کہ ہندوستانی رسائل کے بارے میں ان کی حکومت کی پالیسی کیا ہو۔ چنانچہ پرچہ نہ پہنچنے کی انفرادی شکایتیں پہلے سے بہر حال بڑھی ہوئی ہیں۔ خاص طور پر اس سال مارچ کا الفرقان تو معلوم ہوتا ہو کہ بہت بڑے پیمانے پر اس نا صاف ذہن کی آمد ہو گیا اور پاکستانی خریداروں کی ایک بڑی تعداد کو نہیں پہنچ سکا۔

۲۔ چونکہ عام طور پر پرچہ پہنچ جاتا ہو اس لیے ہم برابر کہتے جا رہے ہیں جو شکایتیں ملتی ہیں ان کی تلافی میں رسالہ مگر بھیج دیا جاتا ہو۔ شکایتوں کی کثرت سے ممکن ہو کسی شکایت کی تلافی وہ بھی جاتی ہو مگر دانستہ ایسا نہیں ہوتا اس لیے اس سال سوا سال کے پرچوں سے متعلق جن صاحب کی شکایت باقی ہو وہ ایک بار پھر اطلاع دینے کی زحمت فرمائیں، انشاء اللہ تلافی کی جائے گی۔ اس عرصہ کے شمارے بالعموم دفتر میں تھوڑی بہت تعداد میں موجود ہیں اس لیے کہ شکایتوں کی رفتار دیکھ کر شروع ہی سے کچھ فاضل چھپوانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ایسے حضرات سے یہ بھی گزارش ہو کہ مطلوبہ پرچہ مل جائے تو اس کی اطلاع بھی دینے کی زحمت اٹھائیں تاکہ یہاں اطمینان ہو سکے۔

۳۔ جنی خریداروں کی مدت خریداری ختم ہو جاتی تھی اور ان کی طرف سے مقررہ وقت کے اندر چندہ جمع کر دینے کی اطلاع ہمیں نہیں ملتی تھی، ان کے اگلے مہینے کے پرچے ادارہ اصلاح و تبلیغ کی معرفت بھیجے جاتے تھے پھر سات مہینے ہوئے کہ یہ پرچہ ادارہ کو پہنچنا بند ہو گئے۔ مجبوراً یہ نظام ختم کر دینا پڑا ہو۔ ادرا یہ ہمارے خریداروں کی ہی ذمہ داری ہو کہ وہ وقت پر اپنا چندہ لاہور بھیج دینے کا اہتمام فرمائیں۔ درنظر اس ہو کہ ان کے نام رسالہ جاری نہیں رہ سکے گا اور اس سے افغانستان کو بہر حال اشاعت گھٹنے کا نقصان پہنچے گا۔ ہم اپنے خریداروں سے جو بالعموم دینی جزئ سے افغانستان کے خریدار ہیں، امید کرتے ہیں کہ وہ یہ نقصان الفرقان کو نہ پہنچے دیں گے۔

والسلام

ناظم ادارہ الفتیان لکھنؤ

تذکرہ حضرت سید شاہ علم الشریعہ بریلویؒ  
مولانا سید الرحمن علی ندوی کے بصیرت اور زہدِ قدیم کے ساتھ  
حضرت سید احمد شہیدؒ کے بریلوی کے جدِ اعلیٰ اور مجددِ عالمگیر کے ممتاز شیخ و مقتدر اور عارفِ ائمہ حضرت شاہ علم الشریعہ  
بریلوی کے صفات و کمالات اور اخلاقِ عالیہ کا براہِ راست بیان اور تذکرہ اور ان کے باکمال فرزندان اور خلفاء کے مختصر  
حالات زندگی۔ ایک عظیم شخصیت کا تعارف جو ابھی تک پردہٴ گمنامی میں جو۔  
اعلیٰ کتابت و طباعت۔ مجلہ نمبر گزشتہ قیمت۔ ۴/۰

ناشر: مکتبہ اسلام، ۳، گوئن روڈ، لکھنؤ (دلی)

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.  
TRANSPORT CONTRACTORS  
113, BHANDARI STREET (CHAKLA)  
BOMBAY - 3

سُندھ دیکھانے میں جھجک کیوں؟  
کیا چہرے کے مٹاسوں، پھینسیوں اور جلدی تکلیفوں کی وجہ سے؟



صانی

خون صاف کرنے کی  
قدرتی دوا

ہمدرد

تب آپ یہ پڑھیے!

مٹھاتے پھینچان اور دوسری جلدی تکلیفیں خون کی  
غیرال کے سبب پیدا ہوتی ہیں، اس قسم کی جلدی  
تکلیفوں سے چھٹکارا لانے کے لیے خون صاف  
کرنے والی مشہور دوا صانی استعمال کیجیے۔

صانی میں آدھ جڑی بوٹیوں کے ایک مرکب شامل ہیں  
یہ جڑی بوٹیاں تازہ کرتی ہیں، تھوکتا اور غصوں کے خراب  
ماورے کو جسم سے باہر نکالتی ہے۔

# مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

## (مُسَلَّس)

### اسلامی برادری کے باہمی تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کی دعوت اور ہدایت لے کر آئے تھے۔ جو لوگ اُن کی دعوت کو قبول کر کے ان کا دین اور اُن کا راستہ اختیار کر لیتے تھے وہ قدرتی طور سے ایک جماعت اور امت بنتے جاتے تھے۔ یہی دراصل ”اسلامی برادری“ اور ”امت مسلمہ“ تھی۔

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے، یہی برادری اور امت آپ کا دست و بازو اور دعوت و ہدایت کی ہم میں آپ کی رفیق و مددگار تھی۔ اور آپ کے بعد قیامت تک اسی کو آپ کی نیابت میں اس مقدس مشن کی ذمہ داری سنبھالنی تھی۔ اس کے لیے جس طرح ایمان و یقین، تعلق باللہ اور اعمال و اسحاق کی پاکیزگی اور جذبہ دعوت کی ضرورت تھی، اسی طرح دلوں کے جوڑاؤں، خیرازہ بندی کی بھی ضرورت تھی، اگر دل پھٹے ہوئے ہوں، اتحاد و اتفاق کے بجائے اختلاف و انتشار اور خود آپس میں جنگ و پیکار ہو تو ظاہر ہے کہ نیابت نبوت کی یہ ذمہ داری کسی طرح بھی ادا نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامیت کو بھی ایک مقدس رشتہ قرار دیا اور امت کے

افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور پر ہدایت و تاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور باہم خیر خواہ و خیر اندیش اور معاون و مددگار بن سکیں، ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے اور اس دینی ناطق سے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اس تعلیم و ہدایت کی ضرورت خاص طور سے اس لیے بھی تھی کہ امت میں مختلف ملکوں اور نسلوں اور مختلف طبقوں کے لوگ تھے جن کے رنگ و مزاج اور جن کی زبانیں مختلف تھیں اور یہ دیکھا جاتا تھا کہ ان کے کو اور زیادہ بڑھنے والی تھی۔ اس سلسلے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ہدایات مندرجہ ذیل حدیثوں میں پڑھیے!

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ  
لِلْمُؤْمِنِ كَالْبَيْتِ إِنْ شَتَّى بَعْضُهُمْ شَتَاتَ بَيْنَ أَسْبَاجِهِ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سارے اُس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم وابستہ اور پیوستہ ہونا چاہیے (نشریں)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمارت کی اینٹیں باہم مل کر مضبوط قلعہ بن جاتی ہیں اسی طرح امت مسلمہ ایک قلعہ ہے اور ہر مسلمان اس کی ایک ایک اینٹ ہے، ان میں باہم وہی تعلق و ارتباط ہونا چاہیے جو قلعہ کی ایک اینٹ کا دوسری اینٹ سے ہوتا ہے پھر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کے مختلف افراد اور طبقوں کو باہم پیوستہ ہو کر اس طرح امت واحدہ بن جانا چاہیے، جس طرح الگ الگ دو ہاتھوں کی یہ انگلیاں ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر ایک مطلقہ اور گویا ایک وجود بن گئیں۔

عَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ إِنْ اشْتَكَى عَيْنُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ  
وَإِنْ اشْتَكَى رَأْسَهُ اشْتَكَى كُلُّهُ

رواہ مسلم

حضرت نفعان بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
سب مسلمان ایک شخص واحد کے مختلف اعضا کی طرح ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دکھ لے تو اس کا  
سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے اور اسی طرح اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو بھی سارا  
جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ کو ایک جسم و جان والا وجود ہے اور اُس کے افراد اس  
کے اعضا ہیں۔ کسی کے ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو اُس کے سارے اعضا تکلیف محسوس  
کرتے ہیں اسی طرح پوری امت اسلامیہ کو ہر مسلمان فرد کی تکلیف محسوس کرنی چاہیے اور ایک کے دکھ دوسرے  
سب کو شریک ہونا چاہیے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ  
آخِرُ الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلَمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ إِلَى أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ  
فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَاتٍ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ — رواه البخاری و مسلم  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہو (اس لیے) نہ تو خود اُس پر ظلم و زیادتی  
کرے، نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کے لیے اس کو بے مدد چھوڑے (یعنی دوسروں  
کے ظلم سے بچانے کے لیے اس کی مدد کرے) — اور جو کوئی اپنے ضرورتمند بھائی  
کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت ردائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کو  
کسی تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کسی  
مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا  
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْمُسْلِمُ آخِرُ الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُظْلَمُ لَهُ وَلَا يُحْقَرُ إِلَّا التَّقْوَىٰ هُنَا  
(وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) بِحَسَبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُحْقَرُ

أَخَاهُ الْمُسْلِمُ كُلَّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَغَرَضُهُ.

رداء مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہذا) نہ خود اس پر ظلم و زیادتی کرے، نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لیے اُس کو بے یار و مددگار بھڑے، نہ اس کی تحقیر کرے (حدیث کے راوی ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے فرمایا) ”تقویٰ یہاں ہوتا ہے، کسی آدمی کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو تحقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے (یعنی اُس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی اس کا مال بھی، اور اس کی آبرو بھی۔“ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمانے کے ساتھ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے اور اس کی تحقیر نہ کرے (لَا يُخَفِّرُهُ) اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے جو یہ فرمایا کہ ”التَّقْوَىٰ هَاهُنَا“ (تقویٰ یہاں سینے کے اندر اور باطن میں ہوتا ہے) اس کا مقصد اور مطلب سمجھنے کے لیے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بُرائی، بھڑائی، عظمت، حقارت اور عزت و ذلت کا دار مدار ”تقویٰ“ پر ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ“ (اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز اور قابلِ اکرام وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے) اور تقویٰ درحقیقت خدا کے خوف اور محاسبہ آخرت کی فکر کا نام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ دل کے اندر کی اور باطن کی ایک کیفیت ہے، اور ایسی چیز نہیں ہے جسے کوئی دوسرا آدمی آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کر سکے کہ اس آدمی میں تقویٰ ہے یا نہیں ہے، اس لیے کسی بھی صاحبِ ایمان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے ایمان والے کو حقیر سمجھے اور اُس کی تحقیر کرے، کیا خبر جس کو تم اپنے ظاہری سلوٹات یا قرآن سے قابلِ تحقیر سمجھتے ہو اُس کے باطن میں تقویٰ ہو اور وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو۔ اس لیے کسی مسلم کے لیے یہ نہیں کہ وہ دوسرے مسلم کی تحقیر کرے۔ آگے آپ نے فرمایا کہ کسی آدمی کے بُرے ہونے کے لیے تنہا یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اللہ کے کسی مسلم بندہ کو حقیر سمجھے اور اُس کی تحقیر کرے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنَّصِيحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان

کے ساتھ مخلصانہ خیر خواہی پر (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی تھی تو آپ نے خصوصیت کے ساتھ (تشریح) تین باتوں کا مجھ سے عہد لیا تھا، ایک اہتمام سے نماز پڑھنے کا، دوسرے زکوٰۃ ادا کرنے کا، تیسرے ہر مسلمان کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کے لیے خیر خواہی اور خیر اندیشی کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے باہمی تعلق کا اتنا اہتمام تھا کہ آپ نماز و زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کے ساتھ اس کی بھی بیعت لیتے تھے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا يَهْتَمُّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُصْبِحْ وَيُمْسِمْ نَاصِحًا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِإِمَامِهِ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ

رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ جس کو مسلمانوں کے مسائل و معاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس کا یہ حال نہ

ہو کہ وہ ہر دن اور ہر صبح و شام اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پاک قرآن مجید کا

اور اس کے امام (یعنی خلیفہ وقت) کا اور عام مسلمانوں کا مخلص و خیر خواہ و وفادار ہو (یعنی

جو کسی وقت بھی اس اخلاص و وفاداری سے خالی ہو) وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔

(معجم اوسط الطبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بندہ کے اللہ کے نزدیک مسلمان اور مقبول الاسلام ہونے (تشریح) کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے معاملات اور ان کے مصائب و مشکلات

سے بے پروا نہ ہو بلکہ ان کی فکر رکھتا ہو، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ اللہ و رسول اور کتاب اللہ اور حکومت اسلام اور عوام مسلمین کا ایسا مخلص و وفادار اور خیر خواہ ہو کہ یہ غلو و وفاداری اس کی زندگی کا جزو بن گئی ہو اور اس کی رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گئی ہو کہ وہ کسی وقت بھی اس سے خالی نہ ہو سکے۔ خدا کے لیے ہم غور کریں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر اہم ہدایات کو کیسا پس پشت ڈال دیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي  
بِيَدِهِ لَا يَأْتِي مِنْ عَبْدٍ حَتَّى يُحِبَّ لِإِخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ —

رواہ البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ  
قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ سچا مومن نہیں ہو سکتا  
جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی اس درجہ خیر خواہی کہ جو خیر اور بھلائی اپنے  
(تشریح) لیے چاہے وہی اُس کے لیے بھی چاہے، ایمان کے شرائط اور لوازم میں سے ہے اور ایمان  
و اسلام کا جو دعویٰ اس سے خالی ہے وہ ایمان کی روح و حقیقت اور اُس کے برکات سے محروم ہے۔

اسلامی رشتہ کے چند خاص حقوق :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ  
عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَحْمَةُ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَإِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَ  
إِحَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ — — — — — رواہ البخاری و مسلم

چھتر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ  
کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، اور پھینک دینے پر "یرحمک اللہ" کہہ کر اُس کے لیے دعا کرنا۔



رحمت کرنا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی علی زندگی میں یہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے اور نشوونما بھی پاتا ہے۔ اس لیے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں سلام کا جواب دینے کی جگہ خود سلام کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ان پانچ کے علاوہ بعض اور چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ان پانچ کا ذکر بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے ورنہ اور بھی اس درجہ کی چیزیں ہیں جو اسی فہرست میں شامل ہیں۔

## مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت و حمایت :-

عَنْ جَابِرِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ امْرَأَةً مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ وَيُنْقُصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ إِلَّا خَذَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي مَوْضِعٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ وَمَا مِنْ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْقُصُ مِنْ عِرْضِهِ وَيُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إِلَّا نَصَرَهُ اللَّهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ

رواہ ابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو (بے توفیق) مسلمان کسی دوسرے مسلمان بندے کو کسی ایسے موقع پر بے درد چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حملہ ہو اور اس کی آبرو اتاری جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایسی جگہ اپنی مدد سے محروم رکھے گا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہشمند اور طلبگار ہوگا۔ اور جو (بے توفیق) مسلمان کسی مسلمان بندہ کی ایسے موقع پر مدد اور حمایت کرے گا جہاں اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں وہ اس کی نصرت کا خواہش مند (اور طلبگار) ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَى مُؤْمِنًا مِنْ مَنَافِقِ بَعَثَ اللَّهُ مَلَكًا يَحْيِي لِحَمْدِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَحِمَى مُسْلِمًا يَشِيءُ يَرْيُدُ بِهِ شَيْئَةً حَبَسَهُ اللَّهُ  
عَلَىٰ جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتَّىٰ يُخْرِجَ مِمَّا قَالَ \_\_\_\_\_ رواه ابوداؤد

حضرت معاذ بن انس الصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جس نے کسی بد دین منافق کے شر سے کسی بندہ مؤمن کی حمایت کی مثلاً کسی شریر بد دین نے کسی مؤمن بندہ پر کوئی الزام لگایا اور کسی باؤن مؤمن مسلمان نے اس کی مدافعت کی تو اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اُس کے گوشت (یعنی جسم) کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان بندہ کو بدنام کرنے اور گرانے کے لیے اُس پر کوئی الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ اُس کو جہنم کے پُل پر قید کرے گا اُس وقت تک کے لیے کہ وہ اپنے الزام کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کسی بندہ مؤمن کو بدنام و رسوا کرنے کے لیے اس پر الزام لگانا اور اس کے خلاف پردیکھ کر ایسا سنگین اور اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا اگرچہ مسلمانوں میں سے ہو جہنم کے ایک حصہ پر (جس کو حدیث میں جبر جہنم کہا گیا ہے) اُس وقت تک ضرور قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ جل جہنم کر اپنے اُس گناہ کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے جس طرح کہ سونا اس وقت تک آگ پر رکھا جاتا ہے جب تک کہ اس کا میل کھیل ختم نہ ہو جائے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ کے اِن ناقابل معافی ہے۔ لیکن آج ہم مسلمانوں کا ہمارے خواص تک کا یہ لذیذ ترین شغل ہے اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ وَطَرِ نَفْسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَرُدَّهُ عَنْهُ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ تَلَاهُو: "الْأَيَةُ" وَكَانَ حَقًّا  
غَلِيظًا فَضْرًا الْمُؤْمِنِينَ ۵ \_\_\_\_\_ رواه البغوي في شرح السنه

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلم بھائی کی آبرو پر ہونے والے حلقے کا جواب دے (اور اس کی طرف سے مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ کا یہ ذمہ ہوگا

کہ وہ قیامت کے دن آتش جہنم کو اُس سے دفع کرے — پھر (بطور سند کے) آپ نے یہ ایت تلاوت فرمائی — ”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ“ (اور ہمارے ذمہ ہے ایمان والوں کی مدد کرنا)۔ (شرح السنہ للإمام محی السنہ البغوی)

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَّ عَنِ لَحْمِ أَخِيهِ بِالْمَغِيبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ \_\_\_\_\_ رواه البيهقي في شعب الایمان

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندہ نے اپنے کسی مسلم بھائی کے غلات کی جانے والی غیبت اور بدگوئی کی اس کی عدم موجودگی میں مدافعت اور جوابدہی کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ آتش دوزخ سے اُس کو آزادی بخشے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اغْتَيْبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمَ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرِهِ فَقَصَرَ نَصْرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَإِنْ لَمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرِهِ أَذْرَكَهُ اللَّهُ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ \_\_\_\_\_ رواه البغوی فی شرح السنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص کے سامنے اُس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت و حمایت کر سکتا ہو اور کرے (یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والے کو اُس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس کی مدد فرمائے گا، اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت و حمایت نہ کرے نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے، نہ جوابدہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو اس کو تباہی پر پہنچائے گا (اور اس کی سزا دے گا)

(شرح السنہ للإمام محی السنہ البغوی)

(تشریح) حضرت جابر، حضرت معاذ بن انس، حضرت ابو الدرداء، اور حضرت اسماء بنت یزید اور

حضرت انس رضی اللہ عنہم کی ان پانچوں حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک بندہ مسلم کی عزت و ابر و اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے اس کی حفاظت و حمایت کس درجہ کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے۔ انوس ہے کہ ہدایت محمدی کے اس اہم باب کو امت نے بالکل ہی فراموش کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ ہمارے اُن اجتماعی گناہوں میں سے ہے جن کی پاداش میں ہم صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں۔ ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

## ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اُمینہ ہے :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْمُؤْمِنُ مِرَآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكْفُ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَ  
يَحْطُطُهُ مِنْ وَرَائِهِ

رواہ ابو داؤد و الترمذی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مومن دوسرے مومن کا اُمینہ ہے اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اُس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی و نگرانی کرتا ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اُمینہ کا یہ کام ہے کہ وہ دیکھنے والے کو اُس کے چہرہ کا ہر درخ و ہبہ اور ہر بدن نشان (تشریح) دکھاتا ہو، اور صرف اسی کو دکھاتا ہو دوسروں کو نہیں دکھاتا ایک مومن کے دوسرے مومن کیلئے اُمینہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اُس کو چاہیے کہ دوسرے بھائی میں جو نامناسب اور قابل اصلاح بات دیکھے وہ پورے غلوں اور خیر خواہی کے ساتھ اس کو اس پر مطلع کرے، دوسروں میں اس کی تشہیر نہ کرے۔ اُس کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس دینی اخوت کے لحاظ سے اس کی ذمہ داری ہے کہ اگر اُس پر کوئی آفت اور تباہی آنے والی ہو تو وہ اپنے عقد و بھروسے کو رد کرنے اور اس کی زد سے اس کو بچانے کی کوشش کرے، اور جس طرح اپنی کسی عزیز ترین چیز کی ہر طرف سے پاسبانی اور نگرانی کی جاتی ہے اسی طرح اپنے دینی و ایمانی بھائی کی نگرانی اور پاسبانی کرے۔

## عام انسانوں اور مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات :-

مذہبہ بالاحدثوں میں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں، ذیل میں وہ حدیثیں پڑھے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام انسانوں اور دوسری مخلوقات کے ساتھ تعلق و برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتُعَلَّ لِسَانُكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ قَالَ وَمَا ذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَنْكَرَهُ لِنَفْسِكَ

رواہ احمد

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کا افضل درجہ کیا ہے؟ یعنی ایمان والے اعمال و اخلاق میں وہ کون سے ہیں جن کو فضیلت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا یہ کہ تمھاری محبت و محبت اور تمھاری نفرت و عداوت میں اللہ کے واسطے ہو اور تمھاری زبان اللہ کے ذکر میں استعمال ہو۔ معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ اور کیا یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا اور یہ کہ تم سب لوگوں کے لیے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لیے چاہتے اور پسند کرتے ہو اور اُس چیز اور اُس حالت کو سب لوگوں کے لیے ناپسند کرو جس کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔

(مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم میں عام انسانوں (تشریح) کی اس حد تک خیر خواہی و خیر اندیشی اور اُن کے ساتھ اتنا خلوص کہ جو اپنے لیے چاہے وہ سب کے لیے چاہے اور جو اپنے لیے نہ چاہے وہ کسی کے لیے بھی نہ چاہے، اعلیٰ درجہ کے ایمانی اعمال و اخلاق میں سے ہے۔

عَنْ جَبْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يُرْحَمُ النَّاسَ

رواہ بخاری و مسلم

حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
اُس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی جو (اس کے پیدا کیے ہوئے) انسانوں پر رحم نہ کھائے گا۔  
اور اُن کے ساتھ ترجم کا معاملہ نہ کرے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اُن لوگوں کے لیے جو دوسرے قابلِ رحم انسانوں کے ساتھ ترجم کا تبادُل نہ کریں، یعنی ان کی تکلیف اور ضرورت کو محسوس کر کے اپنے مقدر کے مطابق اُن کی مدد اور خدمت نہ کریں، بُری سخت وعید ہے، فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگ خداوندِ رحمن کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ الفاظ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ اس کو بد دعا سمجھا جائے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایسے لوگ خدا کی رحمت سے محروم رہیں۔ واضح رہے کہ چوروں، ڈاکوؤں اور اس طرح کے دوسرے مجرموں کو سزا دینا اور قاتلوں کو قصاص میں قتل کرنا ترجم کی اس تعلیم و ہدایت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ بھی عوام کے ساتھ ترجم ہی کا تقاضا ہے، اگر مجرموں کو تعزیری قانون کے مطابق سخت سزائیں نہ دی جائیں تو بچائے عوام ظالموں کے مظالم اور مجرمین کے جرائم کا اور زیادہ نشانہ بنیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا اُولٰٓئِي الْاَلْبَاب" دے اہل دانش قصاص کے قانون میں تمھارے لیے زندگی کا سامان ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ  
يُرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ اِرْحَمُوْهُمَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمُ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔

رواہ ابوداؤد و الترمذی

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کی مخلوق پر) رحم کھانے والوں اور (اُن کے ساتھ) ترجم کا معاملہ کرنے والوں پر خداوندِ رحمن کی خاص رحمت ہوگی، تم زمین والی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں بڑے ہی مبلغ اور موثر انداز میں تمام مخلوق کے ساتھ جس سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے ترجم کی ترغیب دی گئی ہے، پہلے فرمایا گیا ہے کہ ترجم کرنے والوں پر خدا کی

رحمت ہوگی، اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تم خدا کی زمینی مخلوق کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرو، آسمان والا (رب العرش) تم پر رحمت کرے گا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے "مَنْ فِي السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ جو آسمان میں ہے" ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے وہ نسبت نہیں ہے جو ایک مکین کو اپنے خاص رہائشی مکان سے ہوتی ہے، آسمان بھی زمین اور دوسری مخلوقات کی طرح اُس کی ایک مخلوق ہے وہ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ہے اور اُس کی خالقیت اور اُکھیت و ربوبیت کا دونوں سے یکساں قائل ہے (وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ) اس کے باوجود فوقیت اور بالاتری کے لحاظ سے اُس کو آسمان سے ایک خاص نسبت ہے جو زمین اور اس عالمِ اسفل کی دوسری مخلوقات سے نہیں ہے۔ اور وہی اس کی نوعیت اور کیفیت کا منسلک ہے، اسی نسبت کے اعتبار سے اس حدیث میں "مَنْ فِي الْأَرْضِ" کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے "مَنْ فِي السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ۔

رواہ ابی یحییٰ فی شعب الایمان

حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گواہ اُس) کا کنبہ ہے، اس لیے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال یعنی اُس کی مخلوق کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

آدمی کے "عیال" اُن کو کہا جاتا ہے جن کی زندگی کی ضروریات کھانے پینے وغیرہ کا وہ (تشریح) کینے ہو، بلاشبہ اس لحاظ سے ساری مخلوق اللہ کی "عیال" ہے وہی سب کا پروردگار اور روزی رماں ہے۔ اس نسبت سے جو آدمی اُس کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اُس کی محبت اور پیار کا مستحق ہوگا۔

# اِرشادِ اَتِ حَکِیمِ الْأُمَّةِ حَضْرَتِ مَوْلَانَا تَهَانَوِی

## مَجَالِسِ لَکھنَوِی

تلخیص ————— از مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی

(ماخوذ از جیل الکلام و اسرار الابرار)

حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانویؒ ۱۹۳۸ء کو بغرض علاج مع متعلّقین لکھنؤ شریف لے گئے تھے

۲۰ ستمبر تک لکھنؤ قیام رہا، درمیان میں دو چار روز کے لیے کانپور شریف لے گئے تھے۔

وہاں حاجی دلدار علی خاں صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ لکھنؤ میں مولوی محمد حسن صاحب

مالک انوار المطالع کے مکان واقع محلہ مولوی گنج میں رونق افروز رہے۔

چند حاذق اطباء اور ماہر ڈاکٹروں کے معائنے کے بعد شفا الملک حکیم عبد المجید صاحب لکھنوی (مہتمم)

کے زیر علاج رہو جناب شفا الملک اور دیگر اطباء نے ملاقات کی ممانعت کر دی تھی مگر مجمع آتنا آتا رہا کہ حضرت

کو ایک اعلان لگانا پڑا جس کے چند جملے یہ ہیں۔ ”میرا یہ سفر لکھنؤ علالت کے سبب معالجات و راحت کی

غرض سے ہوا ہو، میری موجودہ حالت ضعف میں اطباء اور ڈاکٹروں نے باتفاق زیادہ ملاقات کرنے اور

زیادہ بات چیت کرنے سے تاکید منع کیا ہو اور میں خود بھی طبیعت میں اس کا کچھ نہیں پاتا البتہ قلیل ملاقات

عمد اس انتخاب میں بعض ملفوظات کانپور کی مجلس کے بھی ہیں۔ فقیداً ان کو بھی مجاہد لکھنؤ کے ملفوظات میں شامل کر دیا گیا ہو۔



اور گفتگو کی اجازت دی ہے۔ الخ۔

چند روز قیام گاہ پر ہی نماز جماعت اور مجالس ملفوظات اور تمام معمولات کا سلسلہ رہا۔ پھر جب کچھ قوت آگئی تو یہ معمول ہو گیا کہ مسجد خواص میں عصر کی نماز کے وقت جاتے اور نماز مغرب پڑھ کر تشریف لاتے تھے۔ نماز عصر پڑھ کر حجرے کے آگے صحن میں رفتی افزودہ ہوتے تھے۔ دیں ڈاک کا انتظام تھا۔ مغرب تک خطوط کے جوابات اور ملفوظات کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ مسجد خواص میں عصر اور مغرب کی نمازوں میں نماز جمعہ کی مانند جمع ہوتا تھا، مسجد بالکل بھر جاتی تھی، ہر شخص چاہتا تھا کہ کم از کم زیارت تو کر لوں۔ ہر ایک کی کوشش ہوتی تھی کہ نماز کے فوراً بعد حضرت دالاکہ کی نشست گاہ کے قریب جگہ مل جائے تاکہ ارشادات بخوبی سُن سکیں، بعض لوگ دُعا سے پہلے ہی دہاں پہنچ جاتے تھے۔ اُسی وقت دوا استعمال فرماتے تھے اور مغرب تک فیوضِ دہکات کا دریا موجزن رہتا تھا۔ علاوہ شاہیر خلفاء و ملاقات کیلئے جو حضرات لکھنؤ اور بیرون لکھنؤ سے تشریف لاتے، ہو، اُن کے اسما کی طویل فہرست ہو، اُن میں حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی بھی ہیں، چند علماء فرنگی محل بھی ہیں۔ مولانا سید علی زینی امر دہلی، قاری عبد الملک صاحب، مولانا ظفر الملک علوی مرحوم، نیز نواب محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم (دیر تھ) نبیرہ نواب مصطفیٰ خاں شریفہ مرحوم، نواب حمید علی خاں صاحب مرحوم (باغیت)، نواب احمد سعید خاں (پھتاری)، وغیرہ بھی شامل ہیں۔ مولانا سید سلیمان نذر دہلی بھی لکھنؤ تشریف لے آئے تھے۔ مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی بھی کئی مرتبہ شریک مجلس ہوئے۔ مولانا محمد میاں فاروقی نبیرہ مولانا محمد حسین الدہلوی بھی آئے۔ مجالس ملفوظات میں شرکت کرنے والوں میں بقول جناب دُصل بلگرامی مولانا عبد الباقی نذر دہلی اور حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی سب سے زیادہ مستعد پائے جاتے تھے۔ اُن کی بیانی، اُن کا شوق، اُن کی محبت اور اُن کی تنقید دیکھنے کے قابل تھی۔ جیسے انکلام مرتبہ مولانا جمیل احمد تھا نووی اور اسعد الابراہیم مرتبہ مولانا ابراہیم الحق حقانی (دہلوی) تبصیح حضرت مولانا اسعد انٹر ملٹل، ناظم مظاہر علوم سے یہ ملفوظات اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں رسالے ”الفصل للوصل“ مرتبہ سید مقبول حسین دُصل بلگرامی میں مندرج ہیں۔

فرمایا۔ ایک شخص نے ایک غلام خریدا۔ اُس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہو؟ اُس نے کہا کہ اب تک جو نام تھا وہ اب سے دہی نام ہو جس نام سے آپ پکاریں، پھر دریافت کیا کہ کھانے پینے میں کیا معمول ہو؟ اُس نے کہا اب تک جو تھا وہ اب سے دہی نام ہو جو آپ کھلائیں گے پلائیں گے تو بندے کا

مُعاملہ حق تعالیٰ سے کم از کم ایسا تو ہونا چاہیے۔

فرمایا۔ ایک صاحب نے مجھ کو عربی میں خط لکھا اور اپنی اصلاح کی درخواست کی میں نے لکھ دیا کہ مفید (مُرشِد و استاذ) کا مُستفید (مُربِّی و مُتعلِّم) سے اکمل ہونا ضروری ہے۔ میں عربی میں اچھی طرح لکھ نہیں سکتا۔ آپ لکھ سکتے ہیں (لہذا میں آپ کی اصلاح نہ کر سکوں گا)۔

فرمایا کہ۔ میں نے ایک طالب علم سے کہا تھا اَتَدُّ عُوْنَ بَعْلًا وَتَدُّوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ (کیا تم پکارتے ہو بعل (بُت) کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو) اگر یہ (نمودِ بائِش) غیر اشرک کا کلام ہوتا تو تَدُّوْنَ کی جگہ تَدُّ عُوْنَ ہوتا چونکہ معنی کا لحاظ فرمایا گیا ہے اس لیے صنعتِ لفظی کی رعایت نہیں کی گئی۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر لفظوں کی رعایت ہوتی تو بجلے تَدُّوْنَ کے تَدُّ عُوْنَ ہوتا کیونکہ اس سے پہلے اَتَدُّ عُوْنَ ہے۔ اور اس طرح محض ایک لفظی صنعت پیدا ہو جاتی۔ اگر یہ غیر اشرک کا کلام ہوتا تو وہ اس لفظی رعایت کو مقدم رکھتا۔ لیکن دونوں لفظوں میں بہت بُرا معنوی فرق ہے کہ تَدُّوْنَ جان بوجہ کر چھوڑنے کے لیے ہے اور تَدُّ عُوْنَ عام ہے۔ تو تَدُّوْنَ سے یہ معنی برآمد ہوئے کہ تم اشرک کو یہ جانے پہچانے کے باوجود کہ ہر چیز کا خالق ہی ہو چھوڑتے ہو۔ تو اب چھوڑنے کی بُرائی میں مبالغہ ہو گیا اور تَدُّ عُوْنَ میں یہ مفہوم نہ نکلتا۔ خلاصہ یہ کہ اشرک کے کلام میں معنی کی رعایت کو لفظ کی رعایت پر مقدم فرمایا گیا)۔

فرمایا کہ۔ محققین نے تصریح کی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ خیر و شر دونوں کے خالق ہیں اور خلقِ شر میں حکمت ہے۔ اس لیے شر حق تعالیٰ کی نسبت سے شر نہیں ہے کیونکہ اُس میں حکمت ہے۔ البتہ ہماری نسبت سے شر ہے کیونکہ ہم سے اُس کے صدور میں کوئی حکمت نہیں۔ مولانا دمیٰ فرماتے ہیں عا

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است  
چون با نسبت گنئی کفر آفت است

وَصَلَّی صَاحِبُ بَلْغَرِ اَحٰی نے عرض کیا کہ حضرت دالاکے یہاں (مسائل وغیرہ میں) بہت رجوع فرمایا ہے۔ فرمایا ہاں "ترجیح الراجح" کا مستقل سلسلہ (میرے یہاں) ہے اور مولانا انور شاہ (صاحب کشمیری)

عہ خالق کی نسبت سے کفر کے وجود میں ایک حکمت ہے کہ اس کی موجودگی میں اُس کا ضد اسلام کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے لیکن یہی کفر ہماری نسبت سے ایک آفت ہے۔

فرماتے تھے کہ صدیوں کے بعد یہ سلسلہ (دوبارہ) جاری ہوا ہو۔ بہشتی زیور اور تزیج المرج کا ایک واقعہ بیان فرما کر فرمایا کہ میں تو ہر ایک مسئلے میں اپنا تسامح قبول کرنے کو تیار ہوں چاہو ایک سچہ ہی بتا دے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ جذب کوئی تصوف کی اصطلاح ہو؟ اُن سے فرمایا کہ طب کی اصطلاح، صرف طب کا طالب علم اپوچھ سکتا ہو، مریض نہیں پوچھ سکتا۔ کیا آپ تصوف کا درس لیتے ہیں؟ آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہو۔ من حسن الخیلام المرء مترکہ مالا یعیتلہ۔ یعنی کسی شخص کا لا یعنی سے بچنا، اُس کے اسلام کے حسن اور کمال کی بات ہو۔ ہر شے کے حدود ہیں محدود سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔۔۔۔۔

مولوی محمد موسیٰ صاحب سرحدی جو مدینہ منورہ کے حرم شریف میں حضرت دالاکے مولانا علیقا کا عربی میں درس دیتے تھے، اُن کا خط آیا تھا، انھوں نے اپنے نام کے ساتھ تھانوی لکھا تھا، اس پر فرمایا کہ مولوی موسیٰ نے اپنا وطن ترک کر کے تھانہ بھون کو وطن بنالیا تھا، اس واسطے وہ اپنے کو تھانوی لکھتے ہیں جیسے مولوی ظفر احمد کہ اصل میں تو دیوبندی ہیں، میری بہن کے لڑکے ہیں تو تھانہ بھون اُن کی انھیال ہوئی مگر وطن بنالینے کی وجہ سے وہ بھی تھانوی لکھتے ہیں۔ پھر فرمایا مولوی موسیٰ دیوبند پڑھتے تھے۔ تھانہ بھون بہت مرتب آئے۔ غریب تھے۔ رہا چلے گئے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ (دہلی) امرود کے پتے کھا کھا کر گزر کر کے چلے گئے اور کسی کو حال نہیں بتایا۔۔۔۔۔ پھر فرمایا کہ مولوی محمد موسیٰ نیک تو بہت ہیں مگر دوسروں کو بھی نیک بنانا چاہتے ہیں۔ آج کل نیک ہونا تو آسان ہو مگر نیک گر ہونا بہت دشوار ہو۔ اس کے اصول و حدود کی ہر شخص سے رعایت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ مولوی محمد موسیٰ سرحدی کا مزید تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ پہلے میرے لیے دُعا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ آجائے مگر اب یہ دُعا چھوڑ دی کہ ہندوستان میں تو کچھ دینی خدمت کر رہا ہوں معلوم نہیں دوسری جگہ کیا موقع ہو اور اصل بات تو یہ ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ وہاں رہوں مجھے تو اس... میں ہی رہنے دیا جائے وہاں رہنا بڑے لوگوں کا کام ہو... مولوی محمد موسیٰ اکھڑا ایسے ہیں کہ حکومت سے بھی نہیں دبتے۔ ایک مرتبہ امیر مدینہ سے کچھ اختلاف ہو گیا اور اس کی بدولت کچھ روز جیل میں رہے۔ شاید کوئی ہینہ جاتا ہو کہ خطانہ بھیجتے ہوں۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ میری طرف سے روزانہ ردضہ مبارک پر سلام پیش کر دیا کرتا ہوں اور سلام کے صیغے بھی نہایت عجز کے لکھ دیے تھے، انھوں نے لکھا کہ سب خاندان کی طرف سے روزانہ ردضہ مبارک پر سلام پیش کر دیتے ہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک بار میں نے یہاں لکھنؤ ہی میں ایک دُعظ میں بیچ صرف یعنی چاندی سونے کی بیچ اور گوٹہ زری وغیرہ لینے کے مسائل چار پانچ بیان کر دیے۔ بعد میں دیکھا کہ دو آدمیوں میں اختلاف ہو رہا ہو، ایک کہتا ہو یوں بیان کیا تھا، دوسرا کچھ اور کہتا ہو ان میں سے ایک کو غلط یاد رہا کہیں کا مبتدلے کہ کہیں کی خبر سے جوڑ دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ کئی مسئلے بیان کرنے سے یہ خرابی ہوئی۔ عوام کو تو ثواب و عذاب بھی بتانا چاہیے اور یہ تاکیر کرنا چاہیے کہ مسائل (علماء سے) پوچھ پوچھ کر گل کر لیا کریں۔

فرمایا۔ ایک عالم نے سہارنپور میں سچے کام کی ٹوپی پانچ روپے میں خریدی اور کہا کہ میں بے جانا ہوں، روپے بھی بچوں گا۔ دوکاندار نے عرض کیا کہ مولانا! یہ سیسہ (دھار) کیسے جانے ہوا؟ جو بے ہاں بھائی یہ تو جائز نہیں مجھے خیال نہیں رہا۔ تم ٹوپی رکھ لو۔ میں روپے لا کر لے جاؤں گا۔ اُس دوکاندار نے کہا کہ کیا اس وقت یہ ٹوپی لے جانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی؟ پھر خود صورت بتلائی کہ آپ اس وقت مجھ سے پانچ روپے قرض لے لیجئے اور پھر اس روپے سے ٹوپی خرید لیجئے اور قرض کا روپہ پھر ادا کر دیجئے۔ دیکھیے ایک عام آدمی نے مولانا کو ایک معاملے کے عدم جواب کی صورت بتائی پھر اُس کے جواب کی شکل بتائی۔ اگر مسائل پر عمل کرنا شروع کر دیں تو علم اور عمل سب میں آسانی ہو جائے۔

فرمایا۔ صفائی معاملات ہو تو پھوٹی سی کتاب مگر معتبر ہو اس لیے کہ (حضرت) مولانا رشید احمد رضا (گنگوہی) کی حرفِ آخر نا دیکھی ہوئی ہو۔ اس میں ایسے ایسے چھوٹے چھوٹے مسئلے لکھے ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل لوگ پڑھ لیتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ فرمایا عمل کا قصد بھی نہیں کرتے۔ دین کی فکر ہی نہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ ایک منشی طالب علم کسی دُبتدی طالب علم کو پڑھا رہا تھا۔ میرا دُھر سے گزر رہا تو وہ میزان دُلے کو الف لام کی قسمیں بتا رہا تھا میں نے کہا مولانا! تم تو چار قسمیں بتا رہے ہو۔ مگر اس کے نزدیک تو ایک ہی قسم ہو یعنی الف لام استغراق کا یعنی یہ تو تمہاری تقریر میں مستغرق ہو اور اس پر استغراق کی کیفیت طاری ہو اسے کچھ خبر نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو، تم اس بیچارے کو پڑھاتے ہو یا خود اپنی استعداد بڑھانے کی شکل نکال رہے ہو۔ بھلا اس غریب کو اس سے کیا نفع ہے؟

وصل صاحب بلگرامی نے عرض کیا کہ قصد اسمعیل حضرت والا کی اور القول الجلیل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ایک ہی سی ہیں۔ فرمایا القول الجلیل زیادہ جامع ہو اس میں کلیات اور تفویذ وغیرہ بھی ہیں۔



# مولانا کر امت علی جوئی

اور

## ان کا ترجمہ شامل ترمذی

(مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی، ناظم جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ)

(۴)

(آخری قسط)

**تصانیف** مولانا کی حسب ذیل تصانیف کا ذکر تذکرہ علمائے ہند میں ہو (۱) مفتاح الجنۃ (۲) زینۃ المصلیٰ (۳) زاد التقویٰ (۴) راحت روح (۵) نور علی نور (۶) فیض خام (۷) دعوات منونہ (۸) ترقیائیں (۹) تزکیہ نسوان (۱۰) تزکیۃ العقائد (۱۱) مراد المریدین (۱۲) قوۃ الایمان (۱۳) نسیم الحرمین (۱۴) احتقاق الحق (۱۵) مرآۃ الحق (۱۶) رفیق المساکین (۱۷) تنویر القلوب (۱۸) حق یقین (۱۹) قول الحق (۲۰) مرآۃ الحق (۲۱) عکازۃ المؤمنین (۲۲) المناظرین (۲۳) براہین قطعیہ فی تولد خیر البریہ (۲۴) کرامۃ الحرمین فی ازالۃ شبہۃ الفریقین (۲۵) لمخص القلیل الاشیاء (۲۶) اطمینان القلوب (۲۷) بہان الاخوان (۲۸) غوارج الحروف (۲۹) ہدایۃ المرافضین (۳۰) زینۃ العتاری (۳۱) شرح ہندی جہزی (۳۲) شرح شاطبی (۳۳) ترجمہ مشکوٰۃ جلد اول (۳۴) ترجمہ شامل ترمذی (۳۵) فتح باب مبیان (۳۶) کوکب دوی (۳۷) نور الہدیٰ (۳۸) حجت قاطعہ (۳۹) مکاشفات رحمت (۴۰) دفع الوسواس (۴۱) مصلح النظار (۴۲) رسالہ بیعت (۴۳) قاطع المبتدعین (۴۴) استقامت (۴۵) رد البدعت (۴۶) قوت روح (۴۷) سبیل الرشاد (۴۸) القول الثابت (۴۹) رسالہ محمودیہ وغیرہ۔

اس فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً تمام ہی علوم و غیہ پر مولانا نے اپنی یادگاریں پھوڑی ہیں ان کتابوں میں مشکوٰۃ اور شامی ترمذی کا ترجمہ اور شرح جزوی اور شرح شاطبی اپنی دینی و علمی حیثیت کے لحاظ سے اور مفتاح الجنت اور عقائد پر جس حد دوسری کتابیں اپنی افادیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں ان میں جیسا کہ ابوالکلام کا شمار تو دو بار ممتاز و مستثنیٰ تعینات میں چھاپا ہے۔ ان میں چار باب کتابیں عربی ہیں بقیہ اردو میں ہیں۔ ان میں بعض تو بہت زیادہ مقبول اور مشہور ہیں خاص طور پر مفتاح الجنت جو پہلی بار ۱۳۳۲ھ میں چھپی اور ۱۹۰۵ء میں دہ اندر اس کے چار بار پانچ ایڈیشن نکلی گئے، بار بار اس وقت مطبع مصطفائی پر دہ اندر کنگرہ کنگرہ کنگرہ اس کے انکار۔ مگر مصطفیٰ نے ان کے جو کتاب کے آخر میں غائر لکھا ہے اس میں انھوں نے تمام مطبوعہ نسخوں کا ذکر کیا ہے اور سب سے مقابلہ کر کے چھاپا ہے ہم ان کا پورا بیان یہاں نقل کرتے ہیں۔

کتاب مفتاح الجنت کہ مولوی کریم علی صاحب جو پوری نے کہ مصنف اس کے ہیں شہر کلکتہ میں اول دفعہ ۱۳۳۲ھ میں اور دوسری بار ۱۳۵۳ھ میں چھپوایا تھا اور حاجی عبدالقادر صاحب نے بعد اس کے اسی شہر میں چھپوایا۔ ۱۳۵۶ھ میں سواس بندہ گندھارا امیدوار مشغرت پروردگار محمد مصطفیٰ خاں بیٹے حاجی محمد روشن خاں خرم نے ان تینوں نسخوں کو معہ چوتھی نسخہ چھپوادی ہوئی محمد فیض اللہ صاحب کے دہ ۱۳۴۹ھ میں بارہ دہ اندر اس اجری میں ساتھ کمال جہد جہد کے ہر ایک جگہ سے جمع کرادادوں سے آخر تک ہر ایک کو بذریعہ تدقیق دیکھ اور مقررہ دفعہ اور تذکرہ و تائید موافق اردو کے مطبع کی درست کرد اسے خیر خواہی بھائیوں مسلمانوں کے بیچ بیت السلطنت لکھنے کے محلہ جمودنگ میں نیچے اکبری دروازہ کے مطبع اپنے میں کہ ساتھ مصطفائی مشہور ہو چکی ہوئی مینے جاری لاکھری ۱۳۶۰ھ بارہ سو باٹھ ہجری میں چھپوایا اب جو شخص ادل چاروں کو اکٹھا کر سیراس کی کرے اس پر خوب ترہی روشن ہو جائے کہ یہ نسخہ صحت و متانت و موافقت و دوزمرہ میں فی الحقیقت لا جواب ہو اور دوسرے ہزار دہ اندر لکھتے اور ادراخ

(ص ۱۳۰)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۳۶۰ھ تک ۱۵ برس کے اندر اس کے چار ایڈیشن طابع کے علم میں نکل چکے تھے مگر خود مولانا کریم علی کا جو بیان ۱۳۳۳ھ والے ایڈیشن کے آخر میں درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اس کے مطبوعہ یا پھر قلمی نسخے لاک میں پھیل چکے تھے اور انھوں نے اضافہ کے بعد پھر اسے ۱۳۳۳ھ میں چھپوایا مولانا کا بیان یہ ہے:

اس فقیر نے اس کتاب کو تصنیف کرنے کے کئی برس بعد حج کے سفر سے پھرتے ہوئے ۱۳۳۳ھ میں

چھپوایا تھا سو اب بعض مقام پر مضمون صاف ہونے کے میں کچھ لفظیں زیادہ کم کیں، اور دو چار کلمے ضروری چھوٹ گئے تھے، سو ان کو ان کے مقام پر داخل کیا، اب جس کے پاس یہ کتاب ہو دے وہ اس کے موافق اپنی کتاب درست کرے۔ (ص ۱۲۹)

”اب جس کے پاس یہ کتاب ہو دے“ سے یا تو مراد قلمی ہو، جیسا کہ دستور تھا، کہ لوگ لکھ کر اپنے پاس رکھتے تھے یا پھر مطبوعہ مراد ہو، اس سے پہلے مطبوعہ ہونے کی صورت میں ۱۲۲۳ھ کے اڈیشن کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ مولانا نے ترمیم و اضافہ کے بعد اپنے اہتمام میں سب سے پہلے ۱۲۲۳ھ میں اسے چھپوایا۔ اگر شامل کے سلسلہ میں ہم مولانا کی اردو تصنیفات کے مقصد پر تفصیل سے بحث کریں گے مفتاح الجنۃ کی تصنیف بن مقاصد کے پیش نظر ہوئی، ان میں سب سے بڑا مقصد دین کی اشاعت تھی، اور یہ اسی وقت ممکن تھی، جب اسے عوام کی زبان میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ مفتاح الجنۃ کی تہذیب میں وہ لکھتے ہیں: ”وہ بیان یہ ہو کہ جب اس فقیر عاجز نے جمعہ کی نماز پڑھا، اور اپنی طاقت کے موافق معنی قرآن شریف اور حدیث کے بیان کرنے شروع کیے، تب اللہ تعالیٰ کے کلام کے اثر سے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے اہکات سے بہت سے مسلمان دین پر مضبوط ہوئے، اور اذان اور نماز خوب ہونے لگی، اور مسلمانوں کی عورتیں بھی بہت سی اللہ کی ہدایت سے نماز پڑھنے لگیں، اس فقیر عاصی نے چاہا کہ ایک رسالہ چھپوایا جس میں مسئلے ضروری نماز کے سب رہیں، ہندی زبان میں جو آسانی سے عورتوں اور مردوں کی سمجھ میں آدیں، لکھا چلے ہیے، اور اس بات کو موجب بہتری اپنی اور پڑھنے والوں کا سمجھ کے اس رسالہ کی ۲۳ معتبر کتابوں سے جس طرح شرح و قایہ اور فتاویٰ محیطہ اور ہدایہ اور فتاویٰ مختصر ثانی اور مختصر قدوسی اور کنز اور شرح اور اوداد وغیرہ خوب تحقیق کر کے کتابوں میں سے کمال کے اس رسالہ میں لکھا ہو۔“ (ص ۶)

مولانا نے حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کا بھی ترجمہ کیا تھا، مولانا نے جس زمانہ میں ترجمہ مشکوٰۃ مشکوٰۃ کا ترجمہ کیا، اسی کے لگ بھگ ایک دوسرا ترجمہ مولانا قطب الدین صاحب دہلوی نے مظاہر حق کے نام سے کیا، اور یہ ترجمہ کافی مقبول ہوا اور اب بھی متداول ہو، مولانا اگر امت علی

نے اس دقت جو، کے وغیرہ غوما یا اے بھول کے بجائے اے سروت سے لکھتے تھے، لیکن ہم نے نقل نہیں اس غلطی کی پیروی نہیں کی ہو۔



رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ ہادی نظر سے نہیں گزر سکا شامی ترمذی کے ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہو کہ ان کا ترجمہ مظاہر حق کے ترجمہ زیادہ رواں اوصاف اور شستہ ہو گا۔ مظاہر حق کا عقلی ترجمہ اگر اصل عربی متن سامنے نہ ہو تو بہت سی جگہ کچھ ترجمہ میں نہیں آ سکتا، لیکن شامی ترمذی کے ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہو کہ ان کے ترجمہ میں کمی نہ ہوگی۔

یہاں ہم نے اختصار کے لیے صرف ان کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہو، اب ان کی تیسری ترجمہ شامی ترمذی کتاب ترجمہ شامی ترمذی کے بارے میں چند باتیں عرض ہیں۔

ترجمہ کا نام "انوار محمدی" ہے مولانا خود دیا چہ میں لکھتے ہیں:

اور اس شرح کا نام انوار محمدی رکھا، (دیا چہ کتاب)

کتاب کا نام  
سنہ ترجمہ طبع

مولانا نے اس کا ترجمہ کب شروع کیا، یہاں کا وضاحت تو نہیں ملتی، مگر اس کے اختتام کی تاریخ کا ذکر خود مولانا نے کیا ہو، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس سے ایک سو پچیس برس پہلے یہ ترجمہ مکمل ہو چکا تھا اعتقاد پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اللہ لکھ ۱۲۵۲ھ (مطابق ۱۸۳۴ء) ہجری نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مہینہ شوال سولہویں میں اس کتاب شریف کے ترجمہ سے فراغت ہوئی، اور استادِ نجات کی ہاتھ آگئی (ص ۴۷۷)

کتاب اسی سال چھپ کر لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی، ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ایک طرف مولانا لکھتے جاتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی طباعت بھی ہوتی جاتی تھی، اس لیے کہ مولانا نے اختتام ترجمہ کی تاریخ شوال ۱۲۵۲ھ بتائی ہو، اور کتاب کے ٹائٹل پر بھی یہی سنہ طباعت اور مہینہ درج ہو۔

خاکسار علی جوہری مشہور کرامت علی نے ترجمہ و شرح ہندی زبان میں کر کے محمدی چھاپے خانہ میں چھپوایا، شہر شوال ۱۲۵۲ھ

یہ محض ترجمہ نہیں ہو، بلکہ شامی کی مختصر شرح بھی ہو، اور ترجمہ اور شرح کے لکھنے میں مولانا نے اس سلسلہ کی تمام ہی معتبر کتابوں سے استفادہ کیا تھا، خود لکھتے ہیں۔

اور ترجمہ ترجمہ پر کفایت نہ کیا، بلکہ شرح بھی ضروری مقامات کی کر دیا، اگرچہ اس کا دل

سے پڑھا تھا، پر اپنی یاد پر بھروسہ نہ کر کے شریعتی معتبر دہ کے واسطے ترجمہ کے وقت سامنے دھر لیا، (دیا چہ)

یہ کتاب جیسا کہ مولانا نے ذکر کیا ہو، پہلی بار مطبع محمدی ملکنہ میں چھپی، اسی مطبع کے مطبع اور ناشر کا نام | الگ کا نام خادم الدین الاولاد اُسٹر تھا جو ضلع جہانگیر کے قصبہ رستم آباد

کے رہنے والے تھے انھوں نے اسی نام کی ایک مہر بھی بنوائی تھی جو کتاب کے اسٹائل پر ثبت ہو۔  
کتاب کی اشاعت مضاربیت کے اصول پر ہوئی، یعنی غنت کسی کی اور سرایہ کسی کا، اس کی صراحت  
تو نہیں ملتی، کہ کیا شرائط طے ہوئے تھے۔ بولانے آخر میں لکھا ہو کہ  
الحمد للہ کہ شرح شامل مضاربیت مومنان دیندار مولوی عبدالستار دہلوی صاحبی عبدالقادر منشی حسن دمنشی  
غلام الرحمن نور علیخان شیخ عبدالقادر میر یانچوں صاحبان (ص ۴۴)

ہندوستان کے علماء و صوفیہ نے اپنی دعوت و اصلاح کی آواز کو عوام تک پہنچانے کے لیے  
ترجمہ کا مقصد یہ پیشہ اُن کی زبان میں گفتگو کی، انھوں نے ہندوستان کی کسی زبان کے ساتھ نہ تو تعلق برقرار  
نہ اس کو نہ ہی حیثیت دی۔ چنانچہ ہندوستان میں جس وقت دوبارہ شاہی سے لے کر، علماءوں تک میں فارسی کا  
عام چلن تھا، یہ علماء و صوفیہ ہندوستان کی مختلف بولیوں ہندی، کھنڈی، پنجابی وغیرہ میں اپنا پیغام عوام تک پہنچا  
رہے تھے اس لیے کہ سرکاری زبان ہوتے ہوئے بھی فارسی زبان خواص تک محدود تھی اور عوام اپنی مقامی  
بولیوں ہی سے کام لیتے تھے۔ ان علاقائی زبانوں میں ان کے سیکڑوں دو ہزاروں فقرے اور جملے اور درجنوں  
کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں، ڈاکٹر عبدالحق نے صوفیہ کی اور خدمات کے سلسلہ میں بالکل صحیح لکھا ہو کہ  
بات یہ تھی کہ ان کے پاس دلوں کے کھینچے کا وہ سامان تھا کہ جو نہ امر اور دسلاطین کے پاس ہو،  
اور نہ علماء و حکماء کے پاس، لیکن دلوں کو باتھیں لینے کے لیے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہو، ہم زبانی کے  
بدون خیال پیدا ہوتی ہو، درویش کا تنگہ سب کے لیے کھلا تھا، بلا امتیاز ہر قوم و ملت کے لوگ اُن کے پاس  
آتے۔ اور ان کی زیادت و صحبت کو موجب برکت سمجھتے۔ عام و خاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔ خواص سے زیادہ  
عوام ان کی طرف بھٹکتے تھے۔ اس لیے یقین کے لیے انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کیے۔ اُن میں سب سے  
مقدم یہ تھا کہ اس خطبہ کی زبان سیکھیں، تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ جتنے ادیب، اشرافیہ  
ہند میں آئے، یا یہاں پیدا ہوئے، وہ بلاوجہ عالم و فاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے ان  
جہاں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ یہ بڑا گہرا تھا اور صوفیہ اسے خوب سمجھتے  
تھے۔ (ص ۵۵)

ملک محمد جاسسی نے بھی اپنی کتاب میں اس طرف اشارہ کیا ہو، وہ کہتے ہیں:  
دوہم نہ کند کہ ادباء اشرافیہ از زبان عرفی کلم  
یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ادیب اور اشرافیہ زبان

نہ کردہ زیرِ اکھملہ اولیاءِ اشر در ملک عرب مخصوص  
عربی کے علاوہ دوسری زبان میں بات نہیں کی  
نہ بودہ ہیں ہر ملکہ کہ بودہ زبان اس ملک بجا بڑہ  
اس لیے کہ یہ عرب تک محدود نہیں تھے۔ تودہ  
دگاہ نہ کند کہ تیج اولیاءِ اشر بہ زبانِ ہندی نظم  
جس ملک میں رہو اسی کی زبان سے کام لیا، اور  
نہ کردہ زیرِ اکھملہ اولیاءِ اشر در ملک عرب مخصوص  
ادریہ بھی لگان نہ ہونا چاہیے کہ اولیاءِ اشر نے  
الاقطابِ خواجہ بزرگ معین الحق والملة والدين  
ہندی زبان میں کلام نہیں کیا ہے۔ اس لیے کہ  
قدسِ اشر سرورہیں زبانِ سخن فرمودہ بعد از ان  
سبب سے بڑی بزرگ ہستی حضرت خواجہ  
حضرت خواجہ گنج شکر قدسِ اشر سرورہ زبان  
معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی انھوں  
ہندی و در پنجابی بعضے اشعار نظم فرمودہ۔  
نے ہندی میں بات چیت کی ہو ان کے بعد خواجہ  
گنج شکر قدس سرورہ نے ہندی اور پنجابی میں  
بعض اشعار کہے ہیں۔

سید صاحب کے سلسلہ کے تمام بزرگوں نے اسی مقصد کے پیش نظر زیادہ تر فارسی کے بجائے عوامی  
بولی اردو یا ہندی میں کتابیں اور نظمیں لکھیں، اور اسی میں انھوں نے ان کو دغظ و تلقین کیا، مولانا کرامت علی  
صاحب نے مفتاح الجنۃ کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے کچھ حصے ہم نقل کر چکے ہیں مزید چند فقرے  
ملاحظہ ہوں۔

اور اس سالہ کے تئیں نہایت ہندی سیدھی زبان میں جو عورت مرد کی سمجھ میں آدے بیان  
کیا، اور کچھ فقیر کو غرضِ ریختہ اور رنگینی سے نہیں ہو، اور نہ فقیر شاعروں کے زمرہ میں ہو، اسی  
واسطے فقیر نے اپنے شہر کی زبان میں لکھا، جس میں کسی کو مشکل نہ معلوم ہو۔ (ص ۷)

ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو یا ہندی میں اس کتاب کو لکھنے کا مقصد عوام تک اپنی آواز پہنچانا  
تھا۔ شمالی ترمذی جس پر ہمیں آگے گفتگو کرنی ہے، اس کے ترجمہ کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:  
اکثر لوگ علم تو پڑھتے ہیں مگر حدیث کا ذکر بھی نہیں کرتے، اور پیغمبر صاحب کی حدیث اور

سید صاحب اور اسماعیل شہید اور دوسرے بزرگوں کی کئی کتابیں فارسی اور عربی میں بھی ہیں، مگر وہ خواص کے لیے ہیں،  
عوام کے لیے انھوں نے اردو ہی کو ذریعہ اصلاح بنایا۔

ان کی صورت شکل، دین، عین، کھانے پینے، اُدھنے، بیٹھنے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے، ہنسنے بولنے، وضو، غسل، روزہ، نماز وغیرہ اخلاق و عادات کا احوال لوگوں کے نزدیک خواب و خیال ہو گیا، بلکہ خواب بھی بھول گیا اور اس شیرینی کی لذت لوگ بھول گئے، اور عشق و نیادی کے قصے کہانی میں مشغول ہو رہے، تب ابو جب حدیث نبوی الدین نصیحت کے معنی دین کیا ہو خیر خواہی مسلمان بھائی کی، ارادہ کیا کہ کچھ حدیث کی لذت مسلمان بھائیوں کو چکھا دیں، اور ہندی زبان کے پیالہ میں اس آبِ حیات کو بھر کر پلا دیں۔ تب فکر اور غور کے بعد یہی مناسب دیکھا، کہ شامی ترمذی جو مشہور اور صحیح کتاب حدیث کی ہو اس کا ترجمہ کریں کیونکہ کتاب مختصر ہو۔ (دیباچہ)

دیباچہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

اب مسلمان بھائیوں کو مناسب ہو کہ جب اپنے کام سے فراغت پائے، تب اپنے یادداشت پر دسی کو اور اپنے گھر کے لوگوں کو اس کتاب کو پڑھ کر سنایا کریں، اور قصہ کہانی کی جگہ اس حدیث نبوی کا بیان کریں، کیونکہ قصہ کہانی میں بادشاہ یا شاہزادوں کا عاشق معشوقوں کا حال سننے کے آدمی کا دل بہکتا ہو، اور حضرت کی صورت شکل اور مہربان احوال بالکمال کے بیان سے آدمی دین کی راہ پا جاتا ہو، اور یہ کتاب جب کسی کو سنایا جاوے تو پہلے متن حدیث کا پڑھ جاوے اور اس کے بعد معنی اور شرح پڑھیں۔ (دیباچہ)

اس عبادت سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

- (۱) عام طور پر عوام تو عوام علماء اور خواص میں بھی حدیث نبوی کا علمی و عملی اعتبارات پر چاہتے تھے۔
- (۲) عام طور پر اردو زبان میں قصہ کہانی کی کتابیں ملتی تھیں، اور اسی کا لوگ مطالعہ کرتے تھے۔
- (۳) عموماً خیر خواہی کے جذبہ سے انھوں نے اس مستند کتاب کا سیدھی ہندی میں ترجمہ کیا، تاکہ لوگوں کا سطحی ذوق بھی بدلے اور حدیث نبوی کا رواج ہو۔

(۴) بولانے اردو کو اس وقت عام طور پر ہندی کہی جاتی تھی، ہندی ہی کہا ہو، البتہ فقہانِ اہل سنت کے ناشر نے اسے اردوئے معلیٰ کہا ہو، جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ دونوں نام رواج پذیر تھے۔ مگر عام طور پر

۱۔ یعنی پیٹنٹر نے شمال کے دیباچہ میں کے کو یاے معروف سے لکھا ہو، لیکن ہم نے نقل میں اس اے کی پابندی نہیں کی ہو۔

جو زبان بول چال کے لیے استعمال ہوتی تھی اسے ہندی کہتے تھے اور تحریر کے لیے اردو کے معنی استعمال ہوتی تھی باوجود اسے ہندی کہتے تھے اور خواص اردو کے معنی لقب سے اسے یاد کیا کرتے تھے۔

کسی زبان کے لٹریچر یا معیاری کتابوں کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا بذات خود ایک شوار  
**ترجمہ کی زبان** کام ہے، پھر ایسی زبان میں اس کا ترجمہ کرنا تو اور زیادہ دشوار ہے جسکی بھی فہم نہ ہو ہی  
 ہو نہ وہ ابھی علمی زبان بن سکی ہو، اور نہ اس میں نشر کا کوئی ادبی سرمایہ ہو، آج سے ڈیڑھ دو سو برس پہلے اردو  
 زبان کا سارا سرمایہ شاعری تھا، یا نثر کی چند کتابیں، جو زیادہ تر صحافتی یا حجازی انداز کی تھیں، یا پھر قصہ کہانی  
 کی، نثر کے اعتبار سے اردو زبان نہ تو ابھی تک علمی زبان بنی تھی، اور نہ اس میں علمی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں اس  
 لیے اس زبان میں شہماں ترمذی کا ترجمہ کرنا جو بے شیر لانے کے مترادف تھا، صحابہ کرام نے شامل نبوی اور سر پاپا  
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جن جامع الفاظ اور فقرات میں تصویق کشتی کی ہو، وہ عربی ادب کا شاہکار ہیں، ان  
 کے ایک ایک فقرے پر کچھوٹے چھوٹے رسالے لکھے جاسکتے ہیں اور لکھے گئے ہیں، اس لیے اردو زبان میں جو  
 نثر کے اعتبار سے ابتدائی دور میں تھی، ان کا با محاورہ ترجمہ کرنا آسان کام نہیں تھا، خود مولانا کو اس وقت  
 کا احساس تھا، لکھتے ہیں۔

اور اس ترجمہ کو اپنی طاقت اور فہم کے موافق بہت سیدھی اور آسان ہندی زبان میں اور  
 لغت کی تحقیق بہت بڑی محنت کے ساتھ کر کے ترجمہ ٹھیک ٹھیک کر دیا، اور بعض مقام میں ہندی  
 کا محاورہ درست ہونے کے لیے معنی میں تقدیم و تاخیر کرنا ضرور پڑا، ہمیں تو مضنون ہی سمجھنا مشکل  
 ہو جاتا، کیونکہ ہر ملک کا محاورہ اپنے اپنے ڈول پر ہوتا۔ (دیباچہ)

اس کتاب کے ذریعہ نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہماں کی ترویج ہوئی، بلکہ اس  
 نے اردو زبان کو بھی غیر معمولی فائدہ پہنچایا، سرور کائنات کی ذات سے مسلمانوں کو جو محبت و شینگی ہے،  
 اس کے نتیجہ میں یہ کتاب عوام اور خواص دونوں میں بار بار پڑھی گئی، خود مولانا کے متوسلین کا سلسلہ  
 سارے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا، اور جن کی تعداد ہزاروں سے نکل کر لاکھوں تک پہنچ گئی تھی، انھوں  
 نے اسے گھر گھر پہنچایا ہوگا، مولانا خود بھی اس کے پڑھنے کی تاکید بار بار کرتے تھے، اور ان کی عبارت نقل  
 کی جا چکی ہے۔ کتاب کے اخیر میں عام مسلمانوں اور اپنے متوسلین کو ان الفاظ میں اس کے پڑھنے اور  
 پڑھانے کی ہدایت کرتے ہیں۔

ان سب مسلمان بھائیوں کی خدمت میں اتماس اور اپنی اولاد اور مریدین کو وصیت ہو کہ اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کو دوسرے کاموں پر مقدم جانیں، اور جب کوئی مشکل پیش آئے، اس کتاب کو تمام پڑھ جادیں، انشاء اللہ مشکل آسان ہو جائے گی۔ (ص ۷۷۷)

اس طرح اس کے ذریعہ حدیث نبوی اور اردو زبان و دونوں کا ذوق ہندوستان میں عام ہوا، خود ہندو شعور نے حمد و ثناء میں جو کچھ لکھا ہو، وہ زیادہ تر اسی طرح کی اور کتابوں سے ماخوذ ہو۔  
اب مولانا کے ترجمے اور ان کی شرح کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں، جس سے اندازہ ہو گا کہ مولانا نے مشکل ترین الفاظ اور فقرہ اور محاوروں کا کتنا سلیس، سستہ اور معنی خیز ترجمہ کیا ہو اور کتنی آسان زبان میں اس کی شرح کی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کے قد مبارک اور چہرہ نور کے رنگ و درغن کا ذکر دو چار لفظوں میں کیا ہو، مگر ان سے آپ کا پورا سراپا نظر کے سامنے آجاتا ہو۔

كان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ليس بالطويل البائن ولا  
بالقصير ولا بالابيض الاحمق ولا بالادم  
اور نہ بہت چھوٹے، اور نہ بہت گورے چٹے  
اور نہ تھے گندم رنگ سیاہی مائل۔

بائن کو اگر بیان بمعنی ظاہر سے مشتق مانا جائے۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ آپ کا قد لا نہایت تھا، مگر لمبائی بے ڈول نہیں تھی، یا یوں بمعنی بُعد سے مشتق مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ لمبائی حد اعتدال سے آگے بڑھی ہوئی نہ تھی، مولانا نے اپنے ترجمہ میں اس کی پوری رعایت کی ہو۔

اسی طرح احمق اس شخص کو کہتے ہیں، جو بہت زیادہ گورا چٹا ہو، مگر اس کے چہرے پر سرخی اور رونق نہ ہو، مگر آپ کی گورائی ایسی نہیں تھی، بلکہ اس میں ہلکی سی سرخی اور رونق تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہو کہ ان شدید البیاض خوب گورے چٹے تھے، اور حضرت ابوطیف کی روایت میں مانسی شدۃ بیاض و جہہ آپ کے چہرے کے گورے پن کی زیادتی کو میں سمجھوں نہیں سکتا، اے الفاظ بھی آئے ہیں۔

محدثین نے شدۃ بیاض کی تشریح برفیق و لمعان کے لفظ سے کی ہو، چنانچہ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہو جس میں ہو کہ

كان الشمس تجرى في وجهه      گویا آپ کے چہرے پر سورج جیسی روشنی یا رقت  
تھی۔

اسی طرح لفظ ادم ہو، اسے سیاہی مائل گندم گون رنگ کے لیے بولتے ہیں، تو آپ کا رنگ گندم گون تھا  
مگر سیاہی کے بجائے سفیدی مائل تھا، اسی کو اسمرا اللون بھی کہتے ہیں۔

چنانچہ یہی ہی کی روایت میں ہو کہ  
كان ابيض بياضه الى      آپ گورے تھے اور گورائی گندم گونی کی طرف  
السمره۔      مائل تھے۔

یعنی آپ کا رنگ سرخی مائل، پختہ، گندم گون تھا۔  
اس تفصیل کو سامنے رکھ کر، پھر مولانا کے ترجمہ کی فصاحت پر غور کیجئے، انھوں نے اپنے ترجمہ میں  
سب کی رعایت رکھی ہو، گورا چٹا ہونا خوبی ہو، مگر بہت زیادہ گورا چٹا ہونا قدامت سے عیب ہو، اس لیے "ولا  
الاصفر" کے ترجمہ میں مولانا نے "نہ تھے بہت گورے چٹے"، لکھا ہو جو بہترین ترجمانی ہو۔  
اسی طرح حضرت انس کی دوسری روایت ہو کہ

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كالدُّمُ بَارِكَ بِلَدَى أُمِّ  
ومسلم ربعة وليس بالطويل      رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دم باریک باندی مائل  
تھا، نہ بہت لانے تھے اور نہ بہت چھوٹے، بہت  
ولا بالقصير حسن الجسم وكان      پیارا تھا، جسم حضرت کا اور تھا حضرت کا بال ایسا  
شعره ليس لمجد وسبط اسمر      کہ نہ تو اس میں بہت پیچ تھے، اور نہ بہت سیدھا  
اللون اذا مشى يتكفأ      سفید سرخی مائل رنگ تھا، حضرت کا، اور جب  
چلتے تھے تو ایسا لگتا کہ آگے جھکا جاتے ہیں۔

اس میں اسمرا لون کی تشریح تو آچکی ہو، بقیہ الفاظ ربعة، جسد، سبط اور يتكفأ کا ترجمہ مولانا نے جو کیا تو  
اس سے بہتر ترجمہ کرنا مشکل ہو، خاص طور پر حسن الجسم کا ترجمہ بہت پیارا جسم تھا، حضرت کا، فصیح ترین ترجمہ  
ہو، اس کے مفہوم میں اعضا کا تناسب اور جسم کی معتدل اور متوازن ساخت سب شامل ہو، جسے مولانا  
نے دو جملوں میں ادا کر دیا، اسی طرح يتكفأ کی تشریح حضرت علی نے یہ فرمائی۔

اذا مشى تكفأ تكفأ      جب راہ چلتے تو آگے کو جھکے لگتے، بھلا لگتا۔

کا نما یخط من صیب  
مولانا نے اپنے ترجمہ میں اس پوری تشریح کی رعایت رکھی ہو، پھر کچھ مضغول مطلق ہو اس کا ترجمہ  
”سجلا گنا دہ جھکا“ بھی لا جواب ترجمہ ہو۔

حضرت برادر بن عازب فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم رجلاً مربوعاً بعید ما  
بین المنکبین۔  
اور تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کہ ان  
کے بال میں انداز کی شکن تھی قد بندی مائل تھا اور  
تھوڑا ہی سافز تھا دونوں مونڈھوں کے بیچ۔

لفظ جُلُجُج پر پیش، زبر اور زیر تینوں حرکتوں کے ساتھ آتا ہو اس لفظ سے آپ کے بال کی صفت بیان  
کی گئی ہو، جس کے بال نہ بالکل کھڑے ہوں اور نہ کھونگھڑا لے، بلکہ کچی پکی شکنیں ہوں، اس کو شعر عربی بولتے ہیں، اس کا  
گنا اچھا ترجمہ مولانا نے ”انداز کی شکن تھی“ کیا ہو، رجب کا لفظ پہلے آچکا ہو اسی معنی میں مربوعاً بھی ہو، آخری جملہ  
بعید ما بین المنکبین پر مولانا نے ایک حاشیہ لکھا ہو، جس سے ان کے ذہن اور قلم دونوں کی مصفا کا اندازہ ہوتا ہو  
”یعنی پرگوشت بدن تھا، اس لیے پیٹھ کی نالی کم تھی“

یعنی جب میں جب بُعید رہا، مضموم عین مفتوح، پڑھیں اور بُعید کی با مفتوح اور عین کو مکسور پڑھیں گے  
تب یہ معنی ہوں گے، ”فرق تھا درمیان دونوں مونڈھوں کے، یعنی سینہ مبارک جو رٹا تھا اور یہ صحیح ہو۔“

اسی طرح بعض راویوں نے وفات کے وقت اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ساٹھ برس اور  
بعض نے پینسٹھ اور اکثر نے ترسٹھ بتائی ہو کتاب میں ساٹھ والی روایت نقل کرنے کے بعد عام روایتوں میں  
اس طرح تطبیق دیتے ہیں۔ ”دوسری حدیث میں جو ترسٹھ برس کی روایت ہو اور اس میں ساٹھ ہو، سو یہ وجہ  
ہو کہ حضرت ربيع الاول میں پیدا ہوئے، اور اسی میں ہجرت کی، اور اسی میں وفات ہوئی، سو راوی نے  
پورے برس کو شمار کیا، اور کچھ نوٹے برس کو چھوڑ دیا، اور جس میں پینسٹھ برس کی روایت ہو سو اس میں راوی  
نے ترسٹھ کو اصل سمجھ کر دو برس دلالت اور وفات کے کبھی ملا دیے، اور حقیقت میں حضرت کی عمر ترسٹھ برس  
کی تھی۔ (ص ۴)

مشاؤون کو طوں دینا مناسب نہیں ہو مگر ان کی تحریریں قدیم اردو کا ایک اچھا نمونہ بھی ہیں، اور ان میں مولانا  
نے جس محققانہ اور عالمانہ انداز میں مختلف احادیث نبوی کی تطبیق دی ہو اور ان میں جو متوازن رائے دی ہو وہ



افادیت سے خالی نہیں ہو، اس لیے ان کی تحریر کے دؤں اور نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔  
مہربوت کا ذکر کرتے ہوئے ایک صحابی نے بیان کیا، کہ میں نے مہربوت کی جگہ شل جمع کے دیکھا مولانا  
نے جمع کا ترجمہ چکی بھر کیا ہو، پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”جمع“ ضم جمہ دسکون سیم کہتے ہیں۔ اس صورت کو جو انگلیاں بڑھنے میں حاصل ہوتی ہو اس کو  
ہندی میں کہتے ہیں چکی بھر، فلا نی چیز چکی بھر ہو۔ (ص ۲۰)

آپ کے بالوں کے خضاب کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ خضاب  
کی عمر کو پہنچے ہی نہ تھے۔ صرف کپٹی میں چند بال سفید تھے۔ اس میں لفظ کات شیئا فی صد غیہ  
آیا ہو، اس پر مولانا لکھتے ہیں۔

چند بال کپٹی میں سفید ہوئے تھے، صدغ اس عضو کا نام ہو جو آنکھ اور کان کے بیچ میں ہو اس کا  
ہندی کپٹی ہو۔ (ص ۵۲)

پھر اسی بال کے سلسلہ میں یہ بھی ذکر آتا ہو کہ جب آپ تیل استعمال فرماتے تھے، تو آپ کے سفید بال نظر  
نہیں آتے تھے۔ اور جب تیل استعمال نہیں فرماتے تھے، تو وہ نظر آتے تھے۔

واذا دهن راسه، لم ير منه شيب فاذا الم يدھن رأی منه  
مولانا اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس کی یہ وجہ کہ تیل لگانے میں سب بال بستر جاتے ہیں، چھترے نہیں رہتے تو سفید بال جن  
کے تھوڑا ہوتا ہو سیاہی میں چھپ جاتا ہو اور بعضوں نے کہا کہ تیل لگانے سے بال چمکتا ہو، سو چمک  
کے سبب سے سفید بال نظر نہیں آتے۔

آخر میں ہم مولانا کی تحریر کا ایک لمبا اقتباس نقل کرنے کے بعد اس سلسلہ کو ختم کرتے ہیں۔  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطالبہ میراث  
پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”لا نورث ما ترکنا صدقة“ کی روشنی میں جواب دیا تھا،  
اسی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملہ اردو میں اس لفظ کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہو۔ تتر بتر اور تتر بتر، یہاں دوسرے معنی میں متعل ہو۔

یعنی نبی لوگ کے مرنے کے بعد میراث نہیں تقسیم ہوتی ہو، اور نبی لوگ کی میراث تقسیم نہ ہونے میں یہ حکمت ہو، کہ ان کے وارث لوگ ان کے مرنے کا کہیں آرزو نہ کریں، تو ہلاک ہو جائیں، اور دوسرے یہ کہ آدمی یہ شبہ انبیاء کے حق میں نہ کریں، کہ ان کو دنیا کے مال کی خواہش تھی، ان کا سب مال اللہ کا ہو، دنیا کا ہوتا تو تقسیم ہوتا، اور جو قرآن میں بعض نبیوں کے وارث ہونے کا ذکر ہو، جس طرح مذکور ہو کہ وارث ہوئے، راؤد کے سلیمان، تودہاں مراد علم، اور نبوت کی میراث ہو۔ چنانچہ حضرت نے اس کی تفسیر بخوبی فرمایا ہے، مشکوٰۃ میں کتاب العلم کی دوسری فہم میں کثیر بن قیس سے جو حدیث بہت طویل روایت سے ہو آئی حدیث میں یہ مضمون بھی ہو، کہ بے شک نبی لوگوں نے وارث نہیں کیا ہو، کسی کو دنیا اور دوسرے سم کا میراث نہیں چھوڑا، نبیوں نے سوائے علم کے، سو جس نے علم حاصل کیا ہو، اُس نے پورا حصہ پایا، حضرت صدیق نے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا وہ عرض کر دیا، پھر حضرت فاطمہ نے کچھ عذر نہ کیا، ان لوگوں کا دستور تھا، کہ جب حضرت کے زبان کو سنتے، بلا عذر مان لیتے پھر حجت اور تکرار نہ کرتے۔ اب جو لوگ حضرت صدیق اور حضرت فاطمہ سے مذکور کے معاملہ میں کچھ جھگڑا کریں، وہ حضرت فاطمہ کی بزرگی اور علم کے منکر ہیں، اسی طرح حضرت علی اور حضرت عباس، حضرت عمرؓ کے پاس بحث کرتے ہوئے تشریف لائے، انھوں نے حدیث سنا دیا، پس فراغت ہو گئی، اس کا ذکر آگے آتا ہو (۱۲۹۰ھ)

انیسویں صدی کے نصف آخر کے کچھ پہلے اور اُس کے

## انیسویں صدی کا اسلوب تحریر

کچھ بعد کے مصنفین کے زمانہ کو نشر اور دو کا چوتھا دور قرار دیا جاتا ہو، یعنی ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۰ء تک کا زمانہ، اسی دور میں غالب، امام بخش صہبائی، امانت لکھنوی، ماسٹر رام چند، مفتی صدر الدین آرزوہ وغیرہ پیدا ہوئے، اور اس دور سے کچھ پہلے (۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۰ء تک) فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں میرامن، سید حیدر بخش حیدری، میر شیر علی انوس، منظر علی خاں دلا، نہال چند لاہوری، انشا اور انثر خان انشا، مرزا جب علی بیگ، سردار مصنف فنانہ عجائب، مرزا کاظم علی جوان ہوئے ہیں، ان تمام لوگوں کا شمار اردو زبان کے ابتدائی سماروں میں ہوتا ہو، اور ہونا بھی چاہیے، مگر ان میں سے دوچار مصنفین کو چھوڑ کر ایک بھی ایسا نہیں ہو جس نے اردو زبان کو کوئی منجیدہ لٹریچر اور اچھا ادب دیا ہو، زیادہ تر لوگوں نے قصہ کہانی کی کتابیں لکھیں یا ترجمہ کیں، اس سے اردو زبان کو اس حیثیت سے ضرور فائدہ ہوا، کہ اردو زبان عام ہوئی مگر یہ حقیقت ہو کہ اس کے ذریعہ کوئی منجیدہ لٹریچر پیدا نہیں ہوا، پھر یہ

بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ناول نگاری اور قصہ کہانی لکھنے میں قلم کار آزاد ہوتا ہو، اس لیے اس میں نفاذ ملی، مبالغہ آمیزی، سخن طرازی اور دوسرے طریقوں سے عبارت میں زور پیدا کرنا آسان ہوتا ہو، مگر خالص علمی، اور مذہبی موضوعات میں قلم کو بہت سنبھالنا اور پابند رکھنا پڑتا ہو، حتیٰ کہ تذکرہ جس میں معمولی زبان و بیان سے کام چل جاتا ہو، اس دو ٹوک اور دشعرا کے جتنے تذکرے لکھے گئے، وہ فارسی زبان میں لکھے گئے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہو کہ اردو شاعری نے تو کافی ترقی کر لی تھی، مگر انیسویں صدی کے نصف اول تک اردو نثر، شعرا، کتے تذکرے کے قابل بھی نہ تھی۔

مقصد یہ ہو کہ اس ساٹھ ستر برس کی مدت میں اردو زبان کے جتنے نمونے موجود ہیں، ان کو اگر سامنے رکھا جائے، تو مولانا کرامت علی کی زبان و بیان کی داد دینی پڑے گی، ان کی مذہبی کتابوں اور خاص طور پر شامی ترمذی کے ترجمہ اور اس کی شرح میں سلاست و روانی اور زبان کی صفائی کی جو خوبیاں موجود ہیں، اس عہد کی ناول داستانہ اور طوطا مینا کہانی لکھنے والوں کی کتابوں میں اس سے زیادہ خوبیاں نہیں ہیں، بلکہ بعض بہت گھٹیا نمونے ہیں، مگر افسوس ہو مولانا اور ان کے دوسرے معاصر علما کی اردو نثر کی خدمات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہو اور ان کا شمار اردو کے نثر کے معیاروں میں نہیں کیا گیا۔

ہم اس دور کے تمام قابل ذکر مصنفین کی تحریروں کے بہت سے نمونے ان کی کتابوں سے جمع کر کے مولانا کی تحریروں سے ان کا موازنہ کرنا چاہتے تھے، مگر یہ مضمون اس وقت الفرقان میں شائع ہو رہا ہو، اور یہ چیز اس کے مزاج سے زیادہ میل نہیں کھاتی، اس لیے اسے کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

مضمون کی یہ آخری قسط تھی مگر صاحب مضمون نے اس ماہ چند صفحات اور ارسال فرمائے ہیں جن میں کچھ اسرار رک ہو، کچھ وضاحت اور کچھ نئی چیزیں جو مضمون نگار کو بعد میں حاصل ہو گئیں ان میں خاص چیز حضرت سید احمد شہیدؒ کا خلافت نامہ ہے جو مولانا کرامت علی صا کو عطا فرمایا گیا یہ مزید صفحات ان شار الشرائعؒ اشاعت میں ہدیہ ناظرین کیے جائیں گے۔

(مرتب)

## نئی مطبوعات

دین الہی اور اس کا پس منظر | از ڈاکٹر محمد اسلم، استاذ شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی  
سائز ۱۸×۲۲ صفحات ۲۵۶ جلد قیمت ۷/۵۰  
ناشر: ————— مددۃ المصنفین۔ سمن آباد۔ لاہور (پاکستان)

فردی مارچ اور اپریل ۱۹۶۹ء کے شماروں میں شائع ہونے والا ایک مقالہ ”اکبر کا دین الہی اور اس کا پس منظر“ ناظرین الفتنان کو شاید یاد ہوگا۔ اس موضوع پر کچھ نئے انکشافات اور تحقیقی انداز کا حامل ہونے کی بنا پر ایک پاکستانی ماہنامہ سے اسے الفتنان میں نقل کیا گیا تھا، پیش نظر کتاب اسی مقالہ کی توسیع ہو، اور کسی ”نقش ثانی“ کے بارے میں جو بھی توقع ”نقش اول“ سے ”بہتر“ ہونے کی جا سکتی ہو، اسے پورا کرنے میں یقیناً کوئی کسر ”نقش“ نے نہیں چھوڑی ہو۔ اکبری دین الہی کے موضوع پر اس درجہ کی کوئی دوسری کتاب کم از کم ہمارے علم میں اب تک نہیں ہو۔

مغل شہنشاہ اکبر کے نوادہ جاد دین و مذہب اور اسلام کے بارے میں اس کی معاذانہ روش پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہو وہ اصلاً علامہ عبدالغفور بدایونی کے بیانات کی روشنی میں لکھا گیا ہو، پیش نظر کتاب کا بنیادی مآخذ بھی بدایونی کی ”منتخب التواریخ“ ہی ہو لیکن بدایونی کے بیانات کی تائید اور اس کے اشاروں کی تفصیل میں اتنے معاصر تاریخی حوالے مصنف نے ہم پہنچا دیئے ہیں کہ اب بدایونی کی تکذیب یا اس پر اعتماد میں تردد کی بات کسی کے لیے آسان نہیں رہ جاتی۔

مصنف کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہو کہ انھوں نے ”دین الہی“ کی تشکیل میں کام کرنے والے عوامل کی جستجو اور اس فساد کے سرچشموں کا سراغ لگانے میں تاریخ کے دفتر کھنگال ڈالے ہیں۔ اور اس

محنت کے صلے میں جس کے ساتھ ان کی نکتہ شناسی اور تہہ بینی کی خدا واد صلاحیت بھی شامل تھی وہ بہت سے ایسے عوائل کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیے ہیں جن پر مزید دلائل و شواہد کی احتیاج تھی اور معاملہ کے کئی ایسے رخنوں سے پردہ اٹھانے میں جن تک لگا ہیں ابھی نہیں گئی تھیں کامیاب ہوئے ہیں۔

اکبر کو بگاڑنے اور اس کے ”دین الہی“ کے خط و غال بنانے میں جن جن عوائل نے حصہ لیا، اُن پر مصنف نے حسب ذیل عنوانات کے تحت گفتگو کی ہو۔

۱۔ علماء سوء ۲۔ صوفیائے فام ۳۔ شیخ مبارک کا منصوبہ ۴۔ اکبر اور ہندو ۵۔ بھگتی تحریک اور اکبر ۶۔ اکبر اور جینی ۷۔ پارسی اور اکبر ۸۔ اکبر اور عیسائی ۹۔ نقطوی تحریک اور اکبر۔

ان مباحث میں صوفیائے خام، شیخ مبارک کا منصوبہ اور ایران کی نقطوی تحریک سے اکبر کا رشتہ، ان تین کو اس کتاب کی جان کہا جاسکتا ہو۔ تصوف کے نام سے اس دور میں لوگوں نے دین پر کیا آفت ڈھال رکھی تھی؟ مصنف نے اس سلسلہ پر اردو داں طبقہ کی معلومات میں کافی اضافہ کا سامان ہم پہنچایا ہے اور اس کے ذریعہ اس بگڑے ہوئے تصوف کی خرافات کا بہت صاف عکس اکبری ”دین الہی“ میں دیکھا جاسکتا ہو۔ ابو الفضل اور فیضی کا باپ ملا مبارک اکبر کے بگاڑنے میں ایک اہم ترین عامل کی حیثیت سے مشہور و معروف شخصیت ہو۔ مصنف نے اس کے ذہن، اس کے مزاج اور سابقہ زندگی کا پوسٹ مارٹم کیے کے یہ خیال پیش کیا ہو کہ وہ ایک آزاد مشرب شیعہ تھا۔ اور اُس کے نیا کردہ محضر کے پیچھے اکبر کو ”امام آخر الزماں“ بنانے کا منصوبہ کام کر رہا تھا۔ مصنف نے اپنے اس نظریہ کو بہت شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہو۔ اور اس سلسلہ میں اُن کے دلائل ناقابل انکار نہ بھی مانے جائیں تب بھی دینی اور قابل لحاظ یقیناً ماننا ہوں گے۔ اسی ضمن میں ابو الفضل اور فیضی کے بارے میں بھی مصنف کا دعویٰ یہی ہو کہ وہ اپنے باپ کے مسلک پر تھے۔ اور اس معاملہ میں بھی اُن کے دلائل کے ذریعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دین الہی کی تشکیل میں جو یوں تو مختلف محال کی کارفرمائی نظر آتی ہو اور خود اس کتاب میں ان سے بحث ہو، مگر ”اکبر اور نقطوی تحریک“ کے عنوان سے جو تحقیق ہمارے مصنف نے پیش کی ہو وہ اس معاملہ کے گویا اصل عامل کی نشاندہی ہو۔ اور جو بھی اتنی مضبوط بنیادوں پر کہ اس میں قیل و قال کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس دور کے

کے ہندوستان میں مسلمانوں میں سے ایسے لوگ سامنے آنے لگے ہیں جو اکبر اور ابو الفضل وغیرہ کے دفاع میں الحاد اور بددینی کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ صرف مذہبی اور اداری کی ایک سیاسی پالیسی تھی۔ الحاد دے دینی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ہمارا اشارہ ان ہی لوگوں کی طرف ہو کہ اس کتاب کی ”اکبر اور نقضی تحریک“ والی بحث نے ان کے قیل و قال کی گنجائش ختم کر دی جو۔ ایران کے محمود مسیحو انی کی ”نقضی تحریک“ قطعی طور پر ایک لمحہ ان تحریک تھی اُس کا آغاز ہی خدا سے محمود کی اس طرح کی ”ناراضگی“ سے ہوا تھا۔ جیسے اہلسنی نے ناراض ہو کر بیڑا اٹھایا کہ وہ اپنی بقیہ زندگی بنی آدم کو خدا سے دور کرنے میں صرف کرے گا۔ مصنف نے ایک صاف تاہم مخفی حقیقت کے طور پر دکھایا ہو کہ اکبر اور ابو الفضل سے اس تحریک کا کیسا کھلا ہوا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ اور پھر نقضیوں کے اذکار و عقائد اور ”دین الہی“ کے احکام و عقائد میں موازنہ کر کے دوسری بات یہ دکھائی ہو کہ ان دونوں میں کس درجہ یکسانیت پائی جاتی ہو۔

مصنف کی محنت اور اس محنت کی کامیابی کے بارے میں ان احکامات کے ساتھ چند باتیں انھیں توجہ دلانے کے قابل بھی نظر آتی ہیں۔

۱۔ کتاب میں سب سے بڑی کمی یہ محسوس ہوتی ہو کہ واقعات کے بیان میں سینن، راج کرنے کا التزام نہیں ہو۔ مثلاً ملا مبارک کس سنہ میں اکبر کے یہاں پہنچا؟ شریف آملی کی رسائی دربار اکبری میں کب ہوئی؟ دکن کا بہمن بھادون کب مسلمان ہو کر بادشاہ کا مقرب بنا؟ ایسے بہت سے مواقع پر یہ جاننے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو کہ اکبر پر پڑنے والے اثرات کی ترتیب کیا تھی اور مصنف کے بیان میں ان اثرات کی جو تقدیم و تاخیر اور ایک پر دوسرے کے سببی ہونے کی جو کیفیت نظر آتی ہو کیا وہ ان واقعات کی واقعی ترتیب کے لحاظ سے بھی صحیح ہو۔

۲۔ مسئلہ کی تنقیح کا بہت کافی سامان کتاب میں ہونے کے باوجود یہ بات صاف نہیں ہوئی کہ اکبر واقعتاً ان باتوں کا قائل ہو گیا تھا جس سے دین الہی عبارت تھا یا محض آزادی دے قیدی کی خاطر ایک مستقل مذہبی جوش و جذبے کا سوانگ رکھنے کے لیے یہ باتیں اُس نے اپنا دین قرار دے لی تھیں جن کی مقبولیت کے لیے اس وقت کا ماحول بہت سازگار تھا؟ فاضل مصنف کہیں یہ کہہ جاتے ہیں کہ اُس نے دوسروں کی دیکھا دکھی اپنے لیے بھی موقع پا کر یہ سوانگ بھرا اور کہیں ایسا ظاہر کرتے ہیں جیسے وہ مختلف اثرات کے تحت سنجیدگی سے ان خرافات کو قبول کر بیٹھا ہو۔ یہ دونوں طرح کی باتیں اتنی جگہ آئی ہیں کہ کسی حوالہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی علیٰ ہذا کہیں

سے کتاب یہ تاثر دیتی ہو بلکہ واضح طور سے بتاتی ہو کہ اکبر ابتدا میں بہت راسخ العقیدہ مسلمان اور علماء و مشائخ کے لیے ادب و احترام کے سچے جذبات رکھنے والا تھا لیکن علماء و سو کی حرکتوں نے اُسے دین اور اہل دین سے متنفر کر دیا۔ اور کہیں اس تاثر کی گنجائش بھی نکل آتی ہو کہ اُس کے اندر تبدیلی پہلے آگئی تھی علماء و سو کی حرکتوں سے اُس نے اپنی کئی روش کے لیے جواز فراہم کرنے کا کام لیا۔ عبادت خانہ کے مباحثوں کے سلسلہ میں بدایونی کے حوالے سے ص ۴۹ کا یہ بیان کہ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری کو ان مباحثوں میں حصہ لینے سے گریز تھا مگر ”جب اکبر نے علماء کو دست درگرمیاں ہوتے ہوئے دیکھا تو مخدوم الملک کو محض تنگ کرنے کی غرض سے عبادت خانہ میں مدعو کیا۔“ ہمارے خیال میں یہ بیان نہ صرف اتنے ہی تاثر کی گنجائش دیتا ہو بلکہ یہ بھی کہ جو عالم کسی مزلت کے موقع سے گریزاں رہنا چاہتا تھا۔ اکبر اُسے بھی گھیر کر دباں لانا چاہتا تھا تاکہ اُس سے بھی کوئی اور پانچ بہر حال سرزد ہو جائے۔ اور پھر وہ ایک سرے سے سب کو بے توقیر کر کے آسانی کے ساتھ اپنے راستہ سے ہٹا سکے۔ ہمارے اس خیال کی ایک طرح سے تائید اگلے ہی صفحہ پر مصنف کے اس اظہار رائے سے بھی ہوتی ہو کہ ”اکبر اگر ابو الفضل صاحبی ابراہیم سرہندی اور عبدالقادر بدایونی جیسے منہ زور مناظرین کی پیٹھ نہ ٹھونکتا تو عبادت خانے کے مباحثوں میں اتنی ناخوشگواری نہ پیدا ہوتی۔ اس لیے عبادت خانہ میں پیدا ہونے والی تمام بدمزگی کی ذمہ داری براہ راست اکبر پر غامد ہوتی ہو“ (ص ۵۰)

۴۔ کتاب کے باب اول ”اکبر کی ابتدائی مذہبی زندگی“ سے معلوم ہوتا ہو کہ اکبر اپنی شریعت زندگی میں ایک راسخ العقیدہ ہی نہیں بلکہ مرفس خفی مسلمان اور علماء و مشائخ کی صحبت کا دلدارہ تھا۔ لیکن پانچواں باب ”اکبر اور ہندو“ یہ بتاتا ہو کہ وہ بچپن ہی سے اُن کی (ہندوؤں کی۔ ع) طرف مائل تھا ”اور پھر ہندو بیویوں کی صحبت میں رہ کر“ اُس نے ہندوؤں کی بہت سی رسومات اپنائی تھیں۔ ”ان دونوں باتوں میں بظاہر تضاد ہو۔“

۵۔ ص ۱۱۹ پر بعض اکبری سکوت میں رام اور میتا کی شبیہ پائے جلنے کے ذکر میں ”رام کھڑا ہو“ اور ”میتا کھڑی ہو“ کا انداز گفتگو کسی لحاظ سے بھی اچھا نہیں لگتا۔ اسلام کی تعلیم بھی اس کے برعکس ہو۔

یہ چند باتیں جو تبصرہ نگاری کے فریضہ کے طور پر کہنا لازم ہوئی ہیں ان سے کتاب کی اصل قدر و قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اکبر کے مذہبی رخ اور اُس کے اسباب و عوامل پر یہ کتاب بلاشبہ اردو لٹریچر میں ایک نادر اضافہ ہو۔ اور مصنف کا حق ہو کہ اُس پر انھیں جی کھول کر مبارکباد دی جائے۔

تبصرہ ختم ہوا۔ البتہ ایک دوستانہ گزارش مصنف کی خدمت میں اور ہو کہ تلامبارک کی شیعیت سے

متعلق بحث میں کچھ مناظرانہ رنگ آجانبے پر گواہوں نے پیشگی معذرت کر لی ہو۔ مگر یہ کہنا پھر بھی صحیح معلوم ہوتا ہو کہ شیعہ عقائد کے سلسلہ میں اتنی تفصیلات اس موقع پر لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ عقائد عموماً مسلمات اور معروفات میں سے ہیں جن کا ثبوت بہم پہنچانے کی کوشش میں یہ مناظرانہ رنگ خواہ مخواہ آیا۔ یوں بھی جو مشرب مآب مبارک کا مصنف کی تحقیق سے سامنے آتا ہو وہ اُسے کسی عقیدہ کا وادار نہیں بتاتا ہو۔ وکبر کو شیعہ عقیدہ کے امام آخر الزما کی تباہنا خود ہی اس کا سب سے بڑا ثبوت ہو۔ پھر کیوں اُسے سچ پچ کا شیعہ بنا کر خواہ مخواہ شیعہ فرقہ کو اس کی طرف داری پر آمادہ کیا جائے۔

یہ کتاب بھی ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کی ہو اور پستہ بھی وہی ہو جو اد پر کی کتاب میں درج ہے۔ **تاریخی مقالات** | ۱۔ ۲۸۸ صفحات ۲۸۸ سائز دہی ۱۸×۲۲ مجلد قیمت ۵۰/۷

یہ مصنف کے چند متفرق تاریخی اور تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے جو گزشتہ چند برسوں میں ہندوستان اور پاکستان کے بعض علمی اور ادبی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مقالے قرون وسطیٰ کی اسلامی دنیا کے تمدنی حالات، مذہبی اذکار، ثقافتی میلانات، شعروادبی رجحانات اور بعض تاریخی مباحث پر اعلیٰ ذوق کے لیے مطالعہ کا ایک اچھا سامان فراہم کرتے ہیں۔ مزید اندازہ کے لیے مقالوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔  
۱۔ کیا سلطان طہن کی کوئی بیٹی حضرت بابا زید الدین گنج شکر سے منسوب تھی؟

۲۔ فضل اللہ ربی روز بھان اصفہانی اور ان کا ایک نادر رسالہ۔

۳۔ سلغ الرحالی ۴۔ پیر محمد شاہ اور ان کا نادر کتب خانہ ۵۔ شاہانہ مغلیہ کا ذوق موسیقی

۶۔ مسلمانوں کی جغرافیائی خدمات ۷۔ خواجہ محمد ہاشم کشمیری ۸۔ فتوحات فیروز شاہی

۹۔ اسلامی ہندوستان میں سکوت پر شاعری ۱۰۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و شایخ کا کردار

۱۱۔ مسجد قبا سے تاج محل تک ۱۲۔ مسلمانوں کی طبی خدمات ۱۳۔ داتا گنج بخش کی لاہور میں آمد

**نذر مقبول** | رتبہ جناب خیر بہرودی ناشر، آل انڈیا مفتی میوریل سوسائٹی جوہور

سائز ۱۸×۲۲ صفحات ۸۶۶ مجلد قیمت ۳۰/۷

نذر خالت نذر عرشی اور نذر ذاکر کی طرح میں یہ نئی نذر ان علمی ادبی اور تاریخی مقالات کا مجموعہ





[بقیہ اولیہ]

ہیں نہ تھی لیکن چلا دیہ اگرچہ تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ ہمارے طبقہ علماء اور ہمارے ایک خاص جماعت ہی کا ہے، مگر اس سے متاثر فریب لڑیں وہ سب ہی مسلمان ہیں جن تک انکا وہ خیالات کی لہریں پہنچتی ہیں اور غلطیوں سے وہ متاثر نہیں ہیں بلکہ تقسیم ہند سے قبل ہی ہندو مسلم کشمکش نے ان کے ذہن کا کچھ رنخ دے دیا تھا اس میں خود ہی اس طرح کے رویہ سے ہم آہنگ ہو جانے کی بڑی صلاحیت تھی اس طرح یہ مسلمانوں کی بجا ہونے کی کثرت کا رویہ بن گیا ہے اور پھر قدرتی طور سے اس کے دینی اور دنیوی اثرات و نتائج پوری قوم پر مرتب ہو رہے ہیں اور جوتے رہیں گے۔ اس لیے قوم کے ہر فرد کا حق ہے کہ وہ اس بارے میں سوچے اور کوئی یحییٰ اپنے اندر پائے تو اسے ظاہر کرے۔

ہماری نظر میں صرف یہی ایک ایسا رویہ نہیں ہے جس پر سنجیدگی سے بیٹھ کر سوچنے اور رہنمائی دینے کے مطابق اسے بدلنے کی ضرورت ہے بلکہ اور بھی کچھ معاملات میں جن پر ہمارا قومی رویہ اسی نوعیت کا ہے اور اس ملک میں حالات کی وجہ سے ناسازگاری سے ہم دوچار ہیں یاوں کیے کہ اس ناسازگاری کی جو اصلاح نہیں ہو پاتی اس میں بہت کافی دخل اس طرح کے رویوں کا بھی ہے۔ اگرچہ اگر منظور ہوا اور صحت کی ناسازگاری نے جائزہ دی تو ہم ان پر بھی کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ تحریر گویا اسی سلسلہ خیالات کی پہلی کڑی ہے جس نے بارے میں یہ ارادہ کیا ہے کہ کسی براعتراض بالکل مقصود نہیں ہے صاحب تحریر خود ایک عرصہ تک

اسی رویہ سے ہم آہنگ رہا ہے جس میں اب اس قدر بے گناہی کی شکایت ہو رہی ہے

## پھول کی طرح تروتازہ

اگر جلدی امراض یا فساد خون کی شکایت ہو تو چہرہ پر مژدہ نظر آتا ہے

## خون صفا



پھوڑے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے  
کر جسم اور چہرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے

دواخانہ طبی کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

# صحبتہ باہل دل

مرتب: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حکیم نکتہ دال عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی  
کی عرفانی و اصلاحی مجالس کا مرقع اور اُن ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ

جن میں عصر حاضر کے ذوق اور مزاج کے مطابق  
زندگیوں کی اصلاح کا پیغام، ایمان و یقین  
و کیفیت احسانی پیدا کرنے کا دافرا سامان اور  
حکایات و تمثیلات کے پیرائے میں تصوف  
اسلامی کا عطر اور سلوک و معرفت کا لب لباب  
آگیا ہے

شروع میں مولانا ندوی کے قلم سے قریباً ۵۰ صفحات کا مقدمہ ہو

جس میں صاحب ملفوظات کے حالات زندگی  
اور اُن کے خاندانی اسلاف و مشائخ کا  
تذکرہ بھی خاصی تفصیل سے آگیا ہے

آخر میں وفات کا واقعہ پوری تفصیل سے لکھا گیا ہے جس کے پڑھنے  
سے ایمان تازہ ہوتا ہے —

ہر شخص اور ہر طبقہ کے لیے سراپا فیض تحفہ

صفحات ۲۰۰ — مجلد مع ڈسٹ کور قیمت ۵۰/۵

کتب خانہ الفقہاء — کچہری روڈ — لکھنؤ

## ”صحیحہ با اہل دل“ کے قریباً چار سو عنوانات میں سے صرف ستر بطور نمونہ ذیل میں بڑھئے

<p>ایک چیز ایک محل میں جمعیت ہوتی ہے دوسرے محل میں عبادت طریقہ نقشبندیہ کی ترجیح کے بارے میں حضرت مجدد صاحب کے کلام کا مطلب اصلاح و تربیت کے طریقوں میں فرق و اختلاف کا سبب قرآن میں ایسے کوڑے ہیں کہ بہادر بھی پاش پاش ہو جائیں۔ بابا تاج الدین یا خاندانہ تدوین غیب کی آوازیں سننے کے لیے خاص کان درکار ہیں۔ قرآن کے ذریعہ قبروں کی آوازیں سنی جاسکتی ہیں۔ گنگا روں ہی کی ضرورت ہے۔ بیت و ارادت کی حقیقت موت و حشرتی نہیں ہے آمد ہے عبادت میں کیفیت اور اثر پیدا کرنے کا طریقہ بڑھاپا روحانی جوش اور روحانی کا زمانہ ہے موت سے دشت کو تباہ نظری ہے۔ عبرت و حشر قبر و الہیاتی کوٹ رہے ہیں۔ فوز عظیم کا مدرسہ شوق لقاء میری</p>	<p>شیخ اکبر کی ایک عبارت پر اشکال اور اس کا حل کبھی مذہب کی شکل میں رحمت آتی ہے اور کبھی رحمت کی شکل میں عذاب کسی کا دین دیکھتا ہو تو اس کی دنیا دیکھو دین جب جا پانی ہوتا ہے تو دنیا سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے۔ جو اہل دل تقریریں کرتے وہ سراپا فیض اور عظیم افادہ بن جاتے ہیں۔ شیخ صدیقی کا تصوف ”روح“ کی تفسیر اور اس کی تبلیغ مثال قرآن مجید کا بتایا ہوا تھرا میٹر وَجَلَّتْ قُلُوبُ بَعْضِهِمْ كَمَا بَلَغَ رَجْمُهُ اہل قبور کی حسرت ولایت ذاتی ہے اور گناہ عارضی شریعت طریقت پر ہر جگہ مقدم ہے۔ نقشبندیہ مکان بناتے ہیں سنوارتے ہیں چشتی ہیں کہ کھوکھو کھوکھو کر دیتے ہیں اہل نظر خرم ہیں ورا دشت دیکھ لیتے ہیں۔ قرآن ہر چیز سے مستغنی کر دیتا ہے۔ گم کردہ راہ صوفیہ حضرت مجدد الف ثانی کا کارنامہ گناہ اور سرکشی کا فرق ہمارا اسلام شیخ صدیقی کی انگوٹھی ہے ایک بزرگ کی بے نفسی کوئی شخص کمال سے خالی نہیں شاہدوں میں سب بلائے جاتے ہیں حشر خدا و رسول کو رخصت کر دیا جاتا ہے۔</p>	<p>قرآن سخت کو توڑتا ہے۔ نماز میں جی نہ گننے کی وجہ بڑھاپے کی شکایت کرنے والے کی مثال بڑھاپے میں نفس کی تکیاں کمزور ہو جاتی ہیں اس لیے طائر روح نکلنے کے لیے بغیر اڑتا ہے۔ کسی ہندو میں کچھ نہیں سبائشہ کی طرف ہر قبولیت دعا کا راز سلسلہ اربعہ کی تفصیل تزکیہ اور نظر بندی کا فرق عالم آخرت کے انفس آشنائی کی ضرورت ہو سنگ کبھی تمام نہیں ہوتا مشائخ کی تقلید و اتباع انانیت کا کاٹنا ہندگی سب سے اونچا مقام ہے نہم اپنے نفس پر اللہ کی حکومت قائم نہ کر سکے تو دوسروں پر کیا کریں گے۔ اعمال غذا ہیں اور درد و محبت چینی الغار و الہام کی گہمی قرآن و حدیث پر انکھ کی تقلید و پیروی کی مثال انگریزی پڑھ کر مدینہ راہ عربی پڑھ کر بلے دین بننے سے بہتر ہے۔ جامد اسلامیہ و مدینہ طیبہ میں پڑھنے والے بعض طلبہ کا افسوسناک حال دم و اسپیں کلام الہی کی تاثیر بعض درویش کی حلاوت پھل میں آجاتی ہو بعض مجسم پہل بن جاتے ہیں۔ ذکر کی جگہ خلوت نہیں جلوت ہے۔</p>
---	--	--

صاحب ملفوظات کا دھال

# ”معارف الحدیث“

احادیث نبوی کا محفوظ ذخیرہ امت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے قائم مقام ہو ایک صاحب ایمان اس کے مطالعہ کے وقت تصور کے راستہ سے مجلس نبوی میں پہنچ جاتا ہے۔ آپ کے ارشادات سنتا ہے اور آپ کے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کو دیکھتا ہے۔

مولانا نعمانی نے احادیث کے مستند مجموعوں سے گہرے غور و فکر کے بعد حدیثیں منتخب کیں جن کا ان لوگوں کی فکری و مقامی اور علمی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں اُمت کے لیے ہدایت کا خاص سالن ہے۔

پھر ان کی ترتیب اور ترجمہ و تشریح میں زبان کی نفسیات اور رائج کے فکری باحول کو خاص طور سے سامنے رکھا اور علامہ یا مدرسانہ بحثوں کے بجائے سطح نظر میں یہ کھا کڑ پڑنے والے کا ذہن مطمئن اور دل تازہ ہوا اور اس میں اتباع کا جذبہ اور کسی درجہ میں وہ ذوق عمل پیدا ہو جو صحابہ کرام میں آپ کے ارشادات سے پیدا ہوتا تھا۔

اس سلسلہ کی ۵ جلدیں الحمد للہ مکمل ہو چکی ہیں

جلد اول۔ کتاب الایمان۔ یعنی ایمان آخرت، قیامت، جنت، صراط، میزان، حساب، جنت و دوزخ وغیرہ سے متعلق حدیثیں۔ ۲۸۸ صفحات، ۱۲ کتابی سائز، اخلاک، سنت و طباعت قیمت ۵/-

جلد دوم۔ کتاب المواقف والاخلاق۔ یعنی تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں۔ اس جلد کا خاص موضوع دین کا وہ شعبہ ہے جو سلوک اور صفات کا موضوع ہے۔ ۳۴۰ صفحات، کتابت طباعت اعلیٰ قیمت ۵/۵

جلد سوم۔ کتاب الطہارۃ والصلوۃ یعنی طہارت اور نماز کے ابواب کی حدیثیں، اس جلد کی جامعیت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ۲۹۲ صفحات، کتابت طباعت اعلیٰ، قیمت ۴/-

جلد چہارم۔ کتاب الزکوۃ والصوم والحج۔ یعنی زکوۃ، روزہ، رمضان اور حج کے ابواب کی حدیثیں۔ ۲۹۶ صفحات، کتابت، طباعت اعلیٰ، قیمت ۵/۲۵

جلد پنجم۔ کتاب الاذکار والدعوات۔ ذکر اللہ، تلاوت قرآن اور توبہ و استغفار اور دود و سلام سے متعلق احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلقین فرمائے کلمات ایمانی روحوں کے لیے خاص تحفہ قیمت ۶/۵۰ ہر جلد کے شروع میں مقدمہ ہے جو کائنات خود علی و عرفانی تحفہ ہے جس کے مطالعہ سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

جدد نگہ لانے کی صورت میں ہر جلد کی قیمت میں سیرا و بے کا اضافہ ہو جائے گا  
پوری جلد ریگڑ بین کی خوبصورت اور باسیدار ہوگی۔

مینجر کتب خانہ الفقہان، کچہری روڈ، لکھنؤ

## قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

یہ کتاب مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لیے لکھی گئی ہے۔۔۔ صفحہ کی اس کتاب میں قرآن پاک کی ہدایت و تعلیمات کو کئی سو سونو امات کے تحت اس طرح غریب کر کے پیش کیا گیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے اسلام کے برحق اہل قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا یقین بھی پیدا ہوتا ہے اور دل میں نور اور قرآنی ہدایت بر چلنے کا جذبہ بھی ابھرتا ہے۔  
جلد - ۱ (انگریزی اور ہندی ادیشن بھی زیر طبع ہے)۔

## دین و شریعت

اس کو اچھے اچھے اصحاب نے اس دور کی عظیم ترین کتاب کہا ہے اسلام کے لیے نظام عقائد و اعمال اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلامی تعلیمات پر ایسی جامع اور اس درجہ یقین آفریں شایہ کی کوئی دوسری کتاب ہو۔ انگریزی اور بعض دوسری زبانوں میں بھی شائع ہو چکی۔ قیمت ۵/۴۸ (انگریزی ادیشن - ۸/۴۸)

## اسلام کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو خاص تاثیر اور مقبولیت عطا فرمائی ہے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، ہندی، گجراتی اور کثیر دی وغیرہ بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ کاغذ کتابت طباعت اعلیٰ۔ جلد قیمت ۲/۵۰  
انگریزی ادیشن قیمت ۸/۴۸ ہندی ادیشن قیمت ۴/۵۰  
نماز کی حقیقت نماز کی روح اور اس کی حقیقت سے واقفیت کے لیے اور اپنی نماز کو حقیقی نماز بنانے کے لیے

اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ قیمت ۲/۲۰  
کلمہ طیبہ کی حقیقت کلمہ شریف کی ایمان افروز تشریح۔

برکات رمضان رمضان اور روزہ کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی حضرت شاہ ولی اللہ کے طرز پر تشریح قیمت ۱/-

## آپ حج کیسے کریں؟

اور مسلم جس کے مطالعہ سے حج کا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے اور وہ عاشقانہ جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے جو حج کی روح ہے۔ قیمت ۲/-  
حج کے بڑے بڑے علم حضرات کے لیے "آپ حج کیسے کریں؟" کا آسان زبان میں خلاصہ جیسی ساڑھ - ۸/۴۸

## سب سے پہلا سفر نامہ حج

دو سو سال پہلے ہندوستان کے ایک صاحب دل عالم اور بزرگ نے دو سو سال میں حج کا سفر کیا تھا۔ یہ سفر نامہ ان کے اسی سفر عشق کی بڑی دل آویز اور نورانی روڈ ماڈ ہے۔ قیمت ۲/-

## مذکرہ مجدد الف ثانیؒ

الفکرین کے شہرہ آفاق "مجدد الف ثانی نمبر" ۳/۴۸ کا کتابی ادیشن۔ قیمت ۵/۴۸

## مکتوبات احمدیہ منصوص منقشہ

الفکر لفظ نور سے معرور ۲/۵۰  
جلد ۳/۵۰  
حضرت مولانا محمد الیاسؒ ان کی دینی دعوت

## ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جلد ۲/-  
خواہ اسماعیل شہید ر اہل بدعت کے الزامات کی حقیقت ۱/-

## فیصلہ کن مناظرہ

ابن حزم و دیوبند بر مولانا محمد رضا صاحب بریلوی کے بغیر لازماً ان کا حقیقی جواب۔ ۱/۵۰  
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۱/۵۰  
اسلام و کفر کے حدود اور قادیانیت ۱/۵۰

## مطبوعات دارالمنصفین اعظم گڑھ

۴/-	دوم	۳/-	اول	ہماجرین
۵/-	دوم	۳/-	اول	سیر الانصار
۳/۵۰	ہفتم	۳/-	ششم	سیر الصواب
۸/-	دوم	۶/-	اہل	اسوہ صحابہ
۸/-				سیر الصحابیات
۹/-		۱۰/۵۰	تیس	تاہین
۹/-				اسوہ صحابیات
۱۹/-				تاریخ دولت عثمانیہ کامل
۸/۵۰				تاریخ اندلس
۱۰/-				تاریخ فقہ اسلامی
۲/-				ہماری بادشاہی
۳/۸۰				ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ
۱۰/۲۵				ہندوستان کے عہدوٹی کی ایک جھلک
۲/-				ہندوستان کی کماتی
۵/-				اطامون
۴/-				الغزالی
۵/-				سیرت عمر بن عبدالعزیز
۶/-				امام رازی
۲۵/-				مقالات شبلی اول تا ہفتم
۳/-				خطبات شبلی
۱۸/۵۰				مقالات سلیمانی
۴/-				سیرت عائشہ
۵/-				پہلی کہانیاں
۲/-				محبت عالم

## مطبوعات مجلس تحقیقات و نشریات اسلام دکترہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

۸/-	ارکان اربعہ
۶/-	مسلم پرسنل لا
۵/-	ہندوستانی مسلمان
۶/-	تاریخ دعوت و عزیمت اول ۱/۲ سوم
۶/-	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال اثر
۵/-	اسلامیت و مغربیت کی کشمکش
۵/-	علم جدید کا جیسلمج
۵/-	طوفان سے ساحل تک
۵/-	مقالات سیرت
۳/-	قادیانیت مطالعہ اور جائزہ
۶/-	سیرت مولانا محمد علی سونگھیری
۲/-	مذکورہ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی
۲/۵۰	نقوش اقبال
۸/-	اردو عربی ڈکشنری
۴/۵۰	محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے
۸/-	دہات اسلام از ۹
۱۳/-	اسلام اینڈ دی ورلڈ
۸/-	اسلام فقیہہ اینڈ پریکٹس
۶/-	سلسلہ ان انڈیا
۴/-	تادیا نزم
۰/۴۵	یونیس اینڈ اٹس انسر
۳/-	دی بلیٹ پرنٹ

خود: مندرجہ بالا کتب کے علاوہ مارا العلوم ندوۃ العلماء

کے کدوس کی تمام کتب بھی ہمارے یہاں دستیاب ہیں

مطبوعات دارالمنصفین اعظم گڑھ

الفردوس

مكتبة

عشق الرحمن بن بھلی



پشکوان کے  
عصده تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برائڈ  
صاف کیا جوا مونگ چلی کاتیل  
۱۳۰۲ اور ۵۵۵ کلو

عصده وناستی  
۳۰۲ اور ۱۶۵۵ کلو

سیتلولا، سیتل کاتیل  
۳۰۲ اور ۵۵۵ کلو

بلاڈ غالص ناریل کاتیل  
۳۰۲ اور ۱۶ کلو

کوکو جوار

صاف کیا جوا ناریل کاتیل  
۳۰۲ اور ۵۵۵ کلو

امی سلاڈ تیل

۳۰۲ اور ۵۵۵ کلو

عصده سبز، بمبئی

چکواں کے  
حصہ تیلوں میں  
گپ کی خاص پتہ

پوسٹ میں  
صلہ کیا دوا منگ چلی کاتیل  
۲۰۱۶ء ۵۵ روپے

حصہ فاسفی  
۲۰۱۷ء ۱۲۵ روپے

موتیلا، تیل کاتیل  
۲۰۱۷ء ۵۵ روپے

صلہ خاص تاریخ کاتیل  
۲۰۱۷ء ۱۲۵ روپے

کو کو جہ

صلہ کیا دوا تاریخ کاتیل

۲۰۱۷ء ۵۵ روپے

ای سلا تیل

۲۰۱۷ء ۵۵ روپے

حصہ سبز دہلی

سَلَامٌ لَّكَ جَنَّه

غیر مالک سے

۵ اشنگ

ہوائی ڈاک کے لیے مزید  
محصولہ ڈاک کا اضافہ

# لفشان

ماہنامہ

سَلَامٌ لَّكَ جَنَّه

ہندوستان سے ... ۸/-

پاکستان سے ... ۸/۵۰

صفحات ۱۵ صفحات

قیمت

فی کاپی ... ۵/- پیسے

جلد ۳۸ بابت ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۹ء شمارہ (۹۱)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولیں	عقیق الرحمن سنہلی	۲
۲	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۷
۳	اسلام میں مکمل انارک کی دریافت!	عقیق الرحمن سنہلی	۱۱
۴	دنیا ڈیڑھ ہزار سال پہلے	مولانا عبدالسلام قدوائی	۲۱
۵	ارشادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	۴۱
۶	ہندوستان میں علم حدیث	مولانا تقی الدین ندوی مظاہری	۴۷
۷	نئی مطبوعات	ع. س	۵۳

## اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ کہ آپ کی مت خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ کوئی دوسری اطلاع ۲۸ ستمبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ دی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ اُسٹریلیا بلڈنگ لاہور کو بھیجیں براہ راست انکی اطلاع بھی دیں۔ انھیں ہی پی ایچ جاسکے گا لہذا ۲۸ ستمبر تک چندہ کی اطلاع ملنے کی صورت میں ہم مجبور ہوں گے کہ رسالہ بھیجا بند کر دیں۔

ممبر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کو پی پراپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے جو پتہ کی چٹ پر رکھا ہوتا ہو۔

تاریخ اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں، دانہ کر دیا جاتا ہے اگر وہ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو خود مطلع کریں، اس کی اطلاع ۲۸ تاریخ تک آجانی چاہیے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

## دفتر الفشان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پریپر ایٹر نے توہیر پریس میں چھپا کہ دفتر الفرقان، کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# نگاہِ اولیں

۱۔ تَحْقِیْقُ الرَّحْمٰنِ سَبْعَیْنِ

یہ خراب عام ہو چکی ہے کہ مسلم لیگ جو تقسیم ہند کے بعد جنوبی ہند میں سمٹ گئی تھی، اُس نے از سر نو اُل اندیا میں جانے اور ملک بھر میں جہاں جہاں ممکن ہو پھیل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس منصوبے کا آغاز دہلی اور یوپی سے ہو بھی گیا ہے۔ ایک ایک کمیٹی دو دو علاقوں میں لیگ کی باقاعدہ تنظیم کے لیے بنا دی گئی ہے۔ یہ فیصلہ ان مقاصد کی رو سے کیا ہے جن کے نام پر اُسے گل میں لایا جا رہا ہے؛ یعنی مسلمانوں کے مسائل حل ہونے میں اس سے کہاں تک مدد ملے گی؟ اور ملے گی بھی یا نہیں ملے گی؟ اس رخ سے نظر ڈالنا یہاں مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے صرف اس پہلو پر ایک نگاہ ڈالنی ہے جو خاص طور پر یوپی کو بھی اس (فیصلے) کے دائرے میں لیے جانے سے روکا ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے اہل سیاست کا کردار اور ملت کے لیے اُن کے خالص کا دعوا کہاں تک قابل اعتماد ہو؟

یوپی میں مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت ”مسلم مجلس“ پہلے سے قائم ہے۔ یہ اس مجلس مشاورت کی یوپی شاخ کی باقاعدہ جانشین ہے جسکے حصہ داروں میں مسلم لیگ بھی روزِ اول سے شامل ہے اور اس وقت اس کے جنرل سیکریٹری کا عہدہ بھی خود مسلم لیگ ہی کے جنرل سیکریٹری کے پاس ہے۔ اس مسلم لیگ کے لیڈروں کو چند سال پہلے تک یوپی میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ اولاً مسلم مجلس مشاورت کی بدولت، ملک کے دوسرے حصوں کی طرح یوپی میں بھی کسی حد تک ان حضرات کا تواتر ہوا۔ اور بعد میں یہ صرف مسلم مجلس تھی جس نے ان کو یوپی میں جگہ جگہ لے جا کر اچھی طرح شناس کر لیا۔ مجلس مشاورت کا پیغام یہ تھا اور ہے کہ مسلمان کبھی اختیار کریں، نزاعات کو پس پشت ڈال دیں، نئے نزاعات کو سراٹھانے کا کوئی موقع اپنی صفوں میں نہ پیدا ہونے دیں، ان کی جامعیتیں اتحاد و اشتراک کے میدان تلاش کریں، اختلافات انگریز کے بجائے اتحاد پروری کو شعار بنالیں۔ یہ پیغام مشاورت میں شامل کسی جماعت کو آسانی سے اس کی اجازت نہیں دیتا، کہ وہ اپنے حلیفوں ہی سے ٹکراؤ کا سامان پیدا کرے۔ اور کوئی بدلے

اختلاف کسی ناگزیر سبب سے پیدا بھی ہوتی ہو تو آخری حد تک اسے رفع کرنے کی کوشش کے بغیر کوئی یکطرفہ قدم اٹھا ڈالے۔ علاوہ ازیں اگر ان حلیف جماعتوں میں سے بعض کا بعض سے کوئی اس طرح کا تعلق ہو جیسا مسلم لیگ اور مسلم مجلس کے درمیان دیکھا گیا تو اس تعلق کا اخلاقی تقاضہ بھی ہو کہ جس نے فائدہ اٹھایا وہ فائدہ پہنچانے والے حلیف کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ کرے جسے کم از کم بے مروتی ہی کا نام دینے پر دنیا عجوبہ ہو۔

مسلم مجلس کے کچھ نوجوان افراد اپنی لیڈر شپ سے ناراض ہوئے اور مسلم لیگ کے لیڈروں سے خواہش کی کہ انھیں یوپی میں مسلم لیگ کے نام سے کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ مسلم مجلس کے قائدین کو اس سلسلہ جنابانی کا پتہ چلا تو انھوں نے مسلم لیگ قائدین سے اپنے تعلق کے اعتماد پر اور مجلس شادرت سے دونوں کی وابستگی کی بنیاد پر بجا طور سے خواہش کی کہ ان کے ناراض عنصر کی سلسلہ جنابانی کا حوصلہ افزا جواب نہ دیا جائے۔ مسلم لیگ کے قائدین نے ایک طرف اس نوجوان عنصر کی خواہش کو رد کرنے کے بجائے ”زیر خود“ کے خانہ میں ڈال کر اشارہ کر نہیں تو حوصلہ ضرور دیا کہ وہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ دوسری طرف مسلم مجلس کی قیادت کو لکھ دیا کہ یہ سرگرمیاں ہماری منظوری سے نہیں ہو رہی ہیں۔ اور اس طرح طرفین کو اُمید میں رکھتے ہوئے اتنا وقت لے لیا جس سے اندازہ ہو جائے کہ یوپی میں مسلم لیگ کے لیے کچھ اچھے امکانات ہیں یا نہیں۔ اور بس اس مرحلے کے پورا ہوتے ہی ایک دلی یہ خبر آگئی کہ مسلم لیگ نے بشمول یوپی ملک گیر سیانہ پر اپنی شاخیں قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور پھر مسلم مجلس کے ناراض عنصر کو اجازت بھی مل گئی کہ وہ یوپی میں اس کارروائی کا باقاعدہ آغاز کرے۔

کوئی خوش گمان آدمی سوچ سکتا تھا کہ مسلم لیگ کے ہاتھوں کسی اور کو نہیں، مسلم مجلس کو، یہ چوک لگے گا؟ کوئی سوچ سکتا تھا کہ مجلس شادرت کے شرکار میں سے مسلم لیگ جیسی جماعت شادرت کے پیمان کی اس طرح مٹی خراب کرے گی جس پر شادرت کی خالی رکنیت ہی کی ذمہ داریاں نہیں، سکریٹری شپ کی بھی ذمہ داریاں ہیں؟۔۔۔ مگر یہ سب ایسے ہوا جیسے عین لٹی فریضہ ہو! جیسے شادرت کی مدوح بھی چاہتی ہو! جیسے کوئی ادنیٰ اسی اخلاقی رکاوٹ بھی اس میں نہ ہو!۔

اب ایک نظر مسلم مجلس کے مخلصانہ کردار پر۔

مسلم لیگ والوں نے جو کچھ کیا وہ یقیناً قابلِ غرمت ہو۔ مسلم مجلس کے رہنما اس پر جتنے شاکی ہوں، بجا ہو، لیکن جس مسلم اتحاد کے نظریہ پر مسلم مجلس قائم ہوئی اس کا عین تقاضہ ہو کہ اسی طرح کی تنظیم کسی ایک ریاست تک محدود نہ ہو، ہر ممکن کوشش ہونی چاہیے کہ یہ تنظیم ملک گیر صورت اختیار کرے۔ مسلم لیگ نے طریقہ تو غلط اختیار کیا، مگر مقصدی اعتبار سے یہ کام کرنے کا ارادہ کیا جو جس مسلم مجلس اور وہ دونوں متفق تھے چنانچہ مسلم مجلس کی درکنگ کمیٹی نے مسلم لیگ کے اس اقدام پر جو تجویز مذمت پاس کی ہو، اس میں اصولی اعتبار سے کوئی ایک اعتراض بھی اس کا رد وائی پر نہیں کیا گیا۔ بنائے اعتراض صرف یہ ہو کہ اس سے مسلم لیگ اور مسلم مجلس کے درمیان ٹکراؤ ہو گا۔ لیکن یہ وہی صورت حال ہوتے ایک صحیح مقصد کے لیے جان کر رکھنے کا اصول خود مسلم مجلس کے رہنما بنا چکے ہیں۔ یہ اس وقت ہوا جب یہ رہنما مجلس کے نہیں مسلم مجلس شادرت کی صوبائی شاخ کے رہنما تھے مرکزی مجلس شادرت نے طے کیا تھا کہ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں بلا امتیاز پارٹی ایسے تمام امیدواروں کی حمایت کی جائے جو سیکولرزم کے حامی اور بلا تفریق تمام شہریوں کے یکساں حقوق کے قائل ہوں۔ یوپی مجلس شادرت کے ان رہنماؤں نے کہا کہ الیکشن میں پی پی لینے کا جو اصل مقصد ہو وہ بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتا کہ کانگریس کے امیدواروں کو دھڑ نہ دیا جائے، اس لیے خواہ کچھ بھی ہو ہم کانگریسی امیدواروں میں سے کسی کی حمایت نہیں کریں گے۔ یہ رد یہ دو الگ الگ مسلم جماعتوں کے لیڈر اور دعوت دینے والا نہیں تھا بلکہ ایک ہی جماعت کو باہمی انفرق کی آگ میں دھکیلنے کے ہم معنی تھا۔ مسلم مجلس کے موجودہ قائدین کہتے تھے کہ ایک صحیح و متفق علیہ مقصد کے لیے یہ سب کچھ سہی گوارا کرنا پڑے گا۔ مسلم لیگ کے قائدین آج بس وہی رد یہ ہر ہے، جس کی پشت پناہی بھی انھوں نے اس وقت کی تھی اب کیا مسلم مجلس کو اس پر کسی اعتراض کا حق حاصل ہو؟

مسلم مجلس کے یہ رہنما جو ۱۹۷۷ء میں یوپی مجلس شادرت کے رہنما تھے، بعد تھے کہ مرکزی مجلس شادرت ان سے اتفاق کہے، ورنہ ان کا راستہ چھوڑ دے۔ مسلم لیگ کے قائد بھی یہی چاہتے ہیں کہ ان سے انضمام کر لیا جائے۔ ورنہ اپنی کے مسلم عوام پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ کس کو زیادہ مفید اور با معنی سمجھتے ہیں۔ مسلم لیگ خالص مسلم تنظیم اور خالص مسلم سیاست کی قائل ہو، مسلم مجلس اچھوتوں اور ہر جنھوں کو بھی ساتھ لے کر چلنا چاہتی ہو۔ قائد سے اسے کوئی حق نہیں کہ ایک قدرے مختلف نظریہ رکھنے والی جماعت کے قیام کو بھی مسلم اتحاد میں رخنہ اندازی قرار دے، خواہ کہ جب وہ نظریہ عینہ وہ کہ جس کے مطابق کام کرنے ہی میں ”مسلمانوں کی نجات“ کو مسلمانوں کا سیاسی عقیدہ بنانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ مسلم مجلس کے قائدین نے اٹھا نہیں رکھا تھا اور آج بھی جبکہ غیر مسلم بہت اقسام کو

لیکھناؤ اس نجات کی ایک مزید ترسک ہے میں یہ جرات نہیں رکھتے کہ خالص مسلم تنظیم کو غلط کمین سب تو اور بھی غلط بات ہو کہ مسلم لیگ کے یوپی میں قیام کو یہاں کے مسلمانوں کیلئے مضر قرار دیا جائے۔ مسلم مجلس کے لیے مسلم لیگ سے اختلاف کا اگر کوئی راستہ ہے تو صورت یہ ہے کہ خالص مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کے نظریے کو غلط فہم قرار دیا جائے۔ یا آل انڈیا مسلم پریسکون کی ایک سیاسی تنظیم کے نظریے سے اختلاف کیا جائے۔ مسلم مجلس یہ دونوں کام نہیں کر سکتی اس کے لیڈر ان دونوں ہی باتوں کے حق میں دلائل کا ایک انبار لگا کر اپنے ہاتھ کما چکے ہیں، چنانچہ وہ اپنی تجویز مذمت میں ایک حرف ان پہلوؤں سے نہ کہہ سکی لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ یوپی میں مسلم لیگ قائم کیے جانے کو مذہب و مروت قرار دیتی ہو اور اپنے پیروؤں کو تلقین کرتی ہو کہ اس کوشش کو ناکام بنا دیا جائے تو اس کے معنی سوائے اس کے کیا ہوتے ہیں کہ مسلم مجلس کے حامی بغیر کسی ایسے اختلاف کے جس کا تعلق عام مسلمانوں کے مفاد سے ہو مسلم لیگ کے حامیوں سے دست برداریاں ہو جائیں۔ اور یہ چیز ملت کے ساتھ جیسا خلوص ظاہر کرتی ہو وہ بالکل ظاہر ہو۔

جو مسلمان اب تک نہیں سمجھتے ہیں، انہیں شاید اب یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس ہو کہ اپنی سیاست ان کے مرض کی دوا نہیں ہیں۔ سیاست ایک مقابلہ بازی کا کھیل ہے اس میں نمایاں ہو کر آدمی ہر وہ کام کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہو جس سے کم از کم اس کی اور اس کی پارٹی کی ذمہ داریاں ادا ہو سکیں جو یوپی میں چکی ہو۔ انڈین مسلم لیگ کے لیڈروں کو اس قدر محروم کر دیا کہ انہیں نے پر سب چیزیں مجبور کیا وہ بھی معنی کی کیرالہ اور پھر مجموعی طور پر ملک کے نئے سیاسی حالات نے ان کی بقا کیلئے سہولتیں بنایا کہ اگر اسے باہر بھی ایسی طاقت بنائیں جو تمام مذہب داران اور تمام اخلاقی تقاضے انھوں نے اس ضرورت پر قربان کر دیے۔ علیٰ ہذا مسلم مجلس کیلئے کوئی جواز نہیں تھا کہ وہ عین ان نظریوں کی بنیاد پر مسلم سیاسی تنظیم کے قیام پر بھیجیں جس کیلئے لیڈروں نے زیادہ مقبول نہانے کی جدوجہد کی ہو لیکن اس تنظیم کا قیام یا اس سے انضمام دونوں ہی باتوں میں ان کے اپنے بنے بنائے مقام کے لیے مختلف پہلوؤں سے نظر دیا تھا اس لیے وہ مجبور ہوئے کہ کسی اصولی جواز کے بغیر اس تنظیم کے خلاف جنگ کا اعلان کریں اور جتنا نقصان مسلمانوں کے اتحاد کو مسلم لیگ کی توسیع سے پہنچ سکتا ہو اُسے اپنے ردیہ سے دہچنک کر دیں۔

سیاسی جماعت سازی ہی نہیں کسی بھی طرح کی جماعت سازی میں مسلمانوں کا بھلا نہیں اس لیے کہ جماعت جیسی بھی ہو اس کی اپنے وجود کی مصلحتیں بہر حال کسی نہ کسی وقت عام ملت کی مصلحتوں سے ٹکرا جاتی ہیں اور جماعتی نفسیات مجبور کرتی ہیں کہ جماعت دالے ایک وقتی مجبوری کے نام پر اپنی جماعتی مصلحت ہی کو مقدم کریں مسلمانوں کا بھلا صرف اس میں ہو کہ ان کے فرض شناس عناصر کو کوئی دہمی جماعت بنائے بغیر مسلمانوں کو اپنی دینی اور دنیوی تعمیر کی طرف بلائیں اور سلسلہ جدوجہد کے ساتھ بلائیں حتیٰ کہ آج کی نام نہاد ملت بالکل صحیح معنی میں ایک ملت اور

جماعت بنتی چلی جائے۔ مسلمانوں کے مسائل پوری ملت ہی کی اجتماعی ہدایت کو زندہ کرنے سے حل ہو سکتے ہیں نہ کہ اس کے اندر جماعتیں بنائے۔

مسلم لیگ اور مسلم مجلس کے اس قضیہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے مسلم مجلس مشاورت کا خیال بھی قدرتی طور پر آتا ہے کہ یہ مرکز کی دفاعی کہاں محو خواہ ہو۔ دوسری جماعتوں میں رہ رہا ہو اور اس دفاعی مرکز کی نگاہوں میں جنبش تک نہیں، اس کی سطح پر کوئی سرگرمی نہیں کہ ان دونوں میں سے جس کا موقف غلط ہو، اُسے اُس کے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ آخر ایسے مرکز کے وجود سے کیا فائدہ ہو؟ اور کیوں وہ اپنے کو بحث اور بے جا مان کر خود کو ختم کر دینے یا پھر زندہ فعال بننے میں سے ایک بات کا فیصلہ نہیں کرتا؟ اس سوال کا جواب دینا اس مرکز کے سربراہوں کی ذمہ داری ہو۔

## ایک وضاحت ایک معذرت

۱۔ گزشتہ ماہ کے ”نگاہ ادائیں“ سے متعلق بعض خطوط اور گفتگوؤں سے اندازہ ہوا کہ اس سلسلہ میں ایک آدھ قسط کا اور انتظار ہو۔ دائرہ علم یہ غلط فہمی کیوں ہوئی، وہ بحث اپنی جگہ مکمل ہو چکی ہو، اور جو کچھ لکھنے کا ارادہ اس کے آخر میں ظاہر کیا تھا وہ کچھ دوسرے مسائل سے متعلق تھا۔ لہذا اُس بحث (سیکولرزم) کے بارے میں جو صاحب انظار خیال فرمانا چاہتے ہوں وہ الفتان کی طرف سے مزید کسی قسط کے انتظار میں نہ رہیں۔

۲۔ مولانا نجیب اللہ صاحب ندوی کے مقالے ”مولانا کرامت علی جونپوری“ سے متعلق ایک مکمل کا اعلان گزشتہ اشاعت میں کیا گیا تھا۔ افسوس ہو کہ وہ مکمل بہت شدہ مع مسودہ ہمارے کاتب صاحب کے صاحبزادے سے کہیں راستے میں گر گیا جب کہ وہ اُسے پہنچانے کے لیے آ رہے تھے۔ اللہ نگار کو اس کی اطلاع دی جا چکی ہو۔ اب اگر انھوں نے سکر زحمت فرمائی تو اس کی اشاعت کی نوبت آئے گی، ورنہ بجز معذرت و افسوس کوئی چارہ نہیں۔

صحبتہ باہل دل  
مفاتیح ۴۰۰ - قیمت - ۵/۵۰ - طبع کا پتہ: کتب خانہ الفتان، لکھنؤ  
مفاتیح حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی مع حالات زندگی، مرتبہ مولانا ابوبکر محمد علی ندوی



## کتاب المعاشرة والمعاملات

# معارف الحديث

(مُسَلَّس)

## عام مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات

— (۲) —

جانوروں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی ہدایت:-

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اور آپ سے پہلے آنے والے نبیوں رسولوں نے بھی) اس کی اجازت دی ہے کہ جو جانور سواری یا بار برداری کے لیے یا کسی دوسرے کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان سے وہ کام لیے جائیں۔ اسی طرح جن جانوروں کو حلال طیب قرار دیا گیا ہے ان کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق غذا میں استعمال کیا جائے لیکن اسی کے ساتھ آپ نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ ایذا رسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے اور ان کے معاملے میں بھی خدا سے ڈرا جائے۔

عَنْ سَهِيلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
بِغَيْرِ قَدْ لَحِنَ ظَهْرَهُ بِنَظْنِهِ فَقَالَ اِنْعَوْ اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ  
الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَاسْتَرْكَبُوهَا صَالِحَةً

حضرت اسماعیل بن ابراہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے۔ جب کاپیٹ (بھوک کی وجہ سے) اس کی کمر سے لگ گیا تھا، تو آپ نے فرمایا لوگو! ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو! (ان کو اس طرح بھوکا نہ مارو) ان پر سوار ہو تو ایسی حالت میں جب یہ ٹھیک ہوں (یعنی ان کاپیٹ بھرا رہا) اور ان کو چھوڑ دو تو (اسی طرح کھلا پلا کر) اچھی حالت میں۔ (مسند ابی داؤد)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا قَدْ وَسِمَ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ فَعَلَ هَذَا \_\_\_\_\_ رواه احمد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک گدھے پر پڑی جس کے چہرے پر داغ لے کر نشان بنایا گیا تھا تو آپ نے فرمایا وہ شخص خدا کی رحمت سے دور اور مردم جس نے یہ بے رحمی کا کام کیا ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) دنیا کے بہت سے حصوں میں گھوڑوں، گدھوں جیسے جانوروں کی پہچان کے لیے ان کے جسم کے (تشریح) کسی حصہ پر گرم لوبے سے داغ لے کر نشان بنادیا جاتا تھا، اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے لیکن اس عقیدہ کے لیے چہرہ کو داغنا (جو جانفد کے سائے جسم میں سب سے زیادہ نازک اور حساس عضو ہے) بڑی بے رحمی اور گنوار پن کی بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغ لگایا تھا تو آپ کو سخت دکھ ہوا اور آپ نے فرمایا کہ "لعن اللہ من فعل ہذا" یعنی اس پر خدا کی لعنت جس نے یہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی ناراضی اور نیرازی کا کلمہ تھا جو ایک گدھے کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کرنے والے کے لیے آپ کی زبان مبارک سے نکلا۔

دنیا نے "اسد ابے رحمی" کو اب اپنی ذمہ داری سمجھا ہے، لیکن اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اب سے چودہ سو برس پہلے اس کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اور اس پر زور دیا تھا۔  
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ لِامْرَأَةٍ مَوَسَّةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلَى رَأْسِهَا كَيْ يَلْهَثَ كَأَن يَقْتُلَهُ الْعَطَشُ فَتَرَعَتْ نَعْفَهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَتَرَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَعَفَرُوا لَهَا بِذَلِكَ — قِيلَ إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَخْبَارًا قَالَ فِي كُلِّ



# اسلام میں مکمل انارکی کی دریافت!

شیخ الجامعہ (جامعہ ملیہ) کے ایک مقالے کا جائزہ

عَلَيْقُ الرَّحْمَنِ سُبْحَانِي

ہندوستان کے سابق چیف جسٹس مسٹر ججیندر گدکار نے گزشتہ سال علیکم السلام یونیورسٹی کے جرنل تقسیم اسناد کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں کو بتائیں کہ شادی اور وراثت جیسے معاملات میں قرآن جو کچھ کہتا ہو وہ آج بر عمل نہیں ہو اور خدا جہاں اسی تلقین کا نتیجہ ہوا ہم نگر ہی وہیم خیاں کی اپنی ذاتی تحریک کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شیخ الجامعہ (دائیں چائیں) پروفیسر مہمبھایا صاحب نے اس مقدمہ کو زرا زیادہ وسیع کر کے ایک طویل مقالہ ”اسلام میں افراد کے ضمیر کا مقام“ کے زیر عنوان گزشتہ دنوں سپرد قلم فرمایا جو جامعہ ملیہ کے ماہنامہ جامعہ کی مئی اور جون ۱۳۹۰ء کی اشاعتوں میں نکلا ہے۔

اصل مقالہ انگریزی میں لکھا گیا تھا جس کا اردو ترجمہ ”جامعہ“ میں آیا ہو۔ ترجمہ آسان تحت اللفظی قسم کا ہو کہ انگریزی کا اسلوب ہر دو برقرار رہا ہو جس سے مضمون کی وہ اہمیت اور سوا ہو گئی ہو جو موجب صواب کے کم از کم ایسے مضامین کا لازمی خاصہ ہو۔ یہ ہو سکتا ہو کہ ہمارے مطالعہ میں آئے ہوئے ان کے مضامین کی اہمیت کا لازمی یہ ہو کہ وہ انگریزی سے ترجمہ ہو کر اردو میں آتے ہیں اور ترجمہ میں اصل کا اسلوب تک برقرار رکھنے کی احتیاط کی جاتی ہو۔ یہ حال یہ مضمون اپنے اسلوب بیان کی بنا پر کافی خاص ہو، لیکن کچھ غور و خوض کے بعد میں بہر حال کہتا ہوں کہ اسے پوری احتیاط اور ذمہ داری کے

ساتھ سمجھنے کی کوشش کی ہو اور اس پر اظہار خیال کا قدم اُسی وقت اٹھایا جا رہا ہے جب یہ اطمینان ہو گیا ہو کہ پروفیسر صاحب کا مافی الضمیر ہم نے سمجھ لیا۔

مضمون کے بارے میں ہمارا خیال اوپر کی سطروں ہی سے ظاہر ہو چکا لیکن پروفیسر محیب صاحب کا باوجود ایک جامعہ ملیہ اسلامیہ کی شیخ الجامعی کے مسلمانوں سے کوئی رابطہ نہیں جو جس کے ذریعہ اُن کے افکار و خیالات مسلمانوں میں نفوذ کر سکتے ہوں۔ اور اس بات کی ضرورت ہو کہ ان خیالات کو چیک کیا جائے۔ البتہ ایک جامعہ اسلامیہ کی سربراہی کے پہلو سے یہ لازم ہوتا ہے کہ اگر اسلام کے شریعے سے اب تک کے متفق علیہ تصدیق بخلاف کسی خود ساختہ تصور کی اشاعت کرتے نظر آئیں تو اُس پر احتجاج کیا جائے اور خود اُن کے اور اُن کے مسلمان رفقاء کے کار کے ضمیر سے اپیل کی جائے کہ ایسی حالت میں وہ ایک اسلامی ادارہ کی سربراہی کے اخلاقی جواز اور عدم جواز کے بارے میں سوچیں اور اپنا اپنا فرض ادا کریں۔ ہمارا اس تحریر کا مقصد محرک بھی ہو۔

محیب صاحب کے مقالہ کا لب لباب اگر ایک جملہ میں نکالا جائے تو وہ یہ ہو گا کہ کسی شخص کے لیے اُس کے اسلامی فرائض اور اسلامی اصول و کافعیات اُس کے ضمیر پر چھوڑا جانا چاہیے، ضمیر سے بالاتر اُتھار دینی دے کندہ نہیں ہونا چاہیے جو اسلامی فرائض و مناسبات کا تعین اور جواز و عدم جواز کا فیصلہ بنائے لیے کرے۔ ہم اس نقطہ نظر پر ایک سید ہامسا سوال یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کسی بھی مذہب اور کسی بھی نظام کے بارے میں جب کوئی بات کہی جائے گی کہ وہ کیا چاہتا ہو اور کیا نہیں چاہتا کس چیز کو وہ جائز رکھتا ہے اور کس چیز کو جائز نہیں رکھتا تو آیا اُس مذہب یا اُس نظام کے مستندات سے بھی استناد کی ضرورت ہو گی یا نہیں؟ اگر اس کی ضرورت تسلیم کی جائے تو پروفیسر صاحب کے مقالے میں کہیں سے کہیں تک بھی نہیں اس نوعیت کا کوئی حوالہ اور کوئی استشہاد اس نقطہ نظر کی تائید میں نہیں ملتا۔ اور اس بنا پر بغیر کسی مزید گفتگو کے ان کا نقطہ نظر خواہ وہ فقہ کتنا ہی قیمتی کیسا ہی عقلی اور کیسا ہی نافع کیوں نہ ہو ایک اسلامی نقطہ نظر کی حیثیت سے قطعاً ناقابل اعتنا ہو جاتا ہو۔ اور بالفرض یہ بد بھی ضرورت بھی تسلیم نہ ہو تو ہم مثال کے طور پر جاننا چاہیں گے کہ کیا جامعہ ملیہ کے نظام میں بھی محیب صاحب جامعہ سے منسلک افراد کے اپنے اپنے ضمیر

کیا یہ بالاتر ائمہ کے لیے تیار ہیں کہ جو کچھ انھیں صواب نظر آئے وہ کریں اور صواب بات کو خطا جانیں اُسے چھوڑ دیں قطع نظر اس کے کہ جامعہ کا دستور اسی کیا گیا ہو اور اس دستور کے دیے ہوئے اختیارات سے تفصیلی قواعد و ضوابط مرتب کرنے والی اتھارٹیز نے کیا قاعدے اور ضابطے یہاں کے لیے بنا رکھے ہیں؟

اگر جامعہ کے نظام میں عجیب صاحب ضمیر کا یہ مقام تسلیم کر سکے تو تو پھر ان کی یہ بات قابلِ فہم ہوگی کہ ایک مسلمان کے بارے میں بھی یہ طے کرنا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اسلام اور اس کے مستند اسکالام تہیں بلکہ خود اس فرد کے ضمیر کا کام ہے! لیکن ایسا تو ہو نہیں کہ افراد کو یہ آزادی جامعہ میں دی جاتی ہو یا دی جانے والی ہو۔ پھر یہ اسلام غریب ہی کی خیر خواہی اس میں کیوں سمجھی گئی ہو کہ اُس میں انانڈ کی کاربج ہو؟ اور کوئی کسی سے پوچھنے والا نہ ہو کہ آپ مسلمانی بہت تپے ہوئے کیا کر رہے ہیں؟

ایک جامعہ کی ادنیٰ کا کوئی چھوٹا اثر انداز ہو گا تو اس کے بغیر اس کے نہیں ہیں سکتا بلکہ تصدیق میں نہیں آسکتا کہ کچھ اصول و ضوابط کچھ نئے شدہ معیار اور کچھ متورہ شکل کے دعوے اس کا جواز ہوں۔ لیکن انسانی کائنات میں اس سے جو جس میں پروفیسر عجیب صاحب جیسے کسی آدمی کا اختلاف تو ہرگز قابلِ قیاس نہیں ہو کہ کیا اُن کا مطلب یہ ہو کہ اسلام کوئی ”نظم“ نہیں، شخص ضمیر کی اطاعت کا نام ہو جو یہ وہ دوا اور شکل ہے کہ جو بجائے خود حقیقت اور منطق ہر دو کے لحاظ سے کتنی ہی بے ثبات رہے بنیاد ہو، مگر اس کا قائل وہ ہائے کہنے میں حق بجانب ہو گا کہ اسلامی فرائض اور اسلامی اطوار کا تعین ہر شخص کے اپنے ضمیر کا منصب ہے۔ اس سے بالاتر کوئی اتھارٹی نہیں جو ہم میں سے کسی کے لیے اسلامیات کا فیصلہ کرے۔ لیکن عجیب صاحب نے اس پورے نقائے میں کہیں یہ دعویٰ بھی کیا ہو جو ضمیر کے بارے میں اُن کے نقطہ نظر کی توجہ اس سے کر لی جائے؟

جہاں تک ہمارے احساس اور تاثر کا تعلق ہو وہ بالکل یہی ہو کہ عجیب صاحب اپنے اس مقالہ میں بنیاداً نقطہ نظر ہی دینا چاہتے ہیں کہ اسلام محض ضمیر کی اطاعت کا نام ہو لیکن جب وہ کھن کر کسی ایک فقرے میں لکھو یہ بات نہیں کہتے بلکہ صریح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ ”اسلام حکم الہی کی اطاعت ہے“

تو اولاً تو ہمیں اس کا حتیٰ ہی نہیں کہ جو بات وہ کھل کر نہیں کہتے اُس کا مدعی انھیں ٹھہرائیں۔ دوسرے اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں تین میں اُن کے صاف اور صریح اظہار ہی کو سامنے رکھ کر پوچھنا ہو کہ اسلام جب حکم الہی کی اطاعت کا نام ہو تو اسلامیات کا تعین حکم الہی سے ہونا چاہیے یا ضمیر کے ارشاد سے؟ ضمیر کا ارشاد ہم میں سے ہر شخص کے یہاں جدا ہو سکتا ہو۔ اور اس کا تو عبادۃ کوئی امکان نہیں کہ ہم سب کے ضمیر کی گواہی کسی ایک مسئلہ پر بھی ایک ہو کر سامنے آئے۔ تو کیا ہر شخص کے ضمیر کی گواہی کو جیسا کہ وہ اسے ظاہر کرے اس کے حق میں حکم الہی، اور اُس پر غلہ رکھ کر حکم الہی کی اطاعت کہا جائے گا مجاہد اُن میں باہم کیسا ہی بون بید ہو؟ ہم نہیں جانتے کہ کس صاحبِ عقل کی عقل اس خیال کو قبولیت کا شرف دے سکتی ہو؟ یہ کون سا لہجہ ہو جو اپنی اطاعت کے عنوان سے اس مضحکہ خیزی پر راضی ہو جاتا ہو؟ یہ کسی کے حکم کی کون سی قسم؟ جس میں کسی معنی کا کسی صورت اور کسی شکل کا تعین نہیں جو جس کا اٹا اور سیدھا نہیں؟ اور جس میں کسی شخص پر انگلی انھیں دھری جاسکتی کہ وہ حکمِ عدلی کا مرتکب ہوا ہو؟ یہ اللہ حکیم و حمید اور علی و عظیم کا ذکر ہو یا لات و منات جیسی پتھر کی توروں کا بوسے و بصر کا بھی سرمایہ نہیں؟ گفتیں؟ مگر ان کے پرستار بھی تو اس مضحکہ خیزی کا موقع دینے پر کسی زمانہ میں راضی نہ نظر آئے کہ ان کے معبودوں کی رضا کو کوئی اٹا سیدھا رہی نہیں جو کچھ اپنی مرضی سے کہہ لیجے وہی ان کی رضا ہو۔ ان لوگوں نے بھی بہ حال کوئی پھٹو لایا یا بڑا نظام عمل بتایا، اوامر و منافی کی کچھ ٹھوس شکلیں سامنے رکھیں کہ یہ ان معبودوں کے احکام ہیں جن سے مطابقت میں ان کی رضا ہو۔ پر عجیب صاحب تین ایک صاحب جنص صفت عظمت و کمال اور پچ کے خدا کے بارے میں یہ ماننے کی دعوت دے رہے ہیں کہ اس کی رضا جوئی کی کوئی خاص شکل اور اُس کی پسند و ناپسند کا کوئی ٹھوس معیار نہیں ہو۔ اُس کے احکام و مطالبات بس کچھ ایسے الفاظ ہیں جن کا اپنا کوئی مفہوم اور کوئی لگا بندھا مصداق نہیں، ان میں جو معنی ڈال دیجئے وہ اس حاکم کو منظور ہو۔ مگر اور جو مصداق اپنے آپ سے ٹھہرا دیجئے وہ قابل قبول اور موجبِ رحمت و رضوان!۔ فکر و دانش کا یہ تحفہ علم و دانش کے چہارم آسمان پہ جا کر نرو کیا جاتا ہو۔ اور وہاں کی سند قول سے صحیفہ بن کر اہم خاکِ فانیوں پہ انازل ہو تا ہے کہ اسے نورِ ہدایت جہا میں۔

لے پروفیسر عجیب صاحب نے یہ خیال ہندوستان ہی کے ایک علمی اجتماع کے لیے لکھا اور وہاں پیش کیا تھا مگر اس کی ترجمانی میں اشاعت و جہاد کو خود "جامعہ" یا "بیت" ہوا۔ ششہ ہی سے سلوک ہوا، اس وقت ہوئی کہ جب وہ ہوں گے اسے مسلکِ یونیورسٹی (دانشگاہ) کہنا اور اس میں جاکر سنا۔

مگر ہم کہاں سے وہ نکر اور وہ نظر لائیں جسے دینیات میں آزادی کا ہر فلسفہ لائق تحسین و اکفریں ہو؟ اور اس سے بڑھ کر سیکھوں اور بیویوں کا وہ دل کہاں سے لائیں جو اسلامی تاریخ کو اُن کی تاریخ کے مقابلہ میں کم قیمت سمجھانے بلکہ زیادہ تر دھبوں پر دھبوں کا مجموعہ بنانے سے کھل جاتا ہو؟ ہم نے تو دین کو قبول ہی ایک صلیح معنی پابندی سمجھ کر کیا ہے اور یہیں تو یہی تاریخ سے اتنا بے گناہ ہے جتنا اور مذاہب جو رسوا کرنے کے پہلو نکالنا عجیب صاحب کے نزدیک زندگی کا ایک اچھا مصروف اور زندہ ضمیر کی دلیل ہو۔

غیر یہ بات تو بیچ میں غنیمت گزرتا ہے لکھی گفتگو یہ تھی کہ اسلام اگر عجیب صاحب کے نزدیک بھی حکم الہی کی اطاعت کا نام ہو، تو زندگی کے کس روئے کو اسلام کہا جائے گا اور کون سا روئے اسلام نہیں کہلائے گا؟ اس کا فیصلہ بدیہی طور سے استحکام الہی کی روشنی میں ہونا چاہیے نہ کہ ہر شخص کا ضمیر جس بات کو اچھا سمجھے وہ اسلام ہو اور جو اُسے بری نظر آئے وہ اُس کے حق میں غیر اسلام ہو اس بدیہی بات کے سلسلہ میں سوچنے کا ایک رخ سامنے کرتے ہوئے ہم نے مزید کہا کہ ہر شخص کا ضمیر جب جدا جدا فیصلے کر سکتا ہو، اگر کسی معاملے میں سب کے ضمیر کا ذاتی فیصلہ ایک ہو بھی، تب بھی اُس کا بیان تو ہر شخص کی اپنی مرضی پر ہو، جس میں غلط بیانی سے کوئی کہی کو نہیں بڑھ سکتا اور نہ اس کے امکان سے انکار کیا جا سکتا ہو۔ اس لیے جدا جدا رویوں کا اعلان بالکل قطعی ہو جاتا ہو اور ان مختلف اور متضاد رویوں کو ایک وقت اسلام یعنی حکم الہی کی اطاعت بھی کہا جائے تو یہ کھلا جوازدق ہو، ذات الہی کے ساتھ بھی اور لفظ حکم کے ساتھ بھی۔ ذات الہی تو بڑی چیز ہو اُس کی عاقل مخلوق میں سے بھی کوئی اپنی اطاعت کا یہ دھنگ بزداشت نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی کے ”حکم“ کی اطاعت، اس بوجہ کوئی اعمال کو کہنا کوئی مسجد کی جو کسی ذات واحد کے حکم کی اطاعت وحدت دیکھا محبت چاہتی اور وحدت دیکھا محبت پیدا کرتی ہو۔ بس یہ علامت یہ جاننے کیلئے کافی ہو کہ کسی ذات واحد کی اطاعت ہو یا نہیں۔

لے یہ اس مقالہ کا جہت ہی عجیب رنگ پہلو ہو کہ اس میں موضوع کی مناسبت سے اسلامی تاریخ کا جو جائزہ پیش کیا گیا ہو اس کا اندازہ بجا بجا ہو جیسے اس تاریخ کے عجیب دکھانے میں کوئی جذباتی کیفیت بھی شامل ہو۔ چنانچہ بعض جگہ کھلی غلط بیانیوں تک بات گئی ہو۔ اور اس کے برعکس اڈام مغرب کے ذکر میں یہ عجیب بین نظر سراپا ہنر جو بن کے لہ گئی ہو۔ مقالے کے اس پہلو پر بھی اپنے موقع سے بات آئے گی۔



اب ایک اور نرخ سے سوچئے کہ کسی رویدہ کو کسی کے ”حکم کی اطاعت“ کہنے کے لیے یہ معلوم ہونا بھی تو ضروری ہو کہ اُس کا حکم کیا ہو۔ ضمیر کے حق تعین پر کوئی اور اعتراض نہ بھی ہو تب بھی۔ اگر اسلام حکم الہی کی اطاعت کا نام ہو۔ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ یہ تعین حکم الہی کے مطابق ہو یا جو دوسرے اس کے کہ ضمیر ہی کو خود اُس کا ذریعہ علم بھی کیسے کوئی اور صورت ایسی نہیں ہو کہ ضمیر کے طے کردہ رویتے اور حکم الہی میں مطابقت قابل کلام نہ ہو یعنی کسی خلافِ جی ذریعہ علم کی ضرورت اگر یہ جانتے کہ یہ ہو کہ خدا کا حکم فلاں معاملے میں یوں ہو تب کسی کے ضمیر کا فیصلہ حکم الہی کے ہم معنی نہیں بن سکتا۔ ان ضمیر کی کو سب سے پر تر یا واحد ذریعہ علم بھی مان لیا جائے تب ہر مدعی کا یہ دعویٰ ٹھیک ہی انا پڑے گا کہ وہ اپنے ضمیر کی روشنی میں جو کچھ کر رہا ہو وہی حکم خداوندی بھی ہو۔ پس جو صاحب یہ فرمائیں کہ ہر فرد کے ضمیر ہی کا یہ طے کرنے کا حق ہو کہ کسی معاملہ میں اس کے لیے حکم الہی کیا ہے اور اسلام اُس سے کیا چاہتا ہو؟ انھیں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ حکم الہی معلوم کرنے کا ذریعہ بھی ہر فرد کا ضمیر ہی ہو۔ اُس سے باہر کچھ نہیں! — کیا ہر ذمہ دار صاحب نے اپنے نظریے کے اس تقاضے کی تعمیل بھی مقالے میں کی ہو اور اس پر بحث کا موقع دینے کے لیے وہ تیار نظر آتے ہیں؟

بہیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہو کہ یہ صورت نے اس تقاضے کو اس طرح پورا کرنے کی کوشش کی ہو کہ بحث کا موقع کسی کو آسانی کے ساتھ نہ ملے۔ وہ اس بات کو غلط پر لائے اور صاف صاف کہہ دینے کی ذمہ داری اٹھائے بغیر یہ چاہتے ہیں کہ قارئین کا ذہن جس کچھ مبہم اشاروں سے از خود ہی اس راہ پر لگ جائے۔ اس مقصد سے صفحہ دہڑھ صفحہ اس قدر پیچ کر لکھا ہو کہ ادھی بات کہی اور آدھی چھوڑ دی، ایک جملہ اس پرے میں کہہ دیا تو دوسرا دوسرے میں جا کر گویا مبتدا کو کہیں خبر کہیں ”مستغری کہیں کہیں کہیں“ اس قدر پر بھیر اس قدر گھماؤ پھراؤ اتنے پر دے کہ حرف مدعا پر انگلی رکھنے کو ترستے ہو اور وہ جہاں لیکین مضمون کا ڈھال ہو کہ پہلے سے ہی بتا دیتا ہو کہ بات کس طرف جا رہی ہو اور مضمون نگار کو بالکل تاریقی تقاضے کے طور پر آگے کیا کہنا ہے اس لیے پوشیدہ گفتن کی یہ تمام کوششیں یہ سوال تو ضرور پیدا کرتی ہیں کہ ایسی لازمی اور ضروری بات کو صاف کہنے اور قدر و کبر و لغزش استدلال کے ساتھ کہنے میں وہ کیا رکاوٹ پیش آگئی جس کے باعث جان سخن ہی کا بے جان رہ جانا محجب صاحب نے گوارا کر لیا ہو مگر جو ”جان کو ششوں سے یکسر مٹھی ہو کہ نہیں رہ گیا ہو اور نہ ہی اس کا محجب صاحب کا مقصد ہو سکتا تھا۔ وہ تو اگر بچنا چاہتے تھے تو اس کے مضمرات سے اور اس نفی سے بچنا چاہتے ہوں گے جو وضاحت اور تفصیل کی صورت میں اس انبات کے ساتھ ضروری

تخلد اور جس پر آگے روشنی پڑے گی۔

بہر حال مجیب صاحب نے اپنے نظریہ کا بالکل قدردانی اور منطقی تقاضہ ایک معنی میں یہ کہہ کر پورا کیا تو ہے، کہ ضمیر انسانی بذاتِ خود اُن احکامِ الہی کا ادراک کرنے کے لیے کافی ہو جن کی اطاعت کا نام اسلام ہے، مگر ایسے ڈھنگ سے کہ نہ اثبات واضح ہو اور نہ نفی جس طرح ان کی عبارت میں کوئی صاف فقرہ اس مفہوم کا نہیں ملتا کہ ضمیر بذاتِ خود احکامِ الہی معلوم کر لینے کے لیے کافی ہو، اس طرح یہ نفی بھی دو ٹوک انداز میں اُتھ نہیں آتی کہ ضمیر کے علاوہ یا ضمیر سے برتر کوئی دوسرا ذریعہ احکامِ الہی معلوم ہونے کا نہیں ہو جو رنگ گو گو اور نیسے دردن نیسے بردن کا، اس کلمہ ضمیر کے اثباتی جز میں ہو دہی اس کے منفی پہلو کی گفتگو میں بھی ہے، اس کا منفی پہلو ابیہم سے سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن کے بارے میں کیا ارشاد ہو؟ اس میں احکامِ الہی ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو یہ ذریعہ علم بالاتر ہو یا ضمیر؟ اسلام کے نام پر اظہارِ خیال کرنے والا جب اس سوال سے کہیں دو چار ہو گا تو کیا حالت اس کی نہ ہو جائے گی؟ مجیب صاحب اس مرحلہ میں اسی حالت سے دو چار ہیں۔ اُن کے نقطہ نظر کا منطقی تقاضہ یہ ہو کہ نفی میں جواب دیں۔ اُن کا نظریہ کسی کلامِ الہی اور کسی رسولِ دیہخبر کو ماننے کا کوئی حوزہ ہی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ مگر قرآن کے کلامِ الہی ہونے یا اُس کے ضمیر سے برتر ذریعہ علم ہونے کا انکار اگر مجیب صاحب صاف صاف کر دیں تو اسلام کے نام سے اور قرآن کے نام سے وہ کوئی نظریہ کیسے پیش کر سکتے ہیں؟ چنانچہ وہ قرآن کا اقرار بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور ضمیر کی آزاد فزائی کا راستہ بھی اس کے پہلو بہ پہلو بنالینا چاہتے ہیں۔ آئیے خود مجیب صاحب کی عبارت میں اس منظر کو دیکھئے! — فرماتے ہیں:

”یہاں پھر وہی سوال آتا ہے جو میں پہلے اٹھا چکا ہوں کہ اسلام کے بارے میں ہمارا تصور کیا ہو؟ کیا وہ ایک جہانہ چیز ہو یا اُس میں نشوونما کا امکان بھی ہو؟ اسلام حکمِ الہی کی اطاعت ہو، خدا کے احکامات نازل ہوئے، قرآن میں موجود ہیں، لیکن قرآن کے ذریعہ نازل ہونے سے پہلے اور اس کے نزول کے بعد جو کچھ تھا اور جو کچھ ہوا، وہ بھی خدا کے حکم سے ہوا اور ہم سے کہا گیا ہو کہ جو کچھ ہوتا ہو اُسے مشیتِ ایزدی سمجھیں، ہم واقعات کو نظر انداز نہیں کر سکتے، خود قرآن میں ایسے واقعات کا ذکر ہو، جو پہلے ہو چکے تھے اور اُن کا بھی جو اس زمانے میں ہوئے، قرآن کے نزول کے بعد جو کچھ ہوا، اُس کے لیے یا جو کچھ ہوا، اُس کے باوجود اگر ہم معاملات کو سمجھنے کے

لیے قرآن ہی سے ہدایت حاصل کرنا چاہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ قرآن کے نزدیک کے بعد جو کچھ  
ہو، اُسے کا عدم سمجھنا چاہیے۔ اگر اسے کا عدم سمجھنا ہو تو اس کے لیے کوئی واضح سند چاہیے اور مجھے  
کوئی سند نہیں ملی معتزلہ کی رائے تھی کہ قرآن مخلوق ہو۔ اُن کی اس رائے کو صحیح نہیں مانا گیا۔ غمایداس  
پر جس طرح غور کرنا چاہیے غور بھی نہیں کیا گیا اور اس کا (سبب) دینی سے زیادہ سیاسی تھا۔ اسکے  
برضات وہ رائے مانی گئی جو اس وقت راسخ العقیدہ لوگوں کی ہو۔ قرآن مخلوق نہیں۔ ایک دائمی حقیقت  
ہو، لیکن شکل یہ ہو کہ اگر ہم اُسے دائمی حقیقت مان لیں تو رہنمائی کے لیے ہم براہِ راست قرآن تک  
نہیں پہنچ سکتے، بلکہ تشریحوں اور تفسیروں اور ان مسائل میں جن کا تعلق الفاظ کے اصل معانی سے  
ہو، اُلجھ جاتے ہیں، ایمان اور عمل کے اعتبار سے اسلام کی تکمیل رسولِ صلعم کی زندگی میں ہو گئی، لیکن  
خود فقہ کی تدوین سے ثابت ہو کہ اس کے بعد بھی بہت سے سوالات تھے جو اس درجہ سے بڑھے کہ حالات  
بدل گئے تھے اور ان سوالوں کا جو اب دینا ضروری تھا۔ بعد میں تقلید کا، اصول مان لیا گیا، اس  
کا سبب جو کچھ بھی رہا ہو لیکن اس کی وجہ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور یہ معلوم کرنے کے  
لیے کہ خدا کا حکم کیا ہو اور جو واقعات ہو جو تھے اُن کے مشاہدے سے کیا نتیجہ نکلتے ہیں، خود  
محالات اور واقعات پر غور نہیں کیا گیا، بلکہ پہلے کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھی جاتی رہیں۔ مصوفیوں نے  
مسلمانوں کے ذہن کو تقلید کے تنگ دائرے سے نکال کر بڑی خدمت انجام دی، لیکن انھوں نے اگر  
ایک طرف یہ کہا کہ خدا اور انسان کا تعلق براہِ راست ہو تو دوسری طرف شیعہ کو ایک وسیلہ بھی قرار دیا اور  
اس طرح بھی ایک پابندی لگ گئی تصوف کی ایک اعلیٰ شکل وارداتِ قلبی اور وجد کی کیفیتوں میں  
نظر آتی ہو۔ اس کی معمولی شکل سے بس یہ ظاہر ہوتا ہو کہ لوگ واقعات کی دنیا سے پناہ لینا اور  
واقعات میں خدا کی مرضی جس طرح سے ظاہر ہوتی تھی اُسے سمجھنے کی ذمہ داری سے بھاگنا چاہتے  
تھے، پھر بھی تصوف مسلمان کے ضمیر کے اثباتِ خودی کی ایک بہت بڑی علامت ہو۔“ (ص ۳۲)

یہ نقطہ عبارت میں نہیں تھا۔ جناب نجیب صاحب کے پرائیویٹ سکرٹری اور غالباً مقالے کے مترجم  
مبھی عبداللطیف اعظمی صاحب نے راقم کے استفسار پر بتایا ہے کہ یہاں لفظ ”سبب“ کتابت  
سے رہ گیا ہے۔

اقتباس کافی طویل ہو گیا۔ مقصد اس سے کم میں بھی پورا ہو جاتا، مگر مناسب تھا کہ پرفیسر صاحب کی پوری بات ہی اُن کے الفاظ میں سامنے آجائے۔

اُسے دیکھتے ہیں کہ موصوف نے کتنے پہلو بدل بدل کر اور کتنے بیخ و بے دے کر بات کہی ہو مگر اتنی بات تو بہر حال اس سے نکلتی ہی ہو کہ قرآن اپنے زمانہ نزول کے بعد وماذا اللہ یہ حیثیت کھو چکا ہو کہ اُس سے احکام الہی اخذ کیے جائیں۔ اب یہ کام ضمیر انسانی کا ہو کہ وہ زمانہ کی رفتار دیکھ کر از خود اللہ کے حکم اور اُس کی مرضی کا ادراک کرے۔ اور اس طرح جو کچھ ادراک ہو رہی کسی شخص کے لیے اللہ کا حکم اور فیض اللہ اسلامی دھڑلے سے!

ہم جناب محیب صاحب سے دریافت کرنا چاہتے ہیں، کہ وہ کس اسلام میں، ”فرد کے ضمیر کا مقام“ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش اپنے اس مقالہ میں کر رہے ہیں؟ اُس ”اسلام“ میں جو قرآن کی اصطلاح و ادب جس کا آخری پیغامبر اور شارح محمد بن عبد اللہ الهاشمی العربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا جاتا ہو؟ یا یہ کوئی اُس سے الگ دینی نظام ہو جس کے لیے ”اسلام“ کا ہی نام پسند کر کے، اس میں فرد کے ضمیر کا مقام محیب صاحب ہیں بتانا چاہتے ہیں؟۔ دوسری صورت جو تو اُس میں گفتگو دوسرے بیخ و بے ہو گی، لیکن اُن کا مقالہ اَدل سے آخر تک اس دوسری صورت کا کوئی ثابہ نہیں رکھتا۔ وہ بالکل صاف طور پر اُسی اسلام سے متعلق ایک نقطہ نظر کا اظہار ہو جو قرآن کا اصطلاحی ”اسلام“ ہو اور جس کی شرح و وضاحت کے سلسلہ میں قرآن نے اپنے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واحد منہ ٹھہرایا ہو۔ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس ”اسلام“ میں کسی چیز کا منصب و مقام اور اُس کی حیثیت اگر بغیر ان دو صندوقوں میں سے کسی کے حوالے سے طے کی جائے تو اُس کی کیا قیمت اور کیا حیثیت ہو؟ اور کون سی دانشوری اس کی اجازت دیتی ہو کہ آدمی بات قرآن اور محمد عربی کے دین و مذہب کی کہے مگر باتیں اپنی کہے؟۔ یہ کہنا غیر ضروری ہو کہ نجیب صاحب کی اس پوری عبارت میں جو اوپر نقل کی گئی، ایک جملہ نہیں جو جس پر قرآن یا حدیث سے استشہاد کا شبہ بھی گزر جائے۔

پس ہمیں اس معاملہ میں صرف یہ عرض کرنا ہو کہ ضمیر کا یہ مقام بلند جو پرفیسر محیب صاحب کے نزدیک کسی ”موقوف“ دین و مذہب میں مسلم ہونا چاہیے، اگر اس کا تسلیم کیا جانا تو قرآن اور حدیث محمدی میں نہیں ملتا تو ایک صاحب ضمیر کا راستہ یہ نہیں ہو کہ اسے خود ہی نچو اسی اسلام کے سر منہ ٹھہ کر مسلمان کہلاتے رہنے کا جواز پیرا کرے۔ شیوہ اور باب ضمیر اس کے برعکس یہ ہو کہ ایسے مذہب کو نجیب صاحب بیچے خیال کا آدمی خیر باد

کہے۔ اور اپنے دین و مذہب کی دنیا الگ بسائے، چاہو وہ اس کا کیلا ہی باسی ہو! — مگر یہ راہ جنوں کا اسکی مشکلات، الامان! — نرزانے اس کا حسن بیان کر سکتے ہیں، بلکہ واقعہ سے بھی حسین تر سماں، لفظ دیان سے بانہہ سکتے ہیں مگر بات اس پہ چلنے کی آجائے تو مسلک وہ ہو جسے حضرت غالب فرما گئے ہیں۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن

ہم کو تقلید تنک ظرفی، منصور نہیں

وہ پورا قبیلہ جس کی نامہ نگاری پر دنیسر مجیب صاحب کرتے ہیں، اُس سے شکایت یہ نہیں ہو کہ دین و مذہب کے معاملہ ایسے خیالات کا اظہار کیوں کرتا جو جن کی سند قرآن و حدیث سے نہیں ملتی۔ اُس سے شکایت یہ ہو کہ جب وہ اسلام کی سند نہ پاتے ہوئے بھی ان خیالات پر اصرار رکھتا ہو، تو اس کے ساتھ اُسے اس پر کیوں اصرار ہو کہ اُس کے خیالات کو غیر اسلامی نہ قرار دیا جائے، اور کس ایماندار سی یہ کوشش جائز ہوتی ہو کہ مسلمان اُن کے خیالات کو اسلامی سمجھ کر قبول کر لیں؟ ایسے لوگوں کو ایماندار سی کے تقاضے سے اولیں بات یہ کہنی چاہیے کہ اب ہم اسلام کو نہیں مانتے، یہ دقت کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ دقت کا تقاضہ اب ان افکار و اعمال میں ہو جنہیں ہم صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اس لیے دعوت دیتے ہیں کہ باقی لوگ بھی انہیں کو اختیار کریں، لیکن اس ایماندارانہ پوزیشن کے بجائے یہ حضرات اسلام کی تو مدح سراہی کریں گے کچھ تو بڑا ترقی پسند اور دانش پرست ہو اور بیزاری تمام تر اس کے ”علماء“ اور ”ملاؤں“ پر مرکوز کر دیں گے کہ یہ ہیں جو اسلام کے جو ہر کھلنے نہیں دیتے، لیکن کے فقیر اور تاریکی کے پرستار ہیں، اسلام کو بھی منجھ کر کے لیکر دن اور تار بیکوں کا مجموعہ بنا رکھا ہو عقل و دہوش سے کام ہی نہیں لیتے، زمانہ کو دیکھتے ہی نہیں، بس انگوں کی کتابیں دیکھتے جاتے ہیں اور ان ہی میں لکھے ہوئے احکام ہر درد میں قائم رکھنا چاہتے ہیں، چاہے ان کے ساتھ سانس لینا بھی کسی زمانے میں مشکل ہو جائے۔

مجیب صاحب سے اسلام کی مدح تو نہیں ہو سکی ہو، لیکن یہ بھی نہیں کہ اُس سے بیزاری کا اظہار کر سکے ہوں۔ بیزاری کا اظہار جو کچھ وہ بس علماء ہی کے خلاف ہو، بلکہ اُن کا حقیقی مقصد اور سطح نظر تو اس سے بڑا ہے، میں، سوائے اس کے کچھ نظر آتا ہی نہیں کہ عام ملت اور اسلام کے مصدر و مآخذ کے بیچ سے علماء کے واسطے کو جو غلطی کی طرح متاثر ہوا ہے۔ مقالہ کو اگر آپ پڑھیں تو عین محسوس ہوگا کہ ”ضمیر کے منصب و مقام“ کی گفتگو اس کام کے ایک اچھے عنوان سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو۔ لیکن جب یہ کام علمی سطح پر انجام دینے

کی کوشش کی جائے گی، تو یہ اُس وقت تک ناممکن اور بے سنی رہے گا، جب تک کہ قرآن وحدیث کو بھی اُس نظام سے نہ ہٹایا جائے جس کی بنا پر اسلام کی تشریح اور تعبیر کے سلسلہ میں قرآن وحدیث کو جاننے والے (یعنی علماء) ایک بدیہی ضرورت بن جاتے ہیں۔ اس لیے عجیب صاحب نے قرآن کے بارے میں بھی وہ کہا جو اد پر ان ہی کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ یہ اپنے زمانہ نزول میں صحیفہ ہدایت تھا، آج نہیں ہے۔ اور حدیث کی بابت بھی ایسے ہی نتیجہ دار اور گریز آمیز اندازہ سے یہ سمجھانے کی سعی فرمائی کہ اس سے استفادے کا وہ بھی حیات نبوی کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اور اُن کی ہدایتوں کی پوری تقلید دراصل وہی لوگ کر سکتے تھے جو اُن کے ہم عصر تھے، جو اُن کے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے اور جو بات سمجھ میں نہ آتی اُس کے بارے میں اُن سے سوال کر سکتے تھے۔ ہم تک جو حدیثیں پہنچی ہیں، اُن پر اُس زمانے کے رائج تصورات اور عمل کا اثر پڑ چکا تھا، جب وہ کجا کی گئیں۔ چاہے ہم سید احمد خاں (سرسید - ر) کے اس خیال سے اتفاق نہ کریں کہ تمام حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل کے بارے میں دوسروں کے بیانات ہیں اور اس لیے ہمارے اد پر اُن کی پابندی اسی حالت میں لازمی ہے جبکہ ہماری عقل انھیں قبول کرے، لیکن ہم سید احمد خاں کی اس رائے کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کر سکتے۔ حدیثوں کی جانچ کے لیے شرفی ہمارے سخت قاعدے بن گئے تھے، صرف اس لیے کہ ہر رادی اور ہر روایت قابل اعتبار نہیں تھی“ (۲۲۴ - جامعہ، سنی، ص ۲۲۴)

عجیب صاحب کا یہ نقطہ نظر، جو وہ اسلام میں قرآن وحدیث کے مقام و منصب کی بابت پیش فرما رہے ہیں، اگر اُن کے استدلال کی طاقت سے قابل قبول ٹھہر جائے، تو پھر علماء اسلام کو طے ہوئے مقام کیخلاف اُن کا یہاں قابل اعتراض نہیں رہتا، اس کے لیے انھیں مکمل جواز مل جاتا ہے۔ مگر یہ نقطہ نظر کس قدر سطحی، کس قدر بے مغز، کس قدر کم نظر انداز ہے، خبر اندازہ ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر عجیب صاحب کی تحریریں پڑھنے کے

۱۰۰۰  
نہ ہو سکتا ہے۔ یہ محض ہمارا تاثر ہے عجیب صاحب کی نیت یہ نہ ہو۔ بلکہ جس انداز سے بات کی گئی، اُس سے یہ تاثر ناگزیر ہے۔ اور اس لیے اگر غلط ہے تو اس کی ذمہ داری خود عجیب صاحب پر ہے۔

بجائے کسی سے روایت سننے میں آتا تو یقین نہیں آسکتا تھا کہ ایک پر وقیر جو مسلمان ہی نہیں مولانا محمد علی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن جیسے مسلمانوں کی قائم کی ہوئی ایک مسلم جامعہ کا شیخ بھی ہو وہ قرآن و حدیث کے محاطات میں اس درجہ کم نظری اور بے خبری کے ساتھ بھی بولنے اور رائے دینے کی ہمت کر سکتا ہو!

یہ حیرت و استعجاب حدیث سے زیادہ قرآن پر ان کی گفتگو سے پیدا ہوتا ہو۔ قرآن کے بارے میں اپنے خیال کا کوئی سہارا اگر ان کے ہاتھ لگا تو وہ واحد سہارا معتزلہ کا نظریہ ”خلق قرآن“ ہو۔ وہ اس نظریہ کا اس طرح پر حوالہ دے رہے ہوں جیسے معتزلہ قرآن کو ”مخلوق“ کہہ کر یہی کہنا چاہتے تھے کہ قرآن ایک ابدی صحیفہ ہدایت نہیں ہو بلکہ ایک انہیں جلانا چاہیے کہ معتزلہ کے حاشیہ خیال میں بھی اس طرح کا کوئی تصور نہیں تھا۔ وہ یقیناً معتزلہ سے واقف نہیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ انھوں نے معتزلہ کو ان کے افکار و عقائد سے جاننے کے بجائے صرف اس نسبت سے جانا ہو کہ وہ امام احمد بن حنبلؒ جیسے راسخ الاعتقاد میں ضرب المثل عالم دین کے مقابل تھے اور اس سے تصور قائم کر لیا کہ یہ لوگ راسخ الاعتقاد کی سرایت تھے۔ حالانکہ اس تصور کی غلطی صرف اس بات سے بھی ظاہر ہو سکتی تھی کہ معتزلہ نے اپنے اعتقاد کو پوری است پر ٹھونسنے کے یہ حکمت کی ضرب و تعزیر تک سے کام لینے میں دوہرا ہنر نہیں کیا، جس کا ذکر عجیب صاحب نے بھی اسی مقالے میں ایک دوسرے مقام پر کیا ہو۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی راسخ الاعتقاد کی کا کوئی مظاہر ہو سکتا ہو؟۔ راسخ الاعتقاد سے بڑھ کر یہ تو اعتقاد کی جنون کے درجہ کی بات ہو۔

دہا یہ سوال کہ آیا معتزلہ کا بدعاطر قرآن کو مخلوق کہنے سے یہ نہیں تھا کہ اسے ایک دائمی حقیقت اور ابدی ہدایت نہ سمجھا جائے؟ تو عرض ہو کہ ہرگز ان کا مدعا یہ نہیں تھا۔ انہما درجہ کا نادانانہ ہودہ آدمی جو ایسی بات کہتا ہو۔ صرف اس نظریے ہی سے نادانانہ نہیں، سرے سے معتزلہ ہی کے بارے میں اس کو صحیح واقفیت نہیں ہو۔ در نہ معتزلہ سے فی الجملہ صحیح واقفیت بھی اگر کسی کو ہو تو ان کے اس خاص نظریہ کے بارے میں ابھی طرح واقفیت نہ ہوتے ہوئے بھی وہ یہ بھی نہیں کہہ سکے گا کہ اس سے مطلب قرآن کی ابدیت کی نفی ہو معتزلہ اور ان کے مقابل علماء کے طرز فکر میں کوئی ایسا فرق نہیں تھا کہ عجیب صاحب اپنے ادو علماء کے درمیان کے فاصلے پر اسے قیاس کرنے لگیں۔ یہ خود علماء تھے اور بنیادی طور پر بس وہی فرق تھا جو علماء محدثین اور علماء متکلمین کے مابین رہا ہو۔ یہ متکلمین ہی کا ایک گردہ تھا جو نسد عباسی کے غیر اسلامی عقیدوں اور فلسفوں کے مقابل اسلام کی طرف سے جو دم اور دفاع میں بعض مخصوص قرآنی کی ایسی تادیل اور کچھ عقائد کی ایسی تعبیر

کر کے بیٹھ گیا جو ان امور میں متولد خیالات سے مختلف یا کم از کم دشت انگیز تھیں۔ ان ہی میں سے ایک مسئلہ قرآن پاک کو مجملہ مخلوقات ایک "مخلوق" کہنے یا نہ کہنے کا بھی تھا۔ معتزلہ نے عیسائیوں کی یہ منظرانہ تکنیک دیکھی کہ وہ قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ" کہے جانے سے فائدہ اٹھا کر آپ کے خدا ہی کی طرح قدیم ہونے کی دلیل اے ٹھہراتے ہیں کہ خدا کی صفات کلام اگر اُسی کی طرح اُلی اور قدیم ہو تو اُس کا کلام اور کلمات بھی قدیم ہوں گے، حادث اور مخلوق اُنھیں نہیں کہا جاسکے گا ورنہ کہو کہ قرآن بھی حادث اور یکے از مخلوقات ہو۔ معتزلہ نے اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کیا کہ ہاں قرآن مخلوق اور حادث ہو، کیونکہ قدیم اور اُلی وجود ایک ہی ہو سکتا ہے کئی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے حضرت مسیح (کلمۃ اللہ و روح اللہ) اُسی حادث اور مخلوق ہیں اور قرآن اور دیگر کتب الہیہ بھی حادث اور مخلوق ہیں۔

اس سے زیادہ تفصیل کا یہ موقع نہیں کہ اور کیا کیا سوال اس بحث میں پیدا ہوئے تھے اور معتزلہ نے اُن پر کیا موقف اختیار کیا، لکن صاف یہ تھا کہ معتزلہ کے اس قول کو کہ قرآن مخلوق ہو، اس بات سے کوئی تعلق نہ تھا کہ وہ ایک ابدی صحیفہ ہدایت بھی ہو یا نہیں؟ اُن کا مقصد صرف اس بات کی نفی کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ کیے از مخلوقات اور عبد البشر نہیں تھا، اسی کی طرح ایک قدیم اور اُلی متنی ہیں۔ بلکہ یادہ سے زیادہ یہ کہ مسلمان بھی قرآن کو غیر مخلوق اور اُلی سمجھ کر (ان معتزلہ کے خیال سے) شرک کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ چنانچہ یہ بحث اُن کے اصول پنجگانہ میں سے "توحید" کے ضمن میں آتی ہو۔ کہاں کی بات تھی اور کہاں لہجہ اُرسے پر دفسیر مجیب صاحب نے دے مارا! کاش وہ بھی جانتے ہوتے کہ معتزلہ قرآن کی ابدیت میں امام احمد سے کم نہ تھے۔ یا کم از کم اتنی ہی بات وہ سوچ سکتے کہ جو اُمت رسول کو مخلوق مانتے ہوئے بھی اُن کی رسالت کو بالاتفاق ابدی مانتی ہو، اس میں سے اگر کچھ لوگ قرآن کو بھی مخلوق کہیں تو اُس کا یہ مطلب کیسے ہو جائے گا کہ وہ اس کی ہدایت کو ابدی نہیں مانتے!

اب پرفیسر صاحب کی اصل منطق پر آئیے کہ

"قرآن کے ذریعہ نازل ہونے سے پہلے اور اُس کے نزول کے بعد جو کچھ تھا اور جو کچھ ہوا، وہ بھی خدا کے حکم سے ہوا اور ہم سے کہا گیا ہو کہ جو کچھ ہوا ہو اُسے شئیٰت ایزدی سمجھیں۔"

نیز یہ کہ



”قرآن کے نزول کے بعد جو کچھ ہوا، اُس کے لیے، یا جو کچھ ہوا، اُس کے باوجود اگر ہم معاملات کو کچھ کے لیے قرآن ہی سے ہدایت حاصل کرنا چاہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کے نزول کے بعد جو کچھ ہوا، اُسے کا عدم سمجھنا چاہیے۔“

یہ حق بھی کہیں کی بات کہیں لے جا کر مار دیئے ہی کا ایک دوسرا نمونہ ہے۔ قرآن میں بے شک کہا گیا ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہو اُسے مشیتِ ایزدی سمجھنا چاہیے، مگر اس کا یہ مفہوم کہاں سے نکل آیا کہ قرآن نازل ہو چکنے کے بعد جو کچھ ہوا، اُس کی بابت رہنمائی کے لیے ہمیں قرآن کی طرف نہیں بس اپنے ضمیر اور عقل کی طرف دیکھنا چاہیے؟ ان دونوں باتوں میں کوئی دور کا بھی منطقی لزوم پر فیسر صاحب بتا سکتے ہیں؟ — اور پھر اسی قرآن میں اِشْعَوْا مَا اَنْزَلَ اِلَيْكُمْ مِمَّنْ رَزَبَكُمْ — پیروی کرو اُس (ہدایت نامہ) کی جو تمہارے رب کی نظر سے تمہارے لیے نازل کیا گیا ہے — اور ذَالِکَ الْکِتَابِ اَبْلَا دِیْبٍ فِیْہِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُوْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ — (یہ کتاب..... ہدایت ہے خدا کا خوف رکھنے والوں کے لیے.....) جیسی پچاسوں آیتیں بھی تو موجود ہیں۔ اور نہ ہی ان آیتوں میں نہ کسی دوسری آیت میں، کوئی تحدید کی گئی ہو کہ بس فلاں وقت تک کے لیے اس کتاب کے اتباع اور اس سے اجتہاد کا حکم ہو، مگر مشیتِ دالی آیتوں کا وہ مطلب تھوڑی دیر کے لیے قبول کر لیا جائے جو عجیب صاحب ٹھہرا رہے ہیں، تو ان آیتوں کے ساتھ ان آیتوں کا جوڑ ایک ہی کلام میں کیسے بیٹھے گا؟ ہم نے جو طویل اقتباس عجیب صاحب کی عبارت کا کچھ اوپر دیا ہو، اُس سے اگلے پیرے میں انھوں نے لکھا ہو کہ

”ہم یہ سوچ کر کہ جو کچھ ہونے والا ہے، خدا کے حکم سے ہو، ایسے عمل سے پرہیز نہیں کر سکتے جو

عقل یعنی انسانی عقل کو ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہو۔“

یعنی مشیت کے اعلان و اثبات دالی آیتوں سے اس بات کے وہ بھی قائل نہیں ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہو اُس کو خدا کی مرضی بھی سمجھ بیٹھو، بلکہ اپنے ردیئے اور عمل کے لیے اپنے آپ ہی کو ذمہ دار سمجھتے ہوئے جو طرز عمل صحیح اور درست نظر آئے، اُس کو اختیار کرنا چاہیے، یہ اُن کا موقف ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اُسے مشیتِ ایزدی سمجھتے ہوئے، اگر عقل سے پوچھا جاسکتا ہو کہ میں کیا روئے اختیار کروں؟ تو قرآن سے کیوں نہیں پوچھا جاسکتا؟ وہ کون سا گناہ ہو جس کی وجہ سے قرآن تو اپنے زمانہ نزول کے بعد اس لائق

(معاذ اللہ) نہیں رہا، البتہ عقل سزا دے جو کہ ہدایت دے؟

اور یہ ”زمانہ نزل اور ابعد نزل“ کی بھی خوب ہو کہ اپنے زمانہ نزل میں تو حکم الہی کی بابت نہایت قرآن کا منصب تھا، لیکن یہ زمانہ جیسے ہی ختم ہوا، یہ منصب منتقل ہو کر عقل انسانی کے پاس آ گیا، جب زمانہ کے حالات و واقعات سے احکام الہی اخذ کیے جاسکتے ہیں اور یہ آئینہ ہمیں خدا کی مرضی کا تو قرآن کے زمانہ نزل میں کیا خاص بات تھی کہ یہ وسیلہ بے مصروف اور آئینہ رنگ آلود ہو رہا ہو اور عقل کو معذور گردان کے یہ باقاعدہ حکم نامہ خدا کو جہاد کی کہنا پڑا؟ آخر کوئی کبھی تک ہو پر فیسرحیب صاحب کے اس تفلسف کی؟ اقبال ہے وہ بہت ناراض ہیں، مگر بات اس موقع پہ اسی کی یاد آ رہی ہو۔ کیسی خدا انگشتی کہی تھی مادر کیسی پر محل ہو۔

پڑ جو انکار سے ان مدرسہ دالوں کا ضمیر

خوب دانا خوب کی اس دور میں ہو کس کو نمیز

صاف صاف یہ کہنا تو عجیب صاحب کو مشکل ہو رہا ہو کہ قرآن کا منصب ہدایت کوئی چیز نہیں، دینی اصطلاح کوئی چیز نہیں، نبوت اور رسالت کوئی چیز نہیں! یہ سب مولویوں کا چھایا ہوا ڈھونگ ہوتا کہ دینی رہنمائی کے نام سے ایک طاقتور منصب ان کے ہاتھ رہا ہو، ورنہ حقیقت میں بس خدا ہو اور انسان! اور ان کے درمیان بالکل براہ راست تعلق! اس بات کو سیدھے سیدھے نہ کہہ کر وہ بدین خم و تیج سامنے آتے ہیں کہ قرآن کتاب ہدایت ہو تو سہی، مگر میں اپنے زمانہ نزل ہی کے لیے ہو سکتی ہو۔ ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا اور ورنہ وہ ہوگا جہاد کیسے ہم قرآن تک براہ راست پہنچ سکتے ہیں، اس کی راہ میں تو قشر و کون اور تفسیر و تکالیف انبار ہو؟ اور فقہ کی تدوین سے تو خود ثابت ہوتا ہو کہ دور ابعد میں اچھی عقل جس سے کام لینے کا اصول مانا گیا، لہذا صحیح راستہ ہی ہو کہ اپنے زمانہ کے حالات و واقعات پر خود غور کر کے ان سے اللہ کی مرضی معلوم کی جائے اور اپنے ضمیر کو گواہ انا کہ اسی روشنی میں ہر شخص اپنا طرہ عمل متعین کرے!۔۔۔ لیکن اس دور نہ اور ورنہ اور لہذا..... کی منطق کا حال کچھ پلوؤں سے ابھی ہم نے دیکھ لیا کہ کوئی ایک ہیٹو بھی دھرنے اور اٹھانے کا نہیں ہو جس بل بٹھائیے ٹیر ٹر اور جس بل اٹھائیے لنگ! حقیقت میں کوئی ڈھنگ کا راستہ

عہ اقبال کی اصطلاح میں مدرسہ ”کالج اور یونیورسٹی کا نام ہو، کوئی عربی مدرسہ یہاں نہ سمجھ لے۔

محیب صاحب یا ان کے ہم فکر اصحاب کو اپنی بات (یعنی "کلمہ ضمیر") کہنے کے لیے اسکے سوا نہیں ہو کہ وہ ضامات قرآن کے منصب ہدایت اور منزل امن پر ہونے کا انکار کریں اور یہ تکلف بالائے طاق رکھیں کہ وہ اسلام کے اندر ضمیر کے اُس مقام کی جستجو کر رہے ہیں جو فلاں یا فلاں طبقہ کی خود غرضانہ کادشوں سے نسیا منسیا ہو کر بگاڑ گیا ہے۔ اس تکلف بے جا کے بجائے کھل کر کہیں کہ انسانیت کی نجات اپنے ضمیر اور اپنی عقل کا کلمہ کہنے میں ہو نہ کہ (حاکم بدین کسی اُمتی کے نفوس پالاش کرنے اور کسی پرانی کتاب کو دھیل رہ بنانے میں) کوئی مولیٰ تو گڑھی نہیں ہو کہ انجام منصوص پیش آنے کا اندیشہ ہو۔ نا و کلیسا بھی یہاں نہیں ہو کہ گلیلو کا حشر آنکھوں میں پھر جاتا ہو اور نہ ہی زہر کا پیالہ بدلا ہے کہ اس کے لیے سقراط کا دل گردہ چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ کچھ نجی تعلقات اور بہت ہو تو جامعہ کی سند یہ آج ہو سکتی ہو۔ لیکن اتنی متاع بھی اگر ضمیر کے لیے خطرہ میں ڈالی نہیں جاسکتی تو اولاً تو ضمیر پرستی کی دعوت ایسے کھڑے ہونا ہی ایک بوجھبی۔ (بلکہ بواہوسی) ہو۔ دوسرے، اس کا حاصل بجز اس کے کیا ہو کہ اپنا اور دوسروں کا دقت ضائع کیا جائے؟ جب تک قرآن پر ایک ہاتھ اُسے لوگوں کا رکھا رہے گا اور کوشش یہ ہوگی کہ اسلام سے باہر کی نہیں، اسلام کے اندر کی بات اس نقطہ نظر کو ٹھہرایا جائے، اُس وقت تک سوال و جواب کی یہ دلدل ہی ختم نہیں ہوگی جس کا احساس ادھر کی گفتگو سے بخوبی ہو جانا چاہیے۔ پوری فرصت عمر اسی میں تمام ہو جائے گی اور یہ ثابت نہیں کیا جاسکے گا کہ اسلام میں اس طرز فکر کی گنجائش ہو اور قرآن اس نقطہ نظر کی تائید کرتا ہو۔ اس لیے کہ

لَا يَأْتِيهِ الْمُبَاطِلُ مِنْ  
بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ  
تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ

اس کے نہ آگے سے باطل اس میں داخل  
ہو سکتا ہو نہ پیچھے سے (آجہانے کی کوئی  
راہ ہو) نہ نازل کیا ہوا ہو۔ ایک سراپا حکمت

اور ہر تامل کے سزاوار کا!

— اس مقصد کے لیے جو بات محیب صاحب کہیں گے، وہ غلط ہوگی، واقعہ کے اعتبار سے بھی اور منطقی کے اعتبار سے بھی! جتنے نقابات مرتب کریں گے وہ غلط اور غلط کا مجموعہ اور "حاصل جمع بھی غلط" کا مصداق ہوں گے۔ چنانچہ پورا مضمون اسی غلط اور غلط کا ایک عبرت انگیز مرقع ہو۔ الایہ کوئی بات استطراد آئی ہو۔ آخر یہی ہو ان لوگوں کو جنہوں نے میکینک یا نیوٹرٹی میں اسے کسی علمی توقیر کے ساتھ سنا۔ بشرطیکہ وہ اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ علمی دیانت کے بھی قائل ہوں!

اس طویل مقالے کے ایک ایک جزو کا جائزہ لینے کے لیے تو ایک ضخیم رسالے کی وسعت و کار ہو جس کا یہ موقع بھی نہیں اور نہ ہی ضرورت ہو۔ مقالے میں پیش کیے گئے فکر کے صحیح ہونے کا اولین مدار اس بات پر تھا، جیسا کہ ہم نے گزروے ہوئے صفحات میں دکھا بھی دیا ہو، کہ قرآن کو ایک غیر لہری اور محض ایک دفعتی حقیقت کا ہدایت نامہ، مجیب صاحب منہو سکیں۔ اُن کی یہ کوشش کامیابی سے کتنی دور ہو؟ اس کا حال ادھر کی گفتگو سے اچھی طرح کھل چکا ہو تب اُن کا یہ فکر اور نقطہ نظر کہ ایک مسلمان کو زندگی کے معاملات میں خدا کی مرضی اور قرآن میں نہیں بلکہ زمانہ کی رفتار اور اُس کے واقعات میں ڈھونڈھنی چاہیے۔ اور اس تلاش میں اُس کی عقل ایک کامل رہبر اور اس کی پرکھ میں اُس کا ضمیر معیار مطلق کا حکم رکھتا ہو، بذات خود کیسا ہی قیمتی اور قابل اعتبار بھی کیوں نہ ہو۔ ایک اسلامی فکر اور اسلامی رائے کہلانے کا مستحق ہرگز نہیں رہتا۔ اور اس لیے آگے اُس وقت تک گئے لیے بحث ختم ہو جاتی ہو جب تک وہ اس فکر کو ”اسلامی“ منوانے کی خواہش ترک نہ کریں یا اس کے لیے دوبارہ ایک کامیاب کوشش کا مرحلہ طے کر دیں۔ ہاں اس سلسلہ میں ایک مسئلہ ابھی باقی ہو، اور وہ ہو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کا۔ اس پر گفتگو یقیناً ضروری ہو۔

اس سلسلہ میں مجیب صاحب کی عبادت کا اقتباس، جو ادھر گزرا چکا ہو، سامنے رکھ لیجئے، اُن کی دلیل حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سندی حیثیت کو ایک دفعتی حقیقت ٹھہرانے کے سلسلہ میں یہ جو مادہ بھی منکرین حدیث کے اسلحہ خانہ کا یہ مشترک حربہ ہو کہ حدیثیں ہم تک دو سرود کی ردایت سے پہنچ رہی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے قابل اعتبار نہ ہونے کا ثبوت خود اس بات میں موجود ہو کہ محدثین نے بہت سخت قاعدے ان روایتوں کو قبول کرنے کے لیے بنائے تھے۔ یہ دلیل دوسری باتوں سے قطع نظر ”ہنرمند در چشم عبدوعیب است“ کی کیسی عبرتناک مثال ہو! کاش کبھی مجیب صاحب اس پہلو پر غور کر سکیں۔

ردایت پر تو دنیا کا نظام قائم ہو۔ جس طرح انسان کھیلے قدم کا سہارا نہ لے تو اگلا قدم نہیں اٹھا سکتا، بعینہ یہی معاملہ انسانی فکر و عمل کا ہو کہ ماضی سے بے نیاز ہو کر وہ حال کے مرحلہ حیات میں ایک قدم بھی آگے نہیں جاسکتا۔ اور ماضی سے رشتہ استوار رکھنے کے لیے ردایت کے سوا ذریعہ کون سا ہو؟ ماضی کے واقعات اور تجربات کی روایتیں ہی ہیں جو ہر اگلے قدم میں انسانی فکر و عمل کے لیے چراغ راہ کا کام دیتی آئی ہیں اور آگے بڑھنے کی اساس فراہم کرتی ہیں۔ پروفیسر مجیب صاحب اور اُن کے ہم مشربوں کی منطق کہتی ہے کہ

ردایتوں کا یہ ”پلندہ“ دیوار سے ماورد اور حیات انسانی کے تمام شعبوں کی تاریخ دریا برد کروا لو گویا ایک دفتر بے معنی ”ہو کہ“ ”غرق مئے ناب اولیٰ“۔ اگر یہ مطلب قبول نہیں ہوگا تو پھر کیا روایات حدیث پر کئے کوئی گناہ کیا ہوگا کہ اور سب معاملات میں تو گزرے ہوئے زمانوں کی ردائیں اور بیانات واجب الاعتناء ہوں گے مگر جسے حدیث رسولؐ کہتے ہیں اُس کی ردائتوں سے بے نیازی ہی ادلی ہو؟

سب ہی ردائتیں واسطہ درواسطہ بیانوں سے عبارت ہیں۔ اور ان واسطوں کے متعلق کم و بیش وہ تمام ہی سوالات ہر جگہ پیدا ہونے کی گنجائش ہو جو روایات حدیث کے باب میں مجیب صاحب نے اٹھائے ہیں اور جن کا حاصل یہ نکلتا ہو کہ ردایت شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہوتی لیکن اس کی بنا پر مجیب صاحب یا ان جیسے دوسرے حضرات بھی یہ کہتے نہیں سنے گئے کہ ماضی سے جو کچھ ردایت ہو کر آ رہا ہو وہ قابل استفادہ نہیں مگر حدیث کی ردائتیں اُن کی نگاہ میں اس لیے بے مصرف ہو جاتی ہیں کہ ”اُن کی جابجاء کے لیے شروع ہی سے سخت قاعدے بن گئے تھے“۔ کوئی جواب کسی کے پاس اس زالی منطق کا ہے؟ ان ردایتوں کی خطایہ ہوئی کہ ان کے جمع کرنے والوں نے اتم غلم جمع نہیں کیا، ایک ایک ردایت کے لیے شعر و حال کیا، راویوں کی دیانت، امانت اور حفظ و ثقاہت کا حال اتہائی بے رحمی اور بے مروتی سے دریافت کیا، احتیاط کی باریک سے باریک پھلینوں میں ان کے بیانات کو پھانسنے اور ہر مشکوک بات کو ساقط الاعتبار کر دینے میں کسی اور رعایت کو راہ نہیں دی بغرض تاریخ درایت کی دنیا میں وہ ایک نئی طرح ڈالی جس کی نہ پہلے کوئی فطیر تھی نہ بعد میں ہوئی۔ مجیب صاحب کی نظر میں روایات حدیث کی یہ انفرادیت اعتبار نہیں پیدا کرتی بلکہ اس بات کا ثبوت ہم پہنچاتی ہو کہ

”ہر راوی اور ہر ردایت قابل اعتبار نہیں تھی۔ عہ

\_\_\_\_\_ دل و نظر کے بیمار اور کیسے ہوتے ہیں؟ ”چشم عدرات میں ہنر کا بھی عیب بن جانا“ اور کسے کہتے ہیں؟

عہ شاید اس کا مطلب یہ بھی ہو کہ حدیث کے ابتدائی راویوں سے زیادہ قابل اعتبار راوی دنیا میں کسی سلسلہ ردایت کو نہیں لے، جو ایسے سخت قاعدے بنانے کی ضرورت کہیں پیش آتی ا

مجیب صاحب نے نہیں فرمایا کہ انھیں اصول و لغتوں کے قابل استفادہ ہونے سے انکار نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کا کلام اس خوش گمانی کی گنجائش دیتا ہو کہ وہ دوسرے معاملات کی روایتوں کی طرح لائق استفادہ ہونے کی حد تک بھی حدیث کی روایتوں سے کوئی سرکار رکھنا منظور کرتے ہوں لیکن دُرِ سچ کہ وہ کہیں ناقد پرانا انصافی کا الزام نہ لگادیں کہ میں نے تو کامل تقلید سے انکار کیا ہو، مطلق استفادہ زیر بحث نہیں تھا سو اس انہیشتے سے عرض ہو کہ یہ حدیثوں کے واجب الاتباع اور ان میں ردنا ہونے والے اُسوہ نبوی کی تقلید لازم ہونے کا تصور ہی تھا جس نے پھان بین کے اتنے سخت قاعدے شروع ہی سے ان روایتوں کے سلسلہ میں ہونے والے در نہ کسی کو کیا پڑی تھی کہ روایت کے اس معاملے میں اس طرح اپنی جان لٹکان کر ادرائے سخت شرط پانے اور عالم کیے جاتے جن کا تصور بھی اس سے پہلے کسی معاملے کے اہل روایت کو نہیں آیا؟۔ یہ تھا وہ پہلو جس پر روایات حدیث کے سلسلہ میں غیر معمولی جانچ پڑتال کا عالم دیکھ کر ایک صحت مند نظر جانی چاہیے تھی۔ اور اس کے بعد اگر اس تصور سے اتفاق نہیں تھا جس کی بدولت اتنا اہتمام اور باب حدیث نے کیا ہو، تو عدم اتفاق کے وہ وجوہ بتانے چاہیے تھے جو اسلامی نقطہ نگاہ سے قابل لحاظ ہوں، اُن دلائل پر بحث کرنی چاہیے تھی جن کی اساس پر اس تصور کو حتیٰ تھنے والوں نے حق سمجھا ہو۔ یا اگر بنیادی طور پر اس تصور سے اختلاف نہیں تھا، بلکہ روایتوں سے متعلق اس اہتمام کے باوجود یہ بات بحث طلب تھی کہ اہتمام کا مقصد بھی پوری طرح حاصل ہو گیا ہو اور اب کسی معقول شک و شبہ کی گنجائش ان روایتوں کی صحت کے بارے میں نہیں رہی ہو، تو اس بحث کو سامنے لانا چاہیے تھا اور وہ طریقے بھی بتانے چاہیے تھے جن سے جانچ پڑتال کے سابقہ قاعدوں کی رہی سہی کسر پوری ہو جائے۔

مجیب صاحب ان میں سے کوئی کھکیڑ بول نہیں لیتے، بلکہ کھلنا ہی نہیں چاہتے کہ اُن کا ذہن ہے کیا؟ اقتباس سامنے رکھ لیجئے۔ اویں جملے میں بے ساختہ کچھ کھل جاتے ہیں اور ایک معنی میں یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ وہ لوگ جو رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم عصر نہیں، اُن کے بعد میں آئے ہیں، اُن کے لیے آپ کے اقوال و افعال کی پیروی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، مگر دوسرے ہی جملے میں ایک ڈھکن اس پر ڈھک دیتے ہیں اور توقف کچھ ایسا لگنے لگتا ہو کہ پیروی تو ہمیں کرنی چاہیے تھی مگر حدیثیں جس زمانہ میں یکجا کی گئی ہیں اُس زمانہ کے خاص تصورات کی ان میں آمیزش ہو جانی یقینی ہو، لہذا پیروی کی جائے تو کیسے کی جائے؟ اس کے بعد میرے جملے میں ایک اور نئی سرسید کی رائے کا اس

طور پر ذکر کے چڑھاتے ہیں، جیسے اُن کی رائے تو بہت ہی آگے تھی۔ مجیب صاحب اس دو جہ پر نہیں برکتے۔  
— یہ کوئی طریق گفتگو ہو؟ اس طرح سنجیدہ مباحث طے ہوتے ہیں؟ اہل ضمیر اور اہل علم کا یہ شیوہ ہو  
کہ کھیں کہ بات کہنے کے بجائے بچ بچ کر دوسرے انداز کی کریں؟

بہر حال مجیب صاحب کا اگر موقف یہ ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایتوں اور آپ کے اُسوہ عمل کی پیروی  
بعد والوں کے لیے دین میں ضروری نہیں تو انھیں اُن دلائل سے سخت کرنی چاہیے جو ضروری ماننے کے لیے شروع سے  
ابتداء تک دیے گئے ہیں یہ موقف نہیں ہو بلکہ بات صرف اُس اُنھیں کی ہو کہ فلاں فلاں امکانات کی موجودگی میں یہ طریقہ  
کیسے کیا جائے کہ حدیث جس شکل میں ہم تک پہنچی ہو وہ واقعی اُسکی اصلی شکل ہو؟ تو عرض ہو کہ اس سے زیادہ اطمینان بخش  
(مگر قابل عمل) طریقہ جو غیر منہ نے اس سلسلہ میں اختیار کیا اگر کوئی اور ہو سکتا ہو تو اسے یہ بتائیں۔ مرنے جب پڑی کی ضرورت  
قسیم ہو تو کسی ذمہ دار اور فرض شناس آدمی کے لیے بنیادی طور پر اُس سے آگے یا اُس سے الگ جانے کا کوئی  
راستہ نہیں جو فقہائے اسلام اور ان میں خاص کر فقہائے احناف نے احادیث کی پیروی کے سلسلہ میں  
اختیار کیا ہے۔ یہ جب ہو جبکہ آدمی پورے معنی میں کتاب و سنت کا عالم ہو۔ اگر عالم نہیں ہو تو اسے  
صبر کرنا چاہیے کہ اُس کا حصہ میں اُن علماء و فقہاء کی تقلید ہو جن کا تقویٰ و تدبیر ظاہر و باہر اور معدوم  
و مسلم ہو۔ اور خدا سے توفیق مانگنی چاہیے کہ اُس کا انتخاب درست اور دل اس انتخاب کے تقاضوں سے  
سازگار ہو؟ اس کے سوا کوئی راستہ معقولیت اور ذمہ داری کا راستہ نہیں، غیر ذمہ داری اور معقولیت  
گریزی کے راستے بے شک ہزار ہیں۔

بات کافی پھیل گئی، نفس مٹا کر پھر سامنے دکھائیے، جو یہ تھا کہ پروفیسر مجیب صاحب جس طرح اس  
اس بات کی کوئی دلیل اتر آئے یا حدیث سے، نہیں لاسکے کہ قرآن کو اپنے زمانہ نزول کے لیے احکام خداوندی  
کا ٹکڑا اور کتاب ہدایت ماننا چاہیے۔ بعد میں اُس کو یہ حیثیت دینا صحیح نہیں۔ اسی طرح اُن کا یہ خیال بھی  
مردم دلیل ہی رہا ہو کہ حدیث کو وہ نبوت کے بعد دینی و نہائی کے منصب پر رکھنا غلط ہو دیا رکھا نہیں  
جاسکتا، اس لیے اُن کا یہ اصل نظریہ قابل اعتناء ہی نہیں رہتا کہ ایک افسانہ کا ضمیر اصل دہنا ہے،  
اُس سے معلوم کرنا چاہیے کہ کسی معاملہ میں کسی آدمی کے لیے خدا کا حکم کس وقت کیا ہو اور کون سا روایت  
اسلامی ردیہ ہو سکتا ہو؟ یہ نظریہ ایک اسلامی نظریہ کی حیثیت سے اُسی وقت قابل اعتناء ہو سکتا

تھا جب اس کی کوئی دلیل اور سند اسلام سے پیش کی جا سکے۔

# دنیا دیرھ ہزار سال پہلے

(مولانا عبدالسلام قزوینی، جامعہ ملیہ دہلی)

آج سارے عالم میں جمہوریت کا غفلد بلند ہے۔ کوچہ و بازار میں انسانی مساوات کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ رنگ، دھنس کے امتیاز کے خلاف ہر ملک محکمے احتجاج بلند کی جا رہی ہے۔ مزدور سرمایہ داروں کا خاتمہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، کاشتکار باگیہ داروں کو ٹرانس کے لیے کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ خاندانی ریادت کا جوا کاندھوں سے اتار کر پھینک دیا جا رہا ہے، پیدائشی شرف کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے، ذات پات کی تقسیم ختم کی جا رہی ہے، بہت تو مین صدیوں کی غلامی کا پھندہ لنگھنے نکال رہی ہیں، سوسائٹی کے دبے ہوئے طبقے ابھر کر اوپر آ رہے ہیں اور قوم وطن کے تنگ دائروں کو توڑ کر ایک عالمگیر برادری کے قیام کی آرزو کی جا رہی ہے۔

سلطانی جمہور کے اس دور اور اخوت و مساوات کی اس فضا میں ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ایسے جو وہ پندرہ سو برس پہلے دنیا کا کیا حال تھا اور اس کرہ ارضی پر انسانیت کس طرح سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی۔ لیکن تاریخ کے اوراق میں یہ دھڑاں داستان ثبت ہے۔ آئیے عہدِ ماضی کے ان نوشتوں کی مدد سے ہم اس دور کے حالات سمجھنے کی کوشش کریں۔

اس زمانے میں سیاسی اعتبار سے ساری دنیا بدترین قسم کی لوکیت میں مبتلا تھی۔ سلطنت ذاتی جاہلاد سمجھی جاتی تھی اور باپ کے بعد بیٹا تخت حکومت پر بیٹھتا رہتا تھا۔ باشندگان ملک کو نہ حکمران کے انتخاب میں کوئی دخل ہوتا تھا نہ نظام حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہوتا تھا۔ بادشاہ کی زبان قانون تھی اور اس کا فیصلہ اعتراض سے بالاتر تھا۔ رعایا کی حیثیت غلام

سیاسی نظام



زیادہ نہ تھی بادشاہ کی خاطر جان و مال کی قربانی ان کی سب سے بڑی سعادت سمجھی جاتی تھی، حکومت کی اصلاح کی کوئی آئینی صورت نہ تھی حکمران خواہ کیسا ہی ظالم اور نااہل کیوں نہ ہو لیکن اس کے تبدیل کرنے کے لیے نئی ریزی کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا اور اس خونریزی کے بعد بھی رعایا کو کچھ حاصل نہ ہوا تھا عزت و اکبر اور جہان و مال کی بربادی کے بعد بھی ان غریبوں کے حصہ میں اس کے سوا اور کچھ نہ آتا تھا کہ ایک بادشاہ کے بجائے دو سر بادشاہ تخت حکومت پر بیٹھ جائے اور آئندہ کے لیے وہ اور اس کا خاندان لوگوں کی جان و مال کا مالک بن جاتا تھا۔ اچھے سے اچھے بادشاہ بھی سلطنت کی آمدنی کو اپنی ذاتی آمدنی سمجھتے تھے اور جس طرح ان کا بی چاہتا تھا اسے صرف کرتے تھے۔

**معاشی حالات** بادشاہوں کے بعد رعایا کو باغیر داروں اور زمینداروں سے سابقہ پڑتا تھا یہ جاگیردار بادشاہ اور اس کے حکام سے بھی بڑھ کر رعایا کے خون کے پیاسے ہوتے تھے وہ صرف زمین ہی کے مالک نہ ہوتے تھے بلکہ لوگوں کے جان و مال پر بھی انھیں قبضہ حاصل ہوتا تھا۔ کاشتکار زمین پر پوری محنت صرف کرتا تھا اور اپنا خون پسینہ ایک کر کے غلہ پیدا کرتا تھا لیکن اسے مشکل ہی سے اپنی محنت کا پھل آتا تھا۔ نہ پیڑ بھر کھا نہ کوئی سر ہوتا تھا نہ تن ڈھانکنے اور گرمی سردی سے بچاؤ کے لیے خاطر خواہ کپڑا نصیب ہوتا تھا۔ اس کی کمائی کا بڑا حصہ زمیندار اور مالکوں کی نذر ہو جاتا تھا اور وہ اور اس کے بال بچے مصیبت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ نہ صرف اس کے کھیت اس سے ہر وقت پھینٹے جا سکتے تھے بلکہ اپنے مکان سے بھی ہر وقت نکال جا سکتا تھا۔ کاشتکاروں کی طرح تقریباً اہل صنعت و حرفت کا بھی حال تھا وہ سب جاگیرداروں اور سرایہ داروں کے رحم و کرم پر تھے۔ ان کے اوپر بھی بے تحاشا محاسن کا بوجھ تھا تجارت اور کاروبار میں محنت کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ سرایہ دار سب کچھ تھا مزدور کو کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ دولت مند اپنی دولت کسی بھی کام میں لگا کر من مانا نفع حاصل کرتے تھے۔ کارکنوں کو بہت کم معاوضہ ملتا تھا اور اس محدود معاوضہ کے برابر ملنے والے بھی کوئی ذمہ داری نہ تھی بلکہ سرایہ دار کا جب ہی چاہتا تھا اسے کام سے علیحدہ کر دیتا تھا۔ کم سے کم معاوضہ دے کر زیادہ سے زیادہ خدمت لی جاتی تھی اور مزدور کی مجال نہ تھی کہ کمی اور زیادتی یا ہنس کوئی پراٹ بھی کر سکے۔ قلت آمدنی کی بنا پر انھیں قرض لینا پڑتا تھا اور قرض لینے کے بعد سا ہو کار کی غلامی کبھی شروع ہو جاتی تھی۔ سود کا عام رواج تھا، شرح سود کا قیسن نہ تھا بلکہ قرض کی پریشانی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی تھی جس قدر احتیاج شدید ہوتی تھی اسی قدر شرح

سود زیادہ ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ان غریبوں کو سود در سود کے چکر سے نکلنا کبھی نصیب نہیں ہوتا بعض اوقات نوبت یہاں تک پہنچتی تھی کہ بال بچے تک ہمارے حوالے کر دیے جاتے تھے اور جب اس سے بھی کام نہیں چلتا تھا تو خود اپنے آپ کو سا بچہ کار کی مستقل غلامی میں دیدیا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ اور اس کی اولاد ہمیشہ کے لیے غلام بن جاتے اور جانوروں کی طرح پوری زندگی مالک کی خدمت میں گزارتے تھے۔

ان مشکلات کے ساتھ ساتھ ذات پات کی بندشوں اور برادری کے قاعدوں نے غریبوں کے لیے اور بھی ترقی کے دروازے بند کر دیے تھے۔ عزت نہادانی اور پیدا کنشی تھی جو شخص ادنیٰ ذات سے تعلق رکھتا تھا وہ ہر قسم کی عزت کا مستحق سمجھا جاتا تھا لیکن اگر کوئی شخص اتفاق سے کسی ادنیٰ ذات میں پیدا ہوتا تھا تو اس کے لیے ترقی کی تمام راہیں مسدود ہوتی تھیں وہ خواہ کتنی ہی کوشش کرے لیکن اس کے لیے عزت سے زندگی گزارنا ناممکن تھا اعلیٰ ذات کے لوگوں کی خدمت اس کا دائمی فرض تھا اور تمام مرگ اسے گندے اور ذلیل کاموں میں مبتلا ہونا پڑتا تھا۔

زندگی و دل کے امتیاز ساری دنیا میں جاری تھے۔ گورے کا دل کو ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے ہر جگہ صفات کی بجائے اتفاقات کی قدر تھی اور اندرونی صلاحیتوں کے بجائے ظاہری علامتوں کو باعث عزت سمجھا جاتا تھا۔ قوم و وطن لڑائیوں کی بنیاد تھے ایک قوم دوسری قوم پر پلاٹھ دست ستم دراز کرتی رہتی تھی اور ایک علاقہ کے رہنے والے دوسرے علاقہ کے باشندوں پر حملہ کرنے اور انھیں اپنا غلام بنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

مذہب نفس کی پاکیزگی اور روح کی بالیدگی کا نام نہ تھا بلکہ ادبام و رسوم کا مجموعہ تھا۔ **مذہبی حالت** ہر خلاف عقل و تجربہ بات مذہبی عقیدہ بن جاتی تھی اور ہر بے معنی رواج مذہبی رسم کا درجہ حاصل کر لیتا تھا۔ مذہب لوگوں کے اختلافات ختم کرنے کے بجائے ان کے درمیان اور نزاعات کا باعث تھا، تعصب اور ہٹ دھرمی کا دور دورہ تھا اور رواداری کے بجائے مذہبی جبر کا عام رواج تھا۔ ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب والوں پر ہر قسم کی زیادتی نہ صرف جائز بلکہ کاروبار بناتے تھے۔

ادب کی منظور میں جو کچھ لکھا گیا ہو اس سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا ایک اجمالی خاکہ ذہن میں آگیا ہوگا۔ لیکن مناسب معلوم ہو رہا ہے کہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مختلف قوموں اور ملکوں کے حالات پر بھی ایک

نظر دالی جائے تاکہ صورت حال اور زیادہ واضح ہو جائے اور تعین کے ساتھ حالات ہمارے سامنے آجائیں۔ اس زمانے میں امریکہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے تو کوئی واقعہ نہ تھا بہت سے جزیروں اور شمالی و جنوبی برفانی علاقوں اور صحراؤں سے بھی واقعیت نہ تھی صرف ایشیا، یورپ اور افریقہ ہی تین بڑے اعظم انسانی آبادی کا مرکز تھے۔

**رومی شہنشاہی** قبضہ تھا۔ رومن امپائر (رومی شہنشاہی) اس زمانے میں دنیا کی وسیع ترین سلطنت تھی۔ دنیا کی بہت سی قومیں اس کے حدود میں آباد تھیں اور بہت سے ممالک اس کے ماتحت تھے، دولت و ثروت کے بے شمار ذخائر اس کے قبضہ میں تھے۔ زرعی اور معدنی پیداوار کے اعتبار سے دنیا میں اسے غیر معمولی اہمیت حاصل تھی اس کے باشندوں کو صنعت و حرفت میں کمال حاصل تھا اور تہذیب و تمدن کا بھی اچھا خاصا سلیقہ تھا۔ ان حالات میں خیال تھا کہ رومی حکومت کے تحت انسانوں کو امن و سکون، راحت و اطمینان اور خوشحالی و فارغ البالی نصیب ہوگی۔ بلاشبہ قوت و اقتدار اور وسائل و اسباب کی بنا پر انھیں اس کا پورا موقع حاصل تھا کہ وہ نوع انسانی کو ترقی کی راہ پر یہاں تک لے جائیں کہ ان کی زندگی میں پونچھویں صدی کی تاریخ شاہد ہو کہ انھوں نے اپنا یہ فرض انجام نہیں دیا۔ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت تو وہ راحت و رسانی کے بجائے نوع انسانی کے لیے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ ان کا سیاسی نظام خراب ہو گیا تھا، ان کے معاشی حالات ابتر ہو گئے تھے، ان کی اخلاقی حالت بگڑ چکی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ وہ خود بھی قریباً ملت کی طرف تیزی سے بڑھتے جا رہے تھے اور اپنے ساتھ نوع انسانی کو بھی تباہی و بربادی کے غار میں گرا رہے تھے۔

زردال و دیا کے مشہور مورخنگین نے ان حالات کا نقشہ حسب ذیل الفاظ میں کھینچا ہے۔  
اس زمانے میں روم انحطاط کی آخری حد تک پہنچ گیا تھا۔ کسی زمانے میں وہ ایک عظیم شان و درخت کی طرح تھا جس کی چھاؤں میں دنیا کی بہت سی قومیں آباد تھیں مگر بالآخر اب اس پر ایسی خزاں آگئی تھی کہ پھل پھول کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا، پتے جھڑ گئے تھے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر شاخیں بھی خشک ہو گئی تھیں۔ تنے میں بھی گھسی لگ گیا تھا اور وہ بھی تیزی سے سوکھتا جا رہا تھا۔ ضعف و انحطاط کی انتہا یہ تھی کہ اب دار السلطنت تک دشمنوں کی

زمین تھا۔ لوگ غنیم کے حملے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ دہشت اور سرایمگی کی بنا پر اس کا روبرو بند ہو گئے تھے۔ پر رفتی تانہ لگا ہیں ویران پڑی تھیں اور وہ بھرے پرے بازار و جہاں کھوے سے کھو اچھلتا تھا۔ اب یکسر سنان تھے لیکن اس حال میں بھی عیاشی و شہوت رانی کا سلسلہ جاری تھا۔

اندرونی بد نظمیوں اور بیرونی حملوں کا سلسلہ شدت سے جاری تھا۔ آگے دن کے فتنہ و فساد نے ملک کی معاشی حالت برباد کر دی تھی لیکن پھر بھی امراء، سلاطین اور دالیان حکومت کی آنکھیں نہیں کھلتی تھیں۔ ہر شخص کو اپنے حلوے مانڈے کی فکر تھی۔ ہر طرف جعل سازی، رشوت خوری، فریب دہی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ سلاطین و امراء عیش و نشاط میں منہمک تھے۔ اور حکام و عمال سلطنت اپنی خواہشوں کی تکمیل میں مبتلا تھے۔ فوجی افراد پر سالار ملک کی حفاظت کی جانب توجہ کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مشغول تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ وہ رومی فوج جو کسی زمانے میں دنیا کی بہترین فوج بھی جاتی تھی اب کسی شمار میں نہ تھی۔ نہ تعداد کے اعتبار سے اسے کوئی اہمیت حاصل تھی اور نہ سامان جنگ اور فوجی حرب کے لحاظ سے اس کا کوئی قابل ذکر مرتبہ تھا۔ تعداد گھٹتے گھٹتے چوتھائی سے بھی کم ہو گئی تھی بلکہ یہ تعداد بھی صرف راجہ جیٹھی نے کام لانے کے اعتبار سے اٹکی تعداد اس سے بھی کم تھی۔ لیکن اتنی تھوڑی فوج کے لیے بھی نہ تو خاطر خواہ سامان میسر تھا اور نہ ان کی گزر معاش کے لیے کوئی اطمینان بخش انتظام تھا۔ منجواہیں مشکل سے ادا ہوتی تھیں اور زمینوں کا حساب چڑھا رہا تھا۔ عام رعایا کی حالت ان سے بھی بدتر تھی۔ ابتدائی کارندوں سے لے کر امراء و مشیران سلطنت تک ہمہ وقت ملک کے محنت کش طبقہ کا خون چوستے رہتے تھے۔ میکس کی مقدار برابر بڑھتی جا رہی تھی۔ شاہی مطالبات کے علاوہ امراء و حکام کے مصارف کا بار بھی غریب رعایا کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ حکومت اور کارندے تفریح اور لذت اندوزی میں بے دریغ خرچ کرتے تھے اور زبردستی رعایا سے وصول کرتے تھے۔ اگر لوگ ادائیگی میں کوتاہی کرتے تھے تو ان پر ایسے سخت مظالم ڈھائے جاتے تھے جن کا خیال کر کے آج بھی دل لرز جاتا ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا بالکل تلاش ہو گئی تھے پھر صرف اس حد پر ظلم و ستم کا خاتمہ نہ

تھا بلکہ رعایا کو سنانا اور تکلیف پہنچانا ان کی مستقل تفریح تھی، وہ آدمیوں اور خونخوار درندوں کا معاہدہ کرتے اور درندوں کے ہاتھوں انسانوں کی ہڈیاں بوٹی ہوتے دیکھتے اور خوش ہوتے تھے۔ خود انسانوں کے درمیان خونی مقابلے کرتے، دُور آدمیوں کے درمیان جنگی کشتی ہوتی جس میں بالآخر ایک قتل ہو جاتا تھا۔ جانوروں کی طرح آدمیوں کو باہم لڑاتے محض تفریح کے لیے انسانوں کو قتل کرتے اور ان کے بڑے اور سکنے کا تماشا دیکھتے، انسانی جسموں کو آگ میں جلاتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے۔

یہی حالات ملک کے لیے کیا کم پریشان کن تھے کہ مذہبی تعصب نے اور آفت ڈھار کھی تھی۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تباہی و بربادی کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ حکومت عیسائیوں کے ہاتھوں میں تھی وہ یہودیوں اور مجوسیوں کے جانی دشمن تھے۔ ان کی عبادت گاہوں کی بربادی، ان کے مال و اسباب کی لوٹ کھسوٹ، انکی عزت و کبر پر حملہ اور انھیں گھر سے بے گھر کرنا اُسے دن کے واقعات تھے۔ ان مظالم کا سلسلہ اس شدت سے جاری رہتا تھا کہ وہ اپنی جان سے عاجز آ گئے تھے اور انھیں اس سے نجات کی اس کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی کہ کوئی بیرونی حملہ آور اس رومی حکومت کا خاتمہ کر دے۔ اس بنا پر وہ مملکت کی تباہی کے دل سے آرزو مند تھے اور ہر اس طاقت کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے جو اس حکومت کو ختم کر کے انھیں ان مظالم سے نجات دلاوے۔

تعصب کی یہ کیفیت صرف غیر مذاہب ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ خود عیسائیوں کے اقلیتی فرقے بھی اس سے محفوظ نہ تھے۔ فردعی اختلافات بڑے بڑے ہنگاموں کا باعث ہو جاتے تھے، جن میں ہزاروں اشخاص موت کے گھاٹ اُتر جاتے تھے۔ بادشاہ رعایا کے محافظ ہوتے ہیں لیکن یہاں وہ بھی فریق بن گئے تھے شاہ جیشین اپنے عقیدہ سے اختلاف رکھنے والوں کو قتل کر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا تھا۔ ان حالات میں سرکاری مذہب سے مختلف خیالات و عقائد رکھنے والوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ در دراز علاقوں میں بھاگ کر جان بچالیں۔

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سارے ملک میں جیچینی پھیلی ہوئی تھی، رعایا حکومت سے سخت بیزار تھی۔ اور لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے ایسی نفرت قائم ہو گئی تھی کہ وہ اس حکومت کے

خاتمہ کے خواہشمند تھے اور رومی سلطنت کے مقابلہ میں انھیں وحشیوں کی ماتحتی بھی گوارا تھی۔ اس اندرونی بے اطمینانی اور بیرونی حلوں کی وجہ سے سلطنت کی پولیس ڈھیلی ہو گئی تھیں۔ رومی شہنشاہی کی عظیم نشان اذولک لوس عمارت زمین پر ڈھیر ہونے والی تھی اور ہر شخص کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس صدیوں پرانی شہنشاہی کا غریب خاتمہ ہونے والا ہے۔

**ایران** | اس زمانے میں دنیا کی دوسری بڑی سلطنت ایرانی تھی۔ یہ رومیوں کے مقابلہ کی سلطنت سمجھی جاتی تھی اور دونوں کے درمیان برابر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ جن میں کبھی ایک غالب آتا تھا کبھی دوسرا۔ ان جنگوں کی وجہ سے ملک تہہ دہلا ہوتا رہتا تھا اور آئے دن بے دروغ رعایا کا خون بہا کرتا تھا۔ اگر درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے جنگوں کا یہ سلسلہ بند بھی ہوتا تھا تو بھی عوام انسان کو کوئی آرام نہیں پہنچتا تھا۔ اطمینان کی زندگی ان کی قسمت میں نہیں تھی اور عزت و فارغ البالی اکتسابی نہیں بلکہ پیدا کنشی تھی۔ شریف کا بیٹا پیدا کنشی شریف اور امیر کا بیٹا پیدا کنشی امیر ہوتا تھا۔ نسب و جائیداد ایسے دوستوں تھے جن پر پوری ایرانی سیاست کی عمارت قائم تھی۔ عوام و خواص کے درمیان مستحکم امتیازی حدود قائم تھے۔ شرفاء و امرا کو مکان، سواری، لباس، عورتوں اور خدمت نگاروں سب چیزوں میں امتیاز حاصل تھا۔ ساسانی ریاست کا بنیادی نظریہ یہ یہ تھا کہ پیدا کنشی طوط پر جس کو جو رتبہ مل جائے اس کو اس سے بلند رتبہ کا خواہاں نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ خاندانی پیشہ کے علاوہ اور کوئی پیشہ اختیار کرنا ممنوع تھا۔ کسی بیچ ذات کو حکومت کا کوئی کام سپرد نہیں کیا جاتا تھا۔ امرا و شرفاء کے خاندانوں کی پانچویں نسب کو قائم رکھنا اور ان کی جائیدادوں کی حفاظت قانوناً لازمی تھی۔ عوام انسان کو حق نہیں تھا کہ کسی امیر کی جائیداد خرید سکے۔ امرا اپنے آپ کو رعایا کی زندگی اور موت کا مالک سمجھتے تھے کسی بھی پست قوم کے آدمی کو خواہ وہ کیسا ہی اچھا کام کرے۔ ترقی کا کوئی موقع حاصل نہ تھا اس امر کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔

”خسر وادی یعنی انوشیرواں کو ایک دفعہ رومیوں سے جنگ کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوئی۔ ایک مالدار سوچی بادشاہ کو ایک بڑی رقم دینے کے لیے آمادہ ہوا۔ ساسانی عہد کی روایات کی رو سے سوچی کی ذات بہت پست تھی تاہم معاملہ طے ہو گیا اور سوچی نے رومیوں کے توڑے اڈوں پر لہر داکر پہنچ دیے۔ بادشاہ اس کی خدمت گزار ہی پر بہت خوش ہوا اور وعدہ کیا کہ روپیہ واپس کرتے وقت ایک معقول رقم اسے اصل زر کے علاوہ بھی دیا جائے گی لیکن سوچی نے خواہش ظاہر

کی کہ اس کے بیٹے کو بادشاہ کے دذیردں میں داخل کر لیا جائے۔ یہ سننے ہی بادشاہ نے اونٹ واپس کر دیئے اور روپیہ کو ہاتھ تک لگانا نہ چاہا اور کہا کہ

جو فرزند ماہر نشینہ بنوخت      دیری ببا پیش پردینہ بخت  
ہنریا بداند مرد سوزہ فردش      سپاد بدد چشم بینا دگوش  
بدست نبرد سند مرد نژاد      نماند جز اند حسرت و سر دباد

کسانوں کی حالت سب سے بدتر تھی۔ ان سے ہر طرح کی بے گار اور خدمت لی جاتی تھی۔ کسانوں کا تعلق زمینداروں کے ساتھ غلاموں جیسا تھا۔ ان کے بڑے بڑے گروہ سپاہیوں اور عہدہ داروں کی خدمت پر زبردستی پکڑ کر لگا دیے جاتے تھے۔ فوج چلتی تھی تو اس کے پیچھے خدمت اور بار برداری کی غرض سے کاشتکاروں کا انبوا کثیر یا پیادہ چلتا رہتا تھا۔ انھیں اس محنت شاقہ پر نہ تنخواہ دی جاتی تھی اور نہ کسی قسم کی اجرت ملتی تھی۔ عورتوں کو بہت بری نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کی مکاری، عیاری، بد چلنی اور بے وفائی ضرب المثل تھی۔ انھیں ایرانی سوسائٹی میں کوئی عزت کا مقام حاصل نہیں تھا۔ بیوی کی حیثیت غلام کی سی تھی۔ یہاں تک کہ اگر شوہر کا جی چاہتا تو اسے کسی دوسرے شخص کو دیدیتا تھا۔ ایسی بیوی ان کی اصطلاح میں خدمتگار کہلاتی تھی اور ستم یہ کہ اس فعل کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ لوگ اسے قابل تعریف سمجھتے تھے۔ اور اس دوران میں دوسرے شخص سے جو اولاد پیدا ہوتی تو وہ پہلے شوہر کی قرار دی جاتی تھی۔ حقیقی بہن اور میٹھی تک سے جی چاہتا تو مطلع کر لیتے تھے اور اسے بہت بڑا ثواب سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ایسی شادی کرنے والے پر خدا کی رحمت کا سائہ پڑتا تھا۔ اور اس سے کبیرہ گناہوں تک کا کفارہ ہو جاتا تھا۔

اس زمانے میں ایرانی معاشرہ کی حالت اتنی اہتر اور خراب ہو گئی تھی کہ اہل ایران کے پرجوش ملحق امتیان مارسلینوس تک کو اعتراف کرنا پڑا کہ

”وہ بے ہودہ کلمات بکثرت استعمال کرتے ہیں اور بے معنی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ شخی

بازادہ مند خوہیں اور خوشحالی و بدحالی میں یکساں دہشت انگیز ہوتے ہیں۔ حیلہ سازی، مغز اور بے رحمی

لے ایران بعد ساسانیان، ۴۲۹ء تا ۴۲۸ء مصنفہ آرتھر کریسن مین پروفیسر انسٹنٹشر قریہ کون باگن یونیورسٹی ڈنمارک۔ کوالہ

دیکھ کر دشمنانہ دماغ شاکستہ۔ دہشت ملتون پہلی

ان کی خصلت میں داخل ہو۔ وہ اپنے آپ کو اپنی رعایا اور غلاموں کی زندگی و موت کا مالک دیکھتا سمجھتے ہیں کسی نوکر کی یہ مجال نہیں کہ ان کے سامنے کھڑے ہو کر یا دسترخوان پر کھانا کھلاتے ہوئے بات چیت کرنے یا تھوکنے کے لیے منہ کھولے۔ باوجود تعدد و ازدواج کے ان کی زندگی باعفت نہیں ہوتی جو ملہ قباد اول (پرنسپل) کے عہد میں ایرانیوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ:-

”ناموس و ادب کا پردہ اٹھ گیا۔ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن میں شرافت تھی نہ علی نہ انھیں خاندان اور قوم کا غم تھا نہ ان میں صنعت تھی نہ حرمت نہ انھیں کسی قسم کی فکر و اس کی فکر تھی اور نہ ان کا کوئی پیشہ تھا۔ بخی و شرارت میں مستعد اور دزدان گوی و تہمت میں شائق تھے یہی ان کا ذریعہ معاش تھا اور ایسی کوہ تحصیل مال و جاہ کا ذریعہ بناتے تھے“۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک میں سخت ہنگامے برپا ہوتے رہتے تھے۔ لوٹ مار کرنے والے امر کی مجلسوں میں گھس جاتے تھے، مال و اسباب لوٹ لیتے۔ جاگیرداروں پر قبضہ کر لیتے اور عورتوں کو بچھڑے جاتے تھے نئے جاگیردار زراعت سے بالکل ناواقف تھے اس لیے زمینیں رفتہ رفتہ غیر آباد ہو گئیں۔

تعب و جد سے بڑھ کر تھا، سرکاری ذریعے کے علاوہ دوسرے ذرائع کے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ تھا۔ غیر مذہب میں زیادہ تر عیسائی تھے۔ انھیں آٹے دن جس قسم کی ہیبت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں ان کا قصور کہ آج بھی روٹنگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عیسائی قیدیوں کو بعض اوقات کنوؤں میں بند کر دیا جاتا تھا اور ان میں جو بے چھوڑ دیے جاتے تھے، قیدیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جاتے تھے تاکہ وہ اپنے آپ کو ان سے بچا نہ سکیں۔ یونانی جانوروں میں انھیں کان کاٹ کر کھاتے رہتے تھے۔ انھیں زندہ دیواروں میں چنوا دیا جاتا تھا۔

سخت دھشتیانہ اور ظالمانہ سزائوں کا رواج تھا، ملزموں کو ہاتھوں کے پاؤں کے نیچے رز دیا جاتا تھا، اٹا لگا دیا جاتا اور تانے کے کوڑوں سے پیروں پر ضرب لگا لگا کر انھیں لنگرہ کر دیا جاتا تھا۔ تکلیف کی شدت میں اضا نہ کرنے کے لیے زخموں پر ہینگ، سرکہ اور نمک پھیرا جاتا تھا۔ آنکھوں میں کھوتا ہوا تیل ڈالا جاتا تھا۔ کانوں اور آنکھوں میں گچھلا ہوا سیمہ ڈال دیا جاتا تھا اور زبان کھینچ کر نکال لی جاتی تھی۔ کبھی



گدی میں سوراخ کر کے اس سے زبان نکال لی جاتی تھی اور جب تک وہ مرنے جا میں ان کے منہ انگلیوں اور  
 نکتوں میں برابر سرکہ اور رائی ڈالتے رہتے تھے۔ زندہ آدمیوں کی ماری یا آدمی کھال کھینچوانے کا بھی دستور  
 تھا۔ لوہے کی کنگھی سے فزیم کی کھال اُدھیری جاتی تھی اور در کی شدت میں اضاہ کرنے کے لیے ہڈیاں جو نظر آنے  
 لگتی تھیں ان پر روغن نفث ڈال کر آگ لگا دی جاتی تھی۔ زندہ اشخاص کے پاؤں میں رسی باندھ کر پہاڑوں  
 پر گھسیٹنے کا بھی حکم ہوتا تھا تاکہ کھال ہڈیوں سے علیحدہ ہو جائے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پتھروں میں رہ  
 جائے اور آخر کار اس میں صرف پاؤں کی رگیں باقی رہ جائیں۔ زندہ جلانے کا بھی رواج تھا۔ کبھی فزیم کو ذیل  
 ترین غلام کی خدمت پر مجبور کیا جاتا تھا اور اسے اپنی بیوی تک کو اس کے حوالے کرنا پڑتا تھا۔ فزیموں کی  
 سزا بھی دی جاتی تھی اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے کئی انگلیاں کاٹی جاتی تھیں پھر پاؤں کی پھر کلائیوں تک ہاتھ  
 اور ٹخنوں تک پیر کاٹے جاتے تھے پھر کمینوں تک ہاتھیں اور گھٹنوں تک پیر پھر کان اور ناک اور سب سے

### بقیہ ارشادات ۲۶

اور بعض چشتیوں کا نقشبندی۔ یہ تقسیم اسی ہی ہے جیسے **وَجَعَلْنَا كُم مَّشْعُوبًا وَ قَبَائِلَ لَتَعَارَفُوا مگر**  
 اب تو ان قبود کو ہی مقصود بالذات سمجھنے لگے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ ایک قادری  
 اور ایک چشتی میرے پاس لڑتے جھگڑتے آئے تھے چشتی صاحب حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ  
 علیہ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ پر اس طرح ترجیح دیتے تھے کہ ان کی تفتیش ہوتی تھی، اور  
 قادری صاحب بالکس۔ (حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ) میں نے کہا میاں ابک قادریوں کے باپ  
 ہیں اور دوسرے چچا، علیٰ ہذا القیاس ایک چشتیوں کے باپ ہیں دوسرے چچا۔ سو باپ کبھی گوارا نہیں کئے  
 گا کہ کوئی بیٹا اپنے چچا کی امانت کرے.... فضولیات کو چھوڑو اور کام میں لگو ورنہ خود باپ بھی ناراض  
 ہو جائے گا۔

عہ۔ اور ہم نے رہائیں تمہاری ذاتیں اور گوشتیں تاکہ آپ کی پہچان ہو۔

# اِرشاداتِ حکیمِ الامتِ حضرتِ بھٹانویؒ

## مجاہد لکھنؤ میں

(۲)

تخصیص: — مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی

فرمایا کہ — ایک صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ راج کے سفر میں تھے جہاز میں کسی مسئلے میں گفتگو ہو گئی۔ مولانا گنگوہیؒ تو دریا کو کوزے میں بند کرتے تھے اور مولانا نانوتویؒ کوزے سے دریا کو نکالتے تھے۔ دونوں بہت ہی ذہین تھے۔ غالب علی کے زمانے میں جب کبھی مدرسہ میں ان دونوں صاحبوں کی گفتگو ہوتی تھی تو تمام لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ ایک صاحب کی گفتگو سن کر معلوم ہوتا تھا کہ اب اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا، پھر دوسرے صاحب کی گفتگو سن کر حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح اسی میں سے بات نکال کر جواب دے دیا اور یہ معلوم ہوتا کہ اب اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سلسلہ چلا کرتا تھا۔ ....

فرمایا — حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کی خدمت میں ایک شخص کا لڑکا آیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرا لڑکا جب سے یہاں آنے لگا بکڑ گیا۔ حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمیں بھی تو کسی نے بکڑا ہی ہو۔ ہمیں تو بکڑنا ہی آتا ہو۔ ہم بھی اپنے ماں باپ کے اکلوتے تھے۔

فرمایا — ہمارے حضرت (حاجی صاحبؒ) کے یہاں مضامین تو بہت عالی تھے مگر اصطلاحات نہ تھیں ہاں کبھی کبھی بشرطِ شے اور بشرطِ لاشے حضرتؒ کی زبان سے نکلا ہو۔ یہ سن کر ایک معقولی عالم کو تعجب

ہوا کہ اصطلاحات تو علوم کے کسب سے آتی ہیں۔ حضرت کے یہاں کیسے ہیں؟ یہ دوسو سو ہوا تھا کہ حضرت نے فوراً فرمایا کہ معافی کا انفاق کبھی بدن الفاظ کے ہوتا ہو اور کبھی مع الفاظ کے یعنی اس وقت اس مضمون کا انفاق مع الفاظ کے ہوا ہو۔

اسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت نے کافی تک پڑھا تھا۔ پھر فرمایا کہ ہمارے حضرت کے علوم نہایت عالی ہوتے تھے مگر الفاظ بہت سلیس۔ اور فارسی تو اہل زبان کی تھی۔ ضیاء القلوب کی کسی اچھی فارسی ہو۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کا عربی ترجمہ کیا تھا۔ مولوی تمیز الدین صاحب کہتے تھے کہ وہ ان کے پاس پہلے پورے تھے کہ مولانا نے اس پر حاشیہ بھی لکھا ہو۔ میں بھی اس کتاب کی زیارت کا متمنی تھا مگر اتفاق نہیں ہوا اور اب ان کا مولوی جس اللہ صاحب کا انتقال ہو چکا ہو۔

فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب اپنے خادموں کے لیے قیمتی قیمتی چیزیں بھیجا کرتے تھے۔ کہیں تو مرید بیہ دیتا ہو پیر کو، دہاں پیر مرید دیتے تھے مریدوں کو۔ میرے پاس کئی چیزیں تھیں تبرکات کے طریقے پر جو حضرت نے عطا کی تھیں۔ مگر میں نے وہ سب چیزیں دوستوں کو تقسیم کر دیں تاکہ میرے بعد کوئی دکان نہ بنائے۔ بس میرے نزدیک، تو تبرکات دی باتیں ہیں جو حضرت سے سین اور دل میں اثر کر گئیں۔

فرمایا۔ ایک صاحب بھوانہ بھون آنا چاہتے ہیں، میں نے ان کو کھ دیا ہے کہ میان دہاں کیا رکھا ہے کھنڈ رہی کھنڈ ہیں کھنڈ آتے (جبکہ میں کھنڈ میں برائے معاہدہ مقیم ہوں) تو سیر بھی ہوتی اور تفریح بھی۔

فرمایا۔ کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے مجاہد سے زیادہ نہیں کیے تھے۔ وہ باتیں بہت کرتے تھے، مگر سراسر علوم ہوتی تھیں۔ جب حضرت حاجی صاحب بھوانہ بھون تشریف رکھتے تھے رات کو سب ذکر و شغل لوگ اٹھتے تھے، یہ بھی اٹھتے، مگر حضرت اور دن کو تو منغ نہیں فرماتے تھے ان سے فرماتے تھے کہ سو رہو ہم وقت پر خود اٹھا دیں گے۔ اس انداز سے ان کی تربیت فرمائی گئی ہے۔

فرمایا۔ مولوی مفتی محمد شفیع صاحب (دیوبندی) کے والد مولوی محمد تیس صاحب مولانا محمد یعقوب صاحب کے شاگرد تھے۔ ایک روز ان سے فرمایا۔ مولوی تیس میں ادھر رہا گیا کامل

نہیں ہوا۔ تمھارے شیخ (مولانا گنگوہیؒ) اگر چاہیں تو میری تکمیل کر سکتے ہیں مگر وہ رید ہی نہیں دیتے۔ مجھے ان پر غصہ آتا ہے میں اُن سے کہتا ہوں کہ مجھے تمھاری پروا نہ ہے، میں اپنے شیخ کے پاس (مکہ معظمہ) چلا جاؤں گا، تو کہتے ہیں کہ مدرسہ چھوڑ کر جاؤ گے تو گناہ ہو گا۔ بس جی معلوم ہوتا ہے کہ میں ادھر رہا ہی مرجاؤں گا۔ نہ تو جانے ہی دیتے ہیں نہ خود تکمیل کرتے ہیں۔

فرمایا۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی تقریر میں علمی لغات بہت ہوتے تھے مگر بے ساختہ — اور اُن کے یہاں اتنے علوم (دعوات) تھے کہ سبحان اللہ! اُن کی تقریریں کر کے معلوم ہوتا تھا کہ ایک کتب خانہ کھول دیا مگر پھر بھی جہاں شبہ ہوتا ماتحت مدرسوں سے پوچھ لیتے تھے اور باوجود اس تجربہ و کمال کے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بجائے مشد کے سمجھتے تھے، اسی وجہ سے تو ان سے اصلاح (تکمیل) کرنا چاہتا تھے۔ مگر جب غصہ آتا تھا تو نماز میں اُن کو بھی بہت کچھ کہہ ڈالتے تھے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں دہرایا کہ کیا عرض کروں یہ جو مالی خدمت کرتے ہیں ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ خود شراتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ہدیے کر اپنے کو تمام قواعد سے مستثنیٰ سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ہدیہ دینے والے کو (وجہ اللہ ہدیہ دینا چاہیے) اور ہدیہ لینے والے کا احسان ماننا چاہیے (قرآن مجید میں) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّهَا لَنْ نَقْبَلْ مِنْكُمْ لَوْ جَاءَ اللّٰهُ لَا تَرْبُوْا مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا — یہ تو ہدیہ دینے والے کا ادب ہے۔ اور ہدیہ لینے والے کا یہ ادب ہے (جو حدیث شریف میں ہے) مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَّعْرُوْفًا فَكَافُوْهُ اِنْ لَّمْ تَكْفُوْهُ فَاَدْعُوْا لَهٗ — (یعنی جو شخص تمھارے ساتھ نیک سلوکی (ہدیہ وغیرہ کی شکل میں کرے) تم بھی اُس کی نیک سلوکی اور احسان کا بدلہ دو اور اگر نیک بدلہ (ہدیہ کی شکل میں) نہ دے سکو تو اُس احسان والے کے حق میں دُعا کی خیر کرو)

نیز ہدیہ دینے والے کا ایک ادب چھپا کر دینا ہے اور ہدیہ لینے والے کا یہ ہے کہ اعلان کرنے (اگر اعلان سے کوئی مصلحت مانع نہ ہو)۔

خواجہ عزیز الرحمن مجذوب نے عرض کیا کہ اصل تہذیب تو حضرت والا کے یہاں آکر معلوم ہوتی ہو۔

عہ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کو کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ بدلا چاہتے ہیں نہ شکر گزاری چاہتے ہیں۔

جو لوگ تہذیب تہذیب چلا رہے ہیں اُن کو تو تہذیب کی خبر بھی نہیں۔ اگر حضرت والا کے لفظیات کو کوئی صاحب انگریزی میں ترجمہ کر دیں تو بہت اچھا ہو۔ فرمایا آپ ہی یہ کام کر لیں دوسروں کو آپ کیوں کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ میراجی چاہتا ہے کہ مختصر نویسی یکہ لوں اور لفظیات ضبط کیا کروں۔ مگر بڑھا طوطا کیا پڑھے۔ فرمایا بڑھے طوطے پر یاد آیا، ایک صاحب نے اپنی بیوی کو پڑھنے کے لیے لکھا تھا کہ شوق تو بہت ہے مگر بڑھا طوطا کیا پڑھے۔ میں نے لکھا وہ تو بڑھی بیٹا میں۔ بڑھا طوطا نہیں پڑھتا نہ ہی بڑھی بیٹا تو پڑھ لے گی۔

آداب مجلس کے ذکر میں فرمایا کہ میرے یہاں یہ ہے کہ جہاں دو آدمیوں نے کانا بھوسی کی تو میں کہہ دیتا ہوں کہ باہر جا کر باتیں کرو، یہاں تو میری سنو یا مجھے سناؤ، اور آپس میں گفتگو کرنے کی اگر کوئی ضرورت ہی ہو تو باہر جا کر گفتگو کرو۔

ایک شخص جلال آباد کے رئیس آئے تھے، مجلس کا رنگ دیکھ کر ایک شخص سے کہا کہ میں اور جگہوں پر گیا ہوں۔ سب جگہ ڈٹھیوں کا اجلاس ہوتا ہے اور یہاں حج کا اجلاس ہے یعنی ڈٹھی کے اجلاس میں تو مدعی، مدعا علیہ، گواہ، وکیل وغیرہ وغیرہ کا شور ہوتا رہتا ہے اور حج کے اجلاس میں سکوت اور خاموشی زیادہ رہتی ہے۔

فرمایا۔ قَلْبٌ طَعَامٌ، قَلْبٌ نَمَامٌ اور جسم کی صحت کا ترک اہتمام بعض کی تحقیق میں شرائط طریقی ہیں اور ہمارے حضرت (حاجی صاحب) کی تحقیق یہ ہے کہ جسم کی صحت بھی ایک نعمت ہے اور خود بدن بھی ایک نعمت ہے، ان نعمتوں کی بھی قدر کرنا چاہیے۔ خود ارشاد باری ہے لَا تَقْسَمُوا أَنْفُسَكُمْ اور حدیث شریف میں ہے اِنَّ لِحَسَدِكَ عَلَيَّكَ حَقًّا اِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيَّكَ حَقًّا تیرے جسم کا بھی تیرے اوپر حق ہے، تیری آنکھ کا بھی تیرے اوپر حق ہے (نیز اب قویٰ کمزور ہیں۔ ان ریاضات کے متحمل نہیں اور نعمائے حبیبہ (جس نعمتیں) مقبولیت کے منافی بھی نہیں۔ خود ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غزوہ، مشکوف ہوا۔ اہل غزوہ کی شان یہ بیان فرمائی ہے۔ يَكُونُ الْجَبَرُ مُلْكًا عَلَى الْاَسْرَةِ (جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شامانہ شان سے جہاد کے لیے بحری سفر کرے ہیں) بلانا

حاجی (حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی شان میں) فرماتے ہیں ۵

چو فقر اندر لباسِ شاہی آمد بہ تدبیر عبید اللہی آمد

(یعنی فقیری اور درویشی حضرت عبید اللہ احرارؒ کی تدبیر سے لباس شاہی میں آگئی)۔ ان حضرات کو کسی خاص شان کا اہتمام نہ تھا۔ کبھی کبھل سہ تو کبھی دوشالہ، ان (کبھل دوشالہ) میں نہ کوئی شرط فقر ہے، نہ مافی فقر۔

فرمایا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا گنگوہیؒ سے دریافت کیا تھا کہ مقاماتِ باطنی میں کہاں تک پہنچ گئے ہو؟ مولاناؒ نے جواب میں لکھا کہ ”اٹھ لٹھ۔ مدح و ذم میرے لیے دونوں یکساں ہو گئے۔“ پھر تو حضرتؒ نے بہت خوشی ظاہر فرمائی۔

مصر سے عیادت کا خط حضرت (حکیم الامتہ) کے نام آیا تو فرمایا۔ کسی نے قہری کیا کہ قاہرہ میں بھی میری علالت کی خبر پہنچا دی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولوی عبد المسیح صاحب (مدظلہ العالی) حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ (گنگوہ) ایک بارات میں گئے تھے۔ حالانکہ باہم بہت اختلاف رہ چکا تھا مگر مولاناؒ نے پھر بھی خاطر داری کی اور فرمایا شام کو کھانا میرے ساتھ کھانا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اب تو یہ آئے ہوئے ہیں اس مسئلے (قیام میلاد) میں گفتگو کر لی جائے، فرمایا نہیں۔ وہاں کی دلشکی مردّت کے خلاف ہے۔ اور دعوت کی۔ کھانا کھلایا۔ ان حضرات کا اختلاف نیک نیتی پر مبنی تھا اور اب تو ایک دوسرے سے نفرت پیدا کرتے ہیں جس سے اصلاح کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

فرمایا۔ ام تر کے ایک صاحب نے مجھ کو لکھا کہ تم نے شر القرون کے صوفیہ کی اپنی کتابوں میں حمایت کی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ کیا شر القرون میں سب ہی شر (والے) ہیں۔ پھر یہ صاحب تھانہ بھون آئے تھے اور آنے سے پہلے صاف یہ لکھ دیا کہ جانچ کرنے آتا ہوں۔ مگر یہاں آکر ان ہی کی جانچ ہو گئی۔ اس طرح سے کہ ان کے پاس بیٹھ ہوئے ایک صاحب نے پوچھا کہ مجھ پر قوتِ شہوانیہ کا غلبہ ہے اور نکاح کی وسعت نہیں تو وہ بزرگ مجھ سے پہلے ہی فرما بول اٹھے کہ روزے رکھو اور یہ حدیث پڑھی۔ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَانْفَلَهُ وَجَاءُ۔ اُس نے کہا کہ میں نے روزے بھی رکھے مگر کچھ نہیں ہوا۔ میں وہ تو ختم ہو گئے۔ دخل درمقولات کے بجائے دخل درمنقولات کیا تھا۔ اُن کی قابلیت تو سب ختم ہو گئی۔ میں نے اُس شخص سے کہا کہ روایت میں فعلیہ بالصوم آیا ہے،

علیٰ لزوم کے لیے ہے۔ پھر لزوم یا اعتقادی ہے یا علی۔ اور ظاہر ہے کہ علاج میں اعتقادی مراد نہیں ہو سکتا تو لزوم علیٰ صریح ہوا۔ لزوم علیٰ تحکام سے ہوتا ہے۔ ایسے حدیث کا مدلول یہ ہے کہ کثرت سے مسلسل روزے رکھو۔ اس کی کثرت سے تو سب ہی ہمیشہ متکسر ہوگی۔ چنانچہ رمضان میں اول اول، صنف نہیں ہوتا حالانکہ صوم کا تحقق ہوا۔ بلکہ اخیر میں صنف ہوتا ہے کیونکہ کثرت کا تحقق ہوا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ صنف، نفس صوم سے نہیں ہوتا بلکہ کھانے کا جو وقت معنادار ہوتا ہے اس سے صنف ہوتا ہے کیونکہ کھانا دوسرے وقت میں پہلے کی طرح جزو بدن نہیں ہوتا۔ پس ہر صنف کا، مخالف عادت پر ہے اور اسی لیے صوم دہر کی ممانعت ہے کیونکہ روزانہ روزے ہی کی عادت ہو جائے گی تو قوتِ بہیمہ میں صنف نہ ہوگا۔ .... غرض کہ صنف مخالف عادت سے ہوتا ہے۔ مثلاً سحری میں خوب کھا لیا لیکن عادت کے وقت کھانا یا دیکھا اور کھانے کو ملا نہیں تو اس سے صنف ہوا۔ اور اگر کم کھانا روزے کی طرح ہوتی تو حدیث شریف میں صاف ممانعت ہوتی پیٹ بھر کے کھانے کی۔ بلکہ ایک حدیث میں تو روزہ انظار کرانے کی فضیلت کے سلسلے میں یہ لفظ ہیں مَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا جس نے کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر انظار کرایا، اگر شبع (شکم سیری) مذموم عمل، ہوتا تو اشباع (شکم سیر کرنا) جو اس کا سبب ہے ضرور مذموم ہوتا۔ تب (اُن) مولانا کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہوا کہ پڑھنا اور ہے اور جانتا اور۔ اس پر سر ہایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فرمایا کرتے تھے کہ ایک پڑھنا ہے ایک گننا۔ تو گننے کی کوشش کرنا چاہیے، اور گننے کی مثال میں (حضرت حکیم الامتہ نے) ایک حکایت بیان فرمائی، کہ ایک شخص ہدایہ کے حافظ تھے اُن سے کسی غیر حافظ ہدایہ کی گنگو ہوئی۔ غیر حافظ نے وہ مسئلہ (جس پر گنگو تھی) ہدایہ میں کھا ہوا بتایا۔ حافظ ہدایہ نے کہا کہ ہدایہ میں نہیں ہے۔ اُس نے کہا ہدایہ میں ہے لاؤ۔ ہدایہ کو لایا گیا تو اُس نے دکھایا کہ دیکھو یہ مسئلہ اس مقام سے مستنبط ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ (حافظ ہدایہ) رونے لگے کہ بھائی پڑھا تو ہم نے مگر سمجھا تم نے۔ بس بعض لوگوں کی سطحی نظر ہوتی ہے مگر ہی نظر نہیں ہوتی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نقشبندیہ چشتیہ وغیرہ سب نام ہیں حقیقت سب کی ایک ہے یعنی اُولَٰئِكَ جِزْبُ اللَّهِ اَلَا اِنَّ جِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ نیز بعض نقشبندیوں کا مذاق چشتی ہوتا ہے

# ہندوستان میں علمِ حدیث دسویں صدی ہجری سے پہلے

أَرْمُولَانَا تَقِيْعُ الدِّينِ يَنْدَوِي مَطَاهَرِي

شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر سورت (گجرات)

عام طور پر مشہور ہے کہ ہندوستان میں علمِ حدیث کا جبرچا شیخ عبدالحی محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) کی ذات گرامی سے ہوا، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی ذات گرامی سے ہندوستان میں علمِ حدیث کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور اس عہد سے پہلے ہندوستان میں علمِ حدیث سے بالکل بے گانہ نہیں تھا۔ لیکن آج کل اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ دسویں صدی تک ہندوستان میں مقولات اور فقہ و تصوف کے سوا علمِ حدیث بالکل غنقا تھا۔ اس سلسلے میں ہمارے مورخین نے دو واقعات ایسے تحریر کیے ہیں، جن سے اس غلط فہمی کو مزید تقویت حاصل ہوئی، اس لیے سب سے پہلے ان دو واقعات کا تجزیہ اور ان سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔

علمِ حدیث سے بے اعتنائی کے سلسلے میں ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے علماء کرام کی ایک مجلس منعقد ہوئی، مناظرہ کے ایک فریق حضرت نظام الدین اولیا (م ۷۲۵ھ) تھے، اور دوسری طرف تربیہ بڑے بڑے علماء تھے، گفتگو کا آغاز ہوا، مورخ فرشتہ لکھتا ہے کہ

”اس مجلس مناظرہ میں حضرت شیخ نے اپنے دعوے کے اثبات کے لیے حدیث نبویؐ السماع



کمال الدین سند میں یہ الفاظ لکھنے کے بعد کہ

"بأن ترا هذا الأصل المستخرج من  
الصحيحين على سطر هذين السطور"  
یہ الفاظ لکھتے ہیں،

قرأة بحث وآفاق وتنقيح معانيه  
یہ پڑھائی کامل بحث وآفاق اور معانی کی تحقیق  
اور اس کی بنیادوں کی کھوج کر کے ساتھ ہوئی۔

یہ ساری تفصیلات شہادت دیتی ہیں کہ مورخ فرشتہ نے حضرت کی طرف منسوب کر کے جو روایت بیان کی ہو وہ ان کا تسلع ہے، اس کو کسی طرح صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا، مخالفہ کی وجہ شاید حضرت کے ملفوظات کا وہ مجموعہ بھی ہو جو فوائد الفوائد کے نام سے مشہور ہے۔ ان ملفوظات میں بہت حد میں آپ کی زبان، ایک سے مذکور ہیں اور ان کے رموز و اسرار بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ حضرت کے ان ملفوظات کو پڑھنے کے ساتھ ضروری کہ یہ بات پیش نظر رہے کہ باقاعدہ تصنیف، ذمہ الیقین کے لیے حضرت نے علم نہیں اٹھایا تھا علاوہ ازیں فضائل اعمال میں ضعیف روایتوں کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے اس طرح کی روایتوں کا ان میں آجانا اگر بے حجتا۔ تاہم ان ملفوظات کو بیان فرماتے ہوئے کبھی آپ تنبیہ فرمادیتے تھے کہ "ایں قولی مشاخ است" یہ نتائج کا قول ہے، حدیث نہیں ہے، ان ملفوظات میں متعدد جگہ اس قسم کے الفاظ موجود ہیں، کہ کسی کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا "ایں حدیث در کتب اہل ادب مشہور است و معتبر بنامہ" اگر کبھی آیات میں اخلاص ہوتا تو آپ فرماتے "انچہ در صحیحین است اکی صحیح باشد" یہ کبھی فرماتے کہ یہ حدیث میں نے از خود کسی کتاب میں نہیں دیکھی ہے، بلکہ اپنے استاد مولانا علاء الدین امولوی سے سنی ہے۔

بہر حال حضرت کے یہ حالات شہادت دیتے ہیں کہ آپ کا علم حدیث میں کیا مقام تھا۔ اس لیے مورخ فرشتہ کی ایک غلط عبارت سے اس کے غلط استدلال کی طرح درست نہیں قرار دیا جاسکتا۔

علم حدیث سے بے اعتنائی کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ علاء الدین غلجی (۵۹۹-۶۱۶ھ) کے دور میں مصر کے ایک محدث شمس الدین ترک، حدیث کی ترویج و اشاعت کی دھن میں بہرستان تشریف

مباح لاهلہ“ کو پیش کیا، قاضی رکن الدین جو شیخ کے فریق تھے، انھوں نے کہا کہ حدیث پیش کرنے کی ضرورت نہیں، آپ تو مقلد ہیں امام ابو حنیفہ کی کوئی روایت پیش کیجئے تاکہ قبول کی جائے حضرت شیخ نے فرمایا! میں حدیث صحیح صلیبی پیش کر رہا ہوں، اور تم امام ابو حنیفہ کی روایت چاہتے ہو، شاید حکومت راقمہ کا نشانہ رکھتے ہو، تو بہت جلد تم اپنے عہدہ سے معزول ہو جاؤ گے ... بادشاہ (جو مجلس میں موجود تھا، نظاری) حدیث پیغمبر کو سن کر متفکر ہوا اور کچھ نہ کہا۔

”السماع مباح لاهلہ“ یہ جملہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں بطور فتویٰ کے نقل کیا ہے، اس کو حدیث نبوی قرار دینا مورخ فرشتہ کا تسامح ہے، بہر حال بعض لوگوں نے اسی لطیفہ کو حضرت شیخ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے کہ امام غزالی کے قول اور حدیث رسول میں حضرت امتیاز کر کے اور اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس دور میں ہندوستان علم حدیث سے نا آشنا تھا۔ مورخ فرشتہ ہی کی بات دیکھی جائے تو اس نے سلطان الاولیاء کے حالات میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ حضرت فقہ و تفسیر و حدیث اور علم کلام کا پوری طرح استحضار رکھتے تھے، در فقہ ابو حنیفہ و تفسیر و حدیث و اصول کلام استحضار تمام داشت۔

اور حضرت شیخ کے حالات میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں مقامات حریری کے چالیس مقلدے زبانی یاد کیے تھے، اس کے کفائے کے طور پر دہلی کے مولانا کمال الدین دہلوی سے مشرق الانوار کا درس حاصل کیا، اور اس کو بھی حفظ کر ڈالا۔

سیرالاولیاء حضرت کے حالات میں ایک بہترین کتاب ہے، اس کے مصنف میر خورشید دہلوی ہیں، انھوں نے بھی اس مناظرہ کی پوری تفصیل لکھی ہے، مگر انھوں نے کہیں اس فقرہ کا حوالہ نہیں دیا ہے، جس کو مورخ فرشتہ نے حضرت کی زبان مبارک سے حدیث کہہ کر بیان کیا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ نفعانی کی مشرق الانوار جو صحیحین کی دو ہزار چھ سو بائیس حدیثوں پر مشتمل ہے، حضرت کو زبانی یاد تھی، آج موجودہ دور میں شاید ہی کوئی ایسا محدث مل سکے جس کو اتنی بڑی تعداد میں حدیثیں زبانی یاد ہوں، یہی نہیں بلکہ میر خورشید نے حضرت کی سند بھی نقل کی ہے، کہ ان کے استاد مولانا

لائے، کہا جاتا ہے کہ وہ اسی شخص سے حدیث و متعلقات حدیث کی کوئی چار سو کتابیں اپنے ساتھ لائے تھے، ان کا خیال یہ بھی تھا کہ ایک جامع شرح لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں، پر ابھی وہ لٹان ہی تک پہنچے تھے کہ انھیں معلوم ہوا کہ بادشاہ نماز پنجگانہ کا پابند نہیں، اور نہ جمہ و جماعت کا اسے خیال ہے، رنجیدہ ہوئے اور لٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ اس واقعہ کو نہایت آب و تاب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، اور اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی گئی، ہے کہ ان محدث کی واپسی کی وجہ سے عرصہ تک ہندوستان علم حدیث سے محروم رہا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ محدث کہاں واپس گئے اور کس حکومت میں پہنچے کہ جس کا بادشاہ قطب و دران تھا؟ یہ زمانہ تو عالم اسلام پر تاتاریوں کی لیوا کا تھا، علاء الدین خلجی کے عہد میں تو تاتاری فتنہ وسط ایشیا، خراسان، ایران و غیرہ سب کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ کیا بنی امید اور بنی عباس کے دور میں متعدد خلفاء ایسے نہیں گزرتے ہیں جن کی زندگیوں و بنی معیار پر نہیں تھیں؟ تو کیا ان خلفاء کے زمانے میں محدثین کرام دمشق و بغداد وغیرہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، ممکن ہے کہ کسی خاص شخص کا یہ حال ہو، مگر عام طور پر محدثین و علماء انھیں نامساعد حالات میں اپنے فراتین منشی انجام دیتے رہتے، علاء الدین خلجی نہیں بلکہ محمد شاہ تغلق (۷۲۵-۷۲۷ھ) جس کے مقابلہ میں علاء الدین خلجی کو فرشتہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے، اسی تغلق کے عہد میں شمس الدین ترک جیسے مجمل الحال عالم نہیں بلکہ غلامہ جمال الدین تھی، حافظ شمس الدین زمینی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد مولانا عبدالعزیز اردبیلی دلی تشریف لائے ہیں اور محمد تغلق کے دربار میں بایاں ہوئے ہیں۔ صاحب نزہۃ النظر ان کے حالات میں تقریر کرتے ہیں۔

قرآب دمشق علی شیخ الاسلام تقی الدین	دشن میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ حرانی
بن تیمیۃ الحرانی و برہان الدین برکات	اور برہان الدین برکات و جمال الدین مرزی و
وجہ الدین المرزی و شمس الدین	شمس الدین زمینی و غیرہ علماء سے تعظیم پائی
الذہبی و علی غیریہ من العلماء ثم	پھر ہندوستان آئے اور محمد شاہ تغلق کے مقربین
قدم العهد و تقرب الی محمد شاہ تغلق	میں داخل ہوئے، بادشاہ نے ان کے ساتھ
فاحسن الیہ و اکرمہ ثم	حسن سلوک کیا اور بڑی عزت کی۔

مشہور ریاح ابن بطوطہ کے حوالے مؤلف نے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ مولانا عبدالعزیز اودھلی نے محمد خلق کو ایک دن چند حدیثیں سنائیں، جو بادشاہ کو بے حد پسند آئیں، بہت خوش ہوا۔

وقبل قدیمی الفقیہ و ائمران یونی  
ان کے دونوں قدموں کو بادشاہ نے بوسہ دیا اور  
بصینہ ذہب فیہا العن تنک  
حکم دیا کہ سونے کی سیئی میں ہزار تنکہ (اس زمانہ کا  
فصبہا علیہ بیدہ وقال ہی لک  
تکون کو توبہ پہنچا رکھیا، اور کہا کہ یہ تنکے حج  
مع الصینہ لے  
سیئی آپ کے ہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جب مولانا شمس الدین ترک جیسے مجاہد الحال حدیث کی دلیپی سے ہندوستان میں علم حدیث کی برپائی پر انداز لایا گیا ہے، تو ابن بطوطہ کی عینی شہادت سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ جس ملک میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ذہبی، علامہ مزی کا شاگرد کئے، اور قیام کرے، اُس کی ایسی زیر دست پذیرائی اور قدر دانی ہو، جہاں اس ملک میں علم حدیث کا چرچا نہ ہوا ہوگا؟

مجھے اس کا انکار نہیں کہ اس ملک میں درہ خیر سے آئے والے علماء نے عام طور پر معقولات اور فقہ و تصوف کو رواج دیا، اور اس ملک کے نصیب تعلیم میں یہ فنون حاوی رہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہندوستان علم حدیث اور اُس کے خدام سے بالکل خالی تھا بلکہ تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں نہیں یہ بھی ملتا ہے کہ مسلمانوں کی آمد کے بعد سے اس ملک میں حدیث کے خدام کی ایک جماعت نظر آتی ہے، بالخصوص گجرات و جنوبی ہند میں ان کی تعداد نمایاں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سرزمین ہند پر اسلام کی کرنیں قرن اول ہی میں پہنچ چکی تھیں، مگر سنیہ کے بعد جو قطب الدین ایک کا عہد ہے، باقاعدہ اسلام نے اس ملک کو اپنا وطن بنایا، ایسی صورت حال میں کیا یہ ملک امام بخاری، امام مسلم، اور امام مالک جیسے محدثین کی طرح علم حدیث کی تدوین میں حصہ لیتا، اور فی اسماء الرجال و فنون حدیث کو مرتب کرتا؟ — یہ تو انھیں بزرگوں کا حصہ تھا، خیال کرنے کی بات ہے، کہ بحر ان ملکوں کے جہاں اسلام پہلی صدی ہجری میں پہنچا، دوسرے وہ ممالک

جہاں اسلام صدیوں کے بعد پورے طور پر پہنچا ہو، اُن کو تہذیبِ حدیث میں حصہ لینے کا کیا موقع تھا۔ یہ ناگزیر تھا کہ انہیں خوش نصیب ملکوں کے لیے مقدر تھی جہاں اسلام پہلی صدی میں پہنچ گیا۔ اس لیے اُس زمانہ میں انشاء اللہ تفصیل سے بتایا جائے گا کہ مسلمانوں کی آمد کے بعد سے بتدریج اس ملک میں علمِ حدیث کا رواج بڑھتا رہا، اور دسویں صدی تک بھی ہر علاقہ میں محدثینِ کرام کی ایک بڑی جماعت نظر آتی ہے۔ اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کو پیشِ نظر رکھنے کے علاوہ اپنے استاد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدنیو ضمیمہ کی ایک قلمی کتاب سے بھی جس میں اس موضوع پر بہت کچھ جمع کیا گیا ہے استفادہ کروں گا۔

## نشان منزل خاص نبر

(مرتبہ - ضمیمہ - خانِ تہذیب و تمدن اسلامیہ یونیورسٹی لیبیا)  
دارالعلوم تاج الاسلام بعد بنو ہلال کی مدد و ہمدردی کے گنجِ نشان منزل کے زیرِ نگرانی حضرت تاج محمد تقی صاحب مجددِ حق کی یاد میں اس خاص نمبر کا اراگست ۱۳۹۰ء کو شائع کیا ہے۔ دو اک سے نکلنے والے رسائل و رسائل کے لیے کافی آڈر ارسال کریں۔ جبری نکلنا نہیں تو ایک - پینے پر ہر ہفت روزہ کے لیے۔  
فیجبر نشان منزل دارالعلوم تاج الاسلام



# پھول کی طرح تروتازہ

اگر چل دی امراض یا فسادِ خون کی  
شکایت ہو تو چہرہ پر مژدہ نظر آئے

## خون صاف

جس سے پھنسی غارش اور زادت سے نجات دے  
جسم اور چہرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھنے

دواخانہ طبیکالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

## مُحِبِّینِ اِفْتِسَانِ

گزشتہ مہینے کی اشاعت میں 'اپنے پاکستانی خیرداروں سے خطاب کرتے ہوئے جو ایک صفحہ لکھا گیا تھا' وہ شاید آپ کی نظر سے بھی گزرا ہو۔ اس میں علامہ اور باتوں کے اس نئی صورت حال کا تذکرہ تھا کہ پاکستان کے لیے ہمارا وہ انتظام چھ سات ماہ سے معطل ہو گیا ہے جس کے ذریعہ دہاں کے خیرداروں سے چنہ بروقت وصول ہو کر ایک مقام پر محفوظ ہو جاتا تھا۔ اس انتظام کے عادی خیرداروں میں سے بہت کم حضرات ایسے ہیں جو ان خود اپنا چندہ بروقت بھیجیں یا ہمیں اطلاع ہی دے دیں کہ چندہ جمع کر دیا جائے گا رسالہ آپ جاری رکھیے۔ اس صورت حال میں اگر یہ ہو گیا ہے کہ ایک دو یا دو دہائیوں کے بعد بھی جن حضرات کی طرف سے تحریک سے آپ کا نام خیرداروں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے اور اس کا مطلب ہے الفتستان کے خیرداروں کی تعداد میں ہر مہینے اچھی خاصی کمی۔ یہ صورت الفتستان جیسے کسی پرچے کے لیے زیادہ قابل برداشت نہیں ہو سکتی اس لیے ضروری ہے کہ اس خسارہ کی تلافی جلد از جلد ہو۔ نہ لگے الفتستان کے جو محبین اسے برابر نکلتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ خصوصیت قرار دے کر محنت پائی کا وقت ہے اور اس کی سبک اچھی صورت یہ ہے کہ جس محب کی قدرت میں چھینے سے خیرداروں کی فراہمی ہو وہ اتنے خیردار قریب ترین وقت میں الفتستان کو فراہم کرنے زحمت اٹھائیں۔

افتستان کو جب کبھی مشکلات پیش آئی ہیں وہ اسی طرح حل ہوئی ہیں۔ اُسید ہے کہ اس بار بھی یہ توقع پوری ہوگی۔ والسلام

غنیق الرحمن بنغلی

# نئی مطبوعات

**تذکرۃ انجیل** (صدر ایڈیشن) | مؤلفہ حضرت مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی مع اضافہ و اصلاحات از حضرت مولانا  
محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور  
مجلد - صفحات ۴۹۰، سائز ۱۸ x ۲۲، قیمت ۹/۵۰  
ناشر: کتب خانہ اشاعت معلوم - محلہ مفتی - سہارن پور - (دہلی)

شیخ المشائخ حضرت مولانا انجیل احمد صاحب انیسویں رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۹ھ تا ۱۳۸۶ھ) بزرگان دیوبند میں ایک ممتاز قریبہ کے مالک ہیں علم دین (بالخصوص علم حدیث) تقویٰ و طہارت، تصوف و سلوک، اتباع سلف اور عملی بزمیت کے وہ تمام اوصاف آپ کی زندگی میں نمایاں ہوئے اور ان کا امتیاز ہے۔ حضرت مولانا محمد عاشق الہی صاحب میرٹھی مصنف تذکرۃ الرشید دیرمیں آپ سے فیض ایا ہوئے والے معروف بزرگوں میں ہیں اپنے شیخ کا تذکرہ آپ نے نہایت شرح و بسط اور بڑی تفصیلات کے ساتھ لکھا تھا جو اب دوسری بار حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی نظر ثانی کے بعد کتب خانہ اشاعت معلوم سہارنپور سے شائع کیا ہے جو کوئی شبہ نہیں کہ نہایت سبق آموز اور ایمان افروز واقعات پر مشتمل ہے مصنف خود صاحب نظر عالم تھے اس لیے مجرد واقعات اور حالات کا بیان نہیں ہو بلکہ ان سے نہایت مفید نتائج اور انکی درجہ کے نکات بھی نکال کر وہ قارئین کے سامنے رکھتے چلے جاتے ہیں۔

کتب خانہ اشاعت معلوم نے اس مبارک تذکرہ کو دوبارہ شائع کر کے ایک اچھی خدمت انجام دی جو کہیں اور بھی اچھا ہوتا کہ اس میں ذیلی عنوانات کی جو کمی ہوئے پورا کرنے کا اہتمام بھی کر لیا جاتا۔ اس بارے میں صاحب کی یہ کتاب جو بڑی کٹھنی ہوئی کتابت کے ساتھ ہے اس میں فہرست و فہرست کے نام سے صرف ایک صفحہ آئی کہ وہ اندازہ ہی نہیں کہ اس کتاب میں کیا کچھ ہے۔ مولفہ کا بھی مختصر تذکرہ شروع میں آجنا اس (دوسرے ایڈیشن میں) ضروری تھا جو وہ حالات میں تو یہ بھی نہیں ظاہر ہوتا کہ کتاب انھوں نے کب لکھی اور کب تک بقید حیات رہی اگر میر ایڈیشن چھاپنے کا موقع ناشر کو ملے تو ان باتوں کا خیال ہماری نظر میں بھی ضروری ہو۔

ہمارے محترم ناشر کی خواہش تھی کہ کتاب پر تبصرہ جلد ہی ہی ہو جائے اس لیے کتاب کو پوری طرح دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا وہ

اس کے تعارف میں حسب عادت تعارفی کمی تھی تفصیل شاید اور ہو۔



## ضرورت ہے

ہندوستان بھر میں میٹرک یا اس سے زیادہ قابلیت والے  
ٹرنینگ کے خواہش مندوں کی

برائے ایٹمی ویزن، ٹیپ ریکارڈ، ریڈیو اینڈ ٹرانزسٹرٹیکنالوجی

یہ ادارہ ایک عظیم الشان عمارت میں قائم ہو اور وسیع ترین لیبارٹری کے ساتھ نہایت تجربہ کار و ماہر اسٹاف پیش ہے۔



انسٹی ٹیوٹ اور فیکلٹی کا منتظر

انسٹی ٹیوٹ کے کالج میں ایمر اسلامی کورس کے ذریعہ پندرہ مہینے کی ٹرنینگ کے ساتھ فیکلٹی میں چھ مہینے  
کی بھرپور عملی ٹرنینگ کے بعد امیدواروں کو ان کے اپنے ہی شہر یا ریاست میں... ۵ سے لیکر... ۱۰ روپے تک کارڈ گارنٹنٹاگو  
ریڈیو کارپوریشن کی طرف سے مہیا کیا جائے گا۔ روزگار کا ضمانت نامہ بھی جاری کیا جائے گا۔

جدید سامان زندگی سے آراستہ عمارتوں میں قیام و طعام کا انتظام ہو۔ فیکلٹی اور لیبارٹری میں بھرپور عملی ٹرنینگ پر خصوصی  
توجہ دی جاتی ہو تاکہ کم سے کم ضروری عرصہ میں الیکٹرانک انجینئرنگ کے پورے ماہر تیار کیے جاسکیں۔

لاکھوں کے لیے مصلوہ رہائش اور کھجک کا انتظام کیا گیا ہو۔ ایسے لاکھوں کے واسطے بھی الیکٹرانک انجینئرنگ کے میدان میں کیریئر  
جملانے کا سنہری موقع ہو۔ محض پراپکٹس کیلئے دو روپے یا بیڑی آڈیو یا ویڈیو ٹیکنیکل ڈاکٹر کے نام آنے چاہئیں۔

شکاگو انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (جسٹریٹ)

۷۰، گرین پارک، نئی دہلی ۱۶



تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ رائے بریلوی  
 از قلم: محمد احسن  
 ایڈیٹر: "البعث الاسلامی"  
 مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے تصدیق اور مقدمہ کے ساتھ  
 حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی کے حوالہ اعلیٰ اور شہید عالمگیری کے متنازعہ تصدیق اور عارفانہ حضرت شاہ علم اللہ احسن  
 رائے بریلوی کے صفات و کمالات اور اخلاق عالیہ کا پرانہ اور ایمان افزہ تذکرہ اور ان کے بالکالی فرزندوں اور خلفائے  
 محققہ حالات زندگی، ایک عظیم شخصیت کا تعارف جو ابھی تک پردہ گہرائی میں ہے۔۔۔ نیت  
 ناشر: مکتبہ اسلام، ۳۷، گوین رُڈ، لکھنؤ (دہلی) ۷۰۰

BOMBAY, ANDHRA, TRANSPORT, Co.

TRANSPORT CONTRACTORS

113, BHANDARI STREET (CHAKLA)

BOMBAY - 3

منہ دیکھانے میں جھجک کیوں؟

کیا چہرے کے مہاسوں، پٹھنوں اور جلدی تکلیفوں کی وجہ سے؟



صافی

خون صاف کرنے کی

قدرتی دوا

تدرد

تب آپ یہ پڑھیے:

مہاسے، پٹھیاں اور دوسری جلدی تکلیفیں خون کی  
 خرابی کے سبب پیدا ہوتی ہیں، اس قسم کی جلدی  
 تکلیفوں سے چھٹکارا پانے کے لیے خون صاف  
 کرنے والی مشہور دوا صافی استعمال کیجیے۔  
 صافی میں آزمودہ جڑی بوٹیوں کے ایک مرکب شامل ہیں  
 یہ تیزی سے اثر کرتی ہے، آنتوں اور گردوں کے خراب  
 مادہ کو جسم سے باہر نکالتی ہے۔

# قرآن آپ کی کیا کہتا ہے؟

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تفسیر مہربانی ساریت کے لئے آپ حیات ہے۔  
لیکن ہماری دنیا اس سے نا آشنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو کلامِ آسمانی سمجھنے والی  
ہمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے۔

## (یہ کتاب)

اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

- یہ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- جس میں سائنس کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت خوبصورت اور دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔
- خاص طور پر قرآن کی دعوت و توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
- بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے جو قرآن کی سمجھ سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجاز بیان کا بھی لذت بخش کرتی ہے۔
- قرآن اعلیٰ کتابِ ہدایت، عمدہ کلام، جامعہ معارف، مجلہ معارف و اُدب، جلد ۱۰، صفحہ ۱۰۷

## کے تخیل و فتنہ لکھنؤ

Regd No. L-353

# Monthly 'ALFURQAN' Lucknow.

VOL 38 NO. 6

SEPTEMBER 1970

**ROLEX**

**Ω  
OMEGA**

**WEST END**

**CITIZEN**

**SARGENT**

**FAVRE-LEUBA**

**ROAMER**

روس

اویگا

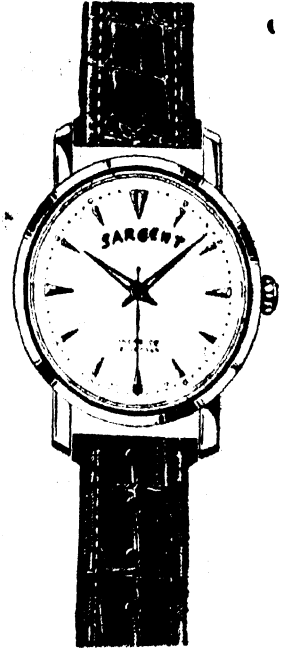
ایسٹ

سیزن

سار

فیولوبا

رومر



مکتہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ میں

محج و زیارت کے لئے جب خدا  
آپ کو لائے اور گھڑی کی ضرورت

موسم ہفتہ پاک محل کے  
کسی بھی شوروم میں تشریف لا کر ہم

قسم کی گھڑیاں بننے ڈیزائنوں

میں بارہا حایت خرید فرمائیں۔ اپنے آئیوالے دوست احباب کو پتہ نوٹ کروادیں

**پاک محل - الشہ مکتہ المکرمہ**

# الفستان

مكتبة

عتيق الرحمن بن سبغاتي

پشکو ان کے  
عصمہ تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میں برائے  
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل  
۲۰۱ ۱۳۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰

عصمہ وناستی  
۲۰۱ ۱۳۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰

ستول۔ پتل کا تیل  
۲۰۱ ۱۳۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰

۱۱ بمانہ خالص ناریں کا تیل  
۲۰۱ ۱۳۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰

کو کو جہا

صاف کیا ہوا ناریں کا تیل  
۲۰۱ ۱۳۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰

امی کا تیل

۲۰۱ ۱۳۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰ ۵۰

عصمہ سرہندی

سَاَلَانَهٗ چَنَدَهٗ

ہندستان سے ..... ۸/-

پاکستان سے ..... ۸/۵۰

ضمائم ۵۶ صفحات

قیمت

فی کاپی ..... ۴۵/- پیسے

# لفستان

لکھنؤ

سَاَلَانَهٗ چَنَدَهٗ

غیر مالک سے

۱۵ اشنگ

ہوائی ڈاک کے لیے مزید

محصولہ ڈاک کا اضافہ

جلد (۳۸) بابت ماہ رجب ۱۳۹۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۰ء شمارہ (۷)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولیں	عتیق الرحمن سنہلی	۲
۲	دُنیا ڈیڑھ ہزار سال پہلے	مولانا عبد السلام قدوائی	۵
۳	اسلام میں مکمل انارک کی دریافت!	عتیق الرحمن سنہلی	۱۷
۴	میری طالب علمی	مولانا محمد منظور نعمانی	۴۱
۵	غلطیاں اور استدراکات	مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی	۵۲
۶	نئی مطبوعات	ع۔س	۵۸

## اگر اس اترہ میں سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ اکتوبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ دی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ اسپرٹین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں ہمیں براہ راست اسکی اطلاع بھی دیں۔ انہیں دی پی انہیں جاسکے گا لہذا ۲۸ اکتوبر تک چندہ کی اطلاع نہ ملنے کی صورت میں ہم مجبور ہوں گے کہ رسالہ بھیجنا بند کر دیں۔

غیر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کو پُر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے جو تپہ کی چٹ پر لکھا رہتا ہو۔

تالیف اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہو۔ اگر تالیف تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ۲۸ تالیف تک آجانی چاہئے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

## دفتر لفتان، پچھری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پرنٹر نے تیز پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان، پچھری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## نگاہِ اولیں

از ————— عتیق الرحمن سنہلی

پروفیسر مجیب (جامعہ قیہ) کے ایک مقالے کا جائزہ جو گزشتہ اشاعت سے شروع ہوا تھا، زیر نظر اشاعت میں اس کی دوسری اور آخری قسط لکھی ہے۔ اسی سلسلے میں ایک بات یہاں بھی کہنا ہے اور اس کے مخاطب خاص طور سے ہندوستان کے علماء اور طالبانِ علم دین ہیں۔

مجیب صاحب کے مقالے کے مقصدی نکات میں دلائل کے لحاظ سے کوئی وزن نہیں، ایک عام صاحبِ انش کے مقام سے بھی وہ فروتر ہیں اور قرآنِ پاک کی دعوت سے ایک فی الجملہ باخبر آدمی بھی انھیں حیرت انگیز اور ہلکا خیز کے سوا کچھ نہیں قرار دے سکتا۔ مگر جو چیز اس طرح کی "اصلاحی" تجاویز کا محرک ہوتی ہے یا موقع فراہم کرتی ہو، مجیب صاحب کا یہ مقالہ اس کی پوری نشانہ دہی کر رہا ہو۔ اور وہ یقیناً اس کی مستحق ہے کہ پوری تنقید کی کے ساتھ اس کی طرف توجہ کی جائے، درنہ جب تک یہ چیز باقی رہے گی، ہمارے اس طرح کے جائزے اور جوابات اس خطرے کا سد باب نہیں کر سکتے جو "اصلاحی" تجاویز کی صورت میں ایک عرصے سے ملت اسلامیہ کے سر پر لٹا رہا ہے اور ہر آئندہ دن میں وہ اپنے لیے زمین کو زیادہ سا زکا رہی پاتا ہے۔

وہ چیز خواہ ہمارے لیے کسی ہی تلخ ہو، علماء کا فکری جمود اور عصری مسائل کے بارے میں اُن کا فرار اور گریز والا رویہ ہو۔ زیادہ تفصیل کا یہ موقع نہیں، مثال کے طور پر صرف مسلم پرسنل لا کے مسئلے کو سامنے رکھ لیا جائے، صحیح یا غلط اور جہان تک ہم سمجھتے ہیں صحیح، یہ تاثر بن چکا ہے کہ پرسنل لا کے معاملات میں فی الجملہ ثانوی رد و بدل کی ضرورت علماء کو تسلیم ہو چکی ہے اور کمیٹیاں اس پہلو سے معاملات کا جائزہ لینے کے لیے بنائی جاتی ہیں لیکن پھر مثال مسئلے کے سوا یہ کوئی دوسرا تاثر نہیں پیدا کرتی۔ اب تک کتنی ہی ایسی کارروائیاں ہو چکی ہیں، لیکن لوگ یہ طہیزان چٹائیے کر لیتے ہیں، محروم ہیں کہ علماء اور ناسخگان دین کا کوئی بھی حلقہ کسی نتیجہ پر پہنچ گیا۔

نہ حالات میں گنجائش ہے کہ اس طرح لیت و لعل سے کام لیا جائے اور نہ علماء کی ذمہ داری اس کی اجازت

دی ہو۔ اگر انک کے سوچ بچانے اس نتیجہ پر پہنچا یا ہو کہ معاملات جو ان کے توں رہنے چاہئیں، تو اسے صاف طور سے کہہ کر یہ تاثر ختم کیا جانا چاہیے کہ ضرورت کے تو علماء بھی قائل ہیں مگر رہنمائی سے عاجز ہیں اور اس کے ساتھ دلائل سے اپنے موقف پر لوگوں کو مطمئن کرنا چاہیے۔ یہ نہیں ہو، تو جو کچھ بھی عند اقتدار و رضا الناس اپنی ذمہ داریاں دیکھتے ہوئے سمجھ میں آتا ہے اسے حتمی اور قطعی انداز میں نہ بھی ایک رائے کے طور پر بہر حال ان لوگوں کو پیش کر دینا چاہیے جو اس معاملے میں کچھ بتانے دینے کی ذمہ داری نہ نمایاں طور پر اٹھ چکے ہیں، نہ یہ کیا جلتے نہ وہ کیا جائے تو پھر اس کا نتیجہ عجیب صاحب کے عیسے مقالے ہی ہوں گے۔ اور یہ اپنے تمام بے تکلف پن کے باوجود بہر حال اپنا حلقہ اثر بنائیں گے۔ کَاذِبُ الْعُقْرَانِ یُکُونُ کُفْرًا (حدیث نبویؐ) کی روشنی میں ایسے تمام واقعات اور امکانات ایک نظری پہلو رکھتے ہیں۔

عجیب صاحب کے مقالے کا ایک بڑا حصہ ملکا کہ الفاظ کریمہ کی کشش پر مشتمل ہے، ہم نے اس پر بحث کر لے لی کچھ زیادہ ضرورت نہیں سمجھی۔ اس لالہ کے لحاظ سے یہ کسی اتنا ہی ہے وقعت ہے جتنے ان کے دوسرے مقصدی مباحث، تاویخ کو بھی انھوں نے کافی غلط رنگ میں پیش کیا ہو، گوان کا یہ لازم نہیں در اگر ان نہیں گوارا ہو، مگر جوئی طور پر علماء اجتماعیات میں اپنا وہ کردار ادا نہیں کر سکتے ہیں، جو ان کے دعوے کی رو سے ان کا منصب ہے۔ علماء کے حق اور دین میں ان کے مقام کا دفاع تو سین دین اور حق کی حفاظت کا تقاضا ہے۔ گوان پر کی جانے والی کوئی گرفت سچی ہو تو وہ کسی کے بھی منہ سے نکلے اس پر براہ فرشتگی حق پرستی نہیں ہو اور نہ (بہاری ناقص رائے میں) کوئی صحیح مصلحت اندیشی، عجیب صاحب کے اس مفت الذہن کے اس جز کو تسلیم کیا جانا چاہیے، اور نہ یہ مصلحت اندیشی جس سے وارٹن کی اب دور دور تک امید نہیں ہو ہمیں کھا جائے گی، علما کا یہ بڑا بڑا رویہ ایک صاف حقیقت ہو جسے مصلحت اندیشی کے چکر میں ڈھکے ڈھبنے کی کوششیں نتیجہ کے اعتبار سے اسے بڑا حادو دینے کی ایک کارروائی کے سوا اور کچھ نہیں ہو۔ ہمارے بزرگ ہمیں معاف کریں کچھ مثالیں خود ہمارے سامنے ہیں جو غرض سے سوان و دوزخ بنی ہوئی ہیں۔ اسے دواہ قبل اگت کے الفرقان کا ادارہ لکھ کر ایک معنی میں اسی دائرے کی ایک مثال کو ہم نے چھڑا تھا۔

پانچ چھ سال قبل جب مسلم پرسنل لا بورڈ اپنی پارلیمنٹ کی دخل اندازی کا مسئلہ پہلی بار زور و شور سے اٹھا تو لکھنؤ میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے نام سے ملک کے چبیدہ اور مختلف حلقوں کے نمائندہ علما کی ایک متفصل مجلس خاص اسی مسئلہ کی تحریک سے وجود میں آئی۔ لیکن سب سے پہلا جو کام اس مجلس نے پہلی ہی نشست میں کیا وہ یہ تھا کہ اس مسئلہ کو کسی دوسرے مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھا جائے اور آغاز کار ایک دوسرے مسئلے سے ہو لیکن وہ مناسب وقت تو آج تک نہ آیا جس میں پرسنل لا کا مسئلہ زیر غور آتا۔ اور دوسرا مسئلہ (انٹرونس کا) جو ہمارے

پانچ چھ سال قبل جب مسلم پرسنل لا بورڈ اپنی پارلیمنٹ کی دخل اندازی کا مسئلہ پہلی بار زور و شور سے اٹھا تو لکھنؤ میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے نام سے ملک کے چبیدہ اور مختلف حلقوں کے نمائندہ علما کی ایک متفصل مجلس خاص اسی مسئلہ کی تحریک سے وجود میں آئی۔ لیکن سب سے پہلا جو کام اس مجلس نے پہلی ہی نشست میں کیا وہ یہ تھا کہ اس مسئلہ کو کسی دوسرے مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھا جائے اور آغاز کار ایک دوسرے مسئلے سے ہو لیکن وہ مناسب وقت تو آج تک نہ آیا جس میں پرسنل لا کا مسئلہ زیر غور آتا۔ اور دوسرا مسئلہ (انٹرونس کا) جو ہمارے



لیا گیا تھا، اس کے بارے میں جو رہنمائی اس مجلس نے کافی غور و خوض کے بعد دی، وہ مسئلہ کا منہ چھو لینے کے علاوہ اور کسی معنی میں رہنمائی نہیں تھی۔ اور غالباً اس پہلی کوشش ہی کا شعوری یا غیر شعوری اثر تھا کہ مجلس مغل ہو نا شروع ہو گئی۔ اور آج دلائل العلوم ندوۃ العلماء میں ایک چھوٹے سے بورڈ اور مختصر کمرے کے سوا، علماً اس کا کوئی وجود نہیں رہ گیا ہے۔

کیا نتیجہ ان باتوں کا ہوگا؟ کیا یہ محب صاحب یا ان سے زیادہ دانشمند اور سلیقہ مند لوگوں کے لیے اس بات کی دعوت نہیں ہو کہ وہ اس خانہ خالی میں انرا رنگ آجائیں؟۔  
ہم اپنے بزرگوں سے نہایت ادب کے ساتھ ایک بار پھر کہتے ہیں کہ ہمارے حسیوں کی یہ جائزہ نگاری قطعاً بے کار ہو اگر ہم یہ کہنے کے قابل نہ ہو سکیں کہ علما کی نشینری اپنا کام ٹھیک طور سے کر رہی ہے۔

جامعہ ملیہ کا ذکر آ رہا ہے تو ایک ضروری بات اس کے سلسلے میں کہہ دینے کا بھی اچھا موقع ہو۔ جامعہ کی آبادی اپنی مسجد سے محروم ہو کر تعمیرات میں اس کا منصوبہ کافی پرانا ہو کر گذشتہ سال ارباب جامعہ نے اس مسجد کی تعمیر کا عزم کیا اور اپیل کی کہ ہندوستان کے مسلمان اس ضرورت کے لیے مجوزہ رقم فراہم کریں تعمیر کے رسالہ جامعہ سے معلوم ہوا کہ اس اپیل پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس اپیل کو بار آور کرنے کے سلسلے میں جو جدوجہد اہل جامعہ کو کرنا چاہیے تھی وہ کس حد تک کی گئی، لیکن اگر اپیل کے کارگر نہ ہونے میں صاحب استطاعت مسلمانوں کی سرمدھری کو دخل ہو تو ہمارے خیال میں ان کا یہ رویہ نظر ثانی کا محتاج ہو۔ جامعہ کی مسجد بہر حال تعمیر مونی چلائیے۔ خدا کے فضل سے وہاں نماز پڑھنے والے اس تعداد میں موجود ہیں کہ مسجد کی تعمیر ہاں کوئی کارعبت نہیں ہوگی ہم جس پہلو سے بھی سوچتے ہیں مسجد کی تعمیر وہاں ضروری ہی نظر آتی ہے۔

مذکورہ حضرت سید شاہ علم الشرائع بریلویؒ

از قلم: محمد اسلمی  
ایڈیٹر "البعث الاسلامی"

مولانا سید ابوالحسن ندوی کے بصیرت افزوں مقدمہ کے ساتھ

حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی کے جہد اعلیٰ اور عہد عالمگیری کے ممتاز شیخ وقت اور عارف الشریعہ حضرت شاہ علم الشریعہؒ رائے بریلوی کے صفات و کمالات اور اخلاق عالیہ کا پرائز ایمان افزوں تذکرہ اور ان کے بالکل فرزندوں اور خلفاء کے حالات زندگی۔ ایک عظیم شخصیت کا قیادت جو ابھی تک پردہ گنہامی میں ہو۔

اعلیٰ کتابت و طباعت، مجلہ سہ گزشتہ قیمت ۱۰/۴ چار روپیہ

ناشر: مکتبہ اسلام، ۳، گوئن روڈ لکھنؤ (بریلوینی)

# دنیا دیر ہزار سال پہلے

مَوْلَانَا عَبْدُ السَّلَامُ قَدَوَاعِي جَامِعَهُ مِلّیہ دہلی

— ( ۲ ) —

ایرانی تارخ میں نوشیروان کے عدل و انصاف کا بڑا شہرہ جو لیکن جہم میں منجین ٹھکانے اور کھال کھینچوانے کے واقعات اس کے ہاتھوں بھی ہوئے۔ اس زمانہ میں ہی وحشیانہ سکیا بے رحمیاں اور زیر دستوں پر امرا کی تعذیباں جاری تھیں۔ بادشاہ کو خدائی کا قریب حاصل تھا اور بارہا میں ہر شخص کو بادشاہ کو سجدہ کرنا پڑتا تھا اور جب اُسے مخاطب کرنا ہوتا تو آپ خدا ہی کہہ کر خطاب کرنا ضروری تھا۔

نوشیروان اپنا ذکر ان القاب سے کرتا تھا۔ ”وجود ربانی“ زبردستوں کا زبردست، خداؤں

کا ہمشکل۔

کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ بادشاہ کی رائے سے اختلاف کر سکے۔ ذرا سا اختلاف بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مرادف تھا۔ اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

اپنے عہد حکومت میں اس نے زمین کا نیا بندوبست کر لیا تھا۔ جب کام ختم ہو گیا تو اس نے ”ایک کوفل منعقد کی اور دبیر خزان کو حکم دیا کہ لگان کی نئی شہر میں باداؤ بلند پڑھ کر سنائے۔ بب وہ پڑھ چکا تو خسرو (نوشیروان) نے حاشرین سے دو دفعہ پوچھا کہ کوئی اعتراض تو نہیں ہو۔ سب

نے قیسم جٹین کے نام نوشیروان نے جو خط لکھا تو اس میں اپنے بہت سے القاب کے ساتھ مذکورہ بالا الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ ملاحظہ ہوتا۔ تارخ ایران ص ۲۲۸۔

چُپ رہو۔ جب بادشاہ نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور تعظیم کے ساتھ پوچھنے لگا کہ آیا بادشاہ کا یہ منشاء ہوگا کہ ناپائیدار چیزوں پر دائمی ٹیکے لگائے جو بھر در زمانہ نافرمانی پر منتہی ہوگا۔ اس پر بادشاہ للکار کر بولا کہ اے مرد ملعون دگستاخ! تو کن لوگوں میں سے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں دیہروں میں سے ہوں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو ظمدانوں سے پیٹ پیٹ کر مار ڈالو۔ اس پر ہر ایک دیہر نے اس کو اپنے اپنے قلمدان سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بیچارہ مر گیا۔ اس کے بعد سب نے کہا 'اے بادشاہ! جتنے میس آپ نے ہم پر لگائے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ سب انصاف پر مبنی ہیں۔ بقول رومن مورخ "کوپرد کو پیوس" اسے اس بات میں کمال حاصل تھا کہ جو بات وجود میں نہ تھی اسے بیان کرے اور جو وجود رکھتی ہو اسے چھپائے اور اپنے مظالم کی ذمہ داری مظالمیوں پر ڈال دے۔ طاقتور کمزور، دل کو دباتے تھے اور ان کے ساتھ بہت ظلم اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے۔ ذات پات کی تمیز سند سے بڑھی ہوئی تھی۔ سوراٹھٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابل عبور فاصلہ تھا۔ نیچے طبقہ کے لوگ نہایت خستہ حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ نوشیہ وال کی مالی اصلاحات میں رعایا کی نسبت خزانے کے منافع کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا تھا۔ گوکہ ادب و تہذیب کی ترقی ہوئی تھی لیکن عوام ان اس بدستور عسرت و بھارت کی زندگی گزار رہے تھے۔

اس زمانے کی حالت کا صحیح نقشہ نوشیہ وال کے معاصر ایرانی مفکر اور حکیم بزرگہ نے حسب ذیل الفاظ میں کھینچا ہے۔

”ہمارا زمانہ جو کہ نہ سال اور از کا رفتہ ہو چکا ہو اگرچہ ایک روشن پہلو رکھتا ہے تاہم حقیقت میں وہ بھرتا ایک ہو، اگرچہ خدا نے بادشاہ کو اقبال مندی اور کامیابی بخشی جو اور بادشاہ خود بھی مال اندیش، توانا، عالی ہمت، متجسس، عاقل، رحم دل، فیاض، صداقت پسند، دانا، ذی فہم، فرض شناس، جفاکش، عاقل، امداد کرنے کو ہر وقت آمادہ، حلیم، لطیف، معقول پسند، مہربان، ہمدرد، واقف کار، علم دوست، نیکی اور نیکیوں کو پسند کرنے والا، ظالموں پر سختی کرنے والا، بے خوف، اٹل ارادے والا، رعایا کی مرادوں کو بر لانے

والا اور اس کی تکالیف کو دور کرنے والا ہو لیکن باوجود اس کے ہمارا زمانہ ہر پہلو سے رد و تنزیل  
ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے صداقت سے ہاتھ اٹھالیا ہے جو چیز مفید ہو وہ موجود نہیں  
ہو اور جو وجود ہو وہ مضر ہو جو چیز اچھی ہو وہ مہربانی ہوئی ہو اور جو بری ہو وہ سرسبز ہو اور غ  
کو فروغ ہو اور نیکی بے رفق ہو۔ علم پستی کے درجہ میں ہو اور بے عقلی کا درجہ بلند ہو۔ بدی کا بول بالا  
ہو اور شرافت نفس پال ہو۔ محبت متروک ہو اور نفرت مقبول ہو۔ فیض و کرم کا دروازہ بند ہو  
پر بند ہو اور شریروں پر کھلا ہو۔ غدا ہی پیدا ہو اور دنا خواہید ہو۔ دروغ شمر ہو اور راستی  
بے ثمر ہو۔ حق مغلوب ہو اور باطل غالب ہو۔ سکام کا فرض صرف عیاشی کی مانند اور قانون کو توڑنا  
ہو۔ مظلوم اپنی ذلیل پر قانع ہو اور ظالم کو اپنے ظلم پر فخر ہو۔ حرص اپنا منہ کھولے ہوئے  
ہے اور درد مند دیک کی ہر چیز کو نگل رہی ہو۔ قناعت ناپید ہو۔ شریروں کا سرعش پر ہو  
اور نیک قعر مذلت میں ہو۔ شرافت قلب بلندی سے پستی میں آگئی ہو اور ذنات کو عزت  
و طاقت نصیب ہو۔ تسلط لائقوں سے نالائقوں کی طرف منتقل ہو گیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا  
ہو کہ دنیا مسرت کے نئے میں یہ کہہ ہی ہو کہ میں نے نیکی کو مقفل اور بدی کو باز کر دیا ہے۔

۹۹ھ میں نوشیرواں کا انتقال ہوا، اس کے بعد حالات اور خراب ہوتے گئے، اس کا  
بیٹا ہرگز چہارم کے نام سے تخت نشین ہوا لیکن اس سے امراء، پیشوایان مذہب اور شرفاء و قوم ارا  
تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال کی مختصر بادشاہی کے بعد ۹۹ھ میں معزول ہوا اور چند دن بعد قتل  
کر دیا گیا، اس کی جگہ خسرو دوم تخت پر بٹھایا گیا لیکن بیرونی لڑائیوں، اندرونی بغاظیبوں اور خانہ جنگیوں کا  
سلسلہ برابر جاری رہا، اور ملک کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ خسرو دوم کے خلاف شروع  
میں بڑی بغاوت ہوئی جس کے نتیجے میں اسے تخت و تاج سے ہاتھ دھونا پڑا لیکن پھر قیصر دوم ماریس  
(MAURICE) کی مدد سے دوبارہ ایران پر قابض ہوا۔ اور ایک طویل زمانہ (۶۲۸ء) تک بادشا  
کتا رہا۔ لیکن رعایا کی حالت میں کوئی ترقی نہ ہوئی اور ہوتی بھی کینہ نگر؟ نہ بادشاہ کو اس کی فکر تھی نہ امراء  
کو۔ خسرو دوم انتہائی درجہ کا خود پسند اور تکبر تھا۔ وہ بڑا حریص تھا لوگوں کی جائیداد و مال پر حرص

کرتا تھا۔ اس کے افسر خراج کے وصول کرنے میں بڑی سختی کرتے تھے۔ اور جبر و تعدی کے ساتھ لوگوں کے مال چھین لیا کرتے تھے۔ خسرو کی طبیعت کی نمایاں ترین خصوصیت حرص و زبردستی تھی۔ اس نے ہر ممکن طریقہ سے بے اندازہ دولت جمع کی اور اسے رفاه عام کے کاموں سے بچا کر اپنے خزانوں میں بھرا، وہ اس قدر کینہ پروردار و بدگمان تھا کہ جو لوگ سرگرمی کے ساتھ اس کی خدمت کرتے تھے ان کو مردانے کے لیے بھی مواقع ڈھونڈھتا رہتا تھا۔ بڑے بڑے وفادار افسروں کو محض دھم بھم کر دیتا تھا۔ اس طرح اس نے لوگوں کی زبان کی دشوار کردی تھی اور وہ اس سے سخت نفرت کرنے لگے تھے۔ وہ لوگوں کو ذلیل سمجھتا تھا۔ اس کی سیاہ دلی اور ناخدا تری اس درجہ تھی کہ اس نے اپنے باپ کا دل کے افسر کو حکم دیا کہ جیل خانوں میں جتنے قیدی ہیں سب قتل کر دیے جائیں جن کی تعداد آٹھ سو ہزار تھی۔ انہیں خسرو کے جو حالات مختلف مآخذوں سے ہمیں معلوم ہوئے ہیں ان کو کچھ کہ اس کے ساتھ کوئی محبت یا ہمدردی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کینہ پروردار، محروم، اور بزدل بادشاہ کے خصائل میں کوئی دلکش چیز تلاش کرنا بے سود ہو۔ اس نے اپنی رعایا پر جو ناقابل برداشت بوجھ ڈال رکھا تھا اس کا صحیح اندازہ صرف سو نے چاندی اور زیورات کے ان ڈھیروں سے نہیں ہو سکتا۔ جو اس کے خزانے میں بھرے ہوئے تھے بلکہ ان کے ساتھ ان کثیر رقموں کا ذکر بھی ضروری ہو۔ جو بادشاہ اور اس کے دربار کے سامان عیش و عشرت میں صرف کی جاتی تھیں، فیشن پرستی اور فضول خرچی کا یہ حال تھا کہ اس کے محل میں بانڈیوں کے علاوہ تین ہزار بیویاں تھیں، خدمت کے لیے تین ہزار نوکر، سواری کے لیے آٹھ ہزار یا پانچو گھوڑے اور سات سو ساٹھ ہاتھی تھے۔ اور بار برداری کے لیے بارہ ہزار خچر تھے۔ پوشاک، طعام اور محلات کی آرائشگی پر بے دریغ و بے حساب خرچ ہوتا تھا اور اس کے بوجھ سے غریب رعایا پیسی جا رہی تھی۔

ان حالات کی اصلاح کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی، امور اور دوزار سب اسی رنگ میں تھے۔ علماء اور دینی رہنماؤں سے توقع ہو سکتی تھی کہ یہ اپنے پیر و نصائح اور اثر و رسوخ سے اس صورتحال کو تبدیل کریں، لیکن ان کی حالت خود ہی قابل اصلاح تھی۔ ایران کا اسل مذہب زردشتی تھا لیکن زردشت کی تعلیم صدامسال کے تغیرات سے بہت بے گنج تھی۔ اور اس کے شیعوں میں کافی تحریف ہو چکی تھی اور اس کے

مضائب کچھ سے کچھ سمجھے جانے لگے تھے۔ پھر انوی، عرفانی اور مزد کے خیالات و عقائد کی آمیزش نے صورتحال اور مزاج بد کر دی تھی اور نہ صرف عقائد خراب ہو گئے تھے بلکہ روزمرہ کی زندگی میں بھی اخلاقی قدریں کمپا ہوتی جا رہی تھیں۔ زندگی بے مقصد ہو گئی تھی، نفس کی پاکیزگی کا خیال برائے نام ہی رہ گیا تھا اور انسانیت کی بے غرض خدمت کا جذبہ کہیں شکل ہی سے دکھائی دیتا تھا۔ ہر جگہ عیش پرستی اور ہوس رانی کا دور دورہ تھا۔ بقول عصر حاضر کے ایک نامور مورخ کے ”فاوس کے روحانی آتش کدہ میں اب زندگی کی کوئی بینکار ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ زرتشت کی آگ کی گرمی ختم ہو گئی تھی، زرد و ظلمت کے فلسفہ نے ایران کی ہر قسم کی علمی طاقت فنا کر دی تھی۔ بڑاں داہرین کی دد علمی حکومت نے روحانی امن و امان کی سلطنت بر باد کر دی تھی۔ اندر دینی بد نظمی، باہمی خانہ جنگی بادشاہوں کی تغافل شعاری، امراء کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط میں برابر ترقی ہوتی جا رہی تھی۔“

سیاسی اعتبار سے روم و ایران کا ہم پلہ کوئی اور ملک نہ تھا لیکن بعض اعتبارات سے چین اور ہندوستان بھی قابل ذکر ہیں۔ چین کو دنیا کی تمدنی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل جو کسی زمانے میں اس نے تہذیب و تمدن کی بڑی خدمت انجام دی تھی، لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت اسے دنیا میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ نہ اس کا کوئی سیاسی وزن تھا، نہ اس کی تہذیب و مدنیت کی کوئی قدر و قیمت تھی نہ اس کے روحانی فلسفہ اور مذہبی نظام کی کوئی قیمت تھی جاتی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانچ سو برس پہلے حکیم کنفیوشس (CONFUCIUS) نے اسلام و تعمیر کا ایک اہم پروگرام پیش کیا تھا۔ لیکن اب اس کی وفات کو ایک زمانہ ہو گیا تھا۔ ہزاروں برس کی طویل مدت میں اس کی حقیقی تعلیمات نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ اخلاقی و معاشرتی اصول کی وضاحت کرنے والا اس کا مرتب کردہ کوئی لٹریچر موجود نہ تھا۔ اس کی تعلیمات پر سب سے قدیم کتابیں اس کے ہاتھ (Tze - Sze) کی ”DOCTRINE OF THE MEAN“ اور اس کے شاگرد (Tasang - Sin) کی ”THE GREAT LEARNING“ بھی جاتی ہیں لیکن ان کی بھی تاریخی نفیث کے بعد کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی ہے اور اس کا کوئی قطعی ثبوت

ہم نہیں پہنچتا جس سے یہ یقین ہو سکے کہ یہ کتابیں زمانے کی دست برد سے محفوظ رہی ہیں بلکہ اس کے برخلاف اس کا پورا امکان معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر بہت کچھ تحریف ہو گئی ہو، کیونکہ حکیم کنفیوشس کے انتقال کے ۲۲۵ برس بعد چین میں بادشاہ "Tsin" کا غلبہ ہو گیا تھا۔ یہ شخص حکیم کنفیوشس کا بڑا سخت مخالف تھا۔ اس نے چین پر تسلط ہو جانے کے بعد ان کی تمام یادگاریں مٹا دیں، ان کے معتقدوں کو زندہ جلادیا اور سب قدیم تحریریں اور کتابیں پھونک دیں جن پر کنفیوشس کے خیالات و عقائد کی بنیاد قائم تھی۔ ایک عرصہ کے بعد چین میں دوسرا حکمران خانہ ان "Han" برسر اقتدار آیا۔ یہ حکیم کنفیوشس کا بڑا معتقد اور قدر دان تھا۔ اس نے بر باد شدہ آثار اور کتابیں پھر سے مرتب کرانے کی کوشش کی اور اب کنفیوشسی عقائد و اصلاحات کا جو ذخیرہ پایا جاتا ہے وہ ان عہد ہی کا مرتب کردہ ہو لیکن محققین کے نزدیک تاریخی طور پر ان کی صحت ثابت نہیں بلکہ زیادہ تر جعلی سمجھی جاتی ہیں۔

تفصیل بالا سے ظاہر ہے کہ حکیم کنفیوشس کے انتقال کے سو اودھو برس بعد ہی اس کی تعلیمات دنیا سے مٹ گئی تھیں پھر جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں یعنی چھٹی صدی عیسوی دہ تو اور بعد کا دور ہے۔ اس وقت تو حکیم موصوف کا صرف نام ہی ذہنوں میں رہ گیا تھا۔ ان کی حقیقی تعلیمات سے واقفیت کا کوئی امکان باقی نہ رہا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ عقائد کی گرفت ڈھیلی ہو گئی تھی اور اعمال ان کی رہنمائی سے آزاد ہو گئے تھے۔

حکیم کنفیوشس کے علاوہ ایک زمانے میں چین میں بدھ مذہب کا بھی اثر تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ڈھائی سو برس پہلے بدھ مذہب کے مبلغ چین پہنچے تھے اور انہوں نے اپنے خیالات پھیلائے تھے لیکن اب بدھ کی حقیقی تعلیم بھی لگا ہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس وقت صرف عمل میں کچھ رسوم اور ذہن میں چند نقوش باقی رہ گئے تھے، ایمان صحیح اور اعمال صالحہ کے بجائے مقدس مقامات کی زیارت اور برکات سے اکتساب فیض جہد و جہد کا مقصد بن گیا تھا۔ انگریز چھٹی صدی عیسوی میں چین میں بھی دین دلائن اور اخلاق و معاشرت کا کوئی مستحکم نظام نہ تھا نہ کوئی ایسا ضابطہ حیات موجود تھا جو زندگی کی کشاکش میں دلیں راہ کا کام دیتا، انسانیت کی صحیح خدمت

کی راہ دکھاتا، جمہوریت و مساوات کا درس دیتا، نوع انسانی کے اختلافات مٹاتا اور ایک عالمگیر برادری کی بنیاد مستحکم کرتا۔

**ہندوستان** | ہندوستان ایک زمانہ میں انسانی تہذیب و تمدن اور اخلاق و کمالات کا مرکز تھا، کبھی یہاں قدم قدم پر نفس کی پاکیزگی اور روح کی بالیدگی کا سامان تھا لیکن اب ہر جگہ مٹا ہوا علم و حکمت کی سندیں خالی تھیں، گیان دھیان کے استھان سونے پڑے تھے، عدل و انصاف کے مرکز ویران تھے، زندگی کے ہر گوشہ میں انتشار برپا تھا، حکومت دھماں بانی کے تحت چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی آماجگاہ تھے، یورپ اور گپت خاندان کے طاقتور فرمانروا ملت ہوئی ختم ہو چکے تھے اب چند گپت، اشوک، کنشک اور دیگر راجاؤں کے صرف اضافے نے زبانوں پر تھے، سیاسی طور پر ملک سیکڑوں ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا اور آئے دن جنگ و جدل کا بازار گرم رہتا تھا۔ گپت خاندان کے زوال کے بعد ۳۵۰ء سے ۶۴۷ء تک ہندوستان کی حالت انقلابی رہی، اس عرصہ میں نہ کوئی بڑا بادشاہ ہوا اور نہ کوئی اہم واقعہ پیش آیا، شمالی ہند کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔

۶۴۷ء کے بعد راجہ ہرش در دھن نے ان حالات کو سنبھالنے کی جدوجہد کی لیکن بندھیا چل کے اسی پاتک اس کا اثر ہو سکا جنوبی ہند پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اور چالوکیہ خاندان کے راجہ یل کیسن ثانی نے ایک زبردست لڑائی کے بعد اسے سخت شکست دی۔ اس کے بعد جنوبی ہند کی طرف اس کی پیش قدمی رک گئی اور اس کا دائرہ حکومت شمالی ہند تک محدود ہو گیا، ہرش کی زندگی تک شمالی ہند کا شیرازہ بندھا رہا لیکن اس کے انتقال کے بعد یہ شیرازہ ایسا بکھرا کہ پھر کسی طرح کوئی نظم قائم نہ ہو سکا اور سارے ملک میں طوائف الملوکی کا درد دورہ ہو گیا تھا۔

مذہب کی اصلی تعلیم نگاہوں سے ادھل ہو چکی تھی، رام اور کرشن کی حقیقی زندگی افسانوں میں چھپ گئی تھی، ویدوں کی صحیح تعلیم پر رسوم و رواج کا پردہ پڑ گیا تھا۔ ویدوں کی اصلی تعلیم تو حید کی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس کا اصلی مطلب ذہن سے محو ہوتا گیا اور تشبیہ و استعارے حقیقت سمجھ



جانے لگے، بیرونی اثرات سے متاثر ہونے سے پہلے ویدک مذہب میں بت پرستی کا وجود نہ تھا۔ شاعرانہ الفاظ میں کبھی خدا کی صفات انسانی شکل و صورت میں بیان کی جاتی ہیں مگر اس عہد کے لوگوں نے کبھی بت نہیں بنائے، جو اب دیوتا سمجھے جاتے ہیں وہ اس ذات واحد کے مختلف نام تھے یہ لیکن آثار قدرت کا بیان فطرت پرستی تک لے گیا اور فطرت پرستی نے دیوتا پرستی تک پہنچا دیا اور آریا مذہب رسوم و قربانی کے دھوکوں میں پھنس کر سحر اور افسانہ ہو کر رہ گیا۔ ہر دعویٰ شعائر مذہبی سحر شیطانی میں تبدیل ہو گئے۔ اس وقت اگرچہ باب مذہب اس غلط روی کو روکنے کی کوشش کر سکتے تھے لیکن ماہرین الہیات، ارباب فلسفہ اور مذہب پر غور و خوض کرنے والوں نے عام مردم مذہب کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کی یہ مذہبی رہنما رشک و حسد میں مبتلا تھے۔ ان کے دل باہمی غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ انھیں نہ اپنے نفس پر قابو حاصل تھا اور نہ صفائی قلب میں تھے۔ ہندوؤں کے محافظ بد اخلاقی کا سرچشمہ تھے جو لاکھوں کروردوں نادان پرستش کرنے والوں کو مذہب کے نام پر خوب لوٹتے تھے یہ ویدک عہد میں اصنام پرستی کا رواج نہ تھا لیکن اس زمانے میں مندروں میں بت پرستی علمی العموم رائج ہو گئی تھی اور دیوتاؤں کی تعداد بڑھتے بڑھتے ۲۳ کرورتک پہنچ گئی تھی۔ ویدک عہد میں ساری ہندو قوم میں یکساں تھی، لیکن اب ذات پات کی تفریق شروع ہو گئی تھی جو نظام معاشرت کے لیے تباہ کن تھی یہ عورتوں کو محکومیت اور غلامی کا درجہ دیا گیا تھا۔ تو این نامنصفانہ وضع کئے گئے تھے جن میں علانیہ بعض ذاتوں کی پاسداری اور بعض پر جرم و دہم ہوتا تھا۔ برہمن خواہ کتنے ہی سنگین جرائم کا ارتکاب کر لے سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔ اچھوت کا کسی اعلیٰ ذات والے کو چھونا جرم تھا، اگر بچی ذات والا اونچی ذات والے کو مار لے تو حکم تھا کہ اس کے اعضاء کاٹ لیے جائیں۔ اگر گالی دے تو زبان کاٹ دی جائے۔

۱۔ ملاحظہ ہو ”ویدک ہند“ مصنفہ میڈم زیڈ۔ اے۔ راگوزن ص ۲۲۰۔ ۲۔ تاریخ ہند قدیم کے۔ ایم۔ بانرجا ص ۲۸۵ ملاحظہ ہو مکالمہ گوتم بدھ اور ایتنا برہمن کے۔ ایم۔ بانرجا ص ۲۸۵۔ ۳۔ ہندوستان قدیم جلد ۲ ص ۲۸۵ مصنفہ آر۔ سی۔ دیت۔ ۴۔ ایضاً ص ۳۲۶ و ص ۳۸۱۔ ۵۔ ایضاً جلد ۳ ص ۳۴۴۔ ۶۔ ایضاً ص ۳۳۲۔

اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو اس کے منہ میں گرم تیل ڈال دینا چاہیے۔ راجاؤں کے محل میں شراب نوشی بکثرت رائج تھی شاہراہوں پر آوارہ گرد اور جرائم پیشہ لوگوں کا مجمع لگاتار تھا۔ ان کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی قانون کی بنیاد مسادات انسانی پر نہیں بلکہ ذاتوں پر بھی عورتیں فروخت کی جاتی تھیں۔ بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہ تھی۔ وہ زندگی کی ہر لذت سے محروم ہونے کے لیے مجبور کر دی جاتی تھی۔ الغرض مؤرخین کا اجماع ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک اور نقائص سے معمور وہ آخری دور ہے جو تقریباً ستھ سے شروع ہوتا ہے۔

ان حالات کی اصلاح مذہبی ریشتمندوں کی مدد اور مذہبی رہنماؤں کی جدوجہد سے ہو سکتی تھی لیکن اتفاق سے اس عہد میں دونوں صورتیں ممکن نہ تھیں۔ مذہبی رہنماؤں کی سیرت کا ذکر ادھر ہو چکا ہے اتفاق سے نوشتہ استاذ زمانہ کی وجہ سے نہ اپنی اصلی ابتدا کی حالت میں باقی رہ گئے تھے نہ ان کا صحیح مفہوم متعین کرنا ممکن تھا۔ دیکھ کر بہت زمانہ گزر اس وقت کی تاریخ موجود نہیں ہے زبان، رسوم اور طرز بیان بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اس لیے میں منظر کو پیش نظر کرنے اور مطالب کو صحیح سمجھنے میں بہت دقت ہوتی ہے۔ کچھ مطالب دستاویز تحقیق منہور قطعاً اور متعین نہیں ہیں۔ ابھی تک تلاش و جستجو جاری ہے۔ علماء اپنے قیاسات کا ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہیں اور اپنی غلطیوں کی تصحیح کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں حالت یہ ہے کہ مستشرقین میں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ہندو قدیم کے متعلق اگر کوئی کتاب لکھی جائے تو آخری باب تک پہنچتے پہنچتے پہلے باب کی نظر ثانی کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ ویلا لکھوں ذی فہم افسانوں کی صدیوں کی محنت کا نتیجہ ہیں، جن میں ہزار ہا تغیرات کی گنجائش ہے۔ ادبی اور تاریخی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دیدوں کی تصنیف کا زمانہ بہت طویل تھا۔ ہم رگ وید کی تکمیل ہی عرصہ دراز میں ہوئی ہے، پھر اس کی شرح و تفسیر کی گئیں جنہوں نے اس کے مطالب کو عجیب شکل دی ہے۔ لوگ معاشرہ کی حالت بدلنے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ حتیٰ المقدور اس کے لیے کوشش بھی

۱۔ ہندوستان قدیم۔ آر سی دت ص ۲۴۲-۲۴۳ ۲۔ ایضاً ص ۲۶۹ ۳۔ سیرت النبی بولانا مید سلیمان  
۴۔ دی جلد چارم ص ۲۲ مطبوعہ ۱۹۳۵ء ۵۔ قطع متوسط ۶۔ راگوزن ۷۔ دیک ہند ص ۱۷۱ ۸۔ ایضاً ص ۱۷۱  
۹۔ تاریخ ہند قدیم مصنفہ کے۔ ایم۔ پانکار۔

کرتے تھے لیکن مذکورہ بالا تفصیلات کی بناء پر کسی معتدل اور معتد بہ اصلاح کا امکان نہ تھا، اصل تعلیم کا پول سے اوجھل ہو چکی تھی، رسوم و رواج مقصود بالذات بن گئے تھے اور مذہب کے مستند صحیفوں کے بجائے قصص و روایات پر علم کی بنیاد تھی۔

بدھ کی مقدس اہستی نے دھرم کے بجٹھے ہوئے چراغ کو پھر سے روشن کیا، ظلم و جور کے خلاف پرزور آواز بلند کی، طباقوں اور ذاتوں کی اونچ نیچ کو ختم کرنے کا پرچار کیا اور خود راج پاٹ چھوڑ کر غریبوں، دکھیا روں اور مصیبت کے باروں کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی، دیس بدیس پھر کو سچے دھرم کی تعلیم دی اور رحم و کرم، ہمدردی و غم گساری، سخی و صداقت، عدل و انصاف، محبت و سلوک اور اخوت و مساوات کی تلقین کی، لیکن مدت ہوئی کہ وہ دنیا سے اٹھ چکے تھے۔ اس وقت دھرمی صدی عیسویں میں ان کی وفات کو ایک ہزار سال گزر چکے تھے۔ اس طویل عرصہ میں ان کے پیروان کی تعلیم بھول گئے تھے۔ ان کی محبت و عقیدت تو دلوں میں تھی اور کچھ رسوم و رواج بھی باقی تھے لیکن دین کی روح اور تعلیم کا مقصد ذہنوں سے نکل گئے تھے، عقیدت بڑھتے بڑھتے پرستش تک پہنچ گئی تھی اور خدا پرستی کے بجائے بدھ پرستی کا رواج عام ہو گیا تھا۔ بدھ کے ہزاروں بت بن گئے تھے اور جگہ جگہ نصب کر دیے گئے تھے لیکن دین کی تعلیم سے غفلت کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے مذہبی فاضلوں کو بھی صحیح طور پر پتہ چلنا دشوار تھا۔ بدھ کی وفات ۵۴۳ ق م میں ہوئی تھی۔ دو زیر بحث یعنی چھٹی صدی عیسوی میں تقریباً گیارہ سو برس ان کی وفات کو گزر چکے تھے اور ایک طرف ان کی تعلیمات و رسوم و رواج سے متاثر ہو گئی تھیں اور دوسری طرف مذہبی کتابوں میں ایسے اختلافات رد نما ہو چکے تھے کہ بڑے بڑے مذہبی فاضلوں کی جہد و جد سے بھی دور نہیں ہو سکے۔ بدھ کے انتقال کے سو برس بعد ہی اختلافات کا حل کرنا ناممکن ہو گیا، علماء مذہب کی ایک بڑی کانفرنس منعقد ہوئی لیکن انتہائی کوشش کے باوجود کسی ایک اصول پر سب متفق نہ ہو سکے اور کئی فرقے بن گئے۔ راجہ اشوک نے اپنے زمانے میں ان اختلافات کو حل کرنے کی پھر کوشش کی اور اپنی نگرانی میں بڑے رہنماؤں

۱۔ یہ سن پالی کتاب DIPAVANSA کے مطابق جو دوسرے ذرائع سے قلم بتاتے ہیں۔

۲۔ ملاحظہ ہو انٹیکلو پیڈیا برٹانیکا، عنوان ”بدھ“

اور علماء مذہب کی ایک بڑی کانفرنس منعقد کی تاکہ غور و فکر کے بعد بدھ کی مستند تعلیمات مرتب کی جائیں۔ لیکن پوری کوشش کے بعد کوئی ایسا مجموعہ مرتب نہ ہو سکا جس سے سب متفق ہوتے۔ دوسری صدی (ق.م) میں اختلافات بہت گہر ہو گئے اور مہایانہ (کشتی بزرگ) ہینیانہ (کشتی خود) کے نام سے دو بڑے فرقوں میں مذہب کے لمنے والے منقسم ہو گئے۔ ہینیانہ گروہ کا نقطہ نظریہ تھا کہ دوسرے مذاہب کے اثرات سے بدھ مذہب کو محفوظ رکھا جائے اور سختی کے ساتھ انھیں تعلیمات پر قائم رہنے کی کوشش کی جائے جو بائی مذہب نے بیش کی تھیں۔ لیکن حالات اتنے بدل چکے تھے کہ زمانے کے اثرات نے ذہنوں کو اس قدر متاثر کر دیا تھا اور دوسرے مذہبوں کے عقائد و خیالات اس درجہ جڑ پکڑ چکے تھے کہ ہینیانہ گروہ کی رائے قبول عام نہ حاصل کر سکی اور قوم کے ایک چھوٹے سے طبقہ کے سوا زیادہ لوگوں نے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ زیادہ رجحان یہی رہا کہ عقائد و خیالات اور اعمال و اطوار پر نظر ثانی کی جائے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان میں بھی ترمیم کی جائے۔ مہایانہ فرقہ تعداد کے اعتبار سے بہت بڑی اکثریت رکھتا تھا اور ہمیشہ اسے قبولی عام حاصل رہی۔ پہلی صدی عیسوی میں راجہ کنشک نے بدھ مذہب کے نامور علماء کی ایک کانفرنس ان مسائل پر غور کرنے کے لیے منعقد کی۔ اس کانفرنس نے غور و بحث کے بعد مہایانہ خیالات کو ترجیح دی، اس اصول کے مطابق بدھ مذہب کے قوانین پر نظر ثانی کی گئی اور انھیں تین حصوں میں منضبط کیا گیا۔ اصول مذہب، اعلیٰ تعلیمات اور قوانین کے الگ الگ مجوعے مرتب کیے گئے۔ یہ تینوں مجوعے (۱) سوٹا پیٹاکا (اصول مذہب)، (۲) ابھیدھما (اعلیٰ تعلیمات)، اس "ذمے پٹاکا" (قوانین و ضوابط) کے نام سے آج کل بدھ مذہب کی بنیادی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ اوپر گزر چکا کہ یہ فرقہ بندی ہو چکنے کے بعد کی مرتب کردہ ہیں اور ایک فرقہ کے نقطہ نظر کی ترجمانی ہیں۔ علاوہ ازیں تفصیلات بالا سے یہ بھی واضح ہو کہ مذہب کی مستند اور طبعی تعلیمات سے واقفیت کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا تھا۔ بڑے بڑے علماء و ماہرین فن اور شاہی سرپرستی اور توجہ کے بعد بھی بدھ مذہب کا کوئی متفق علیہ مجموعہ مرتب نہ ہو سکا۔ اصل مذہبی صحیفے کی عدم موجودگی کے بعد بدھ دھرم کو تحریفات سے محفوظ رکھنا ناممکن تھا چنانچہ وہ محفوظ نہ رہ سکا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنیادی عقائد تک پر اتفاق نہیں رہ گیا اور کائنات کے آغاز و انجام کی گتھی بھی لائی نہیں ہو۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ بدھ مذہب کے اعتبار سے اس دنیا کا خالق کون ہو۔ مذہبی نوشتہوں کی اس متغیر حالت کے بعد صحیح نتائج تک پہنچنا ناممکن تھا۔

ایک طرف یہ حالت تھی دوسری طرف مال و جائیداد کے خواہش مند اور حکومت دیاست کے طلبکار اس مذہب کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ طاقتور کمزوروں کو غلام بنانا چاہتے تھے۔ مالدار غریبوں کا خون چوسنا چاہتے تھے۔ راجہ دوسروں کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ مذہبی اجارہ دار اپنے اثرات کو قائم رکھنے اور اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے طویل اور پیچیدہ رسوم بیماری رکھنا چاہتے تھے۔ دین کی سادگی میں انھیں اپنے اقتدار کا خاتمہ نظر آتا تھا۔ الغرض تمام خود غرض اور اقتدار پسند طبقے بڑھ مذہب کو مٹانے پر تل گئے تھے۔ مذہب اپنی اصل روح پہلے ہی کھو چکا تھا اور اپنے عقیدہ مندوں کے ہاتھوں بے روح رسوم اور بے معنی روایات کا مجموعہ بن گیا تھا اس لیے مخالفانہ کوششوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور آہستہ آہستہ ملک سے فنا ہو گیا۔

الغرض پانچویں اور تھمبی صدی عیسوی میں تہذیب تمدن، معیشت و معاشرت، سیاست و حکمرانی، عقائد و خیالات اور احکام و اعمال پر اعتبار سے اس ملک میں غیر معمولی اصلاح کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی نہایت بچپنی کے ساتھ ہر شخص کو انقلاب حالی کی ترنا تھی۔ (باقی)



# سنگارا

## خانہ دان بھر کے لیے

تیزی سے ساتھ

## توانائی بخشنے والا

جرٹی بوتلیوں اور دوائیوں سے بھر پور قریب

# اسلام میں مکمل انارکی کی دریافت!

شیخ الجامعہ (جامعہ ملیہ) کے ایک مقالہ کا جائزہ

(از عتیق الرحمن سنہلی)

— (۲) —

اگر صرف علمی اور منطقی نقد ہمیں مقصود ہو تا تو یہاں تک کی گفتگو بالکل کافی تھی۔ مگر مقصود تو دراصل یہ دکھانا ہے کہ پروفیسر مجیب صاحب، جو ”جامعہ ملیہ اسلامیہ“ کی شیخ الجامعی کے سبب کم از کم غیر مسلم دنیا میں تو ایک معتبر اسلامی بنامندہ سمجھے ہی جائیں گے، انھوں نے اسلام کی نامزدگی اپنے اس مقالے میں کس قدر غیر ذمہ داری کے ساتھ کی ہے۔ کس قدر گمراہی کا سامان نادانوں کے لیے فراہم کر دیا ہے اور ضمنی طور پر کتنی بری تصویر دنیا کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی، ایک ایسے انداز سے پیش کی ہے جسے نادانقت تو ضمیر پرستی اور حق دوستی سمجھ سکتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اسلام بیزاری کے سوا کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں خالص منطقی بحث کبھی کبھی باعث شکایت بھی بن جاتی ہے، خصوصاً جبکہ فریق ثانی کا انداز گفتگو منطقی نہیں کچھ وجدانی اور وارداتی ”ہو“ جیسا کہ مجیب صاحب کا اس مقالے میں عام حال یہی ہے۔ ان دونوں باتوں کا تقاضہ یہ ہے کہ اوپر کی منطقی تنقید پر بس نہ کی جائے بلکہ مقالے پر کچھ اور بھی نظر ڈالی جائے کہ کیا کیا فرمایا ہے اور کیا کیا نتائج اس سے نکلتے ہیں؟ خاص کر وہ محرکات کیا ہیں جو مجیب صاحب کی اس کاوشِ قلم میں کارفرما نظر آتے ہیں؟۔

جہاں تک عجیب صاحب کے کہنے کا تعلق ہو، اُن کی اس کاوش کا محرک یہ خیال ہو کہ مسلمان جس جمود و انحطاط کی دلدل میں عرصہ دراز سے پھنسے ہوئے ہیں وہ نتیجہ ہو دین کو ایک تقلیدی نظام سمجھ لینے، کچھ افراد اور طبقات کو اس کی تشریح کا مخصوص حقدار مان لینے اور کچھ روایتی تصورات کے آگے اپنے ذہن اور ضمیر کو سرنگوں کر دیے گا۔ اور اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس تقلید اور روایت پرستی کے نظام کو توڑ کر ہر حساس اور عاقل فرد آزادانہ فیصلے کی ذمہ داری سنبھالے۔

اپنی اس محفلِ شکل میں یہ محرک کچھ برا نہیں ہو کتنی ہی تقلیدی آج ایسی رائج ہیں اور کتنے ہی ایسے تصورات و روایت بن گئے ہیں جن کے توڑ دیے جانے کی ضرورت میں کسی ذمہ دار اور صاحبِ علم آدمی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اور اُن کے توڑ دیے جانے کی دعوت بھی کم دشوار نہیں ان ہی الفاظ سے شروع کی جاسکتی ہے۔ بوال تفصیل اور تشریح کا ہو کہ کن تقلید کو موجب فساد سمجھا جا رہا ہو، کن افراد و طبقات کے حق تشریح میں کلام ہو؟ اور کون سے تصورات کی پابندی میں ذہن و ضمیر کی ہلاکت سمجھی جا رہی ہو؟ اس تفصیل ہی کے مرحلے میں جا کر معلوم ہوتا ہو کہ عجیب صاحب تو میدان ہی صاف کیے دے رہے ہیں۔ دوسرے افراد تو درکنار انھیں رسول ہی کی تقلید سے انکار ہو۔ وہ قرآن ہی کے عملی استحکام کی ادنیٰ پابندی کو ایک جمود اور اسے ابد الابد کے لیے ایک کامل ہدایت نامہ سمجھنے کو بھی تباہ کن تصورات ہی کی قسم سے بتاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک صحیح یہ ہو کہ رسول کی تقلید بھی صرف آپ کے ہمعصر مسلمانوں کے لیے تھی بعد میں تقلید تو کیا آپ کی ہدایتوں کے ریکارڈ سے عام استفادہ بھی اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ریکارڈ شائبہ ہے۔ علیٰ ہذا قرآن کے بارے میں صحیح یہ ہو کہ وہ اتباع و اطاعت اور استفادہ و حوالے کی کتاب نہیں کچھ ”وارداتِ قلبی“ عطا کر دینے والی کتاب ہو۔ اور یہ واردات قلبی ہمارے ضمیر کو ایک طاقت اور تحریک دیا کرتی ہیں کہ زندگی کے ہر دائرے میں اچھی راہ پر چلیں۔

ہمیں اس میں شبہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ عجیب صاحب کا جذبہ بہت اچھا اور خالص اصلاحی ہو لیکن اس میں کسی شبہ اور شک کی گنجائش نہیں کہ اُن کا نقطہ نظر اور اُن کی دعوت اس درجہ غلط اور لائق اعتراض ہو کہ جذبے کی اچھائی کا کھلے دل سے امکان تسلیم کرتے ہوئے بھی کوئی

عذر اور جو اُن کے لیے نہیں ڈھونڈا جاسکتا۔ اسلام کیا ہو؟ اور کیا نہیں ہو؟ قرآن کی حیثیت کیا ہو؟ اور کیا نہیں ہو؟ جس پر وہ نازل ہو اور جو نامور ہوا کہ اس کی تبلیغ و رسالت کا فرض انجام دے اُس کا منصب ایمان سے آنے والوں کے لیے کیا ہو؟ اور کیا نہیں ہو؟ اس پر گفتگو اگر کوئی غیر مسلم بھی کرے تو جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہو علم اور منطق، دیانت اور امانت ہر چیز کا تقاضہ ہو کہ جو کچھ نقطہ نظر پیش کرے قرآن یا قول رسولؐ سے اس کی سند لائے۔ اور اگر گفتگو کرنے والا اپنے کو مسلم کہتا اور اسی طور پر جانا بھی جاتا ہو تب تو وہ از روئے ایمان و اسلام بھی پابند ہو کہ اس سند کے بغیر کوئی نقطہ نظر ان معاملات میں نہ بنائے لیکن مجیب صاحب نہ صرف خود ان تمام ذمہ داریوں کو پامال کر رہے بلکہ بڑے ہی جوش اور جذبے سے صلائے عام بھی دے رہے ہیں کہ جس مسلمان کھلانے والے کو بھی کچھ احساس و شعور اور عام عقل و علم کی نعمت بارگاہِ خداوندی سے عطا ہو گئی ہو اُسے بغیر یہ دیکھنے ہوئے کہ اب تک مسلمان کس طرح سوچتے اور عمل کرتے رہے ہیں، بغیر یہ دیکھنے ہوئے کہ قرآن میں کیا لکھا ہے اور بغیر یہ دیکھنے ہوئے کہ رسولؐ نے کیا رہنمائی چھوڑی ہو، بس وہ کرنا چاہے جسے وہ اچھی بات سمجھتا ہو جسے اُس کی عقل کہتی ہو کہ ضروری ہو اور جس کے بارے میں تاریخ کا مطالعہ اُسے بتاتا ہو کہ اس میں بھلائی ہے۔

اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں مجیب صاحب، بادیہ کہنے کے قرآنِ سداور حوالے کی کتاب نہیں ہو، قرآن کی ”شہادتیں“ بھی لائے ہیں، جن کا حال یہ ہو کہ اگر ہم اُن کی نیت پر شبہ کریں تو بیسویں صدی کی باطنیت کہہ سکتے ہیں۔ اور بصورت دیگر وہ ایک ایسے شخص کا قرآن سے استشہاد ہو جس نے اگر قرآنِ فہمی کے لیے کچھ علمی استعداد بہم پہنچائی بھی ہو تو قرآن نے اپنے دروازے اس پر بند لیے ہیں مگر وہ اپنے جوش میں محسوس ہی نہیں کر پاتا کہ یہ سب جو وہ قرآن سے نکال رہا ہو قرآن میں نہیں ہو اور شاد ہوا ہو کہ

”قرآن میں پوری ذمہ داری اچھے اور برے اعمال کی فرد پر ڈالی گئی ہو۔“

اور پھر اس کی شہادت میں قرآن کی یہ آیت آئی ہے۔

يَوْمَ يَفْعَلُ الْمَرْءُ مِمَّا اَخْبَاهُ وَ اَمَّاهُ وَ

جس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور



اُمِّيهِ وَصُحْبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ اَصْرِي  
مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُعْنِيهِ  
(سورہ عبس آیت ۳۳-۳۴)

اپنے باپ اور اپنی جوہر اور اپنے بیٹوں سے  
بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص کو اس دن نگر  
لگا ہوگا کہ وہ بس کرتا ہو  
(ترجمہ شمس العلماء مولانا ذریعہ احمد دہلوی)

اسی طرح ایک دوسری آیت ہے۔

اَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ  
لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی وَاَنْ  
سَعْيِهٖ سَوْفَ یُری  
(سورہ النجم آیت ۳۸-۴۰)

کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں لے گا اور یہ کہ  
انسان کو اتنا ہی بے کا جتنی اُس نے کوشش  
کی اور یہ کہ اس کی کوشش آگے چل کر دیکھی  
جائے گی۔

(ترجمہ علی رضا)

یہاں تک تو کوئی اچھے کی بات نہیں تھی، جتنی بات دعوے میں کہی گئی تھیں اُس کے مطابق  
تھیں مگر آگے جو دعوے (یاد دعا) کی توضیح آئی ہو وہ حیران کرتی ہو کہ یہ بات ان آیتوں میں کہاں  
تھی! فرماتے ہیں کہ

”اگر فرد پر اس طرح سے صاف صاف ذمہ داری ڈالی گئی ہو تو پھر وہ رہنمائی کے لیے دوسرے  
کے پاس کیسے جائیگا ہو.....“

کوئی ہو جو ہمیں یہ بتائے کہ ہر شخص پر اپنے اعمال کی ذمہ داری اور جواب دہی کی جو بات ان آیات میں  
کہی گئی ہو، اس کا یہ مطلب کہاں سے نکلیں کہ کسی شخص کو دوسرے سے رہنمائی بھی نہیں حاصل کرنا  
چاہیے؟ کوئی شخص اپنی ذمہ داری دوسرے کے سر نہیں ڈال سکتا گا، اپنے اعمال کی جوابدہی کسی اور پر  
نہیں ٹال سکے گا، رشتہ دار یاں اور گدہ بندیاں آخرت میں کوئی سہارا نہیں دے سکیں گی، یہ سب باتیں  
ان آیتوں کا مدعا ہیں مگر یہ کہ رہنمائی کے لیے دنیا میں کسی دوسرے کی طرف دیکھو گے تو برا کر دو گے،  
کسی کا اتباع کرتے ہوئے خدا کے حضور میں پہنچو گے تو پچھتاؤ گے، یہ مفہوم اور مدعا بھی کوئی شخص ان

آیتوں کا ترجمہ ہر جگہ دہی ہوگا جو عجیب صاحب نے درج کیا ہے۔

آیتوں کے سر منٹ رٹتا ہوتا تو سوائے اس کے کیا کہا جائے؟ کہ قرآن فہمی تو درکنار عام فہم بھی۔ یہاں اُس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔ اور یادہ جان بوجھ کر قرآن کی غلط تائیدیں پر تلا ہوا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ آیتوں کو اس مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ کتنی ہی دوسری آیتیں اسی قرآن میں اسی موجود ہیں جو بتاتی ہیں کہ کچھ لوگ رہنمائی کے اہل ہوتے ہیں اور اُن سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ مثلاً

(۱) فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔  
سو اگر تم کو علم نہیں تو دوسرے اہل علم سے پوچھ دیکھو۔

(سورہ انبیاء سورہ نحل) (ترجمہ مولانا تھانوی)

(۲) وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ج  
ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ  
بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔

(سورہ لقن آیت ۱۵)

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا  
الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ  
تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ  
إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

(سورہ النساء آیت ۵۹)

(۴) إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَ  
نُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ  
أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّائِيُونَ  
وَالْأَحْبَابُ بِمَا اسْتَحَقُّوا مِنْ

(ترجمہ شیخ الحدیث مولانا محمد حسن)

ہم نے اتاری تو ریت کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہو۔ اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم اس واسطے کہ وہ نگہبان

کِتَابُ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ مٹھرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پروردہ اسکی

(المائدہ - آیت ۴۴) خبر گیری پر مقرر تھے۔ (ایضاً)

یہ اُن آیتوں میں سے چار ہیں جو فوری طور سے ذہن میں گھوم گئیں تھوڑا سا وقت صرف کر کے قرآن پاک میں تلاش کی جائے تو اور بہت سی آیتیں اسی مفہوم کی بآسانی مل جائیں گے جن میں کسی نہ کسی طور پر کچھ لوگوں کے قابل رہنمائی اور قابل پیروی ہونے کا مذکور ہو۔

اور ہاں مجیب صاحب تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رہنما اور مقتدی کا مقام دینا نہیں چاہتے (یا ممکن نہیں سمجھتے کہ اب اُن کی پیروی کی جا سکے) اس لیے وہ آیت بھی یہاں آجائی جا رہی ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝  
تو کہہ کہ اگر محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ پر چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشنے لگاں تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہو۔

(آل عمران ۳۱) (ایضاً)

اور وہ آیت جس میں آنحضرت کی بعثت کے بعد اہل کتاب کی نجات و فلاح کا بھی وارد ہوا آپ کے اتباع پر بتاتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الْبَنٰى  
اَلَاٰمِیْنَ الَّذِیْ یُحِیْ وَیَمِیْتُ مَکْتُوبًا  
عِنْدَہُمْ فِی النَّوْرَةِ وَالْاٰخِرِیْنَ  
اُولٰٓئِکَ ہُمْ الْمُنْعَمُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۹)  
وہ جو تابع ہوتے ہیں اُس رسول کے جو نبی ہو امی، جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تو رات اور انہیں میں..... دہلاؤ گے پیچھے مراد کو (ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب)

الغرض پیغمبر کے اتباع اور اُس سے رہنمائی حاصل کرنے کی صریح ہدایت بھی قرآن میں موجود ہے۔ اور اس انداز سے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اس کو کسی بھی لحاظ سے "ناممکن" کہہ کر آدمی چھوڑ نہیں سکتا۔ اور پیغمبر کی امانت کے حاملوں سے رہنمائی لینے اور کتاب و سنت سے مطابقت کی شرط کے ساتھ اُن کا کہنا ماننے کی ہدایت بھی کی گئی ہے۔ کیا مجیب صاحب نے یہ آیتیں



کرنا چاہیے نہ س خوف میں کہ ہم کوئی غلط رائے قائم کر لیں گے۔ عام طور پر جسے غلطی سمجھا جاتا ہو، وہ دینیات کی ایک اصطلاح ہو یعنی قانون میں جو کچھ لکھا ہو، اُس سے ہٹ جانا اور جو قانون کے الفاظ پر ایمان لاتے ہیں، وہ ایسی غلطیوں سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں تاکہ نہ کریں تو ان کا بنانا یا نظام درہم برہم ہو جاتا ہو۔ قرآن کا نقطہ نظر بالکل دوسرا ہو:

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ  
لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ  
الْعَالَمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
عَلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ  
مَسْئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنُ  
الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ۔  
اور جو کوشش کرتا ہو وہ اپنے ہی لیے کوشش  
کرے گا۔ خدا تو دنیا جہاں کے سب لوگوں  
سے بے نیاز ہو، اور جو لوگ ایمان لائے  
اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم ضرور ان  
کے گناہ ان سے ددر کر دیں گے اور جو  
(نیک) عمل کرتے رہے ہیں ان کو ان کا  
بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے۔

(سورہ العنکبوت آیت ۶،) (ترجمہ جس العلماء مولانا ندیر احمد دہلوی)

سورہ محمد کی مذکورہ آیت (ان تَضَعُوا إِلَٰهَكُمْ) سے افسانہ ضمیمہ کے مقام اور منصب پر کیا روشنی پڑتی ہے؟ اس کے لیے تو باطنیت فہمی کی وہ مقدار چاہیے جو ہمارے پاس نہیں ہو، یا کہیے کہ غالب کے اُس دیر کا ایک شعر ہو جب خود شعراء بھی سن کر کہنے لگے تھے۔

مگر اُن کا کہا، وہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

لیکن آگے جو آیتیں سورہ عنکبوت کی رقم ہوئی ہیں، اُن سے مجیب صاحب کے مدعا پر غور کرنے کی جرات ہم بھی کر سکتے ہیں۔ مدعا یہ ہو کہ قرآن نے کسی لگے بندھے قانون کی پیر دیا انسانوں پر فرض نہیں کی ہو، وہ بس ”ایمان“ اور ”عمل صالح“ کی ہدایت دیتا ہو جو شخص صدق دل کے ساتھ ان بنیاد کا قدروں کو ذہن میں رکھتے ہوئے زندگی کے معاملات انجام دیتا ہو، اُسے پھر کوئی خوف نہیں، غلطی بھی کر جائے گا تو خدا امان کر دے گا۔

کوئی صاحب بتا سکتے ہیں کہ مذکورہ آیتوں کو اس مدعا سے کیا واسطہ؟ ”ایمان“ اور ”عمل“

صاح" کے الفاظ اس میں ضرور آئے ہیں، بخشش و بندہ نوازی کا بھی اس میں بے شک تذکرہ ہے، مگر کیا اس کا مطلب یہ ہو کہ ان الفاظ پر مشتمل کوئی بھی ضابطہ مرتب کر کے کہہ سکے کہ یہ اس آیت سے نکلتا ہو؟ اللہ کی بے نیازی بھی اس آیت میں بیان ہوئی ہو اور اِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ کے الفاظ بھی یقیناً ہیں مگر اللہ کا بے نیاز ہونا اور انسان کے اعمال کا خود اُسی کے لیے ہونا، یہ بیان اس نظر پر کی اس اس فراہم کر دینے کے لیے کیونکہ کافی ہو کہ اللہ کو کوئی قانون حیات بنانے یا اس کی لفظ بلفظ پیروی کرانے کی ضرورت نہیں، معاملہ انسان کا ہو وہ خود اپنا اچھا برا سمجھ کر ضمیر کی روشنی میں طے کرے کہ کون عمل علیٰ صالح ہو اور کون غیر صالح؟ کیا ایمان کا تقاضا ہو اور کیا اس کے خلاف؟

قرآن مجید ایک جگہ کہتا ہو کہ اس کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک مُحْكَمَات۔ جو اصل کتاب اور اصل ہدایت ہیں، هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ۔۔۔۔۔ اور دوسری مُتَشَابِهَاتُ جن کی مراد واضح نہیں اور پھر کہتا ہو کہ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ہیں جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہو وہ
سَايِعٌ مُّبِيحٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ	تیکھے پڑھتے ہیں (حکمات کو پھوڑ کر) اُس
مِنْهُ اُتْبِعَاءُ الْفِتْنَةِ وَ	حصہ کے جو از قبیل تشابہات ہے،
اُتْبِعَاءُ تَاْوِيلِهِ وَمَا	تلاش میں فتنہ انگیزی کی اور تلاش میں اُس
يَعْلَمُوْنَ تَاْوِيلَهُ اِلَّا اللّٰهُ	کی (من چاہی) مراد (بیان کرنے) کی۔
(سورہ آل عمران آیت ۷۵)	حالانکہ اس کی (حقیقی) مراد اللہ کے سوا کوئی

جاتا ہی نہیں۔

لیکن مجیب صاحب کی توفیق کا کمال یہ ہو کہ جو آیتیں تشابہات میں سے بھی نہیں ہیں وہ انہیں بھی متشابہ بنائے دے رہے ہیں۔ اور اُن کے بالکل صاف اور واضح مدعا کو مشکوک کر کے ایک قطعی لمحہ انہ خیالی ان میں رکھ دینا چاہتے ہیں۔

سورہ عنکبوت کی زیر نظر آیتیں (وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ) اپنے مدعا میں اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ اس طرح کا کوئی خیال اُن سے برآمد کر لینے کی ادنیٰ گنجائش نہیں، جس طرح کا خیال برآمد کر کے مجیب صاحب ایک پورا نظر یہ اُس پر کھڑا کیے دے رہے

ہیں۔ سیدھا سادا مطلب ان آیتوں کا بس یہ ہو کہ جو لوگ خدا کی اتاری ہوئی ہدایت کو قبول کر کے اُس کے اتباع اور اس کی نصرت میں اپنی جان کھپاتے ہیں۔ اُن کی یہ تمام کارگزاری اُنھیں کو نفع دے گی خدا کو اس کی کوئی حاجت نہیں ہو۔ اور وہ نفع یہ ہو کہ آخرت میں اُن کے اچھے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ خدا کی بارگاہ سے ملے گا اور جو کوتاہیاں بتقاضائے بشریت ہوئی ہوں گی اُنھیں رحم و کرم سے دھو ڈالا جائے گا۔ ان آیتوں سے پہلے صرف پانچ ہی آیتیں سورت میں ہیں۔ اگر قرآن میں کچھ اور بھی آدمی نے غور سے نہ پڑھا ہو تب بھی ان پہلی آیتوں کو سمجھ کر پڑھتا ہوا جب وہ اس بھٹی اور ساتویں آیت پر پہنچے گا سوچ بھی نہیں سکے گا کہ ان میں اس طرح کی کوئی بات کمی گئی ہو جیسی پروفیسر مجیب صاحب تبارہ کہتے ہیں۔ اُسی ان آیتوں کو پڑھیے۔

کیا لوگوں نے گمان کیا ہو کہ وہ جھوٹے دیے  
جہاں گئے اتنا کہنے پر کہ ”ہم ایمان لائے“  
اور وہ آزمائے نہ جائیں گے۔ اور ہم نے  
صفر در آزمایا ہو اُن لوگوں کو جو ان سے پہلے  
(ایمان لائے) تھے پس اُنتر جان کر  
کہو گا اُن لوگوں کو جنھوں نے سچ کہا کہ  
(ہم ایمان لائے) اور اُن کو جو کہ جھوٹے  
ہیں۔ کیا گمان کیے ہیں وہ لوگ جو پرانیوں  
پر عمل پیرا ہیں کہ وہ ہم سے نکل جائیں گے؟  
کیا ہی برا ہو جو یہ سوچ بیٹھے ہیں جو کوئی  
امید کرتا ہو اُنتر سے ملنے کی تو اُنتر کا نقرہ  
وقت بے شک آنا ہو اور وہ خوب سننے  
اور جاننے والا ہو۔ اور جو شفقت اٹھاتا  
ہو وہ بس اپنے لیے شفقت اٹھاتا ہو۔ اُنتر  
تو بے نیاز ہو تمام جہان والوں سے۔ اور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اَللّٰہ  
اَحْسِبَ النَّاسَ اَنْ یُّتْرَکُوْا  
اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا  
یُفْتَنُوْنَ ؕ وَلَقَدْ فُتِنَّا الَّذِیْنَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ  
الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلِیَعْلَمَنَّ  
الْكَافِبِیْنَ ؕ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ  
یَعْمَلُوْنَ السَّیِّئَاتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا  
سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ؕ مَنْ كَانَ  
یَرْجُوْ لِقَاءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ  
اللّٰهِ لَا یُغٰیطُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ  
وَمَنْ جَاهَدْ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ  
لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ  
العٰلَمِیْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا  
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ

عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَعَجِبْنَاهُمْ  
أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا  
يَعْمَلُونَ ۝  
(العنکبوت آیت ۲۱ - پارہ ۲۱) کاموں کا۔

اس سیاق و سباق میں کسی کو دہم کرنے کی بھی گنجائش ہو کہ یہاں انسان کو کسی خاص قانون پر چلنے کے بجائے اپنی صوابدید سے کام لینے کی آزادی کا خیال دیا جا رہا ہو؟ ساء مَا يَجْعَلُونَ! ایک آیت کی تائید اور سیبے:- ایک اور آیت میں کہا گیا ہو:

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ  
عَنْهُ مَنَعْنَا عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ  
وَمُدْخِلَكُمْ مُدْخِلَ كَرِيمٍ ۝  
(سورۃ النساء، آیت ۳۱)

جن بڑی بڑی برائیوں سے تمہیں روک دیا گیا ہو۔ اگر تم ان سے بچتے رہو گے تو ہم تمہاری غلطیوں اور غلطیوں کے اثرات تم پر سے مٹا کر دیں گے اور تمہیں ایک ایسے مقام پر پہنچا دیں گے جو عزت اور خوبی کا مقام ہوگا۔ (ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد)

یہاں جن گناہ کبیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، وہ مذکورہ بالا آیت کے علاوہ دوسری آیتوں سے بھی اخذ کیے گئے ہیں، لیکن یہاں اشارہ ان لوگوں کی طرف ہو جو اپنے ارادہ سے اور اپنی زندگی کے معاملات کو پوری طرح سمجھ کر، خدا کے دوست بنتے ہیں اور اُس کے کاموں میں شریک ہوتے ہیں۔ اس معنی میں کہ جس طرف ان آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ  
مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ  
(سورۃ یونس (۱۰)، آیت ۱۴)

پھر ان امتوں کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا، تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں۔ (ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد)



(اس کے بعد اسی مضمون کی ایک دوسری آیت (سورہ انفام ۱۶۵) درج ہوئی ہو، جسے  
 بخیاں طوالت ہم اس لیے چھوڑ رہے ہیں کہ محقق تکرار مضمون ہو۔ اس آیت کے بعد مجیب صاحب فرماتے ہیں  
 ”اور یہاں مراد تمام مرد اور عورتیں ہیں، صرف وہ لوگ نہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں  
 بلکہ وہ تمام لوگ جن کا ضمیر بیدار ہو اور جو ہر کام کو اپنے ضمیر کے مطابق کرتے ہیں، مگر  
 اس میں ان سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ قرآن کی ہدایت ہو کہ انھیں ان غلطیوں کے خون  
 سے ہاتھ پرہیز کرنا چاہیے۔ بلکہ اپنے بس بھر جدوجہد کرنا چاہیے۔“

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَدْبَارُ الْآيَاتِ اللَّهُ لَا خَوْفُ  
 عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ  
 (سورہ یونس ۱۰) آیت ۶۲

یاد رکھو جو اللہ کے دست ہیں، ان کے  
 لیے نہ تو کسی طرح کا خون ہوگا، نہ کسی  
 طرح کی غم گینی۔

ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ

سچی بات یہ ہو کہ مجیب صاحب کا یہ مقالہ علمی اور منطقی اعتبار سے (اور یہ لکھتے ہوئے مجھ  
 احساس ہو کہ مجیب صاحب کا ایک علمی مرتبہ ہی) اس قدر نعل اور لایعنی ہو کہ اگر ان کے ساتھ  
 ”شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ“ کی حیثیت لگی ہوئی نہ ہوتی تو ادنیٰ التفات کے قابل بھی یہ نہ تھا۔  
 بیان اور طرز ادب کے لحاظ سے دیکھنے والے دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ ہمارا اثر ایسا ہو کہ ان کے  
 ہم مشرب اور ہم مذاق لوگوں کے سوا مشکل ہی سے کسی کے لیے کچھ پڑے گا، اس لیے ”فسادِ خلق“ کا  
 اندیشہ بھی کچھ خاص نہیں۔ اور مزید برآں وہ بات جو شروع میں ہم نے کہی تھی، کہ خلق میں سے کم  
 از کم مسلمانوں کا تو ایسا رابطہ ہی موصوف سے نہیں کہ ان میں بھی کچھ عام نفوذ ان نگارشات کا ہو سکے۔  
 لیکن ان سب باتوں کا ساتھ، چونکہ وہ جامعہ ملیہ کے شیخ الجامعہ ہیں اس لیے کم از کم اہل جامعہ اور  
 منتسبین جامعہ سے یہ کہنا ناگزیر ہو کہ زرا وہ دیکھیں کہ یہ جامعہ کی منہ سے کیا پورا ہوا ہو؟ اور اس  
 کے لیے ضرورت ہو کہ صرف اتنا کہہ کر نہ چھوڑ دیا جائے کہ شیخ الجامعہ صاحب محض زبردستی قرآن پاک  
 کے ساتھ کر رہے ہیں اور صریح باطنیت والے انداز میں قرآن کے حوالے دیکر لوگوں کی گمراہی پر

عمہ یہ حاشیہ مجیب صاحب ہی کی طرف سے ہو، اس لیے ان کی عبارت کے ساتھ ہی دیا گیا ہو۔ ع

مکر بستہ ہیں، بلکہ کسی حد تک اس زبردستی اور باطنیت کو کھول کر بھی سامنے رکھ دیا جائے۔ لہذا ان کے مذکورہ بالا اقتباس پر بھی کچھ کہنا ہی ہو۔

اس اقتباس میں مجیب صاحب نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے، جو ان کے اس نظر پر قدرتی تقاضہ تھا کہ انسان کا ایمان داری کے ساتھ اپنے ضمیر کی ابعدا داری کرنا ہی خدا کی رضا پانے کا حقیقی ذبیحہ ہے۔ وہ تمام انسانوں کو، بغیر اس کے کہ وہ اپنے آپ کو ”اہل اسلام“ میں شامل کریں، سورہ نسا کی اس آیت کا مخاطب ٹھہراتے ہیں جو اس اقتباس میں سب سے پہلے آئی ہے (یعنی اِنَّ تَحْتَبُوْا كِتَابِيْہٖمْ اَوْ لَا) اور جس میں بشارت دی گئی ہے کہ اگر تم لوگ ان بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن کی مانعت کر دی گئی ہے تو پھر جنت تمہارا ٹھکانا اور مغفرت تمہارا انجام ہے۔ قرآن میں صریح طور پر یہ خطاب اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا سے ہے اور قرآن کا کوئی طالب علم اس سے ناواقف نہیں رہ سکتا کہ یہ اسلام کو پورا پورا قبول کر لینے والوں کے لیے قرآن کی مخصوص اصطلاح ہے، جہاں مختلف دینی گروہوں کا ذکر آتا ہے وہاں قرآن اسی (وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا) کے نام سے مسلمانوں کو یاد کرتا ہے۔ اسی عرصے ماتحت سورہ نسا کی آیتوں<sup>۲۹</sup> سے، یا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا کہہ کر ایک خطاب شروع ہوتا ہے۔ زیر بحث آیت جو اکیسویں آیت ہے، اسی خطاب کا ایک جز ہے۔ مجیب صاحب اس سامنے کی اور سیدھی بات کو چھوڑ کر رہنمائی دیتے ہیں کہ

”یہاں اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اپنے ارادے سے اور زندگی کے معاملات کو پوری طرح سمجھ کر خدا کے دوست بنتے ہیں اور اُس کے کاموں میں شریک ہوتے ہیں۔“

اور پھر اس ”دوست بننے اور شریک کا رہنے“ کے معنی بتانے کے لیے قرآن کی ان آیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں ”ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلْقًا فِي الْاَرْضِ.....“  
..... لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ - کا مضمون بیان ہوا ہے۔ ان آیتوں میں خدا کی ”دوستی اور شریکیت کا“ کا کیا اعلیٰ مفہوم کھلتا ہے؟ اسے کوئی سمجھ لے تو یہ اس کی طرف نگاہی ہے، خود مجیب صاحب نے اس معاملہ میں کوئی مدد نہیں کی ہے، وہ تو بس ایک دم سے اس پر آئے ہیں کہ دیکھیے۔

”یہاں مراد تمام مرد اور عورتیں ہیں، صرف وہ لوگ نہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں بلکہ وہ تمام لوگ جن کا ضمیر بیدار ہے اور جو ہر کام اپنے ضمیر کے مطابق کرتے ہیں مگر اس

میں ان سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔“

اس میں کسے کلام ہو سکتا ہو کہ ”ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ مَخْلُوقَاتٍ“ کے خطاب میں صرف مسلمان نہیں اُن کے ہم عصر تمام بنی نوع انسان شامل ہیں۔ مگر اس سے کیا ہوا؟ یہ بشارات ان کو ان آیتوں میں کہاں دی گئی ہو کہ اگر تم اپنے ضمیر کے مطابق اس خلافت کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہو تو مقبول بادگاہ ایزدی ہو، غلطی بھی کر جاؤ تو فکر کی بات نہیں؟۔ مگر عجیب صاحب کو ان باتوں سے کہاں مطلب؟ وہ قرآن کو استدلال اور استناد کی کتاب کب مانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک تو یہ واردات قلبی عطا کرنے والی کتاب ہو۔ اور واردات قلب میں قیاس و منطق کا کیا بیج؟ وہ تو ان آیتوں میں ایک قلبی واردات کے طور پر یہ ”ہدایت پا رہو ہیں کہ:

”انھیں غلطیوں کے خوف سے ہاتھ پاتھ رک کر بیٹھ نہیں رہنا چاہیے بلکہ اپنے بس بھر جہد و جد کرا چاہیے۔“

اور جب یہ ہدایت ہو، تو وہ بشارات آپ ہی لازم ہو جاتی ہو۔ وہ اسی ہدایت کے مطابق عمل کو خدا کی ”دستی“ قرار دیتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ ”اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَّلَا هُمْ لَا يَحْزَنُوْنَ“۔ قرآن کا اعلان ہے۔ یہ سب زبان و بیان کے کس قاعدے، لغت کے کس نکتے، استنباط و استخراج کے کس اصول اور قیاس و منطق کے کس قرینے سے ہوا؟ اسے اگر آپ نہ سمجھیں، تو آپ کو خدا سمجھے، عجیب صاحب کو مطلق ضرورت نہیں کہ وہ آپ کو سمجھائیں۔ انھوں نے تو اس طرح اپنی بات کہہ دی جو جیسے ہر چوں سے ٹھیک اور ایک جہانی اور مافی حقیقت ہو، بس کسر یہ تھی کہ لوگ اس کی روشنی میں تمام معاملے کو نہیں دیکھ رہے تھے، اس کسر کو عجیب صاحب نے پورا کر دیا جو اور اب اتنی تنگ نظری کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ ایک خاص نظام عمل ہی میں جسے اسلام کہا جاتا ہو، انسانوں کی فلاح، اُزردے قرآن سمجھی جائے، مغفوت اور درگزر انھیں لوگوں کا حق مانا جائے جو الاسلام کو اپنا دین بناتے ہیں اور خدا کی دستی بس انھیں کا حصہ قرار دی جائے جو کہ نبی اُمّی کا نقش قدم پکڑے چلتے ہیں۔ یہ قرآن کے نام پر دین کی ایک ایسی روشن اور منقح حقیقت کو، جسے ذہن نشین کرانے سے قرآن کے سیکڑوں میں سے کم ہی صفحات بچے ہیں، الٹ ڈالنے کی کوشش جس قدر بے سواد ہی، کم نگاہی اور محکمہ خیر کے پہلو لیے ہوئے ہے، اُن سے کوئی مطلب کسی کو نہ بھی ہو تب بھی کیا یہ بات قابل برداشت ہے کہ ایک ایسے تعلیمی ادارے کا سربراہ اسلام کی بنیادیں الٹ ڈالنے کی کوشش کرے جس پر ”جامعہ ملیہ

اسلامیہ کا بورڈ لگا ہوا اور ہندوستان بھر سے کتنے ہی مسلم طلبہ جہاں ایک اسلامی ادارہ سمجھ کر آتے ہیں؟ جس کے لیے مسلمانوں سے امید کی جاتی ہو کہ اس کے کاموں میں ملی جذبہ سے حصہ لیں گے؟ یہ بات ان تمام مسلم افراد کے سوچنے کی ہو جو جامعہ سے کسی قسم کا علاقہ بھی رکھتے ہیں!

اب تک لوگ وحدتِ ادیان ہی کا فتنہ اٹھاتے اور مختلف دینوں کو خدا کی رضا پالنے کا یکساں ذریعہ اور دے قرآن ٹھہرا دیا کرتے تھے۔ مگر مجیب صاحب اس سے کہیں آگے کی فتنہ آرائی کے درپے ہوئے ہیں۔ وہ خدا کی رضا حاصل کرنے اور آخر دی کا میابیوں سے سرفراز ہونے کے لیے سرے سے اُس چیز کی ضرورت کا احساس ختم کر دینے اٹھے ہیں جسے اب تک اصل دین و مذہب سمجھا جاتا تھا۔ اُن کا کہنا ہو — اور خدا پناہ میں رکھے — قرآن کو ”گواہ“ بنا کر کہنا ہے کہ بس اپنے ضمیر کے مطابق ذاتی زندگی گزارنا اور دنیا کے معاملات میں سرگرم حصہ لینا ہی خدا کو انسان سے مطلوب ہو اور اسی میں تمام وہ آخر دی کا میابیاں پنہاں ہیں جن کا وعدہ قرآن مجید میں اہل ایمان سے کیا گیا ہو۔ ”لَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ“ سے اخذ کی ہوئی اُن کی ہدایت اور نجات سامنے ہو، جس میں اس بات کی نفی لفظوں میں تو نہیں کی گئی ہو کہ زندگی کے معاملات کو اپنے بس بھر ضمیر کے مطابق انجام دینے کے سوا اور کوئی چیز نہیں جو انسان کو ”اولیاءِ اشر“ کے زمرہ میں شامل کرنے کے لیے ضروری ہو۔ مگر جو کچھ الفاظ اور پیرایہ بیان ہے اس میں ضرورت ہی اس بات کی کہاں تھی کہ نفی کا پہلو بھی اُجاگر کیا جائے؟ جو آدمی بھی مجیب صاحب کے فکر کو قبول کر لینے کے قابل ہوگا یہ نفی تو آپ سے آپ اُس کے دل میں بیٹھ گئی، پھر اسے کھول کے وہ ایک شورشِ عام کا خطرہ کیوں مول لیں۔

یہی ایک مقام نہیں ہو جس سے مجیب صاحب کا یہ نقطہ نظر ظاہر ہوتا ہو، جگہ جگہ اس کا اظہار مقالے میں ہوتا گیا ہو اور کوئی شک رکھنے کی گنجائش نہیں کہ وہ اسی کو ذہنوں میں اتارنا چاہتے ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا یا مزید کی ضرورت محسوس کی جاتی تو اس طرح کے کئی اقتباس اور سامنے لائے جاسکتے تھے۔

ہاں تو مجیب صاحب داعی ہیں اس بات کے کہ اصل دین داری اور اصل ”اسلام“

دنیا کا ہر کام اپنے ضمیر کی روشنی میں کرنے اور خوب سے خوب تر کرنے کا نام ہے۔ اور ضمیر کی روشنی میں خود اور خوب تر کی تلاش جب آدمی کو کرنا پڑے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی خاص پیمانہ اس کے سامنے نہیں ہے جو دو ٹوک فیصلہ کر دے۔ اسی بنا پر مجیب صاحب نے جہاں یہ کہا تھا کہ اولیاء اللہ کے ذمے میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو ہر کام اپنے ضمیر کے مطابق کرتے ہیں اور غلطیوں کا خوف درد کرنے کے لیے انھیں قرآن کی ہدایت ہے کہ اس خوف سے بیٹھ نہیں رہنا چاہیے بلکہ اپنے بس بھر جہد کرنی چاہیے۔ دہیں انھوں نے یہ صراحت بھی کر دی تھی کہ

”اس جہد و جد کی نوعیت کیا ہوگی۔ یہ وضاحت سے نہیں بتلایا گیا ہے کہ بلکہ

صرف نیک اور صالح عمل کا ذکر ہے اور امر بالمعروف اور نہی منکر کا یہ خود ایمان لانے

والے کا کام ہے کہ اپنے ضمیر کے مطابق ان حالات میں کہ جن میں وہ زندگی گزار رہا ہے طے

کرے کہ نیک عمل کیا ہے اور معروف اور منکر سے مراد کیا ہے۔“ (جامعہ کی شش ماہی ص ۱۲۸)

گویا زندگی کے عام مسائل میں بھی جن کی بہتر طریقے سے انجام دی، اصل دین اور اصل اسلام مجیب صاحب کے نزدیک ہے۔ خوب و ناخوب اور قبول و ناقبول کا کوئی پیمانہ قرآن نہیں دیتا، کسی حد تک وضاحت بھی نہیں کرتا کہ اس کے ”عملی صراح“ اور ”معروف“ و ”منکر“ کا کیا تصور ہے۔ یعنی شریعت اور اس کی ہمہ گیری کا تصور غلط ہے!۔ اور اسے بھی مجیب نے تھوڑی سی احتیاط سے کہہ ہی دیا ہے کہ انھیں

”اُن کا درجہ، اُن کے عالموں کا معیار ایسے میدان میں کام نہیں آتا جہاں انسان کو

خود اپنے لیے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے اُن کی یہ رائے قائم ہو گئی ہے کہ ایسا کوئی

میدان جہاں نہیں اور جہاں شریعت کامل اور ہمہ گیر ہے۔ یہاں پر ہمیں اس کو اور شریعت کے

اس بے پور تصور کو جو وہ پیش کرتے ہیں، خیر باد کہہ دینا چاہیے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ

اپنے ضمیر کے مطابق عمل کریں اور ان تمام ذمہ داریوں کا حق ادا کریں جو قرآن نے ہم پر

ڈالی ہیں اور جن کے لیے ہم میں سے ہر ایک انفرادی طور پر خدا کے سامنے جواب دہ ہے“

کیا چاہتے ہیں مجیب صاحب، شریعت کی ہمہ گیری کا تصور ختم کر کے ”ضمیر کے فیصلے کے

میدان“ کو اس قدر وسیع کر کے کہ ناز و زلف کے سوا زندگی کا کوئی معاملہ اس سے باہر نہ رہ جائے؟

یہ کہ تمام مسائل پر ہمیں صرف تاریخ اسلام کے پس منظر میں نہیں بلکہ تاریخ عالم کے پس منظر میں

غور کرنا چاہیے۔ مسلم اور غیر مسلم کی تفریق زندگی کے اس وسیع میدان میں ختم کر دینی چاہیے۔ اور ایک ایسی وحدت میں، غیر مسلم دنیا کے ساتھ ہمیں خود کو شامل کر دینا چاہیے، جس میں بس انسانی ضمیر رہنما ہو، مذہبی کتابوں کے حوالوں اور مذہبی عالموں کے تفریق انگیز معیاروں کا اس میں گزرنہ ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ”ملت کے“ ہر فرد کو اس وسیع میدان میں آزادی پونی چاہیے کہ جو چاہے لائے رکھے اور جو چاہے کرے۔۔۔ یہ سب باتیں اب انھیں کی زبان سے سُنیے۔

مقالے کی دوسری قسط میں، وہ اسلام کے ایک عالمی دین اور عالمی ہدایت ہونے کی حقیقت واقعی کو ایک خاص رنگ میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اگر اسلام ایک عالمی مذہب ہے اور انسانوں یعنی مسلمانوں اور غیر مسلموں میں ایسے

لوگ تھے جو ایک خدا اور اس کی ہدایت پر دل سے ایمان لائے ایسے جو خالی زبان سے ایمان لائے،

اور ایسے بھی جو ایمان لائے ہی نہیں تو ہمیں تمام مسائل پر صرف تاریخ اسلام کے پس منظر میں نہیں بلکہ تاریخ عالم کے پس منظر میں غور کرنا چاہیے۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ انسان کے ضمیر نے تمام قوموں اور تمام حالات میں کس طرح اپنا اثر دکھایا ہے۔“ (جامعہ جون سنہ ۱۹۸۷ء)

اس کے بعد کچھ آگے بڑھ کر ”اقوام عالم“ کے ایک خاص معنی بھی سامنے آتے ہیں۔

”ہمیں ماننا پڑے گا کہ مغربی قوموں نے چاہے ہماری دنیا کے مطابق وہ صحیح معنوں

میں عیسائی نہ ہوں، غلامی کو مٹانے کا بڑا نیک کام انجام دیا ہے۔ غلامی کو مٹانا ایک ایسا

کام ہے جسے مسلمانوں کو اس سے بہت پہلے کر دینا چاہیے تھا، لیکن ہم نے اپنے آپ کو ساتویں

صدی کے سماجی نظام میں گرفتار کر لیا اور اس کا خیال نہ کیا کہ غلاموں کو آزاد کرنا تو اب کا

کام اسی نیت سے ٹھہرایا گیا ہے کہ غلامی کا سد باب ہو جائے یہی مغربی قومیں تھیں، جنھوں نے

بالآخر جمہوری نظام قائم کیا، اس لیے نہیں کہ یہ ان کا مذہبی عقیدہ تھا بلکہ اس لیے کہ ان

کے ضمیر نے ان کو مجبور کیا۔ اس کے برخلاف ہم شخصی حکومت پر راضی رہے، اگرچہ وہ استبدادی

تھی اور ایسی حکومت کی قرآن میں اجازت نہیں ہے۔“ (ص ۲۹۳-۲۹۲)

پھر یہ لکھ کر کہ قرآن میں زکوٰۃ کو حاجت مندوں پر صرف کرنے کا حکم تھا لیکن حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے بعد صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دو سالہ دور کو مستثنیٰ کر کے یہ رسم یعنی زکوٰۃ کو سرکاری طور

پر محتاجوں کی مدد اور رفاہ عام کے کاموں کے لیے استعمال کرنے کی رسم اٹھ گئی، آگے لکھتے ہیں۔  
 ”آج کل جو دلیفیئر اسٹیٹ قائم ہوئی جو، اُس پر مسلمانوں کے سماجی تصور رات یا اُن کے ضمیر کا کوئی احسان نہیں ہے اور یہ بات بھی صاف ظاہر ہو کہ پہلے دونوں خلفاء کو چھوڑ کر مسلمانوں کا قائم کیا ہوا کوئی سیاسی نظام اسلام کے نصب العین کے اتنا قریب نہیں تھا جتنی آج کل کی دلیفیئر اسٹیٹ۔“ (ص ۲۹۴)

اور پھر ان مثالوں سے یہ نتیجہ نکالتے ہوئے کہ اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے اور اسلامی مقاصد کو بروئے کار لانے کی اہلیت صرف دہی لوگ نہیں رکھتے جو اپنے آپ کو مسلمان بنالیں، بلکہ غیر مسلموں میں بھی، غیر مسلم رہتے ہوئے، اس کی پوری صلاحیت ہو، مسلمانوں کو اس پس منظر میں یہ سوچنے کی دعوت دیتے ہیں کہ

”ہمیں اپنے ضمیر کو گواہ اور رہنما بنا کر موجودہ سیاسی اور سماجی حالات میں کیا کرنا چاہیے؟“

پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ:-

”اگر اسلام کا منصب صرف انسانوں کو متحد کرنا ہے اور اُن میں تفریق پیدا کرنا نہیں ہے تو ہمیں ہر مسلمان کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق طے کرے کہ سلم اور غیر مسلم کا فرق قائم رکھنا کس حد تک ضروری یا مناسب ہے اور ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مسلمان کا ضمیر ہی یہ طے کر سکتا ہے کہ وہ اسلام کے روحانی، اخلاقی اور سماجی مقاصد کی خدمت کس طرح کر سکتا ہے۔“

اسی سلسلہ کلام میں فرماتے ہیں:-

”آج کل کے حالات میں یہ تقریباً ناممکن ہے کہ تمام ہندوستانی مسلمانوں کا ایک ہی سیاسی و سماجی اتحاد ہو، غالباً ہم اپنی قوت کو یکجا کرنے کے معاملے کو اپنی فلاح کا ذریعہ نہ مانتے۔ اگر ہمیں ہر مسلمان کے ضمیر کی سلامت روی پر اتنا سہرہ نہ ہونا کہ اپنی طاقت کو منتشر کر دیں اور یہ سمجھیں کہ ہر شخص اور ہر چھوٹی بڑی جماعت اپنے ضمیر پر بھر دوسہ کر کے صداقت، عدل

عہ یہاں ہمیں سیاسی معاملات سے مطلب نہیں ہو، دکھانا صرف یہ مقصود ہو کہ دینی معاملے میں مجیب صفا کیا فرماتے ہیں۔

اور فیاضی کا حق ادا کر سکے گی۔“

اور اس کی مزید تشریح کے طور پر کہتے ہیں :-

”ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ملت کے تصور کو ذہن نشین کرنے کے لیے جو کچھ کہا گیا ہے اس کے باوجود اسلام دراصل انفرادی مذہب ہے..... اسلام کا اصل منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملت کا ہر فرد اپنے ارادے سے ملت کو قائم رکھے، یہ نہیں کہ ملت ہر فرد کے ارادے کو سلب کر لے۔“

تو شریعت کی ہمہ گیری کے تصور کو عجیب صاحب نے غلط ٹھہرا دیا، اہل ایمان کے ضمیر اور صرف ضمیر کا یہ منصب بتایا کہ زندگی کے تمام معاملات میں اُسی کا فیصلہ ناطق ہو، غیر مسلموں کے بارے میں ذہن نشین کر لیا کہ اسلام میں داخل نہ ہونے کے باوجود وہ اسلام کے اخلاقی، سماجی اور سیاسی مقاصد کو پورا کرنے میں۔ جو اصل اسلام ہے۔ اتنے ہی ناقابل اعتماد ہو سکتے ہیں جتنا کہ کوئی اچھے سے اچھا مسلمان، اُن کے ساتھ ایک سیاسی اور سماجی وحدت میں منسلک ہونا عین اسلام کا تقاضہ ٹھہرا، یا جس میں ہر فرد اور ہر جماعت کے ضمیر کا مقام یکساں ہو اور سب ایک دوسرے سے روشنی حاصل کریں۔ اور اس کے بعد بھی اگر کوئی کسر اب تک کے اسلام کا بستر پلٹ دینے میں رہ سکتی تھی تو اس کا امکان ختم کرنے کے لیے اس انفرادی آزادی کو اسلام کی عین فطرت بنا دیا گیا کہ ملت کا ہر فرد اسلام کے اصولوں کی متابعت اور اُس کے مقاصد کی خدمت میں اپنے طرز عمل کا محتاط ہو، کوئی کسی سے پوچھنے کا حق نہ رکھتا ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کس دہلیز سے گزر رہا ہے!

اور اس اتنی بڑی اکھڑ پکھاڑ کے نتیجے میں کیا؟ — کیا مجرّد ایک عرفانِ حقیقت؟ اور ایک بے لاگ تلاشِ حقیقت کا ادلی سے آخر تک معروضی نتیجہ؟

ہو تو سکتا تھا کہ داعیہِ لوہی ہو۔ مگر جس قدر بڑے بڑے بھولے، خاص طور پر قرآن سے استدلال اور قرآن وحدیث کی حیثیت پر گفتگو والے بھولے، عجیب صاحب کے پیش کردہ اس فکر میں پائے جاتے ہیں، اُن کو دیکھ کر یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ ایک خالی الذہن آدمی کی بس تلاشِ حقیقت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ عجیب صاحب جیسا پڑھا لکھا اور معتمد آدمی جو معلوم بھی ہو اُس کا اتنے بڑے بڑے بھولے لیے ہوئے آگے بڑھنا ذرا بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ اس کے بجائے جو



بات قرین قیاس ہے، گو قطعی اُسے کہنا مشکل ہو، وہ یہ ہے کہ مسلم پرنسپل لاکے مسئلہ میں تجدد پرستوں کا جو راستہ علماء ارد کے ہوئے ہیں بس اُسے صاف کرنے کے لیے یہ کہ وہ کادی مجیب صاحب نے کی ہے اور اُس درخت ہی کو جڑ سے اڑا دینے کی ٹھان کر وہ اُسٹھ کھڑے ہوئے ہیں جس پہ ان علماء کا آشیانہ بنا ہے۔ قطعیت کی دلیل تو ہم کہہ چکے ہمارے پاس نہیں ہے لیکن اسے محض اتفاق اور خالی از علت بات کیسے سمجھ لیا جائے کہ مسلمانوں کے ملی محاذ بنانے کی قابل تنقید اور مضرت رساں کوششوں کی مثالوں کے سلسلہ میں جو دواحد معاملہ اُن کے انتخاب میں آیا ہے، وہ پرنسپل لاکہ کی معاملہ ہے اس کے سوا یا اس کے علاوہ کسی دوسری مثال کا نام تک لینا انھوں نے مناسب نہیں سمجھا۔

اد پر جو آخری اقتباس مجیب صاحب کا گزرا ہے اُس کے معاً بعد لکھتے ہیں۔

”سیری نظر میں بعض معاملے ہیں جن میں ایک ملی محاذ قائم کرنے کی کوشش بیجا طور پر کی گئی ہے۔ اور جن میں ہم نے اپنی عقل اور ضمیر سے کام لینے کے بجائے دنیات کی کتابوں پر بھروسہ کیا۔“

جب مرکزی اسمبلی میں شادراہل پر بحث ہو رہی تھی تو وہ مسلمان جو جانتے تھے کہ مسلمانوں میں بچپن کی شادیوں کا رواج ہے اور اس سے ضرر نتیجے نکلتے ہیں یا تو خاموش رہے یا مسلمانوں کی عام رائے سے دب کر انھوں نے اس تحریک کی تائید کی کہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ اس کے لیے سب سے اہم دلیل یہ تھی کہ ایسی اسمبلی جس کے اکثر رکن غیر مسلم ہوں اس کا حق نہیں رکھتی کہ شرعی معاملات میں مسلمانوں کے لیے قاعدے اور قانون بنائے۔۔۔۔۔

..... یہ دلیل کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے شرعی معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے بہت کمزور تھی، اس لیے کہ اگر کیوں کے حق وراثت کے بارے میں عدالتوں میں فیصلے ہو چکے تھے، جو شریعت کے خلاف تھے اور قانون تعزیرات اور دوسرے قوانین میں جو برطانوی حکومت نے نافذ کیے تھے، شریعت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں نے جس طرح شادراہل کی مخالفت کی، اُس کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ دوسروں کی نظر میں اُن کی عزت کم ہو گئی۔ اسلام پہلا مذہب ہو، جس نے نکاح کو ایک روحانی اور دائمی تعلق کے بجائے ایک قانونی معاہدے کی شکل دی ہے۔ اب مسلمان بجائے اس کے اصرار کریں کہ نکاح

کے بارے میں اُن کا تصور جو اخلاقی اور سماجی اعتبار سے زیادہ صحیح ہے، عام طور پر صحیح تسلیم کیا جائے، رفتہ رفتہ اپنے ردیہ سے اپنے اوپر یہ الزام اوڑھ رہے ہیں کہ وہ یک مذہبی کے مخالف ہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عقل سلیم رکھنے والے مسلمان اور خاص طور سے وکیل ایسے معاہدے مرتب کریں کہ جن سے عملی طور پر عورتوں کو اُن کے جائز اور پورے حقوق ملی سکیں۔ لیکن اس کے برخلاف یہ کہا جا رہا ہے کہ اس معاملے میں صرف علماء کی متفقہ رائے ہی سند ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اس کا بھی یقین ہے علماء و متفق نہ ہوں گے، چاہے اُن سب کو اکٹھا کر کے جمع کر دیا جائے.....“

تو یہ صرف اتنا سا مقصد تھا جس کے لیے پروفیسر محبوب صاحب نے ٹیگ اور بے ٹیگ کی قید سے بھی بے نیاز ہو کر اسلام کے پورے درختِ حیا کو نشانہ پر دھر لیا اور پھر یہیں بھی اُن کے عرفی مقام اور مرتبہ کو نظر انداز کر کے ایک بے رحم تنقید کے سپرد انھیں کرنا پڑا۔ انھیں اگر اپنی جماعت (ملت) کو ایک بہتر جماعت بنانے کا حوصلہ خدا نے دیا ہے، ایک ”بیدار ذہن“ بھی (بلا طعن) عطا ہوا ہے جو علماء کی بے حسی اور لیت و فعل سے نالاں ہے، تو آخر یہ کون سی مشکل بات ہے، خاص طور سے اُن جیسے ذی علم کے لیے، کہ دین کا وہ علم حاصل کر لیں جو انھیں ایک عالم دین کا بھی مرتبہ دلا سکے۔ اب تو وہ زمانہ نہیں رہا کہ کسی مدرسے سے فراغت حاصل کرنا ہی عالم دین شمار کیے جانے کی شرط ہو۔ ایسی مثالوں پر یقیناً اُن کی بھی نظر ہو گی کہ بغیر کسی سند فراغ کے اتنے ہی مستند عالم بعض اشخاص مانے جاتے ہیں جتنا مستند کوئی فارغ التحصیل ہو سکتا ہے، بلکہ ایسے بعض اشخاص کا سکہ تو ایسا رواں ہے کہ مشکل ہی سے کسی فارغ التحصیل عالم کا نام اُن کے مقابلے پر لیا جاسکتا ہے۔ پھر محبوب صاحب اسی نئی وسعت کی قدر کرتے ہوئے آخر کیوں وہ منصب حاصل نہیں کر لیتے جس پر پہنچ کر وہ کسی دوسرے عالم دین ہی کی طرح ملت کی رہنمائی کے حقدار ہوں۔ یہ بات کہ جب تک تمام علماء و متفق نہ ہوں کچھ نہیں ہو سکتا، واقعات کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں اور قرآن و حدیث نے کوئی اس طرح کی اجاودہ داری بھی علماء کے لیے قائم نہیں کی ہے۔ ایک عالم اگر مطمئن ہے کہ اُس کا موقف کتاب و سنت کی روشنی میں برحق ہے، تو اسے حق ہے کہ امت کو اس کی طرف دعوت دے۔ اور امت اگر اسی اطمینان کے ساتھ سب کو

ایک طرف چھوڑ کر اُس اکیسے کی طرف آجائے تو ذرا بھی اپنے اس فعل میں گنہگار نہیں ہے کسی عالم کا صرف قول یا نام علماء کا متفق ہو جانا کوئی شرعی حجت نہیں ہے۔ حجت کتاب و سنت سے استدلال ہے۔ اور اس استدلال میں اگر ایک اکیلا شخص بھی زیادہ صحیح ہے تو وہی کتاب و سنت کا صحیح ترجمان ہے اور کسی عالم کی مجال نہیں کہ وہ اس استدلال کے مقابلے میں محض ایک باقاعدہ عالم کے قول یا علماء کے مجرّد اتفاق کو قابل ترجیح قرار دے۔ عجیب صاحب اس کے خلاف کوئی ایک بھی معتبر شہادت پیش نہیں کر سکتے۔ اور اس لیے یہ محض ایک بہانہ سازی ہے کہ علماء کبھی متفق ہوں گے نہیں، لہذا قرآن و حدیث سے دلیل کا راستہ اختیار کرنے اور علماء کے مانے ہوئے معیاروں پر اپنی رائے صحیح ثابت کر دکھانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ حقیقت صرف یہی ہے کہ عجیب صاحب جو کچھ جانتے ہیں اُس کے لیے دلیل کتاب و سنت سے فراہم نہیں ہو سکتی اور اس لیے انھیں سود مند راستہ ہی نظر آتا ہے کہ اُس دائرے کے تمام معاملات میں جس کے اندر وہ کوئی نئی بات چاہتے ہیں قرآن و حدیث سے دلیل کی شرط کا خاتمہ کر دیا جائے۔

مگر اس طریق علاج میں وہ جماعت ہی کہاں باقی رہے گی اور اُس ملت کا وجود ہی کب ٹھونڈ سے بھی لے گا، جس کی خیر خواہی میں یہ طریقہ اپنایا جا رہا ہے؟ ضمیر کا بھی ایک مقام ہے اور بہت بڑا مقام ہے۔ لیکن اُس کی حیثیت باطنی ہے۔ ”ایک آنکھ“ سے زیادہ تو نہیں ہے۔ ظاہر کی آنکھ بھی دو چیزوں کے بغیر ذرہ برابر سود مند نہیں۔ ایک یہ کہ خوارج میں کچھ دشمنی اُس کی مدد گاہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اشیاء عالم کے بارے میں کچھ علم آگاہی بھی اُس شخص کو ملی ہو جس کے چہرے پر آنکھ لگی ہوئی ہے۔ باطن کی آنکھ بھی اسی طرح خود کفیل نہیں ہے۔ وہ صرف خیر پسندی کا ایک جذبہ ہے جو گمراہ بھی ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہی نہیں ہوتا بھی ہے۔ اقوام عالم کی تاریخ کا کوئی ادنیٰ طالب علم بھی اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس جذبے کو خیر اور خوب کی صحیح صحیح شناخت کے لیے خود ایک معیار چاہیے جو اسے بھٹکنے نہ دے۔ خدا نے یہ جذبہ خیر پسندی (یعنی ضمیر) انسان کے اندر رکھا اور اس کی خبر بھی دی مگر انسان کو صرف اس کے سپرد کر کے کارگاہ حیات میں نہیں اتار دیا بلکہ

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَاَمَّا بَابُتُّكُمْ  
مَتٰی هٰذٰی فَمَنْ يَمِيعْ هٰذَا اٰی فَلَا  
ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب  
پھر اگر تم کو نیچے میری طرف سے کوئی

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ  
كَفَرُوا أَوْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ  
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا  
خَالِدُونَ ۝

ہدایت تو جو چلا میری، ہدایت پر نہ خوف ہوگا  
ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ  
منکر ہوئے اور جھٹلایا ہمارے لٹائیوں کو  
وہ ہیں دروزخ میں جانے والے وہ اسیں

(البقرہ ۴۷) ہمیشہ رہیں گے۔ (ترجمہ شیخ محمد ابراہیم)

کے الوداعی الفاظ میں یہ وصیت بھی کی کہ اُس کی طرف سے ہدایتیں آتی رہیں گی اُن کے اتباع ہی میں،  
انسان کو اپنی فلاح و نجات مضمحل جانتا ہے۔ یہ صرف اسی لیے تو کہ ضمیر انسانی خود کفیل نہیں تھا،  
دور نہ اور معنی اس کے کیا ہیں؟ عجیب صاحب بھی شریعت الہی کی ہمہ گیری اور ابدیت کا انکار کرتے ہوئے  
ہر فرد بلکہ ہر جماعت کے ضمیر کو کبھی خود کفیل بہ حال نہیں کہہ سکے ہیں، انھیں بھی اقوام عالم کی تاریخ سے  
استفادے اور دوسری جماعتوں کے ضمیر کی کارگرا دیوں سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت تسلیم  
کہ فی پڑی ہے کیونکہ وہ ضمیر جو رہنمائی کا کردار ادا کر سکے، دراصل تیار ہی اُس وقت ہوتا ہے جب صلاح  
سے علم کی غذا بھی اُسے پوری پوری مل جائے اور وہ ہضم ہو کر اُس کا جزو بن جائے اب جیسی وہ غذا  
ہو گی دسی ہی ضمیر کی رہنمائی بھی ہوگی۔ خدا نے پیغمبری کا نظام قائم کر کے ایک علمی غذا کا انتظام ضمیر  
انسانی کے لیے کیا تھا تاکہ پھر کوئی بڑی ٹھوکراُسے نہ لگے، عجیب صاحب اس کے بجائے اقوام عالم  
کی تاریخ سے غذا حاصل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، جس میں ہر طرح کی ٹھوکروں کا اندیشہ بھی انھیں تسلیم  
ہے۔ یہ اپنی اپنی پسند ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اس ترک اختیار کا محرک بس یہ ہے کہ اقوام  
عالم کی تاریخ سے استفادے کی صلاحیت تو عجیب صاحب کو حاصل ہے، اس لیے اس باب میں  
نہ صرف یہ کہ انھیں کسی دقت کا سامنا نہیں بلکہ رہنمائی کا مقام بھی آسانی سے پاسکتے ہیں عجیب کہ  
خدا کی ہدایت سے استفادے کے معاملے میں اُن کا حال دوسرا ہے اور اس حال کو بدلنے کے لیے  
ایک لمبی مشقت اور ایک نئی طالب علمانہ زندگی ناگزیر ہے۔

علماء کے جہود کی شراکت میں تسلیم ہے۔ یہ تجزیہ بھی بہت حد تک صحیح ہو کہ غلطیوں کے  
خون سے وہ اپنے فرائض میں کوتاہی کر رہے ہیں لیکن پھر جو کچھ عجیب صاحب فرما رہے ہیں وہ اگر اس کا  
رد عمل ہے تو یہ کوئی دانشورانہ رد عمل نہیں ہو سکتا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی جو مثال عجیب صاحب

✽

پیش کی ہے کہ انھوں نے اصلاح کی کوشش کی مگر جب علماء سے تنگ ہوئے تو ممکن ہے اسی باعث پیغمبری کا دعویٰ کیا ہو، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کی کون چلنے دیتا، اُن کی تحریک دماغوں میں ایک دال سا پیدا کر کے ختم ہو جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملت کی اصلاح کے لیے پیغمبری کے دعوے تک میں مضائقہ موجب صاحب نہیں دیکھتے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ انداز فکر ہو تو اُن باتوں میں کیا مزید قباحیت وہ محسوس کریں گے جن کی دعوت اس مقالے میں انھوں نے دی ہے لیکن یہ انداز فکر اگر واقعہ اسلام اور ملت کے لیے مفید اور خیر خواہی بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے تو اسے عقل و دانش سے سرکار نہ ہونا بھی اڑنا ہی ظاہر ہے۔ ہاں اگر مقصد اسلام اور ملت کی تخریب ہو تو یہ ضرور ایک دانشورانہ بات ہے کہ ملت کو اُس کے اصلاح حال کا وہ راستہ بتایا جائے جو موجب صاحب نے بتایا ہے۔

مقالے کا ایک اچھا خاصہ حصہ رہ گیا جس پر ہم کچھ نہیں کہہ سکے مگر جتنا ضروری تھا وہ ہر حال زیر بحث آگیا ہے۔ باقی کے لیے بشرط فرصت ایک الگ مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ لہذا فی الحال اسے چھوڑ کر صرف اُن باتوں کی نشاندہی ہمیں ادھر کرنی ہے جن کی طرف پہلی نسط میں اشارہ کیا گیا تھا کہ بعض غلط بیانیوں سے بھی موجب صاحب نے کام لیا ہے۔

ان مقامات میں علامہ موجب صاحب کا یہ بیان ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے بعد صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مثال ملتی ہے جنھوں نے زکوٰۃ سے حاجت مندوں کی حاجت پوری کی، لیکن اسکے بعد سے زکوٰۃ کو سرکاری طور پر مختص جوں کی بے درد اور فہام عام کے کاموں کے لیے استعمال کرنے کی رسم اُٹھ گئی۔ اس غلط بیانی کو ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جس کی کچھ بھی نظر اسلامی خلافت کی تاریخ پر ہو۔

۲۔ قرون مظلمہ کے عیسائی راہبوں کی بات لکھا گیا ہے کہ انھوں نے خدمت اور فہام عام کے جو کام کیے اُن کے مقابلے میں مسلمانوں کے کارہائے خیر کی تاریخ اس بے لوث خدمت کا جواب نہیں دیتی کہ قرون راہبوں کے خدمتی سلسلوں میں نظر آتی ہو۔ موجب صاحب اسے تاریخ سے ثابت کریں تو دوسری بات کو رد نہیں، اصرار ہو کہ وہ اپنی تاریخ سے نادانہ یا پرگشتہ خاطر اور عیسائیت کے تاریخ کے ضرورت سے زیادہ گردیدہ۔

۳۔ دوسرا آخری غضب یہ ”ہایا کیا ہو کہ“ ہدایہ جو ہمارے عربی مدارس کے نصاب فقہ کی ایک معروف اور فقہ حنفی کی مشہور کتابوں میں ہو، اُس پر موجب صاحب نے تہمت دھری ہو کہ اس کتاب میں غیر مسلموں کے

✽ اس مقام کا وہ دیدہ جس کی اطلاع اس قدر اڑ گئی انداز سے انھوں نے مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم دنیا کو دی ہو اب بھی وقت نہیں گیا ہو کہ کوئی ایسا شخص جو عالم موجب صاحب کی تاریخ اور بعض کا تو نہ ہو کہ وہ جگہ کے یا جی تو ہو جانا جو پیغمبری کی دعوت کو ان کی تو ہو گی مگر کوئی دعویٰ نہ کرے

خلافت پر تنگ نظر ہو کہ وہ اس موضوع کی بحیث صاحب کی عبارت میں

# میری طالب علمی

## دارالعلوم دیوبند کے طلبہ سے ایک خطاب

دارالعلوم دیوبند کی ایک خدمت کے سلسلہ میں گزشتہ مہینے جمادی الاخریٰ کے آخری ہفتہ میں درون کے لیے دیوبند حاضری ہوئی تھی، ایک دن عصر کی نماز کے بعد دارالعلوم کی مسجد ہی میں طلبہ سے اس ناچیز نے خطاب کیا، بعد میں بعض حضرات نے اصرار اور تاکید سے فرمائش کی کہ اس کو قلمباز کر کے شائع کر دیا جائے، چنانچہ حافظہ پر زور ڈال کے ممکن حد تک الفاظ کی بھی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو قلمبند کرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ناظرین کے لیے نافع بنائے۔

نعمانی

الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله لقد

جاءت رسول ربنا بالحق صلوات الله تعالى علیه وعلى کل من تبعهم باحسان ۵

میرے عزیز بھائیو! میں اس وقت آپ کو اپنی طالب علمی کے سلسلے کے کچھ واقعات اور تجربات سنانا چاہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ آپ کے لیے کارآمد اور نفعمند ہوں گے۔ میری طالب علمی کی سرگزشت بعض پہلوؤں سے بڑی سبق آموز ہے۔

آپ میں سے کچھ بھائیوں کو معلوم بھی ہو گا کہ میرا اصل وطن ہمارے اسی صوبہ یوپی کے ضلع مراد آباد کا مشہور اور قدیم قصبہ سنبلہ ہے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی دولت و ثروت اور دجاہت بھی دی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے خاص رنگ میں گہرے دیندار بلکہ بڑے ذاکر شافل تھے۔ اور ایک زمانہ میں انھوں نے بہت سخت صوفیانہ ریاضتیں بھی کی تھیں،

[illegible]

تک اسی طرح چلتا رہا اور ہر سال میری تعلیم ”مدان اسعدك الله في الدارين“ سے شروع ہوتی رہی۔

اسی زمانہ میں جبکہ میرے غالباً دو تین سال اسی طرح برباد ہو چکے تھے اور میری عمر قریباً ۱۲ سال کی ہو چکی تھی، ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے خلع مراد آباد کے اس وقت کے انگریز کلکٹر نے جو کسی خوش گمانی کی بنا پر میرے والد ماجد کا بہت قدر شناس تھا ایک ملاقات میں والد صاحب سے ان کی اولاد کے بارے میں پوچھا۔ والد ماجد نے بتایا کہ خدا کے دیئے ہوئے میرے ۵ لڑکے ہیں۔ اُس نے تعلیم کے بارے میں دریافت کیا تو اسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور نہ کوئی اب انگریزی پڑھ رہا ہے۔۔۔ اس وقت میری عمر اور تعلیم کی منزل ایسی تھی کہ میرے ہی بارے میں اس طرح کا فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔ کلکٹر نے اصرار سے کہا کہ کل ہی اس بچہ کو مقامی لڑائی اسکول میں بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی کہا کہ میں ہیڈ ماسٹر سے کہہ دوں گا کہ وہ پانچ سال میں انٹرنس کرادے اور والد صاحب سے کہا کہ پھر میں اس کو نائب تحصیلدار سے دے دوں گا۔۔۔ اس زمانہ میں نائب تحصیلدار ہی بڑی چیز تھی پہلی ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا۔ پس یہی ہندوستانیوں کی معراج تھی۔ اس سے آگے کلکٹر اور کسٹرن تو صرف انگریز ہوتے تھے۔۔۔ تو کلکٹر نے والد صاحب کو بہت اصرار کے ساتھ یہ مشورہ دیا۔ والد صاحب نے گھر آکر یہ قصہ سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ انھوں نے اس کی بات ماننے کا فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن اُن کے بعض طے والوں کی اور گھر کے بھی بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور مجھے اسکول میں ضرور داخل کر دیا جائے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے والد صاحب کو اس کے لیے راضی کرنے کی کوشش کی۔۔۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ اُن کا آخری جواب یہ تھا کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری اُمید ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد سے مجھے کچھ لینے کی ضرورت نہ ہوگی، انشاء اللہ ہمیشہ ان کو کھانا اور دیتارہوں گا، ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت نہ ہوگی، اس لیے میں تو ان کو وہی تعلیم دلانے کی کوشش کر دوں گا جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے، الغرض انھوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔



مجھے یاد ہے کہ اُس وقت والد صاحب کے اس فیصلہ کا مجھے بڑا رنج اور صدمہ ہوا تھا جس کی ایک وجہ تو یہی تھی کہ میں سوچتا تھا کہ اگر مجھے اسکول میں داخل کر دیا گیا تو تھوڑے دنوں کے بعد میں نائب تحصیلدار اور پھر تحصیلدار اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر بن جاؤں گا اور دوسری اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے کرکٹ کھیلنے کا بے حد شوق تھا، حالانکہ قریباً دروازہ پڑائی ہوتی تھی لیکن کھیل نہیں چھوڑتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسکول میں داخلہ کے بعد مجھے اس کی بھی آزادی مل جائے گی۔ لیکن والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی فیصلہ نہادیا کہ وہ مجھے انگریزی پڑھنے کے لیے اسکول میں داخل نہیں کریں گے۔

اس واقعہ کے بعد بھی غالباً کئی سال تک میرا وہی چکر چلتا رہا کہ پڑھنے کے ارادہ کے بغیر پڑھتا رہا۔ مدرسہ جاتا آتا رہا اور ہر سال مدرسہ کی تبدیلی ہوتی رہی اور نئے سرے سے میری میزان شروع ہوتی رہی۔

پھر ۱۳۰۲ھ کی بات ہے جس کو اب باؤن سال گزر چکے ہیں اُس وقت میری عمر پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ والد صاحب کو معلوم ہوا کہ فلاں مدرسہ میں ایک نئے پنجابی استاد آئے ہیں اور وہ بہت توجہ سے پڑھاتے ہیں۔ والد صاحب نے مجھے ان کے پاس بھیجنے کا فیصلہ فرمایا میں ایک حکیم صاحب کا تعارفی خط لے کر اُن کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے۔ (جواب مغربی پاکستان میں ہیں اور میرے خاص محن استادوں میں ہیں) انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کب سے پڑھ رہا ہوں۔ میں نے بتایا کہ میں اتنے دنوں سے اس طرح پڑھ رہا ہوں۔ اب میں کچھ سمجھا رہا ہوں چکا تھا، انھوں نے مجھ سے باتیں کیں تو اندازہ کیا کہ میں غبی اور کند ذہن بھی نہیں ہوں۔ اس سے انھوں نے سمجھ لیا کہ میرا اتنا وقت صرف اس لیے برباد ہوا اور ہو رہا ہے کہ میں نے خود پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ صرف جبراً پڑھ رہا ہوں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ واقعہ بالکل یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے اور اُن کے درجے بلند فرمائے، انھوں نے بڑی شفقت اور بے تکلفی سے فرمایا کہ کبھی اب تم خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کرنا اگر اب بھی تمھارا ارادہ پڑھنے کا نہ ہو تو ہمیں صاف بتا دو، ہم خود تمھارے والد صاحب سے مل کر انھیں سمجھائیں گے کہ وہ تمھارا وقت برباد نہ کریں کسی اور لائن میں لگائیں۔ اور اگر تمھارا ارادہ پڑھنے کا ہو تو پھر ہم تمھیں پڑھائیں گے اور انشاء اللہ

تم بہت جلدی پڑھ لو گے۔ اُس وقت اللہ نے میرے دل میں ڈالا، اور میں نے اُن سے کہا کہ اچھا! انشاء اللہ اب میں پڑھوں گا۔ انھوں نے مجھے اس طرح پڑھانا شروع کیا کہ میزان کے چند صفحات مقرر کر کے فرمایا کہ ان کو غور سے دیکھ لو اور ان کا مضمون یاد کر لو۔ جو بات سمجھ میں نہ آئے مجھ سے پوچھ لو، دوسرے ارباق سے خارج ہو کر میں تنہا ہی جانچ کر لوں گا۔ اس طرح انھوں نے ۸-۱۰ دن میں میری میزان مشتبہ ختم کر دی۔ اور میں نے اب سمجھا کہ میزان شعب میں کیا ہے، پھر اسی طرح ہینے دو ہینے میں پہنچ گئی اور سو میر ختم کر دی۔ میں درمیان سال میں اُن کے پاس گیا تھا۔ اور شعبان تک انھوں نے علم الصیغہ اور ہدایۃ النسخ تک پہنچا دیا۔ اب میں جی لگا کر اور اپنے ارادہ سے پڑھنے لگا۔ لیکن اسکے بعد مولانا مفتی محمد نعیم صاحب سنبھل شریف نہیں لائے اور مجھے پڑھنے کے لیے سنبھل سے باہر بھیجا گیا، اس کے بعد چار سال میں میں نے تمام متوسطات پوری کر لیں، اس وقت ہمارے مدرسوں میں منطق و فلسفہ کا بہت زور تھا اس لیے میں نے سب سے زیادہ کتابیں منطق و فلسفہ کی پڑھیں، اور اب اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اللہ کے فضل و کرم سے میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہتا تھا۔

یہاں تک میں نے جن اساتذہ سے پڑھا تھا وہ سب اسی دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ اور فیض یافتہ تھے، اس لیے میرا ذہن بالکل دیوبندی تھا اور آگے کی تعلیم میں دارالعلوم ہی میں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

میں نے اپنے والد صاحب کے بائے میں ابھی تنہا یا تھا کہ اُن کے عقائد کچھ دوسری طرح کے تھے، ان کو ہمارے اکابر دیوبند سے بہت بُدعتھا۔ لیکن نہ معلوم کس طرح اُن کے دل میں یہ بات اللہ نے بٹھادی تھی کہ حدیث دیوبند والے ہی اچھی پڑھاتے ہیں اس لیے جب میں نے اُن سے یہ عرض کیا کہ میں اب حدیث شریف پڑھنے کے لیے دارالعلوم دیوبند جانا چاہتا ہوں تو انھوں نے مجھے اجازت دے دی — جب یہ بات عام طور سے مشہور ہوئی کہ میں پڑھنے کے لیے دیوبند جاؤں گا تو والد صاحب کے گیا رہو میں شریف، بارہویں شریف اور عرسوں کی مٹھلوں والے یا ران طریقت نے اُن سے کہا کہ صوفی جی کیا غضب ہے! مٹا ہے آپ کا لڑکا دیوبند پڑھنے جائے گا؟ تو وہ صرف یہ فرمادیتے کہ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ہی راستہ پر لے گا، الغرض انھوں نے اپنی رائے نہیں بدلی اور میں

شوال ۱۳۹۰ھ میں دارالعلوم آکر داخل ہو گیا، میں یہاں صرف دو سال باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے رہا۔ پہلے سال مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ اخیرین وغیرہ چند کتابیں پڑھیں اور اگلے سال دورہ !۔

میں یہاں کے زمانہ قیام کا اس وقت کا صرف ایک واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس کا تعلق میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔۔۔ یہ مکان جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا اور اب حضرت کے گھر کے لوگوں کا قیام ہے، ہمارے زمانہ طالب علمی میں اس میں مطبع قاسمی اور کتب خانہ قاسمی تھا۔ جن بے چارے طالب علموں کو مدرسہ میں حجرہ نہیں مل سکتا تھا، ان کو اس کے ایک خستہ سے کمرے میں سونے کی اجازت دے دی جاتی تھی، میں بھی انہی بچوں کے کمرے میں طالب علموں میں سے ایک تھا۔ دو دنوں میں میرا قیام اسی میں رہا۔ پہلے سال ربیع الاول کا مہینہ تھا اور خوب یاد ہے چودھویں تاریخ تھی اور اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، عشاء کی جماعت کا وقت قریب تھا، میں اسی مطبع قاسمی میں بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ ایک صاحب نے میرے پاس آکر علیہ مطبع قاسمی کا پتہ پوچھتے ہوئے تشریف لے آئے، پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی کہ وہ یہاں بھی نہ تھا، لیکن میرا ذہن متعلق ہوا کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ ہے، ان ہی تاریخوں میں میرا یہ کبیر کا عرس ہوتا ہے، یہ وہاں عرس میں تشریف لائے ہوں گے، ان کی بیران کبیر میں عرس میں حاضر ہی بھی تھا نہیں ہوتی تھی، چنانچہ درپشت کرنے پر یہی بتایا کہ میں کبیر تشریف لے رہا ہوں، میں نے کہا کہ عشاء کی جماعت کا وقت ہو چکا ہے۔ وہ بادرخصہ تھے ہم لوگوں کے ساتھ فوراً ہی مسجد تشریف لے آئے۔ اس زمانہ میں حوض وہاں تھا جہاں اس وقت مسجد کے فرش کا آخری حصہ ہے اور چونکہ مسجد میں تنگی ہوتی تھی اس لیے حوض کو کھڑکی کے تختوں سے پاٹ دیا گیا تھا۔ اس پر بھی کئی صفیں ہوتی تھیں، ہم لوگ ایسے وقت مسجد میں داخل ہوئے کہ نماز شروع ہو چکی تھی، ہمیں آخری صفوں میں حوض پر جگہ ملی۔ چودھویں رات کی چاندنی کھلی ہوئی تھی اور جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے عام طور سے تمام طلبہ صاف سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، جب رکوع یا سجدہ کا وقت ہوتا تو ہم لوگوں کو جو حوض کے اوپر لمبائی پر کھڑے تھے ایسا معلوم ہوتا جیسے آسمان سے اترے ہوئے فرشتوں کی صفیں ہیں، مجھے خوب یاد ہے بڑا ہی نورانی منظر تھا، میں والد صاحب کے بالکل برابر میں کھڑا تھا، میں نے محسوس کیا کہ والد صاحب پر اس منظر کا کچھ خاص اثر پڑ رہا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر ہم

لوگ اپنی قیام گاہ یعنی مطبخ قاسمی میں آگئے۔ والد صاحب کی باتوں سے میرے اس احساس کی تصدیق ہو گئی کہ وہ دارالعلوم کی نماز کے اس منظر سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔

صبح کو فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کا اسی مسجد میں قرآن مجید کا درس ہوتا تھا، وہ اگرچہ دارالعلوم کے بڑے اساتذہ میں سے نہیں تھے، عمر بھی کم تھی، لیکن اپنی صلاحیت اور قابلیت کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے اور طلبہ میں مقبول اور محبوب تھے، اُس زمانہ میں ترجمہ قرآن دارالعلوم کے نصاب میں داخل نہیں تھا، مولانا کا یہ درس گویا پرائیوٹ اور اُن کے ذاتی ذوق شوق کا نتیجہ تھا، بڑی وسیع نظر تھی اور خوب بولتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ درس قرآن کا حق ادا فرماتے تھے۔ طلبہ کی بہت بڑی تعداد پابندی سے شرکت کرتی تھی بڑا علمی نفع ہوتا تھا، میں نے موقع کمال کر مولانا کے کان میں اُس دن عرض کر دیا کہ میرے والد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، وہ عرس اور قوالی کے دلدادگان میں سے ہیں، اُن کے عقائد و خیالات اس طرح کے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کے بارے میں انھیں سخت بدگمانیاں ہیں اور نادان قافی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان دیوبند والوں کو نقصوت اور بزرگان دین سے کوئی تعلق نہیں، میرا مقصد یہ تھا کہ آج کے درس میں اس کا لحاظ فرمایا جائے۔

\_\_\_\_\_

حُسن اتفاق سے اُس دن سورہ یوسف کا وہ مقام زیرِ درس تھا جہاں یہ ذکر آتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے (غلہ وغیرہ لانے کے لیے) جب اپنے صاحبزادوں کو مصر کے لیے رخصت کیا اور چھوٹے صاحبزادے حضرت یوسفؑ کے حقیقی بھائی بن یامین کو بھی ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تو اُس وقت یہ ہدایت بھی فرمائی کہ تم سب مصر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا کیا بُنیی لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَاَدْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ) جن کا مقصد اکثر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر نہ لگے۔ تو آخر میں یہ بھی فرمایا تھا "وَمَا اُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ"۔ مولانا کاندھلوی نے ان آیات پر تقریر کرتے ہوئے توکل کی حقیقت اور توکل اور اسباب کے تعلق پر بھی خوب روشنی ڈالی۔ اور اُس دن عارفِ رومی کے شعر بھی اس سلسلے میں منائے۔ اس کے علاوہ بھی کئی مضامین نقصوت و معرفت ہی سے متعلق مولانا نے اُس دن کے درس میں ایسے بیان فرمائے جو والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی حسبِ حال تھے، اس درس سے بھی والد صاحب

بہت متاثر ہوئے۔ رات کی نمازیں انھوں نے جو منظر دیکھا تھا اور جو نورانی کیفیات اس مجمع میں انھوں نے محسوس کیں اور پھر صبح کے درس میں جو کچھ سنا اُس سے ان کا ذہن ہمارے اکابر اور ہماری جماعت کے بارے میں بہت کچھ بدل گیا۔

درس سے فارغ ہو کر جب ہم لوگ اُٹھے تو والد صاحب نے فرمایا کہ میں یہاں کے بزرگوں کے مزارات پر جانا چاہتا ہوں، ہم لوگ ان کو قبرستان لے گئے۔ وہ پہلے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقب ہو کر بیٹھے اور دینک بیٹھے رہے۔ اُس کے بعد حضرت نافو توی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقب ہو کر بیٹھے اور بہت دینک بیٹھے اور اُن کے چہرے کے رنگ سے ہم محسوس کرتے رہے کہ ان پر کوئی خاص اثر پڑ رہا ہے۔ وہاں سے واپسی پر فرمایا کہ ”ان حضرات کا مقام بہت ہی بلند ہے۔“ اس کے بعد ہم لوگوں سے فرمایا کہ یہاں کے استادوں میں جو اللہ والے ہوں، مجھے ان کے پاس لے چلو۔ ہم سب سے پہلے حضرت میاں صاحب یعنی حضرت مولانا سید صغریٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت میاں صاحب کی زیارت و ملاقات سے بھی والد صاحب بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ ان حضرات کی زیارت سے بھی بہت متاثر ہوئے اور اُن کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہر وقت ذکر میں مشغول اور صاحبِ نسبت ہیں۔ الغرض ہماری اکابر اور ہماری جماعت کے بارے میں اُن کو جو بدگمانیاں ہمیشہ سے تھیں وہ غالباً اسی دن ختم ہو گئیں، اور اسکے بعد تو ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل ہوا۔ لیکن اس وقت میرا مقصد اپنی طالب علمی کے کچھ واقعات سنانا ہے اپنے والد صاحب کی سوانح عمری بیان کرنا مقصود نہیں ہے، مگر جب ان کا ذکر آگیا ہے تو اُن کی ایک بات اور سنا دینا مناسب سمجھتا ہوں، انشاء اللہ آپ بھائیوں کو اس سے بھی نفع ہوگا۔

غالباً ۱۳۵۲ھ میں یعنی اب سے ۳۵-۳۶ سال پہلے میرے والد صاحب کو حج نصیب ہوا۔ واپسی پر مجھ سے تنہائی میں فرمایا کہ میں تیرے لیے کوئی چیز نہیں لایا۔ میں نے ایک دُعا تیرے واسطے کی ہے اور وہ یہ کہ تیرے پاس کبھی دولت نہ ہو اور تجھے کبھی تنگی اور تکلیف نہ ہو۔ اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ قبول ہوگا۔ اس بات کو ۳۵-۳۶ سال ہو گئے، میں آپ کے سامنے اس بات کا اظہار بہتر سمجھتا ہوں کہ اب تک اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ بالکل یہی ہے، میرے پاس دولت کبھی نہیں ہوئی اور الحمد للہ زندگی کی اُن تکلیفوں سے مجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا جو افلاس اور تنگی کی وجہ سے اللہ کے بندوں کو ہوتی ہیں۔ اللہ کے

فصل و کرم سے میری زندگی بڑی راحت اور عافیت کے ساتھ گزرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر بالفرض میں ڈیپ ٹکٹر ہوتا اور میری تنخواہ ہزار یا اس سے بھی اوپر ہوتی تو زندگی کی وہ راحتیں مجھے نصیب نہ ہوتیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے نصیب ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! خدا گواہ ہے کہ میرے پاس کوئی ہنر اور کمال نہیں ہے۔ بس وہی ہے جو اسی دارالعلوم سے اور یہاں کے اپنے اساتذہ سے نصیب ہوا ہے۔

میں نے ابھی ذکر کیا تھا کہ جب میری عربی تعلیم شروع ہوئی تو میرے اندر اس کا کوئی داعیہ اور شوق نہیں تھا اور بعد میں جب ارادہ کے ساتھ اور جی لگا کر پڑھنا شروع کیا، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت بھی خدا طلبی اور آخرت کی کامیابی کا واضح تصور مجھے نصیب نہیں تھا۔ لیکن الحمد للہ جب دارالعلوم میں حاضر ہوئی تو یہ نعمت بھی کسی درجہ میں یہاں کی برکت سے نصیب ہو گئی تھی۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا تھا، میرے والد ماجد نے مجھے صرف اسی نیت سے دینی تعلیم کے راستہ پر لگایا تھا کہ ان کو قبر میں اور اُس کے بعد کی آخرت کی منزلوں میں، اس سے فائدہ پہنچے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل کو ضرور قبول فرمائے گا۔ یہ اُن کی ایک قربانی تھی اور اُنھوں نے گویا مجھے اللہ کی نذر کیا تھا اور دین کے لیے وقف کیا تھا۔

میں یاد کرتا ہوں ایک دن وہ تھا جب والد صاحب نے کلکٹر کے کہنے کے باوجود مجھے انگریزی پڑھانے سے انکار کر دیا تھا اور مجھے اپنی نادانی سے بڑا رنج اور صدمہ ہوا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ میرا مستقبل تاریک ہو گیا، اور اب میرا حال یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہی دن میرے لیے سب سے زیادہ مبارک دن تھا جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ وہ اپنی آخرت بنانے کے لیے مجھے صرف دینی تعلیم دلائیں گے۔ مجھے جب قرآن شریف کی تلاوت نصیب ہوتی ہے اور جب حدیث کی کتابوں کا

لہ میں اللہ کے ایسے بہت سے بندوں سے واقف ہوں جنھوں نے صرف انگریزی تعلیم حاصل کی اور ایک دن بھی وہ ہمارے کئی اراکین میں شامل علم بن کے نہیں رہے لیکن ان پر کسی اور راستہ سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور ان کی دینی حالت خود میرے لیے باعث رشک ہو اور میں ان کو اللہ کے مقبول بندوں میں سے سمجھتا ہوں۔ لیکن اپنے بارہ میں میرا اندازہ یہی ہو کہ اگر مجھے انگریزی تعلیم دلائی جاتی تو شاید میرا تعلق دین سے اور اللہ و رسول سے بوائے نام ہی ہوتا۔ ۱۱۔

مطالعہ کرتا ہوں اور کچھ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کیا ارشاد فرما رہے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کیا ہدایت فرمائی، تو میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے جو کسی زندہ کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اور زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اس کے برابر قیمتی نہیں، اور والد ماجدؒ کے اس فیصلہ کے صدقہ میں یہ مجھے نصیب ہوئی ہے تو میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے والد ماجد نے سب سے بڑا احسان مجھ پر بھی فرمایا، انھوں نے میرے لیے مکان بھی چھوڑا جو آج بڑی قیمت کا ہے اور اس کے علاوہ خاصی جائیداد بھی چھوڑی جس میں سے بہت کچھ فردخت کر چکا ہوں اور اب بھی کچھ باقی ہے، لیکن اس سب سے بڑا احسان ان کا مجھ پر بھی ہے کہ انھوں نے مجھے وہ دینی تعلیم دلائی جو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیمتی میراث ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل اور اس احسان کا صلہ قبر میں اور آخرت میں ان کو اتنی شان و عالیٰ کے مطابق عطا فرمائے۔

میرے عزیز بھائیو! آپ میں سے بہت سے وہ ہوں گے جن کے والدین نے میرے والد کی طرح اپنی اور ان کی آخرت بنانے کے لیے سوچ سمجھ کے دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا ہوگا، لیکن خود ان کا ذہن اس بارہ میں صاف نہ ہوگا جیسا کہ ایک عرصہ تک خود میرا حال تھا۔ اور کچھ آپ میں وہ ہوں گے جنہوں نے خانوادہ رواج کے طور پر یہ حالات کے تقاضے سے یا دنیوی تعلیم حاصل نہ کر سکنے کی مجبوری سے دینی تعلیم کا یہ راستہ اختیار کر لیا ہوگا، لیکن میں آپ کا مخلص بھائی ہوں، آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس علم دین کی قدر و قیمت کو اور اپنے مقام اور اپنی حقیقت کو سمجھئے۔ آپ جو چیز حاصل کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں وہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ترکہ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب فرمائے اور نیت اور عمل صحیح ہو تو آپ سے اور ہم سے بڑا دولت مند اور خوش نصیب کوئی نہیں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے علمبردار اور حضور کے سپاہی اور لشکری ہیں۔ اگر آپ اس حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لیں تو پھر آپ کو کسی دنیوی اعزاز اور عہدہ کی طمع نہ ہوگی اور اہل دنیا اور دولت مندوں کی شاندار کوٹھیاں اور موٹریں دیکھ کے آپ کو کوٹھی اور موٹر نہ ہونے کی حسرت نہ ہوگی، پھر آپ کا احساس اور اذعان یہ ہوگا کہ قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت بلکہ ایک ایک آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث جس کا آپ کو علم ہے وہ ان کوٹھیدوں اور موٹروں سے ہزاروں درجہ زیادہ قیمتی ہے۔ ہمیں اپنے قصوروں، اور کوتاہیوں اور گناہوں کے لحاظ سے تو اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا چاہیے، لیکن

علم نبوی اور ورثہ نبوی کی نسبت سے برتر اور بالاتر سمجھنا چاہیے اور اس نعمت پر خدا کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے۔

بخدا میں کچھ نہیں ہوں، نہایت گنہگار بندہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ چیز محض اپنے فضل سے کسی درجہ میں نصیب فرمادی ہے کہ جو تھوڑا سا علم اس دارالعلوم کے صدقہ میں اور اسکے فیض یافتہ اپنے استادوں کے صدقہ میں حاصل ہو گیا ہے اُس کو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت سمجھنا ہوں۔

میرے بھائیو! یہی ہمارے بزرگوں کا خاص ترکہ اور ورثہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب کو نصیب فرمائے اور مجھ سے زیادہ نصیب فرمائے! — اس کے لیے میں آپ کو تین باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔

اول یہ کہ اپنے مقام اور مقصد کو سمجھئے اور اگر اب تک نیت اور مقصد کے بارے میں ذہن صاف نہیں تھا تو اب اپنے دل کے کُنج کو صبح کر لیجئے، تمہاریوں میں میٹھ میٹھ کے سوچا کیجئے کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں، اور آپ کون ہیں اور جو علم آپ حاصل کر رہے ہیں وہ کتنی عظیم دولت اور نعمت ہو۔ یہ آپ کے لیے بہترین مراقبہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ دل لگا کر اور پوری محنت اور توجہ سے پڑھیے، علم دین کی قدر اور عظمت کا حق ہے اسکے بغیر کسی کو نہ کچھ آیا ہے نہ آئے گا، نہ ملا ہے نہ ملے گا۔

تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ جو علم آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں اپنی زندگی اور اپنا عمل بھی اسکے مطابق بنائیے، تقویٰ اختیار کیجئے، تقویٰ کے ساتھ علم نور ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا میراثِ نبوت ہو اور تقویٰ کے بغیر علم ظلمت ہے اور سر اسرو بال ہے۔

میرے عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ نے علم کی اور دین کی جو دولت ہمارے اکابر حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ انند، حضرت تھانوی، حضرت کشمیری، اور حضرت مولانا مانی کو عطا فرمائی تھی وہ اسکے خزانہ میں اب بھی بھر پور موجود ہے۔ یہ دارالعلوم اس کا دروازہ ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دروازہ تک پہنچا دیا ہے، اگر آپ اخلاص نیت، اور محنت اور تقویٰ کی شرطوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو میں اللہ تعالیٰ کی کرمی پریقین کر کے قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو آپ کی استعداد اور استحقاق کے مطابق اللہ تعالیٰ وہی دولت ضرور عطا فرمائے گا۔ اور قریب اور آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی آپ کو اس کا ذائقہ حاصل ہوگا۔ وَالْآخِرُ عَوْنُنَا إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



# کچھ غلطیاں اور استہکات

”مولا ناکرامت علی جوہری اور ان کا ترجمہ شمائل ترمذی“

(از مولانا مجیب اللہ صاحب سندوی)

اوپر مولا ناعیب احمد صاحب کے شکور میں کہ اس مضمون کو از سر نو لکھ کر دینے کی زحمت اٹھائی۔  
حضرت سید احمد شہید کا جو خلافت نامہ اس میں شامل ہے اس کی نقل دوبارہ عیا کرنے کے لیے  
مولا ناکرامت علی صاحب کے فرزند خان مولانا ظفر احمد صاحب جوہری کا شکریہ واجب جو خلافت  
نامہ کا ترجمہ بھی انہی کے قلم سے ہے۔ ————— [الفتنان]

راقم نے مولانا جوہری کے بارے میں جو مضمون لکھا ہے اس میں کچھ فاش غلطیاں ہو گئی ہیں جن کی تصحیح اور کچھ نئی باتیں سامنے آ گئی ہیں وہ ہدیہ ناظرین ہیں۔

مضمون کی پہلی قسط میں لکھا گیا تھا کہ ”مولانا اپنے والد کی تنہا اولاد تھے“ اس غلطی پر ان کے اہل خاندان مولانا ظفر احمد صاحب اور مولانا عبدالباطن صاحب وغیرہ نے توجہ دلائی جو صحیح یہ ہو کہ مولانا کرامت علی کے والد شیخ ابراہیم امام بخش اپنے والدین کی تنہا اولاد تھے اور شیخ امام بخش کی دو شادیاں ہوئیں اور ان سے کئی اولادیں بھی ہوئیں۔ مولانا کرامت علی کے علاوہ ان کے چچا لڑکے اور ڈو لڑکیاں تھیں۔ مولانا کرامت علی کے ایک چھوٹے حقیقی بھائی مولانا رجب علی تھے جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور نقیب تھے۔ یہ حضرت سید احمد شہید سے بیعت اور ان کے ممتاز خلفاء میں تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے سیرت سید احمد شہید میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ان کے علاوہ مولانا کی ایک حقیقی بہن اور تین سو تیلے بھائی اور ایک سو تیلے بہن بھی تھیں۔ مولانا کے اہل خاندان نے دوسری جس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یہ کہ ”راہِ نجات“ کے

مصنف مولانا سخاوت علی جو پوری نہیں بلکہ اس کے مصنف حافظ محمد علی صاحب تھے جو مولانا فاضل شہار اشر صاحب پانی پتی کے ہم عصر تھے۔ ”الابتر منہ“ کے آخر میں قاضی صاحب کا جو وصیت نامہ درج ہو اس میں حافظ محمد علی صاحب کا ذکر ہے اور محشی نے ان کے نام کے آگے لکھا ہو کہ یہ ”راہ نجات“ کے مصنف ہیں۔

یہ دراصل غلط فہمی ہو جو اس لیے ہوئی ہو کہ ”راہ نجات“ پر مصنف کا نام درج نہیں ہو عموماً ہمارے اسلاف اپنی تصانیف پر اپنا نام درج نہیں کرتے تھے اس لیے ان کی بہت سی کتابیں دوسروں کی طرف منسوب ہو گئی ہیں یہی صورت حال غالباً ”راہ نجات“ کے ساتھ پیش آئی ہو کہ مولانا سخاوت علی صاحب نے اس پر اپنا نام درج نہیں کیا ہو اسی وجہ سے بنگال میں اسے مولانا کر امت علی کی تصنیف سمجھا جاتا ہو مگر پورے شمالی ہند میں مولانا سخاوت علی صاحب ہی کو اس کا مصنف سمجھا جاتا ہو۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے ادھر جس دلیل کی بنا پر اس کو حافظ محمد علی صاحب کی تصنیف بتایا ہو اس دلیل کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہو، ہو سکتا ہو کہ حافظ محمد علی صاحب نے اس نام سے کوئی دوسری کتاب لکھی ہو۔ علاوہ ازیں ”راہ نجات“ کی زبان قاضی شہار اشر صاحب پانی پتی کے وقت کی زبان معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کے پچاس برس بعد کی زبان معلوم ہوتی ہو نیز ان کے دور میں اردو نشر نے اتنی عمومیت اختیار نہیں کی تھی کہ اس میں علی کتابیں لکھی جا سکیں، یہی وجہ ہو کہ قاضی صاحب نے خود ”الابتر منہ“ فارسی میں لکھی حالانکہ یہ کتاب انھوں نے عوام کے لیے لکھی تھی۔

پھر مولانا سخاوت علی جو پوری اردو کی ادھر کی کتابوں کے مصنف ہیں جبکہ حافظ محمد علی صاحب کی کوئی دوسری کتاب سامنے نہیں ہو۔ ظاہر ہو کہ عربی سے اردو میں فقہ کے مسائل کو منتقل کرنا جبکہ اس کا کوئی نمونہ نہ ہو آسان نہیں تھا اس کے لیے بہر حال مہارت کی ضرورت تھی اس لیے صحیح یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ پنجاب کے بکائے یو۔ پی کے کسی حصہ میں لکھی گئی ہے۔ اردو زبان بھی اسی دیار کی استعمال ہوئی ہو۔ عام طور پر اردو کتابیں اس وقت یو پی اور بہار میں مقبول تھیں پنجاب میں بہت کم ان کا رواج تھا۔

مولانا کر امت علی صاحب کے کارناموں میں ایک کارنامہ ۱۸۵۷ء کی تحریک انقلاب میں شرکت بھی ہو۔ اس کی کچھ تفصیل مفتی انتظام اشر صاحب شہابی نے اپنی کتاب ”ایسٹ انڈیا کمپنی اور

باغی علماء، "میں کی ہر ملحد اتفاق سے یہ کتاب راقم کے سامنے نہیں ہو اس لیے آنا ہی کہنے پر اکتفا کیا جاتا ہو کہ ۱۸۳۱ء میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لیے فرانسیسی کے نام سے جو تحریک شروع کی گئی تھی جس میں تقریباً ۷۰۰ ہزار ہندو مسلمان شریک تھے، مولانا جو پوری نے اس تحریک کی کئی مقام پر سربراہی بھی کی۔ مولانا کے ایک شاگرد مولانا سرخا علی صاحب تھے جو برابر عیسائیوں کے خلاف لوگوں کو ابھارتے اور انگریزوں سے جہاد پر اکساتے رہتے تھے۔ آج بھی بنگال میں کہیں کہیں "فرانسیسی" کی نسبت لوگوں کے ناموں کے ساتھ ملتی ہو۔ مولانا کی اس تحریک میں شرکت کی دوسرے ذرائع سے ایسی تصدیق نہیں ہو سکتی ہے اس لیے اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہو۔

آخر میں ہم مولانا کا وہ خلافت نامہ پیش کرتے ہیں جو حضرت سید احمد بریلوی صاحب نے انھیں عطا کیا تھا۔ اس کا متن مع ترجمہ یہ ہو۔

مرقومہ دوم ماہ شعبان ۱۲۳۹ھ ہجری

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

از فقیر سید احمد برصیر صفایہ برطالان راہ حضرت ختی دسالمین طریق آن ہادی مطلق  
عبارت کا نیکہ بایں فقیر شرفی الشتر حاضرانہ و یا غائبانہ بحجت میدارند خصوصاً پوشیدہ نامانہ  
کہ مقصود از ہمت ابر دست شایع طریقت ہیں است کہ راہ رضامندی حضرت ختی بدست  
آید و راہ رضامندی حضرت ختی منحصر در اتباع شریعت غرا است ہر کہ سوائے شریعت  
مصطفویہ را طریق تحصیل رضامندی حضرت ختی انگار دہیں بیشک اس شخص کا ذب دگر راہ  
است و دعوی ادبطل و نامسموع و اساس شریعت مصطفویہ و دامن است ادنی ترک  
اشتراک ذاتی ترک بدعات آمارک میں بیانش آنکہ ہیکس را از ملک دجن پیرد  
مشرک و استاذ و شاگرد نبی دلی حلال مشکلات خود نہ پندارد و حاجات خود را اندکے

۱۔ افقِ اسلام: مفتی انتظام الشتر صاحب کی کتاب میں یہ تذکرہ دیباچہ میں ہو اور اس سے کچھ زیادہ نہیں ہو جس کا ذکر اس مضمون میں آگیا۔ البتہ ۱۸۳۱ء کی تحریک میں شرکت کا ذکر مفتی صاحب نے نہیں کیا ہو۔

۲۔ افقِ اسلام: مفتی انتظام الشتر صاحب ہی نے ان مولانا سرخا علی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہو کہ تبریل بخت خاں ان کے مرید تھے اور ان کی ہی ترغیب پر انگریزی ملازمت چھوڑ کر جہاد آزادی میں آگئے تھے۔

اذا ایشاں طلب نہ نماید و پچسک را قادر بر حل مشکلات و دفع بیایات و تحصیل منافع نماید و ہمہ را  
 مثل خود در جنب قدرت و علم حضرت حق عاجز و نادان شمارد و ہرگز بنا بر طلب و حاجت خود نذر  
 دنیا نہ کہے از انبیا و اولیا و صالحا و ملائکہ بجا نیارد آری ای قدر دانند کہ ایشاں مقبولان  
 بارگاہ صمدیت اند و ثمرہ قبولیت ایشاں ہمیں است کہ در باب تحصیل رضا مندی پروردگار متابع  
 ایشاں باید کرد و ایشاں را پیشوایان این طریق باید شمرند آن کہ ایشاں را قادر بر حوادث  
 زمان و عالم السوء الاعلان دانند کہ میں امر محض کفر و شرک است ہرگز مومن پاک را ملوث  
 بآن شدن جائز نیست و آتا ترک بدعات پس بایشان آنکہ در جمیع عبادات و معاملات  
 و امور معاشریہ و معاویہ طریق خاتم الانبیا و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را کجماں قوت و  
 علو ہمت باید گرفت و انچہ مردان دیگر بن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم از قسم رسوم و اختراع  
 نموده اند مثل رسوم شادی و ماتم و تہنیک قبور و ذبائے عمارات بر انداختن اسراف و مجاس امر اس  
 و تعزیرہ سازی و امثال ذلک ہرگز پیرامون آن نباید گردید و حتی الوسح سعی و در مجاہدان  
 آن باید کرد ادل خود ترک باید نمود بعد از آن ہر مسلمان را بسوئے آن دعوت باید کہ چنانکہ  
 اتباع شریعت فرض است بچنین امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیز فرض است چون  
 این امر ذہن نشین شد پس جمیع طالبین حق را باید کہ ہمیں امور را ہمیش نظر خود ساختہ  
 با یکدیگر بیعت نمایند خصوصاً مولوی صاحب مستعد ہدایت مسلمین چالاک میدان ارشاد  
 و تلقین مولوی کرامت علی صاحب جو پوری اعانہم اللہ تعالیٰ کہ بر دست این فقیر  
 بیعت نموده اند و این فقیر ای امور را در بردے ایشاں کما حقہ اظہار نموده و ایشاں  
 را مجازاً باخذ بیعت و تسلیم اشغال از جانب خود نموده پس بر ذمہ ایشاں لازم است  
 کہ ادل خود تمک بہ امور نہ کور الصدور نمایند و قلب و قالب خود را متوجہ بسوئے حق  
 کنند و در اتباع شریعت غرر اظہار و باطن پیش گیرند و تمامی انجاس اشراک الوات  
 بدعات را از خود دور نمایند و بعد از آن جمیع طالبین حق را بسوئے آن ترغیب کنند و در اخذ  
 بیعت بر دست خود و از خود سماعی شوند و ترغیب دافر نمایند ہرگز انجام از آن نہ نمایند چو بیعت  
 کہ بر دست یاران فقیر واقع خواهد شد فائدہ شد نیست انشاء اللہ تعالیٰ کلمہ گویان از رسوم

شرک پاک خواهند شد و تعظیم شرع شریف در دل ایشان با خواہد گرفت و فقیر و عاوا خواہد کرد  
 کہ آن سبب شرف ثمرات جمیلہ جزیلہ گردد و در تعلیم تفہیم طالبان سعی بدل و جان نمایند و از ایشان  
 اخذ بیعت کنند ایشان را تعلیم اشغال فرمایند حق صل و علی این فقیر را و جمیع مخلصین و معینین  
 را در زمرہ موحدین مخلصین و متبعین شریعت قرار داد آمین۔ (احمد اسمہ)

### ترجمہ

فقیر سید احمد کی طرف سے حضرت حق کی راہ کے طالبوں اور طریق اہل ہادی مطلق کے  
 سالکوں پر غموں اور اس فقیر کے ساتھ فتنی اثر حاضرانہ و غائبانہ محبت رکھنے والوں پر خصوصاً  
 پوشیدہ نہ ہو کہ شاخ طریقت کے ہاتھ پر بیعت سے مقصود یہی ہو کہ حضرت حق کی رضامندی  
 کا طریقہ میسر ہو اور حضرت حق کی رضامندی کا طریقہ شریعت غراکی اتباع میں منحصر ہو۔  
 جو شخص شریعت مصطفویہ کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ حضرت حق کی رضامندی کا گمان کیے  
 بے شک وہ شخص کاذب و گمراہ ہو اور اس کا دعویٰ باطل اور ناقابل سماع ہو۔ اور شریعت مصطفویہ  
 کی بنیاد دو باتوں پر ہو۔ اولیٰ ترک اشراک اور ثانی ترک بدعات۔ ترک اشراک کا مطلب یہ ہے  
 کہ فرشتہ و جن پیر و مرثا و متاد و شاگرد اور نبی و دلی میں سے کسی کو اپنی مشکلات کا حل کرنے والا نہ  
 سمجھے اور ان میں سے کسی سے اپنی مرادیں اور ضرورتیں نہ مانگے اور کسی کو بھی نفع پہنچانے اور بلا و  
 مصیبت دور کرنے اور مشکلات کے حل کرنے پر قادر نہ سمجھے اور سب کو اپنی طرح حضرت حق کے  
 علم و قدرت کے مقابلہ میں عاجز و نادان جانے اور ہرگز اپنی حاجت و روائی کے لیے انبیاء و اولیاء  
 و صلحاء و ملائکہ میں سے کسی کی نذر و نیاز نہ کرے۔ ہاں اس قدر سمجھے کہ یہ سب جناب صمدیت کے  
 مقبول ترین بندے ہیں۔ ان کی مقبولیت کا ثمرہ بس یہ ہو کہ اشراک و البدعہ کی خوشنودی حاصل  
 کرنے کے لیے ان کی اتباع کریں۔ اور پیشوائے طریق انھیں سمجھیں۔ یہ نہیں کہ ان کو حوادث زمانہ  
 پر قادر اور ہر غیب و شہود کا عالم سمجھا جائے۔ اس لیے کہ یہ امر محض شرک و کفر ہو اور ہرگز مومن  
 پاک کو اس "بداعتقاد" کے ساتھ لوث ہونا جائز نہیں اور ترک بدعات کا مطلب یہ ہو کہ  
 تمام عبادات و معاملات اور امور معاشیہ و معادیہ میں حضرت خاتم الانبیاء و محمد رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو پوری قوت اور بلند ہمتی کے ساتھ پکڑا جائے اور جو کچھ دوسرے

لوگوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد از قسم رسومات کے گر ٹھ لیا جو جیسے شادی ادغمی کی رسمیں اور قبروں کا آراستہ کرنا اور اس پر عمارتیں بنانا اور عرس کی مجلسوں میں اسراف کرنا اور تعزیر سازئی نیز اسی قبیل کے دوسرے مخترعات، ہرگز ان کے گرد پیش نہیں نہ گھومنا چاہیے اور حتیٰ حتیٰ الوسع ان چیزوں کے مٹانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ پہلے تو خود چھوڑنا چاہیے پھر اس کے بعد ہر مسلمان کو اس بات کی دعوت دینی چاہیے، اس لیے کہ جیسے شریعت کا اتباع فرض ہو اسی طرح ابھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا بھی فرض ہو۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو تمام طالبین حق کو چاہیے کہ ان ہی امور کو اپنے پیش نظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے بیعت کریں بھٹو مولوی صاحب کہ ہدایت مسلمان میں چھت تبلیغ و ارشاد کے مشمولہ ہیں یعنی مولوی کر امت علی صاحب جو پیوری دالٹر تعالیٰ ان کا مددگار ہو بھٹوں نے کہ اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت کی ہو اور فقیر نے ان مول کو ان کے رد پر دیکھا حقہ واضح کر دیا ہو اور ان کو بیعت لینے اور اشغال کی تعلیم دینے میں اپنی جانب سے مجاز کیا ہو، ان کے ذمہ لازم ہو کہ پہلے خود امور مذکورہ الصد پر مضبوطی سے عمل کریں اور اپنے قلب و جسم کو حق تعالیٰ کی جانب متوجہ کریں اور شریعت غرا کی اتباع کو ظاہر ادا باطناً سامنے لھیں اور شرک کی تمام نجاستوں اور بدعات کی گندھیلوں کو اپنے سے دور کریں اور اس کے بعد تمام طالبین حق کو اس کی طرف راغب کریں اور اپنے ہاتھ پر بیعت لینے میں اپنی جانب سے کوشش کریں اور پورے طور پر رغبت دلائیں ہرگز اس میں دریغ نہ کریں کیونکہ اس بیعت میں جو کہ فقیر کے دوستوں کے ہاتھ پر واقع ہوگی فائدہ کی کاس توقع ہوا انت دالٹر تعالیٰ کلہ کو رسوم شرک سے پاک ہوں گے اور شرع شریف کی عظمت ان کے دل میں جاگزیں ہوگی اور فقیر دعائیں کرتا رہو گا کہ وہ بیعت گراں قدر نیک ثمرات کی باعث ہو۔ مریدین و طالبین کی تعلیم و تزکیہ میں دل دجہان سے کوشش کریں اور ان سے بیعت لیں اور ان کو تزکیہ نفس کے طریقے تعلیم فرمائیں۔ حق بنوگ دبو تو اس فقیر اور ہمارے سلسلہ کے تمام مخلصین و محبین کو موجدین مخلصین اور امتبعین شریعت غرا کے ذمہ میں کر دے۔ آمین

ہر  
ماہ احمد

## نئی مطبوعات

”نشان منزل“ خاص نمبر۔ بیاگاد حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی  
مرتبہ: مولوی حبیب الرحمن صاحب ندوی

صفحات ۱۰۸۔ سائز ۲۰x۳۰ (اخباری) کاغذ گلبر۔ قیمت درج نہیں

”نشان منزل“ دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کا آرگن ہے۔ مینے میں دوبارہ آٹھ یا دس صفحات پر شائع ہوتا ہے۔ عام چندہ چار روپے سالانہ ہے۔ ادارہ نشان منزل اور دارالعلوم تاج المساجد کے ذمہ داروں اور کارکنوں کو حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب (متوفی ذی الحجہ ۱۲۹۰ھ) کے ساتھ جو خاص تعلق تھا، اس کے ماتحت عین توقع کے مطابق یہ خاص نمبر آپ کی یاد میں اس اخبار نے شائع کیا ہے۔ ہمارے محترم مولانا محمد عمران خاں صاحب (بھوپال) کے فاضل صاحبزادے مولوی حبیب الرحمن صاحب (استاذ جامعہ اسلامیہ لیبیا) اپنی سالانہ تعطیل کے سلسلہ میں وطن آکر نشان منزل کا ایک خاص نمبر ہر سال پیش کرتے ہیں۔ اس بار اس کے لیے حضرت شاہ صاحب کے سوا کسی دوسرے موضوع کا سوال ہی کیا تھا۔ اسی موضوع پر نکلا ہے اور خوب نکلا ہے۔ مرتبہ کے علاوہ بھوپال اور بھوپال سے باہر کے بہت سے ایسے اہل قلم اور بزرگوں کی نگارشات اس میں شامل ہیں جن کا کسی طور پر حضرت مرحوم سے تعلق یا تعاون تھا۔ باہر کے معروف حضرات میں مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے نام خاص طور سے لیے جاسکتے ہیں۔

ہمارے نظر میں نمبر کی سب سے قیمتی چیز خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر ”اضغاث و اعلام“ ہے جو منتخبین کے لیے ایک مفصل ہدایت نامے کے طور پر تحریر فرمائی گئی تھی یہ نمبر کے ۱۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہوگی۔ ایک مکمل رسالہ ہے، حرف حرف پڑھنے اور فائدہ اٹھانے کے لائق۔ تقریباً نو صفحے پر حضرت کے مکتوبات بھی ہیں جو زیادہ تر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام ہیں۔

## مینجر کتب خانہ الفتیان کی طرف سے

# اپنے کرم فرما حضرات کی خدمت میں!

عرصہ سے ہمارے اکثر کرم فرما حضرات اصرار کر رہے تھے کہ ہم اپنے یہاں قرآن پاک کا اسٹاک بھی رکھیں۔ اب ہم نے آپ ہی کے اصرار پر قرآن پاک کا اچھا خاصا اسٹاک فراہم کر لیا ہے، ذیل میں ہم قرآن پاک کی ایک مختصر فہرست درج کر رہے ہیں۔

### فتران شریف مترجم

اشرف الائن علی محتسب مقدمہ

حسین جمیل، دلکش و دلاویز، خوبصورت و خوشنما قرآن مجید ترجمہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ مطبوعہ آفٹین دو رنگ، سائز ۱۰ × ۱۲، ایچ۔ صفحہ ۴۰، ہر جلد ریگین صرت ۱۵/-

### فتران مجید رحمانی مترجم

ترجمہ از حضرت مولانا تھانوی

سائز ۳۰ × ۲۰، طباعت دو رنگ کاغذ سفید

ہر جلد ریگین ۱۱/-

### فتران مجید مترجم بدو ترجمہ

بے مثل و بے نظیر دو ترجمہ اور بے شمار خوبوں والا قرآن مجید ترجمہ اول تحت اللفظ از حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی دوسرا ترجمہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

حاشیہ پر خلاصہ تفسیر بیان القرآن۔ سائز ۱۰ × ۱۲، ایچ

خوبصورت جلد۔ ہر جلد ریگین ۱۵/-

### قرآن مجید مع تفسیر کشف الرحمن

از سبحان اللہ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی

سائز ۳۲ × ۲۲، بلا شاک عدد دو جلدوں میں مکمل

عام اردو خوانوں کیلئے بہترین تحفہ نہایت عام فہم ترجمہ تفسیر

خوبصورت طباعت، سفید کاغذ عمدہ، ہر جلد صرت ۳۰/-

### قرآن مجید عکسی معری علی قلم

طباعت بذریعہ فوٹو آفسٹ، سب سے زیادہ شہرہ منقول معری قرآن، سائز ۱۰ × ۱۲، ایچ۔ ایک صفحہ میں ۳ اسطری۔ ہر سطر کے درمیان باوریک کثیر صفحات ۸۵ بڑے بڑے حودت، ہر حودت عبدالعبار خاص طرز پر جوں اور عورتوں اور بوڑھوں کے لیے۔

ہر جلد ریگین ۹/۵۰

### عکسی قرآن مجید معری چو گلہ

سائز ۲۶ × ۲۰، صفحات ۵۴، ہر صفحہ میں ۱۲ اسطری ہر سطر کے درمیان باوریک کثیر کاغذ سفید کثیر، خوبصورت جلد، شروع کے صفحات دو رنگی چھپائی سے آراستہ۔

ہر جلد ریگین ۶/-

### حافظی قرآن مجید نظامی

حوالہ ۱۲، سائز ۱۰ × ۱۲، ایچ۔ ۶۱۲ صفحات،

ہر صفحہ آیت پر ختم۔ ایک صفحہ میں ۵ اسطری۔ ہر سطر کے

درمیان باوریک کثیر، کتابت مونیوں کی طرح آب دار اور مجید

دلکش، کتابت اتنی واضح کہ بچے بوڑھے آسانی سے تلاوت

کر سکتے ہیں۔ خطا گزراؤں کیلئے خاص تحفہ۔ ہر جلد ریگین ۴/۵۰

(ساڑھے سات روپے)



## نقل نظامی حافظ علی حائل شریف

پندرہ سطر لائن دار ، ہر صفحہ آہیت پر ختم

حفظ کرنے والوں کے لیے بہترین تحفہ۔ سائز ۲۰ × ۳۰

ہدیہ مجلد پلاٹنگ کور - ۴/-

## قرآن مجید حقانی معرری

نہایت عمدہ کتاب و طباعت۔ ایک ایک حرف جدا

جدا۔ عمدہ گلیز کاغذ۔ سائز ۲۰ × ۳۰

مجلد عمدہ رنگین۔ ہدیہ ۹/-

## قرآن مجید بے مثل عکسی مثل نظامی

سائز ۲۲ × ۲۹۔ ہر صفحہ میں پندرہ سطریں

ہر سطر کے درمیان باؤ ایک کھیر۔ عمدہ کتابت و طباعت

ہدیہ صرف ۶/-

## قرآن شریف مترجم ۲۹۴۲

اد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

عربی متن کے نیچے مختلف خوبصورت رنگوں میں تفسیر

ماشہ پر تغیر بیان القرآن اختصار شدہ۔

مزدع میں ۳۲ صفحات کا مقدمہ۔

مجلد عمدہ رنگین ، ڈبہ میں بند ، استر پانچ رنگوں

میں طبعی بنا ، ہدیہ صرف ۱۱/-

## قرآن شریف مترجم ۲۸۱

تین رنگوں میں دلکش چھپائی ، دیدہ زیب چمکدار

پختہ مجلد ، ڈبہ میں بند ، متن کی زمین سبز اور مائیں

پر رنگ الگ - شادیوں اور جہیز میں بطور تحفہ پیش کرنے

کے لیے سوغات ہے۔ ہدیہ ۲۰/-

## مناجات مقبول سبز حنا مجلد رنگین ۴/-

نفیس کاغذ ، مجلد پلاٹنگ کلاٹھ ۳۲/۵۰

دلائل الخیرات عکسی۔ پاکٹ سائز پلاٹنگ کور ۳۲/۵۰

یازدہ سورہ عکسی۔ مترجم مجلد پلاٹنگ کور ۳۱/-

" " " پاکٹ سائز " " ۱/۵۰

دوازدہ سورہ عکسی۔ مترجم مجلد پلاٹنگ کور ۳۲/۵۰

سولہ سورہ - سبز حنا مجلد رنگین - ۳۱/-

مجموعہ وظائف - مترجم مجلد پلاٹنگ کور - ۵۱/-

## کتب خانہ الفت سن ، کچہری روڈ ، لکھنؤ

## پھول کی طرح تروتازہ

اگر جلدی امراض یا فساد خون کی شکایت ہو تو چہرہ پر مژدہ نظر آتا ہے

## خون صفا

پھوڑے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے  
کے جسم اور چہرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

**BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.**  
**TRANSPORT CONTRACTORS**  
**113, Bhandari Street (Chakla)**  
**BOMBAY-3.**

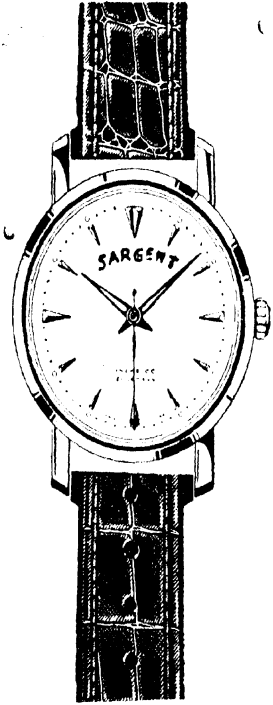
# آپ حج کیسے کریں

حج کے موضوع پر اردو زبان میں بے شمار کتابیں لکھئے جا چکے ہیں۔  
 لیکن یہ کتاب جو دراصل مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی  
 کی مشترک تالیف ہے، اپنی اس خصوصیت میں اب بھی ممتاز و منفرد ہے کہ یہ بہت آسان  
 اور دل نشیں انداز میں حج کا طریقہ اور اس کے احکام و مناسک بھی بتاتی ہے اور  
 ذوق و شوق اور جذبہ عشق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔  
 اللہ کے جنے سندوں نے اسے کتاب کو بیکرا اور اسے کئے۔ ہفتائے میں فتح کیا  
 ہے اُن کا بیان ہے کہ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ناہر اور مفصلہ معلوم  
 اور صاحب دے مرشد انگلیے بکرا کر مسوئے اور فاسقانہ فتح کرا رہا ہے۔  
 آفریں شوق و غیر اور دہ اور ظہیں می مثل ہیں ——— نمبر کا عدد ——— قیمت مخلصہ دُرُود ہے

## آسان فتح

یہ آسان زبان میں آپ حج کیسے کریں کا خلاصہ ہے۔ ایسے کم تعلیم یافتہ حضرات کیلئے  
 جو صرف آسان اور معمولی اردو ہی پڑھ سکتے ہیں بہترین رہتا ہے۔  
 • بکرا سب سے • خوش نامہ شیش • قیمت صرف پچھتر پیسے  
 بوٹ، ہماری دیر میں قیمت مطلوبہ کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کی اہم مطبوعات کے لئے  
 ہر قسم کتب مفت طلب فرمائیے

کتاب خانہ الفیضان، پکھرنی روڈ، بمبئی



مکتہ المکرمہ و مکتہ المنورہ میں

جج و زیارت کے لئے جب خدا  
آپ کو لائے اور گھڑی کی ضرورت  
محسوس ہو تو پاک محل کے  
کسی بھی شوروم میں تشریف لا کر ہم  
قسم کی گھڑیاں نئے ڈیزائنوں

میں بار اہایت خرید فرمائیں۔ اپنے آئیوالے دوست احباب کو بیٹہ نوٹ کروادیں

پاک محل - المکتہ المکرمہ

# الفستان

عبد الله

عتيق الحسين بن علي

پھکوان کے  
صمدہ تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میں برائڈ  
صاف کیا ہوا مونگ چلی کا تیل  
۳۰۰ گرام ۵ روپے

صمدہ وناستی  
۳۰۰ گرام ۱۶ روپے

ستلولا، ستل کا تیل  
۳۰۰ گرام ۵ روپے

ہائڈرولک ناریل کا تیل  
۳۰۰ گرام ۱۶ روپے

کوکو جابر

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل

۳۰۰ گرام ۵ روپے

امی سلاڈ تیل

۳۰۰ گرام ۵ روپے

صمدہ ریزہ بستی

سَلَامًا لَّكَ جَنَّهٗ

ہندوستان سے ..... ۸/-

پاکستان سے ..... ۸/۵۰

ضمانت ۵۶ صفحات

قیمت

فی کاپی ..... ۵، پیسے

# لفستان

لکھنؤ

ماہنامہ

سَلَامًا لَّكَ جَنَّهٗ

غیر مالک سے

۵ اشنگ

ہوائی ڈاک کے لیے مزید

محصولہ ڈاک کا اضافہ

جلد ۳، باب ماہ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق نومبر ۱۹۷۰ء شمارہ (۸)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولیں	عتیق الرحمن منجلی	۲
۲	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۴
۳	دنیا ڈیڑھ ہزار سال پہلے	مولانا عبد السلام قدوائی	۱۹
۴	رفاہی خدمات میں مسلمانوں کا حصہ	استاذ مصطفیٰ سباعی مرحوم	۲۷
۵	اسلام یا عیسائیت ؟ موجودہ دور میں رہنمائی کے قابل کون !	مولانا محمد تقی امینی	۳۵
۶	ارشادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	۴۱
۷	مراسلات :		
	۱۔ مسلمانوں کی سیاسی تنظیم	عبد اللطیف خان (نگلور)	۴۷
	۲۔ مضمون آرہو مضمون نہیں آرہا ہے	عبد اللطیف اعظمی (جامعہ ملیہ دہلی)	۴۹
۸	نئی مطبوعات	ع۔ س۔	۵۶

## اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی موت خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ نومبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بعینہ دی بی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار :- اس ماہ (نومبر سنہ ۱۳۹۰) سے صرف ان خریداران پاکستان کو رسالہ جاری ہے جنہوں نے ہمارے خط کے جواب میں اطلاع دی ہو کہ رسالہ براہ رسوخ پتہ پر۔ بالی تمام حضرت کارسانی کی احوال بند رہے گا۔

غیر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت ادومی آؤ دو کو پناہ غیر خریداری ضرور لکھا جائے جو پتہ کی جیت پر لکھا رہتا ہو۔  
تالیف اشاعت : الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے مہینہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ہر مہینہ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ ہر مہینہ ۲۸ تاریخ تک آجائی جائے۔ اسکے بعد رسالہ بھیجے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر لفتان ، پچھری روڈ ، لکھنؤ

(نوٹ : محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر ، ایڈیٹر و ڈیزائنر تو ہیں مگر دفتر الفرقان پچھری روڈ ، لکھنؤ سے شائع کیا)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# نگاہِ اولین

عَدِيقُ الرَّحْمَنِ اسَدِ بَہْلُی

نگھڑے ایک تجویز افکار رائے کے لیے موصول ہوئی ہے کہ مسلمان اس بات کا التزام کریں کہ ہر ہر محلہ کی مسجد میں بچوں کی پیدائش کا رجسٹر رکھا جائے جس میں ہر نو مہر لود کی بروقت تاریخ پیدائش لکھا دی جائے گا کہ اس تجویز کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں بچوں کی تاریخ پیدائش کی یادداشت رکھنے کا رواج ایک تو یہی بہت کم ہے۔ اور جو ہے بھی تو اس میں اتنی باقاعدگی نہیں ہوتی کہ اسکولوں میں داخلے یا ملازمت وغیرہ کیلئے مطلوبہ پیدائش سرٹیفکیٹ باسانی پیش کیا جاسکے۔ مذکورہ بالا تجویز کے مطابق اگر مسجد میں باقاعدہ رجسٹر رکھا جانے لگا تو اس انداز کو سرٹیفکیٹ کے لیے حکومت سے تسلیم کرایا جاسکتا ہے جیسا کہ عیسائیوں کے گرجا گھروں کا پیدائش سرٹیفکیٹ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

ہماری رائے میں یہ تجویز بہت مناسب ہے، مسجد سے زیادہ کوئی اور جگہ ایسی نہیں ہو سکتی جہاں ہر مسلمان آسانی سے آسکے اور جسے مرکز بنا کر یہ توقع کی جاسکے کہ زیادہ سے زیادہ عوامی پیمانے پر یہ تجویز عمل میں آجائے گی۔ تجویز کا یہ فائدہ بھی، جو تجویزین کے پیش نظر ہے، کچھ کم قیہی نہیں ہے۔ کہ یہ رواج اگر عام ہو گیا تو مسلمان اپنی مردم شماری بھی آپ کر سکیں گے۔ البتہ اس مقصد کے لیے دو ایک خانے اس رجسٹر میں بڑھانا ہوں گے اور ساتھ میں ایک دفات کا رجسٹر بھی رکھنا ہوگا۔ اور سب سے بڑا نقد فائدہ تو ہوگا کہ مسجدوں کے لیے جس وسیع پیمانے کی مرکزیت کا سبق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین کی سنت سے ہمیں ملتا ہے اور اب بالکل بھولا بسر ہو گیا ہے، اس کی تجدید کی دلغ بیل اس کام سے بڑھ جائے گی۔ کہتے ہیں مسلمان جو مسجد کی صورت تک ٹھیک سے نہیں دیکھ پاتے ان کے قدم اس بہانے دہاں پڑنے لگیں گے اور ایک دہا خدا کے گھر سے پیدا ہو جائے گا۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ تجویز صرف کاغذ پر نہیں ہے، بلکہ عبد اللطیف خاں بی بی اے بی ایل اور

عہدِ انگریز صاحبِ بی لے، بی ایل، بنگلور کے دو نوجوان دوست جو اس کے ہانی میں نے اس پر علمِ رآمد کے لیے کام بھی شروع کر دیا ہے۔ ہندستان کے ہر علاقے کے باشندوں کو یہ تجویز اپنانی چاہیے۔ انشاء اللہ اس کے بڑے فوائد حاصل ہوں گے۔

اصل میں اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کے کرنے کے دو ہی کام ہیں۔ ایک اپنی اس طرح کی قی ضروریات کے لیے سرگرم ہونا جن سے ملت، جو آج ایک فتنہ اور ایک دوسرے سے بے خبر قوم ہے، واقعی معنی میں ملت بنے اور جن سے اس میں وہ سچ سچ کی توانائی پیدا ہو جو کشمکشِ حیات میں اس کے قدم مضبوط رکھ سکے۔ دوسرے کہ دنیا کے ساتھ ساتھ یہ ملک بھی جس طرح خدا فراموشی اور اخلاقی فساد کے سیلاب میں بہتا جا رہا ہو، اس کے خلاف پُر عملیت جدوجہد کی جائے۔ یہی مسلمانوں کا اصل کام ہے اور اسی کے لیے انہیں اپنی تعمیر اور استحکام کے منصوبے بھی مرتب کرنے اور بروئے کار لانے چاہئیں، یعنی ان دونوں کاموں میں وہی ثابت اور وہی مناسبت ہونی چاہیے جو مقصد اور ذریعہ میں ہوتی ہے۔ اس دوسرے کام کو اصل مقصد زندگی سمجھنے بغیر اور ہر وقت اور ہر حال کے امکانات کے بقدر اسے انجام دینے بغیر اپنی تعمیر اور اپنے استحکام کی جدوجہد بھی اسلامی زندگی نہیں جانی زندگی ہے۔ اور ملت کی تاسیخ کی گواہی یہ ہے کہ جب سے اس نے اپنا اصل وظیفہ جیاً چھوڑا ہے جانی زندگی کا یہ درجہ بھی اس کے نصیب میں نہیں رہا کہ خود اپنے ہی استحکام اور ترقی کے کاموں میں بھی لگی رہ سکے۔ وہ صرف لائینی اور بے کار باتوں میں ذائقہ پاتی ہے۔ تعمیر و ترقی کی بڑی بڑی اچھی انجینئرس اس کے تغافل اور بے حسی کی نذر ہو جاتی ہیں۔ بڑی قیمتی زندگیوں اس کی خیر خواہی اور درمندی میں محض ضائع ہو کر رہ جاتی ہیں۔ "لَسُوْا لِلّٰہِ دَاۡرُکُہُمْ" "لَسُوْا لِلّٰہِ دَاۡرُکُہُمْ" کے بے لاگ الٹی قانون کا یہ بھی ایک رنگ ہے جو اس ملت کے نصیب میں آتا ہے جو خدا کی طرف سے ڈیوٹی پر ہو کر ڈیوٹی ادا نہ کرتی ہو۔

## ایک استغما اور تشکر

الفرقان کے بیشتر ناظرین کو غالباً اس حادثہ کا علم ہو چکا ہو گا کہ یہ خالیہ جو ایک طویل عرصہ سے طویل عرصے سے شعبان مطالعہ، راکوٹ کو ان کا انتقال ہو گیا انشاء اللہ رانا الیہ واجعون۔

ناظرین سے استغما ہو کہ مر جوہر کے لیے مغفرت و رحمت کی اور ان کے بچوں اور حلیہ متعلقین کے لیے صبر و اجر کی دعا فرمائیں۔ اس عاجز پر احسان ہو گا۔

احباب و مخلصین کے تعزیتی خطوط و موصول ہو رہے ہیں۔ فرداً فرداً خطوط کھنا مشکل ہو۔ اس لیے الفرقان کے ذریعہ سے وادان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کو ان کی مخلصانہ ہمدردی کی سب سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ والسلام محمد منظور نعمانی - ۲ رمضان ۱۳۹۰ھ

SCHOOL BANGLORE-25



## کتابُ المعاشِرَةِ وَالْمُعَامَلَاتِ

# مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

(مُسَلَّس)

## آدابِ ملاقات

یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں اُن سے انسانوں کے مختلف طبقات اور اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات معلوم ہوئیں، آگے آدابِ ملاقات اور اس کے بعد آدابِ مجلس کے سلسلہ کی جو احادیث درج کی جا رہی ہیں وہ بھی دراصل زندگی کے ایک خاص دائرہ میں آپس کے برتاؤ ہی سے تعلق وایات ہیں۔

### تحیۃ السلام، سلام :-

دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار و محبت یا جذبہٴ اکرام و خیراندہشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس و مسرور کرنے کے لیے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے، ہمارے ملک ہندوستان میں ہمارے برادرانِ وطن ہندو ملاقات کے وقت "نمستے" کہتے ہیں، کچھ پرانے قسم کے کم بڑے لکھنوں کو "رام رام" کہتے ہوئے بھی سنا ہے، یورپ کے لوگوں میں صبح کی ملاقات کے وقت "گڈ مرننگ" (اچھی صبح) اور شام کی ملاقات کے وقت "گڈ ایوننگ" (اچھی شام) اور رات کی ملاقات میں "گڈ نائٹ" (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں میں بھی اسی طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

سنن ابی داؤد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عمران بن حصین کا یہ بیان مروی ہو کہ ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں "اَنْعَمَ اللہُ بِكَ عَلَيْنَا" دُخدا اَ اُنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے، اور اَنْعَمَ صَبَاحاً (تمھاری صبح خوشگوار ہو) کہا کرتے تھے، جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی، یعنی اسکے بجائے ہمیں "السَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی کوئی غور کرے تو واقف یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیر اندیشی کے اظہار کے لیے سوچا نہیں جاسکتا۔۔۔ ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے، یہ بہترین اور نہایت جامع دُعائیہ کلمہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے، یہ اپنے سے چھوٹوں کے لیے شفقت اور مرحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لیے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے، اور پھر "السلام" اسماء الہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔۔۔ ارشاد ہوا ہے سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمٰیْنَ ۝ سَلَامٌ عَلٰی اِبْرٰهٖمَ ۝ سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وَ هٰارُوْنَ ۝ سَلَامٌ عَلٰی الْیٰسِیْنَ ۝ سَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰ ۝

اور اہل ایمان کو حکم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں "السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ اَخ" اور ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمارے وہ بندے آپ کے پاس آئیں جو ایمان لاچکے ہیں تو آپ اُن سے کہیں کہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (السَّلَامُ عَلَیْکُمْ، تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے رحمت کا فیصلہ فرمادیا ہے)، اور آخرت میں داخلہ جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان سے فرمایا جائے گا "اَدْخُلُوْہَا بِسَلَامٍ" اور سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فِیْعَمَ غَفَیُّ الدَّارِ

الغرض ملاقات کے وقت کے لیے "السَّلَامُ عَلَیْکُمْ" سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ملنے والے پہلے سے باہم متعارف اور شناسا ہیں اور ان میں محبت و اخوت یا قرابت کے قسم کا کوئی

تعلق ہے تو اس کلمہ میں اس تعلق اور اس کی بنا پر محبت و مسرت اور اکرام و خیر اندیشی کا پورا اظہار ہے اور اگر پہلے سے کوئی تعارف اور تعلق نہیں ہے تو یہ کلمہ ہی تعلق و اعتماد اور خیر گالی کا وسیلہ بنتا ہے اور اس کے ذریعہ ہر ایک دوسرے کو گویا اطمینان دلاتا ہے کہ میں تمہارا خیر اندیش اور دعا گو ہوں اور میرے اور تمہارے درمیان ایک روحانی رشتہ اور تعلق ہے۔

بہر حال ملاقات کے وقت ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ اور ”وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ“ کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مبارک تعلیمات میں سے ہے اور یہ اسلام کا شعار ہے اور اسی لیے آپ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی اور بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث پڑھیے۔

## سلام کی فضیلت و اہمیت:-

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أُعْبِدُوا الرَّحْمَنَ، وَأَطِعُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

بِسَّلَامٍ \_\_\_\_\_ رواه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لوگو خداوند رحمن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ، اور سلام کو خوب پھیلاؤ تم جنت میں پہنچ جاؤ گے سلامتی کے ساتھ۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نیک کاموں کی ہدایت فرمائی ہے، (تشریح) اور ان کے کرنے والے کو جنت کی ثبات دی ہے۔ ایک خداوند رحمن کی عبادت، یعنی بندہ پر اللہ کا جو خاص حق ہے اور جو دراصل مقصدِ تخلق ہے کہ اُس کی اور صرف اُسی کی عبادت کی جائے اسکو ادا کیا جائے، دوسرے اطعامِ طعام، یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور دیکھ بھال و محبت کے کھانا کھلایا جائے (جو دلوں کو جوڑنے اور باہم محبت و الفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے، اور نخل جیسی مملک بیماری کا علاج بھی ہے) تیسرے ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ اور ”وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ“ کو جو اسلامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلیم

فرمایا ہوا دعائیہ کلمہ ہو کہ خوب پھیلا یا جہائے اور اس کی ایسی کثرت اور ایسا رواج ہو کہ اسلامی دنیا کی  
نصا اس کی لہروں سے معمور رہے۔ ان تین نیک کاموں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت  
سنائی ہے ”تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ“ (تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے)  
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ آتَى الْإِسْلَامَ خَيْرٌ؟ قَالَ تَطْعِمَ الطَّعَامَ وَتُقْرِئَ السَّلَامَ  
عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ ————— رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت! اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) کیا چیز (اور کون سا عمل)  
زیادہ اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا (ایک) یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور ”دوسرے“  
یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اس کو بھی سلام کرو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**تشریح** اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی اعمال میں طعام طعام اور سلام  
(کو خیر اور بہتر قرار دیا ہے۔ بعض دوسری حدیثوں میں (جو گور بھی چکی ہیں) دوسرے بعض  
اعمال صالحہ کو مثلاً ذکر اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ کو یا والدین کی خدمت و اطاعت کو ”خیر اعمال“ اور انہی  
اعمال ”قرارد کیا گیا ہے، لیکن جیسا کہ اسی سلسلہ میں بار بار واضح کیا جا چکا ہے، اس میں کوئی تضاد نہیں ہے  
آپ کے جوابات کا یہ فرق دراصل پوچھنے والوں کی حالت و ضرورت اور موقع محل کے فرق کے لحاظ سے  
ہو۔ اور اسلامی نظام حیات میں ان سب ہی اعمال کو مختلف بہتوں سے خاص اہمیت اور عظمت  
حاصل ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تَوْمِنُوا وَلَا تَوْمِنُوا حَتَّى تَخْبِتُوا، وَلَا أَدْعُكُمْ  
عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَخَابَيْتُمْ، أَفْشَرُ السَّلَامِ بَيْنَكُمْ ————— رواہ مسلم  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم  
جنت میں نہیں جا سکتے تاؤ تم تک پہنچو۔ مومن نہ ہو جاؤ اور تمہاری زندگی ایمان والی زندگی

نہ ہو جائے، اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے، کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہو جائے، (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے صراحت معلوم ہوا کہ ایمان جس پر داخلہ جنت کی بشارت اور وعدہ ہے (تشریح) وہ صرف کلمہ پڑھ لینے کا اور عقیدہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اتنی وسیع حقیقت ہے کہ ایمان کی باہمی محبت و مودت بھی اُس کی لازمی شرط ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ بتلایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے یہ محبت و مودت دونوں میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کسی عمل کی خاص تاثیر جب ہی طور میں آتی ہے جبکہ اس عمل میں روح ہو، نماز، روزہ اور حج اور ذکر اللہ جیسے اعمال کا حال بھی یہی ہے۔ بالکل یہی معاملہ سلام اور مصافحہ کا بھی ہے کہ یہ اگر دل کے اخلاص اور ایمانی رشتہ کی بنیاد پر صحیح جذبہ سے ہوں تو پھر دلوں سے کدورت مٹنے اور محبت و مودت کا ریں پیدا ہو جانے کا یہ بہترین وسیلہ ہیں۔ لیکن آج ہمارا عمل بے روح ہے۔

## سلام کا اجر و ثواب :-

عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عَشْرُونَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُونَ.

رواہ الترمذی والبداد

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے کہا "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ" آپ نے اُس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا اُس (یعنی اس بندہ کے لیے اس کے سلام کی

وجہ سے دس نیکیاں بھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا، اُس نے کہا: اَللّٰمَّ عَلَیْکَ رَحْمَةُ اللّٰهِ  
 آپ نے اُس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں (یعنی  
 اس کے لیے) ۲۰ نیکیاں بھی گئیں، پھر ایک تیسرا آدمی آیا اس نے کہا: اَللّٰمَّ عَلَیْکُمْ وَ  
 رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ۔ آپ نے اُس کے سلام کا جواب دیا، اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا۔  
 آپ نے فرمایا: میں (یعنی اُس کے لیے) تین نیکیاں ثابت ہو گئیں)

(جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون ہے کہ اُس نے ایک نیکی کا اجر اس آخری اُمت کے لیے دس  
 (تشریح) نیکیوں کے برابر مقرر کیا ہے، قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا: "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ  
 امثالِہَا" اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں جس نے صرف ایک کلمہ  
 "اَللّٰمَّ عَلَیْکُمْ" کہا تھا فرمایا کہ اس کے لیے دس نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اور جس شخص نے اس کے ساتھ  
 دوسرے کلمہ "وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کا بھی اضافہ کیا، اُس کے لیے آپ نے فرمایا کہ ۲۰ نیکیاں ثابت ہو گئیں اور  
 تیسرے شخص کے لیے جس نے "اَللّٰمَّ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کے ساتھ تیسرے کلمہ "وَبَرَکَاتُہُ" کا بھی  
 اضافہ کیا، آپ نے فرمایا کہ اُس کے لیے ۲۰ نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اسی حساب سے سلام کا جواب  
 دینے والا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی  
 رضا اور رحمت حاصل کرنے کے جو راستے معلوم ہوئے ہیں ان کی قدر اور استفادے کی توفیق دے۔  
 امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت  
 عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، ان کا طریقہ تھا کہ وہ تیس ساتھ لے کر بازار جاتے اور  
 جس دوکاندار اور جس کباڑیے اور جس فقیر و مسکین کے پاس سے گزرتے اس کو پس سلام کرتے (اور کچھ  
 خرید و فروخت کے بغیر واپس آ جاتے)، ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو معمولی کے مطابق  
 مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے، میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جانے کیا کریں گے، تو آپ کسی دوکان  
 پر کھڑے ہوتے ہیں، انہی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ مبادی کی بات کرتے ہیں اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں  
 بیٹھتے (پھر آپ بازار کس لیے جاتیں) ہمیں بیٹھے باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں، حضرت ابن عمرؓ نے

فرمایا کہ ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بانڈ جاتے ہیں کہ جو سلام پڑھے اُس کو سلام کریں (اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں مل کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوہی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ بِاللَّهِ مِنْ بَيْدِ أَيْ السَّلَامِ۔ — رواه احمد والترمذي والبيهقي

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں اللہ کے قرب اور اُس کی رحمت کا زیادہ متحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَمَاءُ يَاسَ السَّلَامِ تَبْرِئُ مِنَ الْكُفْرِ۔ — رواه البيهقي في شعب الايمان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سلام میں پہل کرنے والا کجی سے بری ہے۔ (شعب الايمان للبيهقي)

**تشریح** یعنی سلام میں پہل کرنا اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ اس بندہ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سلام میں پہل کرنا کبر کا علاج ہے جو بدترین درجہ ہے جس پر احادیث میں عذابِ نار کی وعید ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!۔ اس کے بعد چند وہ حدیثیں پڑھیے جن میں خاص خاص موقعوں پر سلام کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

## عند الملاقات سلام

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْمُسْلِمُ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتَّةٌ قِيلَ مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَأَنْصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدِ اللَّهَ فَتَمِيتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدُّهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ۔

رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چڑھنا (خاص) حق میں ہے۔ — اولیٰ یہ کہ جب ملاقات ہو تو  
سلام کرے اور جب نہ ہو، اور جب وہ نصیحت (یا مصلحت) مشورہ (یا مصلحت) کا طالب ہو تو اس سے دریغ نہ کرے،  
اور جب اس کو چھینک آئے اور وہ اچھٹا نہ کہے تو یہ اس کو "یرحک اللہ" کہے (یہ دعا ہے)  
کہہ ہے، اور جب زیادہ ہو تو اس کی عیادت کرے اور جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے  
جنازہ کے ساتھ جائے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب  
(تشریح) پہلا حق یہ بتلایا ہے کہ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ یعنی السلام علیکم کہے۔ (حضرت ابو ہریرہ  
ہی کی روایت سے قریب قریب اسی معنوں کی ایک حدیث، "اسلامی رشتہ کے چند حقوق" کے زیر عنوان)  
صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالہ سے چند ہی فرق پہلے گزر چکی ہے وہاں ضروری تشریح بھی کی جا چکی  
ہے اس لیے یہاں اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا لَقِيَ  
أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ حَلَّكَ مِنْهَا شَيْئًا أَوْ جَدَّ أَوْ جَحَرَ  
ثُمَّ لْيَقْبِهِ فَلْيَسَلِّمْ عَلَيْهِ

رواہ ابو داؤد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہیے کہ اس کو  
سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پھر ان دونوں کے درمیان مائل  
ہو جائے (اور تھوڑی دیر کے لیے ایک دوسرے سے غائب ہو جائیں) اور اس کے بعد پھر ملنا  
ہو تو پھر سلام کرے۔ (سنن ابی داؤد)

مطلب یہ ہے کہ اگر ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سکنڈ کے لیے بھی ایک دوسرے سے غائب  
(تشریح) ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے اور دوسرا اس کا جواب دے۔  
— اس حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور شریعت اسلام میں



سلام کی گنتا اہمیت ہے۔

اپنے گھر یا کسی مجلس میں آؤ یا جاؤ تو سلام کرو:-

عَنْ أَشْبِ بْنِ رَسُوْلٍ اَللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا بَنَیَّ اِذَا  
وَحَلَّتْ عَلٰی اَهْلَکَ فَلَیْسَ یُکُوْنُ بَرَکَۃٌ عَلَیْکُمْ عَلٰی اَهْلِ بَیْتِکَ۔

رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
یہاں جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو یہ تمہارے لیے بھی باعث برکت  
ہوگا اور تمہارے گھر والوں کے لیے بھی۔ (جامع ترمذی)

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ مَکَیْمًا  
فَہَلِّکُمْ عَلٰی اَهْلِہِ وَاِذَا خَرَجْتُمْ فَاَدْعُوا اَهْلَہُ بِسَلَام۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت قتادہ (تابعی) سے (مرسلہ) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو، پھر پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو دعائی  
سلام کر کے نکلو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ اَبْنِ حُرَیْرَةَ عَنْ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّہُ  
اَحَدُکُمْ اِلٰی عَجَلِیْسٍ فَلِیْسَ لَہٗ اَنْ یَّجْلِسَ فَلَیْسَ لَہٗ اَنْ یَّخْرُجَ اِذَا  
قَامَ فَلِیْسَ لَہٗ اَنْ یَّخْرُجَ مِنَ الْاٰخِرَةِ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے  
کہ جسے آپ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں ہو چکے تو چلیے  
کہ راد لا اہل مجلس کو سلام کرے، پھر بیٹنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جانے لگے تو  
پھر سلام کرے۔ اور پہلا سلام بعد دسے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہو (یعنی بعد والے شخص  
سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے سلام کا ہے۔ اگر کسی کو شک ہو) (جامع ترمذی)

## سلام کے متعلق کچھ احکام اور ضابطے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام اور جواب سلام کے کچھ احکام اور ضابطے بھی تعلیم فرمائے ہیں ان کے لیے ذیل کی چند حدیثیں پڑھیے :

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَأْرُءُ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى  
الْكَثِيرِ

رواہ البخاری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستے سے گزرنے اور چلنے والے بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں۔ (صحیح بخاری)

(اور حضرت ابو ہریرہ ہی کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ سوار آدمی کو چاہیے کہ وہ پیادے چلنے والے کو سلام کرے۔)

**(تشریح)** کہو کے بڑے کو سلام کیا کرے، اور اسی طرح جب کسی چلنے والے کا گزر کسی بیٹھے ہوئے آدمی پر ہو تو چلنے والے کو چاہیے کہ وہ سلام میں پیچھے ہی کرے، اور اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں نسبت کم آدمی ہوں وہ دوسری زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پیچھے رہے کہے اور جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پیچھے ہی کرے کہے پیادے چلنے والوں کو سلام کرے۔ اس ہدایت کی یہ حکمت ظاہر ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلند ہی اور بڑائی حاصل ہے اس لیے اس کو حکم دیا گیا کہ وہ پیادے چلنے والوں کو سلام کر کے اپنی بڑائی کی نفی اور تواضع اور خالص رسی کا اظہار کرے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مَرْثُوعًا قَالَ يُجِزِي عَنِ الْجَمَاعَةِ إِذَا مَرَّ  
اَنْ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمْ وَيُجِزِي عَنِ الْجُلُوسِ أَنْ يُرَدَّ أَحَدُهُمْ

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف نسبت کر کے بیان فرمایا کہ گزرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کے تو  
پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک جواب دے دے  
تو سب کی طرف سے کافی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

بعض حالتوں میں سلام نہ کیا جائے :-

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَهُوَ يَقُولُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ۔

رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ پیشاب کے لیے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے  
اُس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالتوں میں سلام نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی آدمی  
ادائیگی سے سلام کرے تو اس کا جواب نہ دینا چاہیے۔

عَنْ مِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ قَالَ فَيَحْيِي رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّاسِ فَيَسَلِّمُ سَلَامًا لَا يُوقِظُ النَّاسَ بِمَرَدِّ  
يُسْمَعُ الْيَقْظَانُ ..... الحديث

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہاں فرماتے  
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو ہم اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو  
آپ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے  
والے سن لیتے۔۔۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ اس کے سلام  
سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے یا اس طرح کی کوئی دوسری ذیہ لڑکے کسی بڑے  
کو نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ آداب سکھنے اور بڑے کی توفیق عطا فرمائے۔

## مُصَافِحَہ

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبہ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک قدیمہ سلام کے علاوہ اور اُس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اُس کے بعد ہوتا ہے اور اُس سے سلام کے اُن مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں صریحہ بھی بات فرمائی گئی ہے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ تَعْلَمِ  
التَّحِيَّةَ الْأَخْذُ بِالْيَدِ ————— رداد الترمذی ولفہ وادود

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلام کا مکملہ مصافحہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

[قرب قرب یہی معنوں جامع ترمذی ہی میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں شہو صحابی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے]

## مُصَافِحَہ کا اجر و ثواب اور اُس کی برکتیں :-

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا تَقَى الْمُسْلِمَانِ فَمُصَافِحَا وَحَمِدَ اللَّهُ وَاسْتَعْفَرَا غُفِرَ لَهَا —

رداد ابو داؤد

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لیے مغفرت طلب کریں تو اُن کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عَطَاءِ الْخُرَّاسَانِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
تَصَافَحُوا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُّوا تَحَابُّوا وَتَذْهَبُ الشُّعْنَاءُ۔

رداد الک برسلان

عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق اہل) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے، اور آپس میں ایک دوسرے کو بد یہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔

(موطا امام مالک)

[یہ روایت امام مالک نے اسی طرح عطاء و خراسانی سے مرسل روایت کی ہے یعنی انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی سے پہونچی۔ ایسی حدیث کو مرسل کہا جاتا ہے اور اس طریقہ سے روایت کرنے کو ارسال]

یہاں بھی اس بات کو یاد کر لیا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ (تشریح) مشروط ہے کہ اس میں تسبیح ہو، جو دانہ بیجان ہو چکا اُس سے پورا نہیں ملے گا۔

## معافہ و تقبیل — اور قیام

محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معافہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اُسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور اس سے کسی بُرائی یا اس کے شک شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جیسے اپنے بھائی یا عزیز دوست سے ملاقات ہو تو کیا اس کو اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں اُسے گلے لگائیں اور اس کو چھریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کی اجازت نہیں ہے مگر شخص نے عرض کیا تو پھر اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی اجازت ہے۔ اس حدیث سے معافہ اور تقبیل کی جو معافیت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارہ میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی مدد سے بھی ہے کہ اس کا تعلق اُس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی بُرائی یا اُس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ در نہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوں گے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَتَرَةِ أَنَسَ قَالَ خَلَعْتُ لِأَبِي دَرَاهِلًا



رواہ ابو داؤد

فی تَحْلِیْلِہَا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل و صورت، سیرت و عادت اور چال و حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ شاہد ہو صاحبزادی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھیں) جب وہ حضور کے پاس آئیں تو آپ (جوشِ محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے، ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے اور (پیارے) اُس کو چومتے اور اپنی جگہ پر اُن کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا) جب آپ اُن کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں آپ کا دست مبارک اپنے ہاتھ لے لیتیں، اُس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ کو بٹھاتیں۔  
(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ روایات اس کی واضح دلیل ہیں کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے موافقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اس لیے حضرت انس کی اس حدیث کو جس میں موافقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے وہی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم ان مواقع کے لیے ہے جب سیٹھ سے لگانے اور چومنے میں کسی بُرائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ حضرت عائشہ دالی آخری حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضور کے کھڑے ہو جانے اور حضور کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہ کے کھڑے ہونے کا بھی ذکر ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام و احترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز، محبوب یا محترم بزرگ کے لیے کھڑا ہو جانا بھی درست ہے لیکن بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے تشریف لانے پر اگر صحابہ کرام کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، غالباً اس کی وجہ آپ کی مزاحی خاکسارگی اور تواضع پسندی تھی۔ واللہ اعلم۔

# دنیا دیر طہر سال پہلے

(اَز مَوْلَانَا عَبْدُ السَّلَام صَاحِبِ قَدْوائی)

— (۳) —

مناسب ہو گا کہ اس موقع پر دنیا کے دو عالمگیر مذاہب یعنی یہودیت اور عیسائیت پر بھی ایک نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ ان کے اندر اصلاح حال کی کتنی صلاحیت تھی۔

یہودیوں کی حالت | یہودی ایک زمانہ میں دنیا کی بڑی معزز اور صاحب اثر و اقتدار قوم تھے لیکن صدیوں سے ان کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی اور اب ان

کا انحطاط آخری درجہ پر پہنچ گیا تھا۔ ان کے اندر بڑے بڑے مصلح پیدا ہوئے۔ بہت سے اولو العزم پیغمبروں نے ان کی اصلاح کی کوشش کی لیکن ساری تدبیروں کے باوجود ان کی حالت گرتی ہی گئی۔ اصلاح کی اصلاح اور اخلاق کی بہتری کی انھیں کوئی نکتہ تھی۔ مال و دولت کی حرص نے انھیں اندھ کر دیا تھا۔ باہم قتل و غارتگری ان کا مشغلہ تھا۔ اپنے بھائی کی مدد کے بجائے اس کی غیبت و بیجا لڑائی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اعانت کی بجائے زیادہ سے زیادہ سود و وصول کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ دنیا میں نیک نامی کا خیال تھا نہ آخرت میں نجات کی فکر تھی۔ شریعت کے خلاف درزی اور توأمن الہی کی اطاعت سے گریز ان کا شیعہ بن گیا تھا۔ انٹر کی کتاب اور انبیاء عظیم السلام کی ہدایات پر عمل کے بجائے سحر و طلسمات کے چکر میں مبتلا رہتے تھے۔ اور لوگوں کو نقصان پہنچانے کی تدبیروں میں مصروف رہتے تھے۔ حد و کینہ ان کا مزاج بن گیا تھا۔ کسی کو اچھے حال میں دیکھنا انھیں گوارا نہ تھا، ہر اصلاحی تحریک کی سب سے پہلے مخالفت کرتے تھے اور ہر مصلح کی جان کے درپے ہو جاتے تھے۔ طرح طرح سے دق



کرتے اور جب موقع پا جاتے تو قتل کر ڈالتے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے کوسوں دور ہو گئے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ عمل میں کوتاہی کرتے بلکہ آیات الہی کو بدل دیتے تھے اور اپنی طرف سے جھوٹی آیتیں بنا کر توراۃ میں شامل کر دیتے تھے۔ عقائد میں بھی شرک کی آمیزش ہو گئی تھی۔ ان کے ظاہر و باطن میں سماں و زمین کا فرق تھا۔ ساری زندگی پر فحاش چھایا ہوا تھا۔ بقول حضرت مسیح علیہ السلام ”وہ سفیدی پھیری ہوئی قبروں کے مانند تھے جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن اندر مردوں کی ہڈیوں اور ناپاکوں سے بھری ہوتی ہیں۔“ اور بقول حضرت داؤدؑ ان کے باطن میں سراسر کھوپان تھا۔ وہ اپنے منہ سے خدا کے ساتھ ریاکاری کرتے تھے اپنی زبان سے اس سے جھوٹ بولتے تھے اور اس کے عہد میں دغا دار نہ تھے یہ۔“ اپنی خواہشات کے بندے تھے۔ توراۃ کے جو احکام ان کی مرضی کے موافق ہوتے انھیں ملتے اور جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوتے انھیں تسلیم نہ کرتے تھے۔ ان شرکی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

الغرض شاید یہ کوئی انفرادی یا اجتماعی خرابی ایسی ہو جو ان کے اندر نہ پائی جاتی ہو۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عزت و سربلندی کے بجائے ذلت و خواری میں مبتلا تھے۔ اور غضب الہی ان پر نازل تھا۔ قرآن مجید میں ان کی اس حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

فَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الدَّلَۃَ وَالْمَسْكَنَۃَ  
وَبَاءُ وُيُغْضَبُ مِنَ اللّٰهِ ۝  
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ  
بِغَيْرِ الْحَقِّ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وُ  
كَانُوا يَعْتَدُونَ ۝

ان پر ذلت اور بچھاوگی مسلط کر دی گئی اور  
وہ اللہ کی جانب سے غضب کے مستحق بن گئے  
یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں سے  
انکار کرتے تھے اور نافرمانیوں کو قتل کرتے تھے۔ اور یہ اس  
سبب ہیں کہ انھوں نے نافرمانی کا اور وہ نافرمانی  
کیا کرتے تھے۔

درد مند لوگ ان حالات سے بچیں تھے لیکن اصلاح کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ سب

۱۔ سیرت النبی جلد چہارم بحوالہ النجلی ص ۷۷۰  
۲۔ ایضاً بحوالہ زبور، ص ۷۷۰  
۳۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید پہلا پارہ ص ۷۷۰ ایضاً

بڑی مشکل یہ تھی کہ توراۃ اس قدر محرف ہو چکی تھی کہ اس سے دین کے صحیح احکام کا پتہ چلانا اور انبیاء علیہ السلام کے سچے حالات کا معلوم کرنا ناممکن تھا۔

**توراۃ کی بربادی کی تاریخ** | اور دو سلطنتیں بن گئیں حضرت سلیمان کے صاحبزادے اجمام حضرت سلیمان کے بعد اسباط اسرائیل میں اختلافات رونما ہوئے توراۃ کی بربادی کی تاریخ | اور دو سلطنتیں بن گئیں حضرت سلیمان کے صاحبزادے اجمام کے ماتحت یہود اور بنیامین کی اولاد نے بیت المقدس میں ایک سلطنت قائم کی اور باقی دس اسباط نے یربعام کی سرکردگی میں سماریه کی شمالی سلطنت قائم کی۔ یربعام پہلے حضرت سلیمان کی طرف سے بیٹ یوسف پر عامل مقرر ہوا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس نے احیاء کاہن کی سازش سے فساد برپا کرنا چاہا اور بغاوت کی تیاری کی۔ اس کی اس حرکت کی بنا پر حضرت سلیمان نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن وہ مصر بھاگ گیا اور حضرت سلیمان کی وفات تک وہیں رہا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کے خلاف بغاوت کی اور دس اسباط کو اپنے ساتھ ملا کر سماریه میں الگ سلطنت قائم کر لی۔ اس نے سونے کے کپڑے کی پریش کو رواج دیا۔ اور اس غرض سے مندر بنوائے۔ اپنی بت پرستی اور رسوم بجا کو صحیح ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی غلط روایات وضع کیں اور حضرت سلیمان کے متعلق بہت سی بے سرو پا حکایات لکھیں اور پھیلائیں۔ یہ تورات میں بڑے پیمانے پر تحریف کی ابتدا تھی لیکن ابھی بیت المقدس میں توراۃ کے صحیح نسخے موجود تھے۔ اس لیے ان غلط روایات کی تردید کی جاسکتی تھی مگر ۵۸۶ ق م میں بابل کے بادشاہ نبخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر کے اس میں آگ لگا دی۔ اس آتش فشاں میں توراۃ کی الواح اور دوسرے برکات جل گئے۔ بیت المقدس کو اس طرح تباہ و برباد کرنے کے بعد جو لوگ باقی بچے ان کو گرفتار کر کے "بابل" لے گیا۔ پچاس برس اسیری کی حالت میں گزر گئے۔ بالآخر تورش شاہ ایران نے بابل فتح کر کے بنی اسرائیل کو آزاد کیا اور تعمیر بیت المقدس کی اجازت دی اس زمانے میں "عزرا" اور "نحمیا" دو نامور علمائے یادداشت سے پھر تورات مرتب کی گئی۔ ۱۶۸ ق م میں شاہ انطاکیہ انتونیس یونانی کے ہاتھوں پھر بیت المقدس کی تباہی آئی اور مقدس صحیفے جلا کر رکھ کر دیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد یہود اعتقابی

کی ہمت سے پھر بنی اسرائیل کو فتح ہوئی اور از سر نو تورات کے نسخے مرتب کیے گئے۔ قلم میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں پھر بیت المقدس برباد ہوا وہ چلتے وقت توراۃ کے نوشتے اپنے ہمراہ ردالمالتا چلا گیا۔ اس کے بعد پھر لفظ بلفظ تورات مرتب نہ کی جاسکی اور صرن یلہداشت سے اس کا مفہوم لکھا گیا۔ اب امتداد زمانہ کی بنا پر بنی اسرائیل عبرانی زبان سے زیادہ واقف نہ رہ گئے اور مختلف قوموں کے ساتھ مختلف علاقوں میں رہنے کی وجہ سے ان کی زبان بدل گئی تھی اور عبرانی کے بجائے آرامی زبان زیادہ بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے اب علماء عبرانی عبارت کا ترجمہ سنانے لگے بے نتیجہ یہ ہوا کہ اختلافات بڑھنے لگے اس کے ساتھ غضب یہ ہوا کہ یہ عقیدہ بھی دلوں میں جاگزیں ہو گیا کہ حضرت موسیٰ پر توراۃ کے علاوہ زبانی وحی بھی آتی تھی جو بعد کو حضرت ہارونؑ کی اولاد کے ذریعہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی تا آنکہ احبار اور ریتوں تک یہ روایات پہنچیں۔ اس خیال کے عقیدہ بن جانے کی وجہ سے احبار اور ریتوں کے اقوال وحی الہی کے ہم پلہ سمجھے جانے لگے اور حسب منشاء قسم قسم کی روایات اور افسانے مذہب کے اندر داخل ہو گئے جن کے اندر توراۃ کی اصل تعلیمات اور احکام دب کر رہ گئے یہی قصص و روایات تھے جو دوسری صدی عیسوی کے آخر میں ربی یہودانے ”شنا“ کے نام سے جمع کیے۔ اس کی شرح حمر اور یہ سارا مجموعہ ”تالمود“ کہلاتا ہے۔

تفصیل بالا سے ظاہر ہے کہ تورات میں کس قدر تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ کتابت و ترجمہ کی غلطیوں کی وجہ سے تحریف میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ عبرانی زبان میں تہمتیق کا کوئی ایسا نسخہ باقی نہیں رہا جسے الہامی لکھنے والوں نے لکھا تھا۔ گھصرت وہی نسخہ موجود رہ گئے جو نقل و نقل ہو کر رائج تھے۔ لیکن ان میں بھی وہ پرانے نسخے موجود نہیں رہے جو یہودیوں میں معتبر سمجھے جاتے تھے۔ صرن بعد کے لکھے ہوئے نسخے موجود رہے، ان میں مذکورہ بالا پرانے تغیرات کے علاوہ احبار اور ریتوں کے وہ تغیرات بھی ہیں جو وہ وقتاً فوقتاً اپنے خیالات کے مطابق کرتے رہے ہیں۔ ان وجہ سے ان نسخوں میں بکثرت اختلافات

۱۳  
۲۵-۲۳

۱۳  
۲۵-۲۳

۱۳  
۲۵-۲۳

ہیں۔ توراۃ کے موجودہ نسخوں کی جس عبرانی نسخہ پر بنیاد ہے۔ وہ دوسری عیسوی صدی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ اس میں بہت سی تحریفیں صاف نظر آتی ہیں۔

ان حالات میں جب اصل کتابوں کی تحریف کا یہ حال ہوا اور علما مذہب کا وہ حال ہو جو اوپر گزر چکا ہے تو قوم کی اصلاح کی کیا توقع ہو سکتی تھی یہی وجہ ہے کہ یہودی حالات سے بہت پریشان تھے مگر اپنے گرد پیش میں انھیں کوئی ایسا سامان نہ نظر آتا تھا کہ جس کے سہارے وہ اس صورت کو بدلنے کی فکر کر سکتے۔ بیچیں ہو ہو کر وہ توراۃ کی ان پیشگیوں کو یاد کرتے تھے جن میں نبی خزانہ کی آمد کی خبر دی گئی تھی۔ اور دعائیں مانگتے تھے کہ وہ دقت جلد آجائے جب ان کی آنکھیں انہری نبی کی زیارت سے ٹھنڈی ہوں اور وہ ان کے زیر سایہ صدیوں کی خواری دوزلوں حالی کے بعد کھڑے عزت و سرفرازی حاصل کر سکیں۔

اس زمانے میں دنیا کا دوسرا اہم اور وسیع مذہب عیسائیت تھا لیکن عیسائیوں کی حالت یہ بھی اپنی اصل حالت پر باقی نہ رہا تھا۔ نہ مقدس کتاب انجیل محفوظ رہی تھی نہ صاحب کتاب کی سیرت اور مواظبت مستند طور پر قلمبند ہو سکے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے کچھ ہی عرصہ بعد رد و بدل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پال کے عیسائی ہونے کے بعد اس میں اور اضافہ ہوا کیونکہ حضرت عیسیٰ نے توراۃ کے احکام تبدیل نہیں کیے تھے۔ اس سے شروع میں ان کے متبعین جواری پطرس کی رہنمائی میں توراۃ کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن پال کے عیسائی ہونے کے بعد جب غیر قوموں کو عیسائیت میں داخل کرنے کا جذبہ بڑھا تو شریعت موسوی میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جواریوں نے اس صورتحال کے پیش نظر عارضی طور پر غیر اسرائیلی اقوام کے لیے شریعت موسوی کی بعض پابندیاں ختم کر دیں لیکن رفتہ رفتہ اس رخصت نے آگے چل کر اباحت کا خیال پیدا کر دیا اور طرح طرح کی بدعات رائج ہو گئیں۔ ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین کے عیسائی ہونے کے بعد دین عیسوی میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں اور مشرک دہشت پرست اقوام کو عیسائیت میں داخل کرنے کے لیے بہت سے مشرکانہ خیالات مذہب میں شامل کر لیے گئے۔ ۳۲۵ء میں نیقیہ میں جو مسیحی علما کی

کونسل منعقد ہوئی اس میں حضرت عیسیٰ کو اہمیت کا درجہ دیدیا گیا اور اس عقیدہ کو شاہ مسطفین نے بزورِ شمشیر نافذ کر دیا۔ تثلیث کا عقیدہ پورے طور پر دین میں داخل کر لیا گیا۔ جوں جو زمانہ گزرتا گیا مذہبی عقائد متغیر ہو کر ایک عام پسند منگ پایہ اخلاق سے گہرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے۔ ان عقائد میں قدیم یونانی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا عقیدہ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچے میں ڈھال لیا گیا، اور مریم عذرا کو خدا کی ماں کا لقب دیا گیا۔ شمس کا نہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی، ردی بت پرستانہ عقائد نے مذہب کا روپ بھریا تھا۔ قبر پرستی عام ہو گئی تھی پادریوں اور بطریقوں کو مسجد کے جلتے تھے۔ حضرت مسیح درمہم روح القدس، حوارین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش کثرت سے ہونے لگی تھی اگر جا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن، محبت اور نیکی کو نفی کر دیا تھا۔ اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اپنی خیال آزمائیوں پر بھگوتے رہتے تھے۔ انصاف علانیہ فردخت کیا جاتا تھا اور طرح کی بدعنوانیاں عام تھیں۔ مغربی جوچ میں بشارت کی جگہ حاصل کرنے کے لیے قتل و زنا پر مبنی ہو گئی تھی۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات سیکڑوں آدمی قتل ہو جاتے تھے۔ ان عہدوں کے حصول کی آہنی خواہش اس لیے تھی کہ اس فدیہ سے ان کو گراں بہا سمجھے جاتے تھے، وہ اپنی گاڑیوں پر نہایت ترک و احتشام کے ساتھ نکلتے تھے اور ان کے دسترخوانوں پر بادشاہوں سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی۔

شاہ جہین کے وقت میں حالت اور زیادہ خراب ہو گئی، اس کے نزدیک اپنے مخالفوں کو مار ڈالنا کوئی جرم نہ تھا۔ بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد اور اخلاق کی جو خبرابیاں پھیلی ہوئی تھیں ان کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت بھی مبتذل ہو گئی ان کا مقصد صرف ردیہ کمانا رہ گیا۔ خواہ کسی ذریعہ سے ہو اس روپے کو وہ نفاست و عیاشی میں اڑاتے تھے۔

اس موقع پر چوتھی صدی عیسوی کے ایک سربراہ آدرہ شامی عیسائی کا بیان بھی پڑھنے کے لائق ہے وہ کہتا ہے :-

”پیشروایان دین مسیح کو قوم کی بہبودی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ وہ احکام دین کی

لے تصانیف کے لیے لائحہ عمل بنایا کرتے ہیں۔

سیرۃ النبی جلد چہارم بحوالہ دیباچہ ترجمہ قرآن انگریزی انٹرنیشنل

پر دہا کرتے ہیں بلکہ اپنی ذاتی اغراض کو پورا کرنے میں شہمک اور جاہ طلبی میں مصروف ہیں مشرقی  
عیسائیت کے یہ پیر و غرور احمد اور سمس میں مبتلا ہیں۔

پانچویں صدی تک یونانیوں اور مصریوں کے توہمات اور رسوم دین عیسوی میں شریک غالب ہو  
گئے تھے، حدوں کا اعتقاد بھی پیدا ہو گیا تھا، مجوسی عقائد بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہ خیال بھی پیدا ہو گیا  
تھا کہ تورات کے ظاہری معنی کے علاوہ اس کے باطنی معنی بھی ہیں۔ الغرض سینکڑوں نئے نئے فرقے پیدا  
ہو گئے تھے جن کے درمیان مناظروں اور جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا کرتا تھا اور باہم کشمکش و خون  
ہوتا رہتا تھا۔ پادریوں کا مذہبی منصب حصول جاہ کا ذریعہ بن گیا تھا اور حُب جاہ کی خاطر وہ ہر طرح  
کی ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔ رشوت ستانی کا بازار گرم تھا اور یہ حالت ہو گئی تھی کہ جو  
شخص کسی بڑے دنیاوی عہدہ دار کے پاس جتنا رسوخ رکھتا تھا اسی قدر اس کو بڑی دینی خدمت مل  
جاتی تھی، مسلمانین اور حالمین مذہب کے اخلاق کا پر تو عام رعایا اور پیردوں پر لازمی طور پر پڑا اور  
بد اخلاقی، اسراف اور ہوس پرستی سیحی دنیا کی آب و ہوا میں سرایت کر گئی تھیں پوپوں نے خدای اِقتیا  
اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے۔ جو لوگ نیک اور دیندار تھے وہ بھی دین کی صحیح روح سے نا آشنا تھے۔  
عبادت سے فضائل اخلاق پیدا کرنے کے بجائے صرف نفس کشی اور جسم کو تکلیف پہنچانا مقصد تھا۔  
دینداری کا سب سے اہم جز و تجرد کی زندگی اور رہبانیت تھی۔ ہر قسم کی آسائش سے جسم کو محروم کر کے  
ہر قسم کی تکلیف اور عذاب میں اپنے کو مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی، کسی نے اپنے اوپر سایہ میں بیٹھا آرام  
کر لیا تھا، کوئی اپنے آپ کو بوجھل زنجیروں میں بکڑے ہوئے تھا، کسی نے خود کو اندھیرے کوٹھری میں  
بند کر لیا تھا۔ ماں باپ، اہل و عیال اور اعزاد اقربا و دینداری و تقویٰ شغالی کی راہ میں کانٹے تھے جن سے  
پرہیز بلکہ نفرت کمال تقویٰ سمجھا جاتا اور اس پر فخر کیا جاتا تھا۔

مقدس مذہبی نوشتے بھی صحیح حالت میں موجود نہ تھے۔ اصل انجیل کا کوئی نسخہ موجود نہ رہ  
گیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ بعد ایک صدی تک کوئی چیز قلمبند نہیں کی گئی تھی دوسری صدی میں جب

۱۔ ایوانہ پیرا سرائی بحوالہ لاہور ص ۲۷۴ سیرۃ النبی جلد چہارم بحوالہ سیل و تاریخ صفحہ ۵۴۱ بحوالہ تاریخ  
ذوال و ماہ زکین اور انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن جلد پنجم ص ۳۷۷ سیرۃ النبی جلد چہارم بحوالہ تاریخ اخلاق یو ایس بی جلد دوم

اسرائیلی اور غیر اسرائیلی عیسائیوں کے اختلافات رد نہا ہوئے تو سینہ بہ سینہ و آیات کو مرتب کرنے کا خیال ہوا۔ لیکن چونکہ فرقہ بندی شروع ہو چکی تھی اس لیے ہر فرقہ نے اپنی علیحدہ انجیل مرتب کی جن میں خاصا اختلاف تھا، حضرت مسیحؑ اور ان کے حواریوں کے ملفوظات بھی اسی طرح مرتب کیے گئے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی اصل زبان مغربی آرمیاک تھی جس سے ان کے متقدمین عموماً نادان تھے اس لیے زیادہ تر انجیلیں رائج الوقت یونانی زبان میں لکھی گئیں۔ صرف ایک انجیل یہودیہ آرمیاک زبان میں لکھی گئی، اسے بھی قبول عام نہ ہو سکا اور شام کے بعد دنیا میں اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کلام الہی جو حضرت عیسیٰؑ پر ان کی مادری زبان میں ازل ہوا تھا، بفسہ محفوظ نہ رہا بلکہ روایت بالمعنی یا ترجمہ کے طور پر باقی رہا، اس وجہ سے ابتدا ہی سے انجیلوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ہر فرقہ نے اپنے اپنے طور پر روایات قلمبند کیں۔ کلام الہی کی طرح حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں کے ملفوظات اولہ خطوط کا بھی یہی تشریف ہوا اور انجیل کی طرح ان کے مضامین بھی آپس میں سخت مختلف ہو گئے۔ شاہ قسطنطین کی سرپرستی میں نیقہ میں جو کونسل منعقد ہوئی، تاکہ مختلف فیہ مسائل کا تصفیہ کرے اور عیسائی تعلیمات کا تعین کرنے، اس کونسل نے متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی چار انجیلیں تسلیم کیں باقی کو جعلی قرار دیا۔ ۳۹۶ء میں پوپ گلاسیوس نے بھی باضابطہ طور پر اسے تسلیم کر لیا۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے صاف ظاہر ہے کہ اناجیل نہ کلام الہی ہیں نہ حضرت مسیحؑ اور ان کے حواریوں کے مستند ملفوظات ہیں بلکہ فرقوں اور اشخاص کے خیالات کا مجموعہ ہیں جن میں ممکن ہے کہ کلام الہی اور ملفوظات عیسوی بھی پائے جاتے ہوں لیکن معلوم کرنا کہ واقعی ان کا کلام اور حضرت عیسیٰؑ کا ملفوظ کون سا ہوا ممکن ہو لیکن پھر بھی عرصہ تک باہمی اپنی ہٹ دھرمی سے انھیں لفظاً و معنیاً کلام الہی قرار دیتے رہے کہ علم و تحقیق کی روشنی میں انکی ہٹ دھرمی چلی نہ سکی اور بالآخر حقیقت واضح ہو گئی کہ موجودہ اناجیل تاریخی حقیقت سے ناقابل اعتبار ہیں۔ اور ان کا اکثر حصہ جعلی ہے۔

سلاطین، پیشوا، ایمان، مذہب، عوام انسان اور کتب مقدسہ کے جو حالات ادب کی سطوح میں بیان کیے جا چکے ہیں، ان کے ملاحظہ کے بعد مؤرخین کا یہ بیان حروف بحرف صحیح معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی سے ساتویں صدی عیسوی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے وہ اس کے لیے باعث رنگ ہے۔ کہ ان حالات میں نہ انجیل کی کوئی خدمت ممکن تھی اور نہ اصلاح حال کا کوئی امکان تھا۔ لوگ سخت پریشان تھے اور پچھنی کے ساتھ ایسے نجات مندہ انتہا کیے تھے جو انکو اپنے مصائب نجات دے اچھا اس گھٹا ٹاپ مذہب سے شیعہ ہدایت روشن کے

۱۔ تاریخ صحیفہ سہادی بحوالہ اناسیکو پیٹریا بڑا نیلا، تاریخ انجیل برکٹ، تاریخ کلیسا، یوسی لین، ۱۷ تاریخ صحیفہ سہادی بحوالہ داسل، برکٹ، ۱۸، ایک، بایا، اور دہاسن، ۱۹ سیرۃ النبی جلد چہارم، ۲۵

# رفاہی خدمات میں مسلمانوں کا حصہ

## اسلامی تاریخ کا ایک دل آویز باب

از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، مرحوم

قوموں کی ترقی اور شائستگی، زندگی کے لیے اُن کے حق اور عالمی قیادت کے لیے اُن کی صلاحیت کا سب سے بڑا ثبوت اُن کے افراد کا وہ انسانی جذبہ فراہم کرتا ہے جو کسی امتیاز کے بغیر سماج کے ہر طبقے کو اپنی آغوش میں جگہ دے، بلکہ دے زمین کے ہر انسان ہی نہیں، ہر جاندار کا کہ لیے اس کا فیض عام ہو۔ کسی قوم کی تہذیب کا یہی وہ عنصر ہے جو اُسے بقائے دوام عطا کرتا ہو اور دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں افضلیت کا مقام اس کے حصہ میں آتا ہے۔

ہماری قوم اس میدان میں جس بلندی تک پہنچی ہے، بلا کسی استثناء کے اُس سے پہلے کی قوموں اور امتوں میں سے کسی کی رسائی وہاں تک نہیں ہوئی ہے اور بعد والوں میں سے بھی اب تک بہر حال وہاں کوئی نہیں پہنچ پایا ہے۔

گزشتہ زمانوں میں قوموں اور تہذیبوں کا رفاهی اور خدمتی تصور اس قدر تنگ تھا کہ عربوں اور عبادت گاہوں سے زیادہ کوئی بات ذہن میں نہیں آتی تھی اور زمانہ حاضر میں اگرچہ مغربی قومیں

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی جنھوں نے اب سے چند سال پہلے وفات پائی، دمشق یونیورسٹی کے پروفیسر اور جدید عالم عربی کے بلند پایہ مصنفین میں تھے۔ اُن کی ایک کتاب ”مِنْ رَوْادِ الْفَعْلِ حَضْرَاتِ قِیَمَاتِ“ دمشق ریڈیو سے نشر کی گئی تقریروں کے ایک سلسلے پر مشتمل ہے۔ ذیل کا مضمون اسی سے لیا گیا ہے۔ ع



اجتماعی اور عوامی اداروں کے ذریعہ اجتماعی ضروریات کی کفالت کرنے میں بہت دور تک آگے بڑھ گئی ہیں، مگر وہ بے لوث انسانی جذبہ جو محض بشر کی خوشنودی کے لیے حرکت میں آئے اور جو ہمارا اپنے دور غریب اور در اسخطاد دونوں میں امتیاز رہا ہے وہ ان کی دست رس سے ہنوز باہر ہے۔ اہل مغرب کے رفاہی اور خدمتی کاموں میں سب سے بڑا محرک جاہ طلبی، شہرت پسندی اور نام رہ جانے کی خواہش ہی ہوتی ہے جبکہ ہماری قوم میں اعمال خیر کا ادبیں محرک بشر عزوجل کی رضا جوئی تھی اور اس کے آگے اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ دوسروں کو ان کاموں کا علم ہوتا ہے یا نہیں۔

اس دعوے پر بس ایک ہی دلیل کفایت کر سکتی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے تمام اموال امور خیر میں لٹائے، شام اور مصر کو خیراتی اداروں سے بھر دیا، مساجد بنا دیں اور مسافر خانوں کی کوئی شمار نہ رہی۔ لیکن کسی ایک پر بھی جو اپنا نام کندہ کر دیا ہو، نام لکھوائے تو اپنے سپاہیوں کے، وزراء کے، دوستوں اور انھوں حکومت کے!

فصل کی آمیزش سے کام لے خیر کے پاک ہونے کا اس سے بلند تردد پر بھی کوئی تصور میں آ سکتا ہے؟

دوسرا ماہیہ الامتیاز ہمارے اور اہل مغرب کے درمیان یہ ہے کہ اہل مغرب اپنے رفاہی اداروں سے فیض یابی کو عموماً اپنے اہل ملک تک محدود رکھتے ہیں، جبکہ ہمارے ایسے اداروں کے ردائے ہر انسان کے لیے کھلے ہوتے تھے، نہ فصل کا کوئی امتیاز تھا، نہ وطن کا اور نہ زبان اور مذہب کا۔

تیسرا ایک فرق اور ہے۔ ہم نے اپنے دور میں امور خیر کے ایسے ایسے پہلو نکالے اور ان کے لیے ادارے قائم کیے جن تک آج بھی اہل مغرب کا خیال نہیں پہنچا ہے۔ یہ پہلو آج بھی سامنے آتے ہیں تو نظر حیران رہ جاتی ہے۔ اور اس امر کی ایک تائید دلیل فراہم ہوتی ہے کہ انسان دوستی کے جذبے کی لطافت اور وسعت میں مسلمانوں کا مرتبہ دوسروں سے کس قدر بڑھا ہوا تھا اور خیر کے لیے اپنے دور کے اجتماعی اداروں کا، جو تھوڑا سا تذکرہ ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں اس سے پہلے مناسب ہو گا کہ اس میدان میں اپنی تہذیب کے مبادیات کا تقارن کر دیا جائے ہم نے جو کچھ بھی نقوش اس میدان میں ثبت کیے ہیں وہ سب انھیں بنیادی اذکار اور بنیادی تربیت کا فیض ہے۔

اسلام نے جب امور خیر کے لیے پکار دی تو ایسے فکری عناصر اُس میں شامل کر دیے کہ انسان کے دل میں بخل و حرص کا جو جذبہ سر اٹھا سکتا تھا اور فقر کے خوف کا جو دوسرا شیطان کی کار فرمائی تھی وہ داخل انداز ہو سکتا تھا وہ وہیں بیدم ہو کر رہ گیا، قرآن نے جب انفاق کی ترغیب دی تو ساتھ ہی کہا۔

الشَّيْطَانُ يُعِدُّكُمْ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ  
بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يُعِدُّكُمْ  
مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ  
وَاسِعٌ عَلِيمٌ

البقرہ (آیت ۲۸۶) ہے بڑا جاننے والا ہے۔

اس دعوت کا رخ قرآن میں ہر انسان کی طرف ہے، چاہے غنی ہو چاہے فقیر غنی اگر اپنے مال اور اپنی وجاہت سے کار خیر میں حصہ لے سکتا ہے تو فقیر اور بے زر کے لیے بھی اس کا ہاتھ ہو، اُس کا دل ہے اُس کی زبان ہے اور اُس کی محنت ہے جسے وہ اس دعوت کی خاطر کر سکتا ہے۔ اس طرح اسلام کسی انسان کو یہ سوچنے کا موقع نہیں دیتا کہ وہ کارہائے خیر میں حصہ لینے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

قرآن میں جب انفاق کی دعوت شروع ہوئی تو فقراء اسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لگے کیا کہ یہ میدانِ سعادت تو تمام تر اہل ثروت کے ہاتھ رہے گا۔ آنحضرت نے جواب میں فرمایا کہ نہیں کار خیر کا ذیل صرف مال ہی نہیں ہے کیونکہ ہر وہ بات جس سے لوگوں کو نفع پہنچے وہ کار خیر ہے۔ ”تمہارے لیے ہر کلمہ تسبیح میں صدقہ کا ثواب ہے ہر نیکی کی وصیت میں صدقہ کا ثواب ہے ہر برائی کی رد کی توک میں صدقہ کا ثواب ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چہرہ ہٹا دینے میں صدقہ کا ثواب ہے۔ در آدمیوں کے درمیان صفائی کر دینے میں صدقہ کا ثواب ہے کسی کو سوار یا پر سوار ہونے میں مدد دیدی تو یہ بھی کچھ کم صدقہ نہیں ہے۔“

(بخاری و مسلم)

اسلام کی اس تعلیم نے کار خیر کے دروازے بلا کسی امتیاز کے ہر انسان پر کھول دیے۔ اب ایک

مزدور بھی اس میں حصہ لے سکتا ہے۔ ایک تاجر اور کاشتکار بھی لے سکتا ہے۔ استاد بھی لے سکتا ہے اور طالب علم بھی لے سکتا ہے۔ عورت بھی لے سکتی ہے۔ بوڑھا اور معذور بھی لے سکتا ہے۔ ان کے اقتصادی احوال نہ رکھی اس میں مزاحم نہیں کہ نیکی اور بھلائی کی خدمت اپنے سماج میں کریں۔

ایک دوسری بات جو اسلام اپنے ماننے والوں کے دل میں بٹھا کر انھیں انسان دوستی کے بلند ترین افق تک اٹھا دیتا ہے اُس کی یہ دعوت ہے کہ نیکی اور بھلائی کے معاملے میں کوئی تفریقِ بندگان خدا کے ساتھ نہ کر دیں ارشاد ہوتا ہے کہ

”مخلوق سب امثلہ کا کتبہ اور عیال ہے۔ اس لیے امثلہ کو سب سے محبوب وہ آدمی ہے جو اس کے عیال کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔“

(طہرانی دمسد عبد الرزاق)

اور آخری بات جو ان مبادیات اور ذہنی تربیت کے سلسلہ میں دیکھنے کی ہے وہ یہ کہ اسلام نے اُس تمام صفت و انفاق کو جو ایک آدمی راہِ خیر میں کرتا ہے اُس کے ذاتی نفع کا کام ٹھہرا کر ایک محبوب ترین کام اُسے بنا دیا ہے وہ کتنا ہے

(۱) وَمَا تُغْنِیْهِمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَنْفُسُهُمْ

اور جو کچھ مال خرچ کر دے تم سوا اپنے ہی

(المائدہ آیت ۲۴۲)

(۲) مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ

جو شخص اچھا عمل کرے گا سوا اپنے ہی

(سورہ فصلت ۴۶)

واسطے۔

انسان فطرۃً خور ہے۔ ہر چیز سے پہلے اپنے آپ پر اُس کی نظر جاتی ہے اس فطری میں نظر میں دیکھ کر یہ سلبِ ترغیب تاثر کی کیسی صلاحیت رکھتا ہے۔ اب نیکی بھی آمادہٴ سخاوت ہو سکتا ہے ایک جہتیں کی کہ بھی اب کھلے بغیر نہیں رہ سکتی اور جہاں اولاد و اقارب مدد کے رد و ادار نہ ہوں گے وہاں یہ جہتیں اور نیکی طبعیت لوگ غیر ہوتے ہوئے بہت کچھ کر گزریں گے۔

قرآن کی جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا

کون ایسا ہے جو امثلہ کو اچھا قرضہ قرض

حَسَنًا قَرْضًا عَرَفْنَا اَنَّهُ اَضْعَافًا

دے پھر امثلہ اُسے بڑھا کر اس کے لیے

کثیرۃ

(المقرہ ۲۴۵)

کئی گنا کر دے۔

تو صحابی ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ بھی اپنے بندوں سے قرض چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! ابو الدرداء نے عرض کیا حضور اپنا ہاتھ لائیے اور آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آپ کو گواہ بنایا کہ انھوں نے اپنا وہ باغ صدقہ کر دیا ہے جو بلاشبہ کت غیرے اُن کا تھا اور جس میں سات سو پھلدار کھجور کے درخت ہیں۔ یہ کر کے وہ اپنی بیوی کے پاس گئے جو منع بچوں کے اسی باغ میں رہائش رکھتی تھیں۔ بیوی کو اس کا ردائی کی خبر دی اور انھوں نے یہ سنتے ہی باغ چھوڑ دیا اور بڑے اطمینان سے کہا کہ ابو الدرداء آپ نے بڑے نفع کا سودا کیا ہے۔

ایک اور آیت

لَسْنَا لَکُمُ الْوَالِدِیْنَ حَتَّى تُمَتَّعُوْا بِمَا  
کَرَّمْتُمْ لَکُمُ السَّیْئِلَیْ کَمَنْ یَّهْتَبُ

جب تک تم اپنی محبوب چیزیں خرچ نہ  
کر گئے کامں نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکو گے

(آل عمران)

نازل ہوئی تو صحابی ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور! میرے کنواں کی غرضاً میرا سب سے زیادہ محبوب مال ہے اور یہ اللہ کے لیے صدقہ ہے میں اس کا نفع اللہ کے یہاں چاہتا ہوں۔ آپ اس کو جہاں چاہیں لگادیں۔ آنحضرت نے فرمایا ڈکو ڈکو! یہ بڑے کام کا مال ہے۔ یہ بڑے کام کا مال ہے ایسا کرو کہ ملکیت باقی رکھو، نفع صدقہ کر دو۔ یہ اسلام میں پہلا وقف تھا اور ہمیں سے وقف کا ادارہ وجود میں آیا، جو ہمارے اجتماعی اداروں کی ریڑھ کی ہڈی تھی۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں اپنی امت کے لیے ایک بہترین مثال قائم کی بعض محاربین نے مرتے وقت سات باغوں کے بارے میں وصیت کی تھی کہ ان کا مصرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے ان کو انفرادی اور مجاہدین اور دوسرے اہل حاجت کے لیے وقف قرار دیا۔ آپ کی پیروی میں حضرت عمرؓ نے بھی اپنی خیر کی زمین وقف کی۔ اسی طرح حضرت ابو بکر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت معاذ وغیرہ نے وقف کیے۔ بلکہ کوئی صاحب استطاعت صحابی ایسا نہ رہا تھا جس نے کچھ نہ کچھ وقف نہ کیا ہو۔

لے تفسیر ابن کثیر

اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک بار پھر وقف کرنے کا عمل زور شور سے شروع ہوا۔ پہلے حضرت عمرؓ نے ایک زمین وقف کی اور مہاجرین و انصار میں سے چند اصحاب کو بلا کر اس کا گواہ بنایا۔ ان میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے کہ میں کسی صاحبِ مقدرت صحابی رسول غنیۃ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں جانتا جس نے اس کے بعد اپنا کوئی مال صدقہ موتوفہ نہ قرار دیا ہو۔

وقف علی الخیر کا یہ دستور مسلمانوں میں فسادِ فتنہ منتقل ہوتا رہا، زمینیں، باغات، مکانات اور پیدلاداریں امور خیر کے لیے وقف کی جاتی تھیں، جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرے نے اتنی عام ضرورت کی چیزوں اور دفنا ہی اور خدمتی اداروں کا بندوبست کیا کہ شمار مشکل ہے۔

یہ ادارے دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جنہیں حکومت قائم کرتی تھی اور بڑے بڑے وقف حکومت کی جانب سے اُن کے لیے ہوتے تھے۔ دوسرے وہ جنہیں اعیانِ سلطنت، امراء، جیش اور عام اغنیاء، جن میں خواتین بھی شامل ہیں، ذاتی طور پر وجود میں لاتے تھے۔ اس مختصر گفتگو میں ان اداروں کی تمام قسمیں بیان کرنے کا وقت نہیں۔ بس جو زیادہ اہم ہیں اُن کا کچھ تذکرہ یہاں ہوگا۔

۱۔ اس فہرست میں ساجد کا نمبر سب سے پہلا ہے۔ لوگ اس کام میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بادشاہوں تک کو ذوق تھا کہ ساجد کی عظیم اینٹان تعمیر میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہیں۔ اس ضمن میں صرف ولید بن عبد الملک کی طرف اشارہ کافی ہوگا۔ جس نے جامع اُموی (دمشق) کی تعمیر میں اس قدر مال خرچ کیا اور اتنے آدمیوں نے اس تعمیر کا کام انجام دیا کہ یقیناً نامشکل ہوتا ہے۔

دوسرا نمبر مدراس اور شفا خانوں کا ہے۔ جس کے لیے الگ ایک بیان کی ضرورت ہے اور اس کی تفصیل ہم دہیں کریں گے۔

مدرسوں اور شفا خانوں کے علاوہ سرائیں اور مسافر خانے بنائے جاتے تھے اور خانقاہیں اُن بندگانِ خدا کے لیے قائم کی جاتی تھیں جو یادِ الہی کے لیے گوشہٴ عزلت کے خواہاں ہوں۔ ان غریبوں کے لیے مکانات بنائے جاتے تھے جو نہ مکان خرید سکتے ہوں نہ کرائے پر لے سکے ہوں۔

۲۔ کتاب میں مدراس اور شفا خانوں کا بیان الگ الگ موجود ہے۔ (مترجم)

عام راستوں پر سبیلوں کا بند بست کیا جاتا تھا۔ عوامی لنگر خانے قائم کیے جاتے تھے جہاں سے روٹی گوشت اور کوئی میٹھا ضرورت مندوں کو تقسیم ہوتا۔ سلطان سلیم کے کیچے اور شیخ محی الدین کے کیچے میں ابھی قریبی زمانے تک ایسے لنگر خانے دمشق میں موجود تھے۔ حاجیوں کے لیے مکہ مکرمہ میں اقامت گاہیں اسی ضمن میں بنوائی جاتی تھیں اور اس کثرت سے بنوائی جاتی تھیں کہ سرزمین مکہ پر کوئی چہرہ شکل سے باقی رہا ہوگا بعض فقہاء نے اسی بنا پر ایک زمانے میں مکہ کے مکانات کو اُسے پر اٹھا باطل قرار دیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ سب حجاج کے لیے وقف ہیں۔ جنگوں میں کنوئیں کا ذخیرہ کے طور پر کھدوائے جاتے تھے تاکہ اہل حاجت کی کھینیاں، مویشی اور راہ گیر سیراب ہو سکیں۔ بغداد اور مکہ کے راستے پر دمشق اور مدینے کے راستے پر اور مختلف اسلامی شہروں، قریوں اور خاص کر راجدہا نیوں کے درمیانی راستوں پر اس کا ذخیرہ کی اس قدر کثرت تھی کہ شاذ و نادر ہی کبھی کوئی مسافر ان ایام میں پیاس اور پانی کی نایابی سے دوچار ہوا ہوگا۔ بیزنی حملوں کی زدک تھام کے لیے جو سپاہ اسلامی سرحدوں پر جگہ جگہ متعین ہوتی تھی، اس کے لیے قیام گاہیں لوگ فی سبیل اللہ بنواتے تھے۔ اور یہاں صرف قیام ہی کا نہیں، کھانے پینے سے لیکر اسلحہ اور رسد کے ذخیروں تک کا بند بست کیا جاتا تھا۔ عباسی دور میں رومی حملوں کی مدافعت اور جگہ جگہ صلیبی کے دور میں شام و مصر پر فرنگیوں کی یورشیں روکنے میں ان فی سبیل اللہ انتظامات کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ مستقل اوقات مجاہدین کو گھوڑے، تلواریں اور نیزے وغیرہ آلات حرب مہیا کرنے کے لیے قائم تھے جس سے ہمارے دیار میں جنگی صنعت کو بڑا فروغ ہوا، حتیٰ کہ صلیبی لڑائیوں کے دور میں جب کوئی صلح کا وقت ہوتا تو اہل فرنگ خاص طور سے ہتھیار خریدنے بھی ہمارے ہی پاس آتے تھے۔ اور علماء کو فتویٰ دینا پڑا تھا کہ ان کے ہاتھ اسلحہ کی فروخت حرام ہے۔

کچھ خاص وقف اس ضمن میں ایسے بھی تھے جن کی آمدنی ایسی اتفاقی صورتوں میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف تھی جبکہ مملکت اُن تمام لوگوں کے لیے بند بست سے قاصر ہو جو جہاد پر جانا چاہیں..... بہت سے اوقات راستوں اور پلوں کی درستی کے لیے ہوتے تھے بہت سے لوگ قبرستان کے لیے زمینیں وقف کرتے تھے۔ نادار میتوں کی تجنیز و تکفین اور مصارف و فن کے لیے بھی اوقات تھے۔

ان سب کے علاوہ اہل ضرورت کی پوری پوری سماجی کفالت کے نقطہ نظر سے جو خیراتی ادارے ہمارے یہاں وجود میں آئے اُن میں پڑے لے بچوں اور یتیموں کی پرورش کے ادارے تھے۔ ناجناؤں

معذوروں اور اذکار ذہن بڑھوں کی کھالت کے ادارے تھے جہاں اُن کی زندگی کے دن ہر ممکن عزت اور سہولت کے ساتھ گزر جاتے تھے۔

بعض ادارے مخصوص طور سے قیدیوں کی خبر گیری کے لیے تھے جن سے دوسری اعانتوں کے علاوہ اُن کی صحت برقرار رکھنے کے لیے مناسب غذا کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ مانوساؤں کی دہیری اور معذوروں کی خدمت کے لیے اُن کے گھروں پر آدمی مقرر کرنے والے ادارے بھی ہمارے یہاں قائم کیے گئے ہیں۔

جوان لڑکے اور لڑکیاں جو نہ خود شادی کا بار اٹھا سکتے ہوں اور نہ اُن کے سرپرست اس قابل ہوں اُن کی ضروری مدد کر کے لیے ادارے تھے جو ہنر تک کی ادائیگی کا بندوبست کرتے تھے۔

بچوں کے لیے مفت دودھ فراہم کرنے والے ادارے آج کی دین سمجھے جاتے ہیں لیکن ہمارے یہاں اس سے کہیں پہلے دودھ اور شکر دونوں کا انتظام کرنے والے ادارے رہ چکے ہیں جنہیں کمیونٹ کا منسٹر بنایا تھا۔ سلطان صلاح الدین کا جو قلعہ آج بھی دمشق میں موجود ہے اُس کے ایک دروازے پر ایک طرف ایک پر نالہ تھا جس سے دودھ بہایا جاتا تھا، دوسری طرف دوسرا پر نالہ جس سے پانی میں گھلی ہوئی شکر بہہ کرتی تھی۔ ہفتہ میں دو دن مقرر تھے کہ مائیں آئیں اور بچوں کے لیے جس قدر دودھ اور شکر کی ضرورت ہوتی یہاں سے لے جاتیں۔

اور اس ندرت خیال کا تو جواب ہی امور خیر کی تاریخ میں نہیں کہ وقف کی ایک قسم نازک پلیٹوں اور شتریوں کے لیے تھی کہ کسی بچے یا خادم سے راستے میں کوئی قیمتی پلیٹ یا شتری اگر گرنے لگے تو وہ سیدھا اس دالے میں چلا آئے اور ٹوٹی ہوئی کی جگہ نئی لیکر اس طرح گھر واپس جائے جیسے کچھ بڑا ہی نہیں تھا۔

سب سے آخر میں ان اداروں کی ایک قسم اور سن لیجے یہ وہ ادارے تھے جو بیمار اور کمزور جانوروں کے علاج اور پرورش کے لیے قائم تھے دمشق کا ادارہ ”مرج احضر“ جس کی جگہ پر آج اسٹڈیم بن گیا ہے اسی نوعیت کا ایک ادارہ تھا۔ الغرض عمر سیدہ اور کمزور بیمار جانوروں کے لیے مستقل وقف تھے جن سے اُن کے آخر دم تک اُن کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔

تو یہ میں قسم کے خیراتی اور کھالقی ادارے تھے جن کا یہاں ذکر کیا گیا کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن نے انکو وجود دیا کیا انکی ذاتی معنی میں کوئی مثال ہم سے پہلے ملتی ہو؟ اور کیا آج بھی انہیں سے بہت سوں کی نظیر موجودہ تمدن کے پاس؟

# اِسْلَامُ یَا عِيسَا ئیت؟

## موجودہ دور میں رہنمائی کے قابل کون!

(از مولانا محمد تقی امینی: ناظم سنی دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود عقل کو جذبات پر فتح نہ بنانے کے لیے بہت تک کوئی "آزمائش" ایجاد نہیں کر سکی۔ اسی طرح قومی و وطنی حد بندیوں سے بلند ہو کر عقل کو محبت و مروت کا "زاد" نگاہ "دینے کے لیے کوئی معقول تدبیر نہیں سوچ سکی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئے دن فطرت انسانی کو چیلنج دینے والے بے شمار مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اور انسانیت کی کئی تعبیر و توجہ کے باوجود وہ حل ہوتے نہیں نظر آ رہے ہیں۔ نیز رفتہ رفتہ زندگی میں ایسے جرائم سرایت کرتے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے موجودہ تہذیب بوسیدہ اور تمدن خود تمدن کا دشمن بن رہا ہے۔ اس صورت حال کو ظاہر میں اور سطحی نظریں اگر چہ ابھی نہیں محسوس کر رہی ہیں لیکن حقیقت میں نظروں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ اس سے سخت مضطرب اور انجام سے نہایت خائف ہیں جیسا کہ دقتاً فوقتاً ان کے بیانات سے وضاحت ہوتی رہتی ہے۔ یہ صورت حال زیادہ دن نہ برداشت ہو سکے گی۔ چاروں اچار آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھی ہوئی انسانیت کے تحفظ و بچاؤ کی فکر ہو گی۔ اور پھر ایسی رہنمائی کی تلاش ہو گی جو جذبات کی سرشتوں اور شعلہ بازیوں کو روک لگا سکے نیز عقل کو قلب کی تربیت نگاہ میں لے جا کر عمومی محبت و مروت کی چاشنی اس کو عطا کر سکے۔

اس قسم کی رہنمائی مذہب کے دامن میں پناہ لینے ہی سے میسر آسکتی ہے کہ اس میں انسان کو حقیقت بینی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور زندگی کے باریک تاروں کے عمل و رد عمل کا جائزہ لے کر



مہالات و مسائل میں رہبری کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ و فلسفہ تاریخ کی شہادت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اس سے متعلق مسائل حل کرنے میں مسلسل گردش سے گزرتا رہا ہے۔ افراد و قریب کی مختلف راہوں سے گزر کر بالآخر اس منزل پر پہنچا ہے جہاں سے گردش کی ابتدا ہوتی تھی۔

اس دور کا انسان بھی مختلف راہوں اور ”ازموں“ کا تجربہ کر کے انتہا کے قریب پہنچا ہے۔ جب یہ انتہا اپنے نیکی ملی مراحل طے کرے گی تو پھر ابتدا اسی مقام سے ہوگی جس کا نقطہ آغاز ”مذہب“ تھا اور اس میں انسان کی اصل ”نورانی“ تھی یہی مقام ہوگا کہ انسان کی رہنمائی کے لیے مذہب کی روشنی میں عقل و قلب کا ”آئینہ“ تیار ہوگا۔ اور پھر موجودہ مادیت اور جانیت کی چاشنی حاصل کر کے انسان کو معراج کمال پر پہنچانے کے قابل بن سکے گی جیسا کہ دور اول میں اس وقت کے لحاظ سے یہ کمال حاصل ہو چکا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عرصہ سے مذہب کے نام پر عمومی حیثیت سے اس کی جس طرح ناسمجگی ہو رہی جو وہ واقعی اس قابل نہیں کہ انسان کے اندر افادیت و صلاحیت کے جو ہر نمایاں کر کے اقدام عزم۔ شجاعت وغیرہ زندگی کے عناصر پیدا کرے اور کسی خوش آئند حال و مستقبل کی نشان دہی کرے۔ اس سے بھی انکار نہیں کہ موجودہ سیاست نے انسان کے کل پرزے اس قدر ڈھیلے کر دیے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ خود غرض اور ناعاقبت اندیش بن گیا ہے۔ اس کے اندر انتہائی سطحیت اور خود فریبی آگئی ہے جس کی بنا پر مذہب کی گہرائی و عالی حوصلگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

لیکن یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ”ضرورت ایجاد کی ماں“ ہے زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لیے ایمان و جہان کی نگاہ کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا ہے جس کی سچی ناسمجگی سچا مذہب ہی کر سکتا ہے جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس پیدا کر کے اس تک پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا نے کسی ناگہانی واقعات کی بنا پر نہیں بلکہ فطری رفتار کے مطابق بتدریج مادی ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ معلومات و انکشافات کے نئے وسائل و ذرائع نے انسان کے ذہن و معراج میں بڑی حد تک تبدیلی کر دی ہے۔ اب وہ ہر چیز کو تجربہ کی کسوٹی پر کسنے اور افادیت و صلاحیت کے پیمانے سے ناپنے لگا ہے ایسی حالت میں یہ توقع رکھنا

فضول ہے کہ جب وہ مذہب کی طرف مائل ہوگا تو سہر مذہب یا اس کی ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے قبول کر لے گا اور بکراؤ کی صورت میں علم و تحقیق کے سلسلہ ذخیرہ کو نذر آتش کر دے گا۔ بلکہ اس کی نظر میں وہی مذہب قابل قبول بن سکے گا جو علم و حکمت کا علمبردار اور افادیت و صلاحیت کے پیمانہ پر ٹھیک اترتا ہو اور وہی بات قابل وقعت بن سکے گی جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر کسے جانے کے لائق ہو۔

مذہب عالم کی موجودہ تعلیمات کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ معیار کے مطابق ہونے کی صلاحیت آخری مذہب (اسلام) کی تعلیمات ہی میں ہے۔

اس نے اپنے دورِ اولیٰ میں انسان کی داخلی تبدیلی کے ذریعہ زندگی کے ان ”تاروں“ کو چھڑنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی جو عقل کو جذبات پر فتنہ نہاتے اور اس کو عمومی محبت و حرمت کی چاشنی عطا کرتے ہیں۔ اس کی تعلیم زندگی کے کسی ایک گوشہ تک محدود نہ تھی بلکہ اجتماعی و تمدنی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی تھی اور وہ ان کے مسائل کو عدل و رحمت کی فضا میں حل کرتا تھا نیز وہ مطالعہ فطرت کا داعی اور ”معجزات“ کے ذریعہ بعد کے سائنسنگ در کی فتانہ بھی کرنے والا تھا۔

چنانچہ جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ سائنسنگ دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزولِ قرآن کی آمد (پچھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کی ساری چیزیں (ذرہ سے لے کر آفتاب و مانتاب تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت و گزراہی کے لیے پیدا ہوئی ہیں۔ اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل و تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ دنیا کے دیگر مذہب سائنس کے عناصر کو انسانی قوت سے زیادہ اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا مطالعہ فطرت کو مذہوم سمجھ کر اس کی جانب توجہ کرنے والے کا بھوت پلید سے تعلق جوڑتے تھے۔

اسلام کے اسی نظریہ کے تحت بعد کے ہر دور میں اس کی صلاحیت و ضرورت کے لحاظ سے کام ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ یورپ کو یہ نظریہ دے کر اس قابل بنایا کہ وہ ”نشأۃ ثانیہ“ کی بنیاد رکھ سکے اس سلسلہ میں یورپ کے مختلف محققین و مؤرخین مثلاً جان ڈیون پورٹ، ریمان اور ڈاکٹر جوزیف ہیل وغیرہ نے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے کہ ثبوت کے لیے مزید شہادت کی ضرورت نہیں

باقی رہ گئی ہے

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ مطالعہ فطرت کی طرف دعوت کے باوجود اسلام کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ سائنس و طبیعیات کے نئے نئے فارمولے وضع کر کے نوع بہ نوع راز بائے فطرت کے انکشاف کو اپنے ذمہ لے۔ بلکہ اس کا اصل منصب یہ ہے کہ خود انسان کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں پیش کرے۔ اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ دکھائے، حیرت انگیز و علمی زندگی کے صحیح حدود متعین کر کے نظم و ضبط اور صلاحیتوں کے استعمال کرنے کے اصولی سمجھائے تاکہ انسان دنیا میں اپنے مقام اور کام کے ہستوں کا تعین کر کے اپنے فرائض کی ٹھیک بجا آوری کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مادی ترقیات میں صرف مرکز اور سمت متعین کرنے پر اکتفا کیا اور حالات و زمانہ کے تقاضہ کی مناسبت سے عقل و تجربہ کی رہنمائی کو کافی قرار دیا کہ مرکز اور سمت کے تعین کے بعد استعمال کے مضر اثرات سے تحفظ کا بڑی حد تک اہتمام ہو سکتا ہے۔

مذہب عیسائیت کی اصل تعلیم میں بے شک اپنے دور کے تمدنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیت تھی جیسا کہ ڈاکٹر جوزیف ہیل کی تحقیق ہے۔

”انبیاء و رسل اور بانیان مذہب نے اپنے زمانہ اور اپنی قوم کی تہذیب و تمدن میں حصہ لیا ہے لیکن جو عالمگیر تبدیلیاں اسلام سے براہ راست نہایت سرعت کے ساتھ مرتب ہوئی ہیں ان کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملتی۔“<sup>۲۷</sup>

مذہب کی تاریخ میں بھی اس کی شہادت موجود ہے چنانچہ۔

وكذلك كل نبی استخلفهم فی عمارۃ الارض و سیاسة الناس  
و تكمل نفوسهم و تنفیذ امرہ فیہم۔<sup>۲۸</sup>

اسی طرح اشرق قالی نے ہرنی گوزمین کی آباد کاری میں لوگوں کی سیاست میں ان کے نفوس کی تکمیل میں اور ان میں اشرق کا حکم نافذ کرنے میں اپنا خلیفہ بنایا،

۲۷۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کی کتاب ”عروج و زوال کا الہی نظام“ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔

۲۸۔ تمدن عرب ص ۱۲۔ ۲۷ بیضاوی ص ۵۹

ان تصریحات کی موجودگی میں ”رد سو“ کا یہ قول بے بنیاد ہے کہ

حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں ایک روحانی سلطنت قائم کرنے کے لیے  
تشریف لائے جس نے مذہبی اور سیاسی نظام کو جدا کر کے ریاست کی وحدت بنادی  
اور اندرونی تفرقے پیدا کر دیے جنہوں نے عیسائی اقوام کو کبھی چین نہ لینے دیا۔

در اصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں دین اور دنیا مذہب اور سیاست کی تفریق  
نہ تھی بعد میں اُن کے ماننے والوں نے تفریق پیدا کی، اس بنا پر رد سو کا الزام حضرت عیسیٰ پر نہیں  
بلکہ اُن کے ماننے والوں پر درست ہو سکتا ہے۔ مغالطہ کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کے نام پر مرد و  
مذہب کو اصل مذہب سمجھ لیا گیا اور پھر اس پر الزام کی ایک مستقل علامت تعمیر کر دی گئی حالانکہ اصل  
عیسائیت کو ابتدا ہی میں یہودی مذہب و ذہنیت نے نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ادھر  
رومن حکومت کی بردقت پشت پناہی میسر نہ آنے کی وجہ سے تہذیب و تمدن میں اس کی تعلیمات جاری  
نہ ہو سکی تھیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت معتقدین و متبعین کے لیے نہایت روح فرما اور مایوس کن تھی حالات سے  
مجبور ہو کر ”پولوس“ نے یہی طریقہ کار آسان سمجھا کہ وہ مسیحی تعلیم کے صرف روحانی و اخلاقی حصہ پر زیادہ  
زور دیں اور شرعی و معاشرتی یا تہذیبی و تمدنی پہلو کو نظر انداز کر دیں۔ پھر یہودیوں کے مزاج میں جس قدر  
”سختی“ پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے دین کی اصلی تعلیم اور روح کو پس پشت ڈال کر محض ”مراسم“  
کی پرستش کو جس طرح اصل مذہب سمجھ لیا تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ روحانیت پر اتنا زیادہ زور  
صرف کیا جائے کہ کسے والے دور میں اعتدال کے لیے راہیں ہموار ہو سکیں۔ چنانچہ موجودہ عیسائیت  
میں عقود و رگزد اور رحم و کرم وغیرہ کی بعض مثالیں اس قسم کی موجود ہیں جنہیں معتدل معاشرہ کے لیے  
کسی طرح موزوں نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ مسیحی تعلیم کے ساتھ ایک زیادتی یہ ہوئی کہ اس  
کی تدوین و حفاظت کا کوئی معقول بند و بست نہ ہو سکا۔ مسیحی مذہب کے بارے میں معلومات کے  
مستند ترین ذرائع چار انجیلیں مانی جاتی ہیں۔ (۱) متی (۲) مرقس (۳) لوقا (۴) یوحنا۔ ان کی

حیثیت کلام الہی یا کلام مسیح علیہ السلام کی نہیں بلکہ انسانی سیکلو پیڈیا کی تصریح کے مطابق انہیں چاند کر دیا گیا ہے جو عہد نامہ جدید میں مسیح کی زندگی، تعلیمات اور کردار کے متعلق ملے ہیں۔ پھر ان کے مصنفین کی زندگی کے بارے میں اب تک تفصیلی تحقیق نہ ہو سکی کہ یہ کون لوگ تھے؟ ان کو حضرت مسیح یا ان کے کسی حواری کی صحبت میں کس کی تھی یا نہیں؟ ویسے بھی یہ کتابیں نہ سریانی زبان میں تھیں اور نہ عبرانی زبان میں (یہ اس وقت کی مذہبی زبانیں تھیں، بلکہ مسیح علیہ السلام کے زمانہ کو ایک مدت گزرنے کے بعد یونانی زبان میں لکھی ہوئی تھیں) غرض یہ جو وہ اسباب تھے جن کی بنا پر مسیح علیہ السلام کی اصلی تعینم کے کل حصے منظر عام میں نہ آ سکے اور جو وہ دنیا کے "قائموں نگاروں" کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ "وہ صرف روحانی سلطنت قائم کرنے آئے تھے اور مذہبی و سیاسی نظام میں جدائی کے لیے ریاست کی وحدت مٹا دی اور اندرونی تفرقہ پیدا کر دیے" اس میں شک نہیں کہ "کوئٹھ" کی اصلاحی تحریک سے بعض اصلاحات ضرور ہوئیں لیکن یہ اصلاحات بھی عیسوی مذہب کو جدید زندگی کی رہنمائی کے قابل نہ بنا سکیں۔

یہ تحریک دراصل پوپ کے خلاف صدائے احتجاج پر مبنی تھی اور رد عمل کے طور پر چند خیراتیوں کے دد کرنے ہی میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا۔ مثلاً پوپ کی غلامی کا جو آثار پھینکا گیا تھا، مگر جیسے جیسے حضرت مریم و عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے نکالے گئے، تبھی اور بعض اُس قسم کے مسائل کی اصلاح ہوئی تھی جن کا زندگی کے حقائق سے زیادہ تعلق نہ تھا، اس تحریک نے نہ فکر عمل کا مستقل نظام پیش کیا تھا اور نہ اُس نے عیسوی مذہب کا تعلق عوام کی ضرورتوں اور ان کے اجتماعی و تمدنی مسائل سے جوڑا تھا۔ اس بنا پر اُس کے ذریعہ جدید زندگی کی رہنمائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن خوش قسمتی سے اس تحریک کو ایسا دور نصیب ہوا جبکہ یورپ میں زندگی کے آثار نمایاں تھے اور اس کی اندرونی قوتیں زوال کی انتہائی منزلوں سے گزر کر مائل بہ عروج تھیں اس بنا پر عیسوی حیثیت سے اس کے اثرات خوش آئند ثابت ہوئے۔۔۔ پھر قوم جب ابتدائی مرحلوں سے گزر کر اپنی ضرورتوں اور اجتماعی و تمدنی مسائل حل کرنے کی طرف متوجہ ہوئی تو اُس کی تنگ دامن حالی ہوئی اور مجبوراً اُس کو سیکولرزم و کمونزم وغیرہ کے دامن میں پناہ لینا پڑی۔ اگر عیسائیت میں رہنمائی کی صلاحیت ہوتی تو جدید زندگی کو کبھی "ازم" میں پناہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی۔

لے مزید تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "مذہبی دور کا تاریخی پس منظر" مطالعہ کرنا چاہیے۔

# ارشادات حکیم الامت حضرت تھانی

## مجاہد لکھنؤ میں

تخلص ————— مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی

— ( ۳ ) —

ایک مدرسے میں طلباء کی شور و حال کا حال سن کر فرمایا، کہ مدرسے والے بھی بہت ڈھیلے ہیں سب کو نکال باہر کریں۔ مدرسے والوں کا سب کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب میں ایک مدرسے میں تھا تو مجھے بھی کچھ کچھ خیال ہوتا تھا کہ چندہ بند ہو جائے گا، اور چندہ ہوتا ہے تنکیر سواد سے (جماعت طلباء کی کثرت سے) لیکن تنکیر سواد خود مقصود ہی نہیں۔ مقصود تو درشتائے الہی کو نفاذ رکھتے ہوئے یہ ہے کہ آدمی کام کے پیدا ہوں اور جو کام نہ کریں ان کو نکال باہر کرنا چاہیے۔ اگر کم ہو جائیں گے۔ ہو جائیں..... ہمارے اکابر کے زمانہ میں بڑے بڑے مدرسوں میں ساتھ شتر طلبہ سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ مگر ان میں سے ایسے ایسے نکلتے تھے کہ جغیر دقت ہوتے تھے۔ سادگی اتنی تھی کہ اگر کسی کتاب کی غلطی درست کرنی ہوتی تھی تو دفتر سے قلم و دوات مانگ کر غلطی نہلتے تھے، اور اب تو تقریباً ہر حرفے کے سامنے سائیکل نظر آتی ہے اور کتابیں طاق میں سجی رکھی رہتی ہیں، اور کئی کئی طرح کے قلم مع روشنائی مہیا رہتے ہیں۔ مگر کام کے لیے نہیں بلکہ یہ بھی ایک فیشن ہو گیا ہے۔

اسی سلسلے میں فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ شور و حال میں حضرات مدرسہ دیوبند کو ایک دن تحریر فرمائی تھی کہ مدرسین، مہتمم کے کاموں میں دخل نہ دیں اپنا کام کیے جائیں۔

مگر اب تو طالب علم، مہتمم کے کاموں میں دخل دیتا ہے۔ یہ حریت ہے۔ لوگوں کا مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔ اور ایسا بگڑا ہے کہ شوہر و سرگوجیات سمجھتے ہیں اور بکون کو موت۔ یعنی وہ زندہ ہی کیا ہوا جو حرکت نہ کرے۔ اور حرکت بھی کرے تو ایسی۔ ان کے نزدیک جس طرح سکون منافی ہے حیات کے، اسی طرح حرکت مستقیمہ (سیدھی سادی) بھی (منافی حیات ہے) بس حرکت غیر مستقیمہ کو حیات سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا کہ میں نے ایک رسالہ لکھا ہے، اس پر نظر اصلاح کر دو۔ میں نے جواب لکھا کہ مجھے تو فرصت نہیں اور دوسروں سے بلا معاوضہ کام نہیں لیتا۔ اگر معاوضہ دو گئے تو کسی سے کام کروادوں گا۔ انھوں نے لکھا کہ بہت دین فردوسی کر چکے جواب تو ایسا نہ کرو۔ پھر فرمایا کہ ایسے لوگوں سے بچ نہیں ہوتا ہے، رنج تو ہوتا ہے غلات تو قے۔ روانے تو قے ہی کیا تھی، اور جب کسی سے توقع ہی نہ رکھی جائے تو رنج بھی نہ ہوگا۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب  
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

پھر فرمایا کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت ہے کہ عجب کا علاج ہو جاتا ہے، جیسے بخار میں گولی مل جائے کین کی تو بہت ہی اچھا ہے۔ اور یہاں تو (نعمت) کو مین کی ہے۔ عرض ایسے اعتراضوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ایسے ہیں۔ جیسے کوئی اختلافی مسئلہ (کہ اس صورت میں) اگر ایک معتقد ہے تو ایک غیر معتقد اور یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ صواب (صحیح) کس کی رائے ہے۔ تو اس تردد سے عجب کا تو علاج ہو جاتا ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے ۱۱۔ حضرت مولانا گنگوہی سے ایک دفعہ عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب کی کچھ کرامتیں بیان کر دیجئے جواب میں فرمایا کہ تم نے اسی چیز کی فرمائش کی کہ میں نے حضرت کو کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں پھر (حضرت مولانا گنگوہی نے) فرمایا اگر تم منع کرنا چاہتے تو ہزاروں کرامتیں جمع کر لیتے۔ اس میں صحیح پہچانے والے اپنے بزرگوں کے یہ حضرات تھے۔

فرمایا۔ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کبھی کبھی دہلی تشریف لاتے تھے اور یہ مولانا کی طالب علمی کے زمانے کا قصہ ہے۔ مولانا اس وقت مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد ماجد مولانا ملوک علی صاحب سے پڑھتے تھے۔ مولانا ملوک علی صاحب دس کے بہت پابند تھے،

کبھی ناغہ نہ فرماتے تھے، مگر ایک بار حضرت حاجی صاحب تشریف لائے تو مولانا نے فرمایا لو بھائی! حاجی صاحب آگے اب سبق نہ ہوگا۔ ہم کو بڑا غصہ آیا کہ یہ کہاں کے حاجی صاحب آئے کہ (راج) سبق ہی کا حرج ہو گیا (یہ خبر نہ تھی کہ آئندہ ان سے تعلق بیعت قائم ہوگا اور سبق مقام فنا لیا جائے گا) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولوی (شاہ) سلیمان صاحب (بھلواروی مرحوم) مشنوی خوب پڑھتے تھے اور لوگ زیادہ تر اسی شوق میں ان کے وعظ میں بیٹھتے تھے، ان کا طرز اور آواز دونوں چیزیں اچھی تھیں۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ شاہ قبل حسین، جو مولانا فضل الرحمن (گنج مراد آبادی) کے خادموں میں سے تھے اور بڑے ظریف تھے وہ ہر چیز کی رجسٹری کیا کرتے تھے (یعنی ان کا تکیہ کلام تھا کہ کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا کرتے تھے کہ میں اس چیز کی رجسٹری کرتا ہوں۔) چنانچہ ایک بار فرمانے لگے کہ میں مولانا احمد حسن صاحب (محدث) امر دہی کے توحسن کی رجسٹری کرتا ہوں (واقعی حضرت محدث امر دہی بہت زیادہ حسین و جمیل تھے) اور مولانا (شاہ) سلیمان صاحب کی خوش آوازی کی رجسٹری کرتا ہوں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ ایک بزرگ تھے نازدالے، مشکہ حال پر انگدہ (بال) ایک شہر کے دروازے پر پہنچے تو شہر پناہ بند، لوگوں سے پوچھا کہ دن میں شہر پناہ کیوں بند ہے؟ جواب ملا کہ بادشاہ کا باز چھوٹ گیا ہے اس لیے دروازے بند کر دیے کہ کہیں نکل نہ جائے۔ آپنے (ابراگاہ خداوندی میں) عرض کیا کہ حضور ایسوں کو تو سلطنت دے رکھی ہے جن میں اتنی بھی عقل نہیں۔ ایک ہم ہیں کہ عقل بھی، علم بھی، مگر ضروریات سے بھی تنگ۔ اس پر عتاب ہوا اور (بطور اہلما) ارشاد ہوا کہ تم اس پر راضی ہو کہ تمہارا علم و دُورع اور افلاس اس کو دے دیا جائے اور اس کی سلطنت اور بے عقلی تم کو دے دی جائے؟۔۔۔ بس کانپ اٹھے اور توبہ کی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ ایک تحصیلدار میرے دوست تھے انہوں نے مجھ کو بلایا تھا۔ وہاں ایک اہل مدطے، بوڑھے اور بہت نیک، ستر آن کی ملاوت کے پابند، تہجد کے پابند، مترجم قرآن شریف لائے اور یہ آیت نکالی یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا لِلّٰہِ (اے ایمان والو! رسول اکرم کو مخاطب کر کے "راعنا" نہ کہو (اس میں لہجے کے تھوڑے سے تغیر سے معنی کچھ کے کچھ ہو جائیں گے اَنْظُرْنَا کہا کر دے۔)



اور وہ اہل بدعت کہنے لگے کہ کیا تلاوت میں لفظ راجعاً کو پڑھنا چھوڑ دیا جائے؟ کیونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ نہ کہو راجعاً۔ میں نے کہا کہ میں اس واقعہ کو دیکھ کر فتویٰ دیتا ہوں کہ تم کو ترجمہ دیکھنا ناجائز ہے اور ایسے شخص کے لیے ایسا فتویٰ کیونکر نہ دوں جس نے یہ معنی لیے لائق تلامذہ کے کہ قرآن شریف میں بھی (راجعاً) نہ پڑھو۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ اخیر عمر میں حضرت کی ظاہری مینائی نہیں رہی تھی اور آواز سے پہچانا نہیں۔ اس لیے دریافت فرمایا کہ کون دریافت کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا اشرف علی، حضرت کو میرا نام سن کر اپنے حسن ظن کی وجہ سے تعجب ہوا۔ فرمایا تم پوچھتے ہو؟ میں خاموش ہو گیا اور پھر دریافت نہیں کیا کیونکہ میں نے قرآن سے سمجھ لیا کہ حضرتؒ کو اس وقت جواب میں نشاط نہیں۔ لہذا دوبارہ سوال کر کے بار دہا ادا دہا کے خلاف ہے۔

پھر اسی سلسلے میں فرمایا کہ تحصیل دریات میں بھی میرا یہی معمول رہا ہے کہ اساذ کو سب بٹاش نہیں دیکھتا تو کوئی بات دریافت نہیں کرتا تھا اور دوسرے وقت پراٹھا رکھتا تھا۔ اساذ تو اساذ ہو میرا تہہ و تنہا ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان پر بھی کسی قسم کا بار ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اپنے ذاتی تنخواہ دار ملازموں سے کہہ رکھتا ہے کہ اگر تم کو کوئی ایسا کام بتلایا جائے جس کا تم سے سہولت مٹل نہ ہو اور گرانی ہو تو فوراً مجھے اطلاع کر دینا میں دوسرا انتظام کر لوں گا۔ چنانچہ بعض ملازمین بعض دفعہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہم سے نہیں ہو سکتا۔ ....

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب اچھے خاصے نیک اور بزرگ آدمی تھے ان کا دستور تھا کہ جب کوئی دعوت کرتا تو قبول فرمالیتے اور گھر سے جب روانہ ہوتے تو راستے میں جو شامنا بھی ملتا تھا اس سے بلا تکلف فرماتے تھے کہ بھائی دعوت ہے چلو۔ عرض دعوت ہوتی ایک کی اور جمع ہو جاتا۔ دس بیس۔ میزبان اس ہجوم کو دیکھ کر بہت گھبراتا تھا اور فوری انتظام یہ کرتا تھا کہ بازار سے پوری کچوری لاکر ان ناخاندہ ہماؤں کی مصیبت ٹالتا تھا، اس پر لطف یہ تھا کہ میزبان کی تو گرہ کھلتی تھی (یعنی اس کا خرچ ہوتا تھا) اور مرید و معتقد یہ اڑاتے تھے کہ پر صاحب بڑی برکت والے ہیں کہ ایک آدمی کا کھانا دس بیس کو کافی ہو گیا۔ تعجب ہے کہ ان بزرگ کی نظر اس امر پر نہ

گئی کہ دعوت میں اپنے ہمراہ غیر مدعو کو بلا اجازت میزبان لے جانا..... ناجائز ہے۔  
ان امتیاطوں کو لوگوں نے بالکل چھوڑ ہی دیا ہے۔

فرمایا۔ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اپنا کسی قسم کا بار دوسروں پر نہ ڈالتے تھے بلکہ خود بقدر استطاعت دوسروں کی اعانتے فرماتے تھے۔ اپنے حواشی کی مشغولی کی اشاعت کے لیے مولانا احمد صاحب کانپوریؒ کو اپنی جیب سے ایک ہزار روپیہ نقد مرحمت کیا اور فرمایا کہ فی الحال اس رقم سے کام شروع کرو پھر انشاء اللہ اور انتظام ہو جائے گا۔ نیز حصہ اول کی اشاعت کی رقم سے بھی کام چلنے کی امید ہے۔ اس کے چند روز بعد مولوی صاحب سے فرمایا کہ میں یہ رقم سب کو تباہوں تاکہ حساب اور دانی کا جھگڑا ہی نہ رہے۔

اسی طرح حضرتؒ نے ارشاد مہربانی معرفت چھوٹا ناچا ہا اور فرمایا چھپائی کے دام میں دوں گا۔ عبدالرحمن خاں صاحب مالک مطبع نظامی (کانپور) نے چھاپ کر پیش کیا اور کہا کہ میں لاگت نہیں لینا چاہتا۔ چونکہ مخلص اور محقق تھے اس لیے میں نے بھی اصرار نہیں کیا، بلکہ حضرتؒ کو اطلاع کر دی اور بطور سفارش عرض کیا کہ وہ بہت سخی ہیں ان کو گروانی نہ ہوگی۔ (بلکہ دام نہ ملنے پر وہ خوش ہوں گے) حضرتؒ نے فرمایا کہ معلوم ہو تب کہ عبدالرحمن خاں صاحب بہت حریص ہیں کہ دین و دنیا دونوں کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں، کسی کو ثواب آخرت بھی نہیں کمانے دیتے۔ حضرت حاجی صاحبؒ اگر کسی سے کوئی فرمائش کرتے تھے تو دام ضرور ادا فرماتے تھے وہ دوسرے پیروں کی طرح (نقطہ) لینے والے پیر نہ تھے بلکہ اوروں کے برخلاف ان (خرچ کرنے والے اور) دینے والے پیر تھے۔ ایک مرتبہ ایک دم چھ ہزار روپیہ حضرتؒ کے پاس آیا۔ آپ نے فوراً اس خطیر رقم کو ایک حاجت مند کو یک مشت دے دیا۔۔۔ پھر اسی سلسلے میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب حضرتؒ کی خدمت میں مختلف ہدایا لائے لیکن ایک دم پیش نہیں کیے روزانہ ایک ہدیہ پیش کیا کرتے تھے۔ حضرتؒ کو یہ تشفع اور روز کا اظہار ناگوار ہوا مگر لطف سے فرمایا کہ مولوی لوگ بڑے عقلمند ہوتے ہیں روزانہ ایک ہدیہ دیتے ہیں تاکہ ہر دن دعا ملے۔ مولوی صاحب اس لطیف اثر کے کوسجھ گئے اور باقی اشیاء ایک ساتھ پیش کر دیں۔

ایک سلسلہ گھٹکوں میں فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ کسی صاحب کے یہاں تھان ہوئے انھوں نے

کئی قسم کے کھانے ایک وقت میں تیار کر لئے۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ کھانا تو بہت اچھا تھا۔ لیکن آپ کو کھلانا نہیں آیا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ ایک ایک وقت ایک ایک کھانا کھلاتے تاکہ میں زیادہ قیام کرتا۔ اب میں جلدی چلا جاؤں گا کیونکہ ان تکلفات سے گرائی ہوتی ہے۔

اسی سلسلے میں فرمایا کہ جو تہجد میں مولوی ابو بکر (شیخ) صاحب نے میری دعوت کی اور دریافت کیا جو کھانا مرغوب ہو تبنا دیجئے تاکہ وہی پکوا دیا جائے۔ یہ بات سب سے پہلے میں نے انھیں سے سُنی، میراجی بہت خوش ہو اور اشارہ بہت تسلیم الطبع شخص ہیں۔ میں نے کہا گوشت خواہ بڑی کا ہو خواہ گائے گا اُس میں کوئی ڈلوادے مجھے۔ روٹی سادی بغیر گھی کے ہونا چاہیے۔ پھر پوچھا رہا کہ میں گئی کیا ہو؟ میں نے کہا تھنڈا، میں زیادہ گھی نہیں کھاتا ہوں۔ پھر کہا مزہ کیسی ہو؟ میں نے کہا کہ کسی قدر تیز ہو۔ انھوں نے فرمائش کے مطابق کھانا کھلایا۔ اگر صرف ایک کھانا پکایا جائے تو عمدہ بھی پکتا ہے اور بے فکری سے کھایا جاتا ہے، اور زیادہ قسم کے کھانوں کی تیاری میں بعض اوقات سب کے سب خراب ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ زیادہ ہانڈیاں پکانے والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ ایک کی اصلاح میں لگے دوسری بگڑ گئی، پھر دوسری کی طرف توجہ کی پہلی بگڑ گئی اور خود کھانے والے کو جو کثرتِ الرانِ اطمینانِ رنگِ رنگ کے کھانوں کی کثرت) سے حیرت ہوتی ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ (طب کی کتاب موجز میں تصریح ہے۔

کثرة الالوان محیر للطبیعة

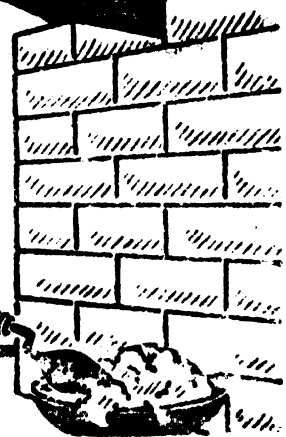
ایک نیل سنگ بنیاد رکھیے!



مَاءُ اللَّحْمِ خَاصٌ

قبل از وقت بوڑھوں اور غنیمتِ صحت مند  
نوجوانوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ تازہ چھلوں  
قیمتی دواؤں اور بہترین غذاؤں سے جدید  
طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے

دواخانہ طبیہ کالج اسلام آباد یونیورسٹی علیگڑھ



## مَراسِلَات

## مسلمانوں کی سیاسی جماعت

مکرمی! اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

”خاکسار الفتان کا خیریدار ہے اور اس اعتبار سے نگاہ ادلیں“ ماہ ستمبر ۱۳۹۰ء نظر سے گزرا۔ مجھے آپ کے مشورے کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحیح اور ضروری بات کہی جو آج مسلمانوں کو از حد ضروری ہے۔ مسلمان اپنی دینی اور دنیوی تعمیر کی طرف بلائیں اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ رسمی جماعتیں شور و غل اور دکھاوا ہی میں کہاں سے کہاں گئے گی ہے۔ وہ ہمیں اچھی طرح جانا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ جماعت کے بغیر ہم کہاں تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جماعت کے بغیر سیاسی گتھیاں سلجھانا ذرا مشکل کام ہے۔ آپ نے مسلم مجلس اور مسلم لیگ کا رد بھی مشاہرت کے رشتہ سے گنوا لیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ مسلم مجلس اچھوتوں کی ترقی کے لیے بھی کام کرے گی اور مسلم لیگ خالصاً مسلمانوں کی بہبودی کے لیے کام کر رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کیرالا میں غیر مسلم بھی اس کے ممبر ہیں۔ اور یہ جماعت تمام فرقوں کے لیے اور بالخصوص اقلیتی فرقہ کے لیے کام کر رہی ہے۔ مسٹر محمد کو یا بحیثیت ذریعہ تعلیم نے جہاں ریاست کے دیگر فرقوں کے لیے کام کیا ہے، عربی، مسلم برادر اور مسلمانوں کے لیے بھی کام کیا ہے۔ بنگلور کارپوریشن کے انتخابات ۱۹۶۴-۶۵ء میں کسٹرمائیکل نے ایک حلقہ سے مسلم لیگ کے امیدوار کی حیثیت سے الکشن لڑا تھا۔

ہمارے سامنے مسلمانوں کے چند مشورے موجود ہیں۔ بعض مسلمانوں نے سوچا ہو گا کہ چونکہ مسلم لیگ ایک بدنام جماعت اور تقسیم کی سادی ذمہ دار ٹھہرائی گئی ہے اور (اس نام سے) وہ اگلا مقام حاصل نہیں کر سکتے ہیں اس لیے کیوں نہ یکسر نام بدل دیں یا نئی جماعت اس نام کے بغیر وجود میں لایا جائے۔ حالانکہ یہ مشورہ بالکل غلط تھا۔ جماعت اسلامی جو سیاست سے دور اور تقسیم

سے قبل اور بعد اس کی کوئی تحریبی کارروائی یا سیاسی ہنگامہ نہیں ہوا۔ آج اُس جماعت کو منع یا ختم کر دینے کے لیے سوچ بچار ہو رہا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ نام بدل دینا، اچھوتوں کے لیے کام کرنا ہماری کامیابی ہو نہیں سکتی۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ بابائے قوم گاندھی جی نے۔

— (UNTOUCHABILITY) چھوت چھات ختم کر دینے کے لیے بہت کچھ کیا ہے حکومت کی ساری مشینری اُن کے لیے کام کر رہی ہے۔ ہندوستان کے دستور میں اُن کے لیے ہر قسم کی سہولتیں، مراعات رکھے گئے ہیں۔ ملازمت، تعلیم میں رعایت رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اگر ایک جماعت اپنی بے بس قوم کو ادا اور ساتھ ساتھ دوسرے فرقوں کی خدمت کے لیے کوشاں ہے تو کیا قیامت ہے؟ میں آپ کی خدمت میں عرض کر دوں کہ یہ چھوت چھات کی بیماری صرف ہندو قوم میں موجود تھی یا ہے۔ اس معاملہ کا کسی دوسرے مذاہب کے لوگوں سے واسطہ نہیں ہے۔ مسلمانوں میں اس قسم کی تفریق یا بیخ ذات وجود نہیں ہے۔ لیکن فرض شناس، نبض شناس بابائے قوم گاندھی جی نے ہندوؤں کے ایک بڑے طبقہ کو عیسائی یا دوسرے مذہب اختیار کرنے سے رد کا اور ترجیح کو ایک بہتر سے بہتر مقام دلانا چاہا۔ یہاں تک کہ دستور میں اس کی ضمانت مل گئی۔

ان حالات کے پیشِ نظر آل انڈیا سطح پر خالص مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کو غلط بتا دینا اچھا نہیں ہے اور یہ نیک مشورہ ہو نہیں سکتا۔

شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے ۵۰ سال پہلے یہ مشورہ دیا تھا کہ مسلمان صرف کانگریس کو دوٹ دیں۔ یہ حقیقت تھی کہ ہندوستان کی دیگر جماعتوں سے کانگریس ایک بہتر جماعت تھی اور مسلمانوں کے خدمات اس جماعت سے وابستہ تھیں۔ لیکن آج وہ مسلمان کس کانگریس کو دوٹ دیں، حکمران یا تنظیمی؟ یہی کانگریس دو حصوں میں بٹ کر فرقہ وارانہ جماعت کی طرف جھک گئی ہے۔ لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ مسلمانوں کی جماعت بنانا دستور کی حدود کے اندر پہلے مسلمانوں کے مشکلات کو دور کرنا اور اُن کو عزت کا مقام دلانا اور ساتھ ساتھ دیگر فرقوں کی خدمت کے لیے کوشاں رہنا اور علیٰ اعلان یہ کہنا کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی خدمت کر رہے ہیں، کوئی برا نہیں ہے اور بہتر یہ چکا کہ مسلمان جذبات سے کام نہ لے کر اس کا پہلا مقصد یاد رکھیں کہ دینی اور انسانی حق کیلئے ہمارے؟

نور محمد عبداللطیف خاں (بنگلور)

**الفتان** بہ مراد لگا، نے جس مسئلہ پر اپنے خیالات پیش کیے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک اکی انڈیا سوسی تنظیم ہونی چاہیے یا نہیں؟ الفتان کے ادارہ کا تعلق بنیادی طور پر اس مسئلہ سے نہیں تھا وہاں اصل گفتگو صرف یہ تھی کہ مسلم لیگ اور مسلم مجلس کی کشمکش فی خلوص اور باہمی اخلاقیات کے پہلو سے ان دونوں جماعتوں کا کیا کردار سامنے لاتی ہے؟ اور اس ضمن میں موقع کی مناسبت سے اپنا یہ خیال بھی بہت اجمال کے ساتھ قلم پر آگیا تھا کہ ملت کے موجودہ حال میں رسمی جماعت مادیوں کا یہ نتیجہ نکالنا بالکل لازمی ہے جو مثال کے طور سے مسلم لیگ اور مسلم مجلس کی کشمکش کی شکل میں سامنے آ رہا ہے۔ مراسلے میں ان دونوں باتوں سے چونکہ کوئی بحث نہیں ہے جن سے اصلاً یا ضمناً الفتان کے ادارہ کا تعلق تھا اس لیے ہمیں اس پر کچھ کہنا نہیں ہے اور پورے مراسلے میں جو ایک فقرہ ہمارے ضمنی خیال پر ایک انکال کی حیثیت رکھتا ہے کہ سیاسی معاملات کا سلجھانا بغیر جماعت کے کیوں کر ممکن ہے تو یہ انکال اسی وقت حق بجانب ہو سکتا ہے جبکہ سرے سے اس بات ہی کی مخالفت کی گئی ہو کہ مسلمان ایک جماعت کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔ ہاں انہیں یہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں وہ اجتماعی شعور پیدا کیا جانا چاہیے جو انھیں خود بخود ایک جماعت بننے تک پہنچا دے اور مختلف لوگوں کے مختلف نعروں پر وہ کسی قابل ذکر انتشار کا شکار نہ ہو سکیں ورنہ جو جتنیں بنیں گی وہ ملے کو سلجھائیں گی نہیں، الجھانے کا باعث بنیں گی اور یہ وہ بات ہے جو تجربے میں آ رہی ہے۔ یا کسی علاقے کے مسلمانوں میں اجتماعی شعور پایا جاتا ہو تو وہاں کسی رسمی جماعت کی شکل بالکل مناسب ہے کیونکہ اس سے جماعت کے قیام کا اصل مقصد پورا ہو سکتا ہے۔

## مضمون آ رہا ہے

دفتر شیخ الجامعہ - جامعہ ملیہ اسلامیہ - جامعہ نگر - نئی دہلی - ۲۵

محترمی۔ السلام علیکم

کل شام کی ڈاک میں الفتان کا تازہ شمارہ ملا شکریہ قبول فرمائیے میں نے آپ کے مضمون کی دوسری قطرات پڑھ لی۔ کو شخص کر دے گا کہ آج میں اپنے تاثرات قلم بند کروں اور کل بدھ میڈر جسٹری آپ کو بھیج دوں۔ چونکہ جسٹری کا وقت کم ہوتا ہے اس لیے اگر اتفاق سے کل نہ بھیج سکا تو پھر ہر اکتوبر کو ضرور بھیج دوں گا۔ یہی صورت میں آپ کو میرا

مضمون افشار السنچر کو (۱۰ اکتوبر) مل جائے گا۔ اور دوسری صورت میں ۱۲ اکتوبر کو  
دو شنبہ کو ملے گا۔ آپ میرا یہ مضمون اگلی ہی اشاعت میں دے سکیں تو عنایت ہوگی میری کوشش  
ہوگی کہ میرا مضمون ۱۲/۱۰ صفحے سے زیادہ نہ ہو۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام

خاکسار۔ عبداللطیف اعظمی  
۱۰ اکتوبر ۱۳۹۹ھ

## مضمون نہیں آرہا ہے

جامعہ طیبہ اسلامیہ۔ جامعہ نگر نئی دہلی۔ ۲۵

محترمی السلام علیکم

کل آپ کی خدمت میں میں نے ایک کارڈ بھیجا ہے، جس میں لکھا تھا کہ کل یا پرسوں آپ  
کے جوابی مضمون کے متعلق اپنے تاثرات لکھ کر بھیجوں گا، چنانچہ میں نے اپنے تاثرات لکھ لیے،  
مگر جب دوستوں سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے اس سے سختی سے احتیاط کیا، ان کا کہنا ہے کہ  
جس مضمون کا لہجہ آنا خراب اور انداز اتنا غیر علمی اور غیر سنجیدہ ہو اور جس کا مقصد انہماک  
تفہیم نہ ہو، اس کا جواب صرف خاموشی سے دینا چاہیے۔

جامعہ کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ بحثوں اور نزاعی مسائل میں اُلجھنے سے پرہیز  
کیا جائے، میں ذاتی طور پر کبھی کبھی مسلمانوں کے سیاسی، تعلیمی اور تہذیبی مسائل پر لکھتا ہوں  
جس سے کچھ لوگوں کو اختلاف ہوتا ہے، مگر اس کا بہر حال ہمیشہ خیال رکھتا ہوں کہ جامعہ طیبہ  
یا جامعہ کی کسی اہم شخصیت پر کوئی اعتراض کیا جائے تو اس بحث میں نہ پڑوں۔ زیر بحث  
مضمون کا تعلق اگرچہ علمی بحث سے ہے، مگر چونکہ آپ نے اس کا تعلق شیخ الجامعہ سے  
جوڑ دیا ہے اور ان کی شخصیت بھی زیر بحث آگئی ہے، اس لیے مجھے اس بحث میں نہیں پڑنا  
چاہیے تھا، مگر اتفاق سے زیر بحث موضوع سے مجھے ذاتی طور پر دلچسپی ہے اور میں نے اس  
کے ترجمے پر اصرار کیا تھا، اس لیے بغیر سوچے ہوئے آپ کے اعتراضات کے جواب کے  
لیے تیار ہو گیا، بلکہ لکھ بھی لیا، لیکن جب دوستوں کا شورہ سامنے آیا تو اپنی غلطی محسوس ہوئی

اس لیے اب آپ کو یہ مضمون نہیں بھیج رہا ہوں۔ اطلاع عرض ہے۔  
اس مضمون کے بارے میں یا اس موضوع پر اہل و خیال کے لیے میں نے بہت سے لوگوں  
کو دعوت دے رکھی ہے، ان میں علماء و سخی شامل ہیں اور جدید تسلیم یافتہ طبقہ کے اہل قلم بھی۔  
اگر ان لوگوں نے اپنے وعدوں کو پورا کیا تو انھیں جہانمہ میں شائع کیا جائے گا۔ اس موقع پر  
اگر مناسب ہوا تو اپنے اس مضمون کو بھی شامل کروں گا، فی الحال اس کی اشاعت روک دی ہے۔  
امید ہے کہ حراز گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام

خاکسار۔ عبداللطیف اعظمی  
(۸ اکتوبر ۱۳۹۰ھ)

اعظمی صاحب کا بہت بہت شکریہ کہ وہ ہر دوسرے صاحب کے مقالے پر تنقید کے سلسلے میں اپنے اپنے اور اپنے  
دوستوں اور بزرگوں کے جس رد عمل سے مجھے بعض غلطیوں میں آگاہ کرتے رہے تھے اُس پر افستین میں کچھ عرض کرنے  
کا موقع یہ آخر کا خط لکھ کر انھوں نے عنایت فرمایا۔  
اعظمی صاحب سے کوئی خواہش نہیں کی گئی تھی کہ وہ افستین کی تنقید پر اپنے تاثرات ظاہر فرمائیں۔  
نہ کوئی جیلج تھا کہ جواب دیا جاسکتا ہو تو دیا جائے۔ موصوف نے اطلاع دی تھی کہ جواب بھیج رہے ہیں۔ اگر  
آجائے تو شائع کر دیا جائے گا۔ نہیں آ رہا تھا تو کوئی اصرار نہیں تھا۔ مگر یہ دوسری اطلاع، کہ جوابی مضمون نہیں  
آ رہا ہے، انھوں نے ایسے انداز میں دی ہے جیسے ادھر سے کوئی بڑا اصرار ہو رہا تھا کہ آپ اپنا مضمون کیوں  
نہیں بھیج رہے ہیں؟ ضرور بھیجیے!

ہندو لوگوں کا دستور یہ دیکھا ہے کہ وہ کسی معذرت کے سلسلے میں ایسے اسباب ہونہ کوہ بالا خط کی  
ابتداء میں خطوط میں تحریر فرمائے گئے ہیں کسی جیلج یا اصرار ہی کی صورت میں زبانِ تسلیم پر لاتے ہیں مگر  
شیخ الجامعہ کے بیٹے، عبداللطیف اعظمی صاحب نے ایک نئی تہذیب سے واقف کر لیا ہے کہ خود ہی کچھ  
لکھ کر بھیجے گا ارادہ کرو، پھر خود ہی اس ارادہ کو بدل دو۔ اور پھر اس کی اطلاع میں اس طرح کے اسباب بھی  
کہ دوستوں کی رائے میں تمھارا مضمون اس قدر نامناسب اور غیر سنجیدہ انداز کا ہے کہ اس کا جواب صرف خاموشی  
سے دینا چاہیے، اتنی بے تکلفی سے لکھ دو جتنی بے تکلفی سے کسی اصرار پر بھی لوگ کھانا بند نہیں کرتے ہیں۔  
اس تہذیبِ برائیت اور ناشائستگی، لہجہ کے ساتھ، یہ خاموشی بھی کسی نے کہاں دیکھی ہو گی جس کا نمونہ اس خط



میں دیکھنے کو مل گیا ہے! سبحان اللہ وحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

پتہ نہیں اعلیٰ صاحب کو احساس ہے یا نہیں کہ ان کی معذرت دو متضاد قسم کے اسباب پر مشتمل ہے۔ ایک طرف وہ لکھتے ہیں کہ دوستوں کی رائے میں الفت سن کا مضمون نہایت خراب لہجہ کا ہے، اس لیے ان دوستوں کے مشورہ پر انھوں نے جواب بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دوسری طرف اس کے آگے ان کا ارشاد ہے کہ جامعہ یا جامعہ کی کسی اہم شخصیت پر اعتراض کیا جائے تو ایسی بحث میں پڑنے سے وہ اجتناب کیا کرتے ہیں، اس دفعہ محض بے خیالی میں وہ الفرقان کے مضمون کا جواب دینے کا ارادہ کر بیٹھے تھے، دوستوں کے مشورہ سے انھیں احساس ہوا کہ وہ غلط کام کرنے جا رہے ہیں۔ گویا الفرقان کے مضمون کا لہجہ ان کے نزدیک خراب نہ بھی ہوتا تب بھی انھیں یہی فیصلہ کرنا تھا کہ جواب نہ بھیجا جائے! تو اب اس ترک ارادہ کا سبب کیا سمجھا جائے؟ یہ کہ الفرقان کے مضمون میں عجیب صاحب کی شخصیت کو بھی زیر بحث لے آیا گیا تھا؛ یا یہ کہ اس بحث کا لہجہ بہت خراب تھا؟ — پتہ نہیں کس عالم میں عجیب صاحب کے محترم بی لے نے یہ گراں نامہ لکھا ہے!

خیر چھوڑیے اس مسئلہ کو۔ ذرا اس تاثر پر بات ہو جائے کہ الفت سن کے مضمون کا لہجہ سید غیر علمی اور غیر سنجیدہ ہے۔ اور مقصد انعام و تقنیم نہیں ہے، ایک خالص علمی بحث کا تعلق خواہ مخواہ شیخ الجامعہ کی شخصیت سے جوڑ دیا گیا ہے۔

جی ہاں! بحث کا تعلق شیخ الجامعہ کی شخصیت سے تو ضرور جوڑا گیا ہے۔ بلکہ بحث میں حصہ لینے کا محرک ہی یہ ہے کہ شیخ الجامعہ جیسی ایک شخصیت نے یہ بحث اٹھائی ہے۔ اور یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ مضمون کے شروع میں واضح کر دی گئی ہے، اس کو صحیح سمجھنے کے دعوہ بھی مضمون میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ ان دعوہ پر کوئی کلام جب تک نہ فرمایا جائے اس وقت تک اس اعتراض کی کیا معقولیت سمجھی جاسکتی ہے؟۔

رہا انعام و تقنیم کا مقصد نہ ہونا، تو یہ بھی بجا ہے۔ واقعی انعام و تقنیم مقصود نہیں تھی، مقصود دراصل تردید تھی۔ انعام و تقنیم کی جاتی ہے کم سمجھ لوگوں سے یا ایسے لوگوں سے جن کے متعلق یہ سمجھا جاسکے کہ غیر شعوری طور پر غلطی ہو گئی ہے۔ عجیب صاحب ان دونوں میں سے کسی خانے کی شخصیت نہیں ہیں۔ پہلے خانے کا تو سوال ہی نہیں۔ دوسرے خانے میں اس لیے نہیں رکھے جاسکتے کہ ان کے زیر بحث مضمون کا بنیادی نکتہ ان کا بہت پختہ فکر

ہے۔ کوئی بہت بھاکم سمجھ ہوگا جو یہ سوچے کہ اس موضوع پر انھیں سمجھایا بھی جاسکتا ہے موضوع وہ ہے جو دین کی جڑ بنیاد تے متعلق رکھتا ہے۔ پس جس کسی کی نظر میں عجیب صاحب کا فکر کھلے انحراف کا اور اس کی تبلیغ اسلام پر ایک بنیادی دار کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ اگر افہام و تفہیم کا کوئی محل نہیں دیکھتا تو تردید کے سوا چارہ کار کیا ہے؟ ہاں اس تردید میں مواد وہ سب موجود ہے جس کے پیش کرنے کا انداز اگر بدل دیا جائے تو تردید کے بجائے تفہیم اس کا نام ہو جائے گا اور عجیب صاحب سمجھنا چاہیں تو ایک مرحلہ تو اسکے ذریعے سمجھنے کا بخوبی طے ہی کر سکتے ہیں۔ اور یہ سفر اگر شروع ہو جائے تو ایک ہم کیا مسافر نواز ہمتیہ لہجہ کی ”نہ ابی“ اور ”غیر علمیت“ کوئی جدا گانہ بات نہیں ہے۔ اسی تردید کی سختی اور احساسات کی صراحت کی یہ تعبیر ہے۔ یہ حضرات یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے دین کا کوئی مسئلہ بھی بحث کے لیے کھولنے اور نئے نئے موقوف بنانے میں کوئی باک نہیں محسوس کرتے۔ اس طرح اور مسلمانوں کے اندر بھی کوئی جذباتی ہیجان اس سے نہیں پیدا ہونا چاہیے نہایت ٹھنڈے رہ کر اور اس طرح کی باتوں کے لیے ان کا (اندرونی دانشوری) حق مان کر ان کی بات سننی چاہیے۔ کوئی بحث کر فی ہوتو اصولی طور پر انھیں کا ہم مسلک بن کر بحث کرنی چاہیے۔ ورنہ یہ ”غیر علمی“ رویے کی قرارداد اس آدمی کے خلاف پاس کر دیں گے جو ان کی اس خواہش سے منحرف ہو۔ لیکن ہمیں ان ”علمیت پسندوں“ کی یہ گالی کھانا منظور ہے، یہ منظور نہیں ہے کہ ”علمیت پسند“ کہلانے کے لیے انھیں نہایت سکون و آرام کے ساتھ دین میں جہت طرازیوں کا موقع دیدیں۔

یہ تو ہوئی ایک اصولی بات۔ لیکن جہاں تک عجیب صاحب کے مضمون کا تعلق ہے اس پر تنقید میں ہمارے لہجے کی سختی اور احساسات کی وہ صراحت جس سے ان کی تنقیص ہو گئی ہے تو اس کی بنیاد ان کے مضمون کی وہ غیر علمیت ہے جس پر شاندار علمی لب و لہجے اور مفکرانہ اسلوب کی چادر چڑھی ہوئی ہے۔ اس غیر علمیت کی تشریح کے لیے ہماری تنقید بھیجی ہوئی ہو جو ہے۔ ایک آدمی عجیب اتنی بے تک باتیں اتنی افراط سے کہے تو اس پر ہنسی کیسے نہ آئے اور کہاں تک ان باتوں کو مضحکہ خیز نہ کہا جائے؟ پھر جب معاملہ دین کا ہو اور اس میں اس قدر غیر ذمہ دارانہ جہالت ایک انتہائی ذمہ دار منصب والا آدمی کرے تو کیسے کو فتنہ نہ ہو اور کہاں تک ان باتوں کا کوئی محل نہ کہے؟۔ عجیب صاحب کی کوئی کسر شان اگر ہماری تنقید سے ہوئی ہے تو اس کے ذمہ دار خود ہیں علمی لہجہ میں

دنیا بھر کی غیر علمی باتیں کہ کے آپ چاہتے ہیں کہ سننے اور پڑھنے والوں کو آپ کا مقام اور آپ کے لیے کا وقار ملحوظ رہے یہ اثر کسی پر نہ پڑے کہ کس مقام اور کس لیے کو آپ لکھنے غلط صرف میں لا رہے ہیں!

اعظمی صاحب اور ان کے دوست اگر اس معاملے میں ہم سے متفق نہیں ہیں تو ایک لکھنؤی اسی گزشتہ ادب بھی ہے۔ کیا انھوں نے محیب صاحب کے مقالے کے وہ مقامات نہیں دیکھے ہیں جہاں برصغور نے دوسروں پر تنقید فرمائی ہے؟ کونسی وہ تلخی اور تنقیص آئینہ کاری کے لیے میں ان مقامات پر نہیں آئی ہے جس کی تمکارت ان حضرات کو محیب صاحب کے ناقدت ہے؟ موٹی موٹی مثالوں کے لیے برصغور کے مقالے کے صفحات ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۰ اور ۲۹۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔ اگر گنجائش ہوتی تو ہم ان مقامات کے چند فقرے بیان نقل ہی کرتے مگر انہیں جو کہ اس ضرورت کو وقت نظر انداز کرنا پڑے گا۔ ہماری تنقید ایک خاصیت میں مرکوز رہا تھی اس لیے مقالے کے اس پہلو کا کوئی تذکرہ دیا نہیں آیا، اس لیے اگر بعض ہماری تنقید پڑھنے والے کسی صاحب نے اس طرح کا اعتراض کیا تو بات سمجھ میں آسکتی تھی لیکن جو لوگ ماہنامہ جامعہ نکالتے ہیں یا جن کے یہاں سے وہ نکلتا ہے انھیں تو انجان نہیں مٹا چاہیے محیب صاحب کو جن کی باتوں پر کوفت ہوئی یا ہنس آئی، ان پر تنقید میں ان دونوں اثرات کے تقاضے پوری طرح نمایاں ہو کر رہے ہیں۔ پھر الفتیان ہی کے مضمون کی کیا خطا ہے کہ اس میں یہ باتیں قابلِ تکریر نہ گئیں؟

”ع“

## تعمیر مسجد جامعہ

[کتوبر کے الفتیان میں ایک نوٹ جامعہ ملیہ میں مسجد کی تعمیر کے سلسلے

میں لکھا گیا تھا۔ اس پر ناظرین الفتیان میں سے ایک صاحب نے اپنے مکتوب

میں حسب ذیل خیال کا اظہار کیا ہے۔ ع]

مکرمی! السلام علیکم

”..... تعمیر مسجد جامعہ کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ ابھی چند سال ہوئے ہیں نے جا کر دیکھا، عصر و مغرب کی نماز میں شریک رہا، عصر میں آٹھ تک آدمی شریک رہے اور تقریباً سو بیچے رہے ہوں گے، مغرب میں ۲۰ تا ۲۵ نفر شریک رہے اور لڑکے تقریباً ڈیڑھ سو۔ اسی صورت میں تعمیر مسجد کی تحریک کچھ بھاتی نہیں۔ شریک نماز ہونے

والوں میں کچھ لازم میں تھے اور دو تین عربی درجہ کے استاد وغیرہ۔  
 حکیم نسیم اسماعیلی بمبئی  
 شاہدہ اپنا بھی تقریباً ڈیڑھ سال بیشتر ایسا ہی رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہی خیال  
 تھا اور اب بھی ہے جس کا اظہار نوٹ میں کیا گیا۔ یعنی مسجد تعمیر ہونی چاہیے۔ ع

## رمضان شریف میں خاص عایت تاج کمپنی کے عکسی

فترآن مجید، مترجم و معرّی، حامل شریف، مترجم و معرّی  
 مناجات مقبوں اور دعاؤں کے دوسرے مجموعے  
 کتب خانہ الفتن، کچھری روڈ لکھنؤ

## لغات

اردو، عربی

لغات القرآن۔ کال مجلد ۳۹/۵۰، مصباح اللغات عکسی مجلد (۲ عربی اردو) ۲۰/۱، اردو عربی دکنی ۹/۱  
 المجمع ۱۰/۱، لغات کشوری مجلد (اردو) ۱۰/۴۵، بیان اللسان (عربی اردو) ۱۰/۱، فیروز اللغات متحدہ ۵/۱  
 فیروز اللغات متوسط ۶/۴۵، فیروز اللغات کلاں ۲۲/۱، لغات فیروزی ۴/۱

## نذر مقبول

مُرتَبَّہٗ مَوْلَانَا خَیْرِ مَوْلَوِی

علی، ادبی، تاریخی اور سائنسی موضوعات پر مختلف فضلاء اور ارباب کے نہایت بلند پایہ مضامین کا مجموعہ  
 اہل ذوق کے لیے بلاشبہ ایک نادر تحفہ — صفحہ ۶۸۰ کاغذ نہایت اعلیٰ اور بہترین جلد قیمت تین روپے  
 کتب خانہ الفتن، کچھری روڈ لکھنؤ

# نبی مطبوعات

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ترجمہ: مولوی شمس تبریز خاں  
 ناشر: مجلس تحقیقات نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ  
 صفحات ۲۳۲ سائز ۱۸×۲۲  
 جلد قیمت ۲/۵۰

یہ مولانا علی میاں کی عربی کتاب ”سَرَائِجِ اِقبال“ کا اردو ترجمہ ہے جس میں بعض مستقل اور بعض ضمنی اضافے خود مترجم کے قلم سے بھی ہیں۔  
 مولانا علی میاں کو شاعر اسلام اقبال سے بڑی مناسبت ہے اور بچپن ہی سے وہ اُن کے کلام کے گرویدہ ہیں! ایک خاص تحریک پر انھوں نے عالم عربی میں اقبال اور اُن کے پیغام کے تعارف کے لیے ”سَرَائِجِ اِقبال“ مرتب کی جس میں چند مضامین میں اقبال اور اُن کے بعض اہم انوکار و نظریات کا تعارف اُن کے کلام کی روشنی میں کرایا گیا ہے اور پھر اُن کی کچھ منتخب نظموں کے مضامین عرب قارئین کے سامنے رکھے ہیں۔ نقطہ نظر یہ ہے کہ کلام اقبال کے دینی اور ملی عناصر اور اُن کا دعوتی جذب و سوز ملنے آئے اور ناظرین پر اثر ڈالے اور اس نقطہ نظر سے کتاب اتنی ہی کامیاب ہے جتنی مولانا علی میاں مظلہ سے توقع ہونا چاہیے۔

ترجمہ بجائے خود بہت قابلِ داد ہے۔ اس کی بدولت اصل اشعار کے کتاب میں آجانے سے اصل کے مغلطے میں ترجمے کی تاثیر یقیناً بڑھی ہے۔ مولانا کے یہاں اگر مردت اور چھوٹوں کے جذبات کی پاسداری کا عنصر ضرورت سے زیادہ نہ ہوتا تو جو تھوڑی بہت اصلاح کی ضرورت کہیں کہیں محسوس ہونے لگتی ہے، اُن کی نظر ثانی کے بعد یقیناً وہ بھی نہ رہی ہوتی۔

جن لوگوں کو کلام اقبال کے مطالعہ سے ذوق حاصل ہوتا ہے ہماری رائے میں وہ اس کتاب کو بہت ”خوش وقت“ کرنے والی پائیں گے۔ راقم سطور کو تو یہ ایک ایسے وقت ہاتھ آئی جب طبیعت صحت کی دگرگونی سے بہت سہا بے کیف ہو رہی تھی۔ ان کٹھن دنوں کو کٹھن میں جیسی

مدد اس کتاب نے کی وہ ابھی بہت دن یاد رہے گی۔

کتابت، طباعت، کاغذ اور گٹ اپ کے لحاظ سے بھی کتاب کا معیار بہت اچھا ہے۔ پروف ریڈنگ کی ایک چوک البتہ بہت بڑی سلاخے آتی ہے، ”ابو جہل کی توجہ گری“ کا ایک حصہ اس سے قبل کے مضمون ”ساتی نامہ“ میں چڑ گیا ہے۔ اس کی درستی کے لیے صفحہ ۱۸۹ تا صفحہ ۱۹۵ اور صفحہ ۱۹۵ کو دیکھ لینا چاہیے۔

از جناب مولوی محمد الحسنی، ایڈیٹر البعث الاسلامی  
ناشر، مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

صفحات ۱۸۴۔ ساکنہ ۱۸۴۲

تذکرہ حضرت سید شاہ علم الشہر  
رائے بریلوی

مجلد قیمت ۴/-

کتابت، طباعت اور کاغذ عمدہ

رائے بریلی کا حسن خانوادہ جو حضرت سید احمد شہید کی یادگار شخصیت کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں، اُس کے سرسلسلہ حضرت شاہ علم الشہر رائے بریلوی ہیں۔ اس خانوادے کا مسکن ”مکتبہ شاہ علم الشہر“ آپ ہی کے نام نامی سے منسوب ہے۔ زیر نظر تذکرہ میں اسی عالی مرتبہ شخصیت کے ذاتی اور خانوادہ حالات پیش کیے گئے ہیں۔ ۱۹۲۳ء تا ۱۹۶۱ء آپ کا دور حیات ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے محاصرہ اور خود بادشاہ نیز اعیان سلطنت کی نگاہ میں محترم تھے۔ محاصرہ صلا، اور مشائخ کے حلقوں میں بھی آپ کی عظمت کم تھی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں اس تذکرے کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ”افسوس ہے کہ اس عالی مرتبہ شخصیت کے حالات، لطائف اور تحقیقات بہت کم ملتی ہیں اور جو کچھ ملتا ہے اس سے اس مرتبہ کا پورا پورا بہت مشکل ہے جس کا اعتراف اُن کے نامور محاصرہ میں نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے“ افسوس ہے کہ یہی احساس اس کتاب کو بڑھ لینے کے بعد بھی ہوتا ہے کہ صاحب تذکرہ کے جن مراتب و فضائل کا اظہار مصنف کے قلم نے کیا ہے کتاب کا مواد اس کی شہادت سے ہم پہنچانے کے لیے بہت ناکافی ہے۔ شاید کہ خانوادہ یادداشتوں اور محفوظوں اور چند سانسے کی کتابوں سے بڑھ کر تلاش و تحقیق کا دائرہ کچھ اور وسیع کیا جاتا تو یہ کیسی حد تک پوری ہو جاتی

بزرگوں کے تذکرہ کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ عام دنوں کو مناجات، محبت و حرارت کا کم سے کم ایک

ذائقہ ہی تھوڑی دیر کے لیے مل جائے۔ اور اس لحاظ سے کتاب میں تقنا بھی ہے وہ کم نہیں ہے مگر ایک ایسا آدمی جو اس فضائے سے عقیدت رکھتا ہو جب وہ معاملے کو اس پہلو سے دیکھتا ہے کہ بہت سوں کے لیے یہ سلسلہ اہل حق مستحق طعن و انکار بھی ہے تب اُسے یہ احساس ہونا ناگزیر ہے کہ واقعات کی ٹھوس شہادت بہم پہنچائے بغیر مراتب و فضائل کا دار فقہ اظہار ان بزرگوں کے حقوق ادا کرنے کا کوئی بہتر طریقہ نہیں ہے۔

مصنف کا نسبی تعلق ان ہی بزرگوں سے ہے اور حق ہے کہ وہ اس تعلق کو سرمایہ فخر جانی اور غایت عقیدت کی نظر سے انھیں دیکھنے میں اپنی سعادت سمجھیں مگر اس طرح کی باتوں کو ایک نقصان غلو ہی کہنا پڑے گا کہ عزیمت جہاد اور تنقید شریعت کا جذبہ حضرت شاہ صاحب کے واسطے ثابت کرنے کے لیے وہ واقعات لایا جائے جو صلاً پر اسی عنوان کے تحت درج ہوئے ہیں۔ مصنف کا جو اپنا قصور ان بزرگوں کے متعلق ہے اور فقہ معاصرین کے بیانات کی بنیاد پر ہونا ہی چاہیے، اس کے مطابق وہ ان کے فضائل و کمالات کا ذکر نہایت وسیع اور بلند الفاظ میں کرتے ہوئے جب واقعات اور حالات اس درجے کے پیش نہیں کر پاتے تو خواہ مخواہ کتنے ہی ذہنوں میں مبالغہ آرائی کے خیال کو راہ پانے کا موقع میسر آتا ہے۔ خصوصاً جس اندازِ استشہاد کی طرف انھیں صلاً کے حوالے سے اشارہ کیا گیا ہے وہ تو اس خیال کو جنما بھی پختہ نہ کرے کم ہے۔

خود ان بزرگوں کے حق میں بہتر جوئے اور نہ ہونے سے قطع نظر، مصنف جو بالکل نئے ادبی ماحول کے پروردہ ہیں ان کا اس اسلوبِ تذکرہ نگاری کا اسیر ہو جانا بھی بہت کم عجب خیر ہے جو گزرے زمانوں کی میں بھلا معلوم ہوتا تھا۔

ازالہ تاذ عبد الوہاب بن زاہد ہندی الجلی

صفحات ۴۸، سائز ۲۴x۳۰ قیمت ۲۰ روپے

## العقد الجمیل فی تجوید التزیل

ناشر محمد قمر علی ندوی۔ مصلیٰ کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ۔

یہ عربی زبان میں تجوید قرآنی کے مسائل پر ایک مختصر رسالہ ہے مصنف شامی ہیں گزشتہ سال تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنے سلسلہ تعلیم کی تکمیل کر رہے تھے اسی دوران میں یہ تألیف انھوں نے کی رسالہ بڑی صاف

اوسلیں زبان میں لکھا گیا ہے۔ فنی اعتبار سے کوئی صاحب فن ہی رائے دے سکتا ہے لیکن اس معیار پر اگر لائق قبول ہو تو زبان و بیان کے اعتبار سے بلاشبہ اس قابل ہے کہ عربی مذاہب میں تجوید کی ابتدائی تعلیم کے لیے جس کا بعض جگہ رواج ہے اس کو داخل مصلاب کیا جائے۔

از جناب محمد سمیع صاحب صدیقی۔ ایم۔ اے

بی۔ ٹی۔ علیگ۔

## ISLAM'S ACHIEVEMENTS

ناشر: سینٹرل جمعیت تبلیغ الاسلام۔ ۹۸/۷۲ ناظر باغ۔ کان پور۔ صفحات: ۸۰۔ سائز: ۲۰x۲۰ غیر مجلد ۱۴

یہ رسالہ انگریزی زبان میں تبلیغی مقصد سے لکھا گیا ہے مضامین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مختصر خاکہ، آپ کی جدوجہد اور تعلیم کے اُس وقت کی سوسائٹی پر انقلابی اثرات، اسلام کا تصور زندگی اور علوم و فنون میں مسلمانوں کا حصہ جیسے عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

رسالہ فائدے سے خالی تو نہیں لیکن زبان کے اعتبار سے کبھی کسی مشاق کی نظر ثانی کا محتاج تھا اور اسلام کی ترجمانی کے اعتبار سے بھی ضرورت تھی کہ کسی اچھے دانت کی نظر اس پر پڑی ہوتی ہو جو دور کی پسند پر اسلام کو پورا آثار کے دکھانے کا جو رجحان ہمارے نئے تعلیم یافتہ طبقے میں پایا جاتا ہے اس رجحان سے یہ کتابچہ بھی خالی نہیں ہے۔ اس کی بنیادی کمزوری یہی ہے۔

ذمہ دارت  
محمد الحسنی  
سعید الاعظمی

ہندوپاک کا واحد عربی ماہنامہ: —

## الْبَعَثُ الْإِسْلَامِي

فکر اسلامی کا نقیب — اتحاد اسلامی کا علمبردار  
دعوت اسلامی کا ترجمان —

عالم عربی کی مجبور یا رسوم صحافت کی گہراؤد تار یک فضا میں ایک شعاع امید

عالم اسلام کے ممتاز ترین اہل قلم کی نگارشات کا دل آویز گلدستہ

صفحات: ۱۰۰۔ خوبصورت نمائش پر معیاری طباعت اور گٹ اپ کے ساتھ

چند سالانہ۔ ہندوستان میں۔ ۱۰ روپے — نمونہ کے لیے ایک روپیہ کے ٹکٹ ارسال کریں

دَارُ الْعُلُومِ نَدْوَةُ الْعُلَمَاءِ لَكْهُنَوُ



# قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں (از مولانا عبد الکرم پاریکھ)

۴۸ صفحات کی یہ کتاب قرآن مجید کی اُن بے شمار آیتوں کی تفسیر ہے جو یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ معلومات سے بھرپور یہ کتاب مطالعہ کے لائق ہے۔  
حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی صدر علم مجلس مشاورت نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا ہے کہ ”میری رائے میں یہ خدمت انجام دے کر پاریکھ صاحب کے وقت کی ایک اہم اور شدید ضرورت کو پورا کیا ہے۔“  
انصارِ ائمہ یہ کتاب عوام و خواص سب کے لیے سبق آموز ثابت ہوگی۔  
یہ مصنف کے سالہا سال سے درس قرآن کے سلسلہ میں مطالعہ قرآن کا نتیجہ ہے۔ ترجمہ اودھان میں آوازِ اداری سے کام لینے کے بجائے قدیم و جدید مفسرین کے فکری دائرہ میں رہ کر یہ خدمت انجام دی گئی ہے۔

قیمت مع جملہ .. سات روپے  
مسلے کا پتہ: (۱) عبد الکرم پاریکھ، لکھنؤ، ناگپور ۷  
(۲) تاج آفس، محمد علی روڈ، ممبئی ۳

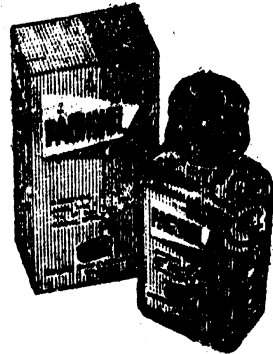
پیٹ کے بھاری پن اور سینے کی جلن میں

جلد آرام کے لیے

پچنول لیجے



پیٹ میں درد، پیٹ کی کڑواہٹ، اسہال،  
جلن، ہنسی، بھوک کی کمی اور کھانے کے لیے  
طبیعت میں کمی وغیرہ ان سب شکایتوں کو  
پچنول  
مفید ہے



ہمدرد

**BOMBAY ANDHRA TRANSPORT Co.**  
**TRANSPORT CONTRACTORS**  
 113, Bhandari Street (Chakla)  
**BOMBAY-3.**

# آپ حج کیسے کریں

حج کے موضوع پر اردو زبان میں بے شمار کتابیں لکھنے جا چکے ہیں۔  
 لیکن یہ کتاب جو دراصل مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی  
 کی مشترک تالیف ہے، اپنی اس خصوصیت میں اب بھی ممتاز و منفرد ہے کہ یہ بہت آسان  
 اور دل نشیں انداز میں حج کا طریقہ اور اس کے احکام و مناسک بھی بتاتی ہے اور  
 ذوق و شوق اور جذبہ عشق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔  
 اللہ کیسے جنے سندوں نے اسے کتاب کو نیک اور اسے کسے رہنما کی صفیہ قج کیا  
 ہے اُنے کا یہاں ہے کہ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور مفضلہ معلم  
 اور صاحب دماغ و مستند نگار کی زیر نگرانی اور فائز قج کر رہا ہے۔  
 آفریں شوق و محبت اور دعا و تمنا میں شامل ہیں۔ ————— مرقہ کاغذ ————— قیمت ملاحظہ فرمادے

## آسان قج

یہ آسان زبان میں آپ حج کیسے کریں کا خلاصہ ہے۔ ایسے کہ تعلیم یافتہ حضرات کیلئے  
 جو صرف آسان اور معمولی اردو ہی پڑھ سکتے ہیں بہترین رہتا ہے۔  
 • بکس سائز • خوش نامائش • قیمت صرف پچھتر پیسے  
 بوٹ، بھاری دیگر قیمت ملاحظہ کیجئے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کی اہم مطبوعات کے لئے  
 ہر شہر کتب مفت طلب فرمائیے

کتب خانہ الفیضان، پکھرنی روڈ، بمبئی

Regd No. L-353

# Monthly 'ALFURQAN' Lucknow.

VOL 38 NO. 8

NOVEMBER 1970

  
**ROLEX**

  
**OMEGA**

**WEST END**

**CITIZEN**

**SARGENT**

**FAVRE-LEUBA**

**ROAMER**

لکرس

اومیگا

ایسٹ

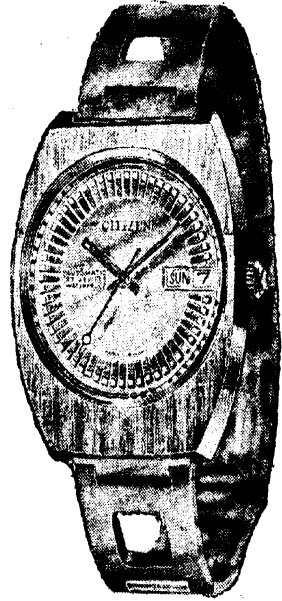
سیٹزن

جسٹ

سار

فیلو

رومر



مکتہ المکرمہ و مکتہ المنورہ میں

حج و زیارت کے لئے جب خدا  
آپ کو لائے اور گھڑی کی ضرورت  
عمومس ہوتو پاک محل کے  
مسیحی شوروم میں تشریف لاکر  
قسم کی گھڑیاں نئے ڈیزائنوں

میں بارگاہیت خرید فرمائیں۔ اپنے آنیوالے دوست احباب کو پتہ نوٹ کروادیں

**پاک محل - المکتہ المکرمہ**

6/11/71

# الفوائد المكسرة

مكتبة

عبد القادر بن عبد الله

پکوان کے  
عُمدہ تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میں برائے  
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل  
۳۰.۱ اور ۱۵.۵ کلو

عُمدہ وناستی  
۳۰.۱ اور ۱۶.۵ کلو

ستلولا، ستل کا تیل  
۳۰.۱ اور ۱۵.۵ کلو

۱۱ نمائندہ خاص ناریل کا تیل  
۳۰.۱ اور ۱۶ کلو

کو کو جہر

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل  
۳۰.۱ اور ۱۵.۵ کلو

امی سلاؤ تیل  
۳۰.۱ اور ۱۵.۵ کلو

عُمدہ ریزہ بستی

سَالَانَهُ جَنْدَه  
دیگر ممالک سے  
۱۵ شلنگ  
برائی ڈاک کے لیے مزید  
محولہ ڈاک کا اضافہ

# الفستان

لکھنؤ

ماہنامہ مع  
(اس شاہ کی قیمت ..... ایک روپیہ)

سَالَانَهُ جَنْدَه  
برستان سے ..... ۸/-  
پاکستان سے ..... ۸/۵  
ضامات ۶ صفات  
قیمت  
فی کاپی ..... ۵ پیسے

جلد (۳۸) | اہت ماہ رمضان شوال ۱۳۹۵ مطابق دسمبر ۱۹۷۴ء | شمارہ ۱۰۹

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولیں	عقیق الرحمن سنہلی	۲
۲	معارف الحمدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۵
۳	حضرت عمرؓ کی معاشی اصلاحات	مولانا محمد تقی امینی، اظمیٰ بیگم بیگم	۱۵
۴	ادراک زیب کی تخت نشینی میں علماء کا کردار	ڈاکٹر محمد اسلم صاحب، سائڈالک پنجاب یونیورسٹی	۲۷
۵	ارشادات حضرت تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی	۳۹
۶	نئی نسل کا ذہنی انتشار	سید جمال احمد امین آبادی	۴۵
۷	صراطِ مستقیم	حضرت شاہ محمد یعقوب مجددیؒ	۵۱
۸	رفیقہ نیات کے انتقال پر	مولانا محمد منظور نعمانی	۷۳

## اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی موت خریداری ختم ہو گئی ہو براہ کرم آئندہ کے لیے جندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ جندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۵ جنوری تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بیعینہ دی جی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار :- جن حضرات نے ہمارے خط کے جواب میں اطلاع دی ہو کہ رسالہ سپرچ مانا ہوا ان کا رسالہ جاری رکھا گیا ہو وہ دنیا جندہ جب معمولی سکرٹری صاحب ادارہ اصلاح و تبلیغ اشرطین بزرگ لاہور کو بھیج کر ہمیں اطلاع دیں۔

نمبر خریداری :- بڑے کرم خط و کتابت اور سنی آرڈر کو پراپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے جو پتہ کی جٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تالیم اشاعت :- الموفقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر برائے نام کسی صاحب کو نہ توڑا مطلع کریں اس کی اطلاع ۸ تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجے کی ذمہ داری دفتر پر ہوگی۔

## دفتر الفستان، پکھری روڈ، لکھنؤ

(برائی) محمد منظور نعمانی پتہ دفتر ملتان، ٹیڈر روڈ اورٹون نے تہذیب و رس میں لکھا کہ دفتر الفستان لکھنؤ، ملتان سے مطلع ہوگا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## نگاہِ اولیں

عَتِیقُ الرَّحْمٰنِ سَنَجِلٰی

خدا خدا کر کے یہ توقع بھی اہل پاکستان کو مل گیا کہ وہ ہر بالغ کے حق رائے دہی کی بنیاد پر اپنے ملک کا دستور بنانے اور حکومت چلانے کے لیے اپنے نمائندے منتخب کریں۔ اس انتخاب میں کوئی پچس کے قریب پارٹیاں اپنے اپنے منشور کے ساتھ میدان میں آئیں کہی ایک ان میں شریعت کے مطابق دستور اور قانون کی طلبہ دار تھیں جن میں جماعت اسلامی جیسی مشہور و معروف جماعت بھی شامل ہے۔ مگر قسح مشرقی پاکستان میں تو تقریباً سو فیصدی اُس پارٹی کے حق میں تھکے جس کا اصل نعرہ مشرقی پاکستان کی داخلی خود مختاری تھا اور دستور کے معاملے میں وہ یکو ل نقطہ نظر کی حامی ہے۔ اور مغربی پاکستان میں بھی اگرچہ اس حد تک نہیں مگر قطعی اکثریت پالینے کی حد تک کامیابی ایک ایسی ہی پارٹی کو ملی جس کے پاس شرعی دستور اور قانون کی نہیں بلکہ موٹلزم کی اپیل تھی۔

مشرقی پاکستان کے نتائج بہت زیادہ خلاف توقع نہیں ہیں۔ کیونکہ وہاں کے حالات ملنے سے اُن کے پیش نظر یہ بات یقینی تھی کہ اکثریت اُسی پارٹی کو حاصل ہوگی جو وہاں کی علاقائی خود مختاری کا علم اٹھائے گی۔ غلط فہم بات بس اتنی ہے کہ کسی اور کا تصور بہت چرلخ بھی وہاں نہ مل سکا۔ دستور ساز اسمبلی کی ۱۵۳ سیٹوں میں سے بس ۱۵۰ سیٹیں اس کے قبضے سے بچ سکیں اور صوبائی اسمبلی کی ۱۰۰ سیٹوں میں سے صرف ۸۰۔۱۰۰ کے مقابلے میں آنے والی متعدد پارٹیاں پاسکیں۔ پاکستان سے اخراجات نہ آنے کی وجہ سے تفصیلی اور قطعی معلومات میں بڑی کمی ہے۔ مگر جتنا کچھ علم ہے اُس کی رو سے غالباً جماعت اسلامی اس پارٹی (عوامی لیگ) کی اصل اور قابل ذکر حریف تھی۔ مگر دستور ساز اسمبلی کے الٹن میں تو ایک بھی نہیں اور صوبائی اسمبلی کے الٹن میں بس ایک سیٹ اُسے حاصل ہوئی ہے۔ عوامی لیگ اس حد تک مشرقی پاکستان کے لوگوں کی نمائندہ ہے، اس کا غالباً کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ ورنہ یہ بات تو طے ہی تھی کہ اکثریت اُسی کو حاصل ہوگی۔

زیادہ تعجب خیز بلکہ اول سے آخر تک تعجب خیز معاملہ مغربی پاکستان کے نتائج کا ہے۔ سرٹھو کی شخصیت کا

سحر مسلم تھا۔ انھوں نے پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے بڑا نام کما لیا تھا۔ وہ گناہی کے گوشے سے اٹھ کر آئے اور پھر چوتھے ہی چلے گئے۔ حتیٰ کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان روس کی کوششوں سے ہونے والے معاہدہ تاشقند سے اختلافات کی بنا پر صدر ایوب خاں نے انھیں وزارت سے ہٹا کر پیش کر دیا۔ مگر اس سے ان کی شخصیت نامزد نہیں ہوئی اور نہ وہ دوبارہ اپنے گوشہٴ غمخواری میں لوٹ جانے پر راضی ہوئے۔ معاہدہ تاشقند نے صدر ایوب خاں کو اپنے ملک خصوصاً مغربی حصے میں جو نقصان پہنچایا تھا اس کا اندازہ مٹر بھٹو نے غالباً اچھی طرح کر لیا تھا اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حقدار یقیناً ان سے زیادہ کوئی نہیں تھا۔ انھوں نے کچھ دن خاموشی سے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی ہم کا آغاز کر دیا۔ اور نوجوان حضرات کے گرد جمع ہونے لگا۔ وہ آجکل کے نوجوانوں کا سرور بننے کی تمام صلاحیتیں رکھتے تھے۔ ان صلاحیتوں سے انھوں نے پھر پورے ملک لیا۔ ایوب خاں کے تمام سیاسی مخالفین اور ناقدین معاہدہ تاشقند اور ہنگامی حالات کا قانون ختم ہو جانے کے بعد سرگرم ہو گئے تھے۔ مگر وہ سب عموماً ایک دوسرے کا سہارا لے کر اور ایک طرح کا متحدہ محاذ بنا کر چل رہے تھے مٹر بھٹو نے اپنی انفرادیت کو اس مجمع میں غم نہیں کیا۔ اور ایک وقت وہ آیا کہ انھیں جو چمک دمک اپنی وزارت کے زمانے کے کارناموں کی بنا پر حاصل تھی اس سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو چمکا لینے میں وہ کامیاب ہو گئے۔ ایوب خاں کی مخالفت سے گرم فضا میں ایک دن انھوں نے بڑے مناسب موقع سے نوجوانوں کو نعرہ دیا کہ ایوب خاں کی آمریت کا تخت لٹک چکا ہے بڑھ کر اسے الٹ دو۔ مٹر بھٹو کے اس بانجھن نے مغربی پاکستان کے اس عام سیاسی مجمع کا رنگ بھینکا کر دیا جو آئینی حدود سے باہر چل کر ایوب خاں کو لٹکانے کی یا تو بہت نہیں رکھتا تھا یا اسے مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اس مرحلے پر یہ بات تو طے ہو گئی تھی کہ ڈکٹیٹر شپ کا خاتمہ ہونے پر (جو یقینی نظر آ رہا تھا) جمہوری انتخابات کی بظاہر اگر کچھ تو مٹر بھٹو کی بیول پارٹی بالکل فوٹا سیدہ ہونے کے باوجود مٹر بھٹو کی شخصیت کے اثر سے کافی اہم کردار ادا کرے گی۔ مگر یہ بات ہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ مغربی پاکستان کی اصل ناسنگی کا اعزاز ہی اس کو مل جائے گا۔ اور مدتوں سے محنت کرنے والے منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ خیال یہ تھا کہ بشمول بیول پارٹی تین چار جماعتیں زیادہ تریسٹوں پر قابض ہوں گی اور تھوڑا تھوڑا حصہ دوسری پارٹیوں اور آزاد امیدواروں کو مل جائے گا۔ یعنی مشرقی پاکستان کے برعکس یہاں کوئی ایک پارٹی اکثریت کی پوزیشن میں آنے والی نہیں ہوگی۔ مگر نہ صرف یہ کہ یہ اندازہ غلط ہوا۔ بلکہ ایک طرف وہ بیول پارٹی اکثریت جیتنے میں کامیاب ہوئی جو چند فوٹا سیدہ پارٹیوں میں سے ایک تھی اور دوسری طرف وہ جماعت اسلامی جس کا اس میدان میں سب سے زیادہ کام تھا، جس کے برابر کوئی مضبوط اور منظم جماعت کل پاکستان سطح پر دوسری نہیں تھی۔ جسے جدید اور قدیم تعلیم یافتہ دونوں ہی طبقوں پر شمس ہونے اور ان کی سرگرم ہمدردیاں رکھنے کا وہ امتیاز حاصل



تھا جس میں کوئی امداد ملی اس کی ہمسری نہیں کر سکتی تھی اور جس کی مالگیری شہرت اور عالم اسلامی میں اس کے قائد کی قدر و منزلت کا کوئی کم سے کم درجہ کا جواب بھی کسی دوسری پارٹی کے پاس نہیں تھا۔ وہ جماعت اسلامی انکشن کے اس معرکے میں ایسی حقیر ثابت ہوئی کہ مولانا غلام غوث ہزاروی کی جمعیت علماء اسلام اور خواجہ قمر الدین سیالوی (بریلوی) کی جمعیت علماء پاکستان نے بھی تو ان سے زیادہ کارگزاری کر دکھائی۔ مشرقی پاکستان میں تو جو کچھ اس کے حصے میں آیا اس کا اوپر ذکر آچکا۔ مغربی پاکستان میں دستور ساز اسمبلی کی ۳۸ سیٹوں میں چار اسے ملی ہیں۔ اور صوبائی اسمبلیوں کی ۲۹۲ سیٹوں میں تو چار بھی نہیں تین ہی اسے حاصل ہو سکیں۔ پاکستان کے انکشن کا یہ پہلو دراصل مشرعوں کی غیر متوقع کامیابی سے کہیں زیادہ حیرت انگیز ہے۔ کوئی بھی ایسی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی جس سے حیرت کی یہ گتھی حل ہو سکے۔ ہندوستان کی جماعت اسلامی کے اپنے اخبارات و رسائل اور دوسرے بعض ہمنوا اخبارات و رسائل میں پاکستانی جماعت کے لیڈروں کے جو بیانات اور دہان کے عوام میں جماعت کی سیاسی مقبولیت کی جو جھلکیاں ادھر دیکھنے میں آتی رہی تھیں ان پر نظر کرتے ہوئے تو بے اختیار صدر ناصر اور اسرائیل کی وہ معرکہ آرائی یاد آتی ہے جس سے پہلے صدر ناصر اور ان کے ساتھیوں نے ایسا سان بانڈھ دیا تھا جیسے اسرائیل مصر سے پس ہٹ کر آیا اور چور چور ہوا۔ لیکن جب واقعی ٹکڑا ہوا تو معلوم ہوا کہ صدر ناصر کی فوجی طاقت ایک بھولے ہوئے غائب سے زیادہ کچھ ہی نہ تھی۔ انتظار ہے کہ تھائی سائنس دانوں اور پتہ چلے کہ یہ ہوا کیا؟۔

**معذرت :-** الفتنہ کا یہ شمارہ شروع دسمبر میں شائع ہونا چاہئے تھا مگر کچھ خود مرتب کی خرابی صحت اس میں حائل ہوئی اور کچھ سبب یہ تھا کہ اس شمارہ کی صفحات بڑھا کر اسے رمضان و شوال کا مشترک شمارہ بنانا تھا تاکہ شمسی اور قمری عہدوں کی مطابقت صحیح ہو جائے جس میں رفتہ رفتہ ایک ماہ کا فرق آگیا تھا۔ جنوری کا شمارہ انشاورا شدہ ۲۰ جنوری تک شائع ہوگا۔

تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ رائے بریلویؒ  
ایڈیٹر "ابلیغ الاسلامی" از قلم محمد محسنی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بصیرت افروز مقدمہ کے ساتھ

حضرت سید احمد رشید رائے بریلوی کے جدِ اعلیٰ اور عہدِ عالمگیر کے ممتاز شیخ وقت اور عادت باشندہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی کے صفات و کمالات اور اخلاق عالیہ کا پُر اثر بیان افروز تذکرہ انسان کے اہمالِ فرزندوں اور خلفاء کے حالات زندگی

ناشر :- مکتبہ اسلام، ۳۷، گوئن روڈ، لکھنؤ (یو۔ پی۔)

## کِتَابُ الْمَعَاشِرَةِ وَالْمَعَامَلَاتِ

## مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

آدابِ ملاقات و آدابِ مجلسِ  
(مُسَلَّس)

ملاقات یا گھریا مجلس میں آنے کے لیے اجازت کی ضرورت :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی سے ملاقات کرنے کے لیے یا اس کے گھریا اس کی مجلس میں کوئی جانا چاہے تو پہلے سلام کہے اور اجازت مانگے، اس کے بغیر ہرگز اجاب تک داخل نہ ہو، معلوم نہیں وہ اس وقت کس حال اور کس کام میں ہو، ممکن ہے کہ اس وقت اس کے لیے ایسا مناسب نہ ہو۔

عَنْ كَلْدَةَ بِنْتِ حَنْبَلٍ أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ بَعَثَهُ بِلَبَنٍ وَجَدَانِيَّةٍ وَصَنَاعِيئِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَعْلَى الْوَادِي، قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أَسْلَمْ وَلَمْ أَسْتَأْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلِي؟ ——— رواه الترمذی و ابو داود

کلمہ بن حنبل سے روایت ہے کہ (ان کے احیائی صحابی) صفوان بن امیہ نے ان کو دودھ اور برقی کا ایک بچہ اور کچھ کھیر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی مکہ کے بالائی حصہ میں تھے۔

مکہ کہتے ہیں کہ میں یہ چیزیں لے کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور میں نے پہلے سلام کیا اور نہ حاضر کی اجازت چاہی، تو آپ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور قاعدہ کے مطابق "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَدْخُلُوْا" کہہ کے اجازت مانگو۔

(جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

**(تشریح)** توفیق سے فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے، اور یہ واقعہ جو اس روایت میں ذکر کیا گیا ہو غالباً فتح مکہ کے سفر ہی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وادی مکہ کے اُس بالائی حصہ میں تھا جس کو مغلی کہتے ہیں، صفوان بن امیہ نے اپنے اخیانی بھائی کلدہ بن حنبل کو ہدیہ کے طور پر یہ تین چیزیں لے کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کچھ درد تھا، ایک ہرنی کا بچہ تھا اور کچھ کھیرے تھے، یہ اس سے واقف نہیں تھے کہ جب کسی سے لینے کے لیے جانا ہو تو سلام کر کے اور پہلے اجازت لے کر جانا چاہیئے۔ اس لیے وہی حضورؐ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے اس ادب کی تعلیم کے لیے اُن سے فرمایا کہ باہر واپس جاؤ اور کہو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَدْخُلُوْا" (السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں)، اور جب اجازت لے تو آؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام اور استیذان (یعنی اجازت چاہنے) کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے کے بجائے اُن سے عمل بھی کرایا۔ ظاہر ہے کہ جو سبق اس طرح دیا جائے اُس کو آدمی کبھی نہیں بھول سکتا۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اسْتَأْذِنْ عَلَيَّ اُحْيَ، فَقَالَ نَعَمْ، فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّي مَعَهَا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَأْذِنْ عَلَيَّ، فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّي خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَأْذِنْ عَلَيَّ، اَلْحَبْتُ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً؟ قَالَ لَا، قَالَ فَاسْتَأْذِنْ عَلَيَّهَا

رواہ مالک مرسلًا

عطاء بن یسار تابعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنی ماں کے پاس جانے کے لیے جی پہلے اجازت طلب کروں؟ آپ نے

ارشاد فرمایا کہ اہل ماں کے پاس جانے کے لیے بھی اجازت لو، اُس شخص نے عرض کیا کہ میں ماں کے ساتھ ہی گھر میں رہتا ہوں، (مطلب یہ کہ میرے گھر میں الگ نہیں ہے، ہم ماں بیٹے ایک ہی گھر میں ساتھ رہتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں بھی میرے لیے ضروری ہے کہ اجازت لے کر گھر میں آؤں؟) آپ نے ارشاد فرمایا اہل اجازت لے کر ہی آؤ، — اُس شخص نے عرض کیا کہ میں ہی اس کا خادم ہوں (اُس کے سارے کام کاج میں ہی کرتا ہوں اس لیے بار بار جانا ہوتا ہے، ایسی صورت میں تو ہر دفعہ اجازت لینا ضروری نہ ہوگا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اجازت لے کر ہی جاؤ، کیا تم یہ پسند کر دگے کہ اس کو برہنہ دیکھو، اُس شخص نے عرض کیا کہ یہ تو ہرگز پسند نہیں کروں گا، آپ نے ارشاد فرمایا تو پھر اجازت لے کر ہی جاؤ۔ (موطا امام مالک)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بغیر اجازت اور راجانک اپنی ماں کے گھر میں جانے کی صورت میں بھی اس کا مکان ہے کہ تم ایسی حالت میں گھر میں پہنچو کہ تمہاری ماں کسی ضرورت سے کپڑے اتارے ہوئے ہو۔ اس لیے ماں کے پاس بھی اجازت لے کر ہی جانا چاہیے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَأْدُمُوا إِلَيْنَا لَمْ يَبْدَأْ  
بِالسَّلَامِ

رداء اللبیتی فی شعب الایمان  
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اجازت لینے سے پہلے سلام نہ کرے اُس کو اجازت نہ دو۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اجازت لینے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے السلام علیکم کہے اُس کے بعد کہے کیا میں آسکتا ہوں، اگر کوئی آدمی بغیر سلام کہے اجازت چاہے تو اُس کو اجازت نہ دو بلکہ اس کو بتادو کہ پہلے السلام علیکم کا دعائیہ کلمہ کہہ کے جو اسلامی شواہد ہیں اسلامی اخوت اور لٹھی رشتہ کا اظہار کرے اس کے بعد اجازت طلب کرے — جب وہ اس طریقہ پر اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دو۔

عَنْ رَجَبِ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَأَسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلْجُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ

أَخْرَجَ إِلَى هَذَا فَعَلِمَهُ الْإِسْتِثْنَانُ فَقُلْ لَهُ "قُلِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ  
أَدْخُلْ؟" فَمَعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ؟ فَأَذِنَ لَهُ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ

رواه ابو داود

ربیع بن حراش (تابعی)، روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے حاضری کی اجازت چاہی اور عرض کیا "آج" (میں اندر آ سکتا ہوں؟) رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس شخص کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کا  
طریقہ بتاؤ، اس سے کہو کہ وہ یوں کہے "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ؟" اس شخص نے آپ  
کی یہ بات خود سن لی اور عرض کیا "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلْ؟" تو آپ نے اسے اجازت  
دے دی تو وہ آپ کے پاس حاضر ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِنَا  
فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، فَرَدَّ ابْنِي رَدًّا أَحْفِيًّا، فَقُلْتُ الْإِثْمَانُ  
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ دَرُّهُ حَتَّى يَكْثُرَ عَلَيْنَا السَّلَامُ  
فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ" فَرَدَّ سَعْدٌ  
رَدًّا أَحْفِيًّا ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ"  
ثُمَّ رَجَعَ، فَاتَّبَعَهُ سَعْدٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَكُنْتُ أَسْمَعُ تَسْلِيمَكَ  
وَأَرُدُّ عَلَيْكَ رَدًّا أَحْفِيًّا لَتَكْثُرَ عَلَيْنَا مِنَ السَّلَامِ، فَأَنْصَرَفَ مَعَهُ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ سَعْدٌ بِغَسْلِ ثَمَرِ نَاولِهِ  
مِنْ حَمَاقَةٍ مَصْبُوعَةٍ بِزَعْفَرَانٍ أَوْ وَرْسٍ، فَاشْتَمَلَ بِهَا، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ  
وَهُوَ يَقُولُ "اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتِي وَرَحْمَتَكَ عَلَى آلِ سَعْدٍ، ثُمَّ  
أَصَابَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ، فَلَمَّا أَرَادَ الْإِنْصِرَافَ  
قَرَّبَ لَهُ سَعْدٌ حِمَارًا قَدْ وَطَأَ عَلَيْهِ بِقَطِيفَةٍ فَقَالَ بِي سَعْدُ احْتَبِ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعِبَتْهُ، فَقَالَ بِي إِنْ لَبَّيْ مَعِيَ  
فَأَبَيْتُ، فَقَالَ إِمَّا أَنْ تُرَكَّبَ وَإِمَّا أَنْ تُصَوَّرَ فَأَنْصَرَفَتْ — رواه ابو داود

حضرت سعد بن عبادہ کے فرزند قیس بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) ہمارے گھر پر تشریف لائے اور آپ نے (قاعدہ کے مطابق) باہر سے، فرمایا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو میرے والد (سعد بن عبادہ) نے کہا اے اس کے کہ آپ کے سلام کا آواز سے جواب دیتے اور انہیں تشریف لے آنے کے لیے عرض کرتے بہت سختی آواز سے کہ حضورؐ سن نہ سکیں، صرف سلام کا جواب دیا، تو میں نے کہا کہ آپ حضورؐ سے انہیں تشریف لانے کے لیے کیوں عرض نہیں کرتے، میرے والد نے فرمایا کہ پلومت ایسے بھا رہے ہیں وہ تاکہ آپ بار بار ہمارے لیے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکتیں حاصل ہوں)۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" حضرت سعد نے پھر (اسی طرح) چپکے سے سلام کا جواب دیا (جب کہ حضورؐ نے نہیں سنا) تو پھر (میسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" (اور جب اس کے بعد بھی حضرت سعد کی طرف سے کوئی جواب کہنے نہیں سنا) تو آپ دہریں لوٹنے لگے۔ تو حضرت سعد آپ کے پیچھے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ حضرت میں آپ کا سلام سنتا تھا اور (دانستہ) چپکے سے جواب دیتا تھا تاکہ آپ بار بار ہمارے لیے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکات حاصل ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے ساتھ ان کے گھر لوٹ آئے۔ حضرت سعد نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ حضورؐ کے غسل کا انتظام کیا جائے، چنانچہ حضورؐ نے غسل فرمایا، پھر حضرت سعد نے حضورؐ کو لیکر چادر دی جو زعفران یا دہریں سے رنگی ہوئی تھی جسے آپ نے "استمال" کے طریقہ پر باندھ لیا، پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کے اس طرح دعا فرمائی "اللھُمَّ اجْعَلْ صَدَقَاتِکَ وَرَحْمَتِکَ عَلٰی آلِ سَعْدِ" اے میرے اللہ اپنی خاص نوازشیں اور رحمتیں فرما سعد کے گھر والوں پر۔ اس کے بعد آپ نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ پھر جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد سعد بن عبادہ نے سواری کے لیے اپنا سارہ پیش کیا جس کی کمر پر چادر کا لٹا بنا کر رکھ دیا گیا تھا اور مجھ سے فرمایا کہ تم حضورؐ کے ساتھ جاؤ، تو میں آپ کے ساتھ ساتھ چلا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ، میں نے سعادت

کر دی اور وہ انہیں ہوا تو آپ نے انہیں فرمایا کہ تم میرے ساتھ تم بھی سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ (یعنی مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں سوار ہو کر چلوں اور تم ساتھ ساتھ پیدل چلو۔ واقعہ کے راوی قیس بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضور نے یہ فرمایا، تو میں واپس لوٹ آیا۔  
(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے ہاں ملاقات کے لیے جائے تو اسلام علیکم (کہہ کے اندر آنے کی اجازت چاہیے) اور جب کوئی جواب نہ ملے تو دوسری دفعہ اور پھر جواب نہ ملے تو تیسری دفعہ اسلام علیکم کہہ کے اجازت مانگے، اور بالفرض اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملے تو پھر واپس ہو جائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے حضور کے بار بار سلام اور اس کی برکات حاصل کرنے کے لیے جو روایت اختیار کیا جس کی وجہ سے حضور کو تین دفعہ سلام کرنا اور اسی کا ارادہ کر لینا پڑا، بظاہر ایک نصاب بات تھی، لیکن ان کی نیت اور جذبہ بہت مبارک تھا اور حضور کی مزاج شناسی کی بنا پر انہیں یقین تھا کہ آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے اس لیے انہوں نے یہ جرات کی، چنانچہ اسی ہوا اور حضور نے کسی گرائی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کے جذبہ ادبیت کی قدر فرمائی جیسا کہ آپ کی دعا سے ظاہر ہے۔ اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور نے غسل فرمانے کے بعد ایک اسی چادر لپیٹ لی جو زعفران یا درس سے رنگی ہوئی تھی۔ ~~اللہ اعلم~~ بعض حدیثوں میں اس کی سنت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ کوئی مرد زعفران یا درس سے رنگا ہوا کپڑے پہنے (درس بھی زعفران ہی کی طرح کی ایک نبات ہے جو رنگ دار بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی) اب یہ تو یہ سمجھا جائے کہ یہ واقعہ جو زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ مردوں کے لیے زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا، یا یہ کہا جائے کہ جو چادر حضور نے پہن کر فرمائی وہ کبھی پہلے لگی تھی لیکن بعد میں ابھی طرح دھو دی گئی تھی اسی صورت میں اس کا استعمال مردوں کے لیے بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

ملاقات کو آنے والے کا حق ہو کہ اُس کو یا اس بٹھایا جائے :-

عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْحَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَيْدِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّي لَأَسْأَلُ اللَّهَ أَنْ يَخْرِجَ لَكَ

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

والمیر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شخص آپ کے پاس آیا کہ آپ ان کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اپنی جگہ تشریف رکھیں، جگہ میں کافی گنجائش ہے (مطلب یہ تھا کہ میرے لیے اپنی جگہ سے ہٹنے کی ضرورت نہ فرمائیں) حضور نے ارشاد فرمایا کہ مسلم کا یہ حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو اپنے پاس آتا، دیکھے تو اس کے لیے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے (اللہ اپنے قریب بٹھائے۔) (شعب الایمان البیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے سے بڑے کے پاس بھی کوئی مسلم آئے (تشریح) تو اس کو بھی اس کے ساتھ اکرام کا یہی برتاؤ کرنا چاہیے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب و جانشینی کی نسبت رکھنے والے بزرگوں کے لیے خاص حق ہے۔

مجلس سے کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ ٹھیکنا چاہیے :-

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَخْلُسُ فِيهِ وَالْكَفَى كَفْتَهُمَا وَتَوَسَّعُوا.

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کوئی آدمی ایسا نہ کرے (یعنی کسی کو اس کی جگہ سے نہیں ہے) کہ کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، بلکہ لوگوں کو چاہیے کہ دائے والوں کی جگہ سے کٹاؤں اور گنجائش پیدا کریں (اور دائے کو جگہ سے ہٹیں) (صحیح بخاری و صحیح مسلم) (تشریح) اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے کہ کسی شخص کی دوسری جگہ کو اس کی



جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے۔ لیکن اگر خود بیٹھے والا ایسا کر کے کسی کے لیے اپنی جگہ خالی کر دے تو اپنی نیت کے مطابق وہ اجر کا مستحق ہو گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ قَهْوًا أَحَقَّ بِهِ — رواه مسلم  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی جگہ سے کسی ضرورت سے اٹھا اور پھر واپس آ گیا تو اس جگہ کا وہی شخص زیادہ حقدار ہے۔ (صحیح مسلم)

جلس میں دو آدمیوں کے بیچ میں اُن کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھنا چاہیے۔

عَنْ عُمَرَوْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسُ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا۔

رواہ ابو داؤد

عمر بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح: یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داؤد میں اور (تشریح) اس کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی ایک دوسرے طریقہ سے ان الفاظ میں بھی روایت کی گئی ہے۔ لَا يَجْلِسُ لِرَجُلٍ اِنْ يَفْتَرِقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا (کسی کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ قریب قریب بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان اُن کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انھیں ایک دوسرے سے الگ کر دے۔

سبحان اللہ العظیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات و ہدایات میں لطیف انسانی ہدایت اور نازک احساسات کا کتنا لحاظ فرمایا گیا ہے۔

اپنی تعظیم کے لیے بزرگانِ خدا کا کھڑا ہونا چاہیے اچھا لگے وہ جہنمی ہوں:-

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَسَرَّهَ  
أَنْ يُمَثِّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَوَضَّعْ مُقْعَدَةً مِنَ النَّارِ-

رواہ الترمذی والبخاری

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی کو اس بات سے  
خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں، اُسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

ظاہر ہے کہ اس وعید کا تعلق اس صورت سے ہو جبکہ کوئی آدمی خود یہ چاہے اور اسی  
(تشریح) خوش ہو کہ اللہ کے بندے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ اور یہ تکبر کی نشانی ہو اور  
تکبر والوں کی جگہ جہنم ہے جس کے حق میں فرمایا گیا ہے ”بَشَرٌ مَشْوَى الْمَتَكْبِرِينَ“ (وہ دوزخ تکبر  
کا پڑا ٹھکانہ ہے) لیکن اگر کوئی آدمی خود بالکل نہ چاہے مگر دوسرے لوگ اکرام اور عقیدت و محبت کے  
بہانہ میں اس کے لیے کھڑے ہو جائیں، تو یہ بالکل دوسری بات ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم اپنے لیے اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے تعظیمی قیام کو ناپسند فرماتے تھے:-

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِلًا  
عَلَى عَصَا فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُومُوا لِمَا يَقُومُ الْأَعَاجِمُ يُعْظَمُ بَعْضُهَا  
بَعْضًا

رواہ الہدود

حضرت ابی امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم عصا کا سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے، آپ نے ارشاد فرمایا  
تم اس طرح کھڑے مت ہو جس طرح عجیب لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے

(سنن ابی داؤد)

ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُولُوا لِمَا يَعْلمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِيَلْبِثَ

رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کے لیے کوئی شخصیت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں تھی اس کے باوجود ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضور کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ آپ کو ناپسند ہے۔ (جامع ترمذی)

صاحب مجلس کے اٹھنے پر اہل مجلس کا کھڑا ہونا درست نہیں:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ مَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ يُحَدِّثُنَا فَإِذَا قَامَ مُتَنَاوِلًا مَا حَتَّى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضُ

بُيُوتِ أَرْوَاحِهِ

رواہ البیہقی فی شعب الایمان  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاں ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے تو ہم سے باتیں فرماتے تھے، پھر جب آپ (مگر تشریف لے جانے کے لیے مجلس سے اٹھتے تو ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اُس وقت تک کھڑے رہتے جبکہ ہم دیکھ لیتے کہ ازواجِ مطہرات کے گہروں میں سے کسی گھر میں آپ داخل ہو گئے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) گوارا فرمایا سالک کہ ابھی معلوم ہو چکا کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کو آپ ناپسند فرماتے تھے، اس عاجز کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہو کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت اہل مجلس کا کھڑا ہونا صرف تعظیم ہی کے لیے ہوتا تھا جو آپ کے لیے گرائی کا باعث ہوتا تھا، اور مجلس سے حضور کے اٹھ جانے کے وقت کھڑا ہونا مجلس کے برخواست ہوجانے کی وجہ سے بھی ہوتا تھا، اس کے بعد خود اہل مجلس بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے والے ہوتے تھے، اس لیے اس کھڑے ہونے کو حضور گوارا فرمایا لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

# حضرت عمرؓ کی معاشرتی اصلاحات

(از مولانا محمد تقی امینی ناظم سنی دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

مہذبہ دہلی میں معاشریات کا مسئلہ اس قدر اہم بن گیا ہے کہ دنیا کی ہر تنظیم اسی سپازہ سے ناپی جاتی ہو۔  
ذیل میں حضرت عمرؓ کی معاشرتی اصلاحات ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اندازہ ہو کہ حالات کے لحاظ سے  
اسلامی تنظیم میں کس قدر وسعت ہے۔

حضرت عمرؓ نے عراق و شام فتح ہونے کے بعد زمینیں اصل باشندوں کے پاس رہنے دیں۔  
میں تقسیم نہیں کیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل حالات کے لحاظ سے تقسیم و عدم تقسیم  
کے معاملہ میں مختلف تھا۔

اس موقع پر مجلس شوریٰ کی کارروائی کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت عمرؓ کی تقریر :-

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس زمین کو آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد کے لوگوں کو ایسی  
حالات میں چھوڑ دوں کہ ان کا اس میں کچھ حصہ نہ رہے۔ کیا آپ لوگوں کا یہ مقصد ہے کہ اس کی  
آدنی ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ جائے اور نسل بعد نسل اسی طبقہ میں متعلق ہوتی رہے۔  
اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی؟ بیواؤں اور محتاجوں  
کی کفالت کہاں سے ہوگی؟ مجھے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بعض لوگ پانی کے بائیں میں فساد  
کرنے لگیں گے۔“

## حضرت علیؑ کی تائیدی تقریر

”میری رائے ہے کہ کاشت کار اور آرائشی کوہن کا توں رہنے دیجے تاکہ یہ سب لوگوں کے لیے یکساں معاشی قوت کا ذریعہ ہوں (فوجوں میں زمین تقسیم کر دینے سے انہیں میں سمت کر رہ جائے گی)۔“

## حضرت معاذؓ کی تائیدی تقریر

”اگر آپ نے زمینیں تقسیم کر دیں تو نہ خیر زمینوں کے بڑے بڑے ٹکڑے فوج میں بٹ جائیں گے، پھر ان کے مرنے کے بعد کسی کی وارث کوئی وحدت ہوگی اور کسی کا وارث کوئی دیکھلا مر ہوگا۔ اس کے علاوہ سرحدوں کی حفاظت اور فوجوں کی کفالت کے لیے حکومت کے پاس کچھ نہ رہ جائے گا۔ اسی لیے آپ کو نہ کام کرنا چاہیے جس میں آج کے لوگوں کے لیے فائدہ و سہولت ہو اور بعد والوں کے لیے بھاری ہو۔“

## مخالفت میں حضرت بلالؓ و حضرت عبدالرحمنؓ کی تقریر

”جو مال اللہ نے ہمیں غلبہ سے عطا فرمایا ہے وہ ہم لوگوں میں تقسیم ہونا چاہیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر تقسیم کر دیا تھا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ جو لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں ان کے بیٹوں اور پوتوں کے خیال سے ہماری حق تلفی کی جائے۔ ہم اپنی اولاد کے لیے ہیں اور بعد والے اپنی اولاد کے لیے ہوں گے۔“

یہاں تاہم انصار کی اس پہلی میٹنگ میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے دوبارہ مجلس شوریٰ طلب کی۔ اس میں انصار کے دس معزز آدمیوں کو بھی بلا بھیجا اور سب کو جمع کر کے حضرت عمرؓ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

”میں نے آپ حضرات کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ جس بار امانت کو آپ لوگوں نے میرے سر پر رکھا ہے اس میں میرے شریک نہ بنیں۔ اس وقت مجلس میں میری حیثیت

خلیفہ کی نہیں بلکہ آپ میں کے ایک فرد کی ہے۔ ہر شخص کو اپنی رائے پیش کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اس معاملہ میں پہلے مشورہ ہو چکا ہے۔ کچھ لوگوں نے میری مخالفت کی ہے اور کچھ موافقت کی ہے۔

”میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری مرضی کی اتباع کریں اور حقیقی بات چھوڑ دیں، میں تو حقیقی بات ہی کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، جس طرح میرے پاس اکثر کتاب ہے، ویسے ہی آپ کے پاس ہے جو ناظرین بالحق ہے اس کو سامنے رکھ کر مجھے جواب دیجئے، جو کچھ اس میں موجود ہے اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے۔“

”کیا آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں نہیں سنیں جو اس معاملے میں مجھے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ شاید ان کا خیال ہے کہ میں حق تعالیٰ کی آچاہتا ہوں حالانکہ کسی فرد کی بھی حق تعالیٰ کرنا میرے نزدیک صریح ظلم ہے۔“ معاذ اللہ ”خدا شاہد ہے کہ میں نے کبھی کسی معاملہ میں ان پر ظلم کیا ہو، یا ادب کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ ہو، یہ بات ضرور ہے کہ کسریٰ کی زمین (عراق و شام) فتح ہونے کے بعد اور گولن سی زمین رہ گئی ہے کہ جس کا آمدنی سے خلافت کا انتظام سمجھا لاجا سکے گا۔ محض اکثر کا فضل و کرم ہے کہ اس نے کسریٰ کے اموال، زمین، عمارت اور جہاں کش کام کرنے والوں پر ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے۔“

”یہ لوگ (مخالفین) خود شاہد ہیں کہ اموال منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کر دیے، خمس (پانچواں حصہ) بھی اس کے مناسب موقع پر صرف کر دیا ہے۔ اب زمین (عمارات وغیرہ منقولہ) باقی رہ گئی ہے۔ اس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ آتش پرست مالکوں ہاکی کے پاس رہنے دوں، زمین پر ٹیکس (خراج) اور مالکوں پر مال و جان کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) مقرر کروں تاکہ یہ سب آمدنی اجتماعی مفاد کے کام میں لائی جاسکے اور اس کے ذریعہ فوجیوں کی تنخواہوں نیز موجودہ دہکے لوگوں کا ہندوبست کیا جاسکے۔ آپ حضرات غور کیجئے۔ کیا یہ مالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے؟ کیا جزیرہ، کوہ، بصرہ، عراق، شام، مصر وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی حفاظت کے لیے فوجی عہدانیوں کی ضرورت نہ پڑے گی؟ آخر فوجیوں

کی خواہیں، ان کے بھٹے اور دیگر تمام لوگوں کے وظیفوں کی رقم کہاں سے آئے گی؟  
حضرت عمرؓ نے تقریر کے درمیان آیات ”نے“ سے استدلال کیا تھا اور اندازاً استدلال یہ تھا  
کہ دشمن سے حاصل کیے ہوئے مال میں صرف فوجیوں کا حق نہیں مذکور ہے بلکہ اس میں سب لوگوں  
کو شریک کیا گیا ہے، اس بنا پر آراضی کی تنظیم و تقسیم میں خلافت کے اختیارات وسیع ہیں۔  
وہ اُنہیں یہ ہیں۔

انتر تعالیٰ نے جو نئے بستی والوں سے  
اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے وہ انتر رسولؐ  
کے لیے اور اقربا و یتیم مسکین اور مسافر کے لیے  
ہے تاکہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان  
ہی سمٹ کر نہ رہ جائے اور جو کچھ رسولؐ تمہیں  
دیں اس کو لے لو اور جس سے وہ منع کریں  
نہ دیں اس کو چھوڑ دو اور انتر سے ڈرو۔  
بے شک انتر کا عذاب سخت ہے۔ وہ مال ان  
مفسد مہاجرین کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں  
اور اموال سے نکالے ہوئے انتر کا فضل اور  
اس کی رضا مندی ڈھونڈنے کے لیے اور انتر  
در رسول (دین) کی مدد کرنے کے لیے تہلے  
پاس آئے ہیں۔ وہی لوگ سچے ہیں اور ان  
لوگوں کے لیے بھی ہے جو اس گھر مدینہ میں  
ایمان کی حالت میں مہاجرین سے پہلے  
سے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ لوگ ان مہاجرین  
سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے آنے اور ان کی  
خاطر تواضع کرنے سے اپنے دلوں میں نگہ نہیں

مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ  
الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي  
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ  
وَأِنَّ السَّيْلَ كُنَى لَا يَكُونُ دَوْلَةً  
بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا  
آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا  
نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا  
اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ  
لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ  
أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالُهُمْ  
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا  
وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ  
هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا  
الدِّينَ أَرْوَاحَ الْإِيمَانِ مِنْ قَبْلِهِمْ  
يُجَاهِدُونَ مِنْ هَاجِرٍ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوا  
فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا  
وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ  
كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ

شَمَّ نَفْسِهِ قَالَتْ هُمْ الْمَغْلُوبُونَ  
وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ  
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ  
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ  
فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا  
رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ  
(سورہ حشر: ۱۰)

محسوس کرتے ہیں اور اپنی جانوں پر انکو محسوس  
رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان پر فائدہ بھی کی نسبت آگے  
اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان کے بعد  
کہتے ہوئے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمیں بخش  
دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو  
ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں  
میں مومنوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ دے  
ہمارے رب آپ ہی نرمی کرنے والے اور  
مہربان ہیں۔

شورائی میں حضرت عمرؓ کی اس بصیرت افروز تقریر اور استدلال کے انداز نے مجرموں پر ہنر و آلاؤ  
ان الفاظ میں تائید کی گئی۔

فَقَالُوا جَمِيعًا الرَّأْيُ رَأْيُكَ  
فَنِعْمَ مَا قُلْتَ وَمَا رَأَيْتَ  
لوگوں نے کہا کہ آپ کی رائے اس معاملہ میں  
درست ہے۔ جو آپ کہہ رہے ہیں اور دیکھ  
رہے ہیں وہی ٹھیک ہے۔

(۲) حالات کے لحاظ سے مسلمانوں کو زمین و جائیداد رکھنے سے قانونا منع کر دیا جب کہ اس سے  
پہلے برابر ان کے پاس زمینیں رہتی ہیں اور ”امین“ کی حیثیت سے وہ جائیدادوں پر قابض رہے۔  
علامہ طنطاوی جو ہری کہتے ہیں۔

فلما كثرت الاموال في ايام  
عمر و وضع الديوان فريض  
الرواتب للعمال والقضاة  
ومنع اذخار المال وجرم على  
المسلمين اقتناع الضياع  
والزراعة والمزايعة لان  
حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب مال  
زیادہ ہو گیا اور دفاتر قائم کیے گئے تو لوگوں  
کے وظیفے مقرر ہوئے۔ عاملوں اور قاضیوں  
کی تنخواہیں مقرر ہوئیں نیز سرمایہ جمع کرنے،  
زمین رکھنے، کاشتکاری کرنے اور دوسروں  
سے کرانے سے روک دیا گیا۔ یہ سب کچھ ان



ارزاقہم و ارزاق عیالہم تدفع لہم من بیت المال لہ  
 لے ہوا کہ لوگوں کے بال بچوں تک کے وظیفہ  
 سرکاری خزانہ سے مقرر کر دیے گئے تھے۔  
 ممانعت کے اس قانون نے یہاں تک ترقی پائی کہ  
 ”اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا تو اس کی جائیداد (غیر منقولہ) ضبط کر کے مسیٰ کے  
 غریب مسکین میں تقسیم کر دی جاتی اور اس کو مسلم کا سرکاری خزانہ سے وظیفہ مقرر  
 کر دیا جاتا تھا۔“

(۳) ریاست کی طرف سے دی ہوئی زمینیں واپس لے لیں۔ چنانچہ خالصہ زمین کا کچھ حصہ  
 قوم بھیلہ کو دیدیا تھا۔ دس سال تک ان لوگوں نے زمین کو اپنے قبضہ میں رکھا لیکن بعد میں متغزو  
 حاکم کے پیش نظر اس کو واپس لے لیا۔  
 قیس بن حازم کہتے ہیں۔

”جنگ قادسیہ (ایرانیوں سے ہوئی تھی) میں شام ہونے والے لوگوں میں قوم  
 بھیلہ کے لوگ چوتھے تھے حضرت عمرؓ نے ”سواد“ کا چوتھا حصہ انھیں دیدیا۔ دو مین سال  
 تک یہ زمین ان کے قبضہ میں رہی۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے اس قبیلہ کے چند افراد (عمار  
 بن یاسر اور جریرؓ وغیرہ) حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے کہا کہ آپ لوگ  
 اس زمین کو مفاد خلق کے لیے خلافت کے حوالہ کر دیجئے۔ اُن لوگوں نے حکم کی تعمیل کی اور  
 زمین خلافت کے حوالہ کر دی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے جریرؓ کو اتنی  
 دینار عطا فرمائے۔ جب واپسی کی خبر قوم بھیلہ کی ایک عورت ”ام کرزہ“ کو ہوئی تو اس نے  
 اپنے حصہ کی زمین واپس کرنے میں پس دیش کیا اور عمرؓ کے پاس آکر عرض کیا۔

یا امیر المؤمنین ان ابی ہلک و اے امیر المؤمنین میرے والد فوت ہو  
 مسمہ ثابت فی السواد وانی لم گئے ہیں۔ سواد کی زمین میں ان کا بھی حصہ  
 (اسلم فقال لہا یا ام کرزان قومک تھا جو ترکہ میں مجھے ملے) میں اس

قد صنعوا ما قد علمت وقالت  
ان كانوا قد صنعوا ما صنعوا  
فانی لست اسلم حتی تخلی علی  
ناقة ذلول علیها قطیعة حمراء  
وتملأ کفی ذهباً قال ففعل  
عمر ذلك فكانت الدینار  
لخوا من ثمانین ۛ

ہرگز نہ واپس کر دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ  
”اے ام کرز“ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم  
نے بلاچوں و چرا زمین واپس کر دی ہے  
ام کرز نے جواب دیا کہ مجھے اس سے کوئی  
بھٹے نہیں ہیں تو اس وقت تک نہ واپس  
کر دیں گی جب تک آپ مجھے ایک فرما نہ دیں  
اور میں نہ دیں جس پر سرخ رنگ کی گھم چادر  
پڑی ہو اور زرد مال سے میرا ہاتھ نہ بھریں۔  
حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا۔ اور جو نقدی  
آپ نے ”ام کرز“ کو دی وہ تقریباً اسٹی  
دینار تھی۔

اس واقعہ کی مزید تفصیل کے لیے راقم کی کتاب ”اسلام کا زرعی نظام“ دیکھنا چاہیے۔  
(۴) مفاد عامہ کے پیش نظر بلال بن عمارت سے پوری وادی عقیق یہ کہہ کر واپس لے لی کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے نہیں دیا تھا کہ نہ خود آباد کر دوں اور نہ دوسروں کو آباد کرنے دو  
جتنی زمین آباد کر سکتے ہو اپنے پاس رکھو اور بقیہ خلافت کے حوالہ کر دو۔ یہ سن کر بلالؓ نے کہا کہ میں  
رسول اللہ کی دی ہوئی زمین کبھی نہ واپس کر دیں گا۔ خواہ اسے میں آباد کر دیں یا نہ کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے  
واپسی پر اصرار کیا اور بالآخر آباد شدہ حصہ چھوڑ کر بقیہ زمین لے لی۔  
(۵) رسول اللہؐ نے ایک اور شخص کو زمین دی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے زمین کے آباد شدہ  
حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی۔

۱۔ کتاب الاموال صفحہ ۵۹۰ و کتاب الخراج لابن یوسف صفحہ ۲۶۵ باب ما عمل بہ فی السواد کتاب الخراج لیجی  
بن آدم قریشی جز ثانی صفحہ ۲۱۳ احکام القرآن للجصاص ج ۱ سورۃ حشر صفحہ ۲۳۳  
۲۔ کتاب الاموال صفحہ ۲۱۳ و کتاب الخراج لیجی جز ثانی صفحہ ۹۳ سے الخراج لیجی صفحہ ۵۷

(۶) اہل مدینہ کی چراگاہ کو ان کی مرضی کے بغیر سرکاری تنجیل میں لے کر اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا۔ چنانچہ ایک بدوی نے آکر حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا۔

یا اصبر المؤمنین بلاءنا قلنا علیہا  
فی الجاہلیۃ واسلمنا علیہا فی  
الاسلام تخلفی علینا  
یہ سن کہ حضرت عمرؓ غصہ میں بھر گئے۔

فجعل عمر ینفخ ویقتل مشاربہ  
دارقطنی کی روایت ہے کہ بدوی کے زیادہ اصرار پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

المال مال اللہ والعباد عباد اللہ  
میں ایمان نہ کر دلوں گا (اپس نہ کر دوں گا)

(۷) ضحاک بن خلیفہ کو آبپاشی کے لیے محمد بن مسلمہ سے ان کی مرضی کے بغیر پانی لے جانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔

لولہ احد للماء سبیلہ الاعلی  
بطناک لا جبریتہ  
پانی لے جانے کے لیے اگر تیرے پیٹ کے سوا  
ادھر کوئی راستہ نہ ملے گا تو تیرے پیٹ کے  
ادھر سے پانی گزاردوں گا۔

(۸) زکوٰۃ کے سلسلہ میں درج ذیل انتظام کیے۔  
(الف) زیون پر زکوٰۃ (عشر) مقرر کیا جس کے شام اور جوڑے میں بہتے بارغ تھے۔  
عشرہ عمر بن الخطاب بالشام  
”شام“ میں زیون پر عشر مقرر کیا۔  
دوسری جگہ ہے۔

ان عمر بن الخطاب اخذ من الزیتون  
الصدقة اخشہ  
حضرت عمرؓ نے زیون سے صدقہ وصول کیا۔

۱۔ بخاری ج ۱ باب اذا سلم قوم فی دار ۴۳ ۲۔ فتح الباری ج ۲ باب اذا سلم فی دار ۱۲۳  
۳۔ الخراج للیحیی ص ۱۱۱ کہ کتاب الاہوال دہاشیہ ص ۵۵ ۴۔ احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۲ طلب فی الوفاء ص ۱۱۱

دب تا لیف قلب کی مڑ کو یہ کہہ کر ختم کر دیا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کان یتألفکمما والاسلام یومئذ  
قلیل وان اللہ قد اغنی الاسلام  
اذہبا فاجہد اجمہد کما لہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں (دو صحابی)  
کی اس وقت تالیف کیا کرتے تھے جبکہ اسلام کم  
تھا اور مسلمان تعداد میں کم تھے۔ اب اللہ نے  
اسلام کو غنی کر دیا تم لوگ جاؤ اور اپنی دالی بخت

کر دو۔

(ج) بعض حالات میں زکوٰۃ کے مصروف کو ایک ہی قسم یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں محدود کیا۔  
انہ کان یاخذ الغرض فی الصدقة  
ویجلبہا فی صنف واحد ۴

ایک ہی جہاد میں صرف کرتے تھے۔

(۹) ریاست کی آمدنی بڑھانے کے لیے نئے ٹیکس لگائے۔ مثلاً

(الف) تجارتی ٹیکس لگائے جن کی شرح حربیوں کے لیے دس فیصد، ذبیوں کے لیے پانچ فیصد،  
اور مسلمانوں کے لیے ڈھائی فیصد تھی۔ (حربی جس قدر مسلمان تاجر سے دارالحرب میں وصول کرتے تھے۔  
اسی قدر مسلمان، حربی تاجر سے دارالاسلام میں وصول کرتے تھے)

زیاد بن جدیر پہلے شخص ہیں جن کو عراق و شام میں اس اہم کام کے لیے مقرر کیا۔

ان اول من بعث عمر بن الخطاب  
علی العترة ھمنا انا۔

میں پہلا شخص ہوں جن کو عمر نے اس جگہ  
عشور پر مقرر کیا۔

زیاد بن جدیر کو یہ حکم تھا کہ

خلافتش احداً و مامراً علی من

شیئاً اخذت من حساب ۵

میں کسی کی تلاشی نہ لوں جو کچھ میرے سامنے

سے گزرے، اس سے حساب کے مطابق نہ لوں۔

(ب) دریا کی پیدادار (عنبر وغیرہ) پر ٹیکس لگایا اور یعلیٰ بن اُمیہ کو تحصیل مقرر کیا۔

استعمل یعلیٰ بن امیۃ علی الجعفیہ یعلیٰ ابن امیہ کو دریا پر عامل مقرر کیا۔

دج، خراج مقرر کیا اور اس میں رومی و ایرانی دنیا سے زیادہ استفادہ کیا۔

(۱۰) مہیار زندگی پر پابندی لگائی اور روزانہ گوشت کھانے سے لوگوں کو روک دیا۔ چنانچہ زنج خانہ خود تشریف لے جاتے اور جس کو دودن ٹھوکر گوشت خریدتے دیکھتے دوتے سے سزا دیتے تھے۔

فاذا ارای رجلاً اشتری لحمًا یومئیں جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ مسلسل دو دن گوشت خریدتا

متتابعین ضربہ بالدرۃ تہ رہا ہے تو اس کو درے سے مارتے

اور یہ فرماتے تھے۔

الاطویت بطنک لجارک وابن نے اپنے پڑوسی اور چچے بھائی کے لیے

عماش تہ کیوں کفایت نہیں کی۔

(۱۱) مستقل ذریعہ آمدنی بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ خالد بنی نے ”قادر سیہ“ کے عطایا و ذلالت دیکھ کر کہا کہ بعض لوگوں کے اخراجات زیادہ نہیں ہیں، کھانے والے افراد بھی کم ہیں۔ ایسی حالت میں زیادہ دینے سے فضول خرچی کے جذبات ابھرنے کا اندیشہ ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

”جب ان لوگوں کو سرکاری عطایا ملیں تو کچھ بھٹیں خرید لیں اور ان کی پردوش کہ تہ میں پھر مزید

عطایا ملنے پر اور بھٹیں خرید لیں۔ اس طرح ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ممکن ہے میرے

بعد کے حکمران اس نظام کو قائم نہ رکھ سکیں۔ اگر یہ ذریعہ آمدنی باقی رہے گا تو طرحوں کے کام آئیگا۔

اور لوگ اس کے سہارے اپنی زندگی گزار سکیں گے۔

خالد یہ جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں اس کے مخاطب دوز نزدیک کے سب لوگ ہیں۔ جو شخص

بالکل آخری سرحد پر بیٹھا ہوا ہے وہ بھی میری ذمہ داری میں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ ”جو حکمران اپنی رعایا کی خبر گیری سے غافل رہتا ہے اس کو فردوس کی ٹوٹک نہ آئیگی۔“

(۱۲) وارد و صادر کے لیے سرکاری انتظام کیا چنانچہ خاص اس مقصد کے لیے مال بگودام

لے احکام السلطانیہ لیاوردی ص ۳۳ و کتاب الخط للقریزی ص ۳۳ تہ تاریخ عملا ابن الجوزی الباب الثانی و الشیخ

ص ۳۳ تہ ایضاً ص ۳۳ ابو یوسف دقاق و دارعواں باب

بنا یا جس میں ضرورت کی مختلف چیزیں رہتی تھیں۔

فجعل فیہا الدقیق والسویق والتمر  
والزبيب وما یحتاج الیہ یعین بہ  
المنقطع بہ والضعیف لہ

(۱۳) مسلمان۔ اماموں اور مؤذنون کی تنخواہیں مقرر کیں۔

ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانیا  
یرزقان للمزینین والائتہ والمعلین والقضاۃ  
کو تنخواہیں دیتے تھے۔

(۱۴) ہر شخص کو خود کفیل بننے کا حکم دیا۔ اور خاص طور سے مذہبی رہنماؤں کو دوسروں کے لیے یہ  
بننے سے منع کیا۔ چنانچہ فرمایا

یا معشر القراء ارفعوا رؤوسکم  
فقد وضح الطريق واستبقوا  
الحیارات ولا تکنوا عیالا علی  
المسلمین

(۱۵) آپ کو نچلے طبقہ کے وظیفہ (تنخواہوں) کی کمی کا شدید احساس تھا اور فرمایا کرتے تھے۔

لئن عشت لا جعلن عطاء  
سفلة الناس الفین  
اگر میں زندہ رہا تو نچلے طبقہ کے لوگوں کی  
تنخواہ دو ہزار دہم سالانہ (ایک درہم  
تقریباً چار آنہ کے برابر) مقرر کر دوں گا

دوسری جگہ ہے۔

لئن عشت حتی یکثر المال لا جعلن  
عطاء الرجل المسلم ثلاثة آلاف دن  
اگر میں زندہ رہا اور مال زیادہ ہو گیا تو ایک  
مسلمان مرد کا وظیفہ تین ہزار مقرر کر دوں گا۔

۱۔ تاریخ عمر ابن الجوزی الباب الثلاثون ۲۔ تاریخ عمر ابن الجوزی الباب ثلاثون ۳۔ ایضاً الباب ستون

۴۔ ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۴۲

لكراعه وسلاحه والى نفقة له

والى نفقة لاهله

(۱۶) راشن "کانظم قائم کیا تھا جس کی مقدار میں کوئی تقاضات نہ تھا۔

فكان يوزق الناس والرجل والمرءة

والملوك جبريبن كل

شهر وقسطي خل وقسطي زيت

جریب تقریباً ساڑھے بائیس سیر اور قسط پونے دو سیر کا ہوتا ہے۔

راشن کی مقدار مقرر کرنے کی یہ شکل تجویز کی کہ ایک دن ساٹھ آدمیوں کو بلا کر کھانا کھلایا جیسے دو جریب

کی مقدار کا ذخیرہ ہو اور تقریباً سیر کی مقدار سرکہ اور روغن زیتون خرچ ہوا۔ اس کے بعد ہر شخص کے

ساٹھ وقت (ایک ماہ کا غلہ دو جریب (ایک من سیر کی مقدار) اور ساڑھے تین سیر سرکہ اور روغن

زیتون مقرر کیا۔

(۱۷) قحط کے زمانہ میں ہر گھر کے افراد کے برابر ضرورت مندوں کو شریک کرنے کا خیال ظاہر کیا انھم

کھا کر فرمایا۔

فوالله لو ان الله ما يفرجها

ما تركت باهل بيت من المسلمين

لهم سعة الا دخلت معهم اعداءهم

من الفقراء فلم يكن اثنان يهلكان

على ما يقيم واحداً

ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ اسلام کی معاشی تنظیم میں حالات کے لحاظ سے کس قدر دعوت ہے

# اوزنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار

(اَرَزْدَاکُ الرَّحْمٰنِ اَسْلَمَ - اَمْتَاذُ تَابِیْعِ - پَنجَابِ یُونِیُو رَسْتِی - کَلاہُو سَ)

شاہجہاں کی تخت نشینی کے لیے اُس کے بیٹوں میں جنگ ناگزیر تھی اس لیے وہ حصول تخت کے لیے علماء اور عوام کی حمایت حاصل کرنے میں کوشاں تھے۔ تخت نشینی کے لیے جنگ اوزنگ زیب اور داراشکوہ کے درمیان نہ تھی بلکہ اصل معرکہ راسخ العقیہہ اور آزاد خیال مسلمانوں، شریعت اور آزاد لوگوں، وحدت المشورہ اور وحدت الوجود، پابند شریعت نقش بندیوں اور حضرت مجدد الہ ثانیؑ اور ہرے رام کے نظریات کے درمیان تھا۔ اگر اوزنگ زیب اول الذکر گروہوں کا ٹھکانہ تھا تو داراشکوہ مؤخر الذکر گروہوں کا علمبردار تھا۔ مابو گروہ کی جنگ حصول تخت کے لیے نہیں بلکہ ہندوستان کے آئندہ شہنشاہ کی نئی حکمت عملی کا فیصلہ کرنے کے لیے لڑی گئی تھی۔

اوزنگ زیب کے سوانح نگار ظہیر الدین فاروقی کے خیال میں ہندو اکبر بیا بادشاہ تخت پر دیکھنا چاہتے تھے اور مسلمان اس کو شمش میں تھے کہ وہ کسی طرح ایسے حالات سے دوچار ہونے سے بچ جائیں۔

اس لیے فطری طور پر ہندوؤں نے داراشکوہ کی حمایت کی اور راسخ العقیہہ مسلمانوں نے



اوزنگ زیب کا ساتھ دیا کیونکہ وہ راسخ العقیدہ اور بابر شریعت مسلمان تھا۔ مشہور مشرقی لعینا پول رنٹراؤ  
 ہے کہ اسلام کی خدمت کے لیے اوزنگ زیب بڑا متشدد اور سخت گیر نظر آتا ہے۔ اس نے بڑی سختی اور جرات  
 کے ساتھ اگر ایک طرف اکبر اور داراشکوہ کے وحدت الوجودی نظریات کے خلاف ردِ عمل شروع کیا تو  
 دوسری طرف جہانگیر کی نادر و نوش اور شاہجہاں کی عیش و نوش پالیسی کے خلاف جنگ لڑی۔ جب داراشکوہ  
 کے کھردہ اتحاد کی خبریں عوام کے کانوں تک پہنچیں تو قدرتی طور پر اس کا فائدہ اوزنگ زیب کو پہنچا۔  
 ڈاکٹر ثقیان حین قریشی لکھتے ہیں کہ داراشکوہ میں ایسے آثار نظر آتے تھے کہ وہ بڑے کردوسرا اکبر  
 ثابت ہو گا۔ اسے دلی عہدِ سلطنت سمجھا جاتا تھا اور امور سلطنت میں اسے اتنا دخل تھا کہ راسخ العقیدہ  
 گردہ کی اکثر کوششیں اس کی وجہ سے کالعدم ہو جاتی تھیں۔ اس لیے وہ لوگ جو راسخ الاعتقادی کے  
 مخالف تھے اپنے آپ کو محفوظ محسوس کر سکتے تھے اور یہ امید بھی کر سکتے تھے کہ آئندہ کسی زمانے میں حکومت  
 میں ان کا اتنا اہتمام ہو جائیگا۔ راسخ الاعتقاد طبقہ کی امیدیں اوزنگ زیب پر مرکوز تھیں جو اپنے عہدِ اُرد  
 و حال میں نہ صرف راسخ الاعتقاد تھا بلکہ زاہد متقی بھی تھا۔ اس کی پارسائی اور اس کے کردار میں وہ  
 تمام خوبیاں موجود تھیں جو راسخ الاعتقادی کے خیر خواہوں کو اس کے گرد جمع کرنے کے لیے ضروری  
 ہو سکتی تھیں۔ شاہجہاں کے وزیرِ اعظم نواب سعد اللہ خاں نے بھی اوزنگ زیب کی حمایت پر کمر باندھی  
 اور متعدد بار اس نے بھرے دربار میں اوزنگ زیب کی حمایت کی اور اس وجہ سے اس نے داراشکوہ  
 کی ناراضگی مول لی جب نواب موصوت نے اچانک وفات پائی تو بعض لوگوں نے داراشکوہ پر زہر  
 خورانی کا الزام بھی لگایا۔ شاہجہاں کے راسخ العقیدہ درباری امراء نے بھی داراشکوہ کے مقابلہ  
 میں اوزنگ زیب کی حمایت کی۔

اوزنگ زیب حضرت امام ربانی مجددِ اَلعَت ثانی کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرسندی  
 رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا معتقد تھا۔ ان کے علاوہ وہ ان کے بھائیوں اور بیٹوں کا بھی بڑا لحاظ کرتا تھا۔

۱۔ لعین پول۔ اٹلانٹک۔ لے شارٹ ہسٹری آف انڈیا ان دی ڈیل ایجز۔ مطبوعہ ممبئی ۱۹۱۴ء۔ ص ۱۱۱۔ ۵۲ ایضاً

۲۔ قریشی، اشتیاق حین۔ برِ عظیم پاک و ہند کی قوتِ اسلامیہ۔ مطبوعہ راجہ ۱۹۶۷ء۔ ص ۲۰۵

۳۔ فاروقی، اوزنگ زیب اینڈ ہیز ٹائمز، ص ۶

۴۔ ۱۔ صفحہ ۱۱۱۔ گلپنسن آف ڈیول انڈین کلچر۔ مطبوعہ ممبئی ۱۹۵۴ء۔ ص ۵۹۔ ۱۱ مفتی غلام سرور غفریہ لاہور

جلد اول مطبوعہ مکان پورہ ۱۹۶۰ء۔ ص ۶۲۰۔

اورنگ زیب کی تخت نشینی کے فوراً بعد خواجہ محمد معصومؒ اور ان کے برادر بزرگ حضرت محمد سعیدؒ شاہی دربار میں باریاب ہوئے۔ اورنگ زیب نے تین سو طلائی مہر میں پیش کیں۔ اس کے بعد بھی اورنگ زیب نے متعدد موقعوں پر خواجہ صاحب کو اپنے دربار میں بلایا اور ہر بار ان سے بڑی عقیدت سے پیش آیا۔ یہ ان کے صاحبزادوں کی بھی شاہی دربار میں بڑی عزت کی بات تھی۔ <sup>۱</sup> مرآۃ العالم کے مصنف کے بیان کے مطابق اورنگ زیب نے اپنے چوتھے سال جلوس میں حضرت محمد سعیدؒ کو شاہی دربار میں بلایا اور ان کی بڑی تکریم کی۔ ان کی باریابی کے بعد ان کے صاحب زادہ شیخ عبدالاحدؒ اور شیخ محمد فرخؒ اورنگ زیب سے ملے اور رخصت کے وقت بادشاہ نے ان کی خدمت میں بڑے تحائف پیش کیے۔ <sup>۲</sup> حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے چھوٹے صاحب زادے شیخ محمد یحییٰ سے بھی اورنگ زیب کی اکثر ملاقات رہتی تھی اور ہمیشہ انھیں نقد اور تحائف دیا کرتا تھا۔ <sup>۳</sup>

اورنگ زیب دہلی سے لاہور جاتے اور واپس آتے وقت، سرہند میں خواجہ محمد معصومؒ اور خاندان مجددؒ کے دیگر افراد سے ملا کرتا تھا۔ عہد عالمگیر کے ایک ہندو مودخ اشیر داس نے اورنگ زیب کے اٹھارویں سال جلوس کے واقعات میں خانقاہ مجددیہ کے قریب نوکھا باغ میں بادشاہ کے قیام کا ذکر کیا ہے۔ اورنگ زیب نے خواجہ محمد معصوم سے متعدد بار استدعا کی کہ وہ سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا کریں لیکن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کی نصیحت کے مطابق بادشاہ کے ساتھ رہنا پسند نہیں فرمایا۔ <sup>۴</sup>

۱۔ ابو الفتح، آداب عالمگیری، تلخیص اندیا آفس لاہوری لندن۔ ایٹھے، ۳۱، درق ب ۴۳۱۔ ۱۱۔ محمد کاظم عالمگیر نامہ مطبوعہ مکتبہ، ۲۹۳۔

۲۔ محمد بقا، مرآۃ العالم، مخطوطہ اندیا آفس لاہوری لندن۔ ایٹھے ۱۲۴، درق ب ۵۴۵۔ ۳۔ ایضاً ۵۵۵۔ ایضاً ۵۵۵۔

۴۔ اشیر داس، فتوحات عالمگیری، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن۔ ایڈیشن ۲۳۸۸۴، درق ۲، الف۔

۵۔ مفتی غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۶۴۔ ۱۱۔ محمد مراد، مناقب المحضرات، مخطوطہ اندیا آفس لاہوری لندن۔ ایٹھے ۶۵۲، درق ۱، الف۔

آپ نے اپنی جگہ اپنے فرزند نجم حضرت سیف الدینؒ کو دہلی بھیج دیا، جہاں وہ بقول محمد راقی مستعد خاں قلعہ کے اندر شاہی محل کے جوار میں رہنے لگے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بادشاہ کا دربار سلطنت سے فارغ ہو کر رات گئے سب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا۔ آثار عالمگیری میں ایسی ایک صحبت کی تفصیل درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب حضرت سیف الدین سے توجہ لینے کے علاوہ ان کی نگرانی میں منازل سلوک بھی طے کیا کرتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ نے سلوک کی کئی منازل طے کر لیں۔ حضرت سیف الدین نے اپنے والد محرم کے نام ایک خط میں بڑی سترت کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں

بادشاہ دیں پناہ و در خدمت حضرت اخلاص بنوع دیگر است از ذکر لطافت و ذکر سلطانی گزشتہ بزرگ نفعی و اثبات مقید است و ظاہری سازد کہ بعضے اوقات خطرہ مطلقاً نمی آید و گاہے کمی آید استغفار نمی کرد ازین راہ خیلہ محفوظ است و می گوید کہ پیش ازین من الذہبوم خواطر دل تنگ بودم و شکر اس نعمت بجای آوردی

حضرت سیف الدین کے خط کے جواب میں خواجہ محمد مصوم نے جو خط تحریر فرمایا تھا وہ ان کے مکتوبات میں موجود ہے۔ خواجہ صاحب نے اپنے مکتوب میں خدا کا شکر ادا کیا ہے جس نے بادشاہ کو روحانی مراتب عطا فرمائے ہیں۔ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو فائے قلبی کا مقام حاصل ہو چکا تھا جو ولایت میں ایک اعلیٰ مقام سمجھا جاتا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے بارہویں سال جلوس میں اپنے بیٹے اعظم کی جو شادی کی اس تقریب میں جو علماء و شائخ موجود تھے ان میں حضرت سیف الدین کا نام نامی بھی شامل ہے۔ اورنگ زیب کے دل میں حضرت سیف الدین کے برادر بزرگ اور خواجہ محمد مصوم کے جانشین خواجہ محمد نقشبندؒ کی بڑی عزت تھی۔ سن ۹۷۰ھ میں آپ بادشاہ کے ساتھ موجود تھے۔ خواجہ

۱۰ محمد راقی مستعد خاں، آثار عالمگیری مطبوعہ مکتبہ سنہ ۱۲۸۵ھ ص ۸۲ ۱۱ ایضاً

۱۲ مکتوبات سیغیہ مطبوعہ سعید آرٹ پریس حیدرآباد مکتوب نمبر ۸ ص

۱۳ مکتوبات خواجہ محمد مصوم (اردو ترجمہ) مطبوعہ مکتبہ سنہ ۱۳۷۱ھ مکتوب ۳۳ ص ۲۸۱، ۲۸۰

۱۴ محمد راقی مستعد خاں، آثار عالمگیری، ۸۰۰، ۱۱ ایضاً۔

محمد نقشبند کے مکتوبات وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول کے نام سے پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی سعی کاوش سے دو جلدوں میں ۱۹۶۳ء میں حیدرآباد سے شائع ہو چکے ہیں اس مجموعہ میں خواجہ موصوفہ کے کئی خطوط بادشاہ کے نام موجود ہیں جن سے ان کے باہمی تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں اوزنگ زیب کے حکم سے خواجہ موصوفہ کے صاحب زادہ محمد عمر کی شادی ابوالحسن تانا شاہ کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ اگر دفتہ العقیہ میر کی روایت پر اعتماد کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ خواجہ محمد مصوم کے صاحب زادے حضرت محمد اشرف اور محنتیہ شیخ سعد الدین اوزنگ زیب کے زمانہ شہزادگی میں اس کے ساتھ دکن میں مقیم تھے اور جب اوزنگ زیب دانا شکوہ کے مقابلہ پر نکلا تو شیخ محمد اشرف اس کی فوج میں موجود تھے۔

حضرت سیف الدین نے بادشاہ کے ساتھ رہ کر ترویجِ شریعت اور احیاءِ سنت کے لیے بڑا کام کیا۔ موصوفہ کے خطوط کا مجموعہ مکتوبات سیفیہ کے نام سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی محنت اور کوشش سے حیدرآباد سے طبع ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ میں بادشاہ کے نام حضرت سیف الدین کے دورِ جن کے قیصر مکتوبات موجود ہیں جن میں بادشاہ کی توجہ دفع بدعت اور احیاءِ سنت کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ موصوفہ کی انی خدمات کی بنا پر نقشبندی حلقوں میں آپ کو محی السنۃ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ میری ناقص رائے میں یہ خاندان مجددی ہی تھا جس نے اوزنگ زیب کو محی الدین بنایا۔

جیسا کہ سبھی جانتے ہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد ان کے تیسرے صاحب زادے خواجہ محمد مصوم ان کے جانشین ہوئے۔ آپ اپنی علمیت، تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے عوام میں بے حد مقبول تھے۔ اپنے والد کی طرح آپ بھی عمر بھر ترویجِ شریعت اور احیاءِ سنت کے لیے کوشاں رہے۔ آپ کی لپٹے مریدوں کو ہمیشہ ہی نصیحت ہوا کرتی تھی کہ وہ حتی الوسع سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ اپنے ایک مکتوب میں آپ اپنے ایک مخلص مرید مولانا محمد حنیف کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ

لے دینا ۱۰ کمال الدین محمد احماد، روضۃ البقیۃ، رکن دوم مطبوعہ لاہور ۱۲۲۵ھ ص ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳

ایک سوئی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کیے بغیر اپنے مقصود تک پہنچے۔ اسی طرح آپ اپنے ایک دوسرے مرید محمد صدیق کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اُسے قیامت کے دن سو شہیدوں کا ثواب دیا جائے گا۔ حضرت مجدد صاحب کی طرح خواجہ محمد معصوم نے بھی اپنے مکتوبات میں ترویجِ شریعت اور احیائے سنت پر بہت زور دیا ہے۔

جب داراشکوہ نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے دھبھی ظاہر کی اور ان کے ترجمہ اور نشر و اشاعت میں سرگرمی دکھانے کے علاوہ اس نے ہندوؤں کے کئی عقائد بھی اپنا لیے تو مذہبی طبقوں میں اس کے خلاف مدعمل پیدا ہوا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی تحریر فرماتے ہیں کہ داراشکوہ کے تحت نشین ہونے کی صورت میں ماسخ الاعتقاد گردہ کے لیے بہت خطرات درپیش تھے۔ کیونکہ اکبر کے آخری زمانے کے بعد سے اس گردہ کو جو کچھ کامیابی حاصل ہوئی تھی وہ سب طیامیٹ ہو جاتی، داراشکوہ ہندومت اور اسلام کے باہل ایک ہونے پر پکا عقیدہ رکھتا تھا اور اس نے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی تھیں۔ اگر داراشکوہ بادشاہ ہو جاتا تو اس میں اور اکبر میں خاص فرق یہ ہوتا کہ اکبر کا ماسخ تو رسمی تقسیم کے ذریعہ تربیت یافتہ نہیں تھا اور داراشکوہ ایک لائق و فاضل تھا۔ اس طرح وہ ماسخ الاعتقاد کی کے مفادات کو اور زیادہ نقصان پہنچا سکتا تھا۔ ہمارے خیال میں اس موقع پر ماسخ الاعتقاد مسلمان داراشکوہ کے اثر و رسوخ کو ختم کرنا اپنا فرض اولین سمجھنے لگے۔ انہی ایام میں خواجہ محمد معصومؒ اپنے ایک مرید حسن علیؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

برادر عزیز! آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان دنوں بدعات عام ہوتی جا رہی ہیں اور سنت پس پشت ڈالی جا رہی ہے۔ اس تاریک زمانے میں فوری اور اہم ترین کام علومِ شریعت کی تحصیل اور ان کی نشر و اشاعت ہے۔ اسی طرح ترویجِ شریعت اور احیاءِ سنت نبویؐ بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ علومِ شریعت کی نشر و اشاعت اور احیاءِ سنت کے لیے بڑے چڑھ کر کوشش کریں۔ اسی طرح اپنے

۱۰ ایضاً مکتوب نمبر ۲۲۔ ۱۱ ایضاً مکتوب نمبر ۲۲۔ ۱۲ بر عظیم پاک و ہند کی طبع الاسلامیہ مطبعہ کراچی ۱۳۳۵ھ ص ۲۰۵۔

۱۳ مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ (فارسی) مطبعہ کالجہ مدرسہ ۱۳۸۵ھ مکتوب نمبر

ایک مکتوب میں آپ مولانا جمال الدین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ پوری تندرستی سے ترویج شریعت اور احیاء سنت کے لیے کام کریں۔

ان امثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خواجہ محمد معصومؒ ترویج شریعت اور احیاء سنت کے لیے کشتہ کوشاں رہتے تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوریؒ کے قول کے مطابق آپ کے سات ہزار کے قریب غلام اور نو لاکھ کے قریب مرید سلطنت منلیہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے جو اپنے اپنے دائرہ اثر میں اپنے پیروں و شاگردوں کی تکمیل میں دل و جان سے لگے رہتے تھے۔ یہ خواجہ احمد اعظم دیکھ مریؒ کی روایت کے مطابق عالمگیری فوج میں بھی آپ کے غلام موجود تھے۔ مناقب انحضرات کی روایت کے مطابق سینکڑوں کی تعداد میں غنائین اور اُمراء آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے جو گاہے گاہے آپ سے ملتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں علماء اور طلباء کا ایک جم غفیر ہر اوقات آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔

معتبر روایت کے مطابق خواجہ محمد معصومؒ کے ۹ لاکھ کے قریب مرید تھے جن میں سے سات ہزار کو خرقہ خلافت عطا ہوا تھا۔ شیخ محمد بقادر قطراذہنؒ کہ عہد جاگیر میں ملک کے طول و عرض میں آپ کے بے شمار مرید پھیلے ہوئے تھے۔ منلیہ حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر بھی آپ کے مریدوں کی کافی بڑی تعداد تھی۔ جب آپ حج بیت اللہ کے لیے حجاز تشریف لے گئے تو وہاں بے شمار لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ علاوہ ازیں آپ نے محمد صدیق بخاریؒ کو خرقہ خلافت دے کر حرمین شریفین میں سلسلہ عالیہ کی ترویج کے لیے بھیجا تھا۔

خواجہ محمد معصومؒ اور شیخ آدم بنوریؒ کے مریدوں کی اس قدر تعداد باعث تعجب نہیں، صرف اتنی سی بات ذہن میں رکھنی کافی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات عام ہو رہی تھیں اور ان کا سلسلہ اندرون اور بیرون ملک اکاس بیل کی طرح پھیل رہا تھا۔ جن ایام میں ہندوستان کا شہنشاہ اپنے

۱۔ مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ (قدوسی، مکتوب نمبر ۱۷، ۱۸، خزینۃ الاسفیا، جلد اول ص ۶۳۔ ۵۳ تا ۱۰۳ کثیرہ تفسیر) ۲۔ مطبوعہ سری نگر ۱۳۵۷ھ ص ۱۶۲۔ ۳۔ محمد مراد، مناقب انحضرات (دایکوفیل منڈی) ورق ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶

دار الحکومت میں تخت طاؤس پر بیٹھ کر وسط ایشیا پر اپنا تسلط قائم رکھنے میں کامیاب رہا، سرمد اور ہندو کے بورین فشین غیر وسط ایشیا کے باشندوں کے دلوں پر حکومت کر رہے تھے۔ اس کا اندازہ خواجہ محمد مصوم سرمدی اور شیخ آدم ہندوی کے خلفاء کی فرستیں دیکھ کر گایا جاسکتا ہے۔ جن میں اکثر دہشت زام اور دارالمنہروں کے ہیں۔

اوزنگ زیب اپنے غفوان شباب ہی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے متاثر ہو چکا تھا۔ اور اس نے ان کے جانشین خواجہ محمد مصومؒ کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ زائد شہزادگی میں اس کی خط و کتابت اکثر خواجہ صاحب سے رہتی تھی۔ خواجہ صاحب کے مکتوبات میں ایسے مکتایب موجود ہیں جو "شہزادہ دیں پناہ" کے نام لکھے گئے تھے۔ جب خواجہ صاحب حج بیت اللہ کے ارادہ سے سورت روانہ ہوئے تو اوزنگ زیب ان دنوں دکن میں مقیم تھا۔ اُس نے اس موقع پر آپ کی ملاقات کو غنیمت جانا اور زبردعا ہو کر کے آپ سے ملنے آیا اور آپ کی دعائیں حاصل کیں۔ یہ مفتی غلام سرور لاہوری کی روایت کے مطابق آپ نے مدینہ منورہ میں روحہ رسولؐ پر اوزنگ زیب کی کامیابی کے لیے دعا کی تھی۔

"شہزادہ دیں پناہ" کے نام ایک مکتوب میں خواجہ صاحبؒ اسے جہاد شروع کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں ایک گھڑی کا جہاد حرم مکہ میں حجر اسود کے پاس لیلۃ اللہ کے قیام سے افضل ہے۔

جب اوزنگ زیب برہان پور سے فوج لے کر نکلا تو خواجہ صاحب نے اسے ایک خط ارسال کیا جس میں اسے دارالحکومت پر فوج کشی پر تحسین پیش کی، اسی مکتوب میں آپ اُسے حضور نبی اکرم صلی علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلاتے ہیں جس میں انھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدوں کو عظیم کی بشارت دی ہے۔ اس مکتوب سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ خواجہ محمد مصومؒ دارالکھو کے خلاف اوزنگ زیب کی یلغار کو محض تخت نشینی کے لیے شہزادہ کی جنگ نہیں بلکہ جہاد سمجھتے تھے۔

۱۔ مکتوبات خواجہ محمد مصومؒ (فارسی) مکتوب ۶۲ ص ۱۱۳۔ ۲۔ کمال الدین محمد احسان، روحۃ اللہ علیہ میز، دکن دوم ص ۱۰۰۔

۳۔ خزینۃ الاسفیاء، علیہ الدلائل ص ۶۴۔ ۴۔ مکتوبات خواجہ محمد مصومؒ (فارسی) مکتوب ۶۴ ص ۱۱۳۔ ۵۔

سردار بالائے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ داراشکوہ کے غلات فوج کشی میں حضرت مجدد العثمانیؒ کے خاندان اور ان کے عقیدت مندوں کی بہمدیاں اور نگ زیب کے ساتھ تھیں۔

داراشکوہ جسے اورنگ زیب رئیس الملاحہ، محمدناقبول اور محمدنوسیدہ خاں کہا کرتا تھا۔ کے مقابلہ پر نکلنے سے پہلے اورنگ زیب نے ایک ماہ برہان پور میں فوجی تیاریوں میں بسر کیا۔ یہ شہر ان دنوں مغلیہ سلطنت کے آباد ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا اور عوام اسے دارالسرد کہا کرتے تھے یہ شہر نقشبندیوں کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ حضرت مجدد العثمانیؒ نے اپنے خلیفہ اول میر محمد نعمان کو نقشبندیہ کی ترویج کے لیے برہان پور بھیجا تھا۔ میر صاحب ترک سکونت کر کے کبر آباد چلے گئے تو ان کی جگہ حضرت مجدد نے خواجہ محمد شام کشمی کو برہان پور بھیجا۔ خواجہ موصوف کے شہزادہ بے عالی مرتبہ کے ساتھ بڑے خوشگوار تعلقات تھے اور ان کی فرمائش پر آپ نے متعدد غزلیں کہی تھیں جو ان کے دیوان میں موجود ہیں۔ مجدد العثمانیؒ کے بعد یہ شہر خواجہ محمد معصومؒ کی توجہ کا بھی مرکز رہا اور آپ نے اپنے متعدد خلائاء کو عوام کے رشہ ہدایت کے لیے برہان پور بھجوا دیا۔ ان خلائاء میں ابوالمظفر صوفیؒ نے بڑا نام پایا۔ سید امام دین کے قول کے مطابق صوفی صاحب برہان پور کے عوام میں بہت مقبول ہوئے اور بے شمار لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ نقشبندیوں کے علاوہ دیگر سلاسل کے جو بزرگ برہان پور میں رہائش پذیر تھے انھوں نے بھی اورنگ زیب کی حمایت کا اعلان کیا۔

اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت اس دور کے بڑے جید اور دیندار علماء کی نگرانی میں ہوئی تھی اور وہ سب کے سب اپنے علم و تقویٰ کی بنا پر عوام میں بے حد مقبول تھے اور فطری طور پر انھوں نے داراشکوہ

۱۔ عنایت خان، عنایت نامہ، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، از نیل: ۱۴۱، ورق ۱۳۹ و ۱۴۰، الف ۲، الف ۳، عمو کاظم، عالمگیر نامہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۵۷ء ص ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳،



جیسے رئیس الملاحہ، محمدناجی و محمدنوسیدہ فعال کے خلاف اورنگ زیب کا ساتھ دیا تھا منوی لکھا ہے کہ اورنگ زیب کا ایک استاد شیخ نیرک خوانی ۱۶۵۹ء میں اجمیر کے قریب داراشکوہ کے خلاف میدان کارزار میں کام آیا۔

شیخ آدم بنوری نے اپنی وفات سے کافی عرصہ پہلے اپنے مریدوں کو اورنگ زیب کی حمایت کرنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ شاہ نعمت اللہ دلی کے اخلاط میں سے خلیل اللہ خاں نے اپنے ساتھیوں سمیت جنگ تخت نشینی میں اورنگ زیب کی حمایت کی۔ قصور کے افغانوں نے شیخ آدم بنوری کے خلیفہ شیخ عبدالحی الی کی خدمت میں استدعا کی کہ وہ اورنگ زیب کی کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ ان مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس جنگ میں نقشبندیوں کا عام رجحان اورنگ زیب کی طرف تھا۔

شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے اخلاط میں سے شیخ الاسلام خواجہ عابد، حبی کا شمار اور اہل ہنر کے حیدر علماء میں ہوتا ہے، اورنگ زیب کی حمایت میں داراشکوہ کیخلاف لڑے۔ داراشکوہ کی شکست کے فوراً اورنگ زیب نے انھیں سہ ہزاری ذات اور پانچ سو اور کا منصب اور "خان" کا خطاب عطا کیا۔ جب دوبارہ داراشکوہ اور راجہ جونت سنگھ اورنگ زیب کے مقابلے کو نکلے تو اس جنگ میں بھی خواجہ عابد نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اورنگ زیب نے اس بار انھیں ترقی دے کر چار ہزاری ذات اور ہفت سو اور کا منصب عطا کیا۔ چوتھے سال جلوس میں اورنگ زیب نے انھیں صدر کے عہدہ پر فائز کیا۔ اس کے دو سال بعد پاجمیر کے گورنر بنے اور چند سال بعد آپ کا لٹان تبادلہ ہو گیا۔ چوبیسویں سال جلوس اورنگ زیب نے منوی خان کی جگہ خواجہ عابد کو "صدر کل ہندوستان" بنایا۔

شہرہ آفاق محدث شیخ طاہر شبلی کے پوتے شیخ عبدالوہاب سے زمانہ شہزادگی میں اورنگ زیب کی راہ در ہم تھی۔ جب اورنگ زیب برہن پور سے داراشکوہ کے مقابلے کے لیے نکلا تو شیخ عبدالوہاب نے

۱۵ منوی شہزادہ مرگ، مطبوعہ لندن ۱۹۵۷ء، ص ۲۳۔ ۱۶ محمد مراد مناقب انصاری، ورق ۲۰۲ الف ص ۵۵ محمد فضیل، مرآت وادوات، مخطوط برٹش میوزیم لندن ایڈیشن ۱۹۷۵ء، ورق ۸۶ ۱۷ محمد مراد مناقب انصاری، ورق ۲۱ الف ص ۵۵ شاہنواز خان، آثار اللہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۵۵ء جلد سوم ص ۱۲۰ ۱۸ ایضاً ص ۱۳۱ ۱۹ ایضاً ص ۱۳۲ ۲۰ شاہنواز خان، آثار اللہ، مطبوعہ کلکتہ جلد سوم ص ۱۲۰۔

فتویٰ دیا کہ شاہجہاں بیماری اور صنعت کی بنا پر کاروبار سلطنت چلانے سے محذور ہے اس لیے اوزنگ زیب کی دار الحکومت پر فوج کشی شرعاً جائز ہے۔ اوزنگ زیب کی تخت نشینی کے فوراً بعد اس صلہ میں آپ کو قاضی حکر کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔

اسی طرح برہان پور کے لاقطب ہانس کے ساتھ بھی اوزنگ زیب کے بڑے عہدہ مراہم تھے انھوں نے بھی اس ہم میں اوزنگ زیب کی دل و جان سے مدد کی جس کے صلہ میں اوزنگ زیب نے تخت نشین ہوتے ہی انھیں ایک گاؤں بطور جاگیر اور چار لاکھ دھن گھٹا کیے۔

مسلمانوں کے دیندار اور دینی حمیت رکھنے والے طبقے نے دل و جان کے ساتھ اس جنگ میں اوزنگ زیب کا ساتھ دیا۔ کیونکہ وہ حصولِ تخت کے لیے ان کا نامزدہ تھا۔ مشہور ہندو مورخ مگھن لال رائے جو دھری رقمطراز ہے کہ اوزنگ زیب نے ”یذہبِ خطرہ میں ہے“ کا نعرہ لگایا جو بڑا سود مند ثابت ہوا۔ اور اس طرح اُس نے اپنا سیاسی مقصد حاصل کیا۔ فاروقی صاحب کے خیال میں اوزنگ زیب کی تخت نشینی پر دیندار طبقوں میں بڑی مسرت کا اظہار کیا گیا اور لوگ اسے نجات دہندہ سمجھنے لگے۔ کیونکہ انھیں یہ اندیشہ و انگیزہ تھا کہ داراشکوہ کی کامیابی سے اکبر کا زمانہ واپس لوٹ آئے گا۔

تخت نشینی کے بعد بھی اوزنگ زیب نے خواجہ محمد مصوم کے ساتھ اپنے تعلقات قائم رکھے۔ اور بااوقات وہ مذہبی امور میں ان سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ خواجہ صاحب کے بعض مکتوبات سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ غوجا اور میں ان کی ہدایات کا منتظر رہتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خواجہ صاحب بھی اوزنگ زیب کی پالیسی سے متفق تھے اور اس کے لیے اکثر دُعا کیا کرتے تھے۔ اوزنگ زیب نے اپنے دورِ حکومت میں اکبر اور داراشکوہ کی بیماری کردہ بدعات کو ختم کرنے کی دل و جان سے کوشش کی اور اس طرح اُس نے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور خواجہ محمد مصومؒ کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

۱۔ ڈاکٹر پی۔ سی۔ دی پراونش گورنمنٹ آف دی مغلیہ سلطنت، ۱۹۵۷ء، ص ۳۲۵۔ ۲۔ اکثر الاسرار، جلد اول ص ۳۲۶۔ ۳۔ محمد نقار، مرآت جہاں نما، مخطوطہ برٹش میوزیم اور ٹیل ۱۹۹۸ء، ص ۲۳۳ الف ۴۔ دی ایشیائیٹک ریسرچس ان انڈیا، جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۹۔ ۵۔ فاروقی، ذیل الفین، اوزنگ زیب ایشیائیٹک ریسرچس، جلد ۱۱، ص ۵۶۴۔ ۶۔ مکتوبات خواجہ محمد مصوم (اردو)، مکتب نمبر ۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹،

# قومِ بیوداور ہم — قرآن کی روشنی میں

(از مولانا عبد الکریم پارکھی)

۱۰ صفحات کی یہ کتاب قرآن مجید کی اچھے شلڈ کوٹوں کی تفسیر ہے جو بیود کے ہائے میں نازل ہوئی ہیں۔  
سے پھر ہر یہ کتاب مطالعہ کے لائق ہے۔

حضرت مولانا حفیق الرحمن صاحب عثمانی صدر مسلم مجلس مشاورت نے اپنی تقریر میں تحریر فرمایا ہے کہ "سیری  
رائے میں یہ خدمت انجام دے کر پارکھی صاحب نے وقت کی ایک اہم اور شدید ضرورت کو پورا کیا ہے۔ الشاء اللہ  
یہ کتاب عوام و خواص سب کے لیے سبق آموز ثابت ہوگی۔"

یہ مصنف کے خاندان مال دوس قرآن کے سلسلے میں مطالعہ قرآن کا نتیجہ ہے۔ ترجمہ اور تفسیر میں آگاہی سے  
کام لینے کے بجائے قدیم و جدید مفسرین کے فکری دائرہ میں رہ کر یہ خدمت انجام دی گئی ہے۔  
قیمت مع جلد ..... سات روپے

میلنے کا پتہ: (۱) عبد الکریم پارکھی - لکھنؤ، ناگپور ۴۷  
(۲) تاج آفش - محمد علی روڈ، ممبئی ۴۰

## ایک نیک بنیاد رکھیے!

### ماء اللحم خاص

قبل از وقت بوزھوں اور غصہ صحت مند  
نوجوانوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ تازہ چلوں  
قیمتی دواؤں اور بہترین غذاؤں سے جدید  
طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے

دوا خانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی غلیگڑھ



# اِرشاداتِ حکیمِ الامت حضرت تھانویؒ

## مجاہد لکھنوی

تلخیص — مولانا نسیم احمد فریدی امرتسری  
(آخری قسط)

فرمایا۔ حضرت حاجی صاحبؒ ذکرِ عمل کے عارضی تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں کام کر دو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کر دو۔

فرمایا۔ مریض کو چاہیے کہ اپنے آپ کو بالکل طبیب کے سپرد کر دے اور طبیب کو چاہیے کہ بیجا حمایت نہ کرے ورنہ نفع نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر مصلح مریض باطن کی بیجا حمایت کرے اور مناسب روک ٹوک نہ کرے تو فائدہ نہیں ہوگا۔ اور ایسے طبیب و مصلح خائن ہو جائیں گے۔

فرمایا۔ مشائخ کا قول ہے کہ اگر شیخ کی کوئی تعلیم سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھ کہ میری سمجھ کی کوتاہی ہے اور اُس پر عمل شروع کر دے۔ شیخ پر اعتراضات نہ کرے ورنہ نفع نہیں ہو سکتا۔ جیسے طبیب نسخہ لکھے تو گواہ اس کی علت سمجھ میں نہ آئے مگر اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر طبیب پر شک چینی کرے گا تو اس سے نفع نہ ہوگا۔ پہلے نسخہ کو استعمال کرے پھر دیکھے کیا ہوتا ہے، بس یہی حال تعلیم شیخ کا ہے۔ عمل کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر نفع ہوا۔ البتہ اگر دلیل شرعی سے وہ معصیت ہو تو ادب کے ساتھ عذر کر دے۔

فرمایا۔ غیر ضروری سوالات کے جوابات کا قصد نہ کرنا چاہیے۔ آج کل اکثر اہل علم

ہر سوال کے جواب کا قصہ کرتے ہیں۔ خواہ سوال معقول ہو یا نامعقول۔ اسی وجہ سے بہت گڑبڑ ہوتی ہے۔

فرمایا۔ میں نے اس سفر میں بیعت کرنے سے انکار کر دیا ہے مگر عورتیں بشرطِ اذنِ شوہر اس سے مستثنیٰ ہیں..... مجھے اُن پر بہت رحم آتا ہے۔ باقی تعلیم کے لیے (مردوں کو) سفر میں بھی خط بھیجنے کی اجازت ہے۔

فرمایا۔ مجھے مسلمان کے ایک ایک پیسے کا خیال رہتا ہے کہ بیجا صرف نہ ہو اور میں اس معاملے میں بہ نسبتِ غرباء کے اُمراء کی زیادہ رعایت کرتا ہوں کیونکہ اُمراء بظاہر تو ٹھانڈے رہتے ہیں لیکن حال یہ ہوتا ہے کہ اکثر خرچ اُن کی آمدنی سے زائد ہوتا ہے لہذا غریب بچارے عموماً حسبِ حیثیت خرچ کرتے ہیں بلکہ آمدنی سے کم ہی خرچ کرتے ہیں۔ اس لیے مجھ پر یہ میں اُمراء کے لیے زیادہ قیدیں لگاتا ہوں۔ غرباء کے لیے اتنے قیود کی ضرورت نہیں.....

فرمایا۔ میرٹھ میں سلامت علی نامی ایک بہت متقی طبیب تھے نبض دیکھنے کے وقت سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ پڑھا کرتے تھے۔ اور نسخہ لکھ کر آیاتِ شفاء اُس پر دم کیا کرتے تھے۔ اُس سے بہت نفع ہوتا تھا۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ مولوی سید محمد صاحب پھلی شہری سب حج جب اجلاس پر بیٹھتے تھے وہ بھی سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ پڑھا کرتے تھے اور دُعا کرتے تھے کہ قلم سے حق ہی نکلے متقی اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھے پھر ان سب حج صاحب کا ایک اور واقعہ بیان فرما کر فرمایا کہ پہلے دنیا دار بھی ایسے دیندار ہوتے تھے کہ آج کل کے (بعض) شاخ و علما وہاں تک مشکل پہنچتے ہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ (دنیادی تعلیم کے لحاظ سے) غیر تعلیم یافتہ عورتیں گو عرفی تہذیب سے عاری ہوتی ہیں لیکن آج کل کی تعلیم یافتہ عورتوں سے ہزار درجے بہتر ہیں۔ بعضی

عہ پاک فات ہے تیری اے امتر۔ ہم کو اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے ہم کو سکھایا۔ تو ہی ہے اصل دانا اور حکمت والا۔



میں آنا چاہتا ہوں میں نے لکھ دیا کہ شوق سے آئیے۔ آپ اگر ظاہری امراض میں مبتلا ہیں تو میں باطنی امراض میں گرفتار ہوں۔ ایک مریض کی دوسرے مریض سے ملاقات میں کیا حرج ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ خانقاہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ دوسری جگہ مناسب انتظام کر دیا جائے گا۔ تاکہ نہ آپ کو خانقاہ والوں سے اذیت ہو اور نہ اُن کو آپ کی حالت سے وحشت۔ لیکن جب وہ آئے تو بالکل ملان نہ کر سکے۔

فرمایا۔ جو لوگ محض ملاقات کے لیے آتے ہیں اُن سے خشونت بڑنا نافع نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص مُرید ہو یا زیر تربیت ہو تو اُس پر بعد ضرورت سختی بھی کرنا نافع ہے۔

فرمایا۔ کہ مولوی عبدالمجید صاحب دریا بادی نے آنے کو لکھا تھا۔ یاد نہیں رہا کہ آج کا دن مقرر کیا تھا یا کل کا۔ ایک صاحب نے کہا کہ آج ہی کا دن مقرر کیا تھا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ اپنے بھولنے پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ تمہانہ بھون سے قصبہ کیرانہ ضلع مظفرنگر ایک برات گئی مگر طے شدہ تاریخ سے ایک روز بعد میں پہنچی۔ لڑکی والے بہت بگڑے کہ قراداد کے خلاف کیا انتظام میں ابتری ہوئی، نقصان ہوا۔ یہ دیکھ کر براتی گھبرا گئے۔ براتیوں میں ایک ظریف بھی تھے وہ بولے کہ بھائیو ہم تمہانہ بھون سے تو اسی مقررہ دن خطا بدھ کو چلے تھے لیکن یہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ آج بدھ نہیں جمعرات ہے۔ لڑکی والوں نے کہا کہ تمہانہ بھون سے یہاں تک کا راستہ چند گھنٹوں میں قطع ہو جاتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہاں سے بدھ کو چلے اور یہاں جمعرات کو پہونچے ظریف صفا نے فرمایا تو پھر زمین کا پھیر معلوم ہوتا ہے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ انھیں کا کیا مطلب ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ظریف صاحب نے کہا کہ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو تمہانہ بھون جا کر دریافت کر لیجئے وہاں ہر شخص آج بدھ ہی بتائے گا بس یہ صرف زمین ہی کا پھیر ہوگا۔ یہ سُن کر سب ہنس پڑے اور ناراضی دل ہو گئی۔

ایک سمر معزز صاحب نے دریافت کیا ”کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی سَکَنٍ“ کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا گستاخی معاف اس وقت اس سوال کی کیا ضرورت ہے؟... اس قسم کے سوالات کو بذریعہ خط وطن سے بھی کیے جاسکتے ہیں۔ قرآن شریف آنا سہل نہیں ہے کہ منہ اٹھا کر اُس کے معانی بلا محنت بیان کر دیے جائیں۔ اگر کوئی شخص تمام عمر بھی خدمتِ قرآن میں صرف کرے اور تفاسیر کا مطالعہ

رکے تب بھی جب اُس کی کوئی آیت آئے گی اس کو ضرور غور و فکر اور تتبع کی ضرورت پڑے گی۔ آپ کو کم از کم میری بیماری کا خیال کرنا چاہیے تھا کہ غور و فکر اور طویل تقریر سے تکلیف ہوگی۔ خصوصاً اُس حالت میں کہ میری تفسیرِ بیان القرآن موجود ہے اس میں ملاحظہ فرمائیے اور مجھ کو خود تفسیر کے مضامین ہر وقت متلخص نہیں رہتے۔ بعض اوقات میں خود اپنی تفسیر دیکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔

فرمایا۔ جس قدر کام جو شس کے ہوتے ہیں سب کے سب غیر متعلق اور نا پائیدار ہوتے ہیں۔ اور کچھ دنوں میں ختم ہو جاتے ہیں اور جو کام تدریس و فکر کے ساتھ تدریجاً انجام دے جاتے ہیں، وہ کچھ اور دُشُور ہوتے ہیں۔ دیکھیے تیز بارش سے (زیادہ) پیداوار نہیں ہوتی اور ہلکی بارش سے کھیتی خوب لہلہاتی

—۶—

فرمایا۔ آج کل اکثر لوگوں کو دینی رسائل اور دینی مسائل کی طرف بالکل توجہ نہیں صرف ایسے رسالوں کی قدر ہے جن میں حُسن و عشق کے حُرب اخلاق قصے ہوں۔ جھوٹے اور دہی موافقانے ہوں۔ مہمل اور غیر مشہور نظمیں ہوں۔ لوگوں کی ناجائز عیب جوئی اور غیبت ہو۔ بس ان باتوں کی قدر ہے اور دینی باتوں کو خشک بتایا جاتا ہے۔ جس زمانے میں القاسم دیوبند سے شائع ہوتا تھا اُس میں میرا مضمون تربیتِ اسالک بھی مدتوں تک مسلسل نکلتا رہا۔ اسی اثنا میں ایک پنجابی صاحب کا میرے نام خط آیا کہ تم کو ایسے خشک مضامین کے رسالے کی ضرورت نہیں۔ کوئی تاریخی مضمون ہونا چاہیے۔ یہ خط پڑھ کر مجھ کو دم ہوا کہ شاید اس قسم کا کوئی خط دیوبند بھی آیا ہو جس سے ارکانِ القاسم کو اندیشہ ہوا ہو کہ ایسے مضامین سے رسالے کو نقصان پہنچے گا مگر میری رعایت کی وجہ سے مجھ کو مطلع نہ کیا ہوا۔ اسی لیے میں نے فوراً لکھ دیا کہ لوگ اس قسم کے مضمون پسند نہیں کرتے ہیں۔ لہذا میری رائے ہے کہ اس مضمون کو بند کر دیا جائے۔ وہ ارکانِ سخنِ اسی پر راضی ہو گئے۔ دیکھیے میرا دم صحیح نکلا.....

فرمایا۔ مجھ کو شاگردوں سے جتنی محبت ہے مریدین و معتقدین سے اتنی نہیں۔ شاگرد تو اولاد کی طرح ہوتے ہیں۔ شاگردی دُستازی کا تعلق نہایت مستحکم پایدار ہوتا ہے اور عقیدت کا تعلق اکثر ناقابلِ اعتبار۔ ارادت کا تعلق ادنیٰ شبہ سے انسان قطع کر دیتا ہے لیکن شاگردی کا تعلق قطع نہیں کیا جاتا۔



فرمایا۔ انسان کا کام ہر شے میں کوشش دینی اور جدوجہد کرنا ہے۔ اگر خدا انکو اس لئے نکالا ہو تو صبر کرنا اور کوشش کو نہ چھوڑے۔ ہم نتائج اور غایات کے ترتیب کے تکلف اور ذمہ دار نہیں ہیں ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ شرعی ہدایات کے مطابق کوشش میں لگے رہیں خواہ کامیابی پر یا ناکامی... دیکھئے اگر کوئی شخص بیماری میں یا کسی کی حالت تک پہنچ جاتا ہے تب بھی اس کی دوا دوا نہیں چھوڑی جاتی سینے میں بلکہ انک میں دم آجاتا ہے مگر کوشش جاری رہتی ہے۔ بیمار دوا دوا کرنا آرام سے نہیں بیٹھتا بس یہی حال قوم کے ساتھ بھی ہونا چاہیے کہ اس کی خیر خواہی اور ترقی کے لیے آخر دم تک کوشش میں لگا رہنا چاہیے اور اگر کسی کو قوم سے اس قدر تعلق نہیں ہے تو وہ محبت قوم نہیں کہلا سکتا۔

فرمایا۔ مبلغین کو صرف تبلیغ میں سرگرم رہنا چاہیے ثمرات و نتائج سے بالکل قطع نظر کر لیں جو کام اپنے کرنے کے ہیں اور اختیار کی ہیں وہ کیے جائیں ثمرات چونکہ اختیار ہی نہیں ہیں اور نہ انسان ان کا تکلف اس لیے ان کی طرف بالکل توجہ نہ کرنا چاہیے۔

فرمایا۔ مسلمان اپنی قوت سے کام نہیں لیتے۔ استقلال سے اور جم کر کوئی کام نہیں کرتے۔ بہت جلد پڑھو اور بدل ہو جاتے ہیں اسی لیے ان کی تحریکات غیر مٹل اور ان کے اعمال ادھوڑے رہ جاتے ہیں۔ یہ بات عدین کی کمی اور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہے جتنی دین میں کمی ہوگی اسی قدر بزدلی پیدا ہو جائے گی دل میں مطلوب طاقت صرف روحانیت و ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور دل کی طاقت ہی کا نام دلیری و شجاعت ہے۔

ایک مجلس میں بڑھاپے اور ضعف کے ذکر پر فرمایا کہ مولانا رحمہ اللہ نے شنوی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک متعمر شخص طبیب کے پاس گئے اور ضعف و بھاری شکایت کی۔ طبیب نے کہا کہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے بٹے میاں نے ضعف مدہ کا ذکر کیا۔ طبیب نے کہا یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے انھوں نے نقل سماعت اور درجہ اعصاب کا تذکرہ کیا۔ طبیب نے اپنے اسی سابق جواب کا اعادہ کر دیا غرض یہ بوڑھے جو شکایت بھی کرتے۔

طبیب ہی کہہ دیتا کہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ حتیٰ کہ بٹے میاں کو غصہ آگیا اور طبیب کے ایک دھول رسید کی اور کہا بس تو نے یہی پڑھا ہے کہ جو مرض ہو وہ بڑھاپے کی وجہ سے۔ طبیب نے ہنس کر کہا کہ بٹے میاں میں آپ کی اس حرکت سے کبیدہ نہیں ہوا۔ یہ حرکت بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ واقعی یہ جو مشہور ہے کہ پیری و مدد عیب۔ بالکل درست ہے۔ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب میں یہ سننا تھا کہ جوانی جانے سے زندگی کافی جاتی رہتی ہے تو تعجب ہوا کرتا تھا مگر جب (بانی مسلمان)

# نئی نسلوں کا ذہنی انتشار

(جناب سید جمال احمد امین آبادی)

اُدھ پرست نظریات کا تعمیر کردہ نیا سماجی نظام اب تیزی سے شکست و ریخت کا سامنا کر رہا ہے۔ تہذیبِ نو کی وہ ساری ریگ آسمان تیں مہدم ہو رہی ہیں جنہیں تجدید پسند نئی نسلوں نے اپنی عافیت کی پناہ گاہ سمجھ رکھا تھا۔ مذہب و اخلاق سے بغاوت کر کے اہل مغرب نے اپنی دانست میں جن عشرتِ کدوں کی بنیاد رکھی تھی اب وہ خود اپنے ہاتھوں انہیں مسمار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ دنیا کی تاریخ کے کسی بھی دور میں ذریعہ انسانی ایسے بھی ایک مستقبل کا تصور بھی نہ کر سکی ہوگی۔ آج کا ہر ذہین انسان اس بات سے پریشان ہے کہ کبھی زندگی کی عمارت جن بنیادوں پر کھڑی ہوئی ہے وہ اپنی جگہ سے ہل چکی ہیں۔ اینٹ اور گارے کے بوسیدہ ٹودے گرتے جا رہے ہیں اور معلوم نہیں کہ کب پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہے۔

نئے یورپ کا مشہور ماہر نفسیات سی جی یونگ (C.G. YUNG) جن کی طرف لوگ اپنی نفسیاتی اور ذہنی الجھنوں کے لیے دیکھا کرتے ہیں۔ سکند فرائد کی طرح یہ بھی علومِ نفسیات میں اہم مقام رکھتا ہے۔ اپنی عمر کے انتہی سنگماتے میں طے کرنے کے بعد یو سی اور ہر اسانی کے عالم میں بھار اٹھا کہ میں اپنے اور اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتا۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کے بارے میں میں دو ٹوٹ سے کہہ سکوں۔ میرے کوئی قطعی معتقدات نہیں ہیں میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ پیدا ہوا اور موجود ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں کشاں کشاں کہیں لے جایا جا رہا ہوں، میرا وجود چند ایسی بنیادوں پر قائم ہے جنہیں میں نہیں جانتا یہ انسان کے

ذہنی افلاس اور اُس کے انکار و اعمال کی بے چارگی کی ٹھیک اسی منزل کی نشان دہی کرتے ہوئے  
قرآن کریم حقائق پر سے پردہ اٹھاتا ہے

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ  
أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ  
السَّيْحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا  
يُغْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا هَلْ يَنْصِفُ  
ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالِ الْبَعِيدُ ۝  
جو لوگ اپنے پروردگار کا انکار کرتے ہیں  
ان کی حالت باعتبارِ عمل یہ ہے جیسے کچھ لٹکا  
ہو جس کو تیز آندھی کے دن ہوا تیزی سے  
اڑا لے جائے۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا کیا آپ  
اس کا کچھ حصہ بھی انھیں حاصل نہ ہوگا یہ کہتی  
اوراد کی گراہی ہے۔ (ابراہیم-۲۷)

جو لوگ انکارِ خدا کی اساس پر اپنی زندگی کی تعمیر کرتے ہیں اور سطحِ مینی کی وجہ سے یہ کہتے  
ہیں کہ ہمارا کوئی خالق و مالک ہی نہیں۔ نظامِ کائنات پر انسان کی سرسری نظر انھیں ایک زعمِ باطل  
میں مبتلا کر دیتی ہے لیکن تجربات و مشاہدات کی فراوانی جب ان کے ذہنوں کے پرے اٹھاتی  
چلی جاتی ہے تو انھیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کی زندگی ایک ایسی سمت پر رواں دواں ہے کہ  
جس کی کوئی منزل موجود نہیں ہے۔ انھیں اپنی زندگی کے راگماں ہو جانے کا شدید احساس ہونے لگتا ہو  
ایسے افراد کی مثال قرآن کریم میں ایک اور عجیب انداز سے بیان کی گئی ہے۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ  
خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ  
مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ (ابراہیم ۲۷)  
کلمہ خبیثہ (یعنی دعویٰ کفر) کی مثال ایسی  
ہے جیسے ایک خراب درخت جو وہ زمین کے  
ادھر سے اکھاڑ لیا جائے اس کو کچھ ثبات نہ ہو

وجودِ باری تعالیٰ جیسی عظیم حقیقت کا انکار اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک غیر صالح ذہن ہی  
کی پیداوار ہو سکتا ہے۔ حقائق سے آنکھیں بند کر لینے کے بعد شجرِ حیات کی حیثیت اس طرح ہو جاتی ہو  
جس طرح کسی درخت کی جڑوں کے زمین کے اگھر جانے کے بعد اس کا انجام ہوتا ہے۔

نئی تہذیبِ خاوار و پودوں کی طرح سطحِ زمین پر پھیل چکی ہے۔ خدا بیزار فلسفوں اور نظریات کے  
کڑوے کیلے پھل اپنا اثر دکھا رہے ہیں۔ اب ان کا زہرِ نفی کام و دہن کے مرحلے سے گزر کر رگ و پے  
میں سرایت کر چکا ہے اور انسانی اعصاب پر تشنگ کے شدید درد سے پڑنے لگے ہیں۔

انگلینڈ کے ایک رسالہ دی پلین ٹریٹھ (THE PLAIN TRUTH) کی دسمبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں سٹریٹکنر (R.E. MCNAIR) کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ تاریخ عالم انسانی میں کبھی نوجوان نسل اتنی بڑی تعداد میں کاہلی، بے چینی، مایوسی اور بغاوت کے جذبات کا شکار نہیں ہوئی تھی جیسا کہ آج دیکھا جا رہا ہے۔ آج کی نئی نسل کو نہ تو اس بات کا ہوش ہے کہ وہ کس چیز کے خلاف بغاوت کر رہی ہے اور نہ وہ یہ جانتی ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

مقالہ نگار نے خصوصاً سپیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ دنیا کی ہر چیز کے مخالف ہیں ہر شے سے ناراض ہیں، ہر اصول سے برگشتہ ہیں، ہر اخلاق سے منحرف ہیں اور ہر قانون سے بغاوت پر آمادہ ہیں۔ وہ خاندان سے، دولت سے، سماجی نظام سے، غرض ہر چیز سے مایوس بھی ہیں اور بیزار بھی۔ وہ سارے بندھنوں کو توڑ چکے ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس لباس بھی ایک بے سنے شے ہے اور صفائی کا تصور بھی فرسودہ روایتی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ ہر شے کے مخالف ہیں۔ مقالہ نگار نے مزید لکھا ہے کہ اس دلیہ کے لیے صرف نوجوانوں ہی کو طزم قرار دینا صحیح نہیں ہے جبکہ خود بڑوں کا نمونہ بھی یہی کچھ ہے۔ یہی آواز گئی، یہی بد اخلاقی، یہی لاقانونیت، یہی جنسی ہوس، رانی پوئے سماج میں رچی بسی ہوئی ہو تو پھر نوجوانوں کو کیا کہا جاسکتا ہے۔

لندن کے ہائیڈ پارک (HYDE PARK) میں ۵ جولائی ۱۹۶۹ء کو بیبیوں نے ایک تقریب منائی جس میں ۵ لاکھ سے زائد ہپی لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ ان کی مرغوب موسیقی لڑھکتے پتھر دل (ROLLING STONES) کے ساز پر ان لڑکے لڑکیوں نے بے معنی آوازوں، شور و غل، جسم کی بے ہنگم حرکتوں، ردنے، پھینچنے، چلانے اور کراہنے کا ایک ایسا طوفان برپا کیا کہ سارا شہر لرز اٹھا۔ گوبار پانی، فحاشی اور گندگی کا سیلاب آگیا ہو۔ جب یہ تقریب ختم ہوئی تو ہائیڈ پارک سے ۱۵ ٹن غلاظت برآمد ہوئی۔ اسی طرح ۱۵ اگست ۱۹۶۹ء کو نیویارک میں یہ تقریب منائی گئی جس میں ۴ لاکھ سے زیادہ ہپی جمع تھے۔ حسب معمول اچھے ہوئے بالوں، گندے کپڑوں میں ملبوس بدبودار جموں نے گندگی اور فحاشی کا بازار گرم کیا۔ اس مرتبہ نو فٹہ کور دواؤں کا استعمال پورے عروج پر تھا۔ بارش کی وجہ سے اس تقریب کے لیے منتخب کردہ پلاٹ گندے، کچھڑ اور پانی سے لبریز ہو چکا تھا۔ گویا بیبیوں کے ذوق کے لیے یہ ماحول سے دو آتشہ ثابت ہوا اور اب کی مرتبہ غلاظت کے ساتھ ساتھ کچھ لاشیں بھی برآمد ہوئیں جو

حالت نشہ میں موت کا سبب (فشار) بنی تھیں۔

امریکہ کا اخبار نیویارک ٹائمز پکار اٹھا ”آخر یہ کس طرح کی تہذیب ہے جو جو دہمیں آ رہی ہے۔ لندن کے اخبارات بھی اٹھے ہیں کہ ”سوسائٹی کا کاروان کس غلط راہ پر چل پڑا ہے۔“ لیکن آج کون ہے جو بڑھ کر تہذیب جدید کے پرستار اہل مغرب کو بتلائے کہ اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ وَکَاوَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا (کہتے ہیں) جن کی آنکھوں پر ہماری یاد سے (یعنی دین حق کے) شاہد ہے، پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن ہی نہ سکتے تھے۔

اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی کا بخرہ چکھو۔ تم نے اپنے خالق دالک کے بتلائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر جن پر فریب راہوں کو اختیار کیا تھا۔ تمہارا اس منزل پر پہنچنا ناگزیر تھا۔ آزاد جنسی اختلاط، اخلاقی قدردن سے بغاوت اور خدا بیزاری کے جذبے سے معمور معاشرے کا انجام اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۔ راقم الحروف کے درس قرآن کی ایک محفل میں لندن کا ایک نوجوان شریک ہوا۔ یہ نوجوان مجھ کو کے ایک تھیا لوجیکل کالج میں کسی ٹریننگ کے سلسلے میں آیا ہوا تھا۔ درس کے بعد اس نوجوان سے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوا۔ دوران گفتگو راقم الحروف نے دریافت کیا کہ بیبیوں کی سرگرمیوں کا مذہبی حلقوں میں کیا رد عمل پایا جاتا ہے۔ نوجوان اگرچہ خود بھی نہیں تھا لیکن بہت خوب صورتی سے بیبیوں کے طرز عمل کی حمایت کرنے لگا۔ اس نے کہا اگر کچھ نوجوان نئے اقدار حیات کی تلاش میں نکلیں تو اس پر چرچ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ لڑکے کے بیبیوں کے ایک ترجمان اخبار نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے (نفوذ بائبل) حضرت عیسیٰ پہلے ہی تھے۔ اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نوجوان نے کہا حضرت عیسیٰ نے بھی رائج الوقت سوسائٹی کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ یہی بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ اس طرح دونوں میں مناسبت پائی جاتی ہے۔ جب اس نوجوان سے کہا گیا کہ بیبیوں اور حضرت عیسیٰ میں دو بنیادی فرق ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ کچھ نئے اقدار کی تلاش میں نہیں نکلتے تھے بلکہ خدا کی طرف سے ان لوگوں کو دیے ہوئے پیغام حیات کی اشاعت فرما رہے تھے۔ دوسری بات یہ کہ انھوں نے نئے اقدار حیات کی تلاش میں رائج الوقت اخلاقی قدردن کو بھی سنا نہیں کیا بلکہ اچھی باتوں کی تصدیق کی، بری باتوں کو رد کیا اور جن خدائی تعلیمات کو لوگوں نے بھلا دیا تھا اس کی طرف دعوت دی کہ ان باتوں میں سے کسی بات میں بھی بیبیوں کی حضرت عیسیٰ سے مناسبت ہے؟ تو اس کے جواب میں نوجوان چپ ہو گیا۔

ہسپتالوں اور ادارہ مزاج موسیقار ٹیلی کی آماج گاہیں انسانیت کو ہلاکت و تباہی کے ہولناک کھڑکی  
ڈھکیں چکی ہیں۔ سماجی نظام پوری طرح گندگی و خباثت سے معمور ہو چکا ہے۔ پلین ڈیٹھ کے ستمبر ۱۹۶۹ء کے  
شمارے میں کئی اور انکشافات سامنے آئے ہیں امریکہ کی سوشل سلیٹھ ایسوسی ایشن ڈاکٹر ٹی لیچن  
(DR. LEE ELGIN) ڈاکٹر ولیم براؤن (DR. WILAM BROWN) وغیرہ کے  
بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یو ایس اے (U.S.A) میں سالانہ ۵ لاکھ مریض امراض خبیثہ کے علاج کیلئے  
ہسپتالوں میں رجوع ہوتے ہیں۔ اور انگلینڈ میں اس مرض کی بنا پر رجوع ہونے والوں کی تعداد  
۴۶ ہزار ہے۔ جبکہ ایک اندازے کے مطابق نوے فیصدی مریض اپنی بیماری کو چھپاتے اور خانگی  
علاج کر دیتے ہیں۔ یہی رسالہ لکھتا ہے کہ ان علاقوں میں چلنے پھرنے والی عورتیں امراض خبیثہ کے  
جراثیم منتقل کرتی رہتی ہیں۔ نیز اب کسی بھی دامن کو گھسرتے جاتے ہوئے دھوا طہی معائنہ کر دئے گا تو  
اس نئی دامن کے خون میں گنوریا کے جراثیم ضرور موجود ہوں گے۔ ڈاکٹر اور ایس مارٹن (DR. MORTON)  
نے جو انگلینڈ میں امراض خبیثہ کے ماہر خصوصی اور پبلک سلیٹھ آفیسر ہیں۔ ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ہمارا  
آج کا سب سے اہم مسئلہ امراض خبیثہ ہے۔ نیز اس ڈاکٹر نے بتلایا کہ یہ مسئلہ آج ہی کا نہیں بلکہ ہائے مستقبل  
کا بھی ہے کیونکہ آئندہ نسلیں اپنی ماؤں اور باپوں کے خون سے امراض خبیثہ کے جراثیم لیے ہوئے  
اندھی بھری اور ناکارہ پیدا ہوں گی۔

بڑھتی ہوئی فکری و ذہنی آوارگی نے دلوں کے سکون و اطمینان کو ختم کر دیا ہے۔ عالمی زندگی  
کا کوئی تصور موجود نہیں۔ ماؤسی کی بنا پر خود کشی ایک عام بات ہے۔ نیز مستقبل کے خطرات سے بچنے کے  
لیے فیملی پلاننگ کے نام سے نس کشی کی دبا بھی بڑے پیمانے پر پھیل چکی ہے۔ امریکہ کے نیوز ویک  
(NEWS WEEK) کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک امریکی ڈاکٹر (DR. MRY) نے بتلایا  
کہ گزشتہ چند سالوں میں تنہا صرٹ انہیں کی کلینک میں تین ہزار سے زائد لڑکیوں نے اپنا اصل ساقط  
کر دیا۔ ہر مہینے پچاس کے لگ بھگ لڑکیاں اصل ساقط کر دانے کے لیے رجوع ہوتی ہیں۔ اس سے اندازہ  
کیا جاسکتا ہے کہ پوئے شہر نیویارک میں اسقاطِ حمل کس بڑے پیمانے پر ہو رہا ہوگا۔  
اسقاطِ حمل کے لیے رجوع ہونے والی ایک امریکی لڑکی نے کہا کہ ”مجھے معلوم ہو کہ یہ کام کتنا خطرناک

ہے۔ جو محتاج ہے کہ اخراجِ خون سے میری موت واقع ہو جائے لیکن اس سے زیادہ میں اس حل سے ڈرتی ہوں جو میرے شکم میں ہے۔ آخر میں بچے کو کیا کروں میں کس طرح اس کی دیکھ بھال کر سکوں گی۔

اس لڑکی کی عمر ۱۱ سال تھی لیکن ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کے ہاں بارہ تیرہ سالہ لڑکیاں اسقاطِ حمل کے لیے رجوع ہوتی ہیں۔ طبی معائنے سے پتہ چلتا ہے کہ آزاد جنسی اختلاط اور جنسی معلومات کی فراوانی کی بنا پر ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ پانچ چھ سال کی عمر کی لڑکیوں کے جسم میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوئیں کہ استقرارِ حمل کے لیے موزوں ہو سکے۔ ایک طرف یہ جنسی آوازیں اور دوسری طرف قبل از وقت بلوغ اور تیسری طرف ذمہ داریوں کے قبول کرنے سے گریز۔ اس صورتِ حال نے مانعِ حمل گولیوں کے استعمال کی کثرت، اسقاطِ حمل کے ذریعہ سے تباہی اور پھر امراض کی شدت نے مغربی سماج کو جس مقام پر پہنچا دیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہی کہا جاسکتا ہے کہ قدرتِ سرکش انسانوں سے انتقام لے رہی ہے۔ اللہ کو کسی سرکش قوم کو سزا دینے کے لیے آسمان سے کسی لشکر کے اتارنے کی ضرورت نہیں کبھی تو صاعقہ آسمانی قوموں کا کام تمام کر دیتا ہے اور کبھی سانحہ ارضی ہی کسی قوم کو سزا دینے کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جہاں انسانوں نے اپنے اہلِ تقویٰ اپنی سماجی تباہی کا اتنا وسیع انتظام کر لیا ہے تو دوسری طرف نیوکلیئر ہتھیاروں کا دور، نیوکلیئر خودکشی (NUCLEAR-SUICIDE) ثابت ہو رہا ہے۔

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ  
سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا۔ (یونس، رکوع ۲) اور جن لوگوں نے بڑے کام کیے ان کی برائی کی سزا اس کے مطابق ملے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان جب صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے تو پھر ساری سوچ بوجھ ختم ہو جاتی ہے۔ کوئی تدبیر بھی کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے قرآن کریم گم کردہ انسانوں کو تنبیہ کرتا ہے۔

فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَيِّ إِلَّا الضَّلَالُ  
فَأَنَّى تُصْرَفُونَ (یونس ع ۲) پھر احمق کے بعد بجز گمراہی کے اور کیا رہ گیا ہے۔ پھر تم کہاں پھرتے جا رہے ہو۔  
(شکر یہ ”زندگی“ رام پور)

# صراطِ مستقیم

اَزْ حَضْرَتِ شَآہِ مُحَمَّدٍ عَقُوبُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ

[ذیل کا مضمون حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "افغاٹ اعلام" کے عنوان سے اپنے توفیق کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ صاحب زادہ مولانا محمد سعید صاحب مجددی کی عنایت سے وہ نشانِ منزل بھوپال کے خاص مزین شائع پورا الفت میں اسے معاصر کے شکر کے ساتھ اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ عنوان میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ ————— مرتب]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰٓا اَنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ  
هَدٰٓاَنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاۤءَتْ رُسُلٌ مِّنَّا بِاَلْحَقِّ وَصَلٰی اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ

اَلْکَرِیْمِ ۝ قَالَ اِلٰہِ الطَّیِّبِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ۝

اس ناکارہ غفلت شعار معصیت آلود سے بعض حضرات اپنی خوش اعتقادی اور نیک نیتی و اہستہ ہو کر تائب ہوئے۔ میں نے بھی ان کے رد و رد تو بہ کی اور ہم نے دعا کی رَبَّنَا اَنْتَ اَنْتَ الَّذِیْ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ بعد اس کے یہ خواہش ظاہر کی کہ شہ خاندانِ ہم کو ملے۔ حسب دستور و سلف، عاجز نے وقت و حال کے مناسب ضروری سمجھا کہ عقائد کی اور اعمال کی پابندی کتاب اللہ اور فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کرنے کی کوشش ضروری ہے جو ہر ذی شعور کا اولین فرض ہے۔ اکثر حضرات اس سے غافل رہ کر دوسرے امور



مشغول ہو رہے ہیں۔ جو اتنے اہم اور ضروری نہیں۔

اب میں اپنے احباب کو اس طرف متوجہ کر کے یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اول اس پر غور فرمائیں کہ اسلامی اعتقاد اور دیگر اعتقادات میں کیا فرق ہے؟

ہر فرقہ اور ہر اہل مذہب نے اپنے خیال اپنی تحقیق اپنی معلومات اور اپنے اسلاف کی پیروی میں کوئی روش اور راہ اختیار کر کے اس

نجات اور فلاح کا سبب قرار دے رکھا ہے: **اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ** ۵۔ (سورہ انفاس۔ رکوع ۱۰) ترجمہ :- وہ تو محض خیالی باتوں ہی کی پیروی کرتے ہیں اور محض قیاس کرائیاں ہی کرتے ہیں۔ اسلامی راہ و روش اور دیگر راہ و روش میں کیا فرق ہے۔ تحقیق اور تجسس کے بعد ظاہر ہوگا کہ اولام فرضیہ اور تقلید بلا تحقیق کی پیروی ہو رہی ہے۔ اسی پر مضبوط ہیں اور اسی کا نام دین رکھ چھوڑا ہے۔ **كُلَّ حِزْبٍ لَّيْسَ لَهُ دِيْنٌ فَرِحُوْنَ** (سورہ مومن رکوع ۵) ترجمہ: ہر گروہ اپنی خود ساختہ رسوم پر خوش ہے۔

لیکن اسلامی اعتقادات کی بنیاد نے تحقیق و تجسس و تلاش کے بعد اور عقل و نقل سے مطابقت نیز دلائل و ثبوت کامل کے بعد اپنے دل و دماغ میں محقق راہوں اور روشوں کو قبولیت کی جگہ دی ہے۔

وہ بابرکت ہستی جو مخالفین میں ظاہر ہوئی، انسانی دل و دماغ کو صحیح راہوں پر لانے والی تھی۔ ان کی رسم و راہ تمام رسوم اور راہوں اور طریقوں سے نرالی تھی۔ سب ہی نے ان کو گھٹانے اور ٹٹانے کی کوششیں ختم کر دیں، مگر سب کے خیالات اور روش اور راہوں پر ان کی روش اور راہ اور طریقہ پسندیدہ ثابت ہوتا گیا۔ جو بہت زیادہ مخالف تھے وہی زیادہ مؤید دین ہو گئے کیونکہ انسانی کمالات سے ان کو مکمل پایا اور طاقت اور رسائی اور بلندی انسانی سے بلند تر ہو جانے والا پایا۔ یہ ہے بنیاد و اعتقادات اسلامی۔ اس درست اور صحیح راہ میں تحلیلات اور ایجادات نے جب سے راہ پائی اس کی بنیاد درست نہیں رہی۔ اور وہ من مانے اعتقاد سے اور دوسروں کے اعتقاد سے مشابہ ہو گیا۔

آج بھی بہت سے اعتقادات ایسے موجود ہیں جن کو اسلام کی طرف نسبت دے کر صحیح اسلام کو دھبہ لگایا جاتا ہے اور باہمی کشاکشوں میں وقت ضائع کر کے اصلی اور ضروری مقصد سے دور ہوتے

جاتے ہیں۔ کس قدر مضبوط اور صحیح راہ ہمارے سامنے موجود ہے جس میں ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا ہے۔ اسی راہ روشن نے اپنی روشنی سے تاریکی عالم کو روشن و منور کیا ہے۔ کتنی بے انصافی اور ناقدری کی بات ہے کہ وہ تسلیم شدہ اور فیصل کن راہ روشن جو ہمارے دل و دماغ کو کجی اور ظلمتوں سے بچاتی ہوئی انسان کی کمالات سے اور انسان کی قوت اور طاقت سے بڑھ کر ترقی کی راہیں ہم پر کھول رہی ہو اس میں کجی پیدا کر کے ہدایت کے بعد ضلالت اختیار کی جائے۔

میرے احباب! ہم اس برہان روشن کو اس طرح مضبوطی سے پکڑیں کہ پھر کچھ دی اور ضلالت سے ہم کو نقصان نہ پہنچ سکے۔ مَا اتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر رکوع ۱) ترجمہ: ”رسولؐ جو کچھ تمہارے پاس لائے ہیں اُس کو لے لو اور جس چیز سے انھوں نے تم کو روکا ہے اُس سے باز رہو۔“

اقوال و احوال سلف کتاب اللہ کے تابع ہیں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سلف کے قول اور فعل میں نظر اُسے تو خوب یقین کر لیں کہ یہ اُن کے علو مرتبت کی دلیل ہے مثلاً سماع سے متعلق اکثر لوگ یا تو اعتراض کرنے لگتے ہیں یا اس کو ان بزرگوں سے نسبت دے کر جو ان کے درجہ میں برتے لگتے ہیں حقیقت حال ان دونوں سے جدا کچھ اور ہی اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ فلاں مریض آیا ہے اور اس کے جسم پر زخم ہو اور ایسا زخم ہو کہ بغیر شریٹھیک نہیں ہو سکتا تو انھوں نے سماع کا شتر دیدیا۔ زخم اچھا ہو گیا عرب میں عام طریقہ پر داغ دینے کا رواج قدیم سے چلا آ رہا ہے کہ بچوں کو بھی اور بڑوں کو بھی داغ دیتے تھے۔ وہ داغ دینا ان کے امراض و در کرنے کا اور عامی صحت کا باعث ہوتا تھا۔ در حقیقت داغ دینا جھوٹی دلتی ہے خود ایک سخت مرض اور تکلیف کا باعث ہے مگر کیونکہ وہ حکیم حاذق تھے انھوں نے زہر سے شفا کا کام لے لیا۔ ہم ہرگز نہیں لے سکتے یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ بعض برادران ان حضرات پر اعتراض کر کے نقصان میں پڑے ہیں اور بعض ان کی پیروی کر کے ”صرراط مستقیم“ سے دور ہو گئے خوب یاد رکھیے کہ اس قسم کی جہاں گفتگو جو یا کو عبارت ایسی دیکھنے میں آئے جس میں اسلاف پر اعتراض اور حرج گیری ہو تو اس کو نظر انداز کر کے اس مجلس سے اٹھ جائے اور یہ کہیں ”تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَنْهَا“ کا دُعا ہے (بقرہ رکوع ۱۷) ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ ان کے

یہ انکے اعمال میں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال میں اور تم سے انکے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

ہماری بعض بزرگستیوں نے اپنی تحقیق اور علم کو آسان وسیع فرمادیا کہ انھوں نے سلف سے بھی کہیں **فرق مراتب** اس کے تجاؤز کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بلکہ انبیاء معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خطاؤں کو ثابت کرنا ایک ضروری امر خیال فرمایا۔ میں تم کو بہت زیادہ تاکید سے روکتا ہوں کہ اپنے خیال کو کبھی اس طرف رسائی دینے کی گنجائش ہرگز کبھی نہ دینا۔ ادب جو دین کا ایک رکن ہے کبھی اُس کو ہاتھ سے نہ جلانے دو۔ ایک محقق چیز اور موجودہ شئی کو زبان پر نہ لانا اور خیال میں بھی اُس کو گنجائش نہ دینا اسی کا نام ادب ہے اور فضل الہی ادب پر ہی موقوف ہے۔

از خدا جو یم توفیق ادب بے ادب محروم ماند اور فضل رب ترجمہ: خدا سے ہم توفیق ادب مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب فضل از دی سے محروم رہتا ہے۔

اب اس کی مثالیں خود سوچ لو اور واقعات پر چسپاں کر کے صحیح اور غلط کا موازنہ کر لو۔ کوئی بات کسی بڑی ہستی نے اپنے چھوٹے سے کسی ہے تو ہم کو اُس کا دہرا نازیبا نہیں ہے۔ ہم اُس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں مثلاً امر کے تحقیقی معنی یا امر کی حقیقت ”طلب فعل“ ہے۔ اس کے مختلف پسو ہیں۔ اپنے ماتحت، خادم اور اپنے چھوٹے سے طلب فعل کو امر کہتے ہیں۔ اسی طلب فعل کو جب بادشاہ یا افسر سے کرتے ہیں تو اس کو عرض کہتے ہیں مثلاً ہم کو لو کہ رکھ لیجئے یا ہمارا فلاں کام کر دیجئے۔ حالانکہ یہ بھی طلب فعل ہے، مگر اس کو باعتبار ادب کے درخواست یا عرضی کہتے ہیں۔ اسی طلب فعل کو جب اشر جل شانہ سے طلب کرتے ہیں تو اس کو دعا کہتے ہیں۔ یا اشر ہم کو روزی دے، یا اشر ہماری مصیبتوں کو دور فرما۔ حالانکہ یہ بھی طلب فعل ہے، مگر اس کو بھی باعتبار ادب کے دعا کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مقام اتہاء ادب کا ہے۔ دیکھیے ابراہیم علیہ السلام نے مقام عبدیت کے ادب کو ملحوظ رکھ کر نسبت مرض اپنی ذات کی طرف نہ کر لی ہے اور شفا کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب فرما کر ارشاد فرمایا ہے۔ **وَإِذَا هَرَضْتُ فُلْهُوَ خَافِي** (شعراہ کوٹ ۲) ترجمہ: ”اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے۔“ حالانکہ بیماری بھی وہی دیتا ہے اور شفا کبھی اُسی کی عطا ہے۔ لیکن ادب اسی کا متقاضی ہوا کہ عارضہ کی نسبت اپنی ذات کی طرف نہ ہو اور شفا جو پسندیدہ شے ہے اس کی نسبت خالق کی طرف کی جائے۔

ہم کو قرآن پاک نے اُن ہستیوں کے ساتھ جس قسم کا ادب تعلیم فرمایا ہے اسی پر عمل پیرا ہونا

شعائر دین میں سے ہے۔ وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (رج رکوع ۷) ترجمہ: ”اور جو دین کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے یہ اُس کے دل کے تقویٰ کی دلیل ہے۔“

**مطالعہ قرآن مجید** قرآن پاک کے مطالعہ کے لیے بہت سے امور درکار ہیں۔ زبان عربی کی مکمل استعداد و واقفیت اور اس کی اصطلاحات پر آگاہی جس کا طرز بیان سے

تعلق ہے۔ صرف عربی لغت دان ہی کافی نہیں ہے۔ ایک واقعہ کا اظہار شاید یہاں کارآمد ثابت ہو میں ایک ضرورت کی وجہ سے کسی غیر آباد جگہ پر جا رہا تھا۔ چند لڑکے تنگ اڑ رہے تھے میں نے ایک لڑکے کو کہتے ہوئے سنا کہ ”اگر میری ڈور اور پتنگ کو اب کسی نے ہاتھ لگایا تو میں ”اچھی اچھی“ سنا دوں گا۔ اب یہاں ”اچھی اچھی“ کا مطلب دہی سمجھ گیا جو اہل زبان ہے۔ صرف اردو تعلیم یافتہ اُس سے مطلب اخذ نہیں کر سکتا۔ ان الفاظ نے قرآن پاک کی آیت کو سمجھا دیا جو برسوں تک غور کرنے سے بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ارشاد ہے اَفَبَشِّرُهُمْ يُحَذِّبُ اَلَيْمٌ (توبہ رکوع ۷) ترجمہ: پس ان کافروں کو عذاب الیم کی خوشخبری سنا دیجئے۔ عذاب الیم اور خوشخبری متضاد چیزیں ہیں مگر اس لڑکے کی فصاحت نے اس کو کھول دیا کہ ”اچھی اچھی“ سے مطلب بہت بُری بُری سنا نا ہے۔ اسی طرح ایک دقت میں کہیں سے آ رہا تھا کہ ایک لڑکے نے دوسرے کو مخاطب کر کے کہا کیوں میاں آپ بھی اتنے روپے ٹھکانے لگا آئے۔ یہاں بھی ٹھکانے لگانے کا مطلب اہل زبان ہی سمجھ گیا کہ برباد کر آئے ورنہ لغت میں ٹھکانے لگانے کا مطلب محل پر صرف کرنا ہو گا۔ ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کا تعلق تشریح قرآن پاک سے ہے۔

پھر شانِ نزول اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت اور حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سراپائے زندگی سے آگاہی یہ تو لازمی امور ہیں۔ اس کے بعد قرآن پاک خود ہی وہ باتیں کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے جن کا تعلق قرآن پاک سے مزید ہے جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (دق رکوع ۷) ترجمہ: بے شک اس قرآن میں نصیحت ہے اس شخص کے لیے جس کو قلب حاصل ہے یا وہ دلی توجہ سے اس کو سنتا ہے۔ پھر یہ فیصلہ بھی قرآن مجید ہی سے ہو گا جس کو قلب کہا گیا ہے وہ کیا چیز ہے؟ چنانچہ دوسری جگہ اسی کی تشریح میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اُذُنٌ لَا يَسْمَعُوْنَ

بَعَاؤُكَ كَالْأَنفَاعِ بَنُ هُمْ أَصْلُ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۵﴾ (نور، سورۃ نور، ۵)  
ترجمہ: اُن لوگوں کے دل ہیں مگر وہ اُن سے سمجھتے نہیں۔ انکھیں ہیں جن سے حق دیکھتے نہیں۔ کان ہیں جن سے  
حق بات سنتے نہیں۔ ایسے لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں۔

قرآن پاک میں جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے پستیوں، دُائیتوں اور گمراہیوں کا ذکر فرمایا ہے وہیں  
ترقیات منازل اور برکات کی راہیں بھی واضح فرمادی ہیں جہاں زخم لگایا ہے وہیں مرہم بھی موجود ہے۔  
جہاں بیمار رہا ہے وہیں نسخہ شفا بھی عطا فرمایا ہے۔ جس عالم میں ہمارے اذنان پہنچنے سے عاجز اور ناقص  
ہیں اُس عالم کو قرآن پاک نے نمایاں فرما کر اُس کے ذریعہ سے ہمارے دل و دماغ کو روشن اور منور فرمادیا  
ہے۔ تھوڑی سی غور و فکر درکار ہے۔ مگر دبی غور و فکر جو قرآن شریف کے پاک اور پختہ رنگ میں رنگی ہوئی ہو  
جس کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: صَبَّغَهُ اللَّهُ وَمِنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صَبْغَةً ترجمہ: اللہ کے  
رنگ کو اختیار کر۔ اللہ کے رنگ سے اچھا رنگ کس کا ہو سکتا ہے؟

ترتیب قرآن پاک اصولی طریقہ پر جس طرح اللہ نے پیامدار اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ  
میں، اُسی طرح مرتب ہو چکی ہے۔ اس میں مداخلت کی گنجائش کسی کو نہیں رہی۔ یہی قرآن پاک ہے جو کائناتوں  
دُائیتوں، پستیوں اور ظلمتوں کے دور کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔ اب اس کی تلاوت میں جو حُجُوبے واقع ہوتے  
ہیں۔ ہر قسم تو اُن کو دافع نہیں کر سکتا مگر دھما قلم جو قرآن پاک کے رنگ میں خوب رنگ چکا ہو اور دوسرا  
رنگ قبول کرنے کی اس میں صلاحیت اور قابلیت ہی نہ رہی ہو۔ امید ہے کہ دلہ کچھ واضح کر سکے۔

کیسی عظیم نعمت ہے کہ ایک بڑی شکل کو اللہ تعالیٰ نے آسان فرمادیا۔ وہ یہ کہ قرآن پاک کو کھولتے ہی  
اُس کے پڑھنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ ارشاد ہے: ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ﴿۵﴾ (نور، سورۃ نور، ۵) ترجمہ:  
یہ وہ کتاب ہے جس کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ یعنی خط اور تار کو جس طرح یقین کر کے پڑھتے ہو اور  
اُس پر ہنستے یا روتے ہو، حالانکہ وہ خبر ہے واقعہ نہیں۔ جھوٹا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کو یقین  
کے ساتھ پڑھو کیونکہ قرآن پاک میں اس کی بالکل گنجائش نہیں کہ اس کے بیان پر خیال میں بھی شک اور  
تذبذب آئے۔ اس ارشاد مبارک سے صاف اخذ ہو رہا ہے کہ تلاوت قرآن پاک لا ارب طریقہ پر  
اسی وقت ہو سکے گا جب کہ ظلمتوں، شکوک، تذبذب سے اذبان پاک ہو کر تیار ہو جائیں اور قرآن پاک  
کے رنگ سے مزین ہو جائیں۔ اس کے بعد تلاوت کرنے سے معلوم ہوگا کہ سطر سطر اور آیت آیت میں نوع

انسانی کی مشکلات کا حل اور ظلماتِ عالم سے نکلنے کی راہیں صاف طور سے واضح فرمادی گئی ہیں۔ تلاش کرنے والا خود ہی ان باتوں کو تلاش کر کے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ تحریر میں لانا کبھی بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا جس کو پیاس اور تشنگی نہ ہو اس کے لیے دریا کے دریا۔ پانی کے بریکاریں۔ اور جس کو پیاس اور تشنگی ہے اس کے لیے ایک گلاس پانی بھی بڑی قدر و منزلت کی چیز ہے۔

بہت سی خوبیاں اور برکات حضراتِ مفسرینِ سابقین موجودہ نے ظاہر فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ اب جو کچھ بھی تفکراتِ برتر ان کیا جائے، ان ہی اصولوں کو سامنے رکھ کر کیا جانا صحیح اور کارآمد ثابت ہوتا ہے۔

ایک بات اور بھی سمجھ لی جائے تو بہتر ہے جس کا اشارہ اوپر کی بات طلبِ صادق ضروری ہے | میں بھی آگیا ہے لیکن پھر اسی کو دہرانا مناسب سمجھتا ہوں۔ انشاؤں اور فائدہ مند ثابت ہوگی سخت گرمیوں کے رمضان میں کوئی شخص کسی ضرورت کے لیے افطار کے قریب غروبِ آفتاب سے کچھ قبل بستی یا شہر سے دور پہنچ جائے اور داپسی کے وقت اسبابِ داپسی سُد ہو جائیں اور یہ شخص جس طرف نظر ڈالے سوائے ریگستان کے سبزی تیار بھی نظر نہ آئے اور زبان ایڑی کی طرح خشک ہو جائے۔ ہر طرف سے مایوسی کے آثار نمایاں ہو جائیں اور ہلاکت اور موت کا سامنا قریب آجائے اور رقیق جان رہ جائے۔ اس آخری وقت میں اس کے سامنے ایک کوزہ پانی کا لائے تو اس سے جو کچھ چاہے قیمت لے سکتا ہے۔ اس کی نظر میں ایک کوزہ پانی کی کیا کچھ عظمت اور وقعت ہوگی اور کتنا مرغوب اور محبوب وہ پانی ہوگا اور اس کے پینے سے کس قدر لذت اور ذوق حاصل ہوگا اور وہ پانی فوراً مسامات سے ظاہر ہونا شروع ہو جائے گا۔ حالانکہ یہی پانی اپنے گھر میں یا حوض کے کنارے وہ لذت اور تاثیر نہیں لے سکتا۔ پانی یہ اور وہ یکساں ہیں۔ وہ کم پانی بہت قدر کا تھا اور یہ بہت سا پانی بے قدر ہے۔ پینے والے کی تشنگی پانی کی قدر و منزلت اور لذت کو بڑھاتی ہے۔ اسی طرح جس میں تشنگی اور طلب نہ ہو اس کو نصیحت کرنا بے سود ہے اور جس میں تشنگی ہے اس کے نزدیک معمولی سی بات بھی قابلِ قدر ہوتی ہے۔

یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ قرآنِ پاک کی تلاوت بھی اسی پیاسہ کو لذت دے گی اور برکات بڑھائے گی جس کو اس کی طرف انتہائی شغف، انہماک اور عشق پیدا ہو چکا ہو اور اس پر یقین ہو کہ ”فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا“ (دکھ

مکرمات، ترجمہ: پس جو کوئی تھا اخلاذ ندی کا امیدوار ہے اُس کو چاہیے کہ وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اللہ جل شانہ کی ملاقات کا اشتیاق اور انتظار اُخروی نعمات کا جویاؤ طالب بنانا ہے۔ آیت شریفہ میں اسی طرف رہبری کی جا رہی ہے پھر دنیاوی زندگی کی درستگی اور نوع انسانی کے کمالات کو بھی قرآن پاک نے مکمل فرمایا ہے اور ان عبادات اور مجاہدات کی طرف رہبری فرمائی ہے جو کمالات انسانی کو نہ مٹائیں بلکہ کمالات انسانی کو اپنی جگہ قائم رکھ کر بڑھا کر نیز بلند ی پر پہنچا کر مقصد عالی تک رہبری فرمائی ہے۔

**لذات اور منافع کے مواقع** لذات اور منافع ہر وقت اور ہر موقع کے اعتبار سے جداگانہ ہیں صغیر سن نابالغ بچہ کی نشوونما اور ترقیات جن چیزوں سے وابستہ ہیں جو ان لوگوں کی زندگی ان سے جدا ہے۔ جو ان لوگوں کے جو لذات اور ترقیات ہیں کبر سن حضرات اُن سے بُتر ہیں۔ اب ہر ایک سے فائدہ اُٹھانے کی اور ہر ایک کو فائدہ پہنچانے کی صورت بھی ظاہر ہے کہ الگ ہوگی۔ کبر سنوں سے فائدہ اُٹھانے کی صورت الگ ہے، جو انوں سے فائدہ اُٹھانے کی ذمیت جدا ہے۔ بچوں سے فائدہ اُٹھانے کی کیفیت علیحدہ ہے۔

یہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک وقت کے لذات دوسرے وقت کے کمالات کو مٹا دیتے ہیں۔ بعض بچپن کے لذات جو انی کے اذواق کو برباد کر دیں گے اور بعض جوانی کے اذواق کبر سن میں تباہی کا باعث ہوں گے۔ قرآن پاک نے بھی بعض وقت لذات عاجلہ سے روکا ہے اور اس لحاظ سے روکا ہے کہ اُسندہ کی زندگی پر دباؤ نہ آئے۔ بعض اعاقت اندیش حضرات اپنی تعجیل اور کم حوصلگی اور نادانیت سے بے موقع حصول لذات کے خواہاں ہو کر اُسندہ کی زندگی میں تباہ کن بلاؤں میں پھنس جاتے ہیں۔ شفیق ماں باپ اور مہربان اساتذہ کسی وقت بچہ کو کھیل کود کی چیزیں از قسم کھلونے وغیرہ دیتے ہیں اور کسی وقت کھیل سے روکتے ہیں اور کسی وقت تعلیم اور مدارس کی کشمکش اور مصوبوں کو اُس کی اُسندہ زندگی کی فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان مثالوں کو ملحوظ رکھ کر اور دل و دماغ میں اُن کو جگہ دے کر قرآن پاک کا مطالعہ کرنا ترقیات اور برکات کا موجب ہوتا ہے حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ ایسی نعمت اور اتنی بڑی دولت جن کے گہروں میں اور جن کے ہاتھوں میں موجود ہے، کس امر نے ان کو اس سے بے التفات بنا رکھا ہے؟

.....

غور و فکر کا مقام ہے کہ ایک ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی  
 علم و صداقت اور صبر و استقلال کا اثر  
 ہتھیار اور اسباب سے خالی رہ کر کس چیز سے ان تمام قوموں کو پہلی  
 اور قبیلوں پر فتح حاصل کر لی جو اسباب دنیا اور ساز و سامان  
 جنگ اور ہتھیاروں سے محکم تھے۔

ایک دن دو دن نہیں، ایک ماہ دو ماہ نہیں، ایک سال دو سال نہیں، بلکہ دس برس تک تمام  
 صعوبات اور مصائب راحتوں کی صورت میں برداشت کرتے رہے جس سے ان کے دل و دماغ متاثر  
 ہوتے گئے اور ہم خیال ہوتے چلے گئے سوائے ان اذلی اشقیاء کے جن کی قسمت میں ہدایت نہ تھی ان  
 کی مثال تو ایسی ہے کہ جس طرح کہ بڑباگل اور چھوڑو آفتاب سے کنارہ کرتے ہیں گھبراتے ہیں اور آفتاب  
 ان کو برا معلوم ہوتا ہے، اسی طرح وہ اذلی اشقیاء تھے جو آفتاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھبراتے اور  
 کنارہ کرتے رہے۔ حالانکہ آفتاب صبح کی آنکھوں کو روشن کرتا ہے اور سب کی معیشت اور معاشرت  
 کو وسیع کرتا ہے مگر بڑباگل اور چھوڑو کو تنگی اور گھبراہٹ کے گوشہ میں محصور کر دیتا ہے اور ان  
 کو اسباب زندگی سے مجبور رہنا پڑتا ہے۔ انسانوں میں بھی سورج مکھی لوگ ہوتے ہیں جن کو آفتاب  
 برا معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ ان کی بصارت کا نقص ہے آفتاب پر اس میں قصور عائد نہیں ہوتا۔

گر نہ بیند بردز شپہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

ترجمہ: اگر چمکاؤ کو دن میں دکھائی نہ دے تو، سرچشمہ روشنی آفتاب کا کیا قصور؟

ایسی بھی ہستیاں اخیر تک رہیں جن کو ذات اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیگانگی ہی رہی،  
 ان کو اپنی کور باطنی اور مگر اسی اس قدر پسند تھی کہ اُس کے مقابلے میں یہ روشنی ان کے واسطے مُضر  
 ثابت ہوئی۔ یہی صداقت اور سچائی، علم و بردباری، صبر و استقلال تھا جس نے اغیار کو احباب  
 بنالیا۔ ہمارے بہت سے احباب ان ہتھیاروں سے غافل ہو کر اپنی دانتوں اور پستیلوں کو ترقی  
 کی صورت میں دیکھ کر نقصان میں پڑ چکے ہیں اور پڑتے جا رہے ہیں مگر ان کی غور و فکر اس  
 طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ اس تحریر میں جو آپ کے سامنے ہے باہمی ارتباط کا قائم رہنا یا جو کلام  
 ایک دفعہ آجائے اس کو مکرر نہ لانا جو بات ایک دفعہ کہدی گئی اس کو دوبارہ نہ کہنا ان چیزوں



کا بالکل لحاظ نہیں رکھا گیا ہے کیونکہ ربط عبارت مقصود نہیں ہے بلکہ اصلاح ظاہری اور باطنی مقصود ہے۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی کلام کئی نوع سے منکر ظاہر ہو گا۔ اور بار بار آئے گا۔ اھ قصد لانا پڑے گا کیونکہ اس کلام کو یاد رکھنا ضروری ہے۔

آپ نے اس پر بھی کبھی غور فرمایا ہو گا کہ آیت شریف  
**قوت متضادہ اور استعداذاً مکمل** | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ” (جو کہ صفات خداوندی رحمن و رحیم سے متصف ہے اور حقیقت میں بھی بڑے درجہ کی چیز ہے اس پر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) کا مقدم کرنا کس مصلحت سے ہے؟ اور اس میں کیا نکتہ ہے۔ دیکھیے قوت متضادہ اور استعداد نامکمل جب تک درست نہ ہو، انسان جس کام کو بھی شروع کرے گا اس کا تکمیل کو پہنچانا یا او شکل ہو گا یا نامکمل ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بول و دہرا کا مقدم کرنا نماز اور وضو پر لا بُد اور ضروری ہے کیونکہ یہ چیزیں وضو کو ناقص اور نماز کو خراب کرنے والی ہیں، اُن سے تزکیہ حاصل کیے بغیر عبادت میں مشغول ہو جانا یقیناً عبادت کو ناقص کرے گا۔ یہ مسئلہ انشاء اللہ ہر جگہ فائدہ دہ ثابت ہو گا۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض سب عبادتوں میں اس مسئلہ کو مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ نماز سے پہلے بھی یہی صورت ہے اور حج سے پہلے بھی منافی حج جو چیزیں ہیں ان کو دور کر کے ایک روحانیت پیدا کرنا ضروری ہے جو اس راہ میں کارآمد ہے اور اس عبادت کو صحیح بنانے والی ہوتی ہے۔

آپ حضرات پر یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک شخص صابن سے ہاتھ دھویا ہوا ہے مگر جھنجھی ہے اور دوسرا مٹی میں ہاتھ بھرا ہوا ہے تو ادا کو قرآن شریف سے ہاتھ لگانے اور پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور دوسرے کو منع نہیں کرتے۔ ظاہر ہیں حضرات جو ان مسائل سے واقف نہیں ہیں ان کو تعجب ہو گا کہ دھلے ہوئے صابن ہاتھوں کو برابر نا ادر مٹی میں بھرے ہوئے ہاتھوں کو صابن سمجھنا کس قدر مشاہدہ اور عقل سے دور بات ہے بس معلوم ہو کہ ہر چیز کے سمجھنے کے لیے عقل اور نظر ہی کافی نہیں بلکہ کچھ اور قوتیں عقل و نظر سے بالاتر بھی ہیں جن سے اچھا اور بُرا تمیز کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف کی تلاوت میں بھی کسی نظر عالی کی ضرورت ہے جو قرآن شریف ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اور تنبیح بنی صلی اللہ علیہ وسلم اور حالات بابرکت کی تلاش سے۔

ایک اور بات بھی بہت قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ تمام متقدمین **”حصول فیض اور ازلہ کدورت“** | عارفین کی تحقیق ہو چکی ہے کہ جو شخص جس سے فیض حاصل

کہ اس سے اگر فیض حاصل کرنے والے کے دل میں تھوڑی سی کمی کہ درت آجائے تو فیض کا دروازہ مسدود ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر فیض اٹھانے والا بے ارادہ بھی اس شخص سے جس سے فیض اٹھاتا ہے۔ فیض اٹھائے لیکن اس کا اعتقاد اور محبت اس کے ساتھ صحیح ہو تو فیض پہنچا ناممکن ہے۔ یہ فیض اٹھانا اور فیض پہنچانا موجودہ زمانہ کی کمبودات سے عیاں ہو چکا ہے۔ آج کوسوں کی آواز یہاں سن کر اس سے فیض اٹھا کر ہے۔ لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جو ان آلات کے درمیان میں اگر تھوڑی سی کمی حال ہو جاتی ہیں تو صحیح آواز کے آنے میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اور اگر زیادہ حائل ہو جاتی ہیں تو آواز ٹک بھی جاتی ہے۔ ہمارے برادران غور کریں اور اچھی طرح غور کریں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایسا واسطہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل فرما کر ہم کو فیض پہنچانے والے ہیں۔ یعنی حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو قرآنی فیض ہم تک آ رہا ہے وہ ان ہی حضرات کے ذریعہ سے آ رہا ہے۔ اب ان بزرگ ستیوں سے جن کے فضائل میں قرآن مجید اور حدیث مبارک ناطق ہیں اگر تھوڑی سی کمی کہ درت اور ذرا سا بھی میل دل و دماغ میں خدا نخواستہ تنگی ہو یا شبہ بھی پیدا ہو تو فیض قرآنی اور برکات رحمانی کا مسدود ہونا ضرور ہے۔ صرف لغت دانی اور معانی شناسی باقی رہو گی جو حصول مقصود میں زیادہ کار آمد نہیں۔

بہت سے احباب اپنی تحقیق اور مسلمات اور تاریخی واقعات اور اپنے جذبات اور محبتوں کو بھی کارآمد سمجھ کر ان سے ذاتی طور پر کوئی نتیجہ نکال کر اور بابرکت ہستیوں سے کہ درت رکھ کر یہ خیال کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں تقاضائے محبت اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہے حالانکہ اہل بیت کی عظمت کا علم بھی ان ہی اصحاب کرام کے واسطے سے ہم کو پہنچا ہے۔ اس کی تفصیل تو عقائد کی کتابوں میں مفصل موجود ہے۔ مگر یہاں اس کو اشارتاً بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے برادران اور مجاہدین کو یہ آگاہی ہو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مسلمات اور مناقشات سے ذاتی طریقہ پر کوئی نتیجہ نکالنا یا کوئی غلط خیال بھی کسی قسم کا کرنا بابرکت قرآن پاک کو مسدود کر دیتا ہے۔

یہ مختصر بات جو ہم لکھ رہے ہیں اس کی تفصیل بہت ہے اور اس پر بڑی بڑی تحریریں اور رسالے لکھے گئے ہیں۔ ہم کہہ دو کہ کم مل رہا ہے اور تحریر کو مختصر لانا ہے اور صرف اپنے احباب کو وہ صورتیں مجمل طریقہ پر بتانا ہے جو تلاوت قرآن پاک سے اخذ برکات میں حاجب اور مانع نہ ہوں۔

تمام ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بلندی و برتری معلوم تر بہت، قرآن پاک میں تحسین اور تلاش کے بعد ظاہر ہو گی اور احادیث شریفہ سے ہر ایک کی شانِ علویّت الگ الگ پائی جائے گی اگر ان کو جمع کر کے یہاں لکھا جائے تو مستقل ایک ضخیم رسالہ مرتب ہو جائے۔

اچھا اور مناسب ہی معلوم ہوا اور بہت غور و فکر کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہر ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے اور ہر ان صاحب سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے، آپ کی زیادت سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ کے زمانہ میں تشریف رکھتے تھے پھر ان کے بعد والوں سے۔ ان تمام حضرات سے محبت اور تعلق جتنا بڑھتا جائے گا۔ اتنے ہی فیوض و برکات قرآن مجید میں حاصل ہوتے جائیں گے۔  
وَلَا تُفْلِكُوا فِي الْمُنَاسِقَاتِ

یہ مختصر بیان عقائد کی کتابوں میں قرآن کریم کی آیات کی تفسیر میں اور احادیث شریفہ کے ابواب میں واضح طور پر موجود ہے۔

سابق میں یہ تو ہم لکھ ہی چکے ہیں کہ ایک بات حسب ضرورت کئی دفعہ لکھیں گے تاکہ پڑھنے والے حضرات اس سے غافل نہ ہوں کہ یہ بہت ضروری بات ہے۔ چنانچہ ہم پھر سابقہ عبارت کو دہراتے ہیں کہ بعض واقعات موجودہ اور صحیحہ کو خیال میں نہ لانا اور زبان سے بھی ادا نہ کرنا، اس کا نام ادب ہے۔ اب اس کی مثالیں خود غور فرمائیں۔ کتنی ایسی چیزیں موجود ہیں اور روزمرہ ایسے واقعات صادر ہوتے رہتے ہیں جن کے بیان کرنے اور خیال میں لانے سے ادب ماریع ہوتا ہے۔ بچی کی شادی ہو کر اولاد ہو نادائقہ صحیحہ ہے مگر کوئی اس کو بیان نہیں کرتا۔ اسی طرح کی اور بہت سی روزمرہ کی باتیں ہیں، واقعہ میں ہوتی ہیں لیکن بیان نہیں کی جاتیں، پس اس قسم کی چیزوں کو ملحوظ رکھنا صراطِ مستقیم پر قائم رہنے والے کا عقلمند کا اور برکات کے متلاشی کا اولین فرض ہے۔

در اصل ہم کو تو اس طرف توجہ دلانا اور اسی کوشش کو بڑھانا مقصود ہے کہ قرآن پاک سے اپنی زندگی کو بالکل مطابقت کرنے کی کوشش کی جائے، امکانی صورت میں تاکہ فیضانِ قرآنی سے محروم نہ رہیں۔

یقین کیجیے کہ اگر آپ نے کوئی بھی کتاب نصیحت، ہدایت اور وعظ کی نہیں پڑھی اور صرف قرآن شریف ہی کو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اور خود قرآن پاک کے الفاظ میں پڑھتے تھے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو سب سے استغنا حاصل ہو کر وہ چیز حاصل ہو گی جو بہت زیادہ کلام آمد

ہوگی اور زندگی کو بہت ہی منظم اور بلند کرنے والی ہوگی اور آخر دی زندگی حاصل کرنے کا سبب بنے گی۔

ہمارے محترم احباب کو اس طرف توجہ کرنا اناشاء اللہ ہر امر میں اعتدال کا لحاظ ضروری ہے

ہفتہ ثابت ہوگا کہ ایک چیز ایک ملک مفید اور لذتیز اور کامدہ ہوتی ہے اور دوسری چیز جب مقدار اور حدود سے تجاوز کر جاتی ہے تو مضر اور بذالغہ ہو جاتی ہے مثلاً نمک کے بغیر کوئی چیز لذتیز نہیں ہوتی لیکن جب وہ حد سے زیادہ ڈال دیا جائے تو بے مزگی اور خرابی پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح شکم بھی مفید اور لذتیز چیز ہے مگر اس کی زیادتی بھی لذت اور فائدہ کو مٹا دیتی ہے۔ اسی طرح ہر چیز پر غور فرمائیے۔ مثلاً محبت، اخلاص اور اعتقاد ان چیزوں کی بھی حدود ہیں اگر ان ہی حدود پر یہ رہیں تو مفید اور کامدہ ہیں اور اگر بڑھ جائیں تو مضر اور نقصان دہ ہو جاتی ہیں۔ اس کا موازنہ کتاب انشراح و اصلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے صحیح طور پر کیا جاسکتا ہے کہ کس چیز کی کیا حد ہے۔

اسی طرح الہامات اور انکشافات اگرچہ بہتر چیزیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے عالم والوں نے بہت سے برکات اور فیضان حاصل کیے ہیں۔ مگر ان کے بھی کچھ حدود ہیں۔ ان ہی حدود تک رہ کر ان سے فائدہ اٹھانا اور اس کے بعد ان سے سکوت اختیار کرنا دشمنی اور سمجھداری ہے۔ لیکن یہ بھی خوب یاد رکھیے کہ جو باتیں ہماری سمجھ سے باہر اور ہمارے علوم و معلومات سے بالا ہیں۔ ممکن ہے کہ اس میں وہ امر اور پوشیدہ ہوں جن کو حل کرنے سے ہماری عقل عاجز ہیں۔ بہر حال الہامات اور انکشافات میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شریعت کی مخالفت نہ ہو اور یہ بھی یاد رہے کہ الہام غیر پر حجت نہیں ہے اور نہ غیروں پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ ایسا نہ کرے کہ ان ہی کو شمع راہ بنالے کہ کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید اور تنسیخ ہو اور شریعت غر کی مخالفت ہو۔ بہت سے ارشادات سابقین کے ایسے ہوئے ہیں جن کو ہم نے بالکل نہیں سمجھا اور ہماری عقلوں نے ان کو بالکل نہیں پایا اور جو پایا اور سمجھ وہ ان کا مطلب ہرگز نہیں تھا۔ پس جو انھوں نے لکھا ہم نہیں سمجھے اور جو ہم سمجھے وہ انھوں نے ہرگز نہیں لکھا۔ اس لیے ان کی عبارتوں اور اشارات کو لے کر اس پر اپنا عقیدہ کر لینا اور اپنی سیدھی راہ کو چھوڑ دینا صراطِ مستقیم سے بہت دور کر دیتا ہے۔ اس کی تفصیل غور و فکر سے آپ حضرات کو خود معلوم ہو جائے گی۔ زیادہ مثالوں اور تشبیہات سے سحر پر طویل ہو جاتی ہے اور سمجھ منتشر ہو جاتی ہے۔

ایمان کا انحصار تو صرف دو چیزوں پر ہی لازمی ہے۔ اول کتاب اللہ اور اس  
مرار ایمان قرآن وحدیث کی وہ تادیلات و تشریحات جو قرن اول میں حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کی تعلیمات پر ہے! نے خود فرمادی ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اُن ہی

کو واضح فرمایا ہے اور تابعین اور تبع تابعین تک ان چیزوں کی صحیح تادیل ہوئی ہے اور درست بیان ہوا  
ہے۔ وہ کلمہ اللہ تعالیٰ معتبر تفسیروں میں موجود ہے۔ دوسرے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ان کے علاوہ ادھر ادھر مٹنا۔ دیکھنے اور سمجھنے میں تو چھوٹی سی بات ہے مگر اس کے نتیجے میں بڑی  
خرابی ہے۔ بعض بات دیکھنے میں چھوٹی ہوتی ہے مگر اس کا نتیجہ بڑی خرابی کا باعث ہوتا ہے دیکھیے  
حضرت مکرمہ محترمہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جناب پاک میں چھوٹی سی گندہ دہانی  
کو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: وَتَحْسَبُونَهُ هَيْئًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ کاذبہ، زعمہ،  
تم اس کو معمولی بات خیال کرتے ہو۔ حالانکہ خدا کے نزدیک وہ بڑی ہے۔ اسی طرح ہمارے خیال میں اول  
عمل میں بعض باتیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں اور ہم ان کو حقیر سمجھتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک وہ بڑی ہوتی  
ہیں۔ نیکی میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں اور بدی میں بھی۔ اچھے اور بُرے کا تمیز اپنی تحقیقات و معلومات  
اور علم پر ہرگز نہ ہونا چاہیے خواہ علم کتنا ہی وسیع ہو جائے اور عقل کتنی ہی بلند ہو جائے مگر اس میں  
خطا ضرور ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ ایک چھوٹی سی مثال آپ کے سامنے پیش کرنا مناسب  
سمجھتا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ دیا سلائی کی ڈبیسہ (ماجیں) کس قدر حقیر اور چھوٹا سا کھج ہے  
اور اسکی ایک کڑی کس قدر حقیر و حقیر اور پھر اس کا منہ جس میں مسالہ نصب ہے کس قدر حقیر چیز ہے  
مگر بارود اور پیرٹروں کے کارخانہ میں کتنا بڑا فساد پھیلانے والی چیز ہے۔ اس حقیر اور بے مقصد چیز کے تمام  
کارخانہ برباد ہو سکتا ہے۔

اسی طرح میرے برادران! منہ سے ایسا کوئی لفظ بلا سوچے سمجھے اور بلا تحقیق کے نکالنا یا خیال میں  
لانا جو ظاہر کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں ہے بلکہ اس میں ایجاد ہے اور  
اس کی مخالفت ہوتی ہے بڑے ظلم کی بات ہے۔ اگرچہ وہ مخالفت تھوڑی ہوتی ہے مگر کارخانہ اسلام  
کو جس میں بڑے بڑے اعمال موجود ہیں اور بڑی بڑی عبادتیں موجود ہیں وہ خراب اور برباد کر دیتی ہے اور  
ہم کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کیا ہوا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ  
 دجرات کو صحت پر محمد اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کر دو اور نہ گفتگو میں اس طرح  
 چیخو جس طرح آپس میں پہنچتے ہو ورنہ اس بے ادبی سے تمہارے نیک اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم کو احساس  
 بھی نہ ہونے پائے گا۔ آواز کا بلند کرنا بہت چھوٹا فعل ہے مگر نتیجہ اس کا بڑے بڑے اعمال کی بربادی  
 کا سبب ہو سکتا ہے پس معلوم ہوا کہ چھوٹی اور حقیر اور معمولی چیز کو چھوٹا سمجھ لینا صحیح نہیں ہے بعض  
 وقت یہی چھوٹی شے بڑی چیزوں کو منہدم کرنے والی ہو جاتی ہے۔

ایمان کی بلندیاں ہرکات اور دعوت جو اس وقت ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں اور حقیقت  
 میں وہ اس عالم میں موجود ہیں ان کو صحیح و سلامت رکھنے والی چیز صحیح پیردی قرآن پاک ہے اور اس کے  
 وہ معانی ہیں جو احادیث اور تفاسیر معتبرہ نے ظاہر فرمائے ہیں اسی سے ایمان کی بلندیاں سلامت اور قائم  
 رہ سکتی ہیں مختصر عبارت ہے جو مثالوں اور تشبیہات سے اگر مفصل کی جائے اور وضاحت بڑھائی جائے  
 تو دیکھنے والوں پر گراں گزرے گا اور وقت کثیر صرف ہوگا اور اس مختصر میں تھوڑے فہم والے حضرات بھی  
 بڑی سے بڑی چیزیں اور بہت سی کارآمد باتیں اخذ فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

احادیث مبارکہ میں ایسی چیزیں بھی ملیں گی جو حضور انور علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام کے ارشادات مبارک میں یا عل مبارک میں پائی جاتی ہیں مگر  
 ان کی کوئی خاص مصلحت اور خاص ضرورت ایسی ہوتی ہے جن کا ایک  
 خاص وقت اور خاص موقع سے تعلق ہے۔ اس کی شناخت کے لیے  
**تشریح سنت کے لیے**  
**عمل صحابہ کا دیکھنا بھی**  
**ضروری ہوگا!**

بہتر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کو دیکھا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر  
 فعل و حرکت پر فہم و شاکر تھے۔ اگر اس قوی و فعلی سنت کو انھوں نے جاری رکھا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ  
 یہ سنت مبارکہ جاری رہنا چاہیے اور اس میں کوئی وقتی مصلحت نہ تھی بلکہ یہ عام ارشاد اور عام قابل  
 عمل حکم ہے۔ محض حدیث مبارکہ کو لے کر اپنے علم کی قوت اور تحقیق سے اس پر عمل کر لینا مناسب نہیں۔  
 اکثر دیکھا جا رہا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو فعل کبھی اختیار نہیں کیا اور اس کو ناپسند  
 رکھا۔ کیونکہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی مصلحت اور کسی موقع سے کسی شخص کو اس کی خاص اجازت  
 عطا فرمائی تھی۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو سمجھ لیا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم کی اجازت خاص ہے۔ موقع خاص کے لیے۔ لہذا اس کو اپنے عمل میں جاوی نہیں رکھا۔ بس یہی حجت انشاء اللہ کافی ہوگی۔ مثالیں تلاش کیجیے اور غور کیجیے اگر اس قول پر چساں ہیں تو اختیار کیجئے ورنہ رد کر دیجئے کیونکہ یہ تو ہم لکھ رہے ہیں کہ ہمارا قول تسلیم نہ فرمائیے جب تک کہ کتاب اللہ اور احادیث رسول صلعم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین تابعین اور آئنا سلف صالحین میں اس کا ثبوت نہ پایا جائے کیونکہ ہم خامی اور محدود معلومات رکھتے والے ہیں۔

تحریر سابق کا مطلب یہ ہے کہ خلاصہ کی درستگی حصول باطن کا  
ظاہر کی درستگی باطن کی درستگی  
کے لیے ضروری ہو!

صاحب جن کا ظاہر غیر متشرع تھا خانقاہ میں تشریف لا کر فرمانے لگے مجھے ایک بزرگ کا ارشاد ہوا ہے کہ آپ کے بیعت کروں اور اس وقت اسی لیے حاضر ہوا ہوں اور بار بار اسی پر اصرار کرنے لگے کہ آپ سے بیعت کر کے باطن حاصل کرنے کی کوشش کروں میں بہت اٹکا کر تار با تگرہ مسلسل مختلف جلسوں اور مختلف موقعوں پر آکر اصرار کرتے رہے بالآخر میں نے ان کو یہ سمجھایا کہ شکستہ برتن میں اگر دودھ دیا جائے تو تھوڑی دیر میں وہ دودھ غائب ہو جائے گا اور الزام یہ رکھا جائے گا کہ دودھ خراب ہے اور جلد ہی خشک ہو جاتا ہے اور برتن کی شکستگی پر خیال بھی نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے اذل برتن کا درست ہونا لازمی اور ضروری ہے اس کے بعد اگر طلب کریں تو کہیں سے دودھ طلب کیجئے۔ اس کہنے پر یہ ارشاد کیا کہ کرا فرما کر برتن بھی آپ ہی عطا فرمادیں۔ میں نے عرض کیا کہ ساتھ سے زبو برس تک حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے دودھ ہی عطا فرمایا۔ برتن کو خود ثابت رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے مکلف بنایا ہے جو چیز کہ خود کے اختیار میں ہو اس کو دوسرے پر ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ یہ اس لیے لکھا گیا کہ ظاہر کی درستگی کو باطل نظر انداز کر دیتے ہیں اور کمالات باطن کے حصول کی طرف توجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ ایک امر کی طرف ہمت تام اور کوشش مبلغ صرف کر دینا اس کے دفعیہ کے لیے درست کافی ہو جاتا ہے۔ قوت سے باہر اور طاقت سے زیادہ اگر کوئی کام ہو تو اس میں اتنی قباحت واقع نہیں ہوتی جتنی قباحت اس کام سے بے اعتنائی میں واقع ہوتی رہی یہ بہت مختصر چیزیں ہیں اور بہت ہی کم ہیں مگر ان ہی پر اکتفا کرنا مناسب وقت و حال ہے اور سہولت کو اختیار کرنا مناسب ہے۔

**حقیقت بیعت اور عالم باطن** مختصر طریقہ پر اب وہ چیز بھی سامنے لانا ضروری ہے جس کے لیے بیعت کی جاتی ہے اور ایمان کو تازہ کیا جاتا ہے۔ تو بہ کی تجدید کی جاتی ہے۔ موجودہ دنیا کے مشاہدات اسکو واضح کر چکے ہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ فیض اٹھانے کے طریقے مختلف مقرر ہیں۔ خطوط کے ذریعہ تاروں اور ہواؤں کے ذریعہ ایک جگہ کے فیض سے لوگ دوسری جگہ مستفیض ہو رہے ہیں۔ اسی طریقہ پر کچھ فیض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ہمارے خیال اور ردل سے بڑا تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً ایک غیر معروض صاحب کسی مجلس میں ہمارے درمیان میں تشریف رکھتے ہیں بلکہ ہم کئی لاقائیں نادانگی میں ان سے کر چکے ہیں، لیکن جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب ایک بڑے عمدہ دار اور صاحب اختیار دولت اور قدر رکھنے والے ہیں تو اس وقت ہم لوگ ان کو دوسری نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں اور ہم پر ان کے کچھ اور ہی اثرات طاری ہونے لگتے ہیں دوسرے نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں حالانکہ مرتبہ کی شناخت سے قبل بھی وہی صاحب تھے اور بعد میں بھی وہی صاحب تھے لیکن علم شنے کے بعد کیفیت میں تغیر پیدا ہو گیا۔ اسی طریقہ سے انتقال فیض اور اخذ برکات کی کیفیت ہے جس کا بڑا تعلق شروع شروع میں خیالات سے پھر یقینا سے ہوتا ہے۔ پہلے ہمارے خیال میں پھر یقین میں ایک صاحب دولت اور صاحب قدرت ہوتا ہے تو ہم پر اس کا فیض طاری ہونے لگتا ہے۔ پیر کے ساتھ بھی جب حسن ظن اور حسن اعتقاد شامل ہو جائے تو فیض کا دروازہ کھلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جس کے ہاتھ پر تو بہ کی ہے اس کو باری تعالیٰ کی جناب میں تمجی اور تضرع ہو کر یہ عرض کرنا لازم ہے کہ اے ہادی مطلق آپ مجھ کو اور اس تو بہ کرنے والے کو اور تمام عالم کو ہدایت فرمانے والے ہیں مجھ کو وہ راستہ تعلیم فرمائیے جس کے ذریعہ سے میں اس کو یہ بتلا سکوں کہ جس عالم میں تم موجود ہو اسی عالم میں ایک اور بھی دنیا ہے جو تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ جب اس دنیا کے آثار و احکام تم پر ظاہر ہونا شروع ہوں گے تو خود بخود اس عالم سے بے التفاتی شروع ہو جائے گی کیونکہ وہ عالم اس عالم کشف سے اس قدر زیادہ لطیف اور خوش منظر اور دلکش ہے کہ فطرت انسانی بے قابو اس کی طرف مائل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اسی کو عالم باطن کہتے ہیں۔

اُس عالم کا آنکھوں سے چھینا اور اس عالم کا ظاہر ہونا کوئی اجنبی اور انوکھی بات نہیں ہے۔ ایک جگہ ایک محفل میں ہم بیٹھے رہتے ہیں، ہم سب کی طرف مخاطب اور متوجہ ہوتے ہیں..... اس مجلس میں ایک ممتاز ہستی



کچھ اعلیٰ سے اعلیٰ گفتگو کرتی ہو اور ہم اس کو بنورسُن رہے ہوں اسی اثنا میں ہم کہہ خیال آجائے کہ ہم اپنے مکان پر دس پانچ ہزار روپیہ بے حفاظت چھوڑ کر چلے آئے ہیں اور وہاں بے احتیاط لوگ بھی آ جا رہے ہیں تو اس خیال کے بعد ہم پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ یہ سب لوگ ہماری نظر سے چھپ جاتے ہیں اور وہ باتیں کہ جن کو ہم بہت غور و مشق سے سُن رہے تھے اب ہم کو سنائی نہیں دیتیں۔ مجبوری اور بچھڑی سے ہم تھوڑا سا دقت گزارنے کے بعد وہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر پہنچے جب ان روپوں کو دیکھ لیتے ہیں تو لیکن حاصل کرتے ہیں۔ بعد اس کے جب ہم واپس آتے ہیں تو صاحب مجلس یہ کہتے ہیں کہ وہ باتیں جو میں نے اس وقت کارآمد کی تھیں آپ نے ان کو اچھی طرح سے سُن لیا؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو اس وقت کچھ سبھی سنائی نہیں دیا، وہ ہم سے پوچھتے ہیں کہ اچھا وہ صاحب جو تشریف لائے تھے اور اُٹھ گئے تو اس کو بھی کیا تھا؟ آپ نے ان کو بھی پہچانا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم کو تو اس کا بھی ہوش نہیں۔ اس کیفیت کو ایک امثال سے واضح کرتے ہیں۔ ترجمہ حدیث:

”حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ نہایت غمگین تھے اور بعض کے دلوں میں طح طرح کے دوسے پیدا ہو رہے تھے اور میں بھی ان ہی لوگوں میں سے تھا اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمرؓ میرے پاس گزریں اور مجھ کو سلام کیا، لیکن محویت میں مجھ کو خبر نہ ہوئی۔ عمرؓ نے میری اس بے وفائی کی ابو بکرؓ سے شکایت کی اور پھر دونوں میرے پاس آئے اور دونوں نے مجھ کو سلام کیا اس کے بعد ابو بکرؓ نے کہا عثمان کیا بات ہے تم نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: ہیں تو ایسا نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا خدا کی قسم تم نے ایسا ہی کیا۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہ تو مجھ کو تھا اور دوسرے جانا یا رہے اور نہ تھا اور سلام کرنے کا خیال ہے۔ ابو بکرؓ نے کہا اے عثمان تم کو کسی شغل نے سلام کے جواب سے باز رکھا ہے۔ میں نے کہا: ہاں۔ ابو بکرؓ نے پوچھا کہ تم کس خیال میں تھے؟ میں نے کہا: خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات دی اس سے پہلے کہ ہم ان سے اس امر یعنی خطرات و دساؤں سے نجات کا کوئی راستہ دریافت کرتے تو ابو بکرؓ نے کہا میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا ہے۔ یہ سُن کر میں کھڑا ہو گیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر ہوں، آپ اس امر کے پوچھنے

کے طرح کے مستحق تھے۔ ابو بکر نے کہا میں نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔  
یا رسول اللہ اس امر بے نجات کا کیا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہائے  
اس کو قبول کرے جس کو میں نے اپنے بچا ابو طالب کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے اس کو  
قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو وہی کلمہ اس کے لیے نجات کا ذریعہ ہے۔ یعنی کلمہ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ  
مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ (بخلافہ شریف)

یہ حدیث شریف اس لیے لکھی گئی کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ کامل توجہ باطن کی طرف مبذول ہونے  
کی وجہ سے محسوسات اور معقولات دونوں مطلق ہو گئے۔ اسی طرح جب عالم باطن کا یقینات کی صورت میں  
دل و دماغ میں شکن ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ فنا ہونا لازمی ہے پھر اس نہو و باطن میں معاصی و دنا متیں  
پستیاں اور غفلتیں نظر آتی شروع ہوتی ہیں۔ یہ علامت ہے باطن کی طرف ترقی کی۔ پھر اللہ کی عام مخلوق  
جمادات، حیوانات، انسان ان سب کی عظمت ان کے تخلیقی اسرار و برکات مختلف صورتوں سے نمایاں  
ہونا شروع ہوتے ہیں۔ کسی بُری سے بُری چیز کو اور بُرے سے بُرے شخص کو جن کو تمام مخلوق ذلت اور  
خواری سے دیکھے اور سب اس کو برا سمجھیں سالک کی نظر میں اس میں بھی کچھ اسرار اور خوبیاں نظر آنے  
لگیں اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ جو برکات، ترقیات اور خوبیاں اس میں موجود ہیں میں ان سے خالی ہوں اور  
جو برائیاں اور پستیاں اس کی نظر آ رہی ہیں ان کے واسطے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان پستیوں سے  
کمال کر بلند یوں تک پہنچا دے اور ان بیماریوں سے جن میں یہ مبتلا ہے اور جو بمشکل معاصی اس پر  
عارض ہو گئی ہیں اللہ جل شانہ اس کو ان سے شفا عطا فرما کہ ان جو اہر لطیفہ اور ان برکات عظیمہ  
کی قدر دانی نصیب فرمائے جو اس وقت اس کے پاس حیات میں موجود ہیں۔ آنکھ ایک نعمت غیر  
مترقبہ ہے۔ اس نعمت کا مشاہدہ نابینا کو دیکھ کر ہو سکتا ہے۔ کان، عقل، ہوش، زبان وغیرہ یہ سب نعمات  
ہیں اور جن سے یہ نعمتیں سلب کی جا چکی ہیں اور جو ان نعمات سے خالی ہو چکے ہیں ان کو دیکھ کر ان نعمات  
کی قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہو اور قدر کی جا سکتی ہے۔ اللہ جل شانہ سب کو اور کچھ کو ان نعمات کو عقل  
دور سے پرہیز کی توفیق خیر عطا فرمائے کہ اسی کا نام شکر ہے اور لَنْ نَشْكُرَكَ لَا دِيْنِيْ قَلَمُ لَا يَنْ  
كُفْرُكَ تَرَاتُ عَذَابُ (جی شش یذہ (ابو اہیم، روح و)، ترجمہ: اگر تم شکر کر گے تو میں تم کو زیادہ نعمتیں  
عطا کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یاد رکھو میرا عذاب سخت ہے۔

**حقیقت شکر کیا ہے؟** شکر نعمت سے مراد ہر شے کو اپنے محل پر برتنا یعنی واضح جلّ شانہ نے جس محل کو انکھ کا شکر جو علیٰ ہذا القیاس کان دہان عقل و ہوش اور اعضائے ظاہری و باطنی کا محل ہے سب کو ان کے محل و موقوفوں پر صحت کرنا اسی کا نام شکر ہے۔ اس کی مثالیں و تشبیہات خود تلاش کر لیں واضح امر ہے پوشیدہ نہیں۔

ایسا نہ ہو اور خدا اس سے بچائے کہ کسی معصیت آلود یا سراپا معصیت میں مبتلا شخص کو دیکھ کر یہ خیال اور بڑائی دلیں پیدا ہو کہ میں تو ان معاصی سے مبرا اور پاک و صاف ہوں اور یہ ان معاصی میں مبتلا ہے اور کیا برا ہے۔ بلکہ اس کو ایک قسم کا بیمار سمجھے اور جذبہ رحم سے اس کے لیے دوائے خیر کرے کہ خداوند یہ بیمار معاصی ہے اس کو شفا دے ہدایت سے نواز دے اور اپنی ذات پر محض فضل الہی اور کرم خداوندی کے ظہور کا خیال کرے کہ جس نے اس کو نیکی اور ہدایت کی طرف آگاہ کر رکھا ہے اور اس سے نیکی اور ہدایت کے کام لے رہا ہے۔ پس اسی کو سمجھے اور یقینی سمجھے۔ وَمَا أَكْبَرُیْ مُنْكَسِرِیْ إِنَّكَ فَتَّخْتُكَ لِمَا تَدْرِكُ بِالسَّوْءِ الْكَامِدِ حِجْرَیْ (یوسف و کعبہ) ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو بڑی نہیں بتلاتا۔ نفس تو بڑی ہی بات بتلاتا ہے بھراس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔ اللہ کی رحمت کا ہر آن اور لمحہ منتظر رہنا اور اس کی عطا کردہ نعمات کو ان کے محل و موقوف پر صحت کرنے کی کوشش میں لگے رہنا یہ ایسی سعادت ہے جس کے ذریعہ سے اللہ جلّ شانہ ترقی و درجات اور منازلِ عالیہ عطا فرماتے ہیں لاذین نكَمُ کی آیت شریفہ کا مفردہ اسی طرف ہے۔ اللہ جلّ شانہ کی طرف سے جب بھی شکر نعمت عطا ہوگا اسی وقت سے خود بخود بے ارادہ اور بے محنت ترقی عطا ہونا شروع ہو جائے گی۔ یہ وعدہ خداوندی ہے انشاء اللہ پورا ہو کر رہے گا۔ بطور مثال کے ایک بڑی جمیل القدر بہت سی کا ارشاد یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور اس سے بڑے بڑے فائدہ دل کی امید ہے۔ اگر اس کو مد نظر رکھا جائے اور یہ ارشاد عالیٰ تحریر سابق کا موید بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

بلندی دریں راہ بیتی صحت دہیتی بلندی، ہم کہ بہت خند بلند گفت و ہر کہ خود را بلند ساخت در افتاد، عجب کا دوبار است کہ خاک با وجودی که از عنان صد و یک فراتر است

عمل تجلیات پر درگاہ راست و بیخ عنصری را از عناصر دیگر تجلیات ذاتی دائمی نصیبیت الہا خاک  
 در بہاراں کے شود سرسبز رنگ خاک شوتا گل بدید رنگ رنگ  
 ترجمہ: اس راہ میں بلند ہیستی اور ہیستی بلند ہی ہے جس نے ہیستی اختیار کی وہ بلند ہو گیا اور جس نے خود  
 کو بلند بنایا وہ گر گیا، عجیب کار بار ہے کہ تمام عناصر میں خاک اس کے باوجود کہ فرد تو ہے تجلیات  
 پر درگاہ کا گواہ ہے اور خاک کے سوا تمام دوسرے عناصر کو تجلیات ذاتی دائمی نصیب ہوتا ہے۔  
 موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے؟ خاک بن جاتا کہ (تھ پر) رنگ رنگ کے پھول پیدا ہوتا ہے۔  
 یہ سائلہ تحریرات باطنی تعلیم کی شرد کو واضح کرتی ہیں۔ جیسے کہ نماز کی تیاری کے لیے کچھ شرد و طواف  
 اور اذات ہوتے ہیں ان کو پورا کرنے کے بعد انسان میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ نماز پڑھ سکے یعنی  
 کچھ ظاہری کش فتوں کا دور ہونا اور صلی برکات کا حاصل ہونا اس کے بعد گویا استعداد نماز پیدا ہوئی۔  
 اسی طرح ظاہری کش فتوں کے دور کرنے کے بعد رہبر کامل سالک راہ کو ذکر الہی کی تعلیم کرتا ہے۔ اب چاہا  
 وہ ذکر جہر ہو چاہے ذکر خفی ہو یہ ہر ایک کی استعداد کے لحاظ سے درست اور بہتر ہوتا ہے اور رہبر کامل  
 دیکھ کر رہبری پر حکم الہی برکات کے نزول کا سبب ہوتا ہے۔ وَذَاكَ رَبُّكَ فِيْ تَفْصِيْلٍ لَا تُغْنِيْكَ عَنْهَا ذِكْرُهَا  
 اپنے رب کا ذکر دل سے کیجئے۔

تلاوت قرآن پاک کا اہتمام ہو اور اس میں آنا انہماک ہو کہ جو عشق کے درجہ پہنچ چکا ہو اور  
 عشق میں زوال عقل شرط ہے اسباب دنیا کی تلاش اور اسباب دنیا پر بھروسہ اور اس پر نازاں ہونا اور  
 فخر کرا یہ عقل دنیا ہے اس عقل کو یہ عشق مٹائے اور قرآن پاک کے ارشادات کو شاہدہ کی صورت میں نمایاں کر دے بہت  
 اذکار و اشغال بہت سے مراقبات اور بہت سے درجات اسی میں حاصل ہونا شروع ہونگے جنکو ادب اور انشاء رحمہ اللہ  
 اجماع نے مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے کہیں دلایات فرمایا ہے کہیں کمالات فرمایا ہو کہیں حقائق فرمایا ہو یہ سب  
 چیزیں اور یہ سب اصطلاحیں اسی قرآن پاک میں انشاء اللہ معلوم ہونا شروع ہوں گی جب غور و فکر ایک  
 ہو جائے گی اور انہماک اور تفکر تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی طرف حساب رکھنا اور حسب استعداد مشغول اور مصروف ہونگے۔  
 (بقیہ ارشادات حضرت تھانویؒ)

بقیہ ارشادات حضرت تھانویؒ

بڑا ہایا آگیا تو اس کی تصدیق ہو گئی۔ اور معلوم ہو گیا کہ واقعی یہ مقولہ بالکل درست ہے۔  
 ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ مسلمان کفار کے طریقوں سے راہ ترقی پر کام نہ ہو سکیں گے بلکہ ان کی ترقی اور فلاح کا راز  
 اعمال صالحہ اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں مضمر ہو لہذا اس پر مدامت کیجئے اور رحمت خداوندی سے حرمت تہذیب کے پرہیز کیجئے۔

## کیا ان میں سے کوئی کتاب آپ کو مطلوب ہے؟

- ارکان اربعہ۔ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ قیمت ۶/-
- اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ..... ۶/-
- انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ۶/-
- ہندوستانی مسلمان۔ " " " " ۶/-
- تاریخ دعوت و عزیمت۔ کان۔ ۲۲/۵۰
- طوفان سے ساحل تک۔ از نسیم محمد اسد صاحب ۶/-
- مسلم پرسنل لا اور اس کا عائلی نظام۔ از اٹیس تبریز خان ۶/-
- نفوس اقبال۔ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ..... ۶/۵۰
- تجدید دین کا ل۔ از مولانا عبدالباقی ندوی ..... ۶/-
- تجدید تعلیم و تبلیغ۔ " " " " ۶/-
- تجدید تقصوت و سلوک۔ " " " " ۵/-
- تجدید معاشیات۔ " " " " ۵/-
- سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ از مولانا عثمانی صنی ۱۶/-
- سوانح حضرت مولانا عبدالحق قادریؒ از مولانا علی سیال ۶/-
- پیغمبر عالم۔ از مولانا عبدالمصطفی رحمانی .... ۶/۷۵
- فاطمہ کا چاند۔ " " " " ۶/۵۰
- سیرت خلفاء راشدین از مولانا عبدالحق قادری صنی ۶/۵۰
- صدیق اکبر۔ از مولانا سید احمد اکبر آبادی ۱۰/-
- لغات القرآن۔ غیر مجلد کان۔ ۳۲/۵۰۔ مجلد کان۔ ۳۶/۵۰
- فہم قرآن۔ از مولانا سید احمد اکبر آبادی ..... ۶/-
- ترجمان السنہ از مولانا سید عالم میرٹھی۔ کان غیر مجلد ۵۶/-
- تبلیغ دین۔ حضرت امام غزالی کی عربی کا اردو ترجمہ ۳۱/-
- شمالی ترمذی عکسی از مولانا محمد زکریا غفلہ ۲۱/-
- فتاویٰ عبدالحقؒ اردو کان۔ از مولانا عبدالحق کھنڈی ۱۶/-
- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ مجلد دسویں کان ۲۵/۲۵
- علم الفقہ کان۔ از مولانا عبدالحق صاحبہ۔ مجلد ۱۶/-
- فتاویٰ رشیدیہ (کان) از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ..... ۱۰/-
- تذکرۃ الخلیل۔ مجلد سوانح خلیل احمد صاحبہ صاحبہ ۱۲/۵۰
- مواظف حسنہ کان۔ از مولانا اشرف علی تھانویؒ ۵/۵۰
- دوزخ کا کھٹکا۔ مولانا احمد سعید دہلوی۔ ۶/۵۰
- جنت کی کبھی۔ " " " " ۶/۵۰
- مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ از مولانا عاشق الہی صاحبہ ۲۱/۲۵
- بدعت کیلئے؟ " " " " ۶/-
- رد بدعت۔ " " " " ۱/۷۵
- نذر مقبول۔ مرتبہ مولانا خیر بیرونی۔ ۶/-

===== ملے کا پتہ =====

کتب خانہ الفتان، پکھری روڈ، کھنڈ

# رفیقہ حیات کے انتقال پر

إِنَّا لَفِرَاقُكَ لَمَحْزُونُونَ وَلَا تَقُولِي إِلَّا مَا يُرْضَى رَبَّنَا إِنَّا لِلَّهِ وَ  
إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

محمد منظور نعمانی

میرے خانگی حادثہ پر بزرگوں، مخلص دوستوں اور عزیزوں کے تعزیتی خطوط کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ان میں سے بعض نے جو بہت ہی دردمندی سے لکھے گئے ہیں، دل میں داعیہ پیدا کیا کہ مرحومہ اہلیہ کے متعلق چند باتیں جو اللہ تعالیٰ کر دیں۔ جن کے بارے میں اُمید ہے کہ انشاء اللہ ان سے واقفیت انشاء اللہ کے بہت سے بندوں اور بندوں کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ کے ساتھ جن فطن اور اس کے کرم پر اعتماد و یقین میں اضافہ کا ذریعہ اور خود مرحومہ کے لیے بھی انشاء اللہ خیر و رحمت کا وسیلہ بنے گی۔

مرحومہ رفیقہ حیات کی حیثیت سے قریباً ۲۸ سال میرے ساتھ رہیں، اس پوری مدت میں برابر یہ تجربہ رہا کہ اُن کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ کا معاملہ خاص فضل کا ہے۔ اس کا بہت ہی نمایاں اور ایک درجہ میں مہر العقول ظہور اُن کے سفر حج اور سفر آخرت کے بعض واقعات میں ہوا۔ اس وقت اسی سلسلہ کے چند واقعات سپرد قلم کرتا ہوں۔

وہ میرے والد ماجد مرحوم کی حقیقی بھانجی کی لڑکی تھیں، دیندار اور عبادت گزار اپنے بچپن سے تھیں۔ میرے گھر آنے سے بہت پہلے اپنی ابتدائی عمر ہی میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے بیعت ہوئی تھیں، پھر حضرت کے دہال کے بعد خود میرے ساتھ سہارا پورہ حاضر ہو کر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم سے بیعت کی تجدید کی تھی۔ قدرتی طور پر ان کی بڑی آرزو اور تمنا تھی کہ ان کو حج کی سعادت نصیب ہو لیکن اس کا

راہان نہ ان کے پاس تھا نہ میرے پاس۔ اور وہ اس لحاظ سے میرا حال اچھی طرح جانتی تھیں اس لیے اس مسئلہ میں کبھی انھوں نے مجھ سے ایک حرف بھی نہیں کہا۔ مگر میرے لیے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے کئی بار اس کا سامان فراہم کیا اور پھر ادھر چند برسوں سے رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی اکینت کے طفیل قریباً ہر سال حرمین پاک کی حاضری نصیب ہونے لگی تو میرے جانے کے وقت ان کے دل کا جو حال ہوتا تھا اس کو میں محسوس کرتا تھا لیکن وہ مجھ سے اس مسئلہ میں کبھی کچھ نہ کہتیں، بس اللہ تعالیٰ سے عرض کرتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی بالکل آخری ہفت میں یعنی ان کے مرض الموت کے شروع ہونے سے صرف چند ہفتے پہلے بے دہم دگمان بالکل راحت پسندی طور پر ان کے اور میرے دونوں کے ہوا کی سفر کا ایسے عجیب و غریب طریقہ سے انتظام فرمایا کہ اس کی کوئی توجیہ رب کریم کے خاص الخاص فضل کے سوا انہیں کی جاسکتی۔

اس کے بعد مرحلہ یہ تھا کہ ہم دونوں کے لیے حج والے پاسپورٹ سے سفر کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ انٹرنیشنل پاسپورٹ ہی سے سفر کر سکتے تھے۔ اور اہلیہ کے لیے انٹرنیشنل پاسپورٹ حاصل کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔ اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر اندیشہ بلکہ گمان ہی تھا کہ پاسپورٹ جلدی نہ مل سکے گا، اور وقت میں گنجائش بالکل نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی کارساز کی کہ حیرت انگیز طریقہ پر صرف ۲۴ دن میں ان کا پاسپورٹ تیار ہوا اور مل گیا۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ سامنے آیا کہ انٹرنیشنل پاسپورٹ سے سفر کرنے والوں کو صرف ۶۵ روپے ساتھ لے جانے کی اجازت ہوتی ہے جو ہم جیسوں کے لیے جدہ کے ہوائی اڈہ پر اتارنے سے کم کم دو ہفتے تک کے لیے بھی مشکل ہی سے کافی ہو سکتے تھے۔ اس مسئلہ نے اچھا خاصا تودہ پیدا کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور ہم نے اپنے دل سے کہا کہ اس سفر کا انتظام رب کریم نے محض اپنے لطف و کرم سے فرمایا ہے اس لیے بس اُسی کے لطف و کرم پر بھروسہ کر کے چلنا چاہیے چنانچہ ایسا ہی کیا۔ اور پھر پورے سفر میں اس کا بے حساب لطف و کرم شامل حال رہا۔ اور ہاتھ بالکل خالی ہونے کے باوجود وہ راحتیں اور نعمتیں نصیب رہیں، جو کبھی کسی سفر میں میسر نہ ہوتی تھی اور جن کا دہم دگمان بھی نہ تھا بالکل ایسا معاملہ رہا کہ گویا گھر سے قدم کالتے ہی کسی کمیزبان نے اپنی صفائی کیا ہو جج کے مسافروں کی پہلی منزل بمبئی ہوتی ہے۔ وہاں ہم جیسے لوگوں کے لیے قیام کی اچھی سے

اچھی صورت بھی ہو سکتی ہے کہ کوئی مخلص دوست اپنا مہمان بنالیں اور خود تکلیف اٹھا کے اپنے گھر کے کسی حصہ میں ٹھہرائیں لیکن اشرقتانی کے کرم نے اس سفر میں اس سے بہت زیادہ آرام و انتظام یہ فرمایا کہ ہمارے نہایت مخلص دوست حاجی احمد صاحب (دعویٰ) نے ہمیشہ کے معمول کے مطابق مہمان تو اپنا بنایا لیکن اپنے گھر میں قیام کی دلی خواہش کے باوجود خاص کراہیہ کی راحت کے خیال سے اپنی خوشدامن صاحبہ کے وسیع مکان میں قیام کرایا جو خود اُس وقت حج پر گئی ہوئی تھیں اور اپنا وہ مکان پورے ساز و سامان کے ساتھ حاجی صاحب موصوف ہی کے پاس سپرد کر گئی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بمبئی میں قیام کے ایسے آرام و انتظام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بلاشبہ یہ محض فضل ربّی تھا۔ پھر بمبئی کے احباب و مخلصین کے گھروں کی خواتین نے اُن کی آمد کو گویا ایک تقریب بنا لیا اور انکے ساتھ انتہائی خلوص و محبت اور کرام کا معاملہ کیا پھر جتدہ پہنچے پر مخلص محکم الحاج محمد دلی عبداللہ نور دلی اور اُن کے اہل خانہ نے ایسی ہی میزبانی کی۔ بلاشبہ یہ سب اشرقتانی ہی کا فضل و کرم اور اسی کی طرف سے تھا۔

میں نے مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ میں قیام کرنا طے کیا تھا، مجھے معلوم تھا کہ آیام حج میں ہندوستان پاکستان کے سینکڑوں حجاج جن میں خواص کی بھی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے، صولتیہ میں قیام کرتے ہیں۔ اس لیے سوچ لیا تھا کہ میں گزراؤں کی جگہ پر قناعت کرنا ہوگا اور اس مجاہدہ کے لیے دل پوری طرح بلکہ خوشی کے ساتھ آمادہ و مطمئن تھا۔ لیکن جب ہم لوگ مدرسہ پر جا کر اترے تو معلوم ہوا کہ مدرسہ کے خاص دفتر کے اوپر جو ایک صحن دار اور ہم جیبوں کے لیے نہایت آرام دہ کمرہ حال ہی میں بن کر تیار ہوا ہے۔ ہمارے عنایت فرما حضرت مولانا شیخ محمد سلیم صاحب نے (جو مدرسہ کے سربراہ ہیں) وہ ہمارے لیے مخصوص کر رکھا ہے، فوراً ہمارا سامان دہیں پہنچو ادیا گیا۔ خود ہم پہنچے تو دیکھا کہ اس کمرہ میں رہائش ہی کے نہیں بلکہ آسائش کے بھی ضروری سامان ہمارے لیے پہلے سے فراہم کر دیے گئے ہیں۔ پلنگ کچھ ہوئے ہیں، ان پر ہمارے لیے بستر بھی لگے ہوئے ہیں۔ الغرض وہ سب کچھ تھا جو راحت کے لیے ضروری تھا اور جن کا پہلے سے ہم دگمان نہیں تھا۔ ہم دونوں اپنا سامان کمرہ میں رکھنے کے بعد عمرہ ادا کرنے کے لیے حرم شریف جانے لگے، مرحومہ اہلیہ میرے پیچھے پیچھے تھیں۔ حضرت مولانا شیخ محمد سلیم صاحب کے پاس سے گزر ہوا تو میں نے اُن کی اس غیر معمولی عنایت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے دلی احساس و تاثر کا اظہار



کیا تو مولانا نے حسب عادت بڑی صفائی کے ساتھ فرمایا، مولانا سچی بات یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے، آپ کے لیے اور آپ کی خاطر بالکل نہیں ہوا، آپ تو آتے ہی رہتے ہیں، بلکہ ان کے لیے کیا گیا ہے جو آپ کے ساتھ آئی ہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ کبھی پھر آئیں گی یا نہیں۔

ایک نہایت مختص دوست قاری محمد سلیمان صاحب نے (جو اصلاً سورتی ہیں لیکن کہ معظمت میں مقیم ہیں) مولانا شیخ محمد سلیم صاحب سے اجازت لے کر ہم دونوں کو اپنا مستقل ہمان بنالیا اور سوائے اُن دونوں کے جب کہیں خصوصی دعوت ہوتی روزانہ مدوح کے یہاں سے کھانے کا خوان ہمارے کمرہ میں آتا رہا۔ اسی طرح مدینہ طیبہ کے پورے زمانہ قیام میں ایک دوسرے نہایت عزیز دوست صوفی محمد اقبال صاحب نے ہم دونوں کی میزبانی کی۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اُس پورے سفر میں وہ سہولتیں اور راحتیں نصیب فرمائیں جو اس سے پہلے کسی سفر میں نصیب نہیں ہوئی تھیں اور جن کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

ان سب سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہوا کہ اگرچہ مرحومہ کی عمر سفر حج کے وقت پچاس سال سے کچھ ہی زیادہ تھی لیکن وہ فطری طور پر بہت کمزور تھیں اور کئی برس پہلے سے اُن کے ضعف جسمانی اور ناتوانی کا حال یہ تھا کہ اگر ان کو سو دو سو قدم بھی پیدل چلنا پڑ جاتا تو اختلاج کی سی کیفیت ہو جاتی اور سانس کا نظام بگڑ جاتا اور بہت دیر تک آرام کرنے کے بعد حالت درست ہو پاتی اور کبھی کبھی تو دوا استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جاتی اس لیے میرا خیال تھا کہ یہ بیماری حج اور عمرہ کے سلسلہ کے طوائف بھی مشکل کر سکیں گی اور صفاء مرہ کے درمیان سعی تو سواری ہی سے کر سکیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اُس کے فضل خاص کا معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ کہ معظمت پہنچتے ہی اُن میں وہ توانائی اُٹھنی جو شاید کبھی جوانی میں رہی ہو۔

جدہ سے بذریعہ کاروانہ ہونے کے ہم لوگ مدرسہ صولتہ پہنچے تھے، سامان اپنے کمرہ میں محفوظ کر کے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر عمرہ ادا کرنے کے لیے حرم شریف کو چلے، مدرسہ سے حرم شریف کا فاصلہ قریباً ۲ فرلانگ ہے، میں نے مدرسہ سے باہر سڑک پہ اگر اُن کی وجہ سے ٹیکسی کرنی چاہی، انھوں نے کہا کہ ہم پیدل ہی چلیں گے، لیکن چونکہ مجھے یقین تھا کہ یہ نہیں چل سکیں گی اس لیے میں نے ان کی بات نہیں مانی اور ٹیکسی سے ہم دونوں حرم شریف گئے، وہاں پہنچنے کے پہلے طوان کیا، طوان کے بعد ہم سہی کے لیے صفا پر آئے، دہان وہ ہاتھ گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں جن پر وہ بیچارے ضعیف

اور محذور لوگ کہ یہ ادا کر کے سعی کرتے ہیں جو پیدل چل کر نہیں کر سکتے ہیں۔ میں نے اہلیہ سے کہا کہ تم گاڑی سے سعی کرو، انھوں نے کہا کہ نہیں میں پیدل ہی کر دوں گی! میں نے بھی اللہ تعالیٰ کا یہ فضل دیکھ کے کہ طوان کے سات چکروں کا اور پھر مطان سے صفائیک آنے کا اُن پر ذرا بھی اثر نہیں پڑا، یہی مناسب سمجھا کہ وہ اگر کر سکیں تو میرے ساتھ پیدل ہی سعی کر لیں، چنانچہ انھوں نے پوری سعی میرے ساتھ پیدل کی اور اُن پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا، حالانکہ سعی کے سات پھیروں کی مسافت پانے دو میل کے قریب ہو جاتی ہو پھر اس کے بعد وہ میرے ساتھ پیدل ہی مدینہ صلیبیہ واپس ہوئیں۔ پہلے دن کے اس تجربے کے بعد مجھے احساس ہو گیا کہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ پھر تو کہ معظمہ کے پورے زمانہ قیام میں یہ معمول رہا کہ وہ اکثر پانچوں وقت کی نماز کے لیے میرے ساتھ پیدل حرم شریف آتیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بالکل تندرست و خواتین کی طرف بکثرت نفی طوان بھی کرتیں۔

مدینہ طیبہ میں ہمارا قیام عزیز محترم صوفی محمد اقبال جٹا کے پاس باب التمار میں تھا، وہاں سے مسجد نبوی کا فاصلہ بھی قریب قریب اتنا ہی ہے جتنا کہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ سے حرم شریف کا فاصلہ ہے، وہاں بھی وہ نمازوں کے اکثر اوقات میں میرے ساتھ پیدل ہی مسجد آتیں، ہم دونوں بار بار اللہ تعالیٰ کے اس فضل و انعام کو یاد کرتے اور اس کا شکر ادا کرتے۔

مجموعی طور پر قریباً پچاس دن چین پاک میں قیام ملا، انھیں ایک دن بھی اُس ضعف و ناتوانی کا احساس نہیں ہوا جو ہر برسوں سے لازماً زندگی بنا ہوا تھا، بکینی واپسی تک یہی حال رہا، البتہ بمبئی سے لکھنؤ آتے ہوئے ٹرین ہی میں محسوس ہوا کہ اس کیفیت میں کمی آ رہی ہے، پھر گھر پہنچنے کے چند ہی روز بعد وہ اپنے پچھلے حال پر واپس آ گئیں اور معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح غیر معمولی طور پر اپنے خاص الخافض سے اُن کے سفر کا سامان فراہم کر کے ان کی ایک بڑی آرزو اور تمنا پوری کی تھی اسی طرح خارق عادت طور پر اُن کو صرف سفر حج کے لیے یہ طاقت اور توانائی بخش دی تھی۔

پھر چند ہی روز کے بعد اُن کے اُس مرض کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کو ان کی زندگی کے خاتمہ کا ذریعہ بنا تھا۔ اور ۲۶ شعبان کو ان کے انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سفر حج دراصل اُن کے سفر آخرت کی تمہید اور اس کی تیاری کا ذریعہ و وسیلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے جس فضل و کرم کا تجربہ ان کی زندگی میں اور خاص کر اُن کے سفر حج میں ہوا۔ اُس رب کریم سے پوری اُمید ہے کہ سفر آخرت کی ساری

منزلوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا دہی فضل و کرم مرحومہ کو نصیب رہے گا۔ اللہ رؤوف رحیم ۵

مرحومہ کے انتقال اور مفارقت کا طبعی صدمہ تو فطری بات ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو حسن ظن اور اُس کی شان کرم پر جو اعتماد نصیب ہے اُس کی بنا پر الحمد للہ دل کو یہ اطمینان ہے کہ اس وقت اُن کا اس دنیا سے چلا جانا ہی اُن کے لیے بہتر ہوا۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب اُن کی طبیعت ناساز تھی فرمایا تھا "لو کان وانا حی" فاستغفر اللہ وادعواک (یعنی اے عائشہ! اگر تمہارا انتقال میری زندگی میں ہو گیا تو میں تمہارے واسطے اللہ سے خوب مغفرت طلب کر دوں گا اور دعائیں کروں گا)۔ اس حدیث پاک کے اشارہ کے مطابق مرحومہ اہلیہ کے لیے استغفار اور دعا کے اہتمام کی توفیق الحمد للہ اس عاجز کو نصیب ہے۔ اور چونکہ اہل دین کی ایک وسیع برادری سے تعلق ہے اور اللہ والوں سے محبت ہے اس لیے اپنے حلقہ تعلق و تعارف میں جہاں جہاں بھی ان کے انتقال کی اطلاع ہوئی، اللہ کے مخلص اور صالح بندوں نے اہتمام سے ان کے لیے استغفار فرمایا اور ایصالِ ثواب کیا۔ جو سیکڑوں خطوط اس سلسلہ میں اب تک مل چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انھیں پڑھ کر خود مجھے مرحومہ پر رشک آتا ہے۔ اہل دین اور اللہ والوں سے تعلق کی تنہا یہی کتنی بڑی برکت ہے، اللہ تعالیٰ اس کی قدر و قیمت سمجھنے کی توفیق دے۔ اگر میرے پاس ساری دنیا کے خزانے ہوتے تو میں اُن کو صرف مکے بھی مرحومہ کے لیے اتنی دعا و استغفار اور اتنا ایصالِ ثواب نہ کر سکتا۔ یہ محض للہی دینی تعلق کی برکت ہے کہ اللہ کے بے شمار بندوں نے حرمین پاک تک میں ان کے لیے مغفرت و رحمت کی دعائیں کیں اور ایصالِ ثواب کیا۔ مکہ معظمہ سے ایک مخلص عزیز کا خط ملا ہے کہ ان کو جب اس حادثہ کی خبر ملی تو انھوں نے مرحومہ کی طرف سے عمرہ بھی کیا، اور حدیث شریفین میں ہے کہ رمضان مبارک میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ یہ سب دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا مرحومہ پر فضل و کرم ہے اور بلاشبہ بڑی ہی خوش نصیبی کی علامت ہے۔

اُن کے انتقال کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ ان کی علالت کا سلسلہ قریباً ڈھائی سال سے سفر حج کے بعد ہی سے جاری تھا اور پہلے کافی عرصہ تک ان کی حالت بہت تشویشناک اور بظاہر مایوس کن رہی تھی لیکن ادھر قریباً ۶۔۵ مئی سے حالت بظاہر

قابل اطمینان حد تک بہتر ہو گئی تھی اُن کے سواج بھی مطمئن تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے لیے ۲۲ شعبان ۱۴۲۹ (اکتوبر) کی تاریخ مقرر تھی اور میں نے اُس کی شرکت کے لیے روانگی کا پروگرام بنایا تھا کہ دوپہی چار دن پہلے دارالعلوم کے دفتر سے اطلاع آئی کہ فلاں وجہ سے مجلس کی تاریخ دو دن مقدّم کر دی گئی ہے اور اب خورجی کا جلسہ ۲۰ شعبان سے ہو گا۔ اور دارالعلوم ہی کے فلاں ضروری کام کے لیے مجھے ایک دن پہلے یعنی ۱۹ شعبان کی صبح تک دارالعلوم پہنچ جانا چاہیے۔ مجھے تاریخ کی یہ تبدیلی (جو ضابطہ خلافت بھی تھی) سخت ناگوار گزری اور میں نے وہاں پہنچ کر اس پر سخت احتجاج اور اعتراض بھی کیا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اشرق خاں کی طرف سے اس کا انتظام تھا کہ میں مرحومہ کے انتقال سے پہلے مکان پر پہنچ جاؤں اور ان کی دلی آرزو کے مطابق اُن کا انتقال میرے سامنے ہو۔ اگر مجلس شوریٰ کی تاریخ میں یہ تبدیلی نہ ہوئی ہوتی تو میرا ۲۶ شعبان کو مرحومہ کے انتقال کے وقت لکھنؤ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مجھے مجلس کی کارروائی کے سلسلے میں پورے پانچ دن دیوبند میں قیام کرنا پڑا وہاں سے فارغ ہو کر میں سہارنپور حضرت شیخ الحدیث مظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک شب دو روز وہاں قیام کیا۔ جب وہاں سے لکھنؤ کے لیے روانگی کا ارادہ کیا تو حضرت شیخ الحدیث مظلہ نے بالکل خلافت معمول اور خلافت عادت فرمایا کہ اگر کوئی خاص مجبور بنی نہ ہو تو فلاں مقصد سے دو دن اولہ ٹھہر جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے کوئی ایسی مجبوری نہ تھی کہ میں ایک دو دن مزید سہارنپور قیام نہ کر سکتا۔ اور حضرت شیخ مظلہ سے جس طرح کا نیاز مندانہ تعلق ہے، اس کا تقاضا تھا کہ میں دو دن اور حضرت مجدد کی خدمت میں قیام کا فیصلہ کر ہی لیتا، لیکن اُس وقت بغیر کچھ زیادہ سوچے سمجھے زبان سے یہی نکلا کہ رمضان مبارک شروع ہونے میں دوپہی چار دن باقی ہیں اس لیے چاہتا ہوں کہ میں جلدی لکھنؤ پہنچ جاؤں حضرت سے یہ عرض کرنے کے بعد لکھنؤ روانہ ہونے کے لیے رخصتی مصافحہ کے کے باہر نکل آیا۔ اور اب سوچنے لگا کہ مجھے حضرت کے فرمانے کے مطابق دو دن اور ٹھہر جانا چاہیے تھا لیکن حضرت سے رخصتی مصافحہ کر کے چلا آیا تھا اس لیے لکھنؤ واپسی ہی کا ارادہ کر لیا۔ ۲۶ شعبان کو میرے لکھنؤ پہنچنے کے صرف ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب مرحومہ کے انتقال کا حادثہ پیش آیا تو معلوم ہوا مجلس شوریٰ دارالعلوم کی تاریخ کی خلافت ضابطہ عقیدہ اور حضرت شیخ الحدیث مظلہ کے فرمانے کے باوجود میرا سہارنپور نہ ٹھہرنا یہ سب منجانب اشرق خاں کا انتظام تھا کہ میں مرحومہ کے آخری وقت میں اُن کے پاس موجود رہوں، وہ اس کی بڑی آرزو مند تھیں۔

جیسا کہ ابھی اوپر ذکر کیا گیا۔ مرحومہ کی حالت کئی عرصے سے بہ نسبت سابق کے کافی بہتر تھی اور

۱۔ حضرت شیخ الحدیث مظلہ کا یہ اصول اور معمول ہو کہ وہ اپنے مخلصین، ملکہ بزرگوں سے کبھی کبھی مزید قیام کے لیے نہیں کہتے معلوم نہیں ان کی

میں ان کو اسی حال میں چھوڑ کر دیوبند گیا تھا۔ جب ۲۶ شعبان کو ۱۲ بجے وہاں سے واپس ہو کر مکان پہنچا تو معلوم ہوا کہ ایک دو دن سے درد کی تکلیف ہے جس کا تعلق گردہ سے سمجھا جا رہا ہے۔ اُس وقت بھی میں نے ان کی حالت تشویشناک نہیں سمجھی لیکن قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اچانک ان کی حالت میں تحیر ہوا غالباً قلبی دورہ ہوا اور صرف ۴-۵ منٹ میں روح اور جسم کا رشتہ منقطع ہو گیا۔

لله ما اعطى ولله ما اخذ وعلينا الصبر والرضى بالقضاء۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ درد کی شدید تکلیف کی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور استغفار کرنے کے ساتھ اپنی بڑی بیٹی کو ترسہا سے کہتی تھیں کہ دیکھو کوثر اس کا خیال رکھنا کہ تکلیف کی شدت میں میری زبان سے کوئی غلط کلمہ نہ نکل جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنی اس بندی کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے ہر قسم کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرماتے ہوئے حنات کو قبول فرمائے۔ اور جن بندوں نے ان کے لیے مغفرت و رحمت کی دعائیں کیں اور اُن کے بہیمانہ گناہ کی تعزیت کی اور مخلصانہ ہمدردی کا اظہار فرمایا ان کو بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے اور دنیا اور آخرت میں فضل و انعام سے نوازے یہ عابزِ تودل سے اُن حضرات کا شکریہ گزارا اور دعا گو ہے۔

**BOMBAY.3.**

۱۰

# حج کسے کریں

فرسین شوقِ محراب اور دھند اور نظمیں مٹی مٹی میں ..... عمرہ کا غلہ ..... قیمتِ کلہ سنسہ دُور دیے

# اسانے فتح

یہ آسان زبان میں آپ جی کیے کریں گا خلاصہ ہے۔ ایسے کہ تعلیم یافتہ حضرات کیلئے جو صرف آسان اور دلی بڑھ سکتے ہیں بہترین رہتا ہے۔

- بکست فز ● خوش ناما قیصل ● نیت حضرت محمدؐ میرے  
 ہوٹ، ہماری دگر میں نیت ہموما کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کی اہم مطلوبات کے لئے  
 بہتر کتاب نعت لطف فرمائے

کتاب خانہ آلفوشان، پکھرنی روڈ، لکھنؤ

Regd No. L-353

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow.

VOL 38 NO. 9

DECEMBER 1970

**ROLEX**

**Ω  
OMEGA**

**WEST END**

**CITIZEN**

**SARGENT**

**FAVRE-LEUBA**

**ROAMER**

روس

اومگا

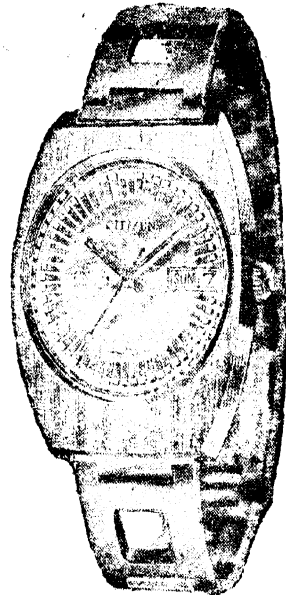
ایسٹ

سیٹزن

سارجنٹ

فیرولوبا

روامر



مکتہ المکرمہ و مہینہ المنورہ میں

حج و زیارت کے لئے جب خدا  
آپ کو لائے اور گناہ کی شہادت  
محسوس ہو تو پاک محل کے  
کسی بھی شوروم میں تشریف لا کر ہم  
قسم کی گھڑیاں نئے ٹیڑا منوں

میں بارگاہیت خرید فرمائیں۔ اپنے آئیوالے دوست اہباب کو پتہ نوٹ کروادیں

**پاک محل - المکتہ المکرمہ**

# الفوائد الغنية

مجلد

عشق الرحمن بنجلی



# پشکوان کے حصہ تیلوں میں کپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میں برائے  
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل  
۱۶۰۰ گھ ۳۰۰۰ گھ ۱۶۰۰ گھ

حصہ وفاقہ  
۱۶۰۰ گھ ۳۰۰۰ گھ

مٹلولا، پتل کا تیل  
۳۰۰ گھ ۱۶۰۰ گھ

مٹلولا، پتل کا تیل  
۳۰۰ گھ ۱۶۰۰ گھ

کو کو جہار

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل

۳۰۰ گھ ۱۶۰۰ گھ

امی سلاؤ تیل

۳۰۰ گھ ۱۶۰۰ گھ

حصہ ریلز، بستی

چند سالانہ  
غیر مالک سے  
مالک  
بہائی ڈاک کے لیے مزید  
معلومات کا اضافہ

# دفتر

ماہنامہ

چند سالانہ  
ہندوستان سے .....  
پاکستان سے .....  
قیمت  
۵ روپے

**جلد ۳۸ باب ماہ ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ مطابق جنوری ۱۹۷۱ء شمارہ ۱۱**

نمبر شمارہ	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگارہ اولیں	مولانا محمد منظور نعمانی	۲
۲	معارف و الحديث	.....	۵
۳	مصلح عظم	مولانا عبدالسلام صاحب قادیانی	۱۳
۴	جمہوریت کی شان بیکانی	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۶
۵	مراد مستقیم	حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب چھوٹی	۳۶
۶	بزم خواجہ شمس الدین عظیمی کی ایک جھلک	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	۴۵
۷	معصومیت اور اعتراض و تہ	مولانا محمد منظور نعمانی	۵۳

**اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہو تو**

اس کا مطلب یہ کہ آپ کی دست خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم گمانہ کے لیے پہلے ارسال فرمائیں یا خریداری کا اضافہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں  
چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۵۰ روپے درج کی جائے۔ دینہ اگلا شمارہ بھیج دینے کی درخواست ہوگی۔  
پاکستان کے خریدار۔ اپنا چندہ اضافہ مصلحت و مصلحت آئینہ بینہ لکھ لکھ کر بھیجیں کہ اس کی اطلاع ہمیں ملے۔ جمہوریت  
شخص نے ملک خفا کے مطالبہ میں اطلاع دی کہ رسالہ بار بار پوچھا کہ اطلاع کے علاوہ باقی تمام حضرات کا رسالہ کی اطلاع بند ہے کہ  
نمبر خریداری ۵۰۔ براہ کرم خدا کا رتبہ اور ہی آئندہ کو پہنچا پنا خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے جو تہ کی چٹ پر لکھا رہا ہو۔  
تاریخ اشاعت ۵۰۔ الفرقان ہر گزیری مہینہ کے پہلے مہینہ میں روانہ کر دیا جائے اگر کوئی تاریخ تک کی صاحب کو نہ ملے تو ذرا مطلع  
کریں اس کی اطلاع ۵۰ تاریخ تک آسانی چاہیے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**دفتر دفترستان، پتھرری روڈ، لکھنؤ**

(نوٹی) محترمہ نعمانی پرنٹر، ایڈیٹر و پراپرٹیز نے تہذیب و تمدن میں جیسے کہ دفتر الفرقان پتھرری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# نگاہِ اولین

محمد منظور نعمانی

مقدّمہ شایع الحمد للہ حضرت مولانا محمد زکریا غلامی نے (جو اہل دہلی ذیقعدہ کے اسی آخری ہفتہ میں مجاز حق میں تشریف لے گئے ہیں) اپنے کچھ مہینے مدبرانہ مظاہر العلوم سہارنپور کے حضرات اساتذہ و متعلمین و اہل حق کی ایک ضرورت بن گئے تھے جس نے قریبی اساتذہ و اکابر کے کچھ واقعات و ذکر کر کے دکھلایا تھا کہ مدارس کے مسائل میں ان حضرات کا دیدار کتنے اعتبار و توجہ کا تھا اور وہ خاص اس باب میں آخرت کے معاملہ کے کچھ مسائل و مسائل بہت تھے۔ انکی حال میں حضرت مولانا نے اپنی زندگی کے کچھ واقعات بطور اظہار بعض عزیزوں سے قبل بیان کئے تھے جو قریباً دو سو نوکریاں تھیں جن کی کتب کی شکل میں آپ سیدتی کے نام سے شائع ہو گئے ہیں ان کے شروع میں حضرت مولانا کا وہ مصنفہ کی شائع کروایا گیا جو جس کا وہ مذکور کیا گیا ہے۔ آج کی صحبت میں سیدتی سے اتنا کہ کہنے اپنے اکابر کے چند واقعات تھیں ناظرین کے جائزہ میں اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو جو دنیاوی مدارس سے یا دینی خدمت کے کسی مسئلے سے تعلق رکھتے ہیں توفیق دے گا ان کے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

(۱) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (بخاری و ترمذی کے محقق) جب ناظر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلاطین کا تشریف لے گئے تو وہاں کے قیام کی وجہ سے لوگوں سے حضرت مولانا کے خصوصی تعلقات تھے، تو مولانا مرحوم نے سفر واپسی پر اپنے سفر کی آمد خرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹریں نے غور فرمایا۔ اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میری نیت دوست سے ملنے کی تھی چندہ کی نہیں تھی اسلئے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کر لیا جائے؟

(۲) حضرت اقدس سیدی مولانا غلیل احمد صاحب نور انشراحہ جب یکبار قیام مجاز کے بعد ۱۳۳۳ھ کے آخر میں ناظر علوم میں واپس تشریف لائے تو میرے والد حضرت مولانا محمد رحیمی صاحب نور انشراحہ کا شروع ذیقعدہ میں انتقال

ہوا کہ پہلی کتب خانہ بھجوی سہارنپور سے شائع ہوئی ہو۔ کتب خانہ الفرقان کھنڈے سے بھی طلب کی جا سکتی ہے۔

ہو چکا تھا، حضرت نے مدرسے سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر ذرا کر دکھا کر کہا کہ میں اپنے صنعت و پیری کی وجہ سے کسی مال سے مدرسہ کا کام نہیں کر سکتا لیکن اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب میری زیارت میں مدرسہ کے لمبا پڑھاتے تھے اور تم کو نہیں لیتے تھے وہ میری کام کجی کر کے تھے اور میں اور وہ دونوں کر ایک مدرسے سے زیادہ کام کرتے تھے اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور میں مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کر سکتا اس لیے قبولِ تنخواہ سے معذور ہوں.....

(۳) مظاہر علوم کا جید ملاحظہ جلد ہوتا تھا میں نے اکابرِ مدرسین و ملازمین میں سے کبھی کسی کو جملہ کے کھانے یا پائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا، جلد مدرسین حضرات اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے البتہ حضرت قدس سرہ مدرسہ کے خصوصی ہماروں کے ساتھ کھاتے تھے لیکن حضرت کے مکان سے دس باہر آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق ہماروں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے مدرسہ کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا۔ مولانا غایت الہی صاحب مہتمم مدرسہ دو شب روز مدرسہ کے اندر رہتے اور دن کو ظہر کے وقت امداد کو ۱۲ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا امداد معمولی کھانا کھاتے لیتے تھے

(۴) میرے والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ) قدس سرہ کے زمانے میں مدرسہ کا مبلغِ مہاری نہیں ہوا تھا، نہ مدرسہ کے قریب کسی طہانہ کی دکان تھی، جامع مسجد کے قریب ایک طبّاخ کی دکان سے کھانا لایا جاتا تھا، سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا، تو اسان کے بڑے کو مدرسہ کے حمام کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے انکی پیش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا، تو ہمراہ دو تین روپے فرما کر چندہ میں داخل کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتقال ہوا ہے۔ تنخواہ تو میرے والد صاحب نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

(۵) حضرت مولانا غایت الہی صاحب مدرسہ (مظاہر علوم) کے مہتمم بھی تھے، مفتی بھی تھے اور عدالتی تمام کام داران ہی کے ذمہ تھا لیکن دفتر میں ان کے پاس دو قلمدان رہتے تھے ایک ذاتی ایک مدرسہ کا، ذاتی قلمدان میں کچھ ذاتی کاغذ بھی رکھے رہتے تھے اپنے گھر کوئی ضروری پرچہ بھیجا ہوتا تو اپنے قلمدان سے لکھتے تھے مدرسہ کے قلمدان کے بھی نہیں لکھتے تھے.....

(۶) حضرت مولانا غایت الہی صاحب کو اخیر زمانہ میں صنعت پیری کے علاوہ شدید امراض کا ابتلا ہوا (اسی حال میں) صبح کو ڈوٹی میں بیٹھ کر مدرسہ آتے اور بعد عصر ڈوٹی میں بیٹھ کر دوا کی تشریف لے جاتے، اس مشقت کو دیکھ کر مجھے تیرس ہوتا تھا، میں نے تفصیلی حالات لکھ کر حضرت سرپرستان مدرسہ کی خدمت میں

مروم کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر خصوصی طور پر نیشن کی ٹکنریشن کی سعی، حضرت اقدس مولانا سناوی سرپرست مدبرہ (دوسرے مرتبہ) نے تحریر فرمایا کہ مدرسہ کے موجودہ چندہ سے نیشن جانے نہیں ہے اس کے لیے آپ ایک متعلقہ قائم کر کے چندہ کریں اس میں سے نیشن دی جا سکتی ہے..... ہستم صاحب کے لیے جو تم مناسب سمجھتے ہو تجویز کر کے مخصوص احباب سے چندہ مقرر کرالو، پانچ روپے ماہانہ میں اپنی ذات سے روں گا۔

(۷) قدوۃ الاتقیاء حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب تواتر مدبرہ (سرپرست دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم مسلمان ہند) کا یہ مقولہ بہت ہی مشہور تھا اور خود سنا بھی ہے کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں لگتا، اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو ملازمت سے علیحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہو سکتا ہے، لیکن ملازموں کا رویہ جو بیانیے عوام کے چندہ سے آتا ہے ہم سرپرستان مدبرہ اس کے مالک تو ہیں نہیں امین ہیں۔ اگر اس کے صرف و استعمال میں افراط و تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو ہو نہیں سکتا، اس لیے کہ دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے، اتنا ضرور ہے کہ اگر مصلحت مدبرہ چشم پوشی کریں تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے مدد فرمائے۔ لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ شائع کریں تو ہم بھی جوہم کے افندہ شریک ہیں، لیکن جوہم کرنے والے سے کئی حال میں بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر کرانے سے معاف نہیں کر دیا جا سکتا۔

ان فی ذالک لذكری لمن کان له قلب او الحق السمع وهو شہید۔

۱۰ (ملاحظہ فرمائے) مدبرہ مظاہر علوم دہلی انصار جماعت کے مکان کا سرپرست کہہ رہا ہے  
مظاہر علوم کے معاملات میں فیصلہ کا آخری اختیار انہی حضرات کو ملے۔ (دراختیار)

افسوس ہے کہ یہ شمارہ ۲۰ جنوری تک شائع کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اس لیے فردی کا شمارہ بھی کم سے کم ۱۵ دن لیٹ ضرور ہو جائے گا۔ ناظرین کرام ۱۵ فردی کے بعد اس کا انتظار فرمائیں۔  
منیجر

## کِتَابُ الْعَاثِرَةِ وَالْمَعْمَلَاتِ

# مَعَارِفُ الْحَدِيثِ (مُسَلَّس)

لینے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں حضور کی ہدایا اور آپکا طریقہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لینے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں بھی اُنت کو ہدایات  
دی ہیں اور اپنے طرز عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی چند احادیث پڑھیے اور آپکی  
تعلیم و ہدایت کی جامعیت کا اندازہ کیجئے۔

سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت :-

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ يَتَامَ  
الرَّجُلِ عَلَى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَجْمُورٍ عَلَيْهِ ————— رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ  
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں  
کو ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جو (دیواروں یا منڈیروں سے) گھیری نہ گئی ہو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو اس پر سونے سے اس کا  
انذیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے یا کسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ بَاتَ عَلَى ظَهْرَيْدَيْتَ لَيْسَ عَلَيْهِ جَانِبٌ رَدِّهَا لِقَائِهِ حَتَّى  
لَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ الدِّمَةُ

رواہ ابو داؤد

علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوتے جس پر پردہ اور رکاوٹ کی دیکھا دہ ہو تو اس کی  
ذمہ داری ختم ہو گئی۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ بھی دراصل مانعت کا ایک طرح کا اضافہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف  
سے بندوں کی حفاظت کے جو غیبی انتظامات ہیں، جن کا اشاءہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے  
رَقْلٌ مِّنْ يَّكَفُّكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (الآیۃ) (اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی چھت پر سوتا ہے  
جس کے گرد رکاوٹ کے لیے کوئی دیوار یا بند پر نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اُس حفاظتی انتظام کا  
استحقاق کھودیتا ہے اور ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔ اور اگر خدا نخواستہ وہ گھر کے  
ہلاک ہو جاتا ہے یا اس کو سخت جسمانی صدمہ پہنچ جاتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری  
نہیں وہ خود ہی ذمہ دار ہے۔

کھڑی ٹانگ پر ٹانگ لکھ کے لیٹنے کی مانعت اور اُس کی وجہ :-

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْتَفِعَ  
الرَّجُلُ أَحَدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلَى ظَهْرِهِ

رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس  
بات سے منع فرمایا کہ آدمی چت لیٹنے کی حالت میں اپنی ایک ٹانگ اُٹھا کے دوسری  
ٹانگ پر رکھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضور کے زمانہ میں عربوں میں عام طور سے تہنہ باندھنے کا رواج تھا اور ظاہر ہے کہ  
اگر تہنہ باندھ کے اس طرح چت لیٹا جائے کہ اپنا ایک نالہ کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر  
رکھا جائے تو بہا اوقات ستر کھل جائے گا۔ ظاہراً اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح

پینے سے منع فرمایا، لیکن اگر پاس ایسا ہو کہ اس طرح لینے سے ستر کھل جائے گا اندیشہ نہ ہو تو ظاہر ہی ہے کہ اس کی ممانعت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

## پیش کے بل اوذمے لینے کی ممانعت۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلَى بَطْنِهِ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ ضِجَّةٌ لَا يُحِبُّهَا اللَّهُ.

رواہ الترمذی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیش کے بل اوذمے لیا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ لینے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ لینے کا غیر فطری اور غیر مناسب طریقہ ہے اسی لیے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو دو زخموں کا طریقہ بھی فرمایا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّا مُقْبِلُونَ عَلَى بَطْنٍ فَرَكْنَيْنِ يَبْرَجِلُهُ وَقَالَ يَا جُنْدَبُ إِشْمَاهِي ضِجَّةٌ أَهْلِ

النَّارِ۔ رواہ ابن ماجہ

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں پیش کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ نے اپنے قدم مبارک سے مجھے بلایا اور فرمایا اے جُنْدَبُ یہ دو زخموں کے لینے کا طریقہ ہے! (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) کسی عمل یا کسی عادت کی قباحت یا شاعت اہل ایمان کے دلوں پر بٹھانے کے لیے یہ نہایت نوٹ طریقہ ہے کہ ان کو بتایا جائے کہ یہ دو زخموں کا طریقہ یا اللہ کی عادت ہے۔ جُنْدَبُ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اصلی نام ہے۔ حضور نے اس تعلیم و روایت کے وقت ان کو اسی نام سے یاد فرمایا۔



خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح لیٹتے تھے :-

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اعْتَزَلَ  
بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ وَإِذَا اعْتَزَلَ قَبِيلَ الصُّبْحِ لُصَّبَ  
إِذَاعَهُ وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَعْبِهِ

مداد فی شرح السنہ

اگر تھادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اللہ  
دستور تھا کہ (سفر میں) جب آپ رات میں ٹپاؤ کرتے تو دائیں کمرے پر آرام فرماتے  
اور جب صبح سے کچھ پہلے ٹپاؤ کرتے تو اپنی کلائی کھڑی کر لیتے اور سر مبارک اپنی جھیلی  
پر رکھ کر کچھ آرام لے لیتے۔ (شرح السنہ للبخاری)

(تشریح) اہل عرب عام طور سے رات کے ٹھنڈے وقت میں سڑکتے تھے، پھر اگر سر کو سید  
سر شام شروع کرتے تو کسی مناسب جگہ ایسے وقت آرام کے لیے اتر جاتے اور ٹپاؤ کرتے کہ رات کا  
کافی حصہ اپنی پرتا تھا اور سونے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور اگر سفر دیو رات سے شروع کرتے تو  
آرام کے لیے صبح سے کچھ پہلے اتر جاتے تھے۔ حضرت ارقمہ کی اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ  
صنوبر جب ایسے وقت اترتے اور ٹپاؤ کرتے کہ رات کا کافی باقی بڑی تو آپ سونے کے لیے اطمینان  
دراہنی کوٹ پر لیٹ جاتے میرا کہ سونے میں آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ اور جب آپ رات کے پہلے  
آخری حصہ میں اترتے کہ فجر کا وقت ہوتا تو آپ اپنی کھنی ٹیک کے اور کلائی کھڑی کر کے جھیلی پر  
سر مبارک رکھ کر لیٹ جاتے تھے اور اس طرح گریا کا زفر کا انتظار فرماتے تھے۔ اس قسم کی آمادہ  
سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیٹنے اور سونے تک کی  
ہینوں کو کتنے اہتمام سے محفوظ رکھ کر اُمت کو پہنچایا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس فکر و کاوش کا  
ان کو بہتر سے بہتر صلہ پوری اُمت کی طرف سے عطا فرمائے اور ہم کو اتباع اور پیروی کی توفیق

۷۰

عَنْ مُحَمَّدٍ يُفَعَّةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخَذَ  
مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ

بِأَمْنِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَىٰ وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا  
بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ \_\_\_\_\_ رواہ البخاری

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخا مبارک کے نیچے رکھ لیتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے ”اللَّهُمَّ بِأَمْنِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَىٰ“ (اے اللہ میں تیرے ہی نام کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ جینا چاہتا ہوں) اور پھر جب آپ بیدار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے ”أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ“ (ساری حمد و تائش اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں (ایک طرح کی) موت دینے کے بعد جلا دیا، اور مرنے کے بعد اسی کی طرف ہمارا اٹھنا ہوگا)۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ دہنی کرڈٹ پر دہنا ہاتھ رخا مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں سونے کے لیے لیٹنے کے وقت اور پھر جاگنے کے وقت کی جس مختصر دعا کا ذکر ہے دوسری حدیثوں میں اس کے علاوہ بھی متعدد دعائیں ان دونوں موقعوں کے لیے روایت کی گئی ہیں۔ یہ سب حدیثیں اس سلسلہ معارف الحدیث کی پانچویں جلد میں زیر عنوان ”سونے کے وقت کی دعائیں“ درج کی جا چکی ہیں۔

سونے سے پہلے اور سو کے اٹھ کر مسواک کا اہتمام :-

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ إِلَّا  
وَالسِّوَاكُ عِنْدَ رَأْسِهِ فَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَبَا السِّوَاكِ \_\_\_\_\_ رواہ احمد والحاکم

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ سونے کا ارادہ کرتے تو مسواک اپنے سرانے رکھ لیتے پھر جب بیدار ہوتے تو

سب سے پہلے سواک کرتے۔ (مذاہم، متذکرہ حاکم)  
 عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرُقُّ مِرْنَةً  
 لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَقِيطُ إِلَّا تَسْوَاكَ \_\_\_\_\_ رواه ابوداؤد  
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم رات میں یا دن میں جب بھی سوتے تو اٹھ کر سواک ضرور کرتے۔  
 (سنن ابی داؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بیٹھتے تھے اور کس طرح بیٹھنے کی ہدایت فرماتے تھے:-  
 عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 يَفْنَاءُ الْكَعْبَةَ حُتْبِيًّا بِيَدَيْهِ \_\_\_\_\_ رواه الترمذی  
 حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے صحن میں احتبا کے طور پر (یعنی گوٹ مارے)  
 بیٹھا دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) احتبا بیٹھنے کا ایک خاص طریقہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرینیں اور  
 دونوں پاؤں کے تلوے زمین پر ہوں اور دونوں زانو کھڑے ہوں اور ان کو دونوں ہاتھوں کے  
 حلقہ میں لے لیا جائے، یہ اہل تفکر اور اصحاب مسکن کے بیٹھنے کا طریقہ ہے، اس کو ہندی  
 میں گوٹ مار کے بیٹھا بھی کہتے ہیں، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 اکثر اس طرح بیٹھتے تھے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ اخْتَبَى بِيَدَيْهِ \_\_\_\_\_ رواه ترمذی  
 حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو عموماً احتبا کے طور پر بیٹھتے تھے۔ (ترمذی)  
 عَنْ جَابِرِ بْنِ مُمَرَّةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا صَلَّيْتُ الْفَجْرَ تَرْتَّبُ فِي مَجْلِسِهِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنًا

رواہ ابوداؤد

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنی اسی جگہ میں چار زانو بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتبا کی شکل کے علاوہ چار زانو بھی بیٹھتے تھے۔ اور حدیث کے راوی جابر بن سمرہ کے بیان کے مطابق فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب کے بعد تک گویا اشراق تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں اپنی جگہ پر چار زانو ہی بیٹھے رہتے تھے۔

مجلس میں آنے والے کو چاہیے کہ مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جائے :-

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي

رواہ ابوداؤد

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کا (یعنی صحابہ کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی مجلس میں آتا تو (حاضرین مجلس کے درمیان سے) گزر کے آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ، کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اصول حدیث میں یہ بات مسلم اور مقرر ہو چکی ہے کہ کسی صحابی کا یہ بیان کرنا کہ حضور کے زمانہ میں آپ کے صحابہ ایسا کیا کرتے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کا وہ عمل آپ کی مرضی کے مطابق اور آپ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ اس بنا پر اس حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ ادب سکھایا تھا کہ جب مجلس قائم ہو اور کوئی آدمی بعد میں آئے تو وہ مجلس کے کنارہ پر جہاں جگہ پائے وہیں بیٹھ جائے۔ ہاں صاحب مجلس کو حق ہے کہ کسی خصوصیت یا مصلحت کی وجہ سے اس کو آگے بلا لے۔

حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جانا سخت ممنوع ہے:-

عَنْ حَدِيثَةٍ مَلْعُونٍ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ قَعَدَ وَسَطَ الْحَلَقَةِ \_\_\_\_\_ رواه الترمذی و ابوداؤد

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے اُس شخص کو قابل لعنت قرار دیا ہے جو بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔  
(جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

(تشریح) شارمین نے اس حدیث کی کئی توجہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، ایک تکبر یا بے نیاز اور ادب سے نا آشنا آدمی لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتا ہے، بلاشبہ یہ سخت مجرمانہ حرکت ہے اور ایسا آدمی لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے۔ دوسری توجہ یہ کی گئی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے مواجہہ یعنی آمنہ سامنا ہے، ایک آدمی اگر اس طرح حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے کہ بعض لوگوں کا مواجہہ ہوتا نہیں رہتا، ظاہر ہے کہ یہ بھی بہت ہیودہ حرکت ہے۔ تیسری توجہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے وہ منحرف مراد ہیں جو لوگوں کے بیچ میں اُن کو منہ لانے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔  
متفرق ہو کر بیٹھنے کی ممانعت :-

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَأَصْحَابُهُ جُلُوسٌ فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ عِزِينَ \_\_\_\_\_ رواه ابوداؤد

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ متفرق الگ الگ (کڑیاں بنائے) بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہو  
کہ میں تمہیں الگ الگ بیٹھے دیکھ رہا ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) کسی چیز پر اظہارِ ناراضی کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ کہا جائے کہ ”میری آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں“ یعنی جو کچھ دیکھنے میں آ رہا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے اور نظر نہ آنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ الگ الگ ٹکڑوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ نے اپنی حیرت کا اظہار فرما کر تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ بجائے اس طرح الگ الگ بیٹھنے کے سب فی کے توجہ سے بیٹھو۔ بعض دوسری حدیثوں میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس ظاہری تفرق اور تشیت کا اثر دلوں پر پڑتا ہے اور دل کو ساتھ بیٹھنے سے قلوب میں جوڑا دے تو اتنی پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح نہ بیٹھا جائے کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سایہ میں :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الْمَغِيِّ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهُ فِي الشَّمْسِ وَبَعْضُهُ فِي الظِّلِّ فَلْيَعْمُرْ

رواہ ابوداؤد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سایہ کی جگہ میں بیٹھا ہو پھر اس پر سے سایہ ہٹ جائے اور پھر اس کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اُس جگہ سے اٹھ جائے۔ (مسند ابی داؤد)

(تشریح) ماہرین نے بتایا ہے کہ اس طرح بیٹھنا ایسا کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں ہو طبی لحاظ سے مفید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مانعت غالباً اسی لیے منسوخ فرمائی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

## صحبتے با اہل دل

یعنی ملفوظات حضرت شاہ کا یعقوب صاحب مجددی مرنہ مولانا سید ابوالحسن

علی ندوی دوسرا ایڈیشن۔ قیمت چھ روپے

کتب خانہ الفہر قان کچہری روڈ لکھنؤ

# مصلح عظیم

از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی

جدہ پندرہ سو برس پہلے دنیا جن حالات سے گز رہی تھی ان کا تذکرہ پچھلے مضامین میں نظر سے گزر چکا ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ دنیا کے مختلف ممالک، مذاہب اور اقوام کو کیا مشکلات درپیش تھیں۔ تاریخ عالم کے ایک مبصر نے اُس وقت کی صورت حال کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے :-  
 ”گوتم بدھ کی تعلیم چین، تبت اور مشرقی ایشیا کی خانقاہوں میں ”تیاگی بن کر بیٹھ رہی تھی۔  
 حضرت عیسیٰ کی تعلیم چھ سو برس تک مغربی دنیا میں سر مار چکی تھی اور اس کے پیروؤں کے جھگڑے اس کی جگہ ہنسائی کر رہے تھے۔ پرانے دیوتاؤں کو رو کر رکھ گئے تھے اور ان کے مٹنے والے زندگی اور اُس کے کٹھن دھندوں سے الگ ہو کر فلسفہ کی شائنی اور بیجا رنگی میں پناہ لے رہے تھے۔ سیاسی دنیا میں بھی ایسی ہی ابتری تھی۔ اِدھر ہندوستان کی گت تہذیب کو اُدھر دم کی شان دار سلطنت کو وحشی نسلوں نے تباہ کر دیا تھا۔ چین اپنے الگ کرنے میں پڑا تھا۔ ایران میں ساسانی خاندان نے ایک خاصی بڑی سلطنت قائم کی تھی، مگر وہ دم کی مشرقی سلطنت سے ٹکرا کر اپنا سر چھوڑ چکی تھی، اس میں کچھ بدلتی تو تھی مگر جان نہ تھی۔ مذہبی رہنماؤں کے فساد نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔  
 ان حالات کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ انسانیت کی کشتی گرداب مصائب میں

چکر کھا رہی تھی اور کوئی ایسا باہمت شہساز نہ دیکھا تھا جو اسے موجوں کے تلاطم سے بچا کر ساحلِ مراد تک پہنچا سکتا۔ عقلاً و دوزگار حیران اور مفکرینِ عالم پریشان تھے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایسی ہی کے اس عالم میں صحرائے عرب سے ایک خدا بلند ہوئی۔

یا ایہا الناس قد جاءکم  
الرسول بالحق من ربکم فآمنوا  
خیر لکم و ان تکفروا فان للہ  
ما فی السموات والارض و کان  
اللہ علیمًا حکیمًا

اے لوگو! وہ پیغامبر جس کی آمد کے تم منتظر  
تھے، تمہارے رب کی طرف سے پیغامِ حق  
لے کر آگیا ہے لہذا تم ایمان لے آؤ اور  
اپنے لیے خیر و فلاح کا سامان کرو اور اگر تم  
نہ مانو گے تو یقین رکھو کہ آسمان و زمین  
میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ  
علم و حکمت والا ہے۔

اس نداءِ ربانی کے بعد لوگوں نے یہ بھی سنا کہ وہ پیغمبرِ برحق اعلان کر رہے ہیں کہ میں کسی خاص قوم و ملک سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ میں سارے جہازوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، خدا کے تمام بندوں کو راہِ حق دکھانا میرا مقصد ہے اور سب کو مشکلات و مصائب سے بچا کر فلاح و کامرانی کی منزل تک پہنچانا میرا مقصد ہے۔

وہ اگرچہ عرب میں پیدا ہوئے تھے لیکن انھوں نے اپنے آپ کو کسی ملک کی چہار دیواری میں محدود نہیں کیا۔ وہ نسلِ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے لیکن انھوں نے کسی قوم کے ساتھ اپنے کو وابستہ نہیں کیا بلکہ بڑا اعلان کیا کہ:-

یا ایہا الناس انی رسول اللہ  
الیکم جمعیا الذی لہ ملک  
السموات والارض لا الہ الا  
ہو یحیی و یمیت

اے لوگو! میں تم سب کی طرف سے خدا کا  
پیغامبر ہوں جسے آسمانوں اور زمین کی  
فرماں برداری حاصل ہو اس کے سوا اللہ کوئی  
معبود نہیں وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی  
موت دیتا ہے۔

اُس نے صاف صاف کہا کہ:-



بَعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ  
میں کالے اور گدے سبھی کی طرف بھیجا  
گیا ہوں۔

اس کے واسطے نامہ میں تصریح تھی کہ بلا تفریق نسل و وطن وہ ساری نوبہ انسانی کی ہدایت  
پر آمروں کیا گیا ہے۔

وَمَا ارسلناك اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔

اس کی آمد کسی ایک کے لیے نہیں بلکہ سارے جہانوں کے لیے پیامِ رحمت ہے۔  
وَمَا ارسلناك اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ  
رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

دنیا کی تاریخ میں رنگ و نسل اور ملک و قوم کی تفریق کے خلاف یہ پہلا اعلان تھا۔  
اور ساری نوبہ انسانی کو یکساں سمجھنے اور سب کی فلاح و بہبود کے لیے یکساں ہمدردی کا یہ  
پہلا بیان تھا۔ وہ مصلحِ اعظم جو دستور لے کر آیا تھا اس کے اندر صاف صاف تصریح تھی کہ :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ انا خَلَقْتُكُمْ  
من ذَكَرٍ وَانْثَى وَجَعَلْتُكُمْ  
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ  
اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے  
پیدا کیا ہے اور تمہیں اقوام و قبائل کی  
شکل صرف اس لیے دی ہے تاکہ ایک  
دوسرے کی پہچان ہو سکے ورنہ حقیقت تو  
یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے

معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اس بیان کی مزید وضاحت اس مصلحِ اعظم نے ان الفاظ میں فرمائی۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں، نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہو  
نہ عجمی کو عربی پر کوئی تفوق حاصل ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنا تھا  
گئے تھے۔“

یہ الفاظ پیغمبر اسلام خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک مجمع عظیم کے سامنے ادا ہوئے۔ آپ نے صرف الفاظ ہی میں یہ اعلان نہیں کیا بلکہ ان الفاظ کو اسلامی زندگی کا دستور عمل بنادیا۔ پوری زندگی اس اصول کو برت کر دکھایا اور اپنے پیروؤں کے سامنے ایسا واضح نمونہ قائم کیا کہ وہ کسی حال میں اس اصول کو فراموش نہ کر سکے اور انسانیت کی وحدت کا تصور کبھی بھی ان کے ذہن سے نہ نکل سکا۔ اس تیرہ چودہ سو برس کے اندر ان کے اندر بہت سی خرابیاں رونما ہوئیں لیکن رنگ و نسل اور ملک و قوم کی بنیاد پر انسانیت کی تفریق کے وہ کبھی قائل نہ ہو سکے۔ بلکہ تاریخ کے ہر دور میں آپ انھیں بین الاقوامیت کا حامل پائیں گے اور وہ ہر زمانہ میں عالمگیر انسانی برادری کے مبلغ نظر آئیں گے۔

جس وقت یہ اعلان ہوا ہے اُس وقت دنیا ملکوں اور قوموں میں ٹپی ہوئی تھی اور رنگ و نسل کی تفریق تمام قوموں کا مسلم اصول تھا۔ قدیم عربوں، مصریوں، ہندیوں، ایرانیوں، رومیوں کا حال آپ کو معلوم ہے کہ وہ اپنے حلقہ سے باہر کے لوگوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ ارسطو جیسے معلم نے سکندر کو یہ نصیحت کی تھی کہ:-

”تو یونانیوں کے ساتھ دوستوں اور رشتہ داروں کا سا برتاؤ کر اور ان کے علاوہ غریبوں

کے ساتھ دیا برتاؤ کہ جیسا کہ درندوں اور درختوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔“

رنگ و نسل کی اس تفریق کے دور میں پیغمبر اسلام نے انسانی مساوات اور عالمگیر اخوت کا اعلان کیا جس طرح آپ نے ملکوں اور قوموں کی تفریق کو اور انہیں کی اسی طرح آپ نے پشتوں اور ذاتوں کی افیج بیچ بھی تسلیم نہیں کی بلکہ اس بارہ میں بھی مساوات کا اعلان کیا۔ آپ نے پشتوں کو نہ خاندانی قرار دیا نہ انھیں عزت و ذلت کا معیار تسلیم کیا۔ بلکہ ہر شخص کو پوری آزادی دی کہ وہ اپنے حالات، ضروریات، مزاجی مناسبت اور طبعی ذوق کی بنا پر اپنے لیے جو پیشہ مناسب سمجھے اختیار کرے، کسی پیشہ کی بنا پر وہ شریف یا ذلیل نہ سمجھا جائے گا بلکہ اپنے اعمال کی بنا پر عزت یا ذلت کا مستحق ہوگا۔ اگر سلیقہ، قاعدہ، اور ایمان خدا کے ساتھ کام کرے گا تو عزت کی نظر سے دیکھا جائے گا، لیکن بد عزتانی، بے قاعدگی، فریب،

دغا بازی اور بے ایمانی سے کام کرے گا تو برا سمجھا جائے گا خواہ کتنا ہی اہم پیشہ کیوں نہ اختیار کرے  
اسے عزت کی نظر سے نہ دیکھا جائے گا۔

نوع انسانی میں طرح رنگ و نسل اور قوم و ملک کے اختلافات کے امتحان مصیبت میں مبتلا تھی اور  
اُسے دن سب دشمن اور کشت و خون کے واقعات پیش آتے رہتے تھے اسی طرح بلکہ شاید اس سے بھی  
زیادہ مذہبی گروہ بنیادیں انسانیت کے لیے تباہ کن تھیں۔ تعصب کا یہ حال تھا کہ ہر شخص اپنے خیالات و  
مقائد سے اختلاف رکھنے والے کو قابل گردن زدنی سمجھتا تھا۔ ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب  
کے ماننے والوں کے جانی دشمن تھے اور اُن کو تانا، نقصان پہنچانا، بلکہ مار ڈالنا کا ہر ثواب سمجھتے تھے۔  
مذہب کی حقیقی تعلیم پر عمل کرنے والے تو بہت کم تھے مگر دوسرے مذہب والوں کے ساتھ دشمنی رکھنے  
کا ذوق عام تھا۔ ان کا تعصب بے ادوات دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ اور درندوں کی طرح حناؤ  
کا خون چوسنے کا تامل نہ کرتے۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تعصب کی ماری ہوئی دنیا کو غور و فکر، صبر و تحمل اور انصاف  
دروداداری کی تلقین کی۔ آپ نے کتاب ہدایت (قرآن مجید) کا یہ حقیقت افروز اعلان پڑھ کر نایا کر:

لا اکراه فی الدین دین کے بارہ میں کسی قسم کا جبر و جبروت نہیں ہے۔

پھر رواداری کے اس بے مثل منشور کا اعلان کیا۔

لکم دینکم ولی دین تمہارے لیے تمہارا دین ہو اور میرے لیے میرا دین ہو

اور سمجھایا کہ غفیدہ دل کے یقین کا نام ہے۔ جبر سے زبان مجبور ہو سکتی ہے لیکن دل قائل نہیں ہو سکتا ہے۔  
دل کو قائل کرنے کے لیے بات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے جبر و تشدد کے  
بجائے ایسے دل پذیر طریقے سے بات سمجھائی جائے کہ دل میں اثر جائے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت

والموعظۃ الحسنۃ و جادلہم بالتی کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان سے بطریق

حسن بحث کیجئے۔

ہی احسن

اس موقع پر اس حقیقت کی جانب بھی توجہ دلائی گئی کہ:-

کل حزب بما لدیہم فرحون ہر گروہ اپنی باتوں میں مگن ہوتا ہے

سب لوگ اپنے عقائد و خیالات کو ٹھیک سمجھتے ہیں اور اپنے رسوم و رواج کو پسند کرتے ہیں۔ ان کو صحیح بات پر لانے میں ٹپے مبر و مضبوط اور انتہائی حکمت و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا بحث و گفتگو میں اس کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے کہ دلوں کو ٹھیس نہ لگنے پائے ورنہ ان کے اندر انتہائیں کی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور معقول سے معقول بات بھی ان پر اثر نہ کرے گی۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ کے مقدس پیغمبر دنیا کے ہر ملک اور قوم میں آئے ہیں خواہ ہم ان کے ناموں اور حالات سے واقف نہ ہوں، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زمین کا کوئی خطہ اور انسانوں کا کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جس کے پاس خدا کی ہدایت نہ آئی ہو اور کسی پیغمبر نے ان کی رہنمائی نہ کی ہو۔ ارشاد ہوا لکن قدوم حاد (ہر قوم کے لیے ایک نہ ایک رہنما ہوا ہے) ما من امة الا خلا فیہا نذیر (ہر امت میں کوئی خدا کا خوف دلانے والا آیا ہے)

دین کے اصل مسائل اور بنیادی باتوں میں تمام نبی متفق ہیں۔ البتہ زمانہ کے حالات، قوم کی مخصوص ضروریات اور مزاجی کیفیات کے اعتبار سے مذہبی رسوم و آئین اور قواعد و ضوابط میں کسی قدر فرق ہے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام قوموں کو دعوت دی کہ وہ اپنے نبیوں کی ہدایت پر عمل کریں۔ قرآن مجید انہیں تعلیمات کی تجدید اور انہیں ہدایات کی تشکیل نو کا داعی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو ترک کر کے وہ غور کریں گے تو انہیں نظر آئے گا کہ قرآن مجید وہی تعلیم دیتا ہے جو اگلی کتابوں میں دی جا چکی ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی راہ عمل اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جس پر سابق انبیاء علیہم السلام عمل کر چکے ہیں۔ آپ نے قیصر روم کو اسلام کا جو دعوت نامہ بھیجا تھا اس میں صاف صاف تحریر کیا تھا۔

یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ	اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ
سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد	جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (علم)
الا اللہ ولا نشرك بہ شیئا	ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ
ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا	کریں اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں
من دون اللہ فان تولوا فقلوا	اور اللہ کے علاوہ ہم میں سے بعض بعض کو، اب نہ بنائیں
امشدا و ابانا مسلمون۔	پس اگر وہ (اس متفق علیہ بات کو بھی ماننے سے)

رد گردانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ

رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

یہ اختلاف کی فضا میں اتفاق کی مخلصانہ کوشش تھی لیکن تو میں خود اپنے دین و دامن سے اتنی دودھ چوچکی تھیں کہ انھیں یہ دعوت اتحاد بھی قبول نہ ہو سکی اور ان کی بے راہ روی کو کسی بھی دینی اور اخلاقی ضابطہ کی پابندی گوارا نہ ہو سکی لیکن ان کی مخالفت کے باوجود ہادی عالم اپنی مصالحتانہ روش پر قائم رہے اور تمام پیغمبروں کے احترام اور ان کی کتابوں کی عزت پر زور دیتے رہے یہاں تک کہ اسے مسلمانوں کے ان بنیادی عقائد میں داخل کر دیا جنھیں تسلیم کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہر نبی کی عزت کرنا اور ہر صحیفہ ربانی کی تعظیم کرنا اس کا اولین فرض ہے۔ داعی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تبلیغ برابر جاری رہی اور ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جس نے تعصب کی شدید آندھیلوں میں بھی ہدایت کا چراغ لگایا نہیں ہونے دیا اسی تعلیم کا اثر ہے کہ تیرہ چودہ سو برس کے طویل دور میں کبھی بھی کسی مسلمان نے کسی مذہب کے بانی کی توہین نہیں کی بلکہ ہمیشہ ادب و احترام سے ان کا ذکر کیا۔

مسلمان بائبلان، مذہب اور ان کی کتابوں کا احترام کرتے ہیں البتہ ان تحریفوں کو واضح کرتے ہیں جو بعد کے لوگ اپنے مذہب کی اصل تعلیمات میں کرتے رہے ہیں اسی طرح بائبلان مذہب اور ہادیان برحق پر جو اتہامات بعد کے نفیس پرستوں نے اپنی نفس پرستی کو جائز کرنے کے لیے لگائے ہیں اور سچا ہوس پرستی کو درست قرار دینے کی غرض سے ان بزرگوں کی سیرت کو جس طرح داغ دار کیا ہے اس کی تردید کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے بڑے اتہام سے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کی پاکیزگی اور ان کی مقدس کتابوں کی صحت و صفائی کی کوشش کی ہے اس طرح قرآن مجید نے تمام پیغمبروں اور ان کی کتابوں کی بڑی خدمت کی ہے۔ قرآن مجید کی وضاحت نے حقیقت کو واضح کر دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے زندگی کی صحیح شاہ راہ نمایاں ہو گئی ہے جس پر چل کر انسانیت کا قافلہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔

ملک و قوم اور رنگ و نسل کے تفرقوں اور مذہبی تعصب کے ہنگاموں سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کی جو جدوجہد آپ نے کی اور دنیا کو میدان کارزار کے بجائے دارالامن بنانے کے لیے جو کوششیں آپ نے کیں ان کا حال آپ سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں اس کے ساتھ آپ نے لوگوں کو

ایک اور اہم حقیقت کی جانب توجہ دلائی یعنی انسانوں کو ان کا صحیح مقام یاد دلایا۔ وہی ہیں مسلسل متحرک و متغیر  
نے اب انھیں اس درجہ تک پہنچا دیا تھا کہ وہ اپنی حیثیت بھی بھول گئے تھے۔ انسان اشرف المخلوقات  
تھا لیکن کائنات پر فرماں روا کی کے بجائے اب یہ ہر چیز کے سامنے سر بسجود تھا۔ آگ، پانی، دیر یا، ہوا، سورج، چاند، ستارے، درخت، جانور سب کے سامنے اس کا سر خم تھا۔ پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
کا نوع انسانی پر یہ بڑا احسان ہے کہ انھوں نے اس کو اس پستی سے نکالنے کی کوشش کی۔ آپ نے لوگوں کو  
بتایا کہ ساری کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے۔ انسان ان مظاہر قدرت کے سامنے سر جھکانے کے  
لیے نہیں آیا ہے بلکہ ان سے کام لینے اور انھیں انسانیت کی خدمت میں لگانے کے لیے آیا ہے۔ کتاب الہی  
میں بار بار انسان کو اس کی بلند حیثیت یاد دلائی گئی ہے فرمایا۔

لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم۔  
بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔

انسان کو خلیفۃ اللہ قرار دیا گیا اور کائنات میں نیابت الہی کا فریضہ اس کے سپرد کیا گیا۔ ملائکہ کو  
بھی اس کے سامنے سر بسجود ہونے کا حکم دیا گیا جس نے سر تاب کی ہمیشہ کے لیے زندہ درگاہ قرار دیا گیا  
انسانی عظمت کا اس طرح اعلان کیا گیا۔

لقد کرمنا بنی آدم و حملنا فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبیت وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفصیلاً۔  
مزیار ارشاد ہوا۔  
بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی اعلیٰ  
خسکی دیتی میں سوار کیا۔ پاک چیزوں سے  
رزق عطا کیا اور اپنی پیدا کردہ بہت سی  
مخلوق پر اسے فضیلت عطا فرمائی۔

ومنزلکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً۔  
آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کا  
سب خدا نے تمہارے لیے سونپ کر دیا۔

ادھر چند آیتیں نمونہ کے طور پر نقل کر دی گئی ہیں وہ نہ سارا قرآن مجید اس قسم کی آیتوں سے بھرا  
پڑا ہے۔ وہ خالق کائنات کا نائب بنا کر بھیجا گیا ہے۔ وہ مرضی الہی کا تابع ہے اور ساری کائنات اس کی  
ماتحت ہے۔

الدنیا خلقت لکم وانتم خلقتکم  
 دنیاتما رہے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم اللہ کے لیے  
 پیدا کیے گئے ہو۔

یہ بھی انسان کی غفلت لیکن اس نے اپنے آپ کو اس بندگی سے گرا کر ایسی پستی میں پہنچا یا تھا کہ شجر و  
 حجر کے سامنے سر جھکائے پڑا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نوع انسانی پر یہ بہت بڑا احسان ہے  
 کہ آپ نے اسے اس کی اصلی حیثیت یاد دلائی اور ذلت و پستی کے غار سے نکال کر عزت و عظمت کے بام بلند  
 تک پہنچایا۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح انسان کو کائنات کی دوسری چیزوں کے سامنے نہ جھکنا چاہیے  
 اسی طرح کسی انسان کے سامنے بھی نہ جھکنا چاہیے چاہے اسے دینی اور دنیاوی کیسی ہی عظمت کیوں نہ حاصل  
 ہو۔ حضور نے شاہ روم کے نام جو خط لکھا تھا اس میں خاص طور سے مذکور تھا کہ  
 ”ہم میں سے بعض بعض کو رب نہ بنائیں۔“

اسی حقیقت کو ایک اسلامی سفیر نے ایران کے سپہ سالار رستم کے سامنے ان الفاظ میں  
 واضح کیا تھا۔

”تمہارے یہاں بعض لوگ بعض کے خدا ہوتے ہیں لیکن ہمارے یہاں یہ طریقہ نہیں ہے  
 کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور دوسرے اس کے سامنے بندگی کریں۔“

جنگ یرموک کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ایک رومی سپہ سالار  
 باہان سے گفتگو کر رہے تھے اس نے اپنے بادشاہ ہرقل کی غیر معمولی تعریف کرتے ہوئے اسے شہنشاہ  
 کہا حضرت خالد نے سن کر فرمایا:-

”لیکن ہم نے جس شخص کو اپنا سردار بنایا ہے اگر اسے ایک لمحہ کے لیے بھی بادشاہی  
 کا خیال آئے تو اسی وقت ہم اسے معزول کر دیں۔“

اسی طرح ایک اور موقع پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک رومی سردار نے کہا۔  
 ”ہماری فوج کی تعداد آسمان کے تاروں اور ریت کے ذروں کے برابر ہے اور ہمارا  
 بادشاہ سب سے بڑا ہے۔“

اس کے جواب میں حضرت معاذ نے فرمایا:-

”کثرت فوج کی ہمیں پروا نہیں۔ خدا نے فرمایا ہے کہ اس کے حکم سے تھوڑی فوج بہت

بڑی طرح پر غالب آجاتی ہے نہیں اپنے ارشاد کی عظمت پر نازیدہ ہیں تو ایسے حکمران پر فرجے جو کسی بات میں اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ نہ اگرے تو درے لگائے جائیں پوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں سب سے بے روک ملتا ہے اپنے کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا۔ دولت میں بھی اوردوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔

ان تصریحات سے اسلام کی اسپرٹ ظاہر ہے وہ کسی انسان کی دوسرے انسان کے سامنے ذلت و خواری گوارا نہیں کرتا اسی لیے اسلامی اصطلاح میں فرمانروا کو ملک کے بجائے امیر المومنین کہتے ہیں۔ ملک تو انٹر ہے انسان عبد الملک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شہنشاہ کا لفظ بھی سننا پسند نہیں کیا۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کو سیدنا کہا تو آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ سید تو انٹر ہے۔ اس بارہ میں آپ کے احساس کا یہ عالم تھا کہ غلام کو بھی عبد کہلانا پسند نہیں فرمایا اور حکم دیا کہ اسے فتی (جوان) کہا جائے۔ غلام کو تاکید کی کہ وہ آقا کو رب نہ کہے بلکہ مولیٰ (دوست و مددگار) کہے کہ مخاطب کرے کہ

ترکان مجید اور احادیث پاک کی ان تصریحات کے پیش نظر فقہاء (محققین) اسلام نے یہاں تک تاکید کی ہے کہ کسی کے سامنے ذرا سا جسم بھی نہ جھکنے پائے کہ رکوع انٹر ہی کے لیے سرزادہ ہے ہاتھ باز نہ کر نہ کھڑا ہو کہ اس طرح دست بستہ قیام خدا ہی کے سامنے چاہیے سر جھکا کر باادب خاموش دوزانو کسی کے سامنے نہ بیٹھے کہ اس طرح نماز میں خدا کے سامنے بیٹھا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ آپ نے اسے پسند نہیں کیا اور فرمایا۔

لا تقوموا کما یقوم الاعاجم عجیبوں کی طرح مت کھڑے ہوا کرو۔

الغرض اسلامی تعلیمات میں انسان کو ذلت و خواری سے بچانے کی پوری کوشش کی گئی ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ کسی مخلوق کے سامنے سر جھکایا جائے یا اسے جسم و جان کا مالک سمجھا جائے یہاں تک کہ کسی انسانی فرد یا جماعت کو اس کا بھی حق نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے دوسروں کے لیے قانون بنائے اور حسب دلخواہ ان کے معاملات کا فیصلہ کرے۔

۱۔ تاریخ کامل ابن اثیر اور طبری میں متعدد اس قسم کے بیانات درج ہیں۔ ۲۔ ابو داؤد

۳۔ ایضاً ابو داؤد ۴۔ صحیح بخاری



من لم یحکم بما انزل اللہ فادّٰلٰہ  
 ہم الظالمون۔  
 فیصلہ نہ کریں وہ بچے ظالم ہیں۔

کیوں کہ اس طرح انسان کی اپنے انہاء جنس کے ہاتھوں غلامی اور ٹھکوری کی راہ کھل جاتی ہے اس لیے پاکبہ کی گئی جو قانون بنایا جائے وہ تصریحات ربانی اور تشریحات نبوی (مفصوص کتاب و سنت) کی روشنی میں مرتب کیا جائے۔

اس اصول کی تصریح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے پہلے خطبہ میں کر دی ہے تاکہ اسلام کا نظریہ حکومت شروع ہی سے سب کے سامنے آجائے اور خلافت کے آغاز ہی میں خلیفہ کی حیثیت ہمیشہ کے لیے واضح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔

ان احسنت فاعینونی وان  
 اسأت فقومونی اطيعونی  
 ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا  
 عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعة  
 لی علیکم  
 اگر میں نیک ردی اختیار کروں تو تم میری  
 اطاعت کرو اور اگر میں کج ردی اختیار  
 کروں تو تم مجھے سیدھا کر دو میری اطاعت  
 اسی وقت تک کرو جب تک میں اللہ اور  
 اس کے رسول کی اطاعت کروں۔ جب  
 میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں

تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔

خلیفہ مطلق العنان حکمران نہیں ہوتا وہ اللہ و رسول کے احکام نافذ کرتا ہے۔ اسلام نے کسی ایسے نظام حکومت کو پسند نہیں کیا جس میں فرد یا جماعت کے حاکم مطلق بن جائے گا امکان ہوا کہ اپنے پیروں کے اندر آزادی و حق گوئی کی یہ کیفیت دیکھنا چاہتا ہے کہ اگر خلیفہ وقت کوئی غلطی کرے تو ایک معمولی شخص بھی اسے بر ملا ٹوک دے اور بے جھجک کہہ دے کہ ”اگر تم کو ردی اختیار کر دگے تو ہم تمہیں سیدھا کر دیں گے۔“

اے طبری ابن اثیر وغیرہ تاریخ اسلام کی کتابوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ ملاحظہ ہو۔  
 اے یہ وہ مشہور جملہ ہے جو ایک بچہ نے حضرت عمر کے اس سوال کے جواب میں کہا تھا کہ اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم کیا کر دگے

اگر خلیفہ کے بیان میں کوئی غلطی محسوس ہو تو ایک بڑھیا علی الاعلان اسے ٹپک سکے اور خلیفہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لے۔

آج لوگ روس کے اس فقرہ پر سردھننے ہیں کہ :-

”انسان آزاد پیدا ہوتا ہے مگر جلد دیکھو پاہ زنجیر نظر آتا ہے“

لیکن حضرت عمرؓ نے تیرہ چودہ سو برس پہلے اس سے کہیں زیادہ نوادر سنی تیر فقرہ کہا تھا۔ کسی شخص نے مصر کے حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ کی ان سے شکایت کی اس شکایت پر بے چین ہو کر حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

”ان کی ماں نے تو انہیں آزاد پیدا کیا تھا تم نے انہیں غلام کب سے بنالیا۔“

اس فاروقی اعلان کی بنیاد پر ایک نامور فقہ نے انسانی آزادی کا اصول ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ان الله خلقك حراً فكن  
كما خلقك  
اثر نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے پس تو اسی  
طرح رہ جس طرح اس نے تجھے پیدا کیا۔

اسلامی شریعت میں یہ الفاظ صریح کہے ہی نہیں گئے بلکہ دین دامن سیاست و معنیت، اخلاق و معاشرت اور تہذیب و تمدن غرض زندگی کے تمام گوشوں میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ انسانی شرف کو کیسے بچائیں نہ لگنے پائے۔ انسان کی خودداری اور عزت نفس پورے طور پر قائم ہے اور بے جا بندشیں اس کی آزادی کی راہ میں کبھی رکاوٹ نہ ڈالنے پائیں۔ امارت و سیاست کا اہل اسی کو قرار دیا جس کے اندر خدا کا خون اور اس کے بندوں کی خدمت کا جذبہ ہو جو سب کو کھلا کر کھائے اور سب کو پہنا کر پہنے اپنے کو قوم کا فرماں روا نہیں بلکہ خدمت گزار سمجھے سید القوم خادمہ ہر وقت اس کے پیش نظر ہے وہ قوم کی مرضی سے زام اقتدار ہاتھ میں لے اور قوم ہی کے مشورہ سے ملک کا انتظام کرے۔ (باقی)

لے ملاحظہ ہو مہر کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر اور اس پر پھر ایک بڑھیا کا اعتراض اور حضرت عمر کا اعتراف کہ معاہدہ عمرانیؓ کے حق الحاضرہ فی اخبار مصر القاہرہ جلد دوم کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

## پاکستانی مطبوعات

- روح کے صرت ایک ایک ہی نسخے کتب خانہ میں موجود ہیں) ۱۵/-
- سائنس اسلام کامل (دو حصوں میں) ۲۵/-
- سائنس اخلاقیات ۱۲/-
- البرکات ۱۵/-
- سائنس غرناطہ کامل (دو حصوں میں) ۲۵/-
- سائنس فاطمین مصر کامل - کامل (دو حصوں میں) ۲۶/-
- سائنس فیروز شاہی (فیروز شاہی کی مکمل تاریخ جی) ۸/۲۵
- سائنس طبری - سوم ۱۶/- چارم ۱۵/- آٹھم ۱۵/- نہم ۱۵/-
- گلشن بے غار ۹/-
- آئینہ حقیقت نما ۱۲/-
- فقہ الاسلام ۱۲/-
- سفینۃ الاولیاء ۴/۵۰
- اسلامی معاشیات ۱۵/-
- حیات ابن الیقیم ۱۵/-
- اسلامی مذاہب ۹/-
- حسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام ۱۰/-
- ابن ماجہ اور علم حدیث ۹/-
- ترکیبہ نفس ۶/-
- فلاسفۃ الاسلام ۸/۵۰
- حقیقات (عربی) از حضرت مولانا امجد علی دہلوی ۵/۵۰

## قرآن مجید مترجم و معرّی

- قرآن شریف مترجم - اشرف اقبال علی عثمانی ۱۵/-
- قرآن مجید حافی مترجم ۱۲/۵۰
- قرآن مجید مترجم بدو ترجمہ ۱۲/۵۰
- دہلوی ترجمہ ثانی مولانا اشرف علی تھانوی ۱۵/-
- قرآن مجید مع تفسیر کشف الرحمن از مولانا امجد علی دہلوی ۳۶/-
- قرآن مجید عکسی معرّی حلی قلم ۹/۵۰
- عکسی قرآن مجید معرّی جو گاہ ۴/-
- حافظی قرآن مجید نظامی ۴/۵۰
- نقل نظامی حافظی حمال شریف ہر جلد پانچ کد ۴/-
- قرآن مجید حقایق معرّی ۹/-
- قرآن مجید بے مثل عکسی مثل نظامی ۹/-
- قرآن شریف مترجم ۲۱۲/- از مولانا اشرف علی تھانوی ۲۶/-
- قرآن شریف مترجم ۲۸۱/- (سوغات ایڈیشن)
- خاص طور پر پشاور اور حیدرآباد کے لیے ۲۳/-
- مناسبات مقبول - سبز خانہ جلد ریگزی ۲۶/-
- دلائل انجیلات عکسی - پاک سبز ۲۶/-
- پانچ کد ۳/۵۰
- یازدہ سورہ عکسی مترجم - جلد پانچ کد ۳/-
- دوازدہ سورہ مترجم ۳/۵۰
- مجموعہ وظائف مترجم ۵/-

ملنے کا پتہ: کتب خانہ افسانہ نگار، پکری، دہلی

# حجۃ الوداع اور اُس کی شانِ کیتائی

(مَوْلَانَا سَيِّدُ ابُو الْحَسَنِ عَلِيُّ نَدَوِی)

[ہائے مخدوم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کا مذہلوی دامت برکاتہم پر جلی اثرِ تعالیٰ کے بہت سے انعامات ہیں وہاں اس کا ایک بہت بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مروج کو مختلف زمینیوں سے خدمتِ حدیث کی ایسی توفیق بخشی جو اس عہد میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔

مولانا ام مالک کی شرح اوجسہ الممالک کی چھ ضخیم جلدوں اور لائحہ الدردای مشہور صحیح النہاری کی تین جلدوں کے مساوی ایک ممتاز تحقیقی و علمی شان رکھتی ہیں، نیز ان اُردو تصنیفات کے علاوہ جو مقبولِ خاص و عام ہیں اور جن کے بلاشبہ سیکڑوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ مروج نے ۱۳۴۲ھ میں جب ان کی عمر صرف تائیس سال کی تھی، آنحضرتِ معلّم کے آخری رَج "حجۃ الوداع" پر صرف ایک شب دروز کی مدت قلیل میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس میں اس سفر مبارک کے تمام جزئیات، مناذل اور اُس کے متعلقہ احکام کو جمع فرمایا، پھر ان پر مفید حواشی کا اضافہ دوسرے اوقات میں فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اس موضوع پر ایک جامع کتاب بلکہ کتب خانہ بن گیا۔ بعد میں حضرت مخدوم اپنے دوسرے دینی و تعلیمی و تربیتی مشاغل میں ایسے مشغول ہوئے کہ ان کو اس رسالہ کی طرف جو "بقامت کمتر اور بقیمت بہتر" کا صحیح مصداق تھا، توجہ کی مطلق فرصت نہ ہوئی، لیکن اسی سال جب آپ نے ایک آنکھ کا قدرح کر دیا اور معذورین کی بنا پر کسی بڑے علمی و تصنیفی کام میں مشغول ہونے کا موقع نہیں ملا جس کے بغیر آپ کے لیے وقت گزارنا مشکل تھا تو آپ کو اپنا وہ رسالہ یاد آیا، اور عادت مند

شاگردوں کی مدد سے آپ نے اس میں بہت سے مقامات پر اجمال کی تفصیل، اور جدید معلومات و تحقیقات کا اضافہ فرمایا اور اس کو گزشتہ رجب ۱۳۹۸ھ میں لیسٹو پریچھو ابھی لیا، بعد میں اس خیال سے کہ علماء عرب لیسٹو کی طباعت کے حامی نہیں اس کو نذرۃ العلما کے نام پر پریس میں چھاپنے کا ایسا فرمایا۔

اسی دوران میں بعض غیبی اشارات و میراثات سے اس تصنیف کی مقبولیت کا اظہار ہوا ساتھ ہی ساتھ یہ اشارہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مجدد روح آنحضرت کے عمروں پر بھی تحقیق و بحث کر کے اس مبارک سلسلہ کی باکلی تکمیل فرمادیں، چنانچہ ایک مستقل رسالہ "جزائر العرات" کے نام سے اظہار فرمایا، اور اس کی بھی ہندوستانی طباعت ہو گئی، اب یہ دونوں رسالے خوبصورت عربی ٹائپ میں "جمعة الوداع و عمرات الہی معلوم" کے نام سے شائع ہو رہے ہیں جو اہل علم اور اہل ایمان کے لیے ایک نایاب تحفے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کتاب پر محب گرامی مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے ایک مہبوط مقدمہ لکھا جس میں جمعة الوداع کی دینی، تاریخی و علمی حیثیت سے شان بخشنائی کو واضح کیا، پھر کتاب کی خصوصیات کی تشریح کی، یہ مقدمہ بجائے خود ایک علمی و افادہ کی حیثیت رکھتا ہے، صاحب مقدمہ کے برادر زادہ عزیز مولوی سید محمد الحسن مدیر البعث الاسلامی نے ہماری فرمائش پر اس کے اس حصہ کا ترجمہ "الغفران" کے لیے کیا جو "نفس" جمعة الوداع اور اس کی خصوصیات سے متعلق تھا، ہم یہ ترجمہ بڑی مسرت اور شکر کے ساتھ ہیہ ناظرین کو رہے ہیں کہ حج کا زمانہ قریب آگیا ہے، امید ہو کہ بہت سے عازمین حج نیز دوسرے اہل علم اس کے مطالعہ سے غلطوہ و تشغیہ ہوں گے۔

ادارہ الغفران

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

آمین اللہ نے امت مسلمہ کو اقوام عالم کے درمیان جن انعامات سے نوازا ہے اور دین اسلام کو دوسرے مذاہب کے مقابلے میں جو خصوصیات عطا فرمائی ہیں ان میں ایک حج بھی ہے۔

مذہب و اقوام کی پوری تاریخ میں ہمیں کسی ایسی عبادت کا سراغ نہیں ملتا جو اپنی اصلاح و تائید قلب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے، شوق و ذوق پیدا کرنے، بہترین طریقہ پر انسان کے اُن جذبات کی تسکین و تکمیل، اُلت خفیہ اور اس کے امام و بانی سے تجدید تعلق، قلب کو نئی طاقت اور نئے ایمان سے معمور کرنے، دلوں کی سرد انگلیٹھوں کو دوبارہ سلگانے اور بھڑکانے، عادات و رسوم کی بندشوں سے آزادی اور رواج و دستور کی گراں باری سے گلو خلاصی، توحید اور دین خالص کی دعوت، شرک و ثنیت کے مظاہر سے بے تعلقی و اظہار نیرازی، جزائیاں و حد بندیوں، سرحدی پابندیوں اور انسانوں کے مادی و ظاہری اختلافات سے بالاتری، تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے مقاصد کی تحصیل و تکمیل، اس دین کو تحریف سے، اور اُمت کو عمومی انحراف و گمراہی سے باز رکھنے اور اہل غلو، اہل باطل اور اہل جہل کی دست درازیوں سے دور رکھنے، اصل سرچشمہ کی حفاظت کرنے، تحمل و برداشت کی عادت ڈالنے اور مسلمانوں کو عادت کا غلام اور رسم و رواج کا پابند بنانے کے بجائے حکم کا بندہ اور راضی برضائے مولیٰ بنانے میں اس درجہ کمال اور اثر رکھتی ہو اور اس میں یہ سارے فوائد و منافع اور ثمرات و برکات کیجا ہوں۔<sup>(۱)</sup>

لیشہد دامنا فہم وید کروا تاکہ اپنے فوائد و منافع کے لیے دہاں حاضر

اسم اللہ فی ایام معلومات۔ ہوں اور معلوم و متعین دونوں میں خدا

(سورہ حج) کا نام لیں۔۔۔۔۔

اس روشنی میں دیکھئے تو خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور آپ کے معجزات میں سے ایک زندہ معجزہ ہے، انبیاء کرام کی عبادات و مناسک میں اس کو ایک بلند و منفرد مرتبہ حاصل ہے، وہ بہت سے پہلوؤں میں منفرد ہے۔ اصلاحی و تربیتی شعبہ میں بھی منفرد ہے باطنی و روحانی شعبہ میں بھی، اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اس حج میں ایک مجمع کثیر کو آپ کی ہر کامیابی کا شرف حاصل ہوا، اور آپ کی پیروی، آپ کی باتوں پر عمل، آپ کے حرکات و سکنات کا مطالعہ، آپ کے صبح و شام کے معمولات ضبط کرنے اور محفوظ کرنے کا

لے حج کے مقاصد و اسرار سے تفصیلی واقفیت کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ فرمائیں۔

موقع ملا، اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ سلف سے خلف تک اُمت کے تمام طبقات نے اس کا پورا اہتمام رکھا کہ اس سفر میں آپ کے ہر قول یا عمل، عادات یا عبادات، نفی یا اثبات سے احکام کا استنباط اور جزئیات کا استخراج کیا جائے، اس معاملہ میں ان حضرات کی جہتیں اتنی بلند، دماغ اتنا راسخ، اور شعور اس درجہ لطیف و حساس تھا کہ وہ اس کی ان دقیق تفصیلات اور نزاکتوں کو بھی اپنی گرفت میں لائے جیسے بعد کوئی درجہ اور منزل باقی نہیں رہتی، انھوں نے اپنی عقل اور ذہانت کی ساری توانائیاں اسکے لیے بچھ کر رکھ دیں۔

لیکن یہ کارنامہ صرف علم یا عقل کا نہ تھا، علم و عقل کی کارگزاری ہم نے بہت کم دیکھی جو ہم نے دیکھا ہے کہ بڑے لوگوں کے مفسرانوں یا کارناموں کے بیان میں اس سے بہت سی وہ اہم چیزیں چھوٹ گئیں جن کی کوئی علمی یا تاریخی قیمت نہ تھی یہ اصل اس محبت کا کرشمہ ہے جو کسی وقت غافل نہیں ہوتی اور کبھی نہیں اکتاتی جس کو محبوب سے نسبت رکھنے والا ہر ذرہ عزیز ہوتا ہے۔ بال سے زیادہ باریک و نازک باتیں اس کو محبوب ہوتی ہیں، وہ اس کو اپنی سب سے قیمتی دولت اور سب سے بہترین سرمایہ قرار دیتی ہے بلکہ جان سے زیادہ عزیز اور دل سے بھی زیادہ قریب سمجھتی ہے۔

اس پورے طویل و مبارک سفر میں محبت عقل کی رفیق رہی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا پہلی بار اعلان فرمایا اور لوگ اس طرح آپ کے چاروں طرف جمع ہونے لگے جس طرح پروانے کسی روشن چراغ پر، اُس وقت سے لے کر آپ کی دہائی تک محبت اور عقل کا یہ ساتھ ایک لمحہ کے لیے نہ چھوٹا۔ ان دونوں نے مل کر آپ کے سفر و سفر اور افعال و اقوال کا مشاہدہ کیا اور اُمت اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک ایسی دستاویز، ایک ایسا زندہ اور جیتا جاگتا مرجع اور اس مبارک سفر کی ایسی پاکیزہ، سچی اور روشن تصویر پیش کر دی جس کو دیکھ کر ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کس طرح تشریف لے گئے ہوں گے۔ پھر منیٰ، عرفات اور اس کے بعد مکہ واپسی اور آخر میں مدینہ کی تشریف آوری کے دوران کیا کیا باتیں پیش آئیں وہ اس شہادت و امانت دار آئینہ میں آپ کی طوالت و کمی فرماتے ہوئے دیکھ سکتا ہو، تقریر کرتے ہوئے گفتگو کرتے ہوئے تعلیم دیتے ہوئے اسے بتاتے ہوئے سن سکتا ہو۔ اور آپ کے ساتھ ان سارے مقامات کا اس طرح مشاہدہ کر سکتا ہو جیسے وہ کوئی چشم دید واقعہ ہو یا ابھی کل کی بات ہو۔ وہ اسکے ذریعہ ہر اُس سعادت سے اپنی محرومی اور اس مبارک تافل میں اپنی غیر موجودگی کی کسی قدر تلافی بھی کر سکتا ہو۔

غائب اس کے لیے حاضر بن جاتا ہے، ماضی حال بن جاتا ہے، گزرے ہوئے دن گویا اس کے لیے لوٹ آتے ہیں۔ اس سے اس کو بڑی تسلی اور تسکین حاصل ہوتی ہے، وہ خدا کی حمد کرتا ہے اور دل سے اس کا احساس و اعتراف کرتا ہے کہ اس سفر حج کی رودادِ قلبیت کر کے ان دُعا داروں اور جانِ نثاروں، اور ان امینِ دُعا داروں کا اُمت پر اور اُمت پر اور خود اس کے جان و دل پر کتنا بڑا فضل و احسان ہے۔ وہ ان کے لیے سراسر شکر و سپاس بن جاتا ہے اور حق یہ ہے کہ کسی امت نے اپنے نبی کے ساتھ وہ نہیں کیا جو اس اُمت نے کیا، اور کسی امت نے آثار و نقوش کو محفوظ و زندہ جاوید بنانے، روایت احادیث اور ہر چھوٹی بڑی چیز کی نقل و حفاظت کا اس درجہ اہتمام اور اس کی وہ فکر نہیں کی جو اُمت محمدیہ نے کی، نہ کسی مذہب کے علمائے اپنے انبیاء کی ایک ایک عبادت کو اس طرح قلمبند کیا اور اس کو محفوظ رکھا جس طرح اس اُمت نے حجۃ الوداع کے ساتھ کیا، نہ اس میں اتنی دقیقہ رسی اور بالغ فطرت سے کام لیا جتنا اس حج میں لیا گیا۔ تمام قرآن اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حج اسی تفصیل کے ساتھ مقصود تھا، یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ اپنے مناسب ترین وقت میں پیش آیا تھا جملہ اللہ بکلی شیئی قدراً“ اس کی اس تاخیر میں بھی خدا کی بڑی حکمت و مصلحت پوشیدہ تھی، چنانچہ یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب اسلام جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا، مسلمانوں کی تعداد بڑھ چکی تھی، ایمان مضبوط و مستحکم ہو گیا تھا، محبت پر دان چڑھ چکی تھی اور برگ و بار لا رہی تھی، انھوں تعلیم و استعداد کے لیے تیار تھے، قلوب بیاد و نشاط تھے، اور نگاہیں مطالعہ و مشاہدہ کے لیے بے قرار و منتظر تھیں، جدائی کی گھڑی قریب آ پہنچی تھی اور ضرورت اس بات کی متفق تھی کہ اُمت کو وداع کیا جائے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج بیت اللہ کے لیے تشریف لائے تاکہ مسلمانوں سے ملاقات کر لیں، ان کو آخری طور پر ان کی طریقہ عبادت و نماز کے سے آگاہ کر دیں، شہادت حق کا فریضہ ادا کریں، اور امانت ان کے ہاتھوں میں پہنچا دیں، ان کو آخری وصیتیں کر دیں اور ان سے اس بات کا عہد و میثاق لے لیں کہ وہ آپ کے بعد بھی جاوہ حق اور راہ شریعت پر قائم رہیں نیز جاہلیت کے آثار و نشانات کو اپنے قدموں سے پامال کر دیں اور ہمیشہ کے لیے مٹا دیں۔

اس لحاظ سے یہ حج ہزار نقشہ یوں اور نصیحتوں اور درس و تعلیم کا قائم مقام تھا، یہ ایک چلتا پھرتا مدرسہ، متحرک مسجد اور ایک گشتی کیمپ یا چھادی تھی، جاہل اس میں علم حاصل کرتا، غافل



بیدار ہوتا، کابل چست و چالاک ہوتا، مکر و در پست بہت حوصلہ مند و طاقتور ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و محبت، آپ کی شفقت اور دلورائی، اور تربیت و سرپرستی ابرو رحمت کی طرح قیام و سفر ہر حال میں اور ہر جگہ ان پر سایہ فلک تھی۔

مسلمانوں کی عقلی پختگی اور اس محبوب شخصیت (خداہ الہی دائمی) سے ان کی محبت، شدت تعلق اور وابستگی اس وجہ پر تھی کہ اس سفر کے معمولی سے معمولی واقعہ اور چھوٹے سے چھوٹے جزئیہ کو انہوں نے اس طرح طلب کیا کہ اس کی مثال بڑے بڑے سلاطین و سربراہوں اور بڑی سے بڑی شخصیتوں اور عبقری و غیر معمولی انسانوں کے حالات و سفر میں بھی نہیں ملتی، یہ درحقیقت اس عاشق صادق کی شان ہے جس کو محبوب کی ہر چیز محبوب اور ہر ادراپند ہوتی ہے۔ اس کو اس کے ذکر میں حزنہ آتا ہے، اور وہ خوب جی لگا کر اور دل کھول کر اس کی تفصیلات بیان کرتا ہے اور معمولی سے معمولی چیز کو بھی نظر انداز کرنا اس کو گوارا نہیں ہوتا، اور باریک سے باریک پہلو اور دقیق سے دقیق مسئلہ بھی اس سلسلہ میں اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھتے وقت خوشبو استعمال فرماتے ہیں تو راوی اس کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ خوشبو کس نے آپ کے لگائی، اور خوشبو کی یہ کون سی قسم تھی، کہتے ہیں، ”بھیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آپ کو ذریعہ کی خوشبو لگائی، اور مشک کی خوشبو بھی لگائی، یہاں تک کہ مشک کی چمک آپ کے بالوں کی مانگ اور ریش مبارک پر نظر آ رہی تھی۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعار کہتے ہیں تو راوی اس کی پوری تفصیل کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں پورے تعین و یقین سے کام لیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ”اشعار“ جانور کے داہنی طرف تھا یا بائیں طرف، اور خون کس طرح پونچھا تھا؟ آپ کے بچہ لگوانے کا ذکر کرتے ہیں تو باوجود اس کے کہ بچہ لگوانا ایک خاص طبع اور طبی فعل ہے جس کا مناسک حج سے کوئی تعلق نہیں، اس حصہ جسم کی اس جگہ کا تعین کرتے ہیں جہاں لگایا گیا، اس مقام کی تشریح کرتے ہیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا، ان کے الفاظ ہیں، ”آپ نے مل میں بچہ لگوایا، اور مل مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے جس کا فاصلہ دینہ طیبہ سے، اہل بکر“

۱۔ شرح حدیث نے ذریعہ کی تشریح اور اس کی اقسام پر تفصیل سے کلام کیا ہے اس کا ذکر اسی کتاب میں ملے گا۔  
۲۔ ”اشعار“ سفر حج میں قربانی کے جانور کے جسم پر ایک چکر لگادینا جس سے ایک ہلکا سا نشان بن جائے اور علوم پر کو یہ مفاہیم قربانی کے لیے جلد ہو۔ اور حدیث کا جانور جو عرب اس کا ہر دور میں احترام کرتے تھے اور اس سے قربان نہیں کرتے تھے۔ حدیث و فقہ کی اصطلاح میں اس کو ”اشعار“ کہتے ہیں۔

آپ نے اپنے سر پر کئی جل کے مقام پر پہنچے لگوا یا جو کہ کے رات میں ایک مقام ہے۔ آپ کی خدمت میں گوشت کا ایک حصہ پیش کیا جاتا ہے جو کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں اور عام طور پر لوگوں کو اس طرح کی چیزوں کی طرت توجہ بھی نہیں ہوتی، لیکن اس کا ذکر بھی یقین و تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

”جب سب لوگ ابواب پہنچے تو صعب بن جنانہ نے آپ کی خدمت میں گورخ کا گوشت پیش کیا۔“ مدینہ اور مکہ کے مابین جتنی منزلیں ہیں وہ ان سب کا شمار کرتے ہیں، ایام سفر کی پوری گنتی یاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب نہ ڈاڑھی اور نہ ناچھ لکھنے کا معمول تھا نہ حالات سفر طلبند کرنے کا دستور، لیکن

محبت خود کھادیتی ہے آداب خرد مندی

روای کہتے ہیں،

”پھر آپ تشریف لے چلے یہاں تک کہ ”ذی طوی“ میں پہنچے وہاں آپ نے منیجر کی رات گزار دی، ذی الحجہ کی ہر تاریخ گزار کر فجر کی نماز آپ نے وہیں ادا فرمائی، اسی دن غسل فرمایا اور مکہ کی طرت روانہ ہوئے“

ایک ایسے سفر میں جس میں حدود درجہ معرفت و اہتمام ہو، متعدد منزلیں ہوں، ہجوم کی کڑی ہو، اس میں ایک سانپ بھٹنے اور پھر اس کے بچنے بچنے کا واقعہ بھی ان کی توجہ سے محروم نہ رہا۔ منیٰ کی رات کا ذکر کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں، ”ایک سانپ نکلا، لیکن جب اس کو مارنے کی کوشش کی گئی تو وہ اپنے بل میں گھس گیا۔“ وہ اسی شخص کا ذکر کرتے ہیں جس کو اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر بیچھے بٹھالیا تھا۔ حجام کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُس نے کس طرح بال بٹھائے۔ آپ نے دائیں طرف والوں میں کس کو عنایت فرمایا اور بائیں طرف والوں میں سے کس کو مرحمت فرمایا۔ یہ ساری باتیں وہ ہیں جن کو محبت کی کرشمہ سازی کے سوا کچھ اور نہیں کہا جاسکتا۔

لے نسیم الراحہ کے مصنف نے ان سب حضرات کا اہتمام کیا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس کی سعادت حاصل ہوئی۔ انھوں نے انکی تعداد ۲۰ لکھی ہو، ان منہ نے اس تعداد سے زیادہ لکھا ہے تفصیل کے لیے وہی کتاب کو ملاحظہ فرمائیں۔

بڑا اجتماع وقت ہوگا اگر ہم شاہیر و زعما کے سفر ناموں میں اس طرح کے نفاذ تلاش کریں بہت سی قوموں نے اپنے انبیاء کی ناقص و ناتمام تاریخ لکھی اور اس کا بہت بڑا حصہ ان سے منسلک ہو گیا جس کے بغیر ان کے حالات کی تکمیل ہی نہیں ہو سکی، ان کے احوال و اخبار کا بہت مختصر حصہ محفوظ رکھنے میں وہ کامیاب ہوئے چنانچہ یزیدناصح علیہ علی نبینا الصلوٰۃ والسلام کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو ہم کو معلوم ہے وہ اُن کی زندگی کے آخری تین سال کے واقعات ہیں۔ اس کے علاوہ بہت ممکن و قدیم قوموں میں مذہب اور فلسفوں کے بانی گزرے ہیں لیکن آج اُن کے صرف نام نظر آتے ہیں اور اگر کہیں حالات بھی ملتے ہیں تو اتنے ادھورے اور تشدد جن سے زندگی کے معاملات پر کوئی روشنی پڑتی ہے نہ ان کے اندر کسی نسل و قوم کی رہنمائی کا سامان ہے۔

حج اپنے مخصوص طرز و مزاج کی وجہ سے جس میں وہ دوسرے ارکان سے بہت ممتاز و مختلف ہے، نیز اپنے مسلک نقل و حرکت، مختلف مناسک و اعمال اور پیغمبر و مجدد، نیز اُن احکام و آداب جزئیات اور لوگوں کے احوال کے اختلافات کی وجہ سے فقہ کے ابواب و مباحث میں سے ایک بہت وسیع باب اور نازک بحث ہے۔ اور ان میں احکام و مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اسی لیے متقدمین و متاخرین ہر زمانہ کے علماء نے اس پر ہمیشہ اپنی خاص توجہ مرکوز کی۔ تاہم جمع ماہین اور اُن کے بعد کے علماء میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو اس کے علوم اور اس کے فقہی مسائل میں امانت کا درجہ رکھتے تھے، اور اس میں ان کو اختصاص و کمال حاصل تھا۔ خلفاء اور اربابِ عمل و عقد کو بھی اس کا بہت اہتمام تھا، اور وہ اس کا اعلان کرتے تھے کہ زمانہ حج میں فتویٰ دینے کے مجاز صرف فلاں فلاں حضرات ہوں گے، خلفاء راشدین، خلفاء نبی امیہ اور بنی العباس سب کے یہاں امیرِ لرحج ضروری تھا اور اس کو حج کے موقع پر روانہ کیا جاتا تھا۔

علماء اسلام، فقہاء اُمت اور بڑے بڑے مصنفوں نے اس میں جس قدر دیدہ ویدی اور عرق ریزی سے کام لیا اور اس کا حقد رستیاب کیا وہ فقہ کے کسی اور شعبہ کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ بہت سے لوگوں نے مناسک حج اور اعمال حج پر کتابیں لکھیں اور خاص اسی کو اپنے بحث و نظر اور مطالعہ کا موضوع بنایا، اگر وہ کتابیں

مختلف ملکوں، مختلف زبانوں، اور مختلف زبانوں میں بنا سکے اور احکام حج پر لکھی گئی ہیں کیا کی جائیں تو ایک پورا کتب خانہ تیار ہو جائے۔ بہت سے مصنف وہ ہیں جنہوں نے اس سلسلہ میں اپنے فقہی مسلک کو اس میں بنایا، بہت سے وہ ہیں جنہوں نے اسے ملکوں کا ایجاب کیا اور کچے دلائل لکھے اور ان کا علمی موازنہ بھی کیا۔ بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے حجۃ الوداع پر پوری کتاب تصنیف کی۔

یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام میں حج کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور اُمت نے ہمیشہ اس سے غامت و غیب و غیبا اور دلتگی رکھی ہے۔

چونکہ حج کا فریضہ سال میں صرف ایک بار ادا کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اجر عظیم انوارِ نبوی اور مغفرت کے جو وعدے ہیں (من حج فلم یرفث ولم یفسق) رجع کیوم ولدتہ امہ) اس کے جو فضائل بیان کیے گئے ہیں اور اس سفر میں جو غیر معمولی اہتمام کیا جاتا ہے، بغلیض و شقیق برداشت کی جاتی ہیں کبھی سمندر کو عبور کرنا ہوتا ہے کبھی صحراؤں اور ریگستانوں کو، خطرہ بھی مول لینا پڑتا ہے، گھر بار اور اہل و عیال سے جدائی بھی ہوتی ہے، احرام کے احکام اور شرائط کی پابندی کرنی پڑتی ہے، فتن و فحش و کلامی اور بدزبانی سے بچنا ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں خود اس کی تحقیق ہیں کہ اس کے مسائل و آداب سے واقفیت کی پوری بلند ہمتی اور عزیمت کے ساتھ فکر کی جائے اور ساری توجہ اور طاقت اس کو درجہ کمال تک پہنچانے پر مرکوز کر دی جائے، اور شہادہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر عمل کیا جائے اور آپ کے نقوش پاؤں کو چراغِ راہ بنایا جائے اور اپنی امکانی طاقت تک آپ کی پیروی و اتباع اور نقل و تعلیم میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج سے اُمت کے اس تعلق کا راز اور اس کی بنیادی اہمیت یہی ہے، اور یہ حج ہر مسلمان کے لیے تاقیامت ایک ایسا مثالی حج ہے جو اس کو ہمیشہ راہِ ہدایت اور جادۂ انتقامت پر قائم رکھ سکتا ہے۔

### حجۃ الوداع و عمارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد کرمیہ ظہریؒ کی تازہ ترین تالیف مولانا علی میاں کے مقدمہ کے ساتھ نہایت اعلیٰ کاغذ پر حسین ترین عربی طرز میں چھپ کر تیار ہو گئی ہے :- قیمت ۱۵/-  
لیتیمو پریس میں طبع شدہ ادیشن کی قیمت صرف ۷/- (کتب خانۃ الفرقان سے طلب فرما سکتے ہیں)

# صراطِ مستقیم

از حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ

(۲)

ممکن چیز کو لوگ محال سمجھتے ہیں | ایک بات اور لکھنا ضروری ہے جو انشا اللہ کا اہم ثابت ہوگی وہ یہ کہ عام عادت ہو چکی ہے کہ ممکن چیز کو محال خیال کر کے اس کے حصول سے روگردانی اختیار کر لیتے ہیں۔ بزرگان دین کے ارشادات سے ان الفاظ کو پاتے ہیں جن کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ان چیزوں کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں جن کو انھوں نے بیان کیا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ چیزیں وہی ہوتی ہیں جو نظرت انسانی کے مطابق ہیں اور ہرگز شوق ان کو عمل میں لارہا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ عمل میں لانے کی اب کو شش کی جائے گی بلکہ انسانی عمل میں یہ چیزیں جاری ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ موقع اور محل پر نہیں ہیں۔ اگر یہ چیزیں موقع اور محل پر جاری ہو جائیں تو وہی درجات حسب استعداد حاصل ہونا شروع ہو جائیں جو کہ حاصل ہوئے ہیں۔ ایک بڑی مشینری جس کے سینکڑوں پرزے ہیں اگر اس کا ہر پرزہ صحیح جگہ پر رہے تو مشینری چلنا شروع ہو جائے گی اور جس کام کے لیے واضع نے اس کو وضع کیا ہے وہ کام کرے گی لیکن ایک پرزہ بھی جب اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا تو سب پرزے اپنا عمل چھوڑ دیں گے۔

جو عبارت ہم لکھ چکے ہیں اب اس کو ذرا نظر ڈال کر پھر غور سے ملاحظہ فرمائیے ہمارا تو یہ خیال تھا کہ پھر اسی عبارت کو بار بار لکھتے مگر طوالت عبارت سے بچ کر ہم صرف یہ لکھتے ہیں کہ لکھنے والے حضرات اس کو بار بار ملاحظہ فرما کر غور فرمائیں کہ یہ کیا معنی ہے اور اس میں کچھ خوبی حاصل

ہو سکتی ہے یا نہیں کہ پرزہ تو صرف ایک اپنی جگہ سے ہٹا ہے لیکن بے کاہر سب پرزے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے پرزے اس سے قوی ہوتے ہیں اور یہ پرزہ سب سے نازک ہوتا ہے مگر نازک پرزہ کے اپنی جگہ سے ہٹنے سے سب مشینری رک جاتی ہے اس کا کیا سبب ہے؟

غور طلب امر یہ ہے کہ ایک مصیبت جس کو سمجھنے والا چھوٹی سمجھتا ہے بڑی بڑی عبادتوں کو

مٹانے والی اور برباد کرنے والی اور ان کے برکات کو زائل کرنے والی بعض وقت ہو جاتی ہے اِنْ تَحْبَطْ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کو کبھی تمہارے اعمال پر بار بار ہوا دیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو) مصیبت کو چھوٹا سمجھنا اس طرح ہے جیسا کہ پرزہ کو چھوٹا سمجھنا اگرچہ وہ پرزہ دیکھنے میں بہت چھوٹا اور باریک ہوتا ہے مگر اس کا اثر بڑے بڑے پرزوں پر جاتا ہے۔ ہمارے برادران محترم اور ہمارے بزرگ اکثر ان چیزوں کو نظر انداز فرما کر بڑی بڑی برکتوں اور حسدوں سے محروم رہتے ہیں اس کو بلا مثال اور تشبیہ کے تحریر کر رہا ہوں۔ مثالیں اور تشبیہات خود تلاش فرمائیں اور مناسب تو یہ ہے کہ بڑے بڑے کا رخاؤں میں جا کر مشاہدہ فرمائیں کہ نازک پرزہ کی قوت پر اور نازک پرزہ سے قوت حاصل کر کے بڑے بڑے پرزے اپنی جگہ کام کر رہے ہیں۔ ہماری ناقص عقل اور کوتاہ معلومات سے کافی غور فکر تجسس و تلاش کے بعد یہ معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ ذَكَرَ کِتَابَہِہِمْ ہے اور یہی آیت مبارکہ اسی طرف ہدایت فرما رہی ہے کہ اسی پرزہ کی حفاظت کرو کیونکہ اُس پرزہ پر تمہاری ساری زندگی منحصر ہے یعنی تم کی نفس۔

کیفیت تخیلات بصورت مشاہدات | ایک ادب بات قابل تحریر ہے۔ اگر غور و فکر کریں تو شاید ہمارے اور آپ کے کام آئے اور وہ یہ ہے کہ درویشوں اور فقیروں میں ایک طبقہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا اور ایسی ہستیاں بھی نظر آئیں کہ انھوں نے اپنے تخیلات پر نہ بڑے تخیلات کو مشاہدات کی صورت میں دیکھنا شروع کیا اور اس کے لیے انھوں نے اقسام مکرات بھنگ وغیرہ سے بھی کام لیا تاکہ دماغ محسوسات اور معقولات سے متصل ہو جائے اور جن خیالات کو انھوں نے اپنے دماغ میں قائم کیا ہے ان کو مشاہدات کی صورت میں دیکھیں اور اسی کا نام انھوں نے ترقی باطن اور سلوک رکھا اور کچھ عجائبات اور غرائب بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ پھر تو ان کو اور زیادہ یقین ہو گیا کہ اگر یہ فیضان باطن نہ ہوتا تو عجائبات اور غرائب اور نوادرات ظاہر کیوں ہوتے۔ مثلاً کسی کے خواب میں

چلے جانا یا کسی کی گتہ چیر کو بنا دینا یا اس کے مثل اور چیزیں جن کو انھوں نے کلمات سے تعبیر کیا ہے۔ یہ سب چیزیں قوت خیالیہ سے پیدا ہو کر مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتی ہیں۔

جدید لوگوں نے ان خیالات کو پختہ کر کے بہت کام لینا شروع کر دیے ہیں اور برابر لیتے جا رہے ہیں۔ مثالاً اور تشبیہات جدید کتابوں میں 'جدید علوم میں اور جدید ترقیات میں تلاش کر لیجئے۔ اس کے حصول کے لیے کمالات انسانی کو مٹا کر ان آدلی ہے یعنی خواہشات انسانی از قسم طعام و شراب مٹ جائیں اور ان تخیلات کے ذریعہ سے وہ محسوسات سے بیگانہ ہو جائیں تاکہ وہ مقناطیسی قوت جو انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے کام کرنا شروع کر دے لیکن تعلیم قرآن پاک اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چیز تعلیم فرمائی ہے جو کمالات انسانی کو ان کی جگہ پر قائم رکھ کر ان کو موقع دھل اور اندازہ پر صرف کرنا بتلائے اور ان سے موقع دھل اور اندازہ کے موافق فائدہ اٹھانا سکھائے۔ یہ رہبری قرآن پاک ہی فرماتا ہے اور دیگر تمام کتب اس سے خالی ہیں۔

اس کے بعد ایک بات اور قابل غور ذکر ہے۔ وہ یہ کہ عقیدہ جو  
عقیدہ کی بنیاد کتاب و سنت پر  
ہی ضروری ہے

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری چیزوں پر رکھنا بالکل نامناسب اور راہ صحیح سے دور ہٹانے والا ہے مثلاً کوئی عبارت یا کوئی شعر تقدسین کے کلام میں ایسا پایا جائے جس کا مفہوم کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ پایا جائے بلکہ اس کے مخالف اور منافی ہو اور جن چیزوں کو برا کہا گیا ہے اور مٹایا گیا ہے اور دین کا اعلیٰ جزو ان کے مٹانے میں اور ان کے انہدام میں رکھا گیا ہے، ان کو منظر تخیلات مقرر کرنا پھر ان سے اذواق و اشتیاق حاصل کر کے مست دگن ہونا ایسا ہے جیسے نابالغ بچے کی شادی کی جائے اور وہ لذت و اشتیاق اٹھا کر اپنی آئندہ زندگی کو برباد کر لے۔ ان چیزوں سے جو حضرات اذواق و اشتیاق حاصل کرتے ہیں بجائے ان کے اگر قرآن پاک کی آیات سے اذواق و اشتیاق حاصل کر کے اپنی عارضی حیات کو دائمی حیات سے بدل لیں تو یہ بہت اعلیٰ اور ادنیٰ ہے نکاح کے بعد جو لذات حاصل ہوتے ہیں ان سے تولد اور تناسل زیادہ مقصود ہوتا ہے۔ یہ نسبت سب لذتوں کے۔ اذواق و

اشواق سے مقصود مطلوب قلب سلیم ہے جس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے **يَوْمَ لَا يَنْفَعُهُمْ اَنْ يَكُنْ لَهُمْ بَنُونَ**، **اَلَا مَنْ اَتَى اللّٰهَ يَجْلِبْ عَلَيْهِ** (شعراء، رکوع ۱) ترجمہ: اس دن (نجات کے لیے) نہ مال کام آئے گا نہ اولاد نکلے گی (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے گا، کیا ہو اور کیسی بہتر اور مناسب بات ہو کہ تلاوت قرآن پاک میں اتنا انہماک حاصل ہو کہ جس کے ذریعہ سے قلب سلیم حاصل ہو کہ حیات ابدی باتھ آجائے۔

ایک اور بات قابل غور ہے، وہ یہ کہ ہماری مثال تقدیر میں حضرات کی شخصیات بابرکات کے مقابلہ میں بالکل ایسی ہے جیسے ایک وجود بارود اور ایک وجود بے روح، دو جو بارود کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر برائی کو دور کرنے کی اور ہر بھلائی کے حاصل کرنے کی قوت عطا فرمائی ہے اور وجود بے روح اس کے برعکس ہے، نہ تو بھلائی کر سکتا ہے اور نہ برائی کو دفع کر سکتا ہے۔ ان حضرات نے اپنے دل اور دماغ کو اللہ تعالیٰ اور حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور اطاعت سے ایسا مرکز اور مضبوطی فرمایا تھا کہ کوئی کمزورتی ان کو کمر نہیں کر سکی اور وہ چیزیں جن سے دوسرے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ انھوں نے ان سے فائدہ اٹھا لیا ہے۔

نگویند از سہر باز بچہ حرنے کزاں پسندے نگیرد صاحب ہوش

دگر صد باب حکمت پیش ناداں بخوانند آیدش باز بچہ در گوش

ترجمہ:- لوگ ازراہ تفریح و مذاق کوئی بات کہہ دی تو صاحب ہوش ایسی بات سے بھی کوئی بیخبر

پند نصیحت حاصل کر لیتے ہیں اور اگر کسی نادان کے سامنے حکمت و درونائی کے سو باب کھول

دیے جائیں تو اُس کو یہ حکمت کے پیام مذاق سمجھ میں آئیں گے۔

یہ ان کے قلوب اور دماغ کے مرکز اور مضبوطی ہونے کی دلیل تھی۔ معمولی چیزوں سے بھی انھوں نے نصیحت حاصل کر کے ترقیات حاصل کیں اور ان منازل کو پایا جن کو دوسروں کا پالینا ممکن نہیں ہے

پاک ہیں از نظر پاک بمقصود رسید احوال از چشم دور میں دور طبع خام لتلا

ترجمہ:- پاکیزہ نظروائے اپنی پاک نظر سے مقصود پالیتے ہیں اور ٹیڑھی نظروالوں کو ان کی چشم

دور میں خام امیدوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

اس تمام تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اشواق و اذواق کو محفوظ رکھ کر اپنے عقائد و خیالات کی بنیاد



کو مضبوط رکھنا اور کسی شعر یا آویل پر منحصر نہ کرنا اصل حقیقت ہے۔ بعض کتابیں اور رسالے ایسے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن میں منازل اور مراتب باطن ایسے بیان ہو رہے ہیں کہ قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا پتہ نہیں ہے۔ آیات کو اپنے مطلب کے موافق تاویل کر کے ان کی تائید میں تحریک کرتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں اور آپ کے ارشادات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل میں اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا اس سے نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ جن کے دل و دماغ میں اللہ جل شانہ کی عظمت اور محبت کے سوا دوسری چیز کی گنجائش نہیں۔ ان پر جو چیز وارد ہوتی ہے وہ اس کو اسی طرف محمول کرتے ہیں جس سے ان کو تقرب خداوندی حاصل ہو سکے۔ اسکے برعکس جن لوگوں کے دل و دماغ محبت اور عظمت خداوندی سے محروم نہیں ہوئے ان کے لیے یہ باتیں فائدہ مند ہونے کے بجائے مضرت اور نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ ایک چیز ایک وقت میں فائدہ دہ ہوتی ہیں۔ اور دوسری چیز دوسرے وقت میں مضرت ہی ہو جاتی ہے۔ ایک نسخہ ایک شخص کو فائدہ دیتا ہے اور دوسرا نسخہ دوسرے کو نقصان بھی پہنچا دیتا ہے۔ کیوں کہ حالات بدلتے رہتے ہیں اور تبدیلی احوال و تبدیلی اوقات و کیفیات کا نسخہ میں لحاظ ضروری ہے۔

صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو منازل اور مراتب بیان فرمائے ہیں انکی اصطلاحات کو نہ سمجھ سکے کی وجہ سے کچھ اور ہی سمجھ لیا گیا۔ کیونکہ جو کچھ انھوں نے لکھا وہ تو سمجھ سے بالاتر تھا اور ہم نے جو کچھ سمجھا وہ ان کا مطلب نہ تھا۔ بس جو کچھ ہم نے سمجھ لیا اسی کا نام وحدۃ الوجود رکھ لیا اور آیات قرآنی اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی دلیل بنا کر پیش کیا اور تاویل دہ بیان کی جس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہیں تھا ہے بلکہ اس کے خلاف تھا ہے یا للعجب! بعض ایسی بھی چیزیں ہیں جو عقیدہ کو بالکل خراب کر دیتی ہیں اور قرآن پاک کے فرمان کے مخالف پڑ جاتی ہیں مگر بعض حضرات ان سے اذواق حاصل کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ مفسرین سابق نے ان کی یہ تاویل تو نہیں کی جو ہم کر رہے ہیں۔ پس ہم اپنے احباب کو آگاہ کرتے ہیں کہ اعتراض کی زبان کو بند رکھ کر قرآن پاک میں اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کھلا کھلا جو بیان ہے اس پر اپنے عقائد کا انحصار رکھنا چاہیے۔ اس کے سوا کوئی امر ایسا پیدا نہ ہو کہ عقائد کا انحصار اس پر رکھا جائے خواہ وہ کتنی ہی باریک اور مطلب خیز بات کیوں

نہ ہو کیوں کہ ہم نے بہت ہی ظلم و زیادتی اس امر میں دیکھی ہے حتیٰ کہ خدا اور بندہ میں ایسا ربط پیدا کیا جیسا قطرہ اور دیا میں ہوتا ہے۔ اس بحث کو طویل کرنا مناسب نہیں اور نہ اس مختصر میں تمام باتیں آسکتی ہیں۔ بس یہی کافی ہے کہ عقیدہ کا انحصار اور عمل کی بنیاد کتاب اللہ اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھی جائے اور ان کی حد سے کسی بھی حالت میں باہر نہ ہونا صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کے لیے ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ظلم اور جہالت کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ اِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (انحزاب رکوع ۹) (ترجمہ: بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے دوسری جگہ ارشاد ہے۔ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ط مِنْ نُطْفَةٍ وَخَلَقَهُ فَقَدْ مَرَّاهُ ثُمَّ اَسْبَغَ يَسْرًا ه فَعَرَّاهُ فَكَفَّرَهُ ط ثُمَّ اِذَا نَشَاءُ اَنْتَشِرُهُ (عبس) (ترجمہ: اللہ نے اس کو کیسی حقیر چیز سے پیدا کیا یعنی نطفہ سے اس کی صورت بنائی پھر اُس کے اعضاء کو بنایا پھر اُس کو (کلنے کا) راستہ آسان کر دیا۔ پھر (بعد عمر ختم ہونے کے) اس کو موت دی۔ پھر اُس کو قبر میں لے گیا۔ اللہ چاہے گا اُس کو دوبارہ زندہ کرے گا) اور ایک جگہ یہ ارشاد ہے کہ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا عَرَفَكَ رَبُّكَ اَلَكُوْبِيَهُ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ هِ فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ه (الفطاسم) (ترجمہ: اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے لیے رب کریم کیساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو انسان بنایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا۔ پھر تجھ کو مناسب اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا) کہیں یہ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُوفٌ (عدہ دیت) (بے شک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے) ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ ذات باری تعالیٰ جن شان سے بندہ کو کیا نسبت ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ مخلوق اور خالق کی نسبت ہو اور ان آیات کے علاوہ اور مقامات پر بھی جہاں انسان کا ذکر اور اسکی حقیقت کا بیان ہے اس پر غور فرمائیے اور قرآن پاک سے مطابق فرمائیے۔ بلاشبہ مخلوق کی خالق سے نسبت کی۔ حقیقت اتنی ہی ہے جتنی کہ ان آیات شریفہ میں اور دیگر آیات میں بیان ہوئی ہے۔ اور خالق عالم کی بزرگی و برتری جسے قرآن پاک کا بجا بظاہر فرمایا ہے ذرا اس کی طرف بھی توجہ کیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِعَلِيٍّ اَلَمْ يَخْلُقْ مِنْكُمْ نَفْسًا وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيْمُ ه (تیسرین رکوع ۵) (ترجمہ:- اور جس نے آسمان و زمین پیدا کیے ہیں کیا وہ اس پر قادر نہیں کر ان جیسے آدمیوں کو دوبارہ پیدا کرے۔ ضرور وہ قادر ہے اور بڑا پیدا کرنے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے۔ اور کہیں ارشاد

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ الْغَيْبُ وَالشَّهَادَةُ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ  
هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْقَزُّ  
الْمُجْتَبَاوُ الْمُتَكَبِّرُ وَسُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ  
الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(حشر رکوع ۲) ترجمہ: وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے (سب عیوب سے) پاک ہے۔ سالم ہے امن دینے والا ہے۔ وہ معبود برحق ہے۔ پیدا کر لے والا ہے۔ صورت بنانے والا ہے اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہی مذہب درست حکمت والا ہے۔

علاوہ اس کے اور بھی کثیر کلمات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عظمت و بزرگی اور بڑائی ارشاد فرمائی ہے جیسے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اس لیے اس کی مثالیں مت بیان کرو ہاں وہی مثالیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لیے بیان فرمائی ہیں ان کا بیان کرنا ہم کو زیبا ہے۔ اس کے علاوہ بیان کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ (إِنَّ اللَّهَ لَعَلَّوْا أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) (نحل رکوع ۱۰) (ترجمہ: اللہ کے لیے مثالیں مت بیان کرو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) اس تشریح کو مختصر طور پر چھوڑا ہی مناسب ہے مفیدہ اور منصف مزاج لوگ اس آئندہ تلاش و تجسس سے بہت سی باتیں انشاء اللہ اخذ فرما سکتے ہیں۔ ایک اور بات اس وقت کا راز اور مفید تحریر میں لانا مناسب معلوم ہوتا ہے اور یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے کہ عبارت کے ربط اور تسلسل بیان سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے سمجھنے کے لیے بہت سی چیزیں درکار ہیں اور وہی چیزیں ہیں جو امکان میں ہیں اور ذہنوں سے قریب ہیں۔ ممکن الحصول ہیں۔ ناممکن الحصول اور وصول نہیں

قرآن مجید کا ایک تشریحی پہلو  
طب جسمانی کے اصول سے

ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ طب میں ہر عضو میں چار قوتیں بیان فرمائی گئی ہیں، ۱۔ جاذبہ ۲۔ ماسکہ ۳۔ باضنہ

۴۔ دفعہ

۱۔ جاذبہ ..... اپنے مفید مادہ کو جسم سے جذب کرتی ہے۔

۲۔ ماسکہ ..... مفید مادہ کو جسم میں ٹھہراتی ہے۔

۳۔ ہاضمہ .... جزو بدن بناتی ہے۔

۴۔ دافعہ .... ردی فضلہ کو دن کرتی ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان ہی چار قوتوں سے ترکیب پایا ہوا ہے مگر حسب استعداد ہر شخص میں ان چار قوتوں میں باہمی کمی بیشی ضروری ہے یعنی کسی شخص میں کوئی قوت بڑھی ہوئی ہے اور کوئی قوت کم ہے اور کسی دوسرے میں اس کے برعکس معاملہ ہے مثلاً قوت جاذبہ کسی میں زیادہ ہے لیکن قوت دافعہ کم ہے اور کسی میں قوت ماسکہ زیادہ ہے لیکن قوت ہاضمہ کم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک شخص کی کیفیت سے دوسرے شخص کی کیفیت میں فرق ہے۔ اسی طرح اخذ علم اخذ نصیحت کے اعتبار سے بعض لوگ تودہ ہیں جن میں قوت جاذبہ بالکل ہی نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ **أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ لَمَّا دُعُوا لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَكَلَتْ أَيْدِيَهُمْ أَوْفَعَهُمْ** (بقرہ۔ رکوع ۵)

ترجمہ :- یعنی آپ ان کو خون آخرت دلائیں یا نہ دلائیں۔ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ان میں قوت جاذبہ مفقود ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن میں قوت جاذبہ ہے ماسکہ نہیں ہے جیسے کہ **يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يَحِزُّونَهُ مِنْ بَيْنِ مَا عَقِلُوا وَهُمْ كَالْعَمُوتِ** (بقرہ رکوع ۷) (ترجمہ :- سُنّتے ہیں وہ اللہ کے کلام کو بھر پور دیتے ہیں اس کو سمجھنے کے بعد اور وہ اس کو جاننے ہوتے ہیں) اور جیسے کہ **وَلَا تَكُنْ لَكَ آلاؤُنَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ** (افعال رکوع ۷) (ترجمہ :- اور نہ ہو ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا سنا ہم نے اور وہ نہیں سنتے) ایسے لوگ اللہ کے کلام کو سمجھتے بھی ہیں سُنّتے بھی ہیں لیکن صحیح طور پر اس کو نہ محفوظ کرتے ہیں اور نہ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں مگر قوت اخذ موجود ہے۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو سنتے ہیں اور یاد بھی رکھتے ہیں یعنی ان میں قوت جاذبہ بھی ہے اور ماسکہ بھی ہے لیکن ان کی قوت ہاضمہ ضعیف ہے اس وجہ سے وہ خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے جیسے کہ **أَتَاهُمُ رُوحُ النَّاسِ بِالْبَيِّنَاتِ وَنَسُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَنْتُمْ تُكَلِّمُونَ** (الکتاب ۱) **لَا تَعْقِلُونَ** (بقرہ رکوع ۵) (ترجمہ :- تم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے ہو مگر خود اپنی ذات کو اس بھلائی پر عمل پیرا ہونے کے لیے بھلایتے ہو اور حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔)

اور چوتھی قسم کے لوگ وہ ہیں جن میں قوت دافعہ یا توبہ بہت ضعیف ہے یا مفقود ہے۔ اس قسم

کے لوگ اونچے طبقے میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور یہ کمزوری اس طبقہ میں زیادہ ملتی ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جو صاحبِ ایمان بھی ہے اور اعمالِ صالحہ سے بھی کافی حد تک آراستہ ہے۔ یہ لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں ان کی باتوں کو یاد بھی رکھتے ہیں لیکن اپنی بڑی عادتوں کو نہیں چھوڑتے۔ جن باتوں کے وہ غور ہو چکے ہیں ان کو چھوڑنا اور دفع کرنا ان پر شاق ہے۔ کسی میں خصلت ہے تو وہ عادت بن چکا ہے اور کسی میں حبِ جاہ غرض ہر ایک میں ایک نہ ایک ٹنک پائی جاتی ہے۔ یعنی قوتِ دافئہ سے کام لے کر وہ اس ردی فضلہ کو دفع نہیں کرتے جس کا دفع کرنا ضروری ہے۔

اب اسی اندازہ پر اپنا بھی جائزہ لے کر دیکھو اور غور کر دو کہ ہمارے اندر کس قوت میں ضعف ہے اور کون سی قوت مفقود ہے۔ انشاء اللہ اگر اس اصول کو مد نظر رکھ کر غور کرتے رہے تو بہت سے نقائص دور ہونے کا اور بڑے بڑے بے شمار فائدوں کے حاصل ہونے کا امکان ہے۔ جس شخص نے جو چیزیں اختیار کر لی ہیں اور اس کی عادت میں جو چیزیں داخل ہو چکی ہیں غور فرمائیے کہ وہ ان کو ابھی نظر سے دیکھتا ہے یا یہ کہ برا سمجھتا ہے۔ دیکھتا تو یہ جا رہا ہے کہ کل جڑ پکڑا لیا کہ کچھ فحش ہر ایک شخص نے جو اختیار کر لیا ہے وہ اسی میں خوش ہے۔ اور یہ گرفتِ دل اور دماغ پر بڑی سخت ہے اس سے چھوٹنا اور آزاد ہو کر ترقیات حاصل کرنا دراصل اہم ترین فروغِ انسانی میں سے ایک فرض ہے۔ حقیقی طاقت سے وابستگی دیگر عارضی طاقتوں سے آزاد ہی ہے اور سعادت انسانی ہے۔

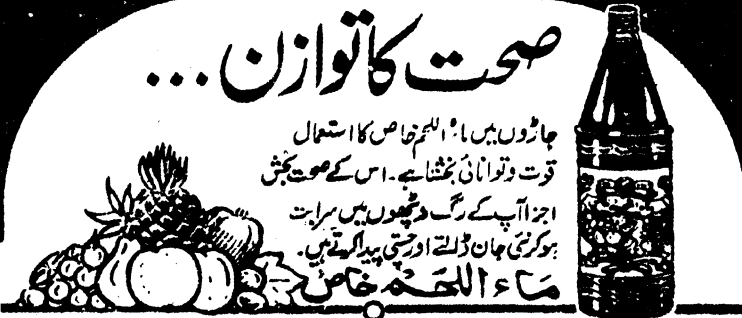
پردہ فطرت مادرِ دامنِ بالِ میزد آزاد کردہ نفسش از ہر قید و مارا (باقی)

## صحت کا توازن ...

چاروں میں اہم خاص کا استعمال  
قوت و توانائی بخشتا ہے۔ اس کے صحت بخش  
اجزاء آپ کے رگ و پھوں میں سرایت  
ہو کر نئی جان ڈالتے اور تپتی پیدا کرتے ہیں۔

**ماء الحامیہ خاص**

غذائیت اور توانائی سے بھرپور بہترین ٹانک



دواخانہ طبیب کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



# بزمِ خواجہ خرد دہلوی کی ایک جھلک

## ایک نادر نسخہ، ملفوظات کا انتخاب

تلخیص و ترجمہ ————— از مولانا نسیم احمد فربانی امرتسری۔

حضرت خواجہ عبید اللہ خرد دہلویؒ۔ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ کی سربہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی کا اسم گرامی جو دوسری ماں سے تھے اور صرف چار ماہ بڑے تھے۔ خواجہ عبید اللہ اور لقب خواجہ کلاں تھا۔ اسحق نے ان دونوں باکمال بھائیوں پر ایک مقالہ لکھا تھا جو ”بحرِ دلالت کے دُورِ آباد موتی“ کے عنوان سے الفتانِ بابت جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

اُس مقالے میں ان دونوں بھائیوں کے تفصیلی حالات اسراویہ (قلمی) مولف سید کی سنبھلی سے اخذ کر کے اُس غلطی کو خاص طور پر ظاہر کیا گیا ہے جو اکثر پوزخوں اور تذکرہ نگاروں کے قلم سے ہوتی چلی جا رہی ہے یعنی خواجہ کلاں کا نام عبید اللہ بتانا اور خواجہ خرد کا عبید اللہ۔ حالانکہ نام اس کے برعکس ہونے چاہئیں۔

اُس مقالے میں ماثر الکرام مولفہ علامہ آزاد بلگرامی کے قلم کی اُس غلطی کی بھی نشاندہی کی گئی تھی جو یقیناً نادانستہ اور حیرت انگیز طریقے سے سرزد ہو گئی ہے۔ انھوں نے خواجہ خرد کی تاریخ پیدائش رجب ۱۱۵۰ھ لکھی ہے جو بالکل صحیح ہے اور وفات کا سن پیدائش سے پچیس سال پہلے کا بتایا ہے یعنی ۱۱۶۵ھ۔

لے حاشیہ کے لیے ملاحظہ ہو اگلا صفحہ

خواجہ خردؒ کے مختصر حالات یہ ہیں۔

خواجہ عبید اللہ نام۔ خواجہ خرد لقب۔ حضرت خواجہ باقرؒ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ خواجہ خرد اپنے زمانے کے ایک بلند پایہ درویش بڑے زبردست عالم و فاضل اور یگانہ روزگار جامع مقول و منقول بزرگ تھے۔ سید کمال سنبھلیؒ آپ کے مرید خاص تھے۔ انھوں نے اسرار یہ میں آپ کے احوال و اقوال تفصیل سے لکھے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ نے حضرت خواجہ خرد سے اخذ فیض کیا ہے جس کا کہ حضرت شاہ دلی افتر محدث دہلویؒ نے انھاس العارفين اور الانتباہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ امام کے ایک مشہور محدث سید محمد مبارک بگلہاٹی بھی۔ جن کا ذکر آثار الکرام میں ہے کہ آپ کے شاگردوں میں ہیں آپ پر توحید و جود کی غلبہ تھا۔ آپ نے وفات کے ایک سال قبل ایک ماہ سنبھلی میں سید کمال سنبھلیؒ کے مکان پر مقیم رہ کر سرزمین سنبھلی کو اپنے فیوض سے مالا مال فرمایا۔ اس سے پہلے چند ماہ امر دہہ میں بھی مقیم رہے ہیں۔ دیگر اکابر کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بھی خلافت و اجازت حاصل کی ہے۔ ”ذبذبة المقامات“ میں فہرست خلفاء میں آپ کا نام درج نہیں ہے۔ شاید خواجہ محمد ہاشم کشمیریؒ کو آپ کی خلافت کا علم حاصل نہ ہوا ہو۔ احقر نے بھی تذکرہ خلفاء مجدد الف ثانی میں آپ کا ذکر ”ذبذبة المقامات“ کی تیغ میں نہیں کیا تھا۔ ”اسرار یہ“ اور نسخہ اسلام افتر دہلویؒ کے مطالعے سے اپنی اس کوتاہی کا احساس ہوا۔ حضرت خواجہ خردؒ نے ۸۴۰ھ میں وفات پائی اور اپنے والد ماجدؒ کے قریب دفن ہوئے۔ میں ستمبر ۱۹۶۹ء میں حیدر آباد دکن گیا تھا۔ وہاں کتب خانہ اصفیہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اُس میں ایک نادرقلمی رسالہ ”مفوضات خواجہ خردؒ کے نام سے منظر سے گزرا جس کے مرتب سلام افتر دہلویؒ ہیں۔ ”اسرار یہ“ سے معلوم ہوا کہ خواجہ سلام افتر

لہ فظوں میں ”خمس و سبعین و تسمانتہ“ لکھا ہوا ہے جس کے بعد ناقص کی غلطی کا شبہ کم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی محقر کو خیال تھا کہ شاید ڈاکٹر عبدالحی حرم کو ماثر الکرام کا جو نسخہ ملا تھا اُس کے کاتب سے یہ غلطی ہو گئی ہو مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے کتب خانہ دارالعلوم کے ذخیرہ ملفوظات کے اندر کتب خانہ مفتی سعد اللہؒ سے اُٹی ہوئے نسخہ الکرام میں جو خود علامہ آزاد بگلہاٹیؒ کے قلم سے لکھی ہوئی تھی بعینہ یہی غلطی موجود دیکھی۔

پرفرمایا۔ ہمارے احباب اس بات کا یقین رکھیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ حقیقی دقیوم ہے اور سب کا رزق اُس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے پس (بے ضرورت) سعی و اضطراب سے کوئی فائدہ نہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ د تمہارے مال اور تمہاری اولاد (اگر توجہ الٰہی الٰہی سے تم کو غافل کرتے ہیں تو) تمہارے دشمن ہیں)۔

فرمایا۔ ایک مجذوب ہمیشہ اس طرح رہتے تھے گویا سورہ ہے ہیں کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور اکثر زمین پر پڑے رہتے تھے۔ شاہ شجاع کرمانی نے اُن کی زیادت کا قصد کیا۔ وہ جب اُن کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے سر اٹھا کر کہا۔ سو جاتا کہ ہم بھی سو جائیں۔ حضرت دلی نعمتی (دالہ مہجد) نے یہ حکایت (میری موجودگی میں) اُس وقت بیان فرمائی جبکہ وہ ایک روز چاہتے تھے کہ سوئیں۔ بعدہ میری طرف روئے مبارک کر کے فرمایا۔ سو جاتا کہ ہم بھی سو جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ فرمایا اس جگہ کا مطلب یہ ہے کہ تو بھی متوجہ ذات الٰہی ہو جا ہم بھی متوجہ ذات الٰہی ہو جائیں۔

فرمایا۔ صَرَخَی وَ اَکْرَمَی ذَمِیْدٌ میں (تنازعِ فغان کی وجہ سے) نخیوں کے درمیان (ایک مشہور) اختلاف ہے۔ اہل کوفہ فعلِ اول کا عمل دیتے ہیں اور اہل بصرہ فعلِ ثانی کو۔ پہلا قول (یعنی کوفیوں کا قول) احسن و اولیٰ ہے۔ بعد ازاں فرمایا کہ ردھیں عالمِ ارواح میں (قطعی طور پر) تصرف الٰہی کی پابند نہیں۔ جب ارواح اجسام سے متعلق ہوئیں تو اجسام نے اُن میں تصرف کر کے اپنے اندر گرفتار کر لیا پس حق بمنزلہ عاملِ اول کے ہے اور عالم کون بمنزلہ عاملِ ثانی کے۔ بہتر یہی ہے کہ عاملِ اول کا عمل برقرار رکھا جائے یعنی حق تعالیٰ کو پورا پورا عامل اور منتصرف انہیں فرمایا۔ ریاکاری کے ساتھ جو عبادت کی جائے گی۔ اگرچہ ایسی عبادت کرنے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی مگر اُس عبادت پر آخرت کے اجر کے لحاظ سے، کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوگا۔

لے آیت کے الفاظ میں مفعولات کے اقل یا کاتب سے یا خود صاحب مفعولات علیہ الرحمہ سے غالباً سہو ہو گیا ہے۔ سورہ الفال اور سورہ تغابن دونوں میں آیت کے الفاظ یہ ہیں اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اور سورہ تغابن میں دوسری ایک آیت اس طرح ہے اِنَّ مِنْ اٰذِ وَاٰجِحِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ۔ (افرقان)



حضرت خواجہ محمد کے ایک صاحبزادے کا نام ہے۔ میں نے اُن مخطوطات میں سے اکثر مخطوطات نقل کر لیے تھے۔ اب اُن کا انتخاب و ترجمہ ناظرین الفتان کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ آئیے اب آپ بارہا حضرت خواجہ محمد کی محفل میں چلیے۔ سنئے وہ کیا فرما رہے ہیں۔

فرمایا — ہمارے نزدیک گناہوں میں بدترین گناہ 'طلب دنیا' ہے۔ اور بہترین کام ترک دنیا ہے۔ چنانچہ مجھ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "حُبُّ الدُّنْيَا اسُّ كُلِّ ضَلٰطِيَةٍ" (دنیا کی طلب و محبت تمام خطاؤں اور گناہوں کی جڑ ہے) فرمایا — جو کوئی طالب دنیا ہے اس کی دین و دنیا میں کچھ عزت آبرو نہیں۔ بعد ازاں فقیر (سلام اللہ دہلوی) کی طرف مخاطب ہو کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ — وَمَا مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي آلاؤِ اللَّهِ إِلَّا أَثَرُ النَّجْمِ تَارِيَةً فِي سَرَجٍ —

فرمایا — ایک دردِ دل نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی یہ بات کہے کہ جو شخص دنیا میں کوشش و سعی کرتا ہے وہ فراغت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اور جو کوشش نہیں کرتا وہ فقر و فاقہ میں مبتلا رہتا ہے۔ اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ بہت سے آدمی دنیا کو طلب کرتے ہیں اور رات دن انتہائی کوشش میں لگے رہتے ہیں مگر اُس کوشش کا کچھ بھی فائدہ مرتب نہیں ہوتا اور بہت سے ایسے ہیں جو گوشہ نشین ہیں مگر اُن کو ہر چیز دنیا کی ( نعمتوں میں سے ) حاصل ہے اور دربارہٴ معیشت اُن کو کوئی تکلیف نہیں سہیہ شعر پڑھا ہے

قناعت، تو نگہ کند مرد را      خبر دہم لیس جہاں گرد را  
(قناعت، انسان کو غنی و تو نگہ کر دیتی ہے۔ دنیا جہاں میں زردی کے لیے ماسے مارے پھرنے والے حریف ہیں کہ اس حقیقت سے آگاہ کر دو) —

بعد ازاں ارشاد فرمایا — اگر کوئی کہے کہ طلب دنیا اور اُس سے حصول میں کوشش مُرَادِ الٰہی ہے۔ یہ دوسرے شیطانی ہے اس دوسرے کو استغفار اور توبہ سے دفع کرنا چاہیے .... خواجہ سلام اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت قبلہ گامی (والد احمد) کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کثرتِ عیال نیز معیشت کی تنگی کے سلسلے میں نالہ و فریاد کرنے لگا۔ اس موقع

اور وہ مصیبت جو مذمت پر لے آئے اور پشیمان کر دے اُس کا ثمرہ (آخرت کے لحاظ سے) خیر و خوبی ہے۔ ایک موقع پر یہ دو شعر پڑھے۔

آدم ز خاک بود و خلق نیک داشت در محفل ملائک تمناش عظیم بود  
ابلیس بد خصال اگرچہ ز نار بود نامش ز کبر و عجب، عیسیٰ و مہم بود  
یعنی آدم علیہ السلام اگرچہ خاک سے بنے ہوئے تھے مگر چونکہ اخلاق محمودہ رکھتے تھے اس لیے محفل ملائکہ میں اُن کا بہت اونچا مقام تھا۔ اور ابلیس بد بخت اگرچہ آگ سے پیدا شدہ تھا مگر اپنے غرور و کبر کی وجہ سے ملعون و زندہ درگاہ ہو گیا۔ صاحبزادہ گرامی قدر خواجہ سلام اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں۔ ایک روز خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرت والا پر عجیب بسط و انبساط کی کیفیت طاری تھی جس کی وجہ سے تمام محفل کیفیت دوسروں سے بھری ہوئی تھی اور حاضرین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اُس وقت برکت صحبت کے اثر سے ایک ذوق اور ایک وجد اپنے اندر محسوس نہ کر رہا ہو مجھے سامنے بڑا کر ایک گاہ خاص میری طرف ڈالی۔ اُس وقت ایک ایسی زبردست کیفیت پیدا ہوئی جس کو بیان نہیں کر سکتا۔ اور یہ شعر حضرت والا نے پڑھا۔

دور بینان بارگاہ الہی بیش ازیں پے نہ بُردہ اندہ حسرت  
یعنی بارگاہ الہی کو دور سے دیکھنے والوں نے یہ پستہ تو چلا لیا ہے کہ وہ ہے اس سے زیادہ سراغ نہ لگا سکے۔

فرمایا۔ شریعت میں جو کچھ ہے سب حق ہے اور جو کچھ صوفیہ محققین نے فرمایا وہ بھی حق ہے۔ فرمایا۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے بعد کوئی شخص (اس سلسلے میں) حضرت خواجہ بیرنگؒ (یعنی حضرت خواجہ بابا باقر دہلویؒ) کے مثل نہیں ہوا۔ فرمایا۔ ہم سے علم تک پہنچنا مشکل ہے اور علم سے وحدت کا پستہ چلانا اس سے زیادہ مشکل ہے۔

فرمایا۔ جب میں بارہ یا تیرہ سال کا تھا حضرت مخدومی ارشاد پناہی میاں شیخ الہادؒ نے جو کہ خلفائے حضرت والدہ اجڑے تھے بغیر کسی طلب کے مجھے ذکر تلقین فرمایا۔ اُسی عمر میں میاں شیخ الہادؒ کی

..... توجہ کی برکت سے میرے اندر آثار جمعیت ظاہر ہو گئے۔ اُس کے بعد جب حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات دیکھے تو اُن کی خدمت میں پہنچنے کا اشتیاق ہو گیا۔ جب میں سرہند کی طرف روانہ ہوا تو حضرت مجددؒ کو ہر سہل پر خواب میں دیکھتا تھا۔ وہ عالم خواب میں بڑی مہربانیاں فرماتے تھے۔ جب سرہند میں داخل ہوا تو کیفیتِ قلبی نے غلبہ کیا اور جب شرف دیدار سے مشرف ہوا تو ایک عجیب کیفیت حاصل ہوا۔

فرمایا۔ خدمتِ حضرت مجددؒ میں بعد از کشفِ صورتِ اول چیز جو ظاہر ہوئی کہ وہ یہ توجہ توحید میں مراتب و درجات بہت ہیں۔ لطیف حضرت ایشاںؒ اکثر مراتب توحید واضح ہوئے۔ فرمایا۔ اس راہِ طریقت کا اول توبہ ہے اور آخر، تجلی ذاتی برقی۔

فرمایا۔ نعمتِ الہی میں سے ہر نعمت پر شکر واجب ہے کوئی بھی نعمت ہو۔ لیکن دُنیا سے نہ لگانا چاہیے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

تعلق، حجابست دے حاصلی چو پیوند با بگلی داصلی

یعنی دُنیا سے دل لگانا حصولِ مقصد میں ایک رکاوٹ ہے اور حُرمتی کی بات ہے۔ جب تو تمام بندھنوں کو توڑ دے گا تب داصل ہوگا۔

خدمتِ اقدس میں ایک درویش نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں اہلِ دولت نے اہلِ سلسلہ نقشبندیہ کی شان میں بے ادبی کی ہے فرمایا کہ یہ حرکت اُس زمین کے زوال کی علامت ہو۔ فرمایا۔ ایک رات میں نے حضرت خواجہ بیرنگؒ (حضرت خواجہ باقی باشرؒ) کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اور آپ باتِفاتِ تمام فرما رہے ہیں۔ کہو۔ انشاء اللہ۔ میں آپ کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ کہہ رہا ہوں۔ حضرت نے میرے باطن میں ایک تصرن فرمایا جس سے ایک کیفیتِ غلیظہ اور حالتِ قویہ مجھے حاصل ہوئی ہے اُس کے بعد جب بیدار ہوا وہی کیفیت جمعیت جو حضرت والد ماجدؒ کی توجہ سے خواب میں تھی۔ بیداری میں بھی اپنے اندر پائی۔

فرمایا کہ۔ ابھی میں دُوسرے سال کا بھی نہ ہوا تھا کہ حضرت خواجہ بیرنگؒ (یعنی والد ماجد) نے مجھے خصوصی توجہ سے نوازا اور فرمایا کہ اس بچے کو بچپن ہی میں انشاء اللہ نے قبول فرمایا ہو۔ پھر فرمایا کہ یہ بات مجھ سے شیخ الشیوخ اُستاد الاساتذہ حضرت شیخ عبدالحق (محدث دہلوی) نے

بیان فرمائی تھی —

فرمایا کہ — ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو لغزودہ ہے جو ایسے شخص کو بھی رنجیدہ نہ کرے جو رنجیدہ کئے کا مستحق ہو اور آزاد مرد وہ ہے جو کسی کے رنجیدہ کرنے اور ستانے پر بھی اُس کو رنجیدہ نہ کرے۔ بعد ازاں فرمایا کہ طالب کو اپنے لغزویہ ہر دو صفیں پیدا کرنی چاہئیں۔ پھر یہ مصرع پڑھا:

مرنج در میان ہمین است کار —

(یعنی نہ رنجیدہ ہو نہ کسی کو رنجیدہ کر ہی اصل کار ہے)

فرمایا — فقیر وہ ہے کہ اپنے دشمن سے بھی دوستی کرے اور ہر شخص کا اعزاز دے اگر ام کہے کسی شخص کو چشم دہی سے نہ دیکھے۔ بالخصوص اگر کسی نے اُس کو گالی بھی دی تو وہ اس کے لیے دعا ہے خیر کہے یا اُس کو کوئی تحفہ دے تاکہ اُس کا دل شاد و خرم ہو جائے۔ بعد ازاں اپنے دو شعر کہے جن میں سے ایک یہ ہے —

ہر کہ بادِ دشمن بوزد دوستی را نہ نیاید در جنابِ کبریا  
(یعنی جو شخص دشمن سے دوستی نہ بڑے گا وہ بارگاہِ کبریا میں راہ نہ پائے گا۔)

فرمایا — میر سید احمد مکیؒ جو کہ حضرت خواجہ بزرگ (دالداراجد) کے مخلصین میں سے تھے فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ جیو (خواجہ باقی باشرؒ) نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ جب ہم بہشت میں جائیں گے تم کو بھی (باذنِ باشرؒ) اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

فرمایا — میں (سرہند میں) ایک روز حضرت شیخ احمد جیو (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بہشت میں جانا (معمولی بات نہیں ہے) بہت دشوار ہے۔ پھر حضرت مجددؒ نے ایک حدیث پڑھی جس کا مضمون یہ تھا کہ بہشت میں وہ شخص جائے گا جو مثلِ آبِ باران، پاکِ نسات ہو گیا ہوگا۔ حضرت مجددؒ یہ بیان کرتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے —

فرمایا — کہ تاج العارفین شیخ تاج الدین (سنہلیؒ) نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص برائے خدا دعائے سیفی کا ورد رکھتا ہے — تو وہ دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ اور اگر دعائے سیفی کا پڑھنا محض دُنیا کے حصول کے واسطے ہے تو خیر الدنیا والآخرۃ

کا مصداق ہے

فرمایا۔ قسطنٹین صوری دینی عشق مجازی کے دفع کرنے کے لیے نازدرونہ میں انتقال ہوا  
ایسی کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہے جن میں احوال مشائخ لکھے ہوئے ہیں۔

فرمایا۔ کہ حضرت شیخ احمد جو (حضرت مجدد الف ثانی) فرماتے تھے کہ اُن کے پیر مرشد حضرت  
خواجہ صاحب (خواجہ باقی بانسٹرا) فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہندوستان میں شہ آشہر بخش گڑھ  
مکھیرائی کے کسی دردیش کو نہیں پایا۔ اُن کے جذب کی تعریف کرتے تھے۔ اسی سلسلہ مکھیرائی میں  
حضرت مجدد نے فرمایا کہ خواجہ نے بعض دردیشوں سے فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ خواجہ مرشد  
گڑھ مکھیرائی کا مرید ہو جاؤں مگر ایک وجہ سے میں نے اُن سے بیعت نہیں کی۔ (وہ وجہ ملفوظات  
میں موجود ہے مگر مصلحت اور اختصار کے پیش نظر اس کا ذکر اس جگہ نہیں کیا گیا۔) (باقی)

عہ۔ الشیخ المغارۃ الکبیر اللہ بخش..... الشہادۃ الکرمہ مکتبہ سیدی احمد مشائخ المشہورین  
میں نسل عبد الرحمن بن ابی بکرؓ۔ آپ کے دادا کے دادا موسیٰ بن عمران بیتا شاہ سے ہندوستان آئے  
اور گڑھ مکھیرائی قیام کیا۔ موسیٰ بن عمران کے چچا شیخ قوام الدین نے رُہنک میں سکونت اختیار کی تھی۔  
شیخ اشرف بخش شطاردی گڑھ مکھیرائی پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی۔ اساتذہ عصر سے تعلیم پا کر طریقت کی تعلیم  
شیخ مبارک بن عبدالمقدر جہانپوری سے حاصل کی جو کہ سید علی قوام شطاردی کے خلیفہ تھے۔ مونس الزاکرین  
آپ کی ایک کتاب ہے جو اپنے پیر مرشد کے حکم سے آپ نے لکھی ہے۔ اس میں فضیلت ذکر اور تاثیرات ذکر کا بیان  
ہے۔ محمد بن فضل اشرف الحبیبی نے خلافت الانس میں آپ کا ذکر خیر کیا ہے۔ ورمضان سنہ ۱۰۰۰ کو آپ کا انتقال ہوا۔  
سورۃ اخلاص کے اعداد سے آپ کی تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ حضرت شیخ تاج الدین سبکیؒ پہلے سلسلہ عشقہ  
شطاردی میں آپ کے خلیفہ ہوئے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ باقی بانسٹرا دہلی سے سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت حاصل  
کی تھی۔ آپ کا مراد گڑھ مکھیرائی ضلع میرٹھ میں ہے۔ مانو خاؤن اذکرہ اللہ العالیٰ جلد خاص و دیباجہ  
مونس الزاکرین۔

# اعتراف ذنب اور معصومیت

## ایک سوال کا جواب

از محمد منظور نعمانی

ایک دوست جو صاحب مطالعہ اور صاحبِ علم بھی ہیں انھوں نے ایک مسلم بزرگ کی کتاب میں ایک عادی بھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بتلایا گیا ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں ”ذنب“ (گناہ) کا صاف صریح اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو اس دعا کا وہ خاص حصہ یہ ہے۔

اور میں ہوں مصیبت زدہ محتاج عفریاد	..... وَأَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ
پناہ جو ترساں دہراں میں اتر اور اتر	الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَغِيثُ الْكَوْجِلُ
کرنے والا اپنے گناہ کا سوال کرتا ہوں	الْمُسْتَفِقُّ الْمَقَرُّ الْمَعْتَرِفُ بِذُنُوبِي
تجھ سے سوال کسی بیگس بندے کا ما	أَسْأَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمُسْتَغِيثِ الْبَائِلِ
گرد گرد آتا ہوں تیرے سامنے کسی گنہگار	إِلَيْكَ ابْتِهَالُ الْمَذْنِبِ
ذہیں کی طرح الخ	الدَّلِيلِ..... الخ

اس پر ان صاحب کو یہ اشکال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں پھر اقرار ذنب (اقرار گناہ) کے کیا معنی؟ انھوں نے اس بارے میں ناچیز واقف سطور کو لکھا اور دریافت کیا کہ کیا واقعی یہ دعا کسی حدیث میں وارد ہے اور یہ حدیث کس کتاب میں روایت کی گئی ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا مناسب معلوم ہوا کہ اس کو ”الفتاویٰ“ میں بھی شائع

کر دیا جائے لیکن ہے اور بھی اللہ کے ایسے بندے ہوں جن کے ذہنوں میں اس طرح کا غلبان ہو۔

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مکرمی و محترمی سلام منوں!

آپ کے مکتوب کے جواب میں گزارش ہے

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا حدیث کی مشہور کتاب ”کنز العمال“ میں مجسم کبیر طبرانی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا حجة الوداع میں عرفہ کے دن شام کو عرفات کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی تھی کنز العمال ہی کے حوالہ سے یہ حدیث ”معارف الحدیث“ کی پانچویں جلد میں بھی نقل کی گئی ہے۔ ص ۲۵۲ اس کے علاوہ بھی بہت سی صحیح ترین روایتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی دعائیں مردی ہیں جن میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے ”ذنب“ یا ”ذنوب“ کا اعتراف کر کے بڑے عاجزانہ انداز میں معافی اور مغفرت کی استدعا کی ہے۔

صحیح مسلم شریف وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بڑی طویل دعا مردی ہو جو آپ کبھی کبھی نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے پڑھتے تھے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ  
ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَعْتَرَفْتُ  
بِدَنبِي فَأَعْرِضْ لِي ذُنُوبِي  
جَمِيعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ  
إِلَّا أَنْتَ۔

خداوند! تو میرا رب اور مالک ہے میں تیرا  
بندہ ہوں۔ میں نے اپنے پر بڑا ظلم کیا ہے  
مجھے اپنے ”ذنب“ اگناہ کا اعتراف ہو  
پس خداوند! تو میرے سارے گناہ  
بخش دے تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں  
کو بخش سکے۔

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور  
میں یہ دعا بھی کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّةً  
وَجَلَّةً وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ  
وَمُسْتَرَةً۔  
اے میرے اللہ میرے سارے گناہ بخش  
چھوٹے بھی، بڑے بھی، الگے بھی پچھلے بھی،  
کھلے بھی اور چھپے بھی۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ دعا بھی روایت کی گئی ہے  
اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي  
وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ  
أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي۔  
اے اللہ میری خطائیں معاف کر دے اور  
نادانی اور زیادتی کے جو کام مجھ سے سرزد  
ہوئے وہ سب معاف فرما دے اور جن کا  
مجھے مجھ سے زیادہ علم ہے۔

یہ صرف تین دعائیں نقل کی گئی ہیں، ان کے علاوہ بھی ایسی بہت سی دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں جن میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے باپے میں خطا اور قصور اور گناہ کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کی ہے۔ اور دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں یہ بلند ترین کمال ہے اور ان دعاؤں میں اور مصومیت کے عقیدہ میں کوئی تضاد نہیں۔

عقیدہ عصمت کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت نے گناہ قرار دیا ہے ایسی کوئی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہوئی۔ اور یہ بالکل برحق ہے حضور سے نہ کبھی کوئی صغیرہ سرزد ہو اور نہ کبیرہ۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہے۔ لیکن جن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا قرب خاص حاصل ہوتا ہے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ مالک الملک کے حق کی ادائیگی میں اپنے کو سراسر قصور وار سمجھتے ہیں، سب کچھ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں جو دوسروں کے لیے معراج ہو لیکن پھر بھی اپنے کو قصور وار اور کوتاہ کار سمجھتے ہیں، وہ ایسی ناز پڑھتے ہیں جو بہت سے اولیاء اللہ کو بھی نصیب نہیں ہوتی لیکن، دلتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کا کچھ بھی حق ادا نہ ہو سکا۔ وہ اپنی نیکیوں کو بھی گناہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایسے احساس و تائبانہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں جو گناہگاروں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ صحیح روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپے میں بیان کیا گیا ہے کہ زمان مبارک برا استغفار کا کلمہ گویا اکثر اوقات جاری رہتا تھا، حدیث پاک میں



ہے کہ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ اکبر کہتے پھر تین دفعہ کہتے استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ اس موقع پر اکبر اور پھر بار بار استغفار کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بہت عالی ہے اس کی بڑائی اور کبریائی کی کوتاہیاں نہیں۔ مجھ سے اس کی شان عالی کے مطابق اس کی عطاوت نہیں سکی، اسی احساس کے تحت آپ ﷺ بار بار استغفار کرتے اور معافی مانگتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میری گزارش کا حاصل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہیں ان سے کبھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا لیکن وہ اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے لحاظ سے قصور محسوس کرتے ہیں اور اسی کو اپنا ”ذنب“ (گناہ) سمجھتے ہیں۔ ”قریبانِ ریش بود حیرانی“

جن کے رتبے ہیں سوا، اُن کو سوا مشکل ہے

دوسرے طور پر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہم عوام جب اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں تو ہمارے سامنے ہمارے والے گناہ ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام جب اللہ تعالیٰ سے اپنے ”ذنوب“ (گناہوں اور قصوروں) کی معافی اور بخشش مانگتے ہیں تو ان کے سامنے ان کے وہ اعمال و احوال ہوتے ہیں جن کو وہ اپنے مقام قرب اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی کے لحاظ سے تفسیرات اور کوتاہیاں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ اعمال و احوال ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ہم کو ان کا ایک ذرہ بھی نصیب ہو جائے تو ہماری مغفرت اور کامیابی کے لیے وہی کافی ہو۔ عارفین کا مشہور مقولہ ہے۔

حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْرِئِينَ

ابرار اور نیکوکاروں کی نیکیاں مقربینِ باری  
کو برا کہاں اور کونسا یہاں ہیں۔

ن عارف کا مشہور شعر ہے۔

وَلَوْ خَافَ لِي فِي سَوَالِكِ ارَادَةُ ۚ سَلَّمَ خَاطِرِي مَهْنُوا حَكَمْتُ بَرَدِي

جن کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے دل میں تیرے سوا کسی دوسرے کا ارادہ نہ ہو تو مجھے  
 اچھا ہے تو میں اپنے کو مرتد قرار دوں گا اور اتنی سزا کا مستحق سمجھوں گا۔

امید ہے کہ میری اس وضاحت کے بعد آپ کا خلیجانِ رفیع ہو جائے گا۔ والسلام

# BOMBAY ANDHRA TRANSPORT Co.

## TRANSPORT CONTRACTORS

113, Bhandari Street (Chakla)  
BOMBAY 3.

آپ

## حج کیسے کریں

ضعف کے موضوع پر اردو زبان میں یہ شمار کیا جائے گا کیونکہ اس کی وجہ سے  
 ہجرت میں جو اصل مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی  
 کی خدمات اہمیت ہیں ان کی کتاب "ہجرت" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور  
 اس میں ہجرت کے طریقہ اور اس کے احکام و مسائل کی تفصیل دی گئی ہے اور  
 اس کی وجہ سے ہجرت میں زیادتی ہے جو حج و زیارت کی حاکم ہے۔  
 اللہ کے فضل سے اس کتاب کو لکھنے والے صاحب نے ہجرت میں ضعیف  
 اور کمزور لوگوں کے لئے ایک ایسا مقدمہ لکھا ہے کہ ان کے لئے ہجرت میں  
 اور صاف سے ہجرت کیلئے ایک ایسا مقدمہ لکھا ہے اور اس کتاب میں ہجرت کے بارے  
 میں ہجرت کی ہر بات اور ہجرت میں ہجرت کے بارے میں ہجرت کے بارے میں

## آسان قج

یہ کتاب ان میں سے ہے جو حج کیسے کریں کا حوالہ ہے۔ اسے لکھنے والے صاحب نے  
 ہجرت میں ہجرت کی ہر بات اور ہجرت میں ہجرت کے بارے میں ہجرت کے بارے میں  
 ہجرت میں ہجرت کی ہر بات اور ہجرت میں ہجرت کے بارے میں ہجرت کے بارے میں  
 ہجرت میں ہجرت کی ہر بات اور ہجرت میں ہجرت کے بارے میں ہجرت کے بارے میں  
 ہجرت میں ہجرت کی ہر بات اور ہجرت میں ہجرت کے بارے میں ہجرت کے بارے میں

کتاب خانہ الفیضان، پکھرنی روڈ، بمبئی

  
**ROLEX**

  
**OMEGA**

**WEST END**

**CITIZEN**

**SARGENT**

**FAVRE-LEUBA**

**ROAMER**

روکس

اومیگا

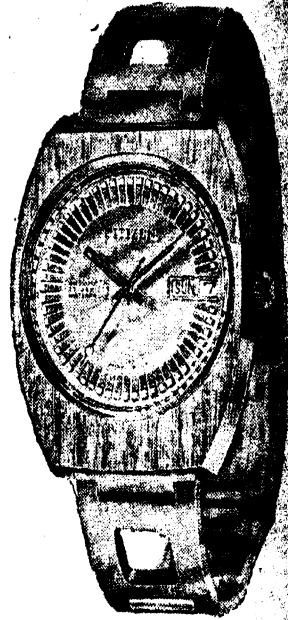
ایسٹ

سیٹزن

سارجنٹ

فیرولوبا

رومر



مکتہ المکرمہ و مدرسۃ المنورۃ میں

وزارت کے لئے جب خدا  
اب کو لائے اور گھڑی کی ضرورت

سرس نو تو پاک محل کے

میں شوروم میں تشریف لاکر

سم کی گھڑیاں نئے ڈیزائنوں

بار حمایت خریدہ فرمائیں۔ اپنے آئیوالے دوست احباب کو پتہ نوٹ کروادیں

**اک اصل - الشرحہ مکتہ المکرمہ**



الف م

مَدِينَةُ

عَتِيقُ الْخَسْبِ مِنْ سَهْلٍ



# علوم شرآنی پر مفید و مستند کتابیں

## تفسیر ابن کثیر دمشقی

مشہور و معروف محدث و مورخ علامہ ابن کثیر دمشقی کی ایہ نادر تفسیر جو تفسیریں میں مصب ذیادہ قابل اعتقاد ہے اس کو جدید و مفید حاشیہ اور مسائل کی وضاحت کے ساتھ چھاپا گیا ہے چار جلدوں میں مکمل جملہ قیمت ۵۵/-

## تفسیر ماحدی

از مولانا عبدالمجید دیوبادی

مشتمل پر سورہ فاتحہ و بقرہ و آل عمران انیادیش مکمل نظر ثانی و یکثرت اضافوں کے ساتھ — صفحات ۵۰۰ بڑا سائز۔ مضبوط جلد قیمت ۱۸/-

## لغات القرآن

تمام برآنی آیات کی نہایت جازہ اور مفصول و کشمیری الفاظ کے معنی متعین کرنے میں جہاں علمی بحث اور تاریخی تشریح کی ضرورت پڑی ہے اس کا بھی التزام کیا گیا ہے بڑے سائز کی چھ جلدوں میں قیمت مکمل سیٹ غیر جلد ۱۲۱/۵۰

## قرآن اور تصوف

از ڈاکٹر میر ذی الدین۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

موضوع کتاب نام ہی سے ظاہر ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی جدید تعلیم کے باوجود تصوف کے حامل اور داعی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہر شخص کو فائدہ ہو جائے گی۔ قیمت ۳۱/۰۰۰۰

## قرآن اور تعمیر سیرت

ڈاکٹر میر ذی الدین کی قابل قدر تصنیف جس میں سیرت و کردار سازی کے جامع نقطہ نظر سے قرآن کی بعض اہم تعلیمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ قیمت ۶/-

## کشف الرحمن مع

تیسر القرآن و تسہیل القرآن  
بن السطور ترجمہ جس کا نام کشف الرحمن ہے قرآن مجید کے ترجمہ اور تیسر القرآن و تسہیل القرآن کی ترتیب الیف حضرت سبحان اللہ کی اٹھارہ سال محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ تمام تفاسیر و وجہ استفادہ کیا گیا ہے۔ ہدیہ دو جلدوں میں جلد پلاسٹک کور ۳۰/-

## قصص القرآن

از مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب مرحوم سید ہادی جس میں اہم سابقہ کے سلسلہ میں قرآن کے بیانات پر تاریخی و حدیث اور علوم قرآنی کی مدد سے روشنی ڈالی گئی ہے اور ان واقعات کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر پورے کتب خانہ کی قیمت کا مل سیٹ غیر جلد ۳۱/۰۰۰

## الارض القرآن

سر زمین قرآن (عرب کا جغرافیہ اور قرآن میں جن عرب اقوام و قبائل کا تذکرہ ہوا ان کی تاریخی اور اثری تحقیق علامہ سید سلیمان ندوی کے جبرگاہ قلم سے قیمت ہر دو جلد ۱۰/۵۰

## فہم قرآن

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ ایم۔ اے۔ قرآن مجید کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں؟ قرآن کو صحیح طور پر سمجھنا کس علوم اور کس شرائط پر موقوف ہے؟ اس سلسلہ میں احادیث نبویہ کا کیا مقام ہے؟ اس کتاب کے خاص مباحث ہیں قیمت ۱۲/-  
الفوز البکیر (اردو) تفسیر کے اصول و مباحث پر حضرت شاہ ولی اللہ کے نظیر رسالہ کوڑہ میں لیا کا مصداق ہے قیمت ۱۲/۵۰

کتابخانہ افسان، پچھری روڈ، لکھنؤ

سَلَانَهُ جَنْدَهُ

ہندستان سے ..... ۸/۰  
پاکستان سے ..... ۸/۵  
صفحات ۱۰۰ صفحات  
قیمت  
فی کاپی ..... ۵ روپے

# فُتَانِ ماہنامہ

سَلَانَهُ جَنْدَهُ

غیر ممالک سے  
۵ اشنگ  
برائے ڈاک کے لیے مزید  
حصہ لڑاک کا اضافہ

جلد (۳۸) بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق فروری ۱۹۷۱ء شمارہ (۱۲)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولیں	مولانا محمد منظور نعمانی	۲
۲	بزم خواجہ خرد و طوی کی ایک جھلک	مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی	۵
۳	سر سید احمد خاں کے نام ایک تاریخی خط	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۱۳
۴	صراطِ مستقیم	حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی	۲۴
۵	ایک نئی درس کے طلبہ کے سامنے دوامی تقریر	مولانا محب اللہ صاحب ندوی	۳۳
۶	یادِ رفقاں	مولانا محمد منظور نعمانی	۴۲
۷	ایک اپیل	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۵۳

## اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چند ارسال فرمائیں یا خریداری کا ادارہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ہر طرح تک آجائے روزہ اگلا شمارہ ہفتہ دی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ اشرافیہ لاہور کو بھیج کر اس کی اطلاع بھیج دیں۔ جن حضرات نے ہمارے خاکے جلد میں اطلاع دی ہو کہ ان کو رسالہ برابر پہنچ رہا ہو ان کے علاوہ باقی تمام حضرات کا ارسال فی اہل بند ہے۔

خبر خریداری :- براہ کرم خط کتابت اور سی آئی ڈی کو پتہ پڑنا بفر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے جو پتہ کہ چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت :- الفقان ہر انگریزی ہفتہ کے پہلے ہفتہ میں دوا کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہر تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ انکی اطلاع ہر تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجے گی کہ ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

## دفتر الفشان، پچھری روڈ، لکھنؤ

(مذکورہ منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر آف ٹریڈ پر پرنٹر آف ٹریڈ میں چھوڑ کر دفتر الفقان پچھری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# نگاہ اولیں

محمد منظور نعمانی

الفرقان کوئی سیاسی جدیدہ نہیں ہو وہ خالص دینی رسالہ ہو۔ اس کا حلقہ بھی بہت محدود اور دینی ذوق و ذہن کا ہو۔ اسکے باوجود جب کبھی اپنی ذمہ داری کا تقاضہ ہوتا ہے اور ضرورت محسوس ہوتی ہو تو سیاسی صورت حال کے بارے میں بھی اظہار رائے کیا جاتا ہے۔

اس وقت ہمارے ملک میں پارلیمنٹ کا الیکشن ہو رہا ہو، اس سے پہلے بھی کئی الیکشن آزادی کے بعد ہو چکے ہیں لیکن اس الیکشن کی ایک خاص نوعیت اور غیر معمولی اہمیت ہے۔ اگرچہ بظاہر اس مرتبہ بھی پچھلے الیکشن کی طرح بہت سی پارٹیاں اور بہت سے آزاد امیدوار میدان میں ہیں لیکن فی الحقیقت اصل مقابلہ دو طاقتوں میں ہے، ایک چار پارٹیوں کا وہ متحدہ محاذ جس میں اصل طاقت جی سنگھ کی ہو (جو دراصل آر اے ایس، این کا سیاسی روپ ہو) اور دوسرا فریق مقابل ہو حکمران کانگریس، جس کی علامت مسز اندرا گاندھی بن گئی ہیں۔

اس الیکشن کے نتیجے کے اثرات پورے ملک پر غیر معمولی پڑیں گے اور سب سے زیادہ اثر مسلمانوں اور دوسرے کم تعداد والے فرقوں اور کمزور طبقوں پر پڑے گا۔ اگرچہ سنگھ اور اس کی حلیف پارٹیوں (تنظیم کانگریس، این این پی اور تومٹر پارٹی) کا متحدہ محاذ کامیاب ہو تو ملک کا نقشہ وہ بنے گا اور داخلہ و خارجہ پالیسی وہ ہوگی جو جی سنگھ چاہتا ہو، کیونکہ ان چاروں پارٹیوں میں طاقتور پارٹی جی سنگھ ہی ہو، اکثریت کے ایک طبقہ کے عوام بھی خاصی تعداد میں اس کے ساتھ ہیں اور اس کی پشت پر آر اے ایس، این جیسی مضبوط طاقتور تنظیم بھی ہو، جبکہ باقی تینوں پارٹیوں کے پاس اب بس اُن کے لیڈر ہیں۔ اس لیے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو کہ اس متحدہ محاذ کی کامیابی دراصل جی سنگھ ہی کی کامیابی ہوگی اور اس صورت میں اسی کی پالیسی چلے گی اور پھر بالخصوص مسلمانوں کو اس سے بھی بہت بُرے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے وہ اب تک گزرتے نہیں ہیں۔

اور اگر حکمران کانگریس کامیاب ہوتی ہو تو پچھلے تجربات کی بنا پر یہ امید کرنا تو مشکل ہے کہ اُسکے مینوفسٹو (الیکشن اعلان) میں جو وعدے ملک کے عام مسائل کے بارے میں اور خاص کر اقلیتوں کے بارے میں کیے گئے ہیں

وہ ضروری پوسے ہوں گے لیکن اسکی امید تو یقین کے ساتھ کی جاسکتی ہو کہ اب تک جو حالات سہے ہیں ان سے بدتر نہ ہوں گے کچھ نہ کچھ بہتر ہی ہوں گے اور اگر مسلمانوں میں ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہوئی تو ان کے لیے ایک نیا وصال ملک میں شروع ہو سکے گا جس کا رخ بہتر ہی کی طرف ہوگا۔ اور ملک میں جس طرح کی سیاسی صف بندی کا عمل شروع ہو گیا ہو اس میں خود کانگریس کی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہوگا۔

خوش قسمتی سے اسوقت انکشن کے میدان کا کھلائقہ یہ ہو کہ اگر اقلیتوں اور ملک کے کمر و طبقوں نے جن میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہو اپنی بھلائی اور پوسے ملک کی بھلائی کے لیے عمران کانگریس کے امیدواروں کی حمایت کی تو اسکی کامیابی یقینی ہو۔ گویا ملک کا مستقبل اور خود ان کا مستقبل بھی اس دلت بڑی حد تک ان طبقوں کے فیصلے سے وابستہ ہے۔

اسوقت کے نقشہ میں اس کا تو بغیر کوئی امکان نہیں ہو کہ ان طبقوں کی حمایت جن نگہ یا اسکے حلیفوں کو حاصل ہو سکے لیکن اس کا پورا خطرہ ہو کہ سیاسی شعور کی کمی کی وجہ سے بہت سے سید، سائے مسلمان یا کسی دوسرے کمر و طبقہ اور برادری کے افراد، فرقہ برادری کے رشتے کسی ایسے لیدر اور کو دوٹ نے کر اپنے دوٹ اور اپنی طاقت کو ضائع کر دیں جو اس کام کیلئے کھڑا کیا گیا ہو اور اس طرح کانگریس کو نقصان اور اسکی حریف پارٹیوں جن نگہ وغیرہ کو فائدہ نہانہ پہونچادیں۔ یہ انکشن کی ایک عام اور بہت کارگر حکمت عملی ہو کہ جو دوٹ ذریعہ مخالفت کو طے والے ہوں وہ کسی تیسرے کو دلو کے ضائع کرادیے جائیں اس مقصد سے میسوں فرنی اور نامشی امیدوار کھڑے کیے جاتے ہیں اور ان پر لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا ہو اور اس چال سے وہ امیدوار بھی انکشن جیت لیتے ہیں جو اسکے بغیر کبھی نہیں جیت سکتے اسوقت جو انکشن ہمارے ملک میں ہوتا ہو اس میں یہ چال بھی بڑے وسیع پیمانہ پر چلی گئی ہو بہت سے ایسے حلقوں میں جہاں مسلمانوں کی یا کسی خاص طبقہ اور جماعت کی ایسی تعداد ہو جو انکشن پر اثر انداز ہو سکتی ہو کسی مسلمان کو یا اس طبقہ اور برادری کے کسی آدمی کو امیدوار بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہو تاکہ وہ اسلام کے رشتے سے یا ذات برادری کے ناطے سے دوٹ حاصل کر کے کانگریس کے امیدواروں کو نقصان پہونچائے۔ اور اس کی حریف پارٹیوں جن نگہ وغیرہ کے جیتنے کا امکان پیدا ہو۔

ضرورت ہو کہ ہر جگہ کے سمجھدار لوگ سید سے سادے عوام کو اس چال سے باخبر کریں اور بتائیں کہ اس معاملہ میں ان کی غلطی کتنے بڑے اور بھیانک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔



۳۸ ویں سال کا اختتام | احمد شکر الفتان نے اپنی عمر کا اڑتیسواں سال اس فہمے پر پورا کر لیا۔ پاکستان کی ڈاک رک جانے سے یہ سال بڑا کٹھن ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ان دو مخلصوں کو جزائے خیر دے جن کی اعانت سے اس پریشان کن صورت حال کے مسائل کسی حد تک حل ہوئے۔ لیکن ڈاک کی یہ رکاوٹ اب تک برقرار ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ الفرقان کے پاکستان جانے کی صورت کب بحال ہو سکے گی۔ مرتب الفرقان کی مسلسل خرابی صحت پر اپنی ایک مسئلہ الفرقان کی اشاعت کے لیے بنی ہوئی تھی کہ یہ اس سے بھی صحت ایک دوسرے مسئلے کا اضافہ ہو گیا۔ تقریباً ایک تہائی حسرتیاری پاکستان میں بھی محبوب قصہ ماضی بن گئی۔

ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں جتنے بھی معادین الفرقان اس وقت موجود ہیں وہ کسی خاص کوشش کا نتیجہ نہیں ان کا دینی ذوق اور اماندہی تحریک ہی انھیں الفرقان کے خریداروں میں شامل کیے ہوئے ہے۔ اس لیے امید ہوتی ہے کہ الفرقان کی اس پریشانی کے سامنے آنے کے بعد وہ تھوڑی بہت دھمت اس کے لیے ضرور فرمائیں گے کہ پاکستانی خریداروں کی کمی کا بدل الفتان کو کسی طرح مہیا ہو جائے۔

اگر کہیں کے احباب اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوں کہ ادارہ الفرقان کی جانب سے کوئی شخص ان کے علاقے میں آئے تو ان کی دعوت پر اس کے انتظام کی بھی کوشش کی جائے گی۔

# ایک نیلنگ بنیاد رکھیے!

## ماء اللحم خاص

قبل از وقت بوڑھوں اور غیر صحت مند  
نوجوانوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ تازہ پھلوں  
قیمتی دواؤں اور بہترین غذاؤں سے جدید  
طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے

دوا خانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ




# بزمِ خواجہ سرِ دہلوی کی ایک جھلک

ایک نادر نسخہ ملفوظات کا انتخاب

(اَزْمَوْلَانَا السَّيِّمِ أَحْمَدَ فَریدی)

— (۲) —

فرمایا — ایک روز میں حضرت شیخ احمد جوہرؒ (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پیر و سنگیر حضرت خواجہ صاحبؒ، خواجہ حام الدینؒ، اور شیخ تاجؒ (سنبلی) کے درمیان فرق کرتے تھے بایں طور کہ خواجہ حام الدین علم و معرفت میں زیادہ ہیں اور شیخ تاجؒ، حال و فکر میں فوقیت رکھتے ہیں.....

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے حضرت قبلہ گاہی (یعنی والد ماجد) کی خدمت میں یہ شعر پڑھا

مے خور و مصحف بوز و آتش اندر کعبہ زن

ساکن بتخانہ باض و مردوم آزاری مکن

یہ شعر نا کر میں نے دریافت کیا کہ لوگ اس شعر کو حضرت حافظ شیرازی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ شعر حافظ شیرازیؒ کا نہیں ہے۔۔۔ (شاید) کسی لحد کا قول ہے جس نے اہانت شریعت کی ہے۔

فرمایا — کہ محمدی ارشاد پناہی شیخ الدادؒ نے آخری عمر میں مجھے بلایا اور فرمایا کہ جو کچھ

مجھے حضرت خواجہ بیزنگ (خواجہ باقی باشر) سے ملا ہے اور دیگر بعض بزرگوں اور مشائخ چشتیہ کی اڑاج سے بطور فیض پہنچا ہے وہ میں نے تم کو دیا۔ اسی وقت میں نے ایک زبردست کیفیت اپنے اندر محسوس کی..... یہ اجازت بعد از اجازت حضرت شیخ احمد جو قدس سرہ، دقوع میں آئی۔ اس سے پہلے شیخ احمد جو (حضرت مجددؒ) نے مجھ کو تعلیم طریقہ نقشبندیہ اور اس طریقہ میں ارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ ارشاد پناہی حضرت شیخ الہمدادؒ کی اجازت کے مدتوں بعد، عالم ربانی، عارف بھائی حضرت شیخ محمد سعیدؒ (فرزند حضرت مجدد الف ثانیؒ) سے بھی سلسلہ قاری میں اجازت میں نے پائی۔ خواجہ سلام اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت قبلہ گاہی (خواجہ خرن) کی خدمت میں پہنچا آپ پر بہت زیادہ روحانی قبض کی کیفیت طاری تھی۔ اُس دن آپ کی جو حالت دیکھی اُس سے پہلے کبھی ایسی حالت مشاہدہ میں نہیں آئی تھی۔ آپ روتے جلاتے تھے اور بار بار کہتے تھے میرا خدا مجھ سے ناراض ہے۔ بعد اُنکھوں سے آنسو بہتا رہتا تھا اور یہ فرما رہے تھے۔ ایک درویش نے کہا ہے کہ درویشی (فقط) نماز، روزہ، ایچائے شب اور کم کھانے کا نام نہیں ہے۔ یہ تمام امور اسباب بندگی ہیں۔ بلکہ درویشی یہ ہے کہ کسی کو رنجیدہ و داندہ نہ کرے۔ اسکے بعد یہ مصرعہ پڑھا۔

مرج و مرغجاں ہمیں است کار

فرمایا۔ حق سبحانہ نے میرے اوپر یہ آیت کریمہ کھول دی ہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا

پھر فرمایا کہ طالب کو چاہیے کہ اس آیت کو پڑھے خواہ دل سے خواہ زبان سے اس طریقہ سے کہ جَاءَ الْحَقُّ کہتے وقت دل پر ضرب لگائے اور زَهَّقَ الْبَاطِلُ کہتے وقت (باطل کو) دل سے بھجائے پست پھینکے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اُمید ہے کہ اس عمل سے طالب بہت کچھ کثرت پائے گا۔

نیز فرمایا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا حاصل اور اس آیت کریمہ کا حاصل ایک ہی ہے۔ بس اس قدر فرق ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں نفی مقدم ہے اثبات پر۔ اور اس آیت میں اثبات مقدم ہے نفی پر۔

فرمایا۔ ابتدائے حال کی بات ہے کہ ایک راستے پر ایک ندان کا مکان تھا لوگ اُن کے

حق میں اچھا اعتقاد رکھتے تھے اور ان کو غوثیت کے مرتبے پر فائز سمجھتے تھے۔ جب میرا ان کے کہے میں گزر رہا تھا تو وہ میرے لیے دُعا کے خیر کرتے تھے۔

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حضرت والد ماجدؒ یہ شعر پڑھتے تھے۔

شیر زادِ مینہ عشقم، قوی در کارِ خود

گو حریف من بیستادِ زورِ بازو بگرد

یعنی میں صحرائے عشق کا شیر زادہ ہوں اپنے کام میں مضبوط ہوں۔ میرے حریف و مد مقابل سے کہہ دو کہ اسے زورِ بازو دیکھنا ہے تو یہاں آجائے۔

فرمایا۔۔۔۔۔ کہ لوگوں کو بیماری میں اضطراب ہو جاتا ہے وہ عالمِ اطلاق (آخرت) سے

عدمِ توجہ اور عالمِ کون (دنیا) سے عدمِ انقطاع کُلّی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اگر دنیا سے انقطاع کُلّی رکھتے ہوں تو بیماری میں اور موت میں راحت ہی راحت اور آرام ہی آرام ہے۔

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت والد ماجدؒ نے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کام میں اصلی چیز نیستی اور غربت ہے جو کہ شہنائے اربابِ ہمت ہے۔ پھر یہ شعر پڑھے۔

خاک شو خاک تا بروید گل

کہ بجز خاک نیست منظرِ گل

عرسہ بہاراں کے شود سرسبز رنگ

خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک درویش نے حضرت قبلہ گاہی (والد ماجدؒ) سے

عرض کیا کہ کوئی دلیل نقلی، حدودِ عالم پر ہے؟ ارشاد فرمایا ہاں یہ حدیث، اشارہ حدودِ عالم کی طرف کر رہی ہے۔ كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ (اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ

تھی)۔ پھر دوسری حدیث حضرت ابوذر غفاریؓ کی پڑھی جو دلیلِ حدودِ عالم ہے۔

عرسہ خاک ہو جا خاک تا کہ بھول آئیں۔ خاک منظرِ گل ہے۔ عرسہ بہار کے زمانے میں کب سرسبز ہوتا ہے؟

خاک بن جانا کہ رنگ رنگ کے بھول پیدا ہوں۔

فرمایا۔۔۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ روحہ کے زمانے میں تین ضیاء الدین ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک یعنی مولانا ضیاء الدین برنیؒ (ہندوستان کے مشہور مورخ) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد اور خاص اصحاب میں سے تھے۔ دوسرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے منکر و مخالف تھے یعنی قاضی ضیاء الدین نامی۔ تیسرے نہ معتقد تھے نہ منکر اور یہ شیخ ضیاء الدین غنیؒ (دہلیوی) تھے جو کتاب اسلک السلوک کے مصنف ہیں۔

فرمایا۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ یشیب ابن آدم و یشیب فیہ المخلصتان الخوص و طول الامل۔۔۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی انسان بڑھا ہوتا ہے اور اس کے اندر دو خصلتیں جوان ہو جاتی ہیں۔ ایک حرص اور دوسری طول اندوز)۔ اس حدیث سے (ظاہر) لازم آتا ہے کہ اولیاء حق بھی بڑھا پے میں ان دونوں خصلتوں (کے شباب) سے خالی نہ ہوں۔ اور یہ بہت بڑا اشکال ہے۔ اس شکل کا حل جو سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ ان دونوں صفات مذکورہ کی جوانی تقاضہ کرتی ہے اس بات کا کہ ان دونوں صفتوں کا وجود و بقا، انسان کے زمانہ شباب سے ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص جوانی کے زمانہ ہی میں ان دونوں صفتوں کو دفع کیے ہوئے ہو تو وہ ان دونوں صفتوں کے شباب سے بھی منزہ و مجرأ ہوگا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں ارشاد فرماتے۔ یشیب ابن آدم و یشیب فیہ المخلصتان الخ (یعنی انسان بڑھا ہوتا ہے اور پیدا ہوتی ہیں اس میں یہ دو خصلتیں) تب بات مشکل ہو جاتی۔

فرمایا۔۔۔ بہت عالی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ انسان کو جمع مراتب دُنیا سے انقطاع کلی حاصل ہو اور دُنیا کی باعث فخر چیزیں اس کی نظر میں بے حیثیت اور بے قدر ہوں مگر بجناب حق توجہ دائمی میسر ہو۔

فرمایا۔۔۔ منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (ایک دن) شہرے صحرا کی جانب جا رہے تھے۔ ایک شخص نے دریافت کیا، یا روح اللہ آپ کہاں جاتے ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا میں انھوں کی وجہ سے تنگ آگیا ہوں، ان کا علاج میں نہیں جانتا۔ مادر زاد نابینا اور ابرص کا علاج کر سکتا ہوں اور مردوں کو باذن اللہ بارگاہ زندہ کیا ہے۔ لیکن ان عقول کے علاج سے عاجز

دراندہ ہوں۔۔۔ اسی لیے شہرے صحرا کی طرف جا رہا ہوں۔۔۔

فرمایا کہ۔۔۔ حضرت خواجہ بہار الدین نقشبند نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دکھائی دے اور جو کچھ سمجھ میں آئے سب غیر ہے کلمہ "لا" کے ذریعے اس کی نفی کرنا چاہئے۔ اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہئے۔۔۔۔۔ کمال و تکمیل اسی میں ہے۔ ص ۷

ذکرہ دردت دل عطار را

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت قبلہ گاہی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور سعادتِ قدوسی حاصل تھی اس زمانہ میں حضرت دالا کو بیماری شکم لاحق ہو گئی تھی ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ فلاں ددا اس مرض میں بہت نافع و مفید ہے۔ حضرت ایشان نے میری طرف رخ کر کے فرمایا۔ کہ جو کچھ حق سبحانہ تعالیٰ نے چاہا ہے ہو کر رہے گا اور جو کچھ تقدیر میں ہے ظاہر ہوگا۔ اس دن سے زیادہ عمدہ کون سا دن ہوگا جس دن دوست کی ملاقات دوست سے ہو اور یار نزدیک یار پہنچ جائے، پھر یہ دو شعر پڑھے۔

گر اجل، مرد است گو پیش من آئے

تا در آغوشش بگیرم تنگ تنگ

من از د جانے ستانم جادواں

اد ز من دلے بگیرد رنگ رنگ

(یعنی موت سے کہہ ددا اگر وہ بہت رکھتی ہے تو میرے پاس آئے تاکہ میں اُس سے اچھی طرح معافہ کر دوں۔ میں اُس سے ایک زندگی حاصل کر دوں گا جو جادو دانی ہوگی اور وہ مجھ سے رنگ برنگ کے بیوند لگی ہوئی گڈی لے گی)۔

فرمایا۔۔۔ جب مولانا حسن طاقی (۶) نے رحلت فرمائی تو ازاں علماء شیخ عبدالحی (محدث دہلویؒ) نے ان کی تعزیت کے سلسلے میں یہ شعر لکھا تھا۔

ورنہ قضا بود کہ باہم رویم

میرسد آن وقت کہ باہم رویم

(یعنی اس وقت اگرچہ یہ فیصلہ خداوندی نہیں تھا کہ ہم اور تم ساتھ ساتھ عالم فانی سے

سفر کریں مگر وہ وقت قریب ہے کہ ہم بھی یہاں سے کوچ کریں گے، اس کے بعد حضرت خواجہ خسروؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ دیر تک روتے رہے۔

ایک شخص نے حضرت خواجہ خردؒ سے دریافت کیا کہ ملفوظات حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ (فوائد العواد) میں حقائق و معارف کا اندراج کم ہے۔ (اس کی کیا وجہ ہے) اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ امیر حسن (سنجریؒ) نے جو ملفوظات لکھے ہیں خوب لکھے ہیں۔ حقائق و معارف کا تعلق (زیادہ تر) سکرو و حال سے ہوا کرتا ہے۔ طالب کو جو چیز ضروری ہو امیر حسنؒ نے بس ان کو قلمبند کیا ہے۔

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں ایک روز ایک درویش نے حضرت والد ماجدؒ سے دریافت کیا کہ شاہدہ حسن و جمال (صوری) میں لذت نفسی ہے یا لذت روحی۔ میں بھی اس مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ ہو سکتا ہے شاہدہ حسن و جمال، بعض کے لیے لذت نفسی ہو اور بعض کے لیے لذت روحی۔ حضرت ایشانؒ نے فرمایا کہ فرض کر لو کہ شاہدہ حسن و جمال، لذت روحی ہے تب بھی اُس سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو چاہیے وہ آتا نہیں اور جو آتا ہے وہ چاہیے نہیں۔ ۵

یا رمی باید و نمئی آید غمیر می آید و نمئی شاید

(یعنی یا مطلوب ہے وہ آتا نہیں، غیر آتا ہے وہ چاہیے نہیں۔)

اس کے بعد مولانا رومیؒ کا یہ شعر پڑھا ۵

عاشقی ہا کز پئے رنگے بود

عشق بنود عاقبت رنگے بود

(یعنی جو عشق رنگ اور روپ کی وجہ سے ہوتا ہے وہ عشق نہیں ہوتا باعث ننگ ہوتا ہے)

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ تحریر کرتے ہیں کہ محدومی و اخوی خواجہ کلثوم اللہ فرماتے تھے کہ ایک دن میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ (حضرت والد ماجد کے) دست مبارک میں ایک بیاض تھی جس میں بہترین اشعار لکھے ہوئے تھے۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ بیاض کو میں دیکھتا۔ حضرت ایشانؒ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا بیٹا اس بیاض کو دیکھو۔ یہ فرما کر بیاض مجھے

دیکھنے کے لیے عنایت فرمادی۔ جب بیاض میرے پاس آگئی تو دوسرا خیال میرے دل میں یہ گزرا کہ اس کو چند روز اپنے پاس رکھ کر اس کا انتخاب کر لوں۔ یہ بات دل میں آئی تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میری عمر متوجہ ہو کر فرمایا۔ چند روز اپنے پاس رکھ لو۔ .... مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روشن نصیری کا اس واقعے سے اندازہ ہوا۔

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نفحات الانس دہلویؒ کو جامعہ میں لے کر آیا گیا۔ حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے چند مقامات دریافت کیے جو دقیق باتوں پر مشتمل تھے۔ اور اغلاط رکھتے تھے۔ قبلہؒ نے خوب اچھی طرح ان عبارات کا مطلب بیان فرمادیا، پھر فرمایا۔ کہ اس کتاب مستطاب ہے اشتغال اتنی بڑی سعادت کی بات ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اے جانِ من! میں یہ چاہتا ہوں کہ میری طرح جاہل زندہ جانا (کچھ حاصل کر لینا)۔ ....

خواجہ سلام اللہ دہلویؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن یہ فقیر، خدمت اقدس میں کھڑا ہوا پنکھا اھل رہا تھا اور حضرت والا سر جھکائے ہوئے مراقبے میں بیٹھے تھے اچانک پنکھا فقیر کے ہاتھ سے خطا کر گیا اور حضرت ایشانؒ کے سر مبارک پر جا کر لگا۔ محفل میں جتنے حاضرین تھے سب متحیر ہو گئے۔ مگر حضرت والا سے کوئی حس و حرکت ظاہر نہیں ہوئی۔ بعد ازاں سر اٹھا کر یوں فرمایا جس پر استعزاق و استہلاک کا غلبہ ہوتا ہے اُسے کچھ خبر نہیں رہتی۔

فرمایا سالک و طالب کے لیے دو باتیں ناگزیر اور ضروری ہیں۔ (۱) ایسے درویشوں سے ارتباط و صحبت نہ رکھے جو اُس کے مرشد سے ربط نہیں رکھتے، اور جب غیر طریقہ کے درویشوں کی صحبت کو تجویز نہیں کیا گیا تو پھر وہ لوگ۔ جو مطلق، طریق سے بگادنا آشاہین ان کی صحبت کیسے تجویز کی جاسکتی ہے؟ مناسب یہ ہے کہ طالب ابتداء سلوک میں کسی سے صحبت و ارتباط نہ رکھے۔ ہاں حکم مرشد سے کسی کی صحبت میں بیٹھ سکتا ہے۔ اور اپنے یارانِ مخصوص کی صحبت میں بھی رہ سکتا ہے۔ اس تدبیر سے نسبت حاصل ہوگی اور باطن میں قوت پیدا ہوگی۔

(۲) جو کام، مرشد سے صادر ہو اگرچہ بظاہر فیج معلوم ہوتا ہو (اول)، اُس کا صحیح محل تلاش کرے (یا مرشد سے براہ راست معلوم کر لے) ایک دم اعتراض نہ کرے (البتہ اگر وہ فعل و فعلی شرعی



نقطہ نظر سے قبیح اور مصیبت ہے اس میں کسی کی اطاعت و تابعداری نہیں اس سے بچنا ضروری ہے (خواجہ سلام اللہ دہلوی تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن والد ماجدؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وہ واقعہ سنا کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو قہراً یا انا تراب۔ سے خطاب فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ باقی بانشرہ کی مشنوی کے وہ اشعار پر ہے جو اہلبیت کی نقیبت میں لکھے گئے ہیں، اُن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

ایں سلسلہ از طلائے ناب است

ایں خانہ تمام آفتاب است

(یعنی یہ خاندان خالص سونے کی زنجیر کے مانند ہے اور یہ گہرانہ آفتاب کی طرح روشن اور متوجہ ہے۔)

خواجہ سلام اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ۔ ایک روز حافظ صادق نے جو کہ مخلصین حضرت قبلہ کا ہی میں سے تھے، مشنوی مولانا دومیؒ کا یہ شعر پڑھا۔

علم حق در علم صوفی گم شود

ایں سخن کے باد پر مردم شود

اور اس شعر کے معنی بیان کرنے کی درخواست کی۔ حضرت والا نے فقیر کی طرف رخ کر کے ارشاد فرمایا۔ کہ قرب دو قسم کا ہے ایک یہ کہ عبد ظاہر ہو اور حق باطن۔ چنانچہ اس شعر میں اسی قرب کی طرف اشارہ ہے اور حدیث قدسی۔ وَبِیْ نَیْمَتِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ نَیْطِقُ۔ اس کی شاہد ہے۔ اس کہ قرب نوافل کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حق، ظاہر ہو اور عبد، مستملک و متعرق اور باطن ہو وحدہ اِنَّ اللّٰهَ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عِمْرَ۔ اس قرب کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس کو قرب فرائض

کے ہیں۔ قرآن میں جاء الحق و زهق الباطل اسی قرب کی طرف اشارہ ہے۔

**BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.**

*Transport Contractors*

113, BHANDARI STREET (CHAKLA.)

**BOMBAY No. 3**

# سر سید احمد خاں کے نام ایک تاریخی خط

(از مولانا حکیم سید عبدالحی زلّٰتے بریلوی)

(محترم و محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے ایک تازہ کتاب اپنے مرحوم والد ماجد علامہ حکیم سید عبدالحسی حسنی دسابق ناظم ندوۃ العلماء) پر نکلی ہے اور بڑی بصیرت افزا اور سبق آموز ہے۔ اسی کتاب کا ایک اقتباس کتاب کی تصنیف کے خاص الخاص محرک حضرت محترم سید عبدالحی صاحب صوفی الیم۔ اے کی فرمائش پر یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کی اجازت محترم مصنف سے بھی لے لی گئی ہے۔ مرتب)

یہ وہ زمانہ ہے کہ سارا ہندوستان سرسید کے نام اور ان کے اصلاحی کارناموں اور ان کی عظیم الشان تعلیمی تحریک کے آواز اور غلغلہ سے گونج رہا تھا اور پڑھے لکھے مسلمانوں کا کوئی گھر کوئی دینی علمی مجلس، یہاں تک کہ شادی و غمی کی کوئی تقریب بھی جہاں چند مسلمان جمع ہوں بالعموم اس تذکرہ سے خالی نہیں جاتی تھی کہیں تنقید و اعتراض کے ساتھ، کہیں تحسین و اعتراف کے ساتھ اور کہیں حیرت و استعجاب کے ساتھ، لیکن قدیم حلقوں میں زیادہ تر تنقید و اعتراض اور حیرت و استعجاب کے ساتھ اور جدید حلقوں میں تمام تر تحسین و اعتراف بلکہ عقیدہ تہندی کے غلو و مبالغہ کے ساتھ جہاں تک انگریزی زبان اور جدید علوم کی تعلیم کی ضرورت کا تعلق ہے اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور اس کو بہت سے اہل قلم لکھ چکے ہیں کہ علماء نے اس کی بکھر خالفت نہیں کی اور نہ اس بنا پر کسی نے سرسید مرحوم کی تکفیر و تطبیق کی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب انگریزی زبان کے سیکھنے کے جواز کا فتویٰ دے چکے تھے سرسید کے شدید ترین مخالفین (مولانا محمد قاسم

نالوتوی اور مولوی سید امداد علی صاحب ڈپٹی کلکٹر وغیرہ نے بھی کبھی اس کی (مطلق) حرمت کا اعلان نہیں کیا تھا۔

لیکن سرسید مرحوم کی تحریک (بدقسمتی دعوے اتفاق سے) خالص تعلیمی تحریک اور مغربی زبانوں اور جدید علوم کے حصول کی دعوت نہیں تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو صورت حال قطعاً مختلف ہوتی اور یہ ہندوستانی مسلمانوں کے حق میں بہت اچھا ہوتا، لیکن اس میں چند ایسے اجزاء اور عناصر شامل ہو گئے جو نہ صرف یہ کہ اس تحریک کو کامیاب اور مقبول بنانے کے لیے ضروری نہ تھے بلکہ اس کے لیے مضر اور اس کی کامیابی کی راہ میں حائل ہو گئے تھے اور انھوں نے مسئلہ کو ایسا پیچیدہ بنا دیا کہ اچھے اچھے وسیع النحیال اور انصاف پسند علماء کو بھی اس کے بارے میں اپنا رویہ اور پالیسی متعین کرنے کی راہ میں مشکلات پیدا ہو گئیں اور سان انصر میر سید اکبر حسین الدہلوی اور مولوی امداد علی کو بھی کئی یا جزوی مخالفت پر مجبور ہونا پڑا اور عقائد و تحقیقات میں ان کے مخلص ترین رفیق و موید نواب وقار الملک مرحوم بھی ان کے ہمہوا نہ تھے۔

ان میں دو عنصر بہت اہم تھے اور وہ دونوں تقریباً بانی تحریک کے ذاتی رجحان اقتدار طبع اور ان کی غیر معمولی ذکاوت حس مسلمانوں کی مادی ترقی کی حد سے بڑھی ہوئی خواہش و جذبہ اور انگریزوں کے تمدن و تہذیب اور ان کی صنعتی و سائنسی ترقی سے ضرورت سے زیادہ مروجہ بیت کا نتیجہ تھا، ایک انگریزی تعلیم کے ساتھ انگریزوں کی تہذیب معاشرت اختیار کرنے کی دعوت جو سرسید کے مضامین، خطبات اور ”تہذیب الاخلاق“ کے فائل سے بخوبی نمایاں ہے دوسرے قرآن پاک کی وہ عقلی اور جدید تفسیر جو قدیم مسلمات و اصول موضوعہ سے آزاد، لغت، تواریخ، عقائد، حدیث و سنت اور اجماع امت سے بے نیاز اور جدید تحقیقات و انکشافات بلکہ رجحانات و میلانات کو جو مغربی تہذیب کے اثر سے اس دور میں پھیلے ہوئے تھے قرآن مجید کے فہم و تفہیم میں اساس قرار دینا اور اگر ان کا تقاضہ ہو تو بے تکلف کسی بڑے سے بڑے یا قطعی الثبوت اور اجماعی مسئلہ اور عقیدہ کی نہ صرف تاویل اور نہ صرف انکار بلکہ استخفاف و استہزا اس بنا پر وہ تمام غیبی حقیقتیں جو تمام آسمانی مذاہب اور صحت سادہ کی بنیاد ہیں اور جن پر ایمان لانا ضروریات دین میں داخل تھا مثلاً جنت و دوزخ کا خارجی وجود، ملائکہ و شیاطین کا بحیثیت

اجام، وجود، جن کا وجود، وحی اور نبوت کی حقیقت، رویت، بادی، قرآن کا لفظاً و معنیاً منزل میں اترنا ہونا، معجزات و خوارق کا صدور، جو عام انسانی طاقتوں اور بشری ذرائع کے بغیر افسانی تجربہ کے خلاف پیش آئے اور مابعد الطبیعات کا ایک بہت بڑا حصہ جس کے ماننے اور ایمان لانے کے لیے خدا کی قدرت کا طرہ اور عالم غیب کے وجود پر ایمان لانا ضروری ہے نہایت بعید تاویلات یا کھلے انکار کا نشانہ بن گئی۔ یہ عناصر ان کی دعوت کے ساتھ کچھ اس طرح کھل مل گئے اور انھوں نے اس پورے مجموعے کی تبلیغ اور اعلان و شہیر میں اور ان کے مخالفین کی تردید میں اس طرح یکجاں جوش و خطابت سے کام لیا کہ ان کے بہت سے پیروکاروں اور بھی خواہوں کو بھی ان کی مرافعت اور ان کی تعلیمی تحریک کو ان اجزاء اور عناصر سے الگ کرنا مشکل ہو گیا اور اس استخراج نے غیر ضروری طریقے پر ان کی اس تحریک کے لیے مشکلات پیدا کر دیں جو اس دور کے مسلمانوں کے لیے نہ صرف مفید بلکہ ضروری و ناگزیر تھی اور مرافعت و مخالفت میں ملت کی ذلالت اور دقت کا ایک بڑا سرمایہ بلاوجہ ضائع ہوا جس پر ہر دمندانہ حقیقت پسند مسلمان کو خواہ وہ قدیم حلقہ سے تعلق رکھتا ہو یا جدید حلقے سے افسوس ہونا چاہیے۔

مولانا میر عبدالحی صاحب خود انگریزی تسلیم کے مخالف نہ تھے انھوں نے.... کچھ عرصہ اس کی ابتدائی تعلیم حاصل بھی کی تھی ان کے خاندان کے ایک مقتدر بزرگ جن کی انھوں نے بچپن میں زیارت کی تھی مولوی سعید الدین صاحب نہ صرف انگریزی داں اور کامیاب وکیل رہ چکے تھے بلکہ اپنے بعض کم سن عزیز بچوں کو انھوں نے انگریزی پڑھنے کی ترغیب بھی دی تھی اسی طرح وہ خاندانی طور پر سرسید کے علاوہ خاندان ان کے خلوص ان کی ہم دردی اسلامی انکی بلند ہمتی اور ادولوعزمی سے بخوبی واقف تھے اور اس کے دل سے قدردان تھے لیکن وہ نہ صرف ایک راسخ العقیدہ بلکہ ایک راسخ العلم اور صاحب نظر عالم کی حیثیت سے ان کی بے اعتدالی اور علمی جرات اور اس غیر محدود اور غیر مقید دینی تاویلات اور انحراف کو ناپسند کرتے تھے جو

سہ حیات جاوید میں مولانا حالی نے سرسید کے "تقرضات" کی فہرست دی ہے جس میں وہ سوا او اعظم اور اہل سنت کے مسلک سے الگ ہیں

انہوں نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا تھا۔ اور بھی میں وہ نہ صرف صحابہ کرام جو قرآن کے اولین مخاطب اور اہل زبان تھے، بلکہ لغت عرب، اور تمام اسلامی نسلوں اور تاریخ کے تمام عہدوں کے متفقہ فہم و نقل کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اسی احساس و حیثیت اسلامی نے ان کو باوجود اس کے کہ وہ ایک گناہ مٹا بلکہ علم تھے جو تحصیل علم کے آخری مدارج طے کر رہا تھا، سرسید جیسی عظیم شخصیت سے خط و کتابت پر آمادہ کیا، جس کی تحریر و تقریریں اور کارناموں کی سارے ہندوستان میں دھوم مچا ہوئی تھی، انہوں نے ۱۸۹۴ء عیسوی مطابق ۱۳۱۲ھ ہجری میں 'سرسید کی وفات سے تین سال پہلے' ان کو اس زمانے میں خط لکھا جب وہ بھوپال میں طالب علمی کر رہے تھے..... خط کا مرکزی و بنیادی مضمون یہ ہے کہ دین کے مخصوص و قطعیات کے فہم و تفہیم کے بارے میں ان فطری و عقلی ذرائع اور ان کا پذیر اعتماد و اعتماد کیا جائے جو عقل صحیح اور فطرت سلیم کے نزدیک ہمیشہ سے ضروری رہے ہیں یعنی لغت عرب، سنت منواتر فہم صحابہ اور اجماع امت،.... مولانا لکھتے ہیں۔

بخدمت عالیجناب ڈاکٹر سرسید احمد خاں صاحب بہادر دام بالقابہ، تسلیم!  
ہر چند کہ مجھ میں اور آپ میں سابقہ معرفت نہیں اور آپ مجھ کو نہیں جانتے مگر میں آپ کو آپ کی ذاتی شہرت کی وجہ سے خوب جانتا ہوں اور آپ کی قومی خدمتوں کو تعظیم و اخلاص کی نظر سے دیکھتا ہوں میں جلد باز لوگوں کی طرح بہت جلد رد و قبول میں پیش قدمی نہیں کرتا بلکہ غور و فکر کے بعد نتیجہ اخذ کر کے آپ کی عقل و ذہانت و خوش تدبیری و نیک نیتی و قومی خدمت و پاک نفسی اسی قسم کی ادب باتوں کو قابل ستائش سمجھتا ہوں میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے سیادت کو صرف لفاظی و شیریں زبانی پر نہیں چھوڑا بلکہ سچی اور اصل سیادت و خادم قوم بن کر حاصل کی ہے جس کی نسبت ہمارے حضرت روحی خدایہ کا ارشاد ہے "سید القوم خادمہم" میں اس کا بھی معترف ہوں کہ آپ کی سچی خدمتوں کی داد دینے میں میرے ناچیز الفاظ قاصر ہیں، بے شک آپ کا جوہر ذاتی اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ کوئی شخص اس کی تحسین و آفریں کرے، بلکہ وہ میری یا کسی کی تحسین و آفریں کا محتاج نہیں ہے، اور ان کے اظہار کے واسطے اپنا وقت ضائع کرنا اور آپ کو سبب خیراشی کی تکلیف دینا بے سود ہی نہیں، تحصیل حاصل ہے

اسی واسطے میں ان باتوں سے قطع نظر کر کے ان انوسنک باتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے مجھ کو بلا ساقہ معرفت خط لکھنے پر آمادہ کیا ہے اور جن کے اثر سے مجھ کو بعض باتوں میں ایسے بزرگ و تجربے کار شخص سے اختلاف رائے کرنے میں کچھ باک نہیں مگر وہ باتیں دنیاوی تدابیر سے متعلق نہیں ہیں، کیونکہ میں ان میں آپ کا ہم خیال ہوں بلکہ یہ کہنا بھی چھوٹا منہ بڑی بات ہو، ورنہ میں کیا اور میرا خیال کیا تجربہ کی حقیقت سے ان امور میں جس قدر آپ کو تفوق ہے، وہ پوشیدہ نہیں ہے۔

وہ باتیں جن سے مجھ کو اختلاف ہے مذہب و ملت کے متعلق ہیں جن میں آپ کو جادہ اعتدال سے ہٹا ہوا پاتا ہوں اور بے شک آپ ان باتوں میں غلطی ہیں۔ اگر میرا زعم و خیال ان باتوں میں آپ کا تخطیہ کرتا تو ممکن تھا کہ میں اپنی زعم و خیال کی تفسیل کرتا اور آپ کو برسر حق سمجھتا، مگر افسوس تو یہ ہے کہ حمید راہی سنت و جماعت کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب آپ کے خیالوں کی تفسیل کر رہے ہیں، پس میں کیونکہ آپ کی شخصی رائے کو ان امور میں ان کے سامنے کسی قدر وقعت کی نظر سے دیکھ سکوں، ان خصوصاً ان بزرگان قوم کے حضور میں جن کی عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کتاب و سنت کی خدمت میں گزر رہا ہے جنہوں نے اپنی اسائش سے بالکل دست بردار ہو کر نشر علوم ہی کو سرمایہ حیات سمجھا ہے، بہار زندگی کے وہ دن جن کو عموماً ہر شخص آرام طلبی میں بسر کرتا ہے، انہوں نے طلب علم کے مصائب اور درد و راز سفر کی تکلیفوں کے نذر کر دیے اور علم کو حاصل کیا، حاصل ہی نہیں بلکہ ہرج و مرج و تعدیل، تخریج و ترجیح، اصول و فروع کے قواعد ایسے منضبط کیے جن سے زیادہ منفتح ہونا محال عادی ہے اور مقتضائے عقل بھی یہی ہے کہ جن نے تمام عمر ایک کام میں صرف کی، اس کے اصول و فروع پر مباحث بھی کیا اور بجائے خود بھی رد و قبول کی نگاہ سے اس کو دیکھتا رہا تو وہ اس کام کے اکثر پوشیدہ رازوں اور باریک باتوں سے واقف ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ ایک جم غفیر نے اپنی زندگیوں کو اس کی نذر کر دیا ہو اور قرآن بعد قرآن ہر ہر بات پر

مباحثے کیے گئے ہوں، اس میں خطا کا گمان کرنا سوجھ بوجھ سے نہیں بلکہ ایک حد تک خود رائے ہو۔  
 مگر اس سے بھی قطع نظر کر کے ایک اور بات کہتا ہوں جس میں ہم اور آپ شریک  
 ہیں قرآن کتاب آسمانی منزل من اللہ و قطعاً البتہ ہے، اس میں ارشاد ہوتا ہے  
 فَانْزَلْنَاهُ فِي مَشْيِ خَزْنَةِ رَحْمَةِ رَبِّكَ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ اللہ کے سامنے  
 پیش کرنا یہی ہے کہ قرآن کو حاکم ٹھہرائیں اور رسول مقبول صلعم سے تصفیہ کی درخواست  
 کریں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت اختیار فرمایا ہے پس ضرور ہے  
 کہ سرور کائنات سے جو باتیں منقول ہیں ان ہی کو بجا لے آنحضرت کے مقتدا تسلیم  
 کریں تاہم اس قدر ضرورت باقی ہے کہ ان احادیث کے صحت و دقہم کے احتمال کو رفع  
 کریں، لیکن جس وقت محدثین نے رواۃ ثقات بحفظ قواعد جرح و تعدیل کے رواج  
 کر کے کتابیں مدون کیں اور متعلق علیہما بالقبول ہو گئیں تو وہی احادیث بلاشبہ رفع  
 نزاع و فیصلہ کے واسطے مستند ہیں پس ان مقدمات سے میں جہاں تک خیال کرتا  
 ہوں یہ دونوں حاکم عادل مقبول الفریقین ہیں اور یہ دونوں جو فیصلہ کریں وہی  
 ٹھیک ہے، اس میں مراعہ کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ اس قدر اس مقام میں خدشہ  
 ہو سکتا ہے کہ الفاظ و معانی میں گوشبہ نہیں ہے معانی کے تحقیق و تاویل میں  
 گفتگو ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ خدشہ بھی منج عنسکوت سے زیادہ وقعت  
 نہیں رکھتا، کیونکہ اس کے واسطے بہت کافی معیار ہمارے ہاتھ میں ہے، اگر تھوڑا بھی  
 آدمی غور کرے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ طرزا و اندازہ کلام کو وہی خوب سمجھ سکتا ہو جس  
 کے سامنے مشکل نے گفتگو کی ہے، دوسرا شخص جو اس موقع پر حاضر نہیں ہے۔ اس گفتگو  
 کا پورا حفظ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اکثر باتیں وقت و قرینہ و موقع و سیاق سے سمجھی جاتی  
 ہیں اور ان سب باتوں کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو اس کا اصل مخاطب ہے۔  
 اس مقدمہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صحابہ کرام سے بہتر آپ کی حدیثوں کا  
 مطلب کوئی نہیں سمجھ سکتا، پس ان سے اس امر میں تردد لینا ضروری ہی نہیں بلکہ  
 واجب ہے، ان کے سامنے ہماری رائے مستند نہیں ہو سکتی، اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہم

مطالب میں ہم اودھ دونوں برابر ہیں، حاشائیں حاشا ان کو جو باتیں حاصل تھیں ان کا عشر عشر بھی ہم کو حاصل نہیں ہاں اگر کسی بارے میں ان کا کوئی قول منقول نہیں ہے تو اس وقت ہم اس میں غور کر سکتے ہیں، لیکن یہ بات نہیں ہے کہ صرف شخصی رائے کی پابندی سے بلکہ بلحاظ قواعد فقہیہ کے جن کے واسطے علومِ الہیہ کی بہت ضرورت ہو،

اسی واسطے صرف 'نحو' معانی و بیان و بدیع و حفظ اشعار عرب و عربی لغت و ایام العرب و مصطلحات وغیرہ ذالک سے کسی طرح سبکدوشی حاصل نہیں ہو سکتی اور ان سب پر عقل سلیم اور ذوقِ صحیح کی اندر ضرورت ہے۔ پس جو شخص ان میں بخوبی ماہر ہو اور قوتِ مجتہدانہ رکھتا ہو وہ کچھ بحث و گفتیش کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو علوم مذکورہ سے ناواقف ہو وہ صرف عقل کی پابندی سے کچھ نہیں کر سکتا بلکہ ایسا خیال کرنا بوالہوسی و طبعِ خام ہے جو معانی صحابہ کرام و مجتہدانِ ملت سے منقول ہیں وہی مولیٰ بہ دہا و علیہ دین و ملت کے ہو سکتے ہیں، اس کی شہادت میں یہ حدیث بھی پیش کر سکتا ہوں: سَتَفْتَرُ أُمَّتِي ثَلَاثًا وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي الضَّلَالَةِ

اَلَا وَاحِدَةً قِيلَ مِنْ هُمْ قَالَ الَّذِي مَا أَنَا عَلَيْهِ وَاصْصَابِي  
اس سے صاف ظاہر ہے کہ طریقہ مرضیہ وہی طریقہ ہے جو صحابہ کرام کا ہے، پس کلام کو بغیر صارفِ قطعی کے مصروفِ عن المظاہر اور غیر محفل التبادل کو اَدُل .....  
کرنا جو اُت ہی نہیں بلکہ تو جیہ الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے، اگر کچھ شک ہو تو اس آیت کی تلاوت فرما لیجیے: هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ، فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ فَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْفِتْنَةَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُو الْأَلْبَابِ، رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً.



اس سے بھی قطع نظر کچھ تعمیری بات بھی ہدایت کے درجہ پہ ہے کہ انسان  
دینی الطبع ہے جس طور پر ہر شخص کی صورت و شکل متخالف ہیں اسی طور پر ہر ایک کا  
مزاج مختلف ہے، اور سب کی عقلیں یکساں نہیں ہیں کوئی بلید الفہم ہے اور کوئی  
ذکی الطبع، اور ان صفتوں میں بھی درجات تفاوت ہیں، بعضہما فوق بعض، اسکے  
ثبوت کے واسطے زیادہ غور کی ضرورت نہیں ہے، ہر شخص بے وقوفی اور ہوشمندی  
کے تاثر کو خوب سمجھتا ہے مثلاً آپ ہی ہیں کہ میرے زعم میں ہزار دو ہزار میں  
دقیق النظر و حدید البصر ہیں، ایسی حالت میں اگر احکام و شرع الہیہ میں غور و  
فکر جائز رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی رائے کے موافق رائے زنی کرے گا  
اور اس میں ہر رائے زن کی رائے صواب پر نہیں ہو سکتی، اسی واسطے جناب شاہ  
دلی انٹر صاحب کا یہ قول بہت صحیح ہے کہ آیات میں گفتگو کرنے کی اجازت  
بڑی خطرناک ہے، بہر حال قانون شریعت کی پابندی کے سوا کوئی راہ منزل  
مقصود تک نہیں پہنچا سکتی اور جو شخص اس کے سوا اور راہ موصول الی البستر  
سمجھے وہ آیات سے بالکل بیگانہ ہے۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعز ابی  
کیس ارہ کہ می روی بہ ترکستان است

یہ مقدمات جو میں نے ذکر کیے ہیں، وہ مقدمات ہیں جن کے تسلیم کرنے  
میں عقل کچھ پس پیش نہیں کرتی اور چونکہ فی ذمہ آپ بہت دانشمند ہیں اس  
واسطے ضرور ہے کہ آپ بھی ان کو تسلیم کریں گے گویا یہ مقدمات سلمۃ الفریقین  
ہیں، لہذا ان کو میں لطف قریحہ کی تحویل میں دیکر مقصود کی طرف رجوع کرتا  
ہوں کہ آپ نے اس وقت تک جتنی تاویلیں فرمائی ہیں وہ سب بمنزلہ وجہ الکلام  
بملا یرضی بہ قائلہ کے ہیں، خود ہی اگر آپ مقدمات مذکورہ کی مراعات  
ہے ان میں غور فرمائیے تو آپ ہی کی نگاہ میں ایچ دپوچ نظر آئیں گے، کسی قابل

کے سامنے ان کی اس سے زیادہ وقعت نہیں ہے جتنی اس جھوٹ کی ہے کہ جس کو شیریں  
بیانی اور لفاظی کا لباس پہنا دیا گیا ہے، مگر انجام کیا ہے وہی جو ظاہر ہے یعنی دروغ  
بے فروغ، الصّدق ینجی و الکذب یُهْلک۔ مخالف کو جواب دینا اور  
خدا اور رسول خدا کے دشمنوں کی زبان بند کرنا کتنا ہی مقصود ہو لیکن جب توجیہ الکلام  
بِمَا لَا یُرِضِیْہِ قَاسِلٌ ہے تو بالکل بے سود، نہ اس سے خدا خوش  
نہ رسول خدا راضی نہ جن پر سے وہ الزام اٹھائے گئے ہیں وہ شکر گزار۔

خدا را مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کیجئے، پورے دین لائینوں کی دھندلی  
اور کمٹی روشنی ایسے خطرناک راستے میں کام نہیں دے سکتی، آپ تو خاندانِ نبوت  
میں منسلک ہیں، اگر آپ اپنی طبیعت ایک لحظہ بھر کے واسطے ماؤمن کے خیال  
سے فارغ کر کے غور کیجئے گا تو آپ پر یقیناً حق بات پوشیدہ نہیں رہے گی،  
قاعدہ کی بات ہے کہ آدمی کو جو دھن بندھ جاتی ہے اسی کو حق سمجھنے لگتا ہے  
فلسفی کا یہ قول غلط نہیں ہے، اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو میں یہ کہہ سکتا  
ہوں کہ یہ فلاسفہ ہند کا قول ہے اور بہت صحیح ہے کہ ”انسان کو جس بات کی  
دھن بندھ جاتی ہے اس کی عکس تصویر اس کے خاندان خیال میں ایسی متشکل ہو  
جاتی ہے کہ وہ اسی کو نفس الامر سمجھنے لگتا ہے۔“ آپ خود جانتے ہیں مگر افسوس  
غفلت میں ہیں، زندگی کا مدار علیہ شاید آپ نے نہیں کی بے ہودہ سرائے کو  
سمجھ لیا ہے، مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے، یہی غفلت انجام کار انسان کو ہلاک  
کر دیتی جو یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں کاش آپ اپنے مذہبی عقاید کو صحیح کر کے کہتے تو دنیا  
میں اس سے زیادہ آپ کو نیکنائی حاصل ہوتی اور آخرت میں اپنے سلف صالحین کی مانند  
ہوتے مگر میں دوتا ہوں کہ اس بہت بڑی غلطی سے اپنے اخروی توقات کو خیر باد  
کہی اور دنیاوی زینب و زینت کو ذوقِ طریقی سمجھنے لگے جس کا انجام خدا نخواستہ  
وہی ہوتا ہے جو خدا نے کہا ہے قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا  
الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُخَيَّرُونَ أَنَّهُمْ يُخَيَّرُونَ ضَلُّعًا

فرمائیے تو سہی فوز و فلاح کی کیا امید ہے۔ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز پر عمل کرنا کیسی بری بات۔

روزے کے بارگاہِ حقیقت شود پذیر

شرمندہ وہ روزے کے عمل پر مجاز کر د

اس میں شک نہیں کہ کسب معاش اور خودداری کسی حد تک شرعاً محمود ہے، لیکن اس کو نہ بھولنا چاہیے کہ یہ سب وسائل ہیں اور مقصود خدا طلبی ہے۔ وسیلہ کو وسیلہ اور مقصود کو مقصود سمجھنا فرض و لازمہ انسانیت ہے، اگر کوئی شخص وسیلے کو مقصود پر ترجیح دے تو سب دہی کہیں گے جو ایک دیرینہ سال تجربہ کار فاضل و فارم کہہ گیا ہے۔

بنا شد دل اس فرومایہ شاد

کہ از بہر دنیا دہ دیں سب باد

دنیا اسی کا نام ہے کسب معاش کا نہیں، صحابہ کرام کو دیکھیے کہ کس قدر دوشمند تھے حضرت عثمانؓ نے اسی دولت مندی کی بدولت ”غنی“ کا لقب حاصل کیا اور حضرت زبیرؓ کا جب انتقال ہوا تو پانچ کروڑ دھنر ایک دولت چھوڑ گئے۔ (دیکھو صحیح بخاری) اسی کے قریب قریب حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے چھوڑا، مگر یہ اکابر صحابہؓ دنیا دار نہ تھے جن کی مذمت خدا نے جا بجا اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمائی ہے دنیا دار ہم ہیں جو دین کو انداز سمجھتے ہیں اور اسی کو قبلہ ہمت بنائے ہوئے ہیں۔

”وَمَنْ كَانَ يُرِيدْ خُرْتُ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ“

سید صاحب! خاکستر اگرچہ نسب عالی دارد کہ آتش جو ہر علولست مگر چوں در ذرات خود نہرے نہ دارد با خاک برابر است، ان باتوں کو سرسری نگاہ سے نہ دیکھیے، خوب غور کر کے دیکھیے پھر تنہائی میں دیکھیے اور دل کو تمام دوسووں سے خالی کر کے دیکھیے یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کو سن کر باخدا لوگوں کے بدن پر رنگے کھڑے ہوتا ہے اور دل کانپ اٹھتے ہیں، نوید اسلام

بڑی عزیزالوجہ چیز ہے اور یہ سب نعمائے دنیا دی چند روزہ ہیں۔ آپ دیکھیں قوم  
 میں تو اپنے خیالات کو درست کر کے قوم کے خیالات درست کیجئے۔ ہمارے حضرت  
 کی حدیث ہے (روحی فداہ) اَمَلْتُكُمْ رَاجٍ وَكَلَّمْتُكُمْ مُسْتَوِلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔

آپ کے تابعین اور تبع تابعین کا مواخذہ بھی آپ ہی سے ہوگا، میرا دل نہیں  
 چاہتا کہ ابھی قلم رکوں، مگر چونکہ زیادہ سمع خراشی کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ اس  
 وجہ سے اس پر کفایت کرتا ہوں آپ یہ خیال نہ فرمائیے گا ایک سن رسیدہ شخص  
 کو دوسرا حدیث اس نہ پھائی کہ رہا ہے، بلکہ خود ان باتوں کو نظر غور سے دیکھئے اور  
 خیال فرمائیے کہ آپ سن رسیدہ ہیں آپ کو ان باتوں کے سننے کی زیادہ ضرورت  
 ہے۔ اب زیادہ آخرت کی فکر کیجئے اور اعلان کے ساتھ اپنے خیالات سے رجوع  
 فرمائیے تاکہ گتہ گانِ دادی آخرت راہ پر آئیں، کیا خوب ہو کہ اس کے بعد میں  
 سنوں کہ ہمارا نیک نیت اور پاک نفس سید اپنے سلفِ اکرام کا ہم خیال ہو گیا  
 ہے اور اپنی قوم کے واسطے داعی الی اللہ کا کام کر رہا ہے، یہ آپ کا نیا ذمہ  
 آپ کے واسطے نہایت سچے دل سے دعا کرتا ہے اور ان لوگوں میں نہیں ہے  
 جو کافر و فاسق کہہ کر نرم دل کو بھی گرم کر دیتے ہیں۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ  
 قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔

میں ہوں آپ کا سچا خیر خواہ  
 سید عبدالحی رائے بریلوی  
 ۳۰ جنوری ۱۸۹۲ء

از کھوپال

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حیات عبدالحی

صفحات ۲۴۰ مجلد .... قیمت ... ۱۱ روپے

مکتبہ الفرقان سے طلب فرمائیے۔

# بِیْرَاطِ مُسْتَقِیْم

اَزْ حَضْرَتِ شَاہِ مُحَمَّدِ یَعْقُوبِ صَنَاعُودِ دِلّی

(اَحْسَنُی قِطْع)

اپنی اصلاح پر نظر اور دوسروں کے عیوب کے ملحوظ رکھنا  
ایک اور بات ضروری تحریر میں آنا مناسب اور اہم ترین ہے جو تمام باتوں کی جان ہے اور نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ اس تحریر میں آیا اور محاورت خداوندی سے آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ صرف اس لیے ہے کہ اپنی اصلاح اور اپنے عیوب کی تلاش اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی اس سے مقصود ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں کہ ان امور کے ذریعہ سے دوسروں کے عیوب تلاش کیے جائیں اور اگر کسی میں کوئی کوتاہی یا نقص پایا جائے تو اس کا ذکر دوسری جگہ کیا جائے یا اس کا عیب مجلسوں میں یا تنہائی میں کسی سے ظاہر کیا جائے یہ بدترین عیوب اور فیض ترین گناہوں میں سے ہے اور بلند لوگوں کو ہستی میں پہنچانے والی چیز ہے۔ اگر کسی میں کوئی کوتاہی یا نقص یا کوئی کمی معلوم ہو یا دکھائی



پایا جائے بہت ہی ظلمت کا باعث ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا مِن تَوْبَةٍ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا تُنْسَأُ لَهُمْ فِي الْأَرْحَامِ وَلَا يُسَاءَلُ عَنْ سِيَئَتِهِمْ فَعِلَتٍ وَلَا تَلْمِزُوا الْمُفْسِدِينَ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۚ بِئْسَ الْأَصْنَمُ الْفُسُوقُ  
بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّكُم يَتَّبِعُ الْكُفْرَ هُمْ الظَّالِمُونَ ۚ (سجرات رکوع ۷) (ترجمہ: اے ایمان والو! نہ مذاق اڑاتے تم میں سے کوئی قوم کسی دوسری قوم کا شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں (مذاق اڑائیں) دوسری عورتوں کا شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عیب لگادو آپس میں اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گنہگار کا نام بھی برا ہے اور جو توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔

تعلیف اور خصوصیت اسی حد تک ہو کہ دوسرے طریقوں کی اور ملت اور جماعت کی اہانت نہ کی جائے اس میں اکثر قدم تجاوز کر جاتے ہیں۔ ایک جماعت والے دوسری جماعت سے مخالفت اختیار کیے ہوئے ہیں اور ایک پیر کے مرید دوسرے پیر سے بیگانہ ہیں اور ایک خاندان والوں کی دوسرے خاندان والوں سے مخالفت ہے۔ یہ تعلیم قرآن پاک اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل خلاف ہے۔ اخوت اسلامی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس دن لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس دن صرغ تقویٰ کی دستی باقی رہے گی۔ اَلْاٰخِرَ لَآءُكُمْ مَّيْذِنٌ ۚ لَّكُفُّهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۚ (ذخرف رکوع ۶) (ترجمہ: درست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے اہل تقویٰ کے)

بہتر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کمی کو توفیق ہم سب کو عطا فرمائے کہ اگر کوئی شخص ہمارا برائی سے ذکر کرتا ہو خواہ سامنے ہو یا پیچھے تو ہم اس کا ذکر برائی سے ہرگز نہ کریں بلکہ اس بات پر غور کریں کہ اگر ہم میں وہ برائی موجود ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ برائی ہم سے دور ہو جائے اور اگر اس نے غلط کہا ہے تو اللہ کا شکر بخالائیں کہ فضل ایزدی نے ہم کو اس برائی سے پاک رکھا ہے۔

نیک باشی و بدت گویند خلق بہ کہ بد باشی و نیکت گویند

ترجمہ: اگر تو نیک ہے اور مخلوق تجھ کو برا کہتی ہے تو خیر! یہ بہتر ہے اس بات سے کہ تو برا ہو

اور لوگ تجھ کو اچھا کہیں۔

انھیں باتوں سے انشاء اللہ تزکیہ باطن حاصل ہو کر فیضانِ برکات قرآن پاک سے مستفیض ہونے کا موقع اور توفیق حاصل ہوگی۔ یہ بیان کردہ تمام امور متقدمین حضرات کی خوشہ چینی ہے، جن کو ان حضرات نے بہت اچھی

طرح واضح فرمایا ہے۔ یہاں صرف اعادہ کیا جا رہا ہے اور غفلت اور سہو کو دور کیا جا رہا ہے تاکہ کبھو کبھو باتیں یاد آجائیں۔ اس پر جو آیات شریفہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نوید ہوتی ہوں وہ تلاش کر لی جائیں۔ طوالت تحریر کی وجہ سے ان سب کو لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ جو وہ زمانہ میں جو بات بھی کوئی کہے گا ساقین ہی کی خوشہ چینی سے کہے گا۔ اس سے باہر نہیں جاسکتا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ممتاز مخلص مرید مجھے بزرگوں کی صحبت سے | ارشاد فرمانے لگے کہ جب سے حضرت صاحب قدس سرہ کی خدمت خوش نظری پیدا ہوتی ہے | میں حاضر ہوا ہوں اس وقت مجھے جس کے پاس جاتا ہوں میری نظر میں کوئی بڑا ہی نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بہت بڑی کوتاہی اور قباحت اور بہت بڑا تقسم آپ میں پیدا ہو گیا۔ اس کو بہت جلد دور فرمائیے۔ بزرگوں کی صحبت سے تو نظر ایسی وسیع ہو جاتی ہے کہ برے لوگوں کے اندر بھی بھلائیاں نظر آنے لگتی ہیں اور ناقص اور کوتاہ لوگوں میں سے بھی کوئی نہ کوئی خوبی اخذ کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے بزرگوں کی صحبت کا تو یہی اثر ہوتا ہے کہ

برگ درختان سبز در نظر ہو شیار ہر درخت دفتر نیست معرفت کردگار

ترجمہ :- ہر شیار آدمی کی نظر میں درختوں کے برے پتوں میں ہر ایک پتا خدا کی معرفت کا۔

دفتر ہے۔ اللہ کے مقبولوں کو جھاڑوں جڑی بوٹیوں اور جانوروں سے بھی معرفت حاصل ہوتی ہے

اور آپ کی نظر اتنی کوتاہ ہو گئی کہ نظر میں کوئی سچا ہی نہیں "اصلاح کی سنت ضرورت ہے۔ آپ اپنی اس نظر کو بدل دیجئے اور یہ یاد رکھیے کہ اچھے اور برے کے معلوم ہونے کا تودہ موت ہے جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے اَفَلَا يَعْلَمُونَ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُورِ وَ حُصِّلَ مَا فِی الْقُدُورِ (حدیث) ترجمہ کیا انسان نہیں جانتا کہ جب وہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور وہ چیز حاصل کی جائے گی جو سینوں میں ہے۔ اور

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ اِذْ اِنتِ الدُّنْيَا بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (شعراء رکوع ۵) وہ قیامت کا دن ایسا ہوگا جبکہ مال اور اولاد کچھ کام نہ دے گی ہاں مگر جو شخص خدا کے پاس قلب سلیم لائے گا وہ کامیاب ہوگا۔ ایک شخص نہایت سہی بری حالت میں دکھائی دیتا ہے اور مرنے سے کچھ پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ

اس کا حال بدل دیتے ہیں اور وہ اچھوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک شخص اچھا دکھائی دیتا ہے مگر آخرت میں العیاذ باللہ وہ اچھائی اس کو کام نہیں دیتی۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِاَلْخَوَاتِيمِ



ترجمہ بحال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔ اس لیے بُرے کا اطلاق کسی پر نہ کرنا چاہیے اور بری نظر سے نہ دیکھنا چاہیے۔ ..... اور اس کے عیب کو دماغ میں بھی جگہ نہ دینی چاہیے یہ بہتری اور ترقی کی چیز ہے۔ یہ بات مشکل نہیں اس پر عمل آسان ہے۔ حسن ظن ترقی کا زینہ ہے۔ جب سے انسان اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اسی وقت سے اس کی خوبیاں اور برکتیں محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ تمام عبادتوں کی یہ جان ہے اس لیے کہ کپڑا اگر دھویا جائے تو ہر رنگ اس پر اچھی طرح سے چڑھ سکتا ہے۔ بُرے خیالات سے اپنے دماغ کو محفوظ رکھ لینا کپڑے کا دھونا ہے۔ اب اس پر ہر عبادت کا رنگ اور اثر اچھی طرح قائم ہونے کا امکان ہے یہ معمولی باتیں ہر مسلمان کی جانی اور بھی ہو چکا ہیں۔ اب ان کے ذکر اور چرچ کم ہونے سے ظلمات نے بڑھ کر عبادتوں کے اثرات کو کم کر دیا ہے۔ بہت مقدس اور بلند لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ فلاں شخص فلاں حالت میں گرفتار ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ ان کو سب کچھ معلوم ہے مگر وہی قوت وافعہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ضعیف ہے اس لیے قبائح کے دودھ کرنے سے مجبور ہو گئے ہیں اگر غور و فکر کریں تو اس کا دفع کرنا بہت آسان ہے۔ گو یہ بات بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہے مگر خوبی اس کی بہت بڑی ہے۔

اب اس کے بعد شیخ سالک راہ کو جو کچھ تعلیم فرمائیں گے اس پر عمل دنیا میں آخرت کا مشاہدہ کرنا آسان ہو گا اور اس کے برکات انتشار و اشرا اچھی طرح سے ظاہر ہوں گے اور قرآن پاک میں بھی انہماک پیدا ہو کر یقین کا زریعہ روزانہ بڑھتا جائے گا اِنَّ الْمُسْلِمِينَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذْ تُلْقٰی عَلَيْهِمْ اٰیٰتُهُ ذَاوَقْتَهُمْ اِيْحٰنًا وَّ اَعْلٰی دَبِّهُمْ يَبْتَغُوْنَ (انفال، رکوع ۱) ترجمہ بے شک ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب خدا کا ذکر ان کے سامنے ہوتا ہے تو دل دہل جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ایمان میں ہر روز ترقی ہے آج کے ایمان سے کل کا ایمان بلند ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا اور دنیا کے اسباب اور دنیا پر حقیر اور کمزور بنے ثبات معلوم ہونے لگتے ہیں اور آخری درجہ اور منازل کا مشاہدہ عملی شروع ہو جاتا ہے اور دنیا کی ہر چیز میں آخرت نظر آنا شروع ہو جاتی ہے اور بھروسہ اکثر پر کامل ہو جاتا ہے۔ دنیا سے اطمینان اور اشتیاق میں اُٹھنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔

بزرگان دین متقدمین نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ سینہ کی اسی صفائی کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لیے ہے پھر اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ خواہشات نفسی کو پاؤ گئے میں ہم جن طرح کر لیں رہتے ہیں اسی طرح ان فرائض کے ادا کرنے میں کر لیں جو جانتے ہیں جن کو تکلیفات شرعیہ کہا جاتا ہے۔ اب اس کے بعد جو بھی طریقہ اللہ تبارک و تعالیٰ نصیب فرمائیں شیخ کامل دیکھل کی رہبری سے وہ مفید اور کامدائیم ثابت ہوتا ہے۔

**موجود اور معدوم** یہ بات بھی خوب یاد رکھنا چاہیے کہ صحبت کے اثرات ضرور ہوتے ہیں انصافاً بحث تاقوت و کواکب بالساعات کسی بھی قسم کے بیجا یا زبردستی یا گیموں کو چھلنے کے بجائے تھوڑی دیر رکھ دو پھر دنیا کے بٹے سے ٹپے غلیظ کو بتاؤ وہ ان گیموں اور اندوں میں جو چو لھئے پیچھے رہ گئے اور ان میں جو چو لھئے پیچھے نہیں رہ گئے بظاہر کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتا لیکن چو لھئے کے پیچھے تھوڑی دیر رکھے ہوئے گیموں اور اندوں میں سے بچے نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ کوئی جو ہر طبیعت ہے جو نظر نہیں آتا اور وہ آگ کی معمولی سی صحبت سے ذرا اُل ہو جاتا ہے۔ اسی کو روح کہتے ہیں۔ اللہ کے اس فرمان سے تصدیق ہو کر یہ معلوم ہو گیا کہ ایک شے جو بظاہر موجود ہے حقیقت میں معدوم ہے۔ ایک ہی وقت میں دونوں حالتیں ثابت ہیں موجود اور معدوم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **هُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أَلَيْسَ لَكَ الْإِنْفَامُ بَلْ هُمْ أَصْلٌ لِّبَدَنِكَ هُمْ الْخَافِلُونَ** (اعراف ۲۲) ترجمہ ان کے دلوں تو ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور کان بھی ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں وہ چو پاؤں کی طرح ہیں مگر ان سے بھی زیادہ گمراہ درحقیقت وہی غافل ہیں۔ اسی طرح انسان کا بھی یہ حال ہونا اس سے ثابت ہو گیا کہ اچھی صحبت کا اچھا اثر اور بری صحبت کا برا اثر اس پر لازمی امر ہے۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں ہر دن میں ستر بار استغفار پڑھتا ہوں۔ جب تم لوگوں کی کثافت مجھ سے دور ہوتی ہے۔ جب اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر پڑتا تھا تو دوسروں پر اثر پڑنا لازمی ہوا۔

دربار کے کارخانہ میں بدلو کا اثر اور عطر کے کارخانہ میں خوشبو کا اثر محسوس ہونا لازمی امر ہے ہمارے احباب اگر اس کو مد نظر رکھیں گے تو اس بات سے بہت سے فائدے حاصل ہونے کی

امید ہے ساختگی بے خودی میں بہت کچھ لکھ دیا جو ارادہ نہ تھا مگر تقاضا طبعیت یہ ہو رہا ہے کہ کچھ اور بھی مختصر طریقہ پر ادا کر دے کہ ہماری بہت بڑی بڑی ہمتیاں جو قرآن پاک کی دن رات تلاوت فرماتی ہیں اور وہ حضرات احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم رات دن پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں ان کی زبان مبارک سے ایسے کلمات سننے جن کی صاف اور صریح مخالفت قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے موجود ہے۔ اس سے یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں ہم اور ہمارے احباب بھی خدا نخواستہ غافل ہو کر اپنے اعمال برباد نہ کر لیں۔ ان حضرات کی تو اتنی نیکیاں ہوں گی انشاء اللہ کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اور شاید ان کو یہ درجہ حاصل ہو فَاَلَمْ يَكُنْ لِلَّهِ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ مَّگرم ظلیل البصاغت اسرمایہ عمل سے خالی ہیں اگر ایسے کلمات اور ایسے خیالات رکھیں گے تو بہت نقصان کا باعث ہو گا۔ اس لیے ان امور پر توجہ ڈالنا اور ادھر خیال کرنا اہم ضروریات میں سے ہے۔ لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْكَافِرَ الْجَاهِلَ بِالْسُّوْمِ مِنَ الْقَوْلِ (الْأَمْنُ طَبْعِيًّا) (ماخذ لا کرک ۲۱) ترجمہ: بے ایمان بات کو زور سے کہنا اللہ پسند نہیں کرتا مگر اس شخص کے لیے جو غلط ہے۔

یہ آیت مبارکہ میں منع کر رہی ہے اور رد کر رہی ہے کسی کی برائی ظاہر کرنے سے، موائے مظلومیت کی حالت کے، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے عیوب اور لغزشیں ہم محفلوں میں بیان کریں اور تحریروں میں لا کر اپنے اعمال اور برکات کو ضائع کر دیں۔ مثالاً تو خود غور فرمائیں۔ اور پھر یہ کردہ ارشاد باری تعالیٰ کو رد لکھا ہے کہ  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا تُنَبِّئُوهُمْ بِهِمْ وَلَا تَكُونُوا مِثْلَهُمْ  
 عَسَىٰ أَن يَكُونَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا تَكُونُوا مِثْلَهُمْ وَلَا تَنَابَرُوا بِاللِّقَابِ وَلَا تُسَمُّوا بِالْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ لَمَّا كُنْتُمْ نَالِكُوهُمْ الظَّالِمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا  
 أَكْثَرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ أَثْمٌ وَلَا تَحْسَبُوا  
 أَحَدَكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مِمَّا فُتِنَ بِهِ وَلَا تَقُولُوا اللَّهُ إِنَّا نَأْتِيكُمْ بِتَحِيمٍ وَأَجْرٌ

رکھو (۲) ترجمہ :- اے ایمان والو نہ مذاق اڑاؤ تم میں سے کوئی قوم کسی دوسری قوم کا شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں مذاق اڑائیں دوسری عورتوں کا شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ تعجب لگاؤ کہ آپس میں اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکاردو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام کبھی بُرا ہے اور جو تو بہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ اے ایمان والو کچھ ہفت سے گمانوں سے کہیں کہ بعض گناہ گناہ ہوتے ہیں اور تجسّس مت کیا کہہ۔ اور نہ آپس میں ایک دوسرے کی غیبت کیا

کر دیا اس بات کو تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے اس کو تو تم انکار سمجھتے ہو پس دُور اترے بے شک اشر توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اگر کسی سے کوئی لغزش قول، فعل یا تحریر میں ہوئی ہے تو اس کو دیں رفع دفع کر دینا چاہیے اور اگر ہو سکے تو باحسن وجہ اس کو آگاہ کر دیں ورنہ سکوت اختیار کرنا بہتر ہے۔ دل اور دماغ میں اس کو جگہ نہ دینا چاہیے اور دعا کرنا چاہیے کہ اشر تعالیٰ ان سے برائی کو دور فرمائے۔ اخوت اسلامی کا ورثہ کسی بھی حالت میں اور کسی بھی نوع پر ہاتھ سے جانے نہ دو۔ (اَشْرًا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَاصْلَحُوا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاللّٰهُ اَللّٰهُ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُوْنَ) (حجرات ۱۰) ترجمہ:۔ بے شک مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کیا کرو اور اشر سے دُور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ہر کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھنا چاہیے اور اس کی برائی کو اپنی برائی خیال کرنا چاہیے۔ چھین کی تلاش اور تجسس کرنا تو بہت ہی زیادہ بُری بات ہے۔ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَئِذَا جَعَلْتُمْ كَعْظِمًا يُرْجَىٰ ۚ اَنتُمْ اَحَدٌ كُمُ الْاٰنَ تَاْكُلُ كَعْمًا اَخِيْرَ مَيْتًا فَتَكْفِرْهُمْ كُؤُۤا (حجرات ۱۲) ترجمہ:۔ اور تجسس نہ کرو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو کیا اس بات کو تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس کو تم انکار سمجھتے ہو۔

یہ بہت بُری بات ہے اور اس سے ہمارے ظاہر و باطن کو نقصان پہنچے گا۔

اگر کسی مسئلہ میں اختلاف پڑے اور ایک جانب سراسر غلطی ہو تو اس کو ایسے بہتر طریقہ پر ظاہر کریں کہ مخاطب کی اس سے دل آزاری نہ ہو بلکہ اصلاح ہو اور مناسب الفاظ میں تردید ہو سکتی ہے مثلاً یہیں تحریر میں آ سکتا ہے کہ ہماری کوتاہ معلومات اور ناقص علم کی رسائی اس مسئلہ کو اس طریقہ پر سمجھی ہے اگر اس تحریر میں کوئی سقم ہو تو مخاطبین دور کریں ایسا نہ ہو کہ بہت جلد کفر کے فتے ہونے لگیں اور الزامات بے جا مقابلہ میں لاکر منافرت جانین کا سبب بن جائے۔ ہر طریقہ پر باہمی الفت کو مستحکم بنانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ رَافِقًا سے پکڑ لو اور پراگندہ نہ ہو۔ اس فرمان خداوندی پر ہم کو ہر وقت اور ہر عمل میں پابند رہنا ضروری ہے۔ ان امور سے انشاء اللہ ظاہر کی دوستی کے علاوہ باطن کی بھی اصلاح ہوگی۔

بذل نفس اور بذل نفیس | پھر اس ارشاد مبارک پر عمل کرنا بھی موجب فوائد کثیرہ اور ترقی درجہ

کا سبب ہوگا کہ کُنْ تَنَاوُ الْبِرَّ حَتَّى تَتَفَقَّهُوا بِمَا تَحِبُّونَ ترجمہ: تم اُس وقت تک ہرگز بھلائی پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اب اس پر غور فرمائیے کہ کیا کیا چیزیں ہم کو مرغوب اور محبوب ہیں جس طرح مال و اسباب نقد و جنس وغیرہ ہم کو مرغوب و محبوب ہیں۔ اسی طرح جو انی تشدد بخشی اور اعضائے ظاہری و باطنی ہم کو بہت زیادہ عزیز اور مرغوب ہیں۔

انہیں خزانے کے پاس قرب اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اللہ کی رضا و رغبت میں مصروف کرنے کی امر کافی کوشش کی جائے۔ اپنے وابستہ اور گھروالوں کو بھی اس طرف ترغیب و تحریص دلانا لازم ہے کہ شعور اور تیز پیدا ہوتے ہی تمہاری یہ کوشش ہونا چاہیے کہ تم اپنے اعضائے ظاہری اور باطنی کو اللہ کی رضا اور رغبت میں مصروف کر کے اپنی بہبودی و نجات اور دنیاوی و دینی مقصد حاصل کرو کہ تاکہ درجات حاصل ہوں جس کے لیے اللہ نے تمہاری تخلیق فرمائی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں۔ اوائل عمری اور ابتدائے شعور میں جو چیزیں ذہن نشین ہو جاتی ہیں اور جن چیزوں کا عادی اور عائل ہو جاتا ہے۔ آئندہ انہیں سے ثمرات اور برکات حاصل ہونا ممکن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خواہش فحاشی اور حصول فانی میں یہ دولت لازم والی صرف ہو کہ آئندہ خسارہ اور نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں تدریج میں جا کر بڑے بڑے نقصان اور خسارہ کا باعث بن جاتی ہیں۔ اذہان خیالات اور جذبات کو جس طرف لے جائیں یا وہ خود جس طرف راہ لے لیں وہ اسی رنگ اور اسی کیفیت میں متکلیف ہو جاتے ہیں جس طرف ان کو راستہ ملتا ہے۔ پھر ان راہوں سے وہ کتنا یا ان کیفیتوں سے تبدیل کرنا دشوار ہوتا ہے جس کے یہ خوگر ہو چکے ہیں۔ وَهَدَيْنَاكَ الْبُرْجَانِیْنِ لَعَلَّکُمْ تَعْلَمُونَ انسان کے لیے دونوں راہوں کو واضح کر دیا ہے پس مناسب یہ ہے کہ اول ہی سے ان کو صحیح اور درست راہوں پر چلایا جائے اور نامناسب اور نقصان دہ راستوں سے بچایا جائے تو ان کی حفاظت کرنا آسان ہے۔ اس لیے بہترین شکل یہی ہے کہ قرآن پاک کے نصائح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور ارشادات غور و فکر سے دیکھ کر ان کو اپنا لائحہ عمل بنایا جائے اور جو قسم اور کوتاہی تلاش و تجسس سے ملتی جائے اس کو رفتہ رفتہ دور کرنے کی فکر کی جائے تاکہ فلاح اور بہبودی کی راہیں آسانی سے کھل جائیں۔

یہ مختصر تحریر (جس کو مفید سمجھا گیا) لکھ دی اور باقی تمام باتیں صحبت پر موقوف ہیں جن کا تحریر (باقی صفحہ پر)



معلوم ہوتی ہیں اور یہ اس لحاظ سے بھی ضروری ہیں کہ جو طلبہ آنے والے ہیں وہ بھی ڈیڑھ مہینے تک مدرسہ کی اس تعلیمی فضا سے دور رہیں گے اس لیے ان کے کانوں میں ان باتوں کا ڈال دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے وطن اور گھر پہنچ کر وہاں کے ماحول اور وہاں کی عوامی زندگی میں بالکل کھو نہ جائیں بلکہ وہ اپنی مدرسہ کی زندگی کی خوبیوں اور اس کے اثرات کا کچھ نہ کچھ مظاہرہ کر سکیں۔ پرانے طلبہ کے لیے ان میں شاید کوئی نئی بات نہ ہو مگر ان باتوں کی حقیقت گھر کے اس بڑے بوڑھے کی نصیحت کی ہے جو اپنے بچوں یا پھوپھوں کو کسی سفر پر روانہ کرتے وقت کرتا ہے اس میں بعض ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو غایت احتیاط ہیں وہ کہتا ہے \_\_\_\_\_ خواہ وہ پیش آئیں یا نہ آئیں یا ان باتوں کی احتیاط عموماً ہر آدمی کرتا ہی ہو مگر اس کی محبت اور عشق کا تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کو ان کے گوش گزار کر دے انھیں بار بار کہنے سے بھی دریغ نہ کرے!

عزیز طلبہ! سب سے پہلے تو مجھے آپ سے معذرت کرنی بلکہ معافی مانگنی ہے کہ اگر دس ماہ کے درمیان آپ کو ہمارے کسی طرز عمل سے تکلیف پہنچی ہو یا آپ کی کسی غلطی یا کوتاہی پر ضرورت سے زائد تنبیہ و سزا کر دی گئی ہو یا ہم سے کسی اور طرح کی زیادتی ہو گئی ہو تو آپ خلوص دل سے معاف کر دیں، اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ ہم نے اپنی حد تک آپ کی تعلیم و تربیت کا اور آپ کے قیام و طعام کا بہتر سے بہتر انتظام کرنے کی کوشش کی مگر اس کے باوجود ہم کو احساس ہے کہ تعلیم و تربیت میں نہ سہی مگر بے سروسامانی کی وجہ سے آپ کو کھانے پینے اور رہنے سہنے کی کچھ تکلیف ضرور ہوئی ہوگی اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس تکلیف کو اپنے گھر کی ایک بلند مقصد کے راہ کی تکلیف تصور کریں گے۔ گھر میں تمام آرائشیں اور راحتوں کے باوجود با اوقات آدمی کو کبھی نہ کبھی تکلیف بھی ہو جاتی ہے لیکن اس کا اثر دیر پا نہیں ہوتا اور اسے آدمی بھول جاتا ہے اسی طرح جو قافہ کسی منزل کی طرف گامزن ہوتا ہے وہ راستہ کی پریشانیوں کو خاطر میں نہیں لاتا اور ہمیشہ یاد نہیں رکھتا۔ آپ بھی اس مدرسہ کی تکلیف کو گھر کی اور مقصد کے راہ کی عارضی تکلیف سمجھ کر بھول جائیں اور اس کو یاد نہ رکھیں، گھر اور مقصد کے راہ کی کوئی تکلیف اگر یاد بھی رہتی ہے تو اس کا ذکر وہ دوسروں سے برے

انداز میں نہیں بلکہ ایک خاص فرد ترغیب کے انداز میں کرتا ہے۔۔۔ میں اس وقت اسلام کے واقعات نقل کر کے آپ کا بہت سا وقت لینا نہیں چاہتا اس لیے کہ اس سے آپ خود بھی کچھ نہ کچھ واقف ہیں۔

عزیز! آج آپ لوگ ہم سے ڈیڑھ ماہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں اور ممکن ہے کچھ لوگ ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہوں میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ آپ کی یہ جدائی ہمارے لیے بڑی آزمائش ہے اور ہمارا دل اس پر بہت مضطرب ہے۔ آزمائش اس لیے ہے کہ ہماری آنکھیں دس مہینے سے یوں کہیں کہ کئی برس سے چوبیس گھنٹہ آپ کو دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں، دماغ آپ ہی کی فلاح و بہبود کی فکر میں لگا رہتا تھا اور ہمارے جسم کی ہر حرکت آپ کے آرام و آسائش کے لیے وقف تھی۔ آپ ہمارے قلب و روح کا سکون اور آنکھوں کا نور بن گئے تھے۔ اب یکایک یہ سب بے بسی بستی کچھ دنوں کے لیے اُجڑ جائے گی اور آنکھیں آپ کو ایک مدت تک نہ دیکھ سکیں گی۔ زبان پر آپ میں سے کتنوں کے نام آئیں گے لیکن آپ کو نہ پا کر زبان ہی تک آکر رہ جائیں گے۔

عزیز! کاش تم بھی ہمارے دل و دماغ کی اس کیفیت کو محسوس کرتے اور اپنے دل و دماغ میں اس اضطراب کی کچھ چھین اور کسک لے کر وطن جاتے اور جب تک رہتے اس کو محسوس کرتے رہتے تو ہمارے قلب کو اس سے سکون ملتا۔

پیارے طلبہ! تمہارا سالانہ امتحان ختم ہو گیا اور جلد ہی اس کے نتائج تمہارے سامنے آجائیں گے جن لوگوں نے دس ماہ کی اس مدت کو جتنی ذمہ داری کے ساتھ گزارا ہوگا انہیں دیسے ہی نتیجہ کی اُمید رکھنی چاہیے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ کوئی طالب علم نو ماہ غافل رہا ہو اور اپنی ذہانت و طباعی سے اور امتحان میں کامیابی کے خاص گمراہ معلوم کر کے ایک ہی ماہ کی محنت اور مطالعہ سے زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل کر لے اور امتحان میں کامیاب ہو جائے مگر صرف اچھے نمبر حاصل کر لینا تعلیم کا کوئی حاصل نہیں ہے۔ اصل حاصل تو وہ ہے جن کا نتیجہ آئندہ زندگی میں برآمد ہو۔ ہمیشہ وہی طلبہ اپنی آئندہ زندگی میں کامیاب ہوئے ہیں جو محنت و حقوق لگن اور ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی میں مستقل طور سے لگے رہتے ہیں۔ ذہانت اور وقتی تیاری عارضی طور پر کتنی ہی نتیجہ خیز ہو سکتی ہے آپ کو یاد



رکھنا چاہیے کہ وہ محنت اور شوق کا بدلہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مولانا شبلی کے چاشن اور لائق شاگرد علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ناظم دارالمنصفین کا نام نامی آپ نے اردو کتابوں کے مطالعہ کے سلسلہ میں ضرور پڑھا اور سنا ہوگا۔ وہ اپنی اسی محنت، لگن، اور شوق کی بدولت اس مرتبہ تک پہنچے تھے اور دنیا میں اپنا نام کر گئے اور ان کے بہت سے ذہین ساتھی محنت و شوق کی کمی کی وجہ سے ان سے پیچھے رہ گئے۔

عزیز! آپ نے اس وقت جو امتحان دیا ہے وہ درحقیقت اپنے علم یعنی اپنی دوری کتابوں کا دیا ہے اور اسی کے نتائج آپ کے سامنے آئیں گے مگر آپ کو یہاں نصیاتی کتابوں کی تعلیم و تدریس کے ساتھ کچھ اعمال اور اخلاق بھی سکھائے گئے اور تعلیم کے ساتھ آپ کی ذہنی اور اخلاقی تربیت بھی کی گئی ہے اور اس کا امتحان ابھی نہیں ہو سکا ہے۔ اس کے اصل امتحان کا وقت تو قبر میں اور قبر سے اٹھنے کے بعد میدان حشر میں ہوگا جیسا آپ کا نامہ اعمال ہوگا دیا اس کا نتیجہ آپ کے سامنے آئے گا مگر عارضی طور پر اس کا امتحان اسی ماحول میں بھی ہوگا جہاں آپ مجاہدین اخلاق کی اس تربیت گاہ کو بھونک رہے ہیں۔ جب آپ گھر اور وطن کے ماحول میں جائیں گے اور گھر کی زندگی میں داخل ہوں گے تو آپ کی بستی یا محلہ میں آپ کی تعلیم کا جائزہ لینے والے شاید ایک ہی دو آدمی ملیں گے لیکن آپ کے عمل کا، آپ کے اخلاق کا، آپ کے ادب و تہذیب اور آپ کے کردار کا اور آپ کی پوری عملی زندگی کا جائزہ نہ صرف آپ کے والدین، آپ کے بھائی بہن لیں گے بلکہ اس کا جائزہ آپ کے اعزہ و اقربا، آپ کے دوست و احباب اور خاندان کے علاوہ بستی کا ہر خرد و کلان لے گا، جس سے آپ ملیں گے اور تعلقات رکھیں گے وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ آپ نے خود صرف فقہ و حدیث اور ادب و افتاء میں کتنا درک پیدا کیا بلکہ ان کی نگاہیں تو آپ کی رفتار، گفتار، نشست و برخاست پر رہیں گی، وہ دیکھیں گے کہ آپ بڑوں سے کس طرح ملتے ہیں، چھوٹوں سے کس طرح پیش آتے ہیں، پاس پڑوس کے لوگوں سے آپ کا سلوک کیسا ہے۔ شادی و غم کے موقع پر آپ کا طرز عمل کیا ہے ان معاشرتی حدود سے بڑھ کر آپ کو وہ مسجدوں میں پنجوقتہ نمازوں کی صفوں میں وعظ و ارشاد کی مجلسوں میں تلاش کریں گے، غرض اپنے گھر اور اپنی بستی کے اس ماحول میں ڈیڑھ مہینے کی

دلت میں ہر ہر قدم پر آپ کو اپنے دین و اخلاق اور ادب و تہذیب کا امتحان دینا ہوگا، اگر آپ خدا نخواستہ اس امتحان میں ناکام ہو گئے تو پھر مدرسہ کی دستِ مہر تعلیم کے امتحان میں آپ کی سو فیصدی کامیابی بھی آپ کے خُش خوی کی ضامن نہیں ہو سکتی، پھر اس پر یکھٹل امتحان .... میں لوگ نہ صرف آپ کو جانچیں گے اور پھر پڑھیں گے بلکہ وہ ہمارا اور آپ کی اس مادر علمی کا بھی جائزہ لیں گے جس کے آغوشِ شفقت میں رہ کر آپ نے اپنی زندگی کے نثر ماہ یا کئی سال گزارے ہیں، اگر آپ نے اس پر یکھٹل امتحان میں کامیابی حاصل کر لی تو آپ کے طفیل میں ہم بھی ان تمام لوگوں کی نگاہوں میں کامیاب سمجھے جائیں گے اور اگر خدا نخواستہ آپ کامیاب نہ ہوئے اور لوگوں نے آپ میں وہ اچھے اعمال و اخلاق نہیں دیکھے جو دینی مدارس کے طلبہ میں ہونے چاہئیں تو وہ ہمارے اور آپ کی اس درس گاہ کے متعلق بھی اچھی رائے قائم نہیں کریں گے جس کے آغوش میں آپ اتنی مدت تک رہے یعنی آپ کے ساتھ مدرسہ کی تعلیم و تربیت پر بھی پانی پھر جائے گا، اگر ایسا ہوا تو آپ سوچیں کہ ہمارے لیے اور اس مدرسہ کے لیے جس کو ہم اتنی مشقتوں، محنتوں، بے انفعالیوں کے ساتھ چلا رہے ہیں کتنا بڑا المیہ ہوگا اور وہ اس کے بارے میں کیسی کیسی برگانیوں میں مبتلا ہوں گے بلکہ ممکن ہے کہ تمام دینی مدارس کی طرف سے وہ بدگمان ہو جائیں، سوچیے کہ اس لحاظ سے اپنے سر آپ کتنی بڑی ذمہ داری لے کر جا رہے ہیں۔

عزیزو! یہاں ہم نے جو آپ کو زیادہ ٹیپ ٹاپ کی زندگی گزارنے اور وضع قطع میں زیادہ تراش و تراش پیدا کرنے سے بار بار منع کیا ہے تو اس کا سبب صرف یہی نہیں ہے کہ کسی بڑے مقصد کے حصول کی راہ میں یہ چیزیں روڑہ ہوتی ہیں بلکہ اس کا ایک معاشرتی پہلو بھی ہے جو عربی مدارس میں زیادہ تر غریب طبقہ کے بچے آتے ہیں اور اہل ثروت کے جو بچے آتے ہیں وہ ان کے جذبہ دینی کی بنا پر آتے ہیں تو ان دونوں طبقوں کے نقطہ نظر سے زندگی میں زیادہ ٹیپ ٹاپ اور تراش و تراش مناسب نہ ہوگی بلکہ اس کو اختیار کر کے غریب طبقہ کے بچے اپنے ماحولی اور گھر میں جا کر اجنبی بن جاتے ہیں اور ان کی فطری سادگی مخرج ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ خود اپنی نظر میں اپنے کو ادب سمجھنے لگتے ہیں اور گھر کے لوگ بھی ان کو بادلِ سخاوت اپنے سے ادب سمجھنے پر مجبور ہوتے ہیں، پھر اسکے نتیجہ میں ان میں اور آپ میں ایک خاص طرح کی اجنبیت پیدا ہو جائے گی اور

آپ گھر کے ماحول سے کٹ جائیں گے، برخلاف اس کے جو بچے اپنی فطری سادگی پر قائم رہیں گے اور اسی کو لے کر گھر جائیں گے، تہذیب کے گھسے والوں کو..... ان سے اجنبیت ہوگی نہ وہ خود اپنے گھر والوں سے بیگانگی اور اجنبیت محسوس کریں گے، اہل ثروت کے جو بچے آتے ہیں ان کے والدین بھی ظاہری ٹیپ ٹاپ میں اضافہ کے لیے یہاں نہیں بھیجتے کیونکہ یہ ظاہری چیزیں تو ان کو گھر پر بھی حاصل تھیں بلکہ وہ یہاں آپ کے ذہن و اخلاق اور سیرت و کردار کو سدھارنے کے لیے بھیجتے ہیں تو اگر یہاں سے آپ وہی چیز لے کر واپس آئے جو آپ کو گھر پر حاصل تھی تو ان کا اتنا پیسہ خرچ کرنا بیکار گیا۔ آپ یقین کر لیں کہ آپ کی استری کی ہوئی قمیص، آپ کے کھڑے کالر، آپ کے کپڑوں کی خوبصورتی اور جوتوں کی چمک دمک پر کسی کی نگاہ نہیں جائے گی، بلکہ ان کی نگاہیں آپ کی سیرت و کردار میں حسن و خوبی کو تلاش کریں گی۔ وہ آپ کے قول و عمل میں دین و اخلاق کی جھلک دیکھنا چاہیں گے اس لیے آپ اپنے کپڑوں کے خوش و خوشی و خوش و خوشی سے زیادہ اپنے اخلاق و کردار میں حسن و خوبصورتی اور کشش پیدا کیجیے تاکہ وہ آپ کو دیکھیں تو آپ کی طرف سے مایوس نہ ہوں۔

اس سے پہلے بہت سے بچوں کے گھروں سے ہمارے پاس مبارکباد کے خطوط آئے ہیں ان میں ہم کو اسی بات کی مبارکباد دی گئی ہے کہ آپ کے مدرسہ کے پڑھے ہوئے بچوں نے مدرسہ کے حسن و تربیت کا بہت اچھا مظاہرہ کیا، مسجد میں خوب آباد کیں، نمازیں بڑی پابندی سے پڑھیں، گھر اور گادوں اور بستی کے ہر شخص سے بڑے اخلاق سے پیش آئے، ہم آپ کے مدرسہ سے ان ہی اوصاف کے متوقع تھے کسی نے ہم کو یہ نہیں لکھا کہ یہ بہت اچھے کپڑے پہنتے ہیں، بہت خوش ناٹو پی اور ڈھتے ہیں ان کے شو بہت ایڈوڈیٹ ہیں اور ان کی پالش خوب چمکتی ہے۔ درحقیقت یہ ظاہری چیزیں نہ لکھنے کی ہیں اور نہ کوئی لکھ سکتا ہے۔ ہر شخص صرف حسن تعلیم اور حسن تربیت کو دیکھتا ہے۔ اگر کوئی طالب علم اس معیار پر پورا اتر جاتا ہے تو وہ سب کی نگاہوں میں محبوب ہوتا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ ظاہری ذمہ داریت اور آرائش و زیبائش کے بجائے اپنے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور انکو پرکشش بنانے کی کوشش کریں۔

تاکہ آپ جہاں جائیں تو دینی تعلیم و تربیت کا مکمل نمونہ ثابت ہوں۔  
 عزیز طلبہ! یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہاں آپ کا سارا وقت مشغول تھا، سونے کے  
 علاوہ کوئی وقت آپ کا خالی نہیں تھا، پھر آپ دس چار آدمیوں میں نہیں بلکہ ایک جم غفیر میں  
 رہتے تھے۔ اس مشغول اور ہماہمی کی زندگی کے بعد آپ گھر جائیں گے تو ایک دو دن تک آپ گھر  
 کی خوشی میں یہاں کی زندگی کو بھول جائیں گے مگر دو چار دن بعد آپ اپنے کو بے کار محسوس  
 کرنے لگیں گے نہ تو وہاں اتنی مشغولیت ہوگی اور نہ دوستوں اور ساتھیوں کا یہ جم غفیر وہاں  
 ملے گا اس کے نتیجہ میں آپ کو ایک عجیب قسم کی بے کیفی محسوس ہوگی اس لیے آپ ابھی سے اپنے  
 لیے کچھ مشغولیت کا پروگرام بنالیں اور اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا عزم کر لیجئے اگر آپ  
 ایسا کریں گے تو وقت گزرا رہی کے لیے آپ کو نہ تو دوسرے آزاد و دش دوستوں کی تلاش  
 کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ آپ کے دماغ میں کسی غلط کام اور بے مقصد تفریح کا جذبہ  
 پیدا ہوگا، شیطان کا دَا سب سے زیادہ بے کام اور خالی آدمیوں پر چلتا ہے اسی بنا پر  
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی آدمی کو بیکار دیکھتے تھے تو اس کے اسلام کا جواب تک نہیں دیتے تھے، اس  
 لیے آپ اپنی مشغولیت کے لیے اپنی پڑھی کتابوں میں سے کسی کتاب کے مطالعہ کا پروگرام بنائے  
 قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے حفظ کا پروگرام بنائیے اور کچھ لکھنے پڑھنے کا پروگرام بنالیں۔  
 ایک بات اور ذہن نشین کر لیجئے کہ اس وقت جدید تعلیم حاصل کرنے کے لیے جتنی نہیں  
 پیدا ہو گئی ہیں اتنی اس سے پہلے نہیں تھیں۔ اس وقت ہندوستان کی کوئی بستی ایسی نہیں  
 ہے جس کے قریب کوئی ہائی اسکول یا کالج موجود نہ ہو۔ اگر آپ کے والدین غریب ہیں جب بھی  
 اگر وہ چاہتے تو آپ کو ان درس گاہوں میں بھیج کر کمانے کھانے کے بقدر تقسیم تو دلا سکتے  
 تھے مگر انھوں نے اس سہولت سے فائدہ نہ اٹھا کر آپ کو گھر سے اتنی دور تعلیم کے لیے بھیجا ہے  
 اس تعلیم سے ان کو یہ توقع نہ ہوگی کہ ہمارا لڑکا اس کی تکمیل کر کے کسی بڑے عہدہ پر پہنچ جائے گا  
 بلکہ ان کا جذبہ صرف یہ ہوگا ہمارا بچہ دینی تعلیم اور حسن سیرت سے آراستہ ہو جائے گا۔ اس صورت  
 میں آپ سوچیے کہ اگر آپ نے ان کی توقع پوری نہ کی تو ان کو کتنی مایوسی اور شرمندگی ہوگی کتنے  
 لوگ ان پر طنز و تعریض کا یہ جملہ کہیں گے کہ وہ فلاں کا بیٹا نہ دین کا ہوا نہ دنیا کا۔“

عزیز طلبہ! آخر میں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ آپ نے جو راہ اختیار کی ہے وہ عیش و عشرت اور دنیاوی عزت ووجاہت کی راہ نہیں ہے بلکہ اس راہ میں اس دنیا اور اس زندگی میں کھونا زیادہ اور پانا کم ہے، یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی راہ ہے جس راہ میں بھول نہیں بلکہ قدم پر کانٹے اور پتھر ملیں گے اس لیے میں عرض کیے دیتا ہوں کہ جن کے قلب جگر میں ان خداوند کے سہارے کی طاقت نہ ہو وہ ابھی سے اپنی راہ بدل لیں ورنہ آگے چل کر وہ اپنے آپ کو ایک عجیب و غریب محضہ میں پائیں گے۔ اس راہ میں چلنے کے لیے تو جان و دل کو کھونا ہوگا اس لیے جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

یہ بات میں نے اس لیے عرض کر دی کہ آپ اگر بے جا توقعات کے ساتھ اس راہ کو اختیار کریں گے تو اپنے لیے بھی غیر مفید ہوں گے اور ملت کے لیے بھی ایک بوجھ بنیں گے یا پھر کافی عمر گنوانے کے بعد آپ کو اسکول و کالج یا کسی یونیورسٹی کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا اور پھر اس دردناک وازہ میں داخل ہونے کے لیے ممکن ہے کہ آپ دین و اخلاق کو بھی بالائے طاق رکھ دیں جیسا کہ عام طور پر دیکھا جا رہا ہے اس لیے اپنے عزیز وارانہ کا جائزہ لے لیجیے اگر اپنے اندر اس تعلیم کا بل بوتا پاتا ہے تو اپنے دل و دماغ کی پوری ٹیکوسی کے ساتھ اس میں لگ جائیے۔ امتیاز و دنیا کے ساتھ کوئی کام انجام پا نہیں سکتا، زیادہ تر طلبہ اسی انتشار و ذہنی کی بنا پر ناکام ہوتے ہیں۔ آپ رزق کی طرف سے بے پردار ہیے جو علیم و خبیر کیڑے مکوڑوں کو پالتا ہے اور جانوروں کو رزق دیتا ہے۔ وہ آپ کو ضائع نہ کرے گا اور آپ کے لیے تو رزق عام اور رزق مقسوم کے ساتھ ایک رزق موعود کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

عزیزانِ من! اب جبکہ آپ رخصت ہو رہے ہیں تو ذرا اس حیثیت سے اپنا جائزہ لے ڈالیے کہ کسی ساتھی کو آپ سے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی ہے، آپ کے اساتذہ میں سے کوئی ناخوش تو نہیں ہے۔ مدرسہ کے ذمہ داروں اور دوسرے افراد حتمی کہ مدرسہ کے معمولی ملازم اور مطبخ کے بادرہچی وغیرہ کو آپ سے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی ہے اگر ایسا ہو تو ان سے اپنی صفائی کر لیجئے ان سے معافی مانگ لیجئے، یہاں سے آپ اس طرح جا میں ہیں

طرح حاجی جج سے واپس ہوتے ہیں کہ وہ دوسری طرف سے صاف دل ہوتے ہیں اور دوسری طرف کا دل ان کی طرف سے صاف ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ گھر دل کو جلاتے ہوئے سفر کے اُنٹن میں آپ سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جو جدید در سگاہوں کے آج کے طلبہ کا عام شعور اور طرہ امتیاز بن گیا ہے ورنہ اس سے دینی درس گاہوں کی بدنامی ہوگی یہ نہ سمجھیں کہ سفر میں سب لوگ اجنبی ہوتے ہیں اس لیے غیر ذمہ داری بتنے میں کسی حرج نہیں ہے عوام کا احساس اس بارے میں بڑا شدید اور تیز ہوتا ہے۔ وہ آپ کو دور سے دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ آپ کسی دینی درس گاہ کے طالب علم ہیں آپ کی ہر ہر حرکت پر ان کی نگاہ ہوگی وہ یہ تو شاید نہ جان سکیں گے کہ آپ کس درس گاہ کے طالب علم ہیں لیکن اگر آپ سے کوئی نازیبا حرکت درمیان سفر صادر ہوئی تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ تربیت کے لحاظ سے دنیاوی اور دینی درس گاہوں کے طلبہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر دو چار آدمیوں کے ذہن میں بھی یہ بات بیٹھ گئی تو بڑا المیہ ہوگا

عزیزو! ایک بات چلتے چلاتے اڈن لینے طلبہ میں ایک بیماری ”تم خیر“ کی ہوتی ہے یعنی وہ ایک درس گاہ میں ہوتے ہیں اور وہاں ان کی تعلیم و تربیت بھی خاطر خواہ ہو رہی ہوتی ہے مگر جب وہ کسی دوسرے سے ملتے ہیں کہ فلاں درس گاہ بہت بڑی اور اچھی ہے تو بہت سے طلبہ اس دوسری درس گاہ میں جانے کی تمنا کرتے ہیں، ہم آپ کو یہی مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کے اندر یہ بیماری نہ پیدا ہو، درس گاہوں میں سب اچھی ہیں، آپ چھوٹی سے چھوٹی درس گاہ میں اگر محنت سے پڑھیں گے تو آپ کام کے بن جائیں گے اور اگر آپ محنت نہ کریں گے تو کوئی بڑی سے بڑی درس گاہ آپ کے اندر استعداد پیدا نہیں کر سکتی جو طلبہ بار بار درس گاہیں بدلتے ہیں وہ اکثر ناکام ہی رہتے ہیں۔

ایک اور بات یاد رکھیے کہ آپ گھر پہنچ کر مہمان کی حیثیت سے نہ رہیں بلکہ گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے رہیں۔ آپ کے گھر میں جو کام بھی ہوتا ہے اس میں اپنے والدین کا ہاتھ بٹولیں اور اپنے دوسرے اہل خاندان کا ہاتھ بٹالیں بلکہ آپ ان کے کام کو ہلکا کرنے کی کوشش کریں رات کے وقت اپنے والد اور والدہ کے سر پر تیل رکھنے اور پاؤں دبانے کی کوشش کریں اور

ان کو ہر طرح کا آرام پہنچائیں، ایسا نہ ہو کہ آپ ایک مہمان کی حیثیت اختیار کر کے اس کی پریشانی میں مزید اضافہ کریں ان کو آپ کے لیے کچھ اتہام کرنا پڑے اور آپ کا جانا ان کے لیے ہر محسوس ہو۔ عزیز طلبہ! سب سے آخری اور اہم بات یہ بھی یاد رکھیے کہ دینی درسگاہ میں پڑھنے والے طلبہ اور اس سے فارغ ہونے والے طلبہ سب کے سب نائب رسول ہیں یا ہونے والے ہیں۔ نائب رسول کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس پیغام کے امین ہیں جس کو سیکرٹری سرکارِ دُعا عالم اس دنیا میں نشر لائف لائے تھے اس لیے آپ کا فرض ہے کہ آپ اس پیغام اور ہدایت کے قولادِ عطا داعی بنیں جس کی دعوتِ تعلیم کے لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے آپ نہ سوچیں کہ ابھی آپ تیسرے چوتھے یا پانچویں درجہ میں پڑھتے ہیں اس لیے مکمل تعلیم کے بعد آپ پر یہ ذمہ داری آئے گی دینی درسگاہوں میں جو طلبہ پڑھتے ہیں خواہ وہ میزانِ منشوب پڑھتے ہوں یا بیضادی و بخاری پڑھتے ہوں عام لوگ اس کے درمیان فرق نہیں کریں گے کہ آپ کس درجہ میں اور کون کتاب پڑھتے ہیں وہ آپ سب کو مولوی عالم ہی سمجھیں گے اس لیے اگر آپ نے یہ سمجھ کر کہ ابھی آپ کی ذمہ داری کی عمر نہیں آئی ہے کوئی غلط حرکت کر دی یا آپ اپنے خاص مقام اور اپنی ذمہ داری کو بھلا کر معاشرے میں بالکل گھل مل گئے تو اس سے نہ صرف آپ بدنام ہوں گے بلکہ نیابتِ رسول کی ذمہ داری پر بھی حرج آئے گا مگر یہ بھی یاد رکھیے کہ ذاتی طور پر اپنے عمل میں آپ تھر کی چٹان کی طرح مضبوط اور سخت بنے رہیے گا تاکہ اسول کے غلط اثرات آپ کو متاثر نہ کر سکیں مگر دوسروں سے دین پر عمل کرنے یا ان کو دین کی طرف بلانے میں بوم سے بھی زیادہ نرم بنکر رہیے گا ایسے موقع پر آپ کے جذبات میں شدت اور تیزی نہ کہنے پائے ورنہ آپ لوگوں کو فریب لائیں گے بجائے دین سے دُعا کو دینگے خاکساری تو افسح علما کا سب سے بڑا زیور جو اسی سے ان کا علم نافع بنتا ہو اور داعی کیلئے توبہ نازل فرما دے عین یہ جذباتیں خیر خواہی کے جذبہ کے تحت عرض کر دی گئی ہیں انکی حیثیت آپ زاد راہ کی سمجھیے جس طرح سفر میں ہر آدمی اپنے زاد راہ اور سالان کی حفاظت کرتا ہو آپ بھی انکو دل و دماغ میں محفوظ کر لیں اور ان کی حفاظت کریں زاد راہ کی حفاظت سے آدمی کو سفر کے دوران جو آرام ملتا ہے اتنا ان الشران باتوں سے بھی آجیو اس وقتی سفر میں اور پورے تعلیمی سفر میں سکون ملے گا اور آپ قلب میں طمانیت کی ایک خاص کیفیت محسوس کریں گے انشریم کو آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

# یاد رُفستار

محمد منظور نعمانی

## شفار الملک حکیم عبد اللطیف صاحب فلسفیؒ

حکیم صاحب مرحوم کی رُوح پر خدا کی رحمتیں! رضای مبارک کے دوسرے عشرہ میں ان کی رحلت کا واقعہ پیش کیا تھا جس کو قریباً تین بیسے گزر چکے، اس عرصہ میں ان کے کربانہ اخلاق اور مخلصانہ غایتوں کی یاد بربتفاضہ کرتی رہی کہ مرحوم کے بارہ میں اپنے احاسات و تاثرات کا الغرقان میں بھی کچھ تذکرہ کر کے اپنے ناظرین سے بھی ان کے لیے دُعا و مغفرت و رحمت کی استدعا کی جائے کہ اس دنیا سے جہانِ عالمی کے محسن یا دوست کے لیے سب سے زیادہ کارآمد نفع مند تحفہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن رُفستار کے پچھلے دو شماروں (باب ثوال و ذلیقہ) کی تیاری کے وقت طبیعت کا حال کچھ ایسا رہا کہ دو چار سطریں بھی نہیں لکھی جاسکیں۔ (اس عرصہ میں اور بھی کئی بزرگوں اور دوستوں کی وفات ہوئی، جن کے اس عاجز پر خاص احسانات اور حقوق ہیں، انشاء اللہ رُوح ہی کی صحبت میں ان کے بارہ میں بھی کچھ عرض کیا جاسکے گا۔ واللہ الموفق!)

شفار الملک حکیم عبد اللطیف صاحب کو عام طور سے ایک باکمال اور عاذق طبیب ہی کی حیثیت سے جانا جاتا تھا، شروع میں خود راقم سطور کا تعلق اور رابطہ بھی ان سے اسی حیثیت سے قائم ہوا، اب سے قریباً ۲۰ برس پہلے کی بات ہے، کسی سلسلہ سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جانا ہوا، دہلی نزلہ اور بخار میں مبتلا ہو گیا، اس اُس زمانہ میں یونانی علاج ہی کا عادی تھا اور مجھے معلوم تھا کہ ہمارے لکھنؤ کے شفا الملک حکیم عبد العید صاحب کے چھوٹے بھائی حکیم عبد اللطیف صاحب یہاں طبیعہ کا کچھ میٹھی پرنسپل ہیں،



اگرچہ کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن حکیم عبدالمعید صاحب کے تعلق سے ذکر وہ میرے بڑے ہی غایت فرما  
 معالج تھے، انہی کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ کیا، میں نے اپنے میزبانوں سے کہا کہ میں حکیم صاحب  
 کے پاس جانا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا کہ ہم ان کو اطلاع کیے دیتے ہیں وہ ابھی تشریف لے  
 آئیں گے، میں نے کہا کہ میں مریض ہوں مجھے خود طبیب اور معالج کے پاس جانا چاہیے۔ لوگوں نے  
 کہا کہ ان کو آپ جیسے حضرات کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ آپ کے پونچنے سے انہیں تکلیف ہوگی اور  
 ہم لوگوں سے سخت شکایت ہوگی۔ بہر حال ان حضرات نے حکیم صاحب کو اطلاع دے دی اور  
 وہ فوراً ہی تشریف لے آئے، میں نے حکیم صاحب کو پہلی دفعہ اسی دن دیکھا، انہیں دیکھ کے اور حال  
 سن کے حیرانہ کا نسخہ لکھا اور فرمایا کہ میں خود ہی دوا تیار کر کے ابھی بھیجتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیک کے  
 بعد دوا لگئی، میں نے پی لی، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جلد ہی طبیعت ابھی ہوگئی اور ایک دو ہی دن  
 کے بعد میں لکھنؤ چلا آیا۔ کچھ مدت کے بعد حکیم صاحب طبیعہ کالج سے ریٹائر ہو کر لکھنؤ تشریف لے  
 آئے۔ پھر کچھ عرصہ کے لیے دہلی کے ایک طبیعہ کالج کی پرنسپل قبول فرمائی، اسی زمانہ میں دہلی ہی میں غالباً  
 پہلی دفعہ سخت قسم کا قلبی دورہ پڑا، کئی دن موت و زیست کی کشمکش میں گزرے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے  
 فضل فرمایا اور صحت یاب ہو گئے۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد لکھنؤ میں تشریف لے آئے اور ہمیں  
 مطب شروع فرمادیا۔ یہاں بھی میرے لیے حکیم صاحب سے ربط و تعلق بڑھنے کا ہمانہ تو اپنی یا اپنے  
 گھر والوں کی بیماری یا علاج معالجہ کا سلسلہ ہی ہوا لیکن چند ہی ملاقاتوں کے بعد معلوم ہو گیا کہ  
 حکیم صاحب صرف ایک عاذق طبیب ہی نہیں ہیں، بلکہ درس نظامی کے ذریعہ جو ایک خاص قسم کی  
 ٹھوس اور سنجیدہ علمی استعداد پیدا ہو جاتی ہے، حکیم صاحب اُس کے بھی سرمایہ دار ہیں، اور بالخصوص  
 دینی علوم سے اچھا خاصا تعلق ہے، جب بھی علاج معالجہ ہی کے سلسلے سے مطب میں پہنچ جاتا یا وہ  
 غریب خانہ پر تشریف لاتے تو اکثر اہم دینی موضوعات پر گفتگو فرماتے، کبھی کبھی قرآن مجید کی کسی آیت یا  
 کسی حدیث کے بارے میں تحریری مراسلت بھی فرماتے۔

راقم سطور کی "الیف" معارف الحدیث کی سب کوئی نئی جلد تیار ہوتی اور میں اُس کا نسخہ  
 ہریتہ اُن کو بھیجتا تو عموماً ہفتہ عشرہ کے اندر ہی اندر اس کا مطالعہ فرما لیتے اور اس طرح فوراً  
 مطالعہ فرماتے کہ کتابت و طباعت کی بعض اخلاط کی بھی نشاندہی فرمادیتے تاکہ آئندہ اذیت میں



علی الصبح حکیم مسیح الزماں صاحب ندوی پرنسپل تھکیں، الطب کالج نے مجھے ٹیلی فون سے اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ نماز جنازہ کے لیے آج صبح سہ پہر کا وقت طے ہوا ہے۔

جب میرے کسی بزرگ یا دوست یا محسن کا انتقال ہوتا ہے تو میری یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے ان کو آخری غسل دوں، کفن پہناؤں اور اپنے ہاتھوں سے قبر میں لٹا کر خدا کی رحمت کے سپرد کروں، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اکثر یہ خواہش پوری ہو ہی جاتی ہے۔ الحمد للہ حکیم صاحب مرحوم کو بھی غسل دینے کی توفیق ملی، ان کے خاص شاگردوں اور نیا زمندوں میں سے طبیبہ کالج علی گڑھ کے پروفیسر حکیم افنام اللہ صاحب اور تھکیں الطب کالج لکھنؤ کے پرنسپل حکیم مسیح الزماں صاحب ندوی بھی غسل میں شریک اور معاون رہے، اور سب سے زیادہ حصہ ہمارے تبلیغی مرکز لکھنؤ کے رفیق خاص مولوی محمد سلیم کارہا جو اس کے خاص ماہر ہیں اور اکثر ایسے موقعوں پر اس عاجز کے ساتھ ہوتے ہیں عصر کی نماز کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی اور خاندانی قبرستان میں جو عجمی ٹولہ ہی میں حکیم صاحب مرحوم کے مکان کے بالکل قریب ہے تدفین عمل میں آئی اور اپنے اس مخلص محب و محسن کو قبر میں اتارنے اور لٹانے کی بھی اس عاجز کو توفیق ملی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اُس نے حکیم صاحب مرحوم کو اس دُنیا میں بہت سی نعمتوں اور بلندیوں سے نوازا تھا، اسی طرح قبر و برزخ کی اور اُس کے آگے کی آخرت کی منزلوں میں اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے نوازے اور پوری پوری مغفرت فرمائے۔ اپنے ناظرین کرام سے بھی استدعا ہے کہ وہ بھی دعا فرمائیں اس عاجز پر بھی احسان ہو گا۔

## قاری محمد شبیر صاحب لکھنؤی ٹیم رائے پوری

اس عاجز راقم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو توفیق الہی نے مرشدنا حضرت شاہ عبدالقادر (قدس سرہ) کی خدمت میں پہنچایا اور حضرت سے خدامانہ ربط و تعلق قائم ہوا اور پھر ہم خدام کی استدعا پر حضرت کی لکھنؤ بھی بار بار تشریف آوری ہوئی اور کئی کئی بھٹے قیام رہا تو لکھنؤ کے ہمارے بہت سے احباب و مخلصین نے بھی حضرت سے بیعت و اصلاح کا تعلق قائم کیا، ان میں سے کئی ایک پر خدا کی توفیق سے راہِ سلوک کی طلب کا ایسا غلبہ ہوا کہ انھوں نے اپنے کو بالکل ہی

حضرت سے وابستہ کر دیا اور رائے پور کی خانقاہ ہی میں جا پڑے جہاں اس دور میں طالبین کو بالخصوص کھانے پینے کے معاملہ میں بڑے مجاہدہ کی زندگی گزارنی پڑتی تھی۔۔۔ انہی میں ایک نہایت مخلص بندے قاری محمد شبیر صاحب بھی تھے۔ اصل وطن تو غالباً بارہ بنکی کے کسی دیہات میں تھا، لیکن ان کے والد صاحب لکھنؤ کے مشہور عطر کے کارخانہ صغریٰ علی محمد علیؒ میں ملازم تھے، اس لیے قاری صاحب لکھنؤ ہی میں رہتے تھے، جہاں تک معلوم ہے گھر کا گزارا اچھا خاصا متوسطہ طبقہ کا تھا، لیکن انھوں نے رائے پور کی خانقاہ میں پہنچنے کے بعد پوری زندگی مثالی زہد و توکل اور انتہائی صبر و مجاہدہ کے ساتھ گزاری، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ جسم میں خون بالکل نہیں ہے۔ گویا کوئی مردہ ہے جو قبر سے اٹھ کر آگیا ہے۔ مگر اس جسمانی ضعف و نقاہت کے ساتھ دن اور رات ذکر و عبادت میں اتنی مشغولیت کہ عاجز و راقم سطور نے اپنی پوری زندگی میں کوئی دوسرا ان کا عدیل مثیل نہیں دیکھا۔ اور اس کے باوجود ایسی گناہی بلکہ کس سپرسی کہ خاص دوستوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور سمجھتا تھا کہ یہ بھی کچھ ہیں۔

راقم السطور گزشتہ رمضان المبارک کے دسویں عشرہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی خدمت میں ۲۲ دن قیام کی نیت سے سہارن پور حاضر ہوا۔ وہاں پہنچ کر غالباً سب سے پہلے حضرت شیخ الحدیث ہی سے معلوم ہوا کہ ہمارے قاری محمد شبیر صاحب سخت مرعین ہیں اور ان کو علاج اور دیکھ بھال کے لیے رائے پور سے سہارن پور ہی لے آیا گیا ہے اور شاہ محمود صاحب کے بہت ہاؤس کے تحتانی حصہ میں مقیم ہیں۔ یہ عاجز زیارت و عیادت کے لیے گیا، دیکھ کر اندازہ ہوا کہ حالت نالاک اور تشویش ناک ہے، خود ان کا بھی اندازہ تھا کہ وقت غالباً قریب ہی ہے۔ میرے سہارن پور پہنچنے کے دوسرے یا تیسرے دن رفیق محترم مولانا علی میاں بھی آگئے۔ ہم دونوں کو آخری عشرہ شروع ہونے سے پہلے واپس آ جانا تھا، لکھنؤ کے دوا اور مخلص دوست (بھائی عبدالقادر صاحب) حاجی اسماعیل، جن کا ارادہ آخر رمضان تک حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں سہارن پور قیام کا تھا، ان کو ہم دونوں نے شورو دیا کہ وہ زیادہ وقت قاری صاحب کے پاس اور ان کی خدمت اور دیکھ بھال میں گزاریں اور اسی کو اپنا سب سے اچھا معمول اور وظیفہ سمجھیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات نے ایسا ہی کیا، لیکن قاری صاحب کا وقت موعود قریب آگیا تھا، ہماری

واپسی کے ۲۰ دن بعد بھٹ ہاؤس ہی میں انتقال ہو گیا اور ان کی ذکر و روح اپنے اصل مکان میں پہنچ گئی۔ **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّاتِي**۔

بندہ کا اصل حال اور درجہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لیکن اس عاجز نے قاری صاحبؒ کے ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کا خاص مصداق سمجھا۔

مشکوٰۃ شریف میں منہ احمد اور جامع ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ

اغبط اولیائی عندی المومن	میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابلِ رشک
خفیعہ الحناذ ذ و حظ من	میرے نزدیک وہ مومن ہے جو بیک بار دینی
الصلوٰۃ احسن عبادۃ ربہ	دنیا کے سارے برائیاں اور مال و عیال کے
واطاعہ فی السر و کان	بھانپ سے بہت دھکا بھٹکا، جو نماز میں
غامضاً فی الناس لا یشاد	اس کا خاص حصہ ہو اور اپنے رب کی عبادت
الیہ بالاصابع و کان رزقہ	و اطاعتِ خفی کے ساتھ اور صفتِ احسان
کفافاً فصیر علی ذ الک	کے ساتھ کرتا ہو اور یہ شبِ اخلا کے ساتھ
شہ زعد بیدۃ فقال مَحَلَّتْ	اور خلوت میں کرتا ہو اور وہ چھپا ہوا اور
میتہ قلت بواکیہ قل تراثہ	گناہی کی حالت میں ہو، اس کی طرف نگاہوں

سے اٹارے نہ کیے جاتے ہوں کہ یہ فلاں  
بزرگ اور کاف ہیں، اور اس کی روزی بھی  
بعد کفایت ہو اور وہ اس پر صابر و قانع ہو  
۔۔۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے  
لمتہ سے چٹکی بجائی، اور فرمایا جلدی آگئی اس  
کو موت اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں  
اور اس کا ترکہ بھی بہت مختصر سا ہے۔

اس حدیث پاک میں "قابلِ رشک اولیا" کی جو صفات بیان فرمائی گئی ہیں وہ جس طرح اس عاجز نے اللہ کے اس بندے (قاری محمد شہیر موم) میں جمع دیکھیں کسی دوسری شخصیت میں ان کا اس طرح اجتماع دیکھنا یا دہنیں — اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہم بندوں کے گمان سے بھی بہتر معاملہ فرمائے، مغفرت اور رحمت خاصہ سے نوازے اور درجات عالیہ عطا فرمائے اور ان کے مقبول احوال اوصاف کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

### حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ و مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ

ہندوستان کی تقسیم نے جو بہت سے مسائل خاص کر ہم مسلمانوں کے لیے پیدا کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بہت سے وہ بزرگ یا عزیز جن سے انتہائی قریبی نہی یا روحانی تعلق تھا وہ ہم امریکا اور روس سے بھی زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ انتہایہ ہے کہ پاکستان کے موجودہ فوجی حکمرانوں نے قریباً ڈیڑھ سال سے ہر قسم کی کتابوں، رسائل اور اخبارات کی آمد و رفت پر بھی پابندی لگا رکھی ہے جن کی وجہ سے بہت سے اہم واقعات و حادثات کا وقت پر علم بھی نہیں ہو سکتا — حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ متحدہ ہندوستان کے اکابر و مشاہیر علماء میں سے تھے یقیناً ہندوستان کے طول و عرض میں سیکڑوں ایسے مسلمان ہیں جو ان بزرگوں سے محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں۔ ان بزرگوں کی وفات اب سے ۳۲ مہینے پہلے ہوئی لیکن پاکستان کے اخبارات و رسائل نہ آ سکنے کی وجہ سے یہاں اس کی اطلاع بہت دیر سے ہو سکی۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ بڑے ممتاز صاحبِ درس اور وسیع النظر عالم تھے، خاص کر فنِ حدیث میں مولانا کا خاص مقام تھا، اسی کے ساتھ حکیم الامتہ حضرت تھانویؒ اور ائمہ مرقدہ کے ارشد خلفاء میں سے تھے، لکھ کی تقسیم سے پہلے جالندھر میں ان کا مدرسہ "خیر المدارس" دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور جیسے مدارس کے طرز پر اس وقت کے پنجاب کی سب سے بڑا اور بافضیلت مدرسہ تھا، بلکہ جہاں تک علم ہے سندھ اور صوبہ سرحد میں بھی اس وقت کوئی دینی درسگاہ اس درجہ کی نہیں تھی، تقسیم کے فیصلہ کے بعد جب مسلمانوں کو مشرقی پنجاب سے پاکستان کے علاقہ میں منتقل ہونا پڑا تو مولانا مرحوم نے طمان میں قیام کا فیصلہ فرمایا اور وہیں "خیر المدارس" قائم کیا، پاکستان کے اس

ابتدائی دور میں وہی سب سے بڑا مدرسہ تھا، بعد میں کراچی اور لاہور اور دوسرے شہروں میں بھی بڑے اور مرکز یاد ارس قائم ہو گئے۔

تقسیم سے پہلے جب کہ خیر المدارس اور حضرت مولانا کا قیام جالندھر میں تھا کئی بار وہاں حاضری کا موقع ملا، قیام پاکستان کے بعد اگرچہ اس عاجز کے دوسرے مغربی پاکستان کے ہوئے، ایک سہ ماہی میں اور دوسرا سہ ماہی میں لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے کسی سفر میں بھی ملتان اور خیر المدارس میں حاضری نہ ہو سکی، البتہ ایک دفعہ غالباً کراچی سے لاہور آتے ہوئے ملتان اسٹیشن سے گزرنا تھا، حضرت مولانا کو تار سے اطلاع دلادی تھی تاکہ کم از کم اسٹیشن ہی پر زیارت و ملاقات ہو سکے۔ حضرت مجدد صابزادگان اور خیر المدارس کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ اسٹیشن پر تشریف لائے۔ میرے لیے کھانا بھی گھر سے پکوا کر ساتھ لائے، جب ٹرین ملتان اسٹیشن پر پہونچی تو حضرت مولانا تشریف فرما تھے، میں نے اتر کر مصافحہ و معاہدہ کیا، مولانا نے ساتھ والے مجمع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے ان سب کو مصافحہ سے منع کر دیا ہے تاکہ گڑبڑ اور تجھے زحمت نہ ہو اور اطمینان و سکون سے پاس بیٹھنے اور کچھ بات کرنے کا موقع مل جائے۔ (میں نے محسوس کیا کہ یہ خاص تھا فوری ذوق و مزاج کی برکت ہے) پھر مجھے ساتھ لے کر پلیٹ فارم کے ایک گوشے میں تشریف لے آئے جہاں اسٹیشن کے نذرانہ حضرات کی اجازت سے پورے مجمع کے بیٹھنے کا پہلے ہی سے انتظام کر لیا گیا تھا، اب لوگ حیرت انگیز نظم و سکون کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اگر بار محسوس نہ ہو اور طبیعت حاضر ہو تو اس موقع پر کچھ کہہ دے! میں نے تعمیل کو سعادت سمجھ کر طلباء سے کچھ عرض کیا اور دعا ہوئی۔ جب میری ٹرین کی روانگی کا وقت آیا تو مولانا سے آخری مصافحہ کر کے روانہ ہو گیا۔ یہی حضرت مرحوم کی آخری زیارت اور ملاقات تھی۔ وفات کی صبح تالیخ کسی خط سے معلوم نہ ہو سکی، اندازہ یہ ہے کہ گزشتہ رمضان مبارک یا شوال (نومبر یا دسمبر) میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور آپ کے علمی و دینی فیوض کے سلسلہ کو جاری رکھ کر درجات میں مسلسل ترقی کا وسیلہ بنائے اور اخلاق کو اخلاص اور اتباعِ مرضیات کی توفیق دے۔

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، لدھیانہ کے مشہور قدیم علمی خاندان کے ممتاز فرد تھے، شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب کے آخری دور کے تلامذہ میں سے تھے، ابتدائی زمانہ تدیس میں

گزارا، اچھے اچھے مدرسوں میں صدر مدرس رہے، بعد میں سیاسی تحریکات میں انہماک ہو گیا، کانگرس اور  
 جمعیتہ علماء و ادبہ اور اچھے عہدوں پر رہے۔ بار بار جیل بھی گئے، لیکن ملک کی تقسیم کے فیصلہ کے بعد  
 مشرقی پنجاب کے دوسرے عام مسلمانوں کی طرح ان کو بھی اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان منتقل ہونا پڑا۔  
 راقم سطور پر مفتی صاحب کا خاص و الخاص احسان ہے، ناظرین الغفران میری اس سرگزشت  
 سے الغفران ہی کے ذریعہ واقف ہو چکے ہیں کہ ابتدائی عربی تعلیم میں میرے کئی سال ضائع ہوئے بلکہ  
 متعدد وہاب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ مجھے بہت کم عمری میں عربی یعنی اس کی صورت و نحو شروع  
 کرادی گئی تھی، اُس کی مروجہ درسی کتابیں (میزان تنجیح و غیرہ) مجھے پڑھائی جاتی تھیں اور  
 اس طرح پڑھائی جاتی تھیں کہ میں اس عمر میں بالکل نہیں سمجھ سکتا تھا اس لیے وہ پڑھنا میرے لیے  
 سراسر بوجھ تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میرے اندر اس لاعلمی اور غیر مفہوم پڑھائی سے ایک طرح کی  
 بیزاری بھی تھی، میرے وطن سنہیل میں کئی عربی مدرسے تھے، اور ہر سال میرا ایک مدرسے سے دوسرے مدرسے  
 میں تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ جب ایک مدرسہ میں پڑھتے پڑھتے سال پورا ہو جاتا اور گھر والے محسوس کرتے کہ  
 مجھے کچھ نہیں آیا تو اگلے سال دوسرے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا۔ اس دوسرے مدرسہ میں سال پورا کرنے  
 کے بعد بھی میں وہیں رہتا جہاں پہلے تھا۔ کئی سال میرے اسی طبع گزر چکے تھے کہ سترہ (۱۷) برس  
 میں مولانا مفتی محمد نعیم صاحب سنہیل کے ”مدرسہ الشریعہ“ میں صدر مدرس ہو کر آ گئے، وہاں ہی محلہ کے  
 ایک عالم صاحب نے جو اچھے طبیب بھی تھے میرے والد صاحب سے مفتی صاحب کا ذکر کیا اور مشورہ  
 دیا کہ مجھے پڑھنے کے لیے ان کے پاس بھیج دیا جائے، چنانچہ لگے ہی دن میں ان کی خدمت میں  
 ”مدرسہ الشریعہ“ بھیج دیا گیا، انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھ گچھ کی، اس میں میرے ذاتی اور گھریلو حالات  
 بھی پوچھے اور اندازہ لگایا کہ مجھے اس تعلیم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میں مارے بازو سے گھر والوں  
 کے جبر سے اب تک مدرسوں میں جاتا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنی باتوں سے مجھے ماؤس کر کے بڑی شفقت  
 سے فرمایا۔ کہ تم سوچ سمجھ کر اپنے باپ سے میں خود فیصلہ کرو، اگر تمہارا ارادہ عربی پڑھنے کا نہیں ہے،  
 کچھ اور پڑھنا یا کچھ اور کرنا چاہتے ہو تو صفائی سے ہم کو بتا دو، ہم تمہارے والد صاحب کو مشورہ دیں گے  
 کہ تم کو اُس لائن پر لگائیں، اور اگر تمہارا ارادہ عربی پڑھنے کا ہو تو ہم تمہیں پڑھائیں گے اور خدا نے چاہا  
 تو تم بہت جلد پڑھ لو گے۔ ان کے اس شفقانہ اور حکیمانہ طرز عمل نے دل کے رخ کو بدل دیا اور



میں نے پڑھنے کا ارادہ کر لیا اور مفتی صاحب سے عرض کر دیا۔ انہوں نے ایک خاص انداز سے پڑھانا شروع کیا اور واقعہ یہ ہے کہ میں جو کچھ کئی سال میں نہیں پڑھ سکا تھا وہ میں نے ان سے چند مہینوں میں پڑھ لیا۔ مفتی صاحب تو اس سال کے بعد سنبھل تشریف نہیں لائے لیکن میری تعلیم کی گامی صبیح لائق پر چلی پڑی اور علم کا جو حصہ مقدر تھا وہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمادیا۔ بہر حال میری تعلیم میں بنیادی حصہ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی علیہ الرحمہ کا ہے اس لیے وہ میرے بہت بڑے محسن تھے۔ پچھلے دنوں دارالعلوم دیوبند جانا ہوا تو پہلے وہیں اُن کی خبر وفات سنی۔ اس کے بعد ساہیوال (پاکستان) سے ان کے بڑے صاحبزادے مولانا ضیاء الرحمن صاحب کا اطلاعی مکتوب بھی ملا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے، بالخصوص اس ناچیز پر اُن کا جو علمی احسان ہے اُس کا اُن کو بہتر سے بہتر صلہ و ادب آخرت میں عطا فرمائے اور فضل خاص سے نوازے۔ ناظرین کرام سے بھی دعا کی استدعا ہے۔

### (بقیہ صراط مستقیم ص ۳۲)

میں انا محال بلکہ ناممکن ہے اور بیان کرنا بے سود ہے بلکہ بیان ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو طلب کی توفیق عطا فرمائے گا وہ طلب کرے گا۔ شل مشہور ہے

علم دل از سینہ می آید بطرف سینہا

بے معلم طفل این مکتب سخن و رمیشود

وَالْخِرَدُ عَمَّا أَنَا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اند کے پیش تو گفتم غم دل تر سیدم

کہ تو آزرده شوی در نہ سخن بسیار است

وَاللَّحْمُ لِلَّهِ عَلَىٰ مَنْ أَتْبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَّوْبَةُ لِلَّذِينَ اتَّصَفَىٰ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

## ماہنامہ ”رضوان“ کے لیے

# اپیل

(اَزْوَاجِ اَنْسَانِیَّةِ اَبُو الْحَسَنِ عَلٰی نَدْوٰی)

ساری دنیاء کے مسلمان عوامیت کے ساتھ اور پُرسنر مند پاکستان کے مسلمان خصوصیت کے ساتھ جس اخلاقی زوال، ذہنی انتشار اور معاشرتی خلفشار کے نازک دور سے گزر رہے ہیں اس پر جن حضرات کی نظر ہے اور مسلمانوں کا موجودہ معاشرہ ان کے سامنے ہے وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اس صورت حال کا قدر زیادہ تر وہ بگاڑ ہو جو طبقہ نوان میں تیزی کے ساتھ پھیلنا جا رہا ہو، درحقیقت اس معاشرہ یا سوسائٹی میں اس اخلاقی اور دینی زوال کی نقل و حرکت سے بہت تیز ہو گئی اور نمایاں طریقہ پر سب کو نظر آنے لگی جب سے کہ مسلمان خواتین اور مسلمان بچوں اور لڑکیوں میں مغربی تعلیم نے اپنا اثر دکھایا، غیر دینی بلکہ مخالف دین اور مغرب اخلاق لڑ بچر، نادلوں اور ترقی پسند رسالوں اور پڑچوں نے ان کے دل و دماغ کو متاثر کیا، خدا کا خوف، آخرت کی فکر، حقوق و فرائض کا خیال اور اپنے جذبہ خدمتِ امت و محبت اور صبر و قناعت سے اپنے گھر کو نمودہ جنت بنانے سے ان کی توجہ ہٹ کر باہر کی دُنیا سے لطیف و مسرت حاصل کرنے کی طرف مبذول ہو گئی، اسوقت سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی خانگی زندگی کو ایک پتہ کن لائن پر لایا گیا بلکہ خالص دینی دعوت و اصلاح کے راستے میں بھی ایسی سخت رکاوٹیں اور مشکلات پیش آئیں جن کا عبور کننا بڑی بے ٹبری طاقتور دینی تحریک کے لیے ناممکن بن گیا، اس لیے کہ باہر کی تمام کوششوں اور جدوجہد پر گھریلو زندگی کا انتشار اور گھروالوں کی بے راہ روی گھنٹوں اور منٹوں میں پانی پھیر دیتی ہے۔

ان سب حقیقتوں کے پیش نظر عرصہ سے اسکی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ مسلمان خواتین اور مسلمان لڑکیوں کے لیے کوئی ایسا رسالہ نکالا جائے جو ان کے دل و دماغ کے لیے صحیح دینی غذا تھیا کرے، ان کے دلوں میں دین کی محبت و عظمت اور آخرت کی اہمیت اور فکر پیدا کرے، ان کے سامنے نیک سیویں اور باخدا عالم و فاضل عابد و زاہد مسلمان عورتوں کی زندگی کے نمونے اور کارنامے پیش کرے اور مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کو ان کا بھولا ہوا سبق اور زندگی کا داہ

میں یاد آتا ہے گا جو نگاہیں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔

اس ضرورت کو محسوس کر کے میرے گھرانے کے چند افراد نے دسمبر ۱۹۳۰ء سے رسالہ ”رضوان“ بریلی کی جاس کو شروع سے مسرت تک بہت سے دیندار اور باجمیت مسلمانوں کی تائید و سرپرستی اور بزرگوں کی دعائیں حاصل رہیں۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہو کہ اس نے اپنے محدود دائرہ میں وہ گزشتہ چودہ سالوں میں ہر امنیہ کام انجام دیا اور اسکے پڑھنے والوں کو اس ایک ذاتی اور جذباتی قلعہ پیدا ہو گیا۔ اسکے پڑھنے سے بہت سی عورتوں نے اپنی غلط زندگی سے توبہ کی اور اپنے بچوں کی دینی و اخلاقی تعلیم کا انتظام کیا اور اسکو اپنے گھرانوں تک پہنچایا جہاں تک اسکی رسائی مشکل تھی، یہاں تک کہ ہندوستان و پاکستان کے علاوہ امریکہ اور یورپ میں ہاں تک، اعراب و افریقہ میں بسنے والے بعض ہندوستانی و پاکستانی مسلمانوں میں وہ مقبول ہونے لگا۔ اس قلعہ کے دلیر بانیوں اور بہنوں کی بہت افرائی سے اسنے کئی خصوصی شامیں بھی نکالیں جو بہت مقبول ہوئے اور بہت جلد نایاب ہو گئے۔ دوسرے کچھ عرصہ سے وہ مختلف اسباب کی بنا پر سخت مالی مشکلات سے دوچار ہو چکی وجہ سے اسکے دفتر اور عہدہ جو گام کو بند کرنے کے حکم پر مجبور کرنے لگا لیکن میں نے اور میرے بعض دوستوں اور بزرگوں نے ”رضوان“ سے ذاتی اور جذباتی قلعہ رکھنے والے بھائیوں اور بہنوں نے زبانی اور خطوط کے ذریعہ انکو اس بارادہ سے باز رکھا کہ کسی وقت کے زوال کی بہت بُری علامات اور کسی ملک کے باشندوں کے لیے بُری بگڑائی کی بات ہو کہ ایک ایک کر کے چراغ گل ہوتے اور انکو اداسے بند ہوتے چلے جائیں یہ ایک ملت کی ناہی بہت تھی مردہ دلی اور بے حسیتی کی نشانی ہو۔

ہمارے عرصہ دلانے سے ”رضوان“ کے ذمہ داروں نے بہت کی ہو کہ وہ ایک بار پھر کوشش کریں گے اور حال کو جاری رکھیں گے اب ہم اپنے سب ”ستوں اور اوصاف لوگوں سے پوری امید و جتنکے دلوں میں دین کا دروازہ اپنی بچیوں اور بہنوں کے اخلاق اور دینی رجحان کی فکر ہو کہ وہ اس رسالہ کو بند ہونے سے بچائیں گے اور اس کا ذخیرہ جاری رکھنے کے لیے اسکو دوسرے ترقی دینے میں چار امانت بنائیں گے، ایسے سہروردوں کی غمخوئی کا کوشش ہے اس حال کو نئی زندگی مل جائے گی اور دین و اخلاق کی آواز مسلمان گھرانوں میں پہنچتی رہے گی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ۔

ابو الحسن علی ندوی

چند سالہ ”رضوان“ ہائے ہندوستان..... چھ روپے..... ہاں غیر سے..... ۱۲ شنگ

پست چکی

دفتر ماہ نامہ ”رضوان“ گوئن روڈ، کھنؤ

# حدیث فقہ و تاریخ پر منتخب کتابیں

حدیث	تاریخ
کتاب الزہد والقلائق (عربی)	۳۰/-
ترجمان السنہ (کامل چار جلدیں)	۳۶/-
محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے	۴/۵۰
نہضۃ الحدیث	۲/۵۰
فن اسما و الرجال	۱/۴۵
زاد سغراول	۴/۵۰
شرح شمائل ترمذی	۶/-
موضوعات کبیر	۸/-
مختصر شعب الایمان	۱/-
کتابت حدیث	۱/۵۰
فقہ	
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (کامل ۶ جلدوں میں)	۴۳/-
فتاویٰ رشیدیہ	۸/-
فتاویٰ عبدالحی	۱۶/-
اختری ہشتی زیور مکمل	۱۸/-
ہشتی نثر	۳/۴۵
علم الفقہ مکمل	۱۶/-
فقہ الاسلام	۱۵/-
نبیلغ دین	۳/۵۰
تائیب الصلوٰۃ	۲/۵۰
صلاح الرسوم	۱/۴۵
لغات تراویح	۱/۲۵
تاریخ اسلام مکمل	۳۳/-
تاریخ ملت کامل	۳۴/-
تاریخ مغلیہ کامل	۱۸/-
تاریخ دولت عثمانیہ	۹/-
تاریخ فقہ اسلامی	۱۰/-
تاریخ اندلس	۸/۵۰
اسلام اور عربی تمدن	۸/۵۰
آئینہ تحقیقت نامہ	۱۵/-
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہدیں	۴/-
ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک	۱۰/۲۵
سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	۱۱/-
تاریخ ردہ	۴/-
تاریخ جغرات	۸/-
سرکشی ضلع بجنور	۶/-
جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	۸/-
۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ	۴/۵۰
اشاعت اسلام	۶/-
تاریخ اسلام پر ایک نظر	۴/-
تاریخ ہند پر نئی روشنی	۲/-
بزم ملوکیہ	۵/۵۰
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	۴/-
ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء	۱/۲۵

کتاب خانہ الفکر لکھنؤ

## مختلف موضوعات پر منتخب کتابیں

## انگریزی زبان میں دینی علمی کتابیں

۸/-	ارکان اربعہ
۶/-	صحیفۃ باہل دل (جلد اول و ثانی)
۴/۵۰	نقوش اقبال
۱۰/۲۵	تذکرۃ تحلیل محلہ
۴/۵۰	تذکرہ شاہ علم اللہ
۵/-	ہندوستانی مسلمان
۶/-	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
۵/-	اسلامیت و مغزیت کی کشمکش
۵/-	طوفان سے ساحل تک
۵/-	قرآن آپ سے کیا کتاب ہے؟
۳/۴۵	دین و شریعت
۴/-	اسلام کیا ہے اردو ۲/۵۰ ہندی ۲/-
۵/۴۵	مواعظ حسنہ
۲/۵۰	مرنے کے بعد کیا ہوگا؟
۱۰/-	تبلیغی نصاب اول چرمی ۱۱/- پلاسٹک ۱۰/-
۱۰/-	" " دوم " ۱۱/-
۳/۵۰	کاروانِ مدینہ
۶/-	تزکیر نفس
۴/-	قادیانیت - مطالعہ اور جائزہ
۵/-	علم جدید کا چیلنج
۳/۵۰	ملفوظات شیخ الاسلام
۳/۵۰	سو بڑے آدمی
۵/-	ایشائیں آخری نوآبادیات

۸/-	دہات اسلام از
۸/-	اسلامیک فیتمہ اینٹیکٹس
۱۳/-	اسلام اینٹدی ورلڈ
۴/-	مسلس ان انڈیا
۴/-	قادیانزم
۴/۲۵	اسٹوریز آف صحابہ
۱۱/۵۰	ٹیمپل آف اسلام
۳/-	درچیز آف صلوٰۃ
۳/۵۰	درچیز آف ہولی قرآن
۱/۶۰	درچیز آف تبلیغ
۱/۵۰	اے کال ٹو مسلم
۱/۵۰	فاؤنڈیشن آف اسلام
۱/۴۵	سکس فاؤنڈیشن
۳/-	دی بلیسڈ پرافٹ
	لغات
۲۳/-	مصباح اللغات عکسی
۹/-	اردو عربی ڈکشنری
۱۰/۵۰	المجم (جامع اردو عربی لغات)
۹/-	لغات کشوری
۸/-	اردو لغات فیروزی
۱۵/-	اسٹوڈنٹ اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری
۱۲/-	یونیورسٹی انگلش اردو انگلش ڈکشنری کلاس
۱۰/۵۰	اسٹوڈنٹ لیٹسٹ پریکٹل ڈکشنری
۴/-	نیو ماڈل ڈکشنری (اردو سے انگریزی)

کتاب خانہ الفت سن گپری روڈ لکھنؤ

# سیر و سوانح

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ ... ۷۱/-	سیرۃ النبی (چھ جلدوں میں مکمل) ... ۸۵/-
حکایات صحابہ ... ۱/۵۰	محسن انسانیت ... ۱۰/-
شہید کربلا ... ۱/۵۰	پیغمبر عالم ... ۶/۷۵
حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ... ۸/-	خطبات مدرّس ... ۳/-
عثمانؓ " " " " ... ۳/-	مقالات سیرت ... ۵/-
اسلام مکمل (آغاز و ارتقاء) ... ۶/-	اسوۂ حسنہ ... ۳/-
تابع تابعین ... ۹/-	نبی عربی ... ۱/۵۰
اہل کتاب صحابہ و تابعین ... ۳/-	ہمارے حضور ... ۱/۸۰
تاریخ دعوت و عزیمت ادل ... ۱۰/-	پہلی تقریر سیرت ... ۱/۷۵
" " " " دوم ... ۸/۲۵	دوسری تقریر سیرت ... ۲/۷۵
" " " " سوم ... ۶/-	حیاء الصحابہ مکمل مجلد چہم ... ۳۲/-
سیرت النعمان ... ۳/۵۰	سیرت خلفاء راشدین ... ۲/۵۰
علماء و مہندگانشاہ نذیر ماضی ... ۸/۵۰	صدیق اکبر ... ۹/-
حیات شیخ عبدالحق دہلوی ... ۸/-	الفاروق ... ۶/-
تذکرۃ الرشید ... ۱۰/-	سیرت عائشہ ... ۷/-
سوانح قاسمی مکمل ... ۱۵/۵۰	خلفاء راشدین ... ۷/۵۰
امام رازی ... ۸/-	ہماجرین ادل ... ۷/-
نقش حیات ... ۱۰/۵۰	سیرۃ الفصحاء اہل ... ۵/-
حالات مشائخ کا تذکرہ ... ۳/۵۰	سیرۃ الصحابہ ... ۶/۵۰
تذکرہ شاہ فضل الرحمان ... ۳/-	اسوۂ صحابہ ... ۸/-
سیرت مولانا محمد علی مونگیری ... ۶/-	سیرۃ الصحابیات ... ۳/-
سوانح حضرت رائے پوری ... ۶/-	تابعین ... ۱۰/۵۰
سوانح مولانا محمد یوسف ... ۱۰/-	اسوۂ صحابیات ... ۲/-

کتابخانہ اہل سنت، کچہری روڈ، لکھنؤ

پشکوان کے  
عصده تیلوں میں  
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میں برائے  
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل  
۲۰۰ گرام ۱۵ روپے

عصده وناستی  
۲۰۰ گرام ۱۶ روپے

ستلولا، ستل کا تیل  
۲۰۰ گرام ۱۵ روپے

کاشد فالس ناریل کا تیل  
۲۰۰ گرام ۱۵ روپے

کوکو جابر

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل  
۲۰۰ گرام ۱۵ روپے

امی سلا تیل

۲۰۰ گرام ۱۵ روپے

اسد سر، بستی







